هدایۃ القاری
شرح صحیح البخاری
(اردو)
10
www.KitaboSunnat.com

هِدَايَةُ الْقَارِي
شَرحِ صَحِيحِ الْبُخَارِي

کتاب استتابة المرتدين ـــ کتاب التوحيد ✧ أحاديث: 6918 ـــ 7563

تالیف

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ

194-256ھ

ترجمہ وشرح

شیخ الحدیث حافظ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ

فاضل مدینہ یونیورسٹی

نظر ثانی، تصحیح، تنقیح اور اضافات

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ـ مولانا ابوعبداللہ محمد عبدالجبار حفظہ اللہ ـ حافظ محمد آصف اقبال حفظہ اللہ

مولانا محمد عثمان منیب حفظہ اللہ ـ مولانا غلام مرتضی احمد حفظہ اللہ ـ مولانا مختار احمد ضیاء حفظہ اللہ
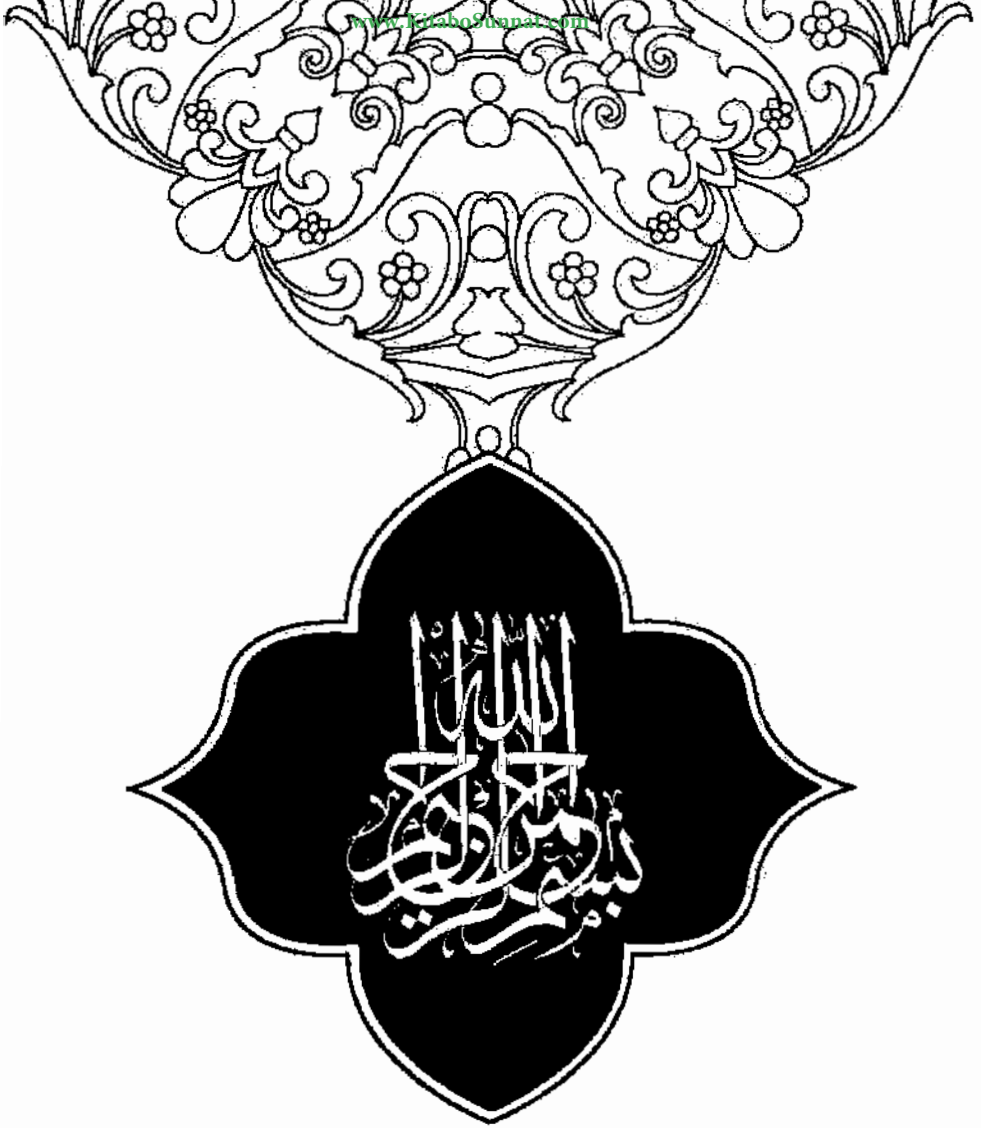
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
البخاري، محمد اسماعيل
هداية القاري بشرح صحيح البخاري مجلد (١٠) اردو /.
محمد اسماعيل البخاري: الرياض، ١٤٣٦ هـ
ص٨٤٤ مقاس: ١٧×٢٤ سم
ردمك: ٣-١-٩٦٤٢-٩-٦٠٣-٩٧٨
١- الحديث الصحيح ٢- الحديث - شرح العنوان
ديوي ٢٣٥٫١ ١٤٣٩/٥٨٨
رقم الإيداع: ١٤٣٦/٥٨٨
ردمك: ٣-١-٩٦٤٢-٩-٦٠٣-٩٧٨

فہرست مضامین (جلد دہم)

کتاب التعبیر ۹۱	خوابوں کی تعبیر کا بیان	79
۱- بَابٌ: أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ: اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ	باب: رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز سچے خواب سے ہوا	81
۲- بَابُ رُؤْيَا الصَّالِحِينَ	باب: نیک لوگوں کے خواب	84
۳- بَابُ الرُّؤْيَا مِنَ اللهِ	باب: خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے	85
٤- بَابٌ: اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ	باب: اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے	87
٥- بَابُ الْمُبَشِّرَاتِ	باب: مبشرات کا بیان	89
٦- بَابُ رُؤْيَا يُوسُفَ	باب: حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کا بیان	89
٧- بَابُ رُؤْيَا إِبْرَاهِيمَ	باب: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا بیان	90
٨- بَابُ التَّوَاطُىءِ عَلَى الرُّؤْيَا	باب: خواب پر اتفاق، یعنی ایک ہی خواب کئی آدمی دیکھیں	92
٩- بَابُ رُؤْيَا أَهْلِ السُّجُونِ وَالْفَسَادِ وَالشِّرْكِ	باب: قیدیوں، فسادیوں اور مشرکین کے خواب	92
١٠- بَابُ مَنْ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ فِي الْمَنَامِ	باب: جس نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا	94
١١- بَابُ رُؤْيَا اللَّيْلِ	باب: رات کے خواب کا بیان	96
١٢- بَابُ الرُّؤْيَا بِالنَّهَارِ	باب: دن کے خواب کا بیان	99
١٣- بَابُ رُؤْيَا النِّسَاءِ	باب: عورتوں کا خواب دیکھنا	100
١٤- بَابٌ: اَلْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ وَإِذَا حَلَمَ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ وَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ عَزَّ وَجَلَّ	باب: برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اگر کوئی برا خواب دیکھے تو بائیں جانب تھوک دے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے	101
١٥- بَابُ اللَّبَنِ	باب: خواب میں دودھ دیکھنا	102
١٦- بَابٌ: إِذَا جَرَى اللَّبَنُ فِي أَطْرَافِهِ أَوْ أَظَافِيرِهِ	باب: جب کوئی شخص دودھ کو خواب میں اپنے ناخنوں اور دیگر اعضاء سے پھوٹتا دیکھے	103
١٧- بَابُ الْقَمِيصِ فِي الْمَنَامِ	باب: خواب میں قمیص دیکھنا	104
١٨- بَابُ جَرِّ الْقَمِيصِ فِي الْمَنَامِ	باب: خواب میں قمیص گھسیٹ کر چلنا	104
١٩- بَابُ الْخُضَرِ فِي الْمَنَامِ وَالرَّوْضَةِ الْخَضْرَاءِ	باب: خواب میں سبزہ اور ہرا بھرا باغ دیکھنا	105

٩٢ كتاب الفتن — فتنوں کا بیان (139)

٩٧ كتاب التوحيد — توحید سے متعلق احکام و مسائل 421

جبر اور اکراہ کے معنی، مفہوم، اقسام اور شرائط

کسی پر اس کی مرضی کے خلاف کوئی چیز لازم کر دینا اکراہ کہلاتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اکراہ سے مراد صرف خوف یا ڈر نہیں بلکہ ایسی مجبوری ہے جس سے انسان بے بس ہو جائے۔ اس کی جامع تعریف یوں کی گئی ہے: ''کسی شخص کا وہ قول یا فعل جو دوسرے شخص کو اس کی خواہش اور ارادے کے خلاف کوئی کام یا بات کرنے پر مجبور کر دے۔'' اکراہ، جبر کرنے والے، جس کو مجبور کیا جائے اور جس کام کے لیے جبر کیا جائے ان کے مختلف ہونے کی وجہ سے جبر بھی مختلف ہوتا رہتا ہے۔ اکراہ کی دو بڑی قسمیں ہیں: اکراہ تام اور اکراہ ناقص۔

○ اکراہ تام: جس میں انسان اس حد تک مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کی مرضی ختم ہو جاتی ہے اور اس کا اختیار ختم ہو جاتا ہے، مثلاً: قتل کرنے یا جسم کے کسی حصے کو ضائع کرنے کی دھمکی یا ایسی مار جس سے جان جانے کا خطرہ ہو۔

○ اکراہ ناقص: جس میں انسان اس حد تک مجبور ہوتا ہے کہ اس کی رضا تو ختم ہو جائے لیکن اس کا اختیار ختم ہونے کے بجائے فاسد ہو جائے، مثلاً: ایسی دھمکی دی جائے جس سے جان جانے یا جسم کے کسی عضو کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ پھر اس اکراہ کی کچھ شرطیں ہیں۔ ان میں سے چند ایک کا تعلق جبر کرنے والے شخص سے ہے اور کچھ شرطوں کا تعلق اس شخص سے ہے جسے مجبور کیا جا رہا ہے، چنانچہ جبر کرنے والے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس فعل کے کرنے پر قادر ہو جس کی اس نے دھمکی دی ہے اور جس شخص کو مجبور کیا جا رہا ہے اسے یقین ہو کہ دھمکی دینے والا اپنی دھمکی کے مطابق عمل کر گزرے گا، بصورت دیگر اکراہ ثابت نہیں ہوگا۔ ہاں، فعل کی نوعیت اگر ایسی ہو جس میں یقین سے نہ کہا جا سکے کہ دھمکی دینے والا شخص وہ کام کر گزرے گا تو ظن غالب کا اعتبار کیا جائے گا جو یقین کے قریب قریب ہوتا ہے۔ پھر جس کام پر انسان کو مجبور کیا جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں: مباح اور مرخص۔

○ مُباح: اس میں وہ امور شامل ہیں جن کا ارتکاب اکراہ تام کی وجہ سے حالت اضطراب میں جائز ہو جاتا ہے، حالانکہ عام حالات میں وہ حرام ہوتے ہیں۔ حالت اکراہ میں ان کا بجا لانا ضروری ہے، مثلاً: انتہائی شدت کی بھوک میں جبکہ جان جانے کا خطرہ ہو تو مردار کا گوشت کھانا یا شراب پینا وغیرہ۔

○ مرخص: اس میں وہ افعال داخل ہیں جن کے کرنے یا نہ کرنے دونوں کی شریعت نے اجازت دی ہے، مثلاً: کوئی اکراہ تام کی صورت میں کلمۂ کفر زبان سے نکالے مگر اس کا دل ایمان پر قائم ہو تو ایسی صورت میں وہ شخص کلمۂ کفر کہے

یا نہ کہے شرعاً اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا، البتہ ایسے حالات میں اس کا کلمۂ کفر نہ کہنا بہتر اور باعث فضیلت ہے، چنانچہ اگر کوئی مسلمان اکراہ تام کے باوجود کلمۂ کفر زبان سے نہ نکالے اور قتل ہونا پسند کرے، ایسے حالات میں اگر اسے قتل کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم کا حقدار ہوگا کیونکہ اس نے رخصت پر عمل کرنے کے بجائے عزیمت کو اختیار کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مکی دور میں جب قریش مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے اور انھیں ظلم وستم کی چکی میں پیسا جا رہا تھا تو حضرت یاسر اور ان کی زوجۂ محترمہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا لیکن کلمۂ کفر زبان پر نہ لائے۔ اس کے برعکس حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کفار ان سے کہلوانا چاہتے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے ایسے حالات میں آپ کی ذات کو برا بھلا کہا اور قریش کے معبودان باطلہ کا ذکر خیر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسے حالات میں تیرے دل کی کیا کیفیت تھی؟'' انھوں نے عرض کی: میرا دل پوری طرح ایمان پر مطمئن تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر وہ پھر تم سے ایسا سلوک کریں تو تمھیں اس رخصت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔''[1]

اسی طرح ایک آیت کریمہ میں اہل ایمان کو اہل کفر سے بے تعلق رہنے کی تلقین کی گئی ہے لیکن اگر بے تعلق رہنے سے کسی خطرے یا نقصان کا اندیشہ ہو تو ظاہر داری کے طور پر ''دوستی'' رکھنے کی اجازت ہے۔ اس کے لیے جو لفظ استعمال ہوا ہے اسے ہم تقیہ سے تعبیر کر سکتے ہیں، جس کے معنی ہیں: کسی معقول عذر کی بنا پر اپنے اسلام کو چھپانا، خواہ اسلام کے عدم اظہار کی صورت میں ہو یا ایمان کے منافی کردار کے اظہار کی شکل میں ہو، دونوں کی اجازت ہے۔ اس کی وضاحت ہم آئندہ کریں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت پہلے چند آیات پیش کر کے تمہید کو اٹھایا ہے، پھر پندرہ (15) مرفوع احادیث ذکر کی ہیں جن میں تین (3) معلق اور بارہ (12) متصل سند سے مروی ہیں۔ مرفوع احادیث کے علاوہ مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے مروی نو (9) آثار بھی پیش کیے ہیں، پھر ان احادیث و آثار پر سات (7) چھوٹے چھوٹے عنوانات قائم کیے ہیں، آپ نے ان احادیث سے جبر و اکراہ کے متعدد مسائل و احکام بیان کیے ہیں جن کی تفصیل ہم فوائد میں بیان کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی آزمائشوں سے بچائے، نیز مشکل اور کڑے حالات میں ثابت قدم رہنے کی توفیق دے۔ آمین۔

---

[1] المستدرك للحاكم: 357/2.

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

89- كِتَابُ الْإِكْرَاهِ

جبر واکراہ کا بیان

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالٰى: ﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [النحل: ١٠٦]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''(جس شخص نے ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے کفر کیا) سوائے اس کے جسے مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (تو یہ معاف ہے) مگر جس نے برضا ورغبت کفر قبول کیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور انھی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

وَقَالَ: ﴿إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ [آل عمران: ٢٨] وَهِيَ تَقِيَّةٌ

نیز فرمایا: ''(اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو ہرگز دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ سے کوئی واسطہ نہیں) الا یہ کہ تمھیں ان (کافروں) سے بچنے کے لیے اس قسم کا طرز عمل اختیار کرنا پڑے۔'' آیت کریمہ میں تقاۃ کے معنی تقیہ ہیں۔

وَقَالَ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿عَفُوًّا غَفُورًا﴾ [النساء: ٩٧-٩٩]

نیز ارشاد گرامی ہے: ''یقیناً جو لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے رہے جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لیے آتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں: تم کس حال میں مبتلا تھے؟ وہ کہتے ہیں، ہم اس سرزمین میں بالکل کمزور تھے...... بے حد معاف کرنے والا نہایت بخشنے والا ہے۔''

وَقَالَ: ﴿وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ

نیز فرمایا: ''جبکہ کئی کمزور مرد، عورتیں اور بچے ایسے ہیں جو یہ فریاد کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی

ٱلظَّالِمِ أَهْلُهَا وَٱجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَٱجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا﴾ [النساء: ٧٥]

سے نکال لے جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارے لیے کوئی حامی اور مددگار پیدا فرما دے۔"

فَعَذَرَ اللهُ الْمُسْتَضْعَفِينَ الَّذِينَ لَا يَمْتَنِعُونَ مِنْ تَرْكِ مَا أَمَرَ اللهُ بِهِ، وَالْمُكْرَهُ لَا يَكُونُ إِلَّا مُسْتَضْعَفًا غَيْرَ مُمْتَنِعٍ مِّنْ فِعْلِ مَا أُمِرَ بِهِ.

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کمزور لوگوں کو اللہ کے احکام نہ بجا لانے سے معذور رکھا اور جس کے ساتھ جبر کیا جائے وہ بھی کمزور ہی ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کام سے منع کیا ہے وہ اس کے کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

وَقَالَ الْحَسَنُ: التَّقِيَّةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

امام حسن بصری نے کہا: تقیہ کرنے کا جواز قیامت تک کے لیے ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيمَنْ يُكْرِهُهُ اللُّصُوصُ فَيُطَلِّقُ: لَيْسَ بِشَيْءٍ، وَبِهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَالشَّعْبِيُّ وَالْحَسَنُ. وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ».

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس کے ساتھ چوروں نے زبردستی کی ہو، پھر اس نے ان کے جبر کرنے پر اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو وہ واقع نہیں ہوگی۔ ابن زبیر، شعبی اور حسن بصری کا بھی یہی موقف ہے اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اعمال نیت پر موقوف ہیں۔"

وضاحت: ایمان لانے کے بعد کفر کا راستہ اختیار کرنا ارتداد، یعنی دین اسلام سے پھر جانا ہے لیکن بعض اوقات اسباب کفر کے باوجود کسی متعین شخص کو کافر قرار دینے میں کوئی رکاوٹ کھڑی ہو جاتی ہے جسے ہم مانع سے تعبیر کرتے ہیں جس کی جمع موانع ہے۔ کسی کو اسباب کفر کے باوجود کافر قرار دینے کے لیے متعدد موانع ہیں جن میں ایک اکراہ اور دوسرا تقیہ ہے۔ یہ دونوں موانع امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ آیات میں بیان ہوئے ہیں۔ اکراہ کے متعلق کچھ وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اکراہ یہ ہے کہ کسی پر کوئی ایسی چیز لازم کر دینا جسے وہ نہ چاہتا ہو۔ اس کی چار شرطیں ہیں: ○ دھمکی دینے والا اپنی دھمکی کے مطابق عمل کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور مجبور انسان اپنا دفاع کرنے سے عاجز ہو حتی کہ وہ بھاگ کر بھی اپنی جان نہ بچا سکے۔ ○ مجبور انسان کو یقین یا کم از کم ظن غالب ہو کہ اگر وہ اس کے مطابق عمل نہ کر سکا تو جبر کرنے والا اپنی دھمکی کو عملی شکل دے دے گا۔ ○ اپنی دھمکی کو فوری طور پر عملی شکل دینے پر قادر ہو۔ اگر اس نے یوں کہا کہ اگر تو نے اب ایسا نہ کیا تو میں کل تجھے مار دوں گا تو ایسا انسان مجبور نہیں ہوگا۔ ○ مجبور انسان سے اس قسم کا عمل ظاہر نہ ہو جو اس کے اختیار و ارادے پر دلالت کرتا ہو۔[1] اسباب کفر کے باوجود کسی کو کافر قرار دینے میں دوسرا مانع "تقیہ" ہے جس کے متعلق ہم تعارفی نوٹ میں کچھ وضاحت کر آئے ہیں۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے: دین اسلام قبول کرنے کے بعد اسے چھپا کر نہیں رکھنا چاہیے، نیز اس کے تقاضوں کے مطابق اعلانیہ عمل کرنا چاہیے لیکن بعض مقامات پر طاغوتی طاقتیں اس قدر زور آور ہوتی ہیں کہ مسلمان وہاں کھل کر اپنے دین کا اظہار نہیں کر

[1] فتح الباري: 390/12.

سکتا، بصورت دیگر اسے وہاں امتحانات اور آزمائشوں سے گزرنا اور مصائب وآلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایسے حالات میں دین اسلام کا مطالبہ ہے کہ اسے چھپانے کے بجائے اس وطن کو خیرباد کہہ دیا جائے اور وہاں سے ہجرت کر کے رہنے کے لیے کوئی ایسی جگہ منتخب کی جائے جہاں کھل کر اپنے دین کا برملا اظہار کیا جا سکے۔ لیکن بعض اوقات دین کے متعلق فتنے اور آزمائش میں مبتلا ہونے کے باوجود ہر انسان ہجرت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتا تو ایسے حالات میں اس کے لیے اپنے دین کو چھپانا اور اس کا اظہار نہ کرنا جائز ہے لیکن اسے جب بھی موقع ملے اپنے دین پر پورا عمل کرے اور اپنے قول وفعل سے کفر کی تائید سے اجتناب کرے۔ اس معقول عذر کی تعیین حالات وواقعات سے ہوتی ہے۔ دین کو چھپانا اور اسے ظاہر نہ کرنا تقیہ کہلاتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: ○ کتمان اسلام، یعنی اسلام کو چھپانے کا تقیہ۔ ○ اظہار کفر، یعنی کفر کو ظاہر کرنے کا تقیہ، چنانچہ غزوۂ احزاب کے موقع پر حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی خیر خواہی اور مصلحت کے لیے یہ جنگی چال اختیار کی کہ اپنے اسلام کو چھپائے رکھا اور یہود ومشرکین سے بظاہر اپنی ہمدردی اور خیر خواہی کا اظہار کیا۔ یہ کتمانِ اسلام، یعنی اسلام کو چھپانے کا تقیہ تھا۔ اسی طرح کعب بن اشرف یہودی کو قتل کرنے کے لیے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بظاہر کفر کا اظہار کیا اور اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی شکایت کی تاکہ وہ انھیں اپنا دوست خیال کرے اور آپ ﷺ سے منہ موڑنے والا سمجھے۔ اس بہانے انھیں کعب بن اشرف کو راستے سے ہٹانے اور اسے قتل کرنے کا موقع میسر آیا۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس واقعے پر یہ عنوان قائم کیا ہے: [بَابٌ فِي الْعَدُوِّ يُؤْتٰى عَلٰى غِرَّةٍ وَيُتَشَبَّهُ بِهِمْ] ''دشمن کو دھوکا دینا اور اسے چکمہ دینے کے لیے ان کی مشابہت اختیار کرنا۔''[1] لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں تقیہ بطور منافقت استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق اہل سنت اور شیعہ حضرات میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ شیعہ حضرات کے نزدیک خوف واکراہ کے بغیر بھی تقیہ کرنا جائز ہے جبکہ اہل سنت کے نزدیک ایسا کرنا نفاق اور کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعوں کے ہاں حق کو چھپانا، جھوٹ بولنا، دھوکا دینا، بزدلی دکھانا اور دوغلی پالیسی پر عمل کرنا عام ہے لیکن اہل سنت کا تقیہ ایسی باتوں کی تلقین نہیں کرتا بلکہ اسے کسی دینی مصلحت کے پیش نظر انتہائی مجبوری کی حالت میں اختیار کرنے کی اجازت ہے اگرچہ ایسے حالات میں بھی عزیمت کا تقاضا یہی ہے کہ اپنی جان قربان کر دے لیکن اظہار کفر نہ کرے۔ تقیہ کی دونوں قسموں کے متعلق ایک بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہیے کہ تقیہ کی پہلی قسم جس کا تعلق کتمانِ اسلام (اسلام کو چھپانے) سے ہے اس کے لیے انسان کی عاجزی اور بے بسی ہی کافی ہے لیکن تقیہ کی دوسری قسم جس میں کفر کا اظہار کیا جاتا ہے اس میں ایسی مجبوری کا ہونا ضروری ہے جس میں انسان بے اختیار ہو جاتا ہے۔ واضح رہے کہ تقیہ سے متعلقہ آیت کریمہ میں بہت سی باتیں ایسی آجاتی ہیں جو محض مومن کی صوابدید پر چھوڑ دی جاتی ہیں، مثلاً: وہ خطرہ جس کے پیش نظر اس نے کتمانِ اسلام یا اظہار کفر کرنا ہے، واقعی موجود ہے یا وہ موہوم ہے۔ اگر موجود ہے تو کیا واقعی اس کی جان اور آبرو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے؟ وہ خطرہ اس کی ذات تک محدود ہے یا دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی باعث فتنہ بن سکتا ہے، یعنی اظہار کفر کر کے اپنے آپ کو تو محفوظ کر لیتا ہے تو اس کا نقصان دوسرے مسلمانوں کو تو نہیں پہنچے گا۔ ان تمام سوالوں کا جواب ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ﴾ ''اللہ تمھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ کی طرف لوٹ جانا ہے۔''[2] میں پوشیدہ ہے، یعنی اسے ایسی باتوں کا جواب اس اللہ سے ڈر کر سوچنا چاہیے

---

1 سنن أبي داود، الجهاد، رقم الباب: 175. 2 آل عمران 3: 28.

جس کے پاس ایک دن لوٹ کر جانا ہے۔ وہ دلوں کے حالات اور خیالات تک کو بھی خوب جانتا ہے اور اس بات پر بھی قادر ہے کہ اگر کافر اور کفر کے ڈر کے بجائے اللہ تعالیٰ کے ڈر کو مقدم رکھا جائے گا تو وہ ان کے فتنے سے بچانے کی پوری قدرت رکھتا ہے اور اس سے نکلنے کی کئی دوسری راہیں پیدا کر سکتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رعایت سے صرف اسی قدر فائدہ اٹھانا چاہیے جس کے بغیر کوئی چارۂ کار نظر نہ آرہا ہو، بصورت دیگر اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے، وہ دنیا میں بھی سزا دے سکتا ہے، ذلیل و رسوا کر سکتا ہے اور آخرت میں بھی بڑے عذاب سے دوچار کر سکتا ہے۔ بہرحال سنگین حالات میں اگرچہ رخصت پر عمل کرنا جائز ہے، تاہم ایک بندۂ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ایسے حالات میں مستقل مزاجی اور عزیمت کا مظاہرہ کرے۔ واللہ أعلم.

٦٩٤٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ هِلَالِ بْنِ أُسَامَةَ: أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَدْعُو فِي الصَّلَاةِ: «اَللّٰهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، وَالْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، اَللّٰهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ، وَابْعَثْ عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ». [راجع: ٧٩٧]

[6940] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز میں (ان الفاظ کے ساتھ) دعا کرتے تھے: ''اے اللہ! عیاش بن ابو ربیعہ، سلمہ بن ہشام اور ولید بن ولید رضی اللہ عنہم کو نجات دے۔ اے اللہ! تو بے بس اور مجبور مسلمانوں کو نجات دے۔ اے اللہ! مضر قبیلے پر اپنی گرفت سخت کر اور ان پر ایسا قحط مسلط کر جیسا یوسف علیہ السلام کے زمانے میں آیا تھا۔''

فوائد ومسائل: ① ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ اہل مشرق جو مضر قبیلے سے تعلق رکھتے تھے ان دنوں مسلمان نہ تھے بلکہ اسلام اور اہل اسلام کے مخالف تھے۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ دباؤ کی وجہ سے کفر اختیار کرنا حقیقی کفر نہیں اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ان بے بس اور مجبور لوگوں کے لیے دعا نہ فرماتے اور انھیں مومن قرار نہ دیتے، نیز اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جس پر جبر کیا جائے وہ کمزور ہی ہوتا ہے۔ ③ واضح رہے کہ کمزور مسلمان ان دنوں مکہ مکرمہ میں کافروں کے ہاتھوں میں گرفتار تھے اور ان کے جبر کرنے سے وہ کفر کے کاموں میں بھی شریک رہتے ہوں گے لیکن اکراہ کی وجہ سے انھوں نے اسے اختیار کیا اور ایسی حالت میں مجبوری اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوتی ہے۔[2] واللہ أعلم.

(١) بَابٌ: مَنِ اخْتَارَ الضَّرْبَ وَالْقَتْلَ وَالْهَوَانَ عَلَى الْكُفْرِ

باب: 1- جس نے کفر پر مار کھانے، قتل کیے جانے اور ذلت برداشت کرنے کو اختیار کیا

(1) صحيح البخاري، الأذان، حديث: 804. (2) فتح الباري: 12/394.

وضاحت: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سینے پر بھاری بھرکم پتھر رکھ کر انھیں کفر اختیار کرنے اور شرک کرنے کے متعلق مجبور کیا جاتا لیکن وہ اَحَد، اَحَد کا نعرہ لگا کر کفر و شرک کا انکار کر دیتے۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو مشرکین آگ کے الاؤ میں پھینک دیتے حتی کہ ان کے جسم کی چربی آگ کو ٹھنڈا کر دیتی، لیکن کلمۂ کفر زبان پر نہ لاتے۔ ایسے حالات میں ان کے لیے رخصت پر عمل کرنا جائز تھا لیکن انھوں نے عملی طور پر عزیمت کا مظاہرہ کیا۔ ان کے علاوہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والدین حضرت یاسر اور سمیہ رضی اللہ عنہما کفار کا عذاب سہتے ہوئے اللہ کو پیارے ہو گئے لیکن کفر کی بات یا شرک کا کام کر کے کافروں کا دل اور سینہ ٹھنڈا نہیں کیا۔ بہر حال یہ تمام واقعات اسلامی تاریخ کا حصہ ہیں لیکن یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شرائط کے مطابق نہ تھے، اس لیے انھیں ذکر کرنے کے بجائے مذکورہ عنوان سے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔[1]

٦٩٤١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ الطَّائِفِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: أَنْ يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ». [راجع: ١٦]

[6941] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین خصلتیں ایسی ہیں جس میں وہ پائی جائیں وہ ایمان کی مٹھاس (اور لذت) چکھ لیتا ہے: اللہ اور اس کے رسول، اسے سب سے زیادہ پیارے اور محبوب ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی سے محبت صرف اللہ کے لیے کرے۔ تیسرے یہ کہ اسے کفر میں لوٹ جانا اتنا برا لگے جیسے وہ آگ میں ڈالے جانے کو برا خیال کرتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ جب اس کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے نجات دے دی ہے تو کفر کو دوبارہ اختیار کرنے کی نسبت آگ میں چھلانگ لگانے کو زیادہ پسند کرے۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے پیش کردہ حدیث میں اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے، یعنی وہ بندۂ مومن آگ میں کود پڑنے کی تکلیف کو زیادہ ترجیح دے گا لیکن کفر کو اختیار نہیں کرے گا۔ ② اگرچہ جبر و اکراہ کے وقت کفریہ کام یا کفریہ بات کرنے کی رخصت ہے لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کردار سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے رخصت پر عمل کرنے کے بجائے عزیمت کو اختیار کیا اور کفار کے مصائب و آلام کو خندہ پیشانی سے قبول کیا لیکن کلمۂ کفر کہہ کر اہل کفر کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں کیا۔ ③ قرآن کریم میں اصحاب الاخدود اور حدیث مبارکہ میں غلام کا واقعہ بیان ہوا ہے، انھوں نے بھی اسی قسم کی مستقل مزاجی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ان حضرات نے ہمارے لیے درج ذیل نمونہ چھوڑا ہے: ''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر اس پر ڈٹ گئے، ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ تم ڈرو اور نہ غمگین ہی ہو اور اس جنت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں تمھیں وہی کچھ ملے گا جو تمھارا جی چاہے گا اور جو کچھ مانگو گے تمھارا ہو گا۔ یہ بے حد بخشنے والے نہایت

1 فتح الباري: 395/12. 2 صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6041.

مہربان کی طرف سے تمھاری مہمانی ہوگی۔'' [1]

٦٩٤٢ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا عَبَّادٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ: سَمِعْتُ قَيْسًا: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ زَيْدٍ يَقُولُ: لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنَّ عُمَرَ مُوثِقِي عَلَى الْإِسْلَامِ، وَلَوِ انْقَضَّ أُحُدٌ مِمَّا فَعَلْتُمْ بِعُثْمَانَ كَانَ مَحْقُوقًا أَنْ يَنْقَضَّ. [راجع: ٣٨٦٢]

[6942] حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے اسلام لانے کی پاداش میں باندھ دیا کرتے تھے۔ اور اب تم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے اس پر اگر احد پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے تو اسے ایسا ہونا ہی چاہیے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے یہ ایمان افروز بات مسجد کوفہ میں ارشاد فرمائی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلومانہ طور پر شہید کر دیا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مذکورہ سلوک کرتے تھے۔ [2] حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ذلت و رسوائی اور مار پیٹ کو گوارا کر لیا لیکن اسلام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باغیوں کے ہاتھوں قتل ہونا گوارا کر لیا لیکن ان کا غیر شرعی کہا نہ مانا۔ ② واضح رہے کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی تھے اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ ان کی قراءت سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل موم ہوا تھا۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اپنے بیان سے اہل کوفہ کو شرم دلاتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اس وقت کافر ہونے کی وجہ سے ہم پر سختی کرتے تھے اور تم نے مسلمان ہونے کے باوجود خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے مکان میں بند کر دیا، پھر دشمنی اور ظلم کے طور پر انھیں شہید کر دیا۔ انھوں نے خود قتل ہونا گوارا کر لیا لیکن تمھیں قتل کرنا گوارا نہ کیا۔

٦٩٤٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا قَيْسٌ، عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ قَالَ: شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ، فَقُلْنَا: أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا؟ أَلَا تَدْعُو لَنَا؟ فَقَالَ: «قَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهَا، فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مِنْ دُونِ لَحْمِهِ وَعَظْمِهِ، فَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ،

[6943] حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی حالت زار بیان کی جبکہ اس وقت آپ کعبے کے سائے میں اپنی چادر اوڑھے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کی: آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد کیوں نہیں مانگتے؟ آپ ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے جو لوگ تھے ان میں سے کسی ایک کو پکڑ لیا جاتا، زمین میں اس کے لیے گڑھا کھود کر اس میں اسے بٹھا دیا جاتا، پھر آرا لایا جاتا اور اس کے سر پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے

1 حٰمٓ السجدة 41: 30-32. 2 صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3862.

وَاللهِ! لَيَتِمَّنَّ هٰذَا الْأَمْرُ حَتّٰى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللهَ وَالذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهِ، وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ». [راجع: ٣٦١٢]

جاتے اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت اور ہڈیوں کو الگ الگ کر دیا جاتا لیکن یہ آزمائشیں اسے اپنے دین سے برگشتہ نہ کرتی تھیں۔ اللہ کی قسم! یہ (اسلام کا) کام ضرور مکمل ہوگا حتی کہ صنعاء سے حضرموت کا سفر کرنے والا شخص اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا اور نہ بھیڑیے کے علاوہ بکریوں کو کسی سے خطرہ ہوگا لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔"

فوائد ومسائل: ﴿1﴾ حضرت خباب بن ارت ؓ اس وقت کافروں کے ہاتھوں گرفتار تھے۔ وہ انھیں طرح طرح کی تکلیفیں دیتے اور کفر میں واپس لوٹ جانے پر مجبور کرتے تھے۔ انھوں نے کفر پر مار پیٹ کو پسند کیا۔ ایسے حالات میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں لیکن آپ ﷺ نے انھیں صبر کی تلقین کی اور فرمایا: تم سے پہلے لوگ کہیں زیادہ سنگین حالات سے دوچار ہوتے تھے۔ مصائب وآلام کی رات ختم ہونے والی ہے، اس لیے تم جلدی سے کام نہ لو۔ ﴿2﴾ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو کفر پر مجبور کیا جائے تو اسے رخصت پر عمل کرنے کے بجائے عزیمت کو اختیار کرنا چاہیے اور اگر کفر کے علاوہ کسی چیز پر مجبور کیا جائے تو اسے رخصت کو قبول کرنا چاہیے۔ گویا جبر واکراہ کی دو قسمیں ہیں: ایک مُباح اور دوسری مُرَخّص، اس کی تفصیل ہم تعارفی نوٹ میں بیان کر آئے ہیں۔

(٢) بَابٌ: فِي بَيْعِ الْمُكْرَهِ وَنَحْوِهِ فِي الْحَقِّ وَغَيْرِهِ

باب: 2- مجبور اور اس کی طرح کسی دوسرے شخص کا اپنے حقوق وغیرہ کو فروخت کرنا

وضاحت: اس شخص کا اپنی مملوکہ اشیاء فروخت کرنا جس پر جبر کیا جا رہا ہو یا وہ شخص جو مفلسی کی وجہ سے اپنا مال بیچے، ان دونوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ پہلے کو مجبور اور دوسرے کو مضطر کہتے ہیں۔

٦٩٤٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «انْطَلِقُوا إِلٰى يَهُودَ» فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتّٰى جِئْنَا بَيْتَ الْمِدْرَاسِ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَنَادَاهُمْ: «يَا مَعْشَرَ يَهُودَ! أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا»، فَقَالُوا: قَدْ

[6944] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ ہم مسجد میں تھے کہ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "یہودیوں کے پاس چلو۔" ہم آپ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب ہم بیت المدراس پہنچے تو نبی ﷺ نے ان کو آواز دی: "اے قوم یہود! اسلام قبول کر لو تم سلامتی میں رہو گے۔" انھوں نے کہا: اے ابو القاسم! آپ نے حکم پہنچا دیا۔ آپ ﷺ نے

بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ، فَقَالَ: «ذٰلِكَ أُرِيدُ»، ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَقَالُوا: قَدْ بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ، ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ فَقَالَ: «اعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُجْلِيَكُمْ، فَمَنْ وَّجَدَ مِنْكُمْ بِمَالِهِ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ وَإِلَّا فَاعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ». [راجع: ٣١٦٧]

فرمایا: ''یہی میرا ارادہ تھا۔'' پھر آپ نے دوبارہ فرمایا تو انھوں نے کہا: اے ابو القاسم! آپ نے تبلیغ کر دی۔ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر آپ نے انھیں وارننگ دی اور فرمایا: ''تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور میں تمھیں جلا وطن کرنا چاہتا ہوں، تم میں سے جس کے پاس مال ہو اسے چاہیے کہ جلا وطن ہونے سے پہلے پہلے اسے فروخت کر دے بصورت دیگر تمھیں پتہ ہونا چاہیے کہ یہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① یہودی لوگ اپنے مال وغیرہ میں بہت بخیل ثابت ہوئے تھے، جب انھیں جلا وطن ہونے کی دھمکی دی گئی تو انھوں نے اپنی جائیدادیں فروخت کرنے میں عافیت سمجھی۔ اگرچہ وہ انھیں بیچنا نہیں چاہتے تھے لیکن اس وقت وہ مجبور تھے۔ ② اس حدیث سے امام بخاری ؒ نے مجبور شخص کی بیع کے جواز پر استدلال کیا ہے اور یہ حدیث مجبور کی بیع میں بہت واضح ہے کیونکہ مجبور وہ شخص ہے جسے اپنی مملوکہ اشیاء فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے، حالانکہ وہ انھیں بیچنا نہیں چاہتا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی چیزیں فروخت کرنے کا اختیار دیا تھا، اس اختیار سے انھوں نے فائدہ اٹھانا مناسب خیال کیا۔ ایسی صورت میں مکرہ (مجبور) کی بیع کا جواز ثابت ہوا۔ واللّٰہ أعلم.

(٣) بَابٌ: لَا يَجُوزُ نِكَاحُ الْمُكْرَهِ

باب: 3- مجبور شخص کا نکاح جائز نہیں

﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [النور: ٣٣]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو...... بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''

وضاحت: دور جاہلیت میں لوگ اپنی لونڈیوں کو کرائے پر دیتے تھے۔ عبداللہ بن ابی منافق بھی اپنی دو لونڈیوں سے ٹیکس وصول کرنے کے لیے انھیں زنا پر مجبور کرتا تھا۔ مذکورہ آیت انھی لونڈیوں کے متعلق نازل ہوئی۔ جب لونڈی کی مرضی کے خلاف کرنا جائز نہیں تو آزاد شخص کی مرضی کے خلاف نکاح کس طرح ہوسکتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٦٩٤٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَمُجَمِّعٍ ابْنَيْ يَزِيدَ بْنِ جَارِيَةَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِدَامٍ

[6945] حضرت خنساء بنت خدام انصاریہ ؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کی شادی کر دی جبکہ وہ شوہر دیدہ تھیں۔ انھوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا اور وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے اس نکاح کو

الْأَنْصَارِيَّةِ: أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ، فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَرَدَّ نِكَاحَهَا. [راجع: ٥١٣٨]

مسترد کر دیا۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر دوسری جگہ ان الفاظ کے ساتھ عنوان قائم کیا ہے: [بَابٌ: إِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ وَهِيَ كَارِهَةٌ فَنِكَاحُهُ مَرْدُودٌ] "جب کوئی اپنی بیٹی پر جبر کرتے ہوئے اس کا نکاح کسی دوسرے سے کر دے تو اس کا نکاح مردود ہے۔"[1] ایک روایت میں تفصیل ہے کہ حضرت جعفر کی اولاد میں سے ایک لڑکی کو خطرہ تھا کہ اس کا سرپرست زبردستی کسی سے اس کا نکاح کر دے گا تو اس نے انصار کے دو شیوخ حضرت عبدالرحمٰن اور مجمع سے اس سلسلے میں رابطہ کیا تو انھوں نے اسے تسلی دی کہ تجھے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، پھر انھوں نے اس حدیث کا حوالہ دیا۔[2] ② بہرحال اگر سرپرست زبردستی نکاح کرتا ہے تو ایسا نکاح مسترد ہوگا۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

٦٩٤٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ أَبِي عَمْرٍو - هُوَ ذَكْوَانُ - عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! يُسْتَأْمَرُ النِّسَاءُ فِي أَبْضَاعِهِنَّ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قُلْتُ: فَإِنَّ الْبِكْرَ تُسْتَأْمَرُ فَتَسْتَحِي فَتَسْكُتُ، قَالَ: «سُكَاتُهَا إِذْنُهَا». [راجع: ٥١٣٧]

[6946] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا عورتوں سے ان کے نکاح کے سلسلے میں اجازت لی جائے گی؟ آپ نے فرمایا: "ہاں۔" (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:) میں نے کہا: اگر کنواری لڑکی سے پوچھا جائے تو وہ شرم کرے گی اور خاموش رہے گی۔ آپ نے فرمایا: "اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے۔"

فوائد ومسائل: ① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے: "کنواری کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔" صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! اس کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ نے فرمایا: "وہ خاموش رہے۔"[3] اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک عنوان ان الفاظ کے ساتھ قائم کیا ہے: [بَابٌ: لَا يُنْكِحُ الْأَبُ وَغَيْرُهُ الْبِكْرَ وَالثَّيِّبَ إِلَّا بِرِضَاهُمَا] "باپ یا کوئی دوسرا کنواری یا شوہر دیدہ کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر نہ کرے۔"[4] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کنواری لڑکی کے نکاح کے لیے بھی اجازت ضروری ہے تو پھر زبردستی نکاح کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر دیا گیا تو وہ اکراہ کے حکم میں ہوگی۔ بہرحال حالت اکراہ میں نکاح قطعاً جائز نہیں۔ واللہ أعلم۔

---

1 صحيح البخاري، النكاح، باب: 43. 2 صحيح البخاري، الحيل، حديث: 6969. 3 صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5136. 4 صحيح البخاري، النكاح، باب: 42.

(٤) بَابٌ: إِذَا أُكْرِهَ حَتَّى وَهَبَ عَبْدًا أَوْ بَاعَهُ لَمْ يَجُزْ

باب: 4- اگر کسی کو مجبور کیا گیا حتی کہ اس نے غلام ہبہ کیا یا فروخت کیا تو ایسا ہبہ اور بیع درست نہیں

وَبِهِ قَالَ بَعْضُ النَّاسِ قَالَ: فَإِنْ نَذَرَ الْمُشْتَرِي فِيهِ نَذْرًا فَهُوَ جَائِزٌ بِزَعْمِهِ، وَكَذٰلِكَ إِنْ دَبَّرَهُ.

بعض لوگوں نے کہا ہے: اگر کوئی مجبور سے کوئی چیز خریدے، پھر خریدار نے اس میں نذر مانی۔ اسی طرح خریدار نے اس غلام کو مدبر کردیا تو ایسا کرنا بھی اس کے خیال کے مطابق درست ہوگا۔

وضاحت: اگر کسی شخص کو اس کا غلام بیچنے یا اسے دوسرے کو ہبہ کرنے پر مجبور کیا گیا، اس طرح کہ مجبور شخص کو قتل کی دھمکی دی گئی اور اس نے اپنا غلام فروخت کردیا یا کسی کو ہبہ کردیا تو اس کا تصرف غیر نافذ ہے اور وہ غلام بدستور مجبور شخص کی ملکیت میں رہے گا۔ لیکن اہل کوفہ اس سلسلے میں عجیب تناقض کا شکار ہیں کیونکہ ایک طرف وہ کہتے ہیں کہ حالت اکراہ میں کی گئی خرید وفروخت اور ہبہ باطل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی بیع خریدار کے لیے ملکیت کا فائدہ نہیں دے گی، دوسری طرف ان حضرات کا قول یہ ہے کہ اگر خریدار اس غلام کی نذر مان لے یا اسے مدبر بنادے تو مشتری (خریدنے والے) کا نذر کے متعلق تصرف یا اس کا مدبر کرنا صحیح ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حالت اکراہ میں کی ہوئی بیع مشتری کے لیے ملک کا فائدہ دے گی۔ اگر حالت اکراہ کی بیع صحیح نہیں تو اس کے متعلق نذر بھی صحیح نہیں ہونی چاہیے اور اگر اس حالت میں بیع صحیح ہے تو ہر حال میں اس کے تصرفات بھی صحیح ہونے چاہئیں۔ نذر اور تدبیر (مدبر کرنے) کی صحت کا قائل ہونا اور حالت اکراہ میں بیع کا صحیح نہ ماننا دونوں میں تناقض ہے۔

٦٩٤٧ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ دَبَّرَ مَمْلُوكًا وَّلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي؟»، فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ النَّحَّامِ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ، قَالَ: فَسَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ: عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ أَوَّلَ. [راجع: ٢١٤١]

[6947] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری آدمی نے اپنے ایک غلام کو مدبر کردیا جبکہ اس کے پاس غلام کے علاوہ اور کوئی مال نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: ”مجھ سے یہ غلام کون خریدتا ہے؟“ نعیم بن نحام نے اسے آٹھ سو درہم میں خرید لیا۔ حضرت جابر ؓ نے فرمایا: وہ غلام حبشی قبطی تھا جو پہلے ہی سال فوت ہوگیا تھا۔

فوائد ومسائل: ① تدبیر یہ ہے کہ مالک اپنے غلام سے کہہ دے ”میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے“ اس طرح کے غلام کو

مدبر کہتے ہیں۔ اس حدیث کے مطابق جس شخص نے اپنے غلام کو مدبر کیا تھا اس کے پاس غلام کے علاوہ اور کوئی چیز نہ تھی۔ چونکہ اس کے پاس ذاتی اخراجات پورے کرنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی اور غلام کو مدبر کرنا اس کی بے وقوفی تھی، نیز اس آدمی کے ورثاء بھی اس پر ناراض ہو سکتے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی بے وقوفی اور ورثاء کی ناراضی کی وجہ سے غلام کے مدبر کرنے کو ناجائز ٹھہرایا اور اسے فروخت کر دیا۔ اس بنا پر اس شخص کی خرید و فروخت اور ہبہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جس کا مالک اسے فروخت کرنا یا ہبہ کرنا نہ چاہتا ہو بلکہ اس پر جبر کر کے فروخت کیا جائے یا کسی دوسرے کو ہبہ کر دیا جائے۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن بطال کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس شخص نے اپنے غلام کو مدبر کیا تھا جبکہ اس کا کوئی اور مال نہ تھا گویا اس نے کم عقلی کی وجہ سے اپنے غلام کو مدبر کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے مدبر کرنے کو مسترد کر دیا اگرچہ وہ اس کا مالک تھا، تو جس شخص نے فاسد بیع سے غلام خریدا اور اس کی ملک بھی صحیح نہ تھی جب وہ اس خرید کردہ غلام کو مدبر کر دے یا آزاد کر دے تو اس کی تدبیر اور آزاد کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اس کی ملک ہی صحیح نہیں ہے۔[1]

(٥) بَابٌ : مِنَ الْإِكْرَاهِ

باب:5- مجبور کرنے کے گناہ کا بیان

﴿كَرْهًا﴾ [النساء:١٩] وَ﴿كُرْهًا﴾ [الأحقاف: ١٥]: وَاحِدٌ.

کَرْهًا اور کُرْهًا کے ایک ہی معنی ہیں۔

وضاحت: اس عنوان کے تحت اکراہ کی برائی کو بیان کیا جائے گا۔ قرآن کریم میں لفظ کُرْهًا دو طرح سے استعمال ہوا۔ ایک کاف کے فتحہ کے ساتھ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا﴾ ''ایمان والو! تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔''[2] دوسرا کاف کے ضمہ کے ساتھ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ ''اس کی ماں نے اسے مشقت سے پیٹ میں اٹھایا اور مشقت سے اسے جنم دیا۔''[3] اکثر علماء کے نزدیک ان دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ بعض نے ان دونوں کے درمیان اس طرح فرق بیان کیا ہے کہ کاف کے فتحہ کے ساتھ معنی ہیں: کوئی دوسرا شخص زبردستی کرے اور کاف کے ضمہ کے ساتھ معنی ہیں: وہ خود ایک کام کو ناپسند کرے، پھر اسے سرانجام دے۔[4]

٦٩٤٨ - حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مَنْصُورٍ: حَدَّثَنَا أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ سُلَيْمَانُ بْنُ فَيْرُوزَ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ. وَقَالَ الشَّيْبَانِيُّ: وَحَدَّثَنِي عَطَاءٌ أَبُو الْحَسَنِ السُّوَائِيُّ، وَلَا أَظُنُّهُ إِلَّا ذَكَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

[6948] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت: ''اے ایمان والو! تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ'' کے متعلق فرمایا: زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی مرجاتا تو اس کے وارث اس کی عورت کے حق دار بنتے۔ ان میں سے اگر کوئی

[1] فتح الباري: 400/12۔ [2] النسآء 19:4۔ [3] الأحقاف 15:46۔ [4] فتح الباري: 401/12۔

رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا۟ ٱلنِّسَآءَ كَرْهًا﴾ اَلْآيَةَ [النساء: ١٩] قَالَ: كَانُوا إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ كَانَ أَوْلِيَاؤُهُ أَحَقَّ بِامْرَأَتِهِ، إِنْ شَاءَ بَعْضُهُمْ تَزَوَّجَهَا، وَإِنْ شَاؤُوا زَوَّجُوهَا وَإِنْ شَاؤُوا لَمْ يُزَوِّجُوهَا، فَهُمْ أَحَقُّ بِهَا مِنْ أَهْلِهَا، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي ذٰلِكَ.

[راجع: ٤٥٧٩]

چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا۔ اگر چاہتا تو اس کا کسی دوسرے سے نکاح کر دیتا۔ اور اگر چاہتے تو اسے شادی کے بغیر ہی رہنے دیتے، یعنی وہ عورتوں کے گھر والوں سے زیادہ حق دار ہوتے، اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

فوائد و مسائل: ① حدیث میں مذکور آیت کریمہ میں عورتوں پر جبر اور زبردستی کرنے کی ممانعت بیان ہوئی ہے۔ بہر حال زبردستی اور اکراہ دین اسلام میں جائز نہیں۔ خود قرآن کریم نے کہا ہے: ﴿لَآ إِكْرَاهَ فِى ٱلدِّينِ﴾ ''دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔''[1] ② ابن بطال نے مہلب کے حوالے سے کہا ہے کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی کسی عورت سے یہ لالچ کرتے ہوئے اسے روکے رکھے کہ وہ مر جائے تو وہ اس کے مال و متاع کا وارث ہو گا ایسا کرنا نص قرآن سے منع ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ آیت کے ظاہری مفہوم سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ واللّٰہ أعلم۔[2]

(٦) بَابٌ: إِذَا اسْتُكْرِهَتِ الْمَرْأَةُ عَلَى الزِّنَا فَلَا حَدَّ عَلَيْهَا

باب: 6- جب کسی عورت سے زبردستی زنا کیا جائے تو اس پر کوئی حد نہیں

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ ٱللَّهَ مِنۢ بَعْدِ إِكْرَٰهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [النور: ٣٣]

ارشاد باری تعالیٰ: ''جو کوئی انھیں مجبور کرے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد بے حد معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔''

وضاحت: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس عورت کو زنا پر مجبور کر دیا جائے اگر وہ اس کی مرتکب ہوتی ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، جب گناہ نہیں ہے تو اس پر کوئی حد بھی نہیں لگے گی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق کی ایک لونڈی جس کا نام مسیکہ اور دوسری کا نام امیمہ تھا، وہ بدبخت ان دونوں کو زنا کرانے پر مجبور کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَلَا تُكْرِهُوا۟ فَتَيَـٰتِكُمْ عَلَى ٱلْبِغَآءِ﴾ ''تم اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو۔''[3] مسلمان ہونے کے بعد انھوں نے زنا سے انکار کر دیا تھا۔

٦٩٤٩ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ أَنَّ صَفِيَّةَ

[6949] حضرت نافع سے روایت ہے کہ صفیہ بنت ابو

1 البقرة 2:256. 2 فتح الباري: 12/401. 3 النور 24:33، وصحيح مسلم، حديث: 7552 (3029).

بِنْتَ أَبِي عُبَيْدٍ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ عَبْدًا مِّنْ رَّقِيقِ الْإِمَارَةِ وَقَعَ عَلٰى وَلِيدَةٍ مِّنَ الْخُمُسِ فَاسْتَكْرَهَهَا حَتَّى اقْتَضَّهَا، فَجَلَدَهُ عُمَرُ الْحَدَّ وَنَفَاهُ، وَلَمْ يَجْلِدِ الْوَلِيدَةَ مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ اسْتَكْرَهَهَا.

عبید نے بتایا: ایک مرتبہ حکومت کے غلاموں میں سے ایک غلام نے خمس کی ایک لونڈی سے صحبت کر لی اور اس کے ساتھ زبردستی کر کے اس کی بکارت توڑ ڈالی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حد کے طور پر غلام کو کوڑے لگائے اور شہر بدر کر دیا لیکن باندی پر حد جاری نہیں کی کیونکہ غلام نے اس کے ساتھ زبردستی کی تھی۔

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي الْأَمَةِ الْبِكْرِ يَفْتَرِعُهَا الْحُرُّ: يُقِيمُ ذٰلِكَ الْحَكَمُ مِنَ الْأَمَةِ الْعَذْرَاءِ بِقَدْرِ ثَمَنِهَا وَيُجْلَدُ، وَلَيْسَ فِي الْأَمَةِ الثَّيِّبِ فِي قَضَاءِ الْأَئِمَّةِ غُرْمٌ وَّلٰكِنْ عَلَيْهِ الْحَدُّ.

امام زہری نے اس لونڈی کے متعلق کہا جس کے ساتھ آزاد مرد نے ہم بستری کر لی ہو: حاکم وقت کو چاہیے کہ وہ کنواری لونڈی کی بکارت زائل ہونے سے جو قیمت کم ہوگئی ہے وہ زبردستی کرنے والے سے وصول کرے اور اسے کوڑے لگائے اور ثیبہ لونڈی سے زنا کرنے کی صورت میں ائمہ فقہ کے فیصلے میں تاوان نہیں صرف اس پر حد لگائے۔

فوائد ومسائل: ❶ جس عورت سے زبردستی زنا کیا جائے اس پر حد نہیں بشرطیکہ زنا کی کراہت آخر وقت تک قائم رہے۔ اگر آغاز میں تو کراہت تھی لیکن دوران زنا میں اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی بلکہ زانی کی ہر بات ماننے کے ساتھ ساتھ زنا کی لذت بھی محسوس کی تو اسے بے بسی کا فائدہ نہیں دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلام پر تصنف حد جاری کی جس نے لونڈی سے زبردستی بدکاری کی تھی، یعنی پچاس کوڑے لگائے اور چھ ماہ کے لیے شہر بدر کیا اور لونڈی کو سزا سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ آدمی کو سزا کے ساتھ جلا وطن بھی کرتے تھے۔ ❷ امام زہری رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ حاکم وقت لونڈی کی بکارت زائل کرنے والے سے بکارت زائل کرنے کی دیت وصول کرے جو اس کی قیمت کے اعتبار سے ہوگی جبکہ ثیبہ سے زنا کی صورت میں زانی کو صرف حد لگائی جائے گی۔

٦٩٥٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «هَاجَرَ إِبْرَاهِيمُ بِسَارَةَ دَخَلَ بِهَا قَرْيَةً فِيهَا مَلِكٌ مِّنَ الْمُلُوكِ أَوْ جَبَّارٌ مِّنَ الْجَبَابِرَةِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ أَنْ أَرْسِلْ إِلَيَّ بِهَا، فَأَرْسَلَ بِهَا فَقَامَ إِلَيْهَا فَقَامَتْ تَوَضَّأُ وَتُصَلِّي، فَقَالَتْ: اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ آمَنْتُ بِكَ

[6950] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کو ساتھ لے کر ہجرت کی تو ایک ایسی بستی میں پہنچے جس میں ظالم بادشاہوں میں سے ایک ظالم بادشاہ رہتا تھا۔ اس ظالم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ میرے پاس سارہ کو بھیج دو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کو اس کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ ان کے پاس گیا تو وہ وضو کر کے نماز

وَبِرَسُولِكَ فَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ الْكَافِرَ، فَغُطَّ حَتّٰى رَكَضَ بِرِجْلِهِ». [راجع: ٢٢١٧]

پڑھ رہی تھیں، انھوں نے دعا کی: ''اے اللہ! اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان رکھتی ہوں تو مجھ پر اس کافر کو مسلط نہ کر۔'' پھر ایسا ہوا کہ اس ظالم کا دم گھٹنے لگا اور گر کر زمین پر پاؤں مارنے (ایڑیاں رگڑنے) لگا۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا گیا تھا کہ وہ حضرت سارہ علیہا السلام کو اس ظالم بادشاہ کے پاس بھیجیں۔ جب ایسے اکراہ کے وقت خلاصی کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو ایسی خلوت قابل ملامت نہ ہوگی۔ ایسے حالات میں اگر زبردستی زنا کر لیا جائے تو حد جاری نہ ہوگی۔ ② بعض فقہاء کا خیال ہے کہ مرد کو اگر زنا پر مجبور کیا جائے تو اس پر حد ہے کیونکہ اختیاری حالت کے بغیر آلۂ تناسل منتشر نہیں ہوتا لیکن ان کا یہ موقف محل نظر ہے کیونکہ آج کل تو ایسے ٹیکے وغیرہ ایجاد ہو چکے ہیں کہ لذت اور اختیاری حالت کے بغیر آلۂ تناسل میں تناؤ پیدا کیا جا سکتا ہے جس سے عورت اپنی شہوت پوری کر سکتی ہے۔ اس حالت میں مرد بے چارہ مجبور محض ہوتا ہے، لہٰذا اس پر حد جاری نہیں ہونی چاہیے۔ واللہ أعلم.

(٧) بَابُ يَمِينِ الرَّجُلِ لِصَاحِبِهِ: أَنَّهُ أَخُوهُ، إِذَا خَافَ عَلَيْهِ الْقَتْلَ أَوْ نَحْوَهُ

باب: 7- کسی آدمی کا اپنے ساتھی کے لیے قسم کھانا کہ وہ اس کا بھائی ہے جبکہ اس پر قتل وغیرہ کا اندیشہ ہو

وَكَذٰلِكَ كُلُّ مُكْرَهٍ يَخَافُ فَإِنَّهُ يَذُبُّ عَنْهُ الظَّالِمَ وَيُقَاتِلُ دُونَهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، فَإِنْ قَاتَلَ دُونَ الْمَظْلُومِ فَلَا قَوَدَ عَلَيْهِ وَلَا قِصَاصَ، وَإِنْ قِيلَ لَهُ: لَتَشْرَبَنَّ الْخَمْرَ، أَوْ لَتَأْكُلَنَّ الْمَيْتَةَ، أَوْ لَتَبِيعَنَّ عَبْدَكَ، أَوْ لَتُقِرَّ بِدَيْنٍ، أَوْ تَهَبُ هِبَةً، أَوْ تَحُلُّ عُقْدَةً، أَوْ لَتَقْتُلَنَّ أَبَاكَ أَوْ أَخَاكَ فِي الْإِسْلَامِ وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ، وَسِعَهُ ذٰلِكَ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ».

ایسے ہی ہر مجبور جو ڈرتا ہو تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ظالم کے ظلم کو اس سے روکے۔ اسے بچانے کے لیے ظالم سے جنگ کرے اور اسے رسوا نہ ہونے دے۔ پھر اگر اس نے مظلوم کی حمایت کرتے ہوئے ظالم کو مار ہی ڈالا تو اس پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت کا ادا کرنا واجب ہے۔ اگر اسے کہا جائے کہ تو شراب پی یا مردار کھا یا اپنا غلام فروخت کر یا اتنے قرض کا اقرار کر یا فلاں چیز ہبہ کر یا کوئی عقد توڑ بصورت دیگر تو اپنے والد یا کسی اسلامی بھائی کو قتل کر بیٹھے گا (یعنی ہم اسے قتل کر دیں گے) تو مجبور انسان کو یہ کام کرنے جائز ہو جائیں گے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔''

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: لَوْ قِيلَ لَهُ: لَتَشْرَبَنَّ الْخَمْرَ، أَوْ لَتَأْكُلَنَّ الْمَيْتَةَ، أَوْ لَتَقْتُلَنَّ ابْنَكَ أَوْ

بعض لوگ کہتے ہیں: اگر مجبور شخص سے کہا جائے کہ تو شراب پی یا مردار کھا بصورت دیگر تو اپنے بیٹے یا باپ یا

أَبَاكَ أَوْ ذَا رَحِمٍ مُحْرَمٍ لَمْ يَسَعْهُ، لِأَنَّ هٰذَا لَيْسَ بِمُضْطَرٍّ. ثُمَّ نَاقَضَ فَقَالَ: إِنْ قِيلَ لَهُ: لَتَقْتُلَنَّ أَبَاكَ أَوِ ابْنَكَ أَوْ لَتَبِيعَنَّ هٰذَا الْعَبْدَ، أَوْ لَتُقِرَّنَّ بِدَيْنٍ، أَوْ تَهَبُ يَلْزَمُهُ فِي الْقِيَاسِ، وَلٰكِنَّا نَسْتَحْسِنُ وَنَقُولُ: الْبَيْعُ، وَالْهِبَةُ وَكُلُّ عُقْدَةٍ فِي ذٰلِكَ بَاطِلٌ، فَرَّقُوا بَيْنَ كُلِّ ذِي رَحِمٍ مُحْرَمٍ وَغَيْرِهِ بِغَيْرِ كِتَابٍ وَلَا سُنَّةٍ، وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِامْرَأَتِهِ هٰذِهِ أُخْتِي، وَذٰلِكَ فِي اللهِ»، وَقَالَ النَّخَعِيُّ: إِذَا كَانَ الْمُسْتَحْلِفُ ظَالِمًا فَنِيَّةُ الْحَالِفِ، وَإِنْ كَانَ مَظْلُومًا فَنِيَّةُ الْمُسْتَحْلِفِ.

کسی رشتہ دار کو مروا بیٹھے گا تو اسے یہ کام بجا لانے کی اجازت نہیں کیونکہ یہ شخص درحقیقت مجبور نہیں، پھر خود ہی اس کے برعکس کہتا ہے کہ اگر اسے کہا جائے کہ ہم تیرے باپ یا بیٹے کو قتل کر دیں گے، بصورت دیگر تو اپنا یہ غلام فروخت کر یا قرض کا اقرار کر یا فلاں چیز ہبہ کر دے تو قیاس کے مطابق یہ سب معاملے صحیح اور نافذ ہوں گے لیکن ہم استحسان پر عمل کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں بیع، ہبہ اور عقد اقرار باطل ہوگا۔ ان حضرات نے رشتے دار اور غیر رشتے دار میں بھی فرق کیا ہے جس پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی کے متعلق فرمایا تھا: یہ میری بہن ہے۔ یہ اللہ کے راستے میں ایسا کیا تھا۔'' امام نخعی نے کہا: اگر قسم لینے والا ظالم ہو تو قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا اور قسم لینے والا مظلوم ہو تو قسم لینے والے کی نیت معتبر ہوگی۔

وضاحت: اہل کوفہ نے صحیح احادیث کو رد کرنے کے لیے استحسان کا قاعدہ بنایا ہے۔ اسے قیاس خفی کا نام دیتے ہیں جس کی کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کی آڑ میں وہ جس مسئلے کے متعلق اپنے اصول و قواعد کے خلاف کرنا چاہیں، کر ڈالتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ قیاس جلی تو یہ چاہتا تھا کہ اس کے اصول و ضوابط کے مطابق یہ حکم دیا جاتا مگر استحسان، یعنی قیاس خفی کے پیش نظر ہم نے یہ حکم دیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان لوگوں کے متعلق بتانا چاہتے ہیں کہ یہ حضرات ایک قاعدہ خود مقرر کرتے ہیں، پھر جب چاہتے ہیں استحسان کے بہانے اس قاعدے کو توڑ ڈالتے ہیں۔ یہ شریعت کی پیروی نہیں بلکہ اپنی من مانی ہے۔ یہ استحسان نہیں بلکہ استہجان یا استقباح ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس مقام کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنے ساتھی کے قتل ہونے یا ایسی ہی کسی دوسری بات کا خطرہ ہو تو اولاً وہ شخص اپنے ساتھی سے ظلم دور کرنے کی کوشش کرے، پھر اگر ساتھی کا دفاع کرتے ہوئے اس نے ظالم کو قتل کر ڈالا تو اس صورت میں اس پر کوئی قصاص یا دیت واجب نہیں ہے کیونکہ احادیث کے پیش نظر اسے اپنے بھائی کا دفاع کرنا ضروری ہے۔ ثانیاً اگر وہ لڑنے کی پوزیشن میں نہ ہو تو اگر اس کا دفاع قسم اٹھانے سے ہو سکتا ہے کہ یہ میرا بھائی ہے تو ضرور قسم اٹھائے کیونکہ ایسا کرنے سے اس کی جان بچ سکتی ہے۔ قسم اٹھانے کی صورت میں اس پر کفارۂ قسم واجب ہوگا یا نہیں؟ اس کے متعلق علمائے امت کا اختلاف ہے۔ جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ ایسی قسم اٹھانے پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا جبکہ اہل کوفہ کا موقف ہے کہ ایسے انسان پر اکراہ کی وجہ سے گناہ تو نہیں ہوگا، البتہ اسے کفارۂ قسم ادا کرنا ہوگا کیونکہ وہ ایسے حالات

میں توریہ کرسکتا تھا کہ اللہ کی قسم! وہ میرا اللہ تعالیٰ سے تعلق میں بھائی ہے یا آدم علیہ السلام سے تعلق کی وجہ سے میرا بھائی ہے۔ جب اس نے توریہ نہیں کیا تو گویا قصداً قسم اٹھائی ہے، اس لیے قصد وارادے کی وجہ سے اس پر کفارہ ضروری ہے جبکہ جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ جب اسے قسم پر مجبور کیا گیا تو اس کی نیت یمین مفقود تھی، اس بنا پر وہ حانث نہیں ہوگا اور نہ اسے کفارۂ قسم ہی دینا ہوگا۔ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ جبرواکراہ کے سلسلے میں ایک بنیادی بات بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کسی مظلوم مسلمان کی جان بچانے کے لیے کس قسم کا جبرواکراہ معتبر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ مطلق طور پر اکراہ کا اعتبار ہوگا، خواہ جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہو یا عضو ضائع ہونے کا خوف ہو، خواہ اس طرح کی دھمکی اپنی ذات کے متعلق ہو یا کسی قریبی رشتے دار کے متعلق یا کسی اجنبی مسلمان کے متعلق ہو، پھر یہ دھمکی محرمات شرعیہ کے متعلق ہو، مثلاً: شراب پینا اور خنزیر یا مردار کھانا وغیرہ، خواہ مباح معاملات سے متعلق ہو، مثلاً: بیع اور ہبہ وغیرہ۔ بہرحال ان کے نزدیک ہر قسم کا اکراہ موثر ہے کہ ایسے شخص کے لیے شرعی محرمات کا ارتکاب جائز اور مباح معاملات میں بھی ایسا کرسکتا ہے لیکن دلی رضا نہ ہونے کی وجہ سے یہ معاملات موقوف اور غیر لازم ہوں گے اور اکراہ ختم ہونے کے بعد اسے معاملات کے فسخ کا اختیار ہوگا اگر چاہے تو بیع و ہبہ کو برقرار رکھے اگر چاہے تو انھیں ختم کردے۔ لیکن اہل کوفہ کے ہاں اس کی تفصیل ہے: ان کے نزدیک شرعی محرمات کا ارتکاب مجبور انسان اپنی جان بچانے کے لیے تو کرسکتا ہے لیکن کسی قریبی یا اجنبی کی جان بچانے کے لیے اس کا ارتکاب جائز نہیں، پھر مباح معاملات کے متعلق بھی ان کے ہاں تفصیل ہے کہ قریبی کے حق میں اکراہ معتبر ہوگا اور بیع کو غیر لازم قرار دیا جائے گا لیکن اجنبی کے حق میں اکراہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اس بنا پر یہ بیع اور ہبہ لازم ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں اہل کوفہ پر تین اعتراض کیے ہیں: ○ اگر کسی شخص کو کہا جائے کہ شراب پی یا مردار کھا یا بصورت دیگر ہم تیرے بیٹے یا باپ کو قتل کردیں گے تو اہل کوفہ کے نزدیک ایسے حالات میں اسے ان حرام چیزوں کے کھانے پینے کی اجازت نہیں ہے۔ ان حضرات نے بے شمار احادیث کی مخالفت کی ہے، مثلاً: حدیث میں ہے: ''مسلمان، دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ظالموں کے سپرد کرتا ہے۔''[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر صورت میں اپنے مسلمان بھائی، خواہ قریبی ہو یا اجنبی اس کی مدد کرے۔ اسے دشمنوں کے حوالے نہ کرے بلکہ اسے ہر صورت میں بچائے جیسا کہ اپنی جان بچانا فرض ہے۔ ایسے حالات میں شراب پینے اور مردار کھانے کی بھی اجازت ہے۔ دوسرے مسلمان کی جان بچانا بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح اپنی جان بچانا فرض ہے بلکہ ایک سچے مسلمان کو ایسے حالات میں اپنی جان سے اپنے مسلمان بھائی کی جان زیادہ عزیز ہوتی ہے، لہذا اپنی جان کے لیے اکراہ کا اعتبار کرنا اور اپنے بھائی کے لیے اس کا اعتبار نہ کرنا بے انصافی ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ ○ امام بخاری رحمہ اللہ نے اہل کوفہ پر دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ ان کے اقوال میں تناقض ہے کیونکہ یہ حضرات کسی قریبی رشتہ دار کی جان بچانے کے لیے شراب پینے اور مردار کھانے کی اجازت نہیں دیتے کیونکہ اس کے حق میں اکراہ غیر معتبر ہے لیکن عقد بیع میں اس کے متعلق اکراہ کا اعتبار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر کوئی دوسرے سے کہتا ہے کہ تو اس غلام کو فروخت کردے بصورت دیگر ہم تیرے باپ یا بیٹے کو قتل کردیں گے تو انھوں نے استحسان سے کام لیتے ہوئے اس قسم کے اکراہ کا اعتبار کیا ہے اور اگر وہ اپنے غلام کو فروخت کرتا ہے تو اکراہ کی وجہ سے اس بیع کو موقوف رکھتے

[1] صحيح البخاري، المظالم، باب: 2442.

ہیں اور اکراہ ختم ہونے کے بعد مجبور انسان کو خیار فسخ حاصل ہوتا۔ الغرض ان کے ہاں شراب پینے میں اکراہ غیر معتبر اور عقد بیع میں اکراہ معتبر ہے۔ یہ کھلا تضاد ہے، لہٰذا جب انسان کتاب وسنت سے رہنمائی لیے بغیر اپنے ظن وقیاس سے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس طرح ٹکراؤ کی صورت سے دوچار ہوتا ہے۔ اس قسم کے تعارض سے محفوظ رہنے کا یہی راستہ ہے کہ انسان کتاب وسنت کے مضبوط قلعے میں پناہ لے اور ان کی روشنی اور رہنمائی میں مسائل حل کرے۔ ○ امام بخاری رحمہ اللہ نے اہل کوفہ پر تیسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ ان لوگوں نے اجنبی اور قریبی رشتے دار میں بلاوجہ تفریق کو روا رکھا ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر کوئی دوسرے کو دھمکی دیتا ہے کہ اگر تو نے اس غلام کو فروخت نہ کیا تو ہم تیرے بھائی کو قتل کر دیں گے تو اس صورت میں اکراہ کا اعتبار ہوگا لیکن اگر کسی اجنبی شخص کو قتل کرنے کی دھمکی دی جائے تو اس کی گلو خلاصی (جان چھڑانے) کے لیے اکراہ کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ ان کا موقف ہے کہ اجنبی شخص کی جان بچانے کے لیے اگر اس نے اپنا غلام فروخت کر دیا تو یہ بیع لازم اور اکراہ غیر مؤثر ہوگا۔ اس طرح ان حضرات نے قریبی اور اجنبی کے درمیان بلاوجہ تفریق کی ہے جس کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے دو دلیلیں پیش کی ہیں: ○ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سیدہ سارہ علیہا السلام کے متعلق فرمایا: ''یہ میری بہن ہے۔'' آپ نے یہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بنا پر فرمایا تھا، اس لیے جس طرح اپنے حقیقی بھائی کو قتل ہونے سے بچانے کے لیے اکراہ پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی طرح اپنے اسلامی بھائی کی جان بچانے کے لیے اکراہ کا اعتبار ہوگا اور اس پر عمل کر کے جان بچانا ضروری ہے۔ ○ اگر قسم لینے والا ظالم ہے تو اس میں قسم اٹھانے والے کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ظلم دور کرنے کے لیے توریہ کیا جا سکتا ہے اور اس کا اعتبار کیا جاتا ہے تو اپنے اسلامی بھائی سے قتل کو ہٹانے کی خاطر اکراہ کا بجا لانا کیوں غیر معتبر ہے۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے اہل کوفہ پر تین اعتراض کیے ہیں جن کی تفصیل ہم نے بیان کر دی ہے۔ اب امام بخاری رحمہ اللہ اس سلسلے میں دو مرفوع حدیثیں پیش کر کے جمہور اہل علم کے موقف کی تائید فرماتے ہیں اور اہل کوفہ کے تضاد اور تفریق کو نمایاں کرتے ہیں۔

٦٩٥١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ سَالِمًا أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ». [راجع: ٢٤٤٢]

[6951] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اسے کسی دوسرے کے حوالے ہی کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا ہوگا اللہ تعالیٰ اس کی دوسری ضروریات پوری کرے گا۔''

٦٩٥٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ

[6952] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک آدمی نے پوچھا: اللہ کے رسول!

عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا»، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ مَظْلُومًا، أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ ظَالِمًا، كَيْفَ أَنْصُرُهُ؟ قَالَ: «تَحْجُزُهُ أَوْ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ، فَإِنَّ ذٰلِكَ نَصْرُهُ». [راجع: ٢٤٤٣]

جب وہ مظلوم ہو گا تو میں اس کی مدد کروں گا، آپ کے خیال کے مطابق میں ظالم کی مدد کیسے کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت اسے ظلم سے باز رکھنا ہی اس کی مدد کرنا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا ہے۔ اس اخوت کا تقاضا ہے کہ وہ اسے کسی دوسرے کے رحم و کرم پر نہ چھوڑے بلکہ خود اس کی مدد اور نصرت کے لیے آگے بڑھے۔ اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ کسی صورت میں اپنے مسلمان بھائی کو، خواہ وہ قریبی ہو یا اجنبی اسے دشمن کے حوالے نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اسے قتل کر دے بلکہ اسے ہر صورت میں بچانا ضروری ہے جیسا کہ اپنی جان بچانا ضروری ہے۔ قریبی کے حق میں اکراہ کا اعتبار کر کے اس کی بیع کو غیر لازم قرار دینا اور اجنبی کے حق میں اکراہ کو غیر معتبر خیال کر کے اس کی بیع کو لازم قرار دینا اسلامی اخوت کے خلاف ہے جس کا ان احادیث میں حکم دیا گیا ہے۔ ② اسی طرح دوسری حدیث کا تقاضا ہے کہ ایک مسلمان اپنے قریبی اور غیر قریبی بھائی کی مدد کرے۔ اگر وہ ظالم ہے تو اسے ظلم سے روکے اور اگر مظلوم ہے تو اسے ظلم سے بچائے۔ چونکہ اس حدیث میں مظلوم کی مدد کا حکم ہے، اس لیے ہر ممکن طریقے سے اس کی مدد کرنی چاہیے۔ قریبی اور اجنبی کی تفریق کر کے مظلوم کو اپنے تعاون سے محروم کرنا بے انصافی ہے۔ ③ علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ امام بخاری ؒ نے اس مباحث میں جو مثالیں ذکر کی ہیں وہ اس کتاب کے اسلوب کے مطابق نہیں ہیں کیونکہ یہ مثالیں فن حدیث سے غیر متعلق ہیں۔ حافظ ابن حجر ؒ نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے کہ علامہ کرمانی کا یہ اعتراض انتہائی عجیب ہے کیونکہ امام بخاری ؒ نے صرف احادیث کو جمع کرنے کے لیے یہ کتاب تصنیف نہیں کی بلکہ انھوں نے مسائل و احکام کو ثابت کرنے کے لیے اس کتاب کو مرتب کیا ہے بلکہ یہ مقولہ محدثین کے ہاں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے کہ امام بخاری ؒ کی فقاہت ان کے قائم کردہ عنوانات میں ہے۔ امام بخاری ؒ اس سلسلے میں اپنے متقدمین کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ ان کے ہاں مسائل کے اختیار کا یہی طریقہ ہے جو امام بخاری ؒ نے اختیار کیا ہے۔[1]

[1] فتح الباري: 406/12.

حیل کے معنی و مطالب اور اس کی جائز اور ناجائز صورتیں

حِیَلٌ، حِیلَۃٌ کی جمع ہے۔ پوشیدہ تدبیر اختیار کر کے اپنا مقصود حاصل کرنے کو حیلہ کہا جاتا ہے۔ حیلہ سازی کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ افسوس کہ ہمارے ایک مذہبی طبقے نے کتاب الحیل کے نام سے ایسی تدابیر کے انبار لگا دیے ہیں جن میں احکام الٰہی سے فرار کے چور دروازوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قسم کے لوگوں کی تردید کے لیے کتاب الحیل کا عنوان قائم کیا ہے، البتہ اگر کوئی شخص کتاب وسنت کے اصولوں اور اقوال صحابہ کو سامنے رکھ کر کسی پیش آمدہ حادثے سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا کرتا ہے تو اس کی گنجائش موجود ہے جیسا کہ سیدنا ایوب علیہ السلام طویل عرصہ بیمار رہے، اس دوران میں ان کے تمام اہل خانہ انھیں چھوڑ گئے۔ صرف ایک بیوی نے ان کا ساتھ دیا۔ اس نے ایک دن کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے اللہ تعالیٰ کی ناشکری ظاہر ہوتی تھی۔ سیدنا ایوب علیہ السلام کو بیوی کی اس بات پر غصہ آگیا اور کہنے لگے: اگر میں تندرست ہو گیا تو تجھے اس ناشکری کی سزا کے طور پر سو لکڑیاں ماروں گا۔ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کی غیرت ایمان کا تقاضا تھا لیکن اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کی طاقت کے مطابق ہی سزا دیتا ہے، چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام جب تندرست ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی انھیں ایک تدبیر بتائی کہ ایک جھاڑو لو جس کے سو تنکے ہوں، اس سے ایک معمولی سی ضرب بیوی کو لگا دو اس طرح آپ کی قسم بھی پوری ہو جائے گی اور وفادار بیوی پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا تقاضا بھی پورا ہو گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) لو اور (اس کو) اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔''[1] اسی طرح حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں ایک اپاہج (لنگڑا، لولا) کمزور سا آدمی رہتا تھا۔ وہ ہماری ایک لونڈی سے جرم زنا میں ملوث ہو گیا۔ ہم نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے حد لگاؤ۔'' لوگوں نے عرض کی: اللہ کے نبی! وہ تو انتہائی لاغر اور کمزور ہے۔ اگر ہم نے اسے (سو کوڑے) حد لگائی تو وہ مر جائے گا۔ آپ نے فرمایا: ''کھجور کی ایک ٹہنی لو جس میں سو شاخیں ہوں پھر اسے ایک ہی مرتبہ اس آدمی پر دے مارو۔''[2] چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ حیلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے اختیار کیا کہ وہ سو کوڑے کھانے کی طاقت نہ رکھتا تھا اور اس صورت میں اس کا مر جانا یقینی تھا یوں آپ نے حدود الٰہی کا تقاضا بھی پورا کر دیا اور اس کی جان بخشی بھی ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اپنی ذات سے یا کسی دوسرے سے ظلم کا دفع کرنا مقصود ہو تو اس وقت شرعاً حیلہ کرنا

---

1 صٓ 38:44. 2 سنن ابن ماجہ، الحدود، حدیث: 2574.

جائز ہے لیکن ایسے حیلے جن کے اختیار کرنے سے کوئی شرعی ضابطہ مجروح ہوتا ہو یا انھیں عمل میں لانے سے کوئی شرعی مقصد فوت ہو رہا ہو تو ایسے حیلے قطعاً ناجائز اور حرام ہیں جیسا کہ زکاۃ کو ساقط کرنے کے لیے یہ حیلہ کرنا جسے فتاویٰ عالمگیری میں اختیار کیا گیا ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے پورا مال یا اس کا کچھ حصہ کسی دوسرے کو ہبہ کر کے اپنی ملکیت سے نکال دیا جائے، پھر سال گزرنے سے پہلے ہی اس سے وہی مال اپنے حق میں ہبہ کرا لیا جائے، اس طرح زکاۃ ادا کرنے سے بال بال بچ جاتا ہے۔[1]

قرآن کریم نے بھی اس قسم کے ناجائز حیلے کا ایک مقام پر ذکر کیا ہے، چنانچہ اس میں ایک مخصوص بستی کا ذکر ہے جو سمندر کے کنارے آباد تھی، انھیں یہ حکم تھا کہ ہفتے کے دن کاروبار نہیں کریں گے بلکہ یہ دن آرام کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے مخصوص تھا، لیکن وہ بستی والے جن کا پیشہ ماہی گیری، یعنی مچھلیاں پکڑنا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ چھ دن تو مچھلیاں پانی میں چھپی رہتیں اور ہفتے کے دن پانی کی سطح پر سینہ تان کر تیرتی پھرتیں۔ اب ان ماہی گیروں نے ایک حیلہ سازی کی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی محفوظ رہے، وہ اس طرح کہ انھوں نے ساحل سمندر کے ساتھ کھائیاں کھود لیں۔ جب ان میں پانی آتا تو ساتھ مچھلیاں بھی آجاتیں، پھر دوسرے دن یہ ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے جو کھائیوں میں آجاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس ناجائز حیلہ سازی کی پاداش میں انھیں ذلیل وخوار بندر بنا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم اپنے ان لوگوں کو بھی خوب جانتے ہو جنھوں نے ہفتے کے (دن کے) بارے میں زیادتی کی تھی تو ہم نے انھیں کہا: ذلیل بندر بن جاؤ۔''[2] امام بخاری نے اس قسم کی حیلہ سازی پر گرفت کی ہے اور لوگوں کو ایسا سبق پڑھانے والوں کی مکاری سے پردہ اٹھایا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام محمد بن حسن کوفی کا ایک قول نقل کیا ہے: اہل ایمان کا یہ کردار نہیں ہونا چاہیے کہ وہ احکام الٰہی سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے ایسا حیلہ کرے جو حق کو نابود کرنے کے لیے ہو۔[3]

الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت اکتیس (31) احادیث بیان کی ہیں۔ جن میں ایک (1) معلق اور باقی تیس (30) احادیث متصل سند سے بیان کی ہیں۔ گویا انھوں نے اس قسم کے حیلوں کے ناجائز ہونے پر اکتیس (31) دلائل پیش کیے ہیں جو نماز، زکاۃ، نکاح، بیوع، ہبہ اور شفعہ وغیرہ کے متعلق ہیں اور اس کا آغاز ہی ترک حیلہ کے عنوان سے کیا ہے۔ ہم ان کی وضاحت فوائد میں کریں گے۔ بہرحال بنیادی طور پر اس طرح کے حیلے ناجائز اور حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر گامزن رکھے اور اس قسم کے حیلوں سے محفوظ رکھے جو شریعت سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے عمل میں لائے جاتے ہیں۔

---

1 فتاویٰ عالمگیری، کتاب الحیل، باب في مسائل الزکاۃ: 391/3. 2 البقرۃ 65:2. 3 فتح الباري: 411/12.

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

90- كِتَابُ الْحِيَلِ

حیلوں کا بیان

(١) بَابٌ: فِي تَرْكِ الْحِيَلِ، وَأَنَّ لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَى فِي الْأَيْمَانِ وَغَيْرِهَا

باب: 1- حیلہ سازی ترک کر دینے کا بیان، نیز ہر انسان کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے نیت کی، نیت کا اعتبار قسموں وغیرہ میں بھی ہوتا ہے

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے ''ترک'' کو اپنے عنوان میں اس لیے شامل کیا ہے تاکہ اس کے بغیر عنوان سے حیلہ سازی کے جواز کا وہم نہ ہو، نیز نیت کا تعلق صرف عبادات سے نہیں بلکہ معاملات وغیرہ سے بھی ہے جیسا کہ انگور خریدنے سے اگر کسی کی نیت ان سے شراب کشید کرنا ہے اور فروخت کرنے والے کو پتا چل گیا کہ اس نے غلط مقاصد کے لیے انھیں استعمال کرنا ہے تو ایسے انسان کو انگور فروخت کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے آئندہ جن حیلوں کو بیان کیا ہے ان میں حقوق اللہ یا حقوق الناس کا ابطال مقصود ہے۔ ان تمام میں چونکہ نیت فاسد ہے، اس لیے یہ حیلے فساد نیت کی بنا پر حرام اور ناجائز ہیں۔ واللہ أعلم۔

٦٩٥٣ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَخْطُبُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ هَاجَرَ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ

[6953] حضرت علقمہ بن وقاص سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دوران خطبہ میں کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اے لوگو! اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ہر آدمی کو وہی کچھ ملے گا جس کی وہ نیت کرے گا، لہٰذا جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے تو یقیناً اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کمانے اور کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے ہے تو

امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ». [راجع: ۱]

اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اگر حیلہ سازی کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیا جائے یا اس کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال کیا جائے تو ایسا کرنا حرام ہے، مثلاً: ایک آدمی کسی مطلقہ عورت سے نکاح کرتا ہے، اگر اس کی نیت اس عورت کو آباد کرنا اور اسے سہارا مہیا کرنا ہے تو وہ نکاح جائز اور حلال ہے اور اس نکاح کو بطور حیلہ پہلے خاوند کے لیے حلال کرنا ہے تو اس قسم کا نکاح حرام اور ناجائز ہے۔ نیت کا فساد، اس نکاح پر اثر انداز ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کی خاطر حلالہ کیا گیا ہے دونوں پر لعنت کی ہے۔[1] اگر نکاح کرتے وقت اس قسم کی نیت نہ تھی بلکہ محض اپنا گھر آباد کرنا مقصود تھا تو پھر ایسا نکاح بابرکت ہے۔ اسی طرح ایک آدمی اپنے استعمال کے لیے جانور ذبح کرتا ہے اور ایک دوسرا غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرتا ہے، ان دونوں کی صورت تو ایک ہے لیکن نیت الگ الگ ہے، نیت کے اچھے ہونے کی بنا پر پہلی صورت جائز اور نیت کی خرابی دوسری صورت کے ناجائز ہونے کا باعث ہے۔ ② بہرحال نیت کی خرابی اعمال پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لیے کسی کام کے جائز یا ناجائز ہونے میں انسان کی نیت کا عمل دخل ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث نیت سے ترک حیل (حیلہ سازی نہ کرنے) پر استدلال کیا ہے۔ واللہ أعلم.

(۲) بَابٌ: فِي الصَّلَاةِ

باب: 2- نماز میں حیلہ کرنے کا بیان

٦٩٥٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاةَ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ». [راجع: ١٣٥]

[6954] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی نماز قبول نہیں کرتا جب وہ بے وضو ہو جائے حتی کہ وہ وضو کرے۔''

فوائد ومسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ نماز شروع کرتے وقت جب اللہ اکبر کہا جاتا ہے تو خارجی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں، پھر سلام پھیرنے سے وہ حلال ہوتی ہیں۔[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ اور سلام پھیرنا دونوں نماز کے رکن ہیں، جنھیں حدیث بالا کے مطابق باوضو ادا ہونا چاہیے۔ لیکن کچھ حضرات کا خیال ہے کہ آخری تشہد میں اگر کوئی شخص تشہد مکمل کرنے کے بعد جان بوجھ کر کوئی ایسا فعل سرانجام دے جو نماز کے منافی ہو اور سلام نہ پھیرے تو نماز مکمل ہے جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے کہ سلام کے وقت جان بوجھ کر بے وضو ہو جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔[3] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے ان حضرات کی تردید کی ہے کیونکہ یہ حضرات نماز میں بے وضو ہونے کے باوجود نماز کی صحت کے لیے حیلہ کرتے ہیں، حالانکہ آخری تشہد میں بے وضو ہونے والا بھی

1 سنن أبي داود، النكاح، حديث: 2076. 2 سنن أبي داود، الطهارة، حديث: 61. 3 شرح وقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: 510/1.

بے وضو ہی ہے، لہٰذا اس کی نماز صحیح نہ ہوگی کیونکہ نماز سے باہر ہونا بھی نماز کا رکن ہے جو سلام پھیرنے سے پورا ہوتا ہے، اگر اس آخری رکن کو بے وضو ہو کر ادا کیا گیا تو نماز نہیں ہوگی۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سلام بھی عبادت کی جنس میں سے ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے بندوں کے لیے دعا پر مشتمل ہوتا ہے، لہٰذا کسی صورت "حدث فاحش" ذکر حسن کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔[1]

(٣) بَابٌ: فِي الزَّكَاةِ وَأَنْ لَّا يُفَرَّقَ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ، وَلَا يُجْمَعَ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ

باب: 3- زکاۃ میں حیلہ کرنے کا بیان اور یہ کہ جو مال اکٹھا ہو اسے زکاۃ کے ڈر سے الگ الگ نہ کیا جائے اور جو جدا جدا ہو اسے اکٹھا نہ کیا جائے

٦٩٥٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ: حَدَّثَنِي أَبِي: حَدَّثَنِي ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ: أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لَهُ فَرِيضَةَ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ، وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ». [راجع: ١٤٤٨]

[6955] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں زکاۃ کے متعلق ایک حکم نامہ لکھ کر بھیجا جو رسول اللہ ﷺ نے فرض قرار دیا تھا: "زکاۃ کے خوف سے متفرق چیزوں کو جمع نہ کیا جائے اور جمع شدہ چیزوں کو الگ الگ نہ کیا جائے۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت زکاۃ سے بچنے کے لیے ایک حیلہ سازی کو ذکر کیا ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے۔ حدیث کے مطابق مسئلہ یہ ہے کہ چالیس سے ایک سو بیس بکریوں تک ایک بکری بطور زکاۃ واجب ہے۔[2] ② حدیث میں ترک زکاۃ کے متعلق جس حیلہ سازی کی ممانعت ہے اس کی دو صورتیں حسب ذیل ہیں: ○ دو آدمیوں میں سے ہر ایک کے پاس چالیس، چالیس بکریاں ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک پر ایک ایک بکری زکاۃ واجب ہے۔ وہ دونوں شراکت کر لیں تو اس بہانے اسی (80) بکریوں پر صرف ایک بکری زکاۃ میں دینی ہوگی۔ اس حیلہ گری سے منع کیا گیا ہے۔ ○ دو شریکوں کے پاس پچاس بکریاں ہیں اور اس تعداد پر ایک بکری زکاۃ واجب ہے۔ وہ زکاۃ سے بچنے کے لیے اپنی بکریاں الگ الگ کر لیں تو اس صورت میں کوئی زکاۃ نہیں ہوگی۔ اس قسم کی حیلہ سازی کی ممانعت ہے۔ ③ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی زکاۃ ساقط کرنے کے لیے حیلہ سازی نہ کرے کیونکہ شریعت نے فقراء کی حق تلفی سے بچنے کے لیے زکاۃ کے معاملے میں بہت تاکید کی ہے۔ علیحدہ علیحدہ کو جمع کرنا اور اکٹھے کو جدا جدا کرنا اسی بنا پر ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے زکاۃ میں کمی یا اسقاط زکاۃ لازم آتا ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال ہے جو زکاۃ کے اسقاط کے متعلق حیلہ سازی کو جائز قرار دیتا ہے اور لوگوں کو اس قسم کے طریقوں سے آگاہ کرتا ہے۔

1 فتح الباري: 412/12. 2 صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1454.

٦٩٥٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ثَائِرَ الرَّأْسِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَخْبِرْنِي مَاذَا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: «الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ شَيْئًا». فَقَالَ: أَخْبِرْنِي بِمَا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ مِنَ الصِّيَامِ؟ قَالَ: «شَهْرَ رَمَضَانَ إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ شَيْئًا»، قَالَ: أَخْبِرْنِي بِمَا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ مِنَ الزَّكَاةِ؟ قَالَ: فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِشَرَائِعَ الْإِسْلَامِ، قَالَ: وَالَّذِي أَكْرَمَكَ لَا أَتَطَوَّعُ شَيْئًا وَّلَا أَنْقُصُ مِمَّا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ شَيْئًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ، أَوْ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ إِنْ صَدَقَ».

[6956] حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بایں حالت حاضر ہوا کہ اسکے بال پراگندہ تھے۔ اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(دن رات میں) پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ ہاں، اگر نوافل پڑھو تو الگ بات ہے۔'' اس نے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنے روزے فرض کیے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ماہ رمضان کے روزے فرض کیے ہیں الا یہ کہ تم نفل روزے رکھ لیا کرو۔'' اس نے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنی زکاۃ فرض کی ہے؟ آپ ﷺ نے اسے زکاۃ کے مسائل سے آگاہ کیا۔ اس (دیہاتی) نے کہا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو یہ عزت بخشی ہے! اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو فرض کیا ہے میں اس سے نہ زیادہ کروں گا اور نہ اس میں کسی کمی کا مرتکب ہوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس نے صحیح کہا ہے تو نجات پا گیا۔'' یا فرمایا: ''جنت میں داخل ہو گیا۔''

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: فِي عِشْرِينَ وَمِائَةِ بَعِيرٍ: حِقَّتَانِ، فَإِنْ أَهْلَكَهَا مُتَعَمِّدًا، أَوْ وَهَبَهَا، أَوِ احْتَالَ فِيهَا فِرَارًا مِّنَ الزَّكَاةِ، فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ. [راجع: ١٤٤٦]

بعض لوگوں نے کہا: ایک سو بیس اونٹوں میں دو حقے دینے پڑتے ہیں۔ اگر کسی نے اونٹوں کو دانستہ ہلاک کر دیا یا کسی کو ہبہ کر دیے یا زکاۃ سے فرار کرتے ہوئے کوئی حیلہ کیا تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے آخر میں ہے کہ اگر اس نے سچ کہا ہے تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ احکام وفرائض میں کوتاہی نہیں کرے گا اور حیلوں بہانوں کے ذریعے سے فرائض واحکام میں کمی کا مرتکب نہیں ہوگا تو کامیابی کا حق دار ہوگا، اس لیے انسان کو احکام کی بجا آوری میں حیلے بہانے نہیں کرنے چاہئیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی نے اسقاط زکاۃ کے لیے حیلہ سازی یا بہانہ گری سے کام لیا تو قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے فرائض سے حیلہ سازی کے ذریعے سے بچنے کی کوشش کر کے کھلی بغاوت کا ارتکاب کیا ہے۔ ③ واضح رہے کہ حقہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو تین سال مکمل کر کے چوتھے سال میں قدم رکھ چکی ہو اور وہ بچہ جننے کے قابل ہو۔ اگر کسی کے پاس ایک سو

بیس اونٹ ہوں تو ان میں ایسی دو اونٹنیاں بطور زکاۃ واجب ہیں۔[1] اگر کوئی مالدار آدمی سال پورا ہونے سے ایک دو روز پہلے جان بوجھ کر ان اونٹوں میں سے دو اونٹ ذبح کر ڈالے یا کچھ اونٹ کسی کو ہبہ کر دے یا کوئی حیلہ کر کے زکاۃ سے بچنے کی کوشش کرے تو ایسا انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل گرفت ہوگا۔ لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر سال پورا ہونے سے پہلے نصاب زکاۃ میں کمی کر دے تو اس میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ سال پورا ہونے سے پہلے وہ اپنے مال میں جیسے چاہے تصرف کر سکتا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اگر کسی کے پاس دو سو درہم ہیں تو اس میں اسقاط زکاۃ کا حیلہ یہ ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے ایک درہم صدقہ کر دے یا اپنے کسی چھوٹے بیٹے کو ہبہ کر دے تاکہ سال پورا ہوتے وقت اس کا نصاب ناقص ہو جائے تو اس صورت میں اس پر زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں ایسے لوگوں کا محاسبہ کیا ہے جو حیلہ سازی سے زکاۃ کی ادائیگی میں راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔ ﴿۴﴾ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابو یوسف کے حوالے سے لکھا ہے: ''جو شخص اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین رکھتا ہے اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ صدقہ روکے یا اپنی چیز ملکیت سے نکال دے تاکہ اس کا نصاب کم ہو جائے اور زکاۃ سے بچ جائے اور نہ صدقے سے بچنے کے لیے کوئی دوسرا حیلہ ہی کرے۔''[3]

٦٩٥٧ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَكُونُ كَنْزُ أَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ يَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهُ وَيَطْلُبُهُ وَيَقُولُ: أَنَا كَنْزُكَ، قَالَ: وَاللهِ لَنْ يَزَالَ يَطْلُبُهُ حَتَّى يَبْسُطَ يَدَهُ فَيُلْقِمَهَا فَاهُ». [راجع: ١٤٠٣]

[6957] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کا خزانہ قیامت کے دن گنجا سانپ بن کر آئے گا۔ خزانے کا مالک اس سے بھاگے گا لیکن وہ سانپ اسے تلاش کر رہا ہوگا اور کہے گا: میں تیرا خزانہ ہوں۔ اللہ کی قسم! وہ اس کو تلاش کرتا رہے گا یہاں تک کہ خزانے کا مالک اپنا ہاتھ لمبا کرے گا تو وہ سانپ اسے اپنے منہ کا لقمہ بنا لے گا۔''

٦٩٥٨ - وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا مَا رَبُّ النَّعَمِ لَمْ يُعْطِ حَقَّهَا تُسَلَّطُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَتَخْبِطُ وَجْهَهُ بِأَخْفَافِهَا».

[6958] رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا: ''جب حیوانات کا مالک ان کا شرعی حق ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے دن وہ جانور اس پر مسلط کر دیے جائیں گے اور وہ اپنے کھروں سے اس کے چہرے کو نوچیں گے۔''

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ فِي رَجُلٍ لَهُ إِبِلٌ فَخَافَ أَنْ تَجِبَ عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ فَبَاعَهَا بِإِبِلٍ مِثْلِهَا أَوْ بِغَنَمٍ أَوْ بِبَقَرٍ أَوْ بِدَرَاهِمَ فِرَارًا مِنَ الصَّدَقَةِ بِيَوْمٍ

بعض لوگوں نے ایسے شخص کے متعلق کہا ہے کہ جس کے پاس اونٹ ہیں اور اسے اندیشہ ہے کہ اس پر زکاۃ واجب ہو جائے گی تو اگر اس نے ان اونٹوں کو ان کی مثل دوسرے

---

1 صحیح البخاري، الزکاۃ، حدیث: 1454. 2 فتاویٰ عالمگیری: 391/6. 3 فتح الباري: 414/12.

اخْتِيَالًا: فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَقُولُ: إِنْ زَكَّى إِبِلَهُ قَبْلَ أَنْ يَحُولَ الْحَوْلُ بِيَوْمٍ أَوْ بِسِتَّةٍ جَازَتْ عَنْهُ. [راجع: ١٤٠٢]

اونٹوں کے عوض یا بکریوں کے عوض یا گایوں کے عوض یا دراہم کے عوض سال پورا ہونے سے ایک دن قبل زکاۃ سے بچنے کے لیے فروخت کر دیا تو اس پر کوئی زکاۃ نہیں، حالانکہ یہی لوگ کہتے ہیں کہ اگر سال گزرنے سے ایک دن یا چھ دن پہلے زکاۃ ادا کر دی جائے تو جائز ہے، یعنی اس سے زکاۃ ادا ہو جائے گی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں زکاۃ نہ دینے کی سزا بیان کی گئی ہے۔ یہ سزا اس شخص کے لیے بھی ہے جو کوئی حیلہ نکال کر زکاۃ کو اپنے ذمے سے ساقط کر دے۔ امام محمد رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص حرام سے بچنے یا حلال تک پہنچنے کے لیے حیلہ کرتا ہے تو ایسا حیلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر کسی کا حق باطل کرنے کے لیے یا کسی باطل کو ثابت کرنے کے لیے حیلہ کرتا ہے تو ایسا کرنا مکروہ ہے اور ان کے نزدیک مکروہ حرام کے قریب ہے۔[1] اس کے باوجود یہ حضرات زکاۃ سے بچنے کے لیے لوگوں کو مختلف حیلوں کی تلقین کرتے ہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے ان حضرات کے اقوال میں تناقض ثابت کیا ہے کہ ایک طرف تو یہ حضرات سال گزرنے سے پہلے زکاۃ ادا کرنے کے جواز کے قائل ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکاۃ کے وجوب کے لیے سال کا پورا ہونا ضروری نہیں، پھر سال پورا ہونے سے پہلے حیلہ اسقاط زکاۃ کے جواز سے معلوم ہوتا ہے کہ زکاۃ کے لیے سال کا پورا ہونا لازمی ہے پھر ان حضرات کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے کہ اگر کسی نے سال کے بعد قرض واپس کرنا ہے تو وہ سال گزرنے سے پہلے قرض ادا کر دے تو قرض ادا ہو جاتا ہے اسی طرح زکاۃ بھی سال سے پہلے ادا کی جا سکتی ہے لیکن یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ قرض لینے والا اگر معاف کر دے تو ایسا ممکن ہے لیکن زکاۃ لینے والے کو زکاۃ معاف کر دینے کا اختیار نہیں ہے۔ بہرحال حیلوں بہانوں سے زکاۃ ساقط نہیں ہوگی۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے وہ سزا بھی دے جو حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ واللہ أعلم.

٦٩٥٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: اسْتَفْتَى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ الْأَنْصَارِيُّ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اقْضِهِ عَنْهَا».

[6959] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک نذر کے متعلق سوال کیا جو ان کی والدہ کے ذمے تھی، اور ان کی وفات نذر پورا کرنے سے پہلے ہو گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم اس کی طرف سے نذر پوری کر دو۔“

[1] فتح الباري: 415/12.

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: إِذَا بَلَغَتِ الْإِبِلُ عِشْرِينَ فَفِيهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ، فَإِنْ وَهَبَهَا قَبْلَ الْحَوْلِ أَوْ بَاعَهَا فِرَارًا أَوِ احْتِيَالًا لِإِسْقَاطِ الزَّكَاةِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ، وَكَذٰلِكَ إِنْ أَتْلَفَهَا فَمَاتَ فَلَا شَيْءَ فِي مَالِهِ. [راجع: ٢٧٦١]

بعض لوگ کہتے ہیں: جب اونٹوں کی مقدار بیس ہو جائے تو ان میں چار بکریاں دینا ضروری ہیں۔ اگر سال پورا ہونے سے پہلے کسی کو اونٹ ہبہ کر دے یا اسے فروخت کر دے، یہ حیلہ زکاۃ سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے اختیار کرے تو اس پر کوئی چیز واجب نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ ان کو تلف کر دے اور خود فوت ہو جائے تو اس کے مال میں کوئی چیز واجب نہیں۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی نے نذر مانی اور وہ اسے پورا کرنے سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کے ورثاء پر نذر کا پورا کرنا ضروری ہے جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہو گئی تھیں جبکہ نذر کا پورا کرنا ان کے ذمے تھا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان کی نذر پوری کریں۔ اسی طرح زکاۃ کا حکم ہے کہ صاحب زکاۃ کے مرنے کے بعد وہ ساقط نہیں ہوگی بلکہ ورثاء کو چاہیے کہ وہ اس کے مال سے پہلے زکاۃ ادا کریں، پھر اس کا ترکہ تقسیم کریں۔ جب نذر موت سے ساقط نہیں ہوتی تو زکاۃ بطریق اولیٰ ساقط نہیں ہوگی۔ ② اس مقام پر بعض حضرات نے جواز حیلہ اور نفاذ حیلہ کی بحث چھیڑی ہے، اس کی حیثیت سخن سازی سے زیادہ نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک جواز حیلہ اور نفاذ حیلہ دونوں ممنوع ہیں۔ بہر حال احکام الٰہی سے فرار کا راستہ اختیار کرنے کے لیے جو بھی حیلہ کیا جائے گا شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ قیامت کے دن ایسے شخص کا ضرور مؤاخذہ ہوگا۔ واللہ أعلم.

(٤) بَابُ الْحِيلَةِ فِي النِّكَاحِ

باب: 4- نکاح میں حیلہ کرنے کا بیان

٦٩٦٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الشِّغَارِ، قُلْتُ لِنَافِعٍ: مَا الشِّغَارُ؟ قَالَ: يَنْكِحُ ابْنَةَ الرَّجُلِ وَيُنْكِحُهُ ابْنَتَهُ بِغَيْرِ صَدَاقٍ، وَيَنْكِحُ أُخْتَ الرَّجُلِ وَيُنْكِحُهُ أُخْتَهُ بِغَيْرِ صَدَاقٍ.

[6960] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شغار سے منع فرمایا ہے۔ (راوی حدیث عبیداللہ نے کہا) میں نے حضرت نافع سے شغار کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا: کوئی آدمی دوسرے کی بیٹی سے نکاح کرتا ہے اور وہ اس کے نکاح میں اپنی بیٹی دیتا ہے، اس (تبادلے) کے علاوہ اور کوئی حق مہر نہیں ہوتا۔ اور مہر کے بغیر کسی آدمی کی بہن سے نکاح کرے اور وہ اس کو اپنی بہن کا نکاح حق مہر کے بغیر کر دے۔

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: إِنِ احْتَالَ حَتَّى تَزَوَّجَ

بعض لوگوں نے کہا: اگر کسی نے حیلہ کر کے نکاح شغار

عَلَى الشِّغَارِ فَهُوَ جَائِزٌ وَّالشَّرْطُ بَاطِلٌ، وَقَالَ فِي الْمُتْعَةِ: اَلنِّكَاحُ فَاسِدٌ وَّالشَّرْطُ بَاطِلٌ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: اَلْمُتْعَةُ وَالشِّغَارُ جَائِزَانِ، وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ. [راجع: ٥١١٢]

کر لیا تو عقد نکاح درست، البتہ شرط باطل ہے۔ پھر نکاح متعہ کے متعلق کہا کہ یہ نکاح بھی فاسد ہے اور شرط بھی باطل ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ نکاح متعہ اور نکاح شغار دونوں جائز ہیں، البتہ شرط باطل ہوگی۔

فوائد ومسائل: ① کسی کے ساتھ اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرنا کہ وہ اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس سے کر دے، نکاح شغار کہلاتا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ایک حدیث میں شغار کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ تو اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کر دے اور میں اپنی بیٹی کی شادی تجھ سے کر دیتا ہوں یا کہے کہ تو اپنی بہن کی شادی مجھ سے کر دے، میں اپنی بہن کی شادی تجھ سے کر دیتا ہوں۔[1] شریعت میں ایسا نکاح حرام ہے بلکہ اسلام اس قسم کے نکاح کو تسلیم نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''نکاح شغار اسلام میں نہیں ہے۔''[2] لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نکاح شغار اپنے اصل کے اعتبار سے مشروع ہے لیکن ایک خاص وصف کی بنا پر فاسد ہے کیونکہ اس میں حق مہر نہیں ہوتا، لہٰذا مہر مثل واجب قرار دے کر اسے بحال رکھا جا سکتا ہے۔ امام بخاری ؒ نے ایسے لوگوں پر تین اعتراض کیے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ اس طرح کے نکاح کو حیلے کے ذریعے سے جائز قرار دینا صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے نکاح سے منع فرمایا ہے اور آپ کی نہی، منع کردہ چیز کے فساد کا تقاضا کرتی ہے بلکہ اسلام نے تو اس کے وجود سے انکار کیا ہے۔ ○ ان حضرات کے اقوال میں تناقض ہے۔ اسلام میں جس طرح شغار منع ہے، اسی طرح متعہ بھی ممنوع ہے، لہٰذا ان دونوں کا حکم بھی ایک ہونا چاہیے لیکن یہ لوگ حیلے سے شغار کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن متعے کو حیلے سے جائز قرار نہیں دیتے، یہ واضح تضاد ہے۔ ○ خود ان حضرات کے اقوال میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر کے نزدیک نکاح شغار جائز اور متعہ ناجائز ہے لیکن ان میں سے بعض کے نزدیک شغار اور متعہ دونوں ہی جائز ہیں، البتہ شرط باطل ہے۔ ② ہمارے رجحان کے مطابق متعے اور شغار کی ممانعت یکساں طور پر احادیث سے ثابت ہے بلکہ نکاح متعہ تو بعض حالات میں حلال تھا مگر شغار کبھی حلال نہیں ہوا۔ اب متعہ بھی قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ ③ نکاح شغار کی ممانعت مہر کے نہ ہونے کی بنا پر نہیں کہ مہر مثل سے اسے برقرار رکھا جا سکے بلکہ باہمی شرط لگانے اور تبادلے کی وجہ سے حرام ہے۔ اس میں معاشرتی خرابی یہ ہے کہ اگر ایک آدمی دوسرے کی بیٹی چھوڑ دیتا ہے تو دوسرا بھی اس کی بیٹی کو چھوڑ دے گا۔ اس میں اگر حق مہر رکھ بھی دیا جائے تب بھی حرام ہے جیسا کہ حضرت عباس بن عبداللہ بن عباس نے عبدالرحمن بن حکم سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور عبدالرحمن نے اپنی بیٹی کا نکاح عباس سے کر دیا، ان دونوں نے حق مہر بھی مقرر کیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ ؓ کو جب اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے مروان بن حکم کی طرف ایک مکتوب کے ذریعے سے ان دونوں کے درمیان جدائی کا حکم بھیج دیا۔ اس مکتوب میں یہ بھی تھا کہ یہی وہ نکاح شغار ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا تھا۔[3] اس نکاح میں حق مہر بھی ادا کر دیا گیا تھا، اس کے باوجود حضرت امیر معاویہ ؓ نے اسے ختم کر دیا، لہٰذا اس قسم کے نکاح کو کسی

[1] مسند أحمد: 439/2. [2] صحيح مسلم، النكاح، حديث: 3465 (1416). [3] سنن أبي داود، النكاح، حديث: 2075.

حیلے کے ذریعے سے جائز قرار دینا شریعت کے ضابطے کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے۔ (4) امام بخاری رحمہ اللہ نے بروقت اس قسم کے حیلوں سے آگاہ کر کے امت کو خبردار کیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ ان میں گرفتار ہو جائے۔ واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان حضرات پر کوئی الزام نہیں لگایا بلکہ امر واقعی یہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک نکاح شغار اور نکاح موقت جائز ہے، چنانچہ شرح وقایہ میں ہے: ''بیع تو فاسد شرطوں سے باطل ہو جاتی ہے لیکن نکاح میں فاسد شرائط مؤثر نہیں ہوتیں، لہٰذا شغار اور نکاح موقت دونوں جائز ہیں۔''[1] اللہ تعالیٰ اس قسم کے حیلوں سے ہمیں محفوظ رکھے جو سراسر تباہی کا راستہ ہیں۔ آمین۔

٦٩٦١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنِ الْحَسَنِ وَعَبْدِ اللهِ ابْنَيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَبِيهِمَا: أَنَّ عَلِيًّا رَّضِيَ اللهُ عَنْهُ قِيلَ لَهُ: إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لَّا يَرٰى بِمُتْعَةِ النِّسَاءِ بَأْسًا، فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنْهَا يَوْمَ خَيْبَرَ، وَعَنْ لُّحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ.

[6961] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان سے کہا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عورتوں کے متعہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر متعہ سے اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع کر دیا تھا۔

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: إِنِ احْتَالَ حَتّٰى تَمَتَّعَ فَالنِّكَاحُ فَاسِدٌ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: النِّكَاحُ جَائِزٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ. [راجع: ٤٢١٦]

بعض لوگ کہتے ہیں: اگر کسی نے حیلہ کر کے متعہ کر لیا تو نکاح فاسد ہے جبکہ کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ نکاح جائز ہے، البتہ (میعاد کی) شرط باطل ہے۔

فوائد ومسائل: (1) متعہ کسی عورت سے ایک مقررہ مدت تک نکاح کر لینے کو کہا جاتا ہے۔ یہ نکاح زمانۂ جاہلیت میں مروج تھا۔ غزوۂ خیبر تک اس کا رواج رہا، پھر اس کی حرمت کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کے بعد عام اوطاس میں صرف تین دن کے لیے رخصت دی گئی، پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قطعی طور پر اسے حرام کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل کتاب النکاح میں گزر چکی ہے لیکن بعض حضرات کے نزدیک نکاح متعہ فاسد ہے اور فساد کی اصلاح الغائے شرط کے ذریعے سے ممکن ہے لیکن باطل کی اصلاح الغائے شرط سے ممکن نہیں ہوتی، چنانچہ شرح وقایہ کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے کہ بیع تو شرائط فاسدہ سے باطل ہو جاتی ہے لیکن نکاح میں شرائط فاسدہ مؤثر نہیں ہوتیں، لہٰذا نکاح شغار اور نکاح موقت جائز ہے۔ (2) واضح رہے کہ نکاح متعہ اور نکاح موقت میں اگرچہ فرق کیا جاتا ہے لیکن نتیجے کے اعتبار سے یہ دونوں ایک ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان حضرات پر دو اعتراض کیے ہیں: ○ ان کے نزدیک نکاح متعہ فاسد ہے باطل نہیں اور ان کے نزدیک فاسد کی اصلاح شرط ختم کر دینے سے ہو جاتی ہے، لہٰذا تحدید وقت کی شرط ختم کر کے نکاح متعہ جائز ہو سکتا ہے جسے شریعت نے ہمیشہ کے لیے منسوخ کیا ہے۔ ○ ان حضرات کے نزدیک متعہ جائز اور شرط لغو ہے جیسے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام زفر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک متعہ جائز اور شرط باطل ہے۔[2] (3) واضح

1 شرح الوقایة، کتاب النکاح۔ 2 فتح الباري: 419/12۔

رہے کہ حسن بن زیاد کے ذریعے سے امام ابوحنیفہ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر نکاح مؤقت میں اتنی مدت معین کی ہو کہ عادت کے طور پر اتنی زندگی متوقع نہ ہو، مثلاً: دوسو سال وغیرہ تو اس صورت میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے (لیکن راقم الحروف کو اس کا حوالہ نہیں مل سکا)۔ بہرحال نکاح متعہ حرام اور باطل ہے اور قیامت تک کے لیے اسے حرام کر دیا گیا۔ روافض کے علاوہ کوئی دوسرا اس کے جواز کا قائل نہیں روافض کے نزدیک یہ نکاح بہت بابرکت ہے۔ فَلَا بَارَكَ اللّٰهُ فِيهِمْ وَلَا عَلَيْهِمْ.

(٥) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْاِحْتِيَالِ فِي الْبُيُوعِ، وَلَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ فَضْلُ الْكَلَإِ

باب: 5- خرید و فروخت میں حیلہ کرنا منع ہے، اسی طرح ضرورت سے زائد پانی کے استعمال سے نہ روکا جائے تاکہ اس بہانے فالتو گھاس سے منع کیا جائے

٦٩٦٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ فَضْلُ الْكَلَإِ». [راجع: ٢٣٥٣]

[6962] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ضرورت سے زائد پانی سے منع نہ کیا جائے تاکہ اس بہانے فالتو گھاس بھی محفوظ رہے۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کا عنوان سے اس طرح تعلق ہے کہ جس گھاس میں سب لوگ شریک ہوں وہ ہر ایک کے لیے جائز اور مباح ہو تو اسے لوگوں سے بچانے کے لیے یہ حیلہ کیا جائے کہ لوگوں کے لیے پانی کے استعمال پر پابندی لگا دے اس طرح گھاس بھی محفوظ ہو جائے گی کیونکہ اس طرح لوگ اپنے چوپائیوں کو پانی پلانے کے لیے کنویں کے پاس نہیں لائیں گے اور نہ گھاس ہی اپنے حیوانات کو چرائیں گے۔ ② اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کنویں کا مالک ہے، اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں، کنویں کے اردگرد گھاس کی چراگاہ ہے جو ہر ایک کے لیے مباح ہے، کنویں کا مالک چاہتا ہے کہ کوئی شخص گھاس نہ چرائے تو وہ اپنے کنویں کے زائد پانی پر پابندی لگا دے تاکہ لوگوں کے جانور پانی پی کر گھاس نہ چریں، اس بہانے سے وہ کنویں کا پانی فروخت کرے اور لوگ اسے خریدنے پر مجبور ہوں گے۔ اگر پانی اس کی ضروریات سے زائد نہ ہو تو لوگوں کو پانی سے روکا جا سکتا ہے۔ واللّٰہ أعلم۔[1]

(٦) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّنَاجُشِ

باب: 6- بلاوجہ قیمت بڑھانا منع ہے

٦٩٦٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ النَّجْشِ. [راجع: ٢١٤٢]

[6963] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلاوجہ قیمت بڑھانے سے منع کیا ہے۔

---

1 فتح الباري: 419/12.

فوائد ومسائل: ① نجش یہ ہے کہ کسی چیز کی قیمت بڑھانا جبکہ اسے خریدنے کا ارادہ نہ ہو، تاکہ اس طرح دوسرے لوگوں کو وہ چیز خریدنے پر آمادہ کیا جائے۔ چونکہ ایسا کرنا قیمت زیادہ کرنے کا حیلہ ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ آج کل ہماری منڈیوں میں یہی دھندا ہوتا ہے، چنانچہ نیلام کرنے والے محض جھوٹ بول کر بھاؤ بڑھاتے ہیں اور دوسروں کو دھوکا اور فریب دیتے ہیں، حالانکہ یہ ایجنٹ حضرات چیزیں خریدنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اس قسم کی دھوکا دہی بہت بری بات ہے کتنے ہی بھولے بھالے غریب اس دھوکے میں آکر لٹ جاتے ہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ خرید وفروخت کرتے وقت اس طرح کی حیلہ سازی ہرگز نہیں کرنی چاہیے تاکہ غریب عوام دھوکے میں نہ آئیں۔ واللہ أعلم۔

(٧) بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ الْخِدَاعِ فِي الْبُيُوعِ

باب: 7- خرید وفروخت میں دھوکا دہی ممنوع ہے

وَقَالَ أَيُّوبُ: يُخَادِعُونَ اللهَ كَأَنَّمَا يُخَادِعُونَ آدَمِيًّا، لَوْ أَتَوُا الْأَمْرَ عِيَانًا كَانَ أَهْوَنَ عَلَيَّ.

حضرت ایوب سختیانی نے کہا: وہ کم بخت اللہ تعالیٰ کو اس طرح دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں جس طرح کسی آدمی کو (خرید وفروخت میں) دھوکا دیتے ہیں۔ اگر وہ صاف صاف بات کھول کر کہہ دیں تو یہ میرے نزدیک آسان ہے۔

وضاحت: اگر وہ کھل کر بات کریں کہ ہم نے اپنی خریدی ہوئی چیز پر اتنا نفع لینا ہے تو معاملہ انتہائی آسان ہوجائے لیکن وہ اللہ کے نام کی قسمیں اٹھاتے ہیں کہ ہم تمھیں لگے بھاؤ دے رہے ہیں اور اپنے دین وایمان کو دھوکا دہی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اس قسم کی حیلہ گری اسلام میں قطعاً جائز نہیں۔[1]

٦٩٦٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَجُلًا ذَكَرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوعِ فَقَالَ: «إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ: لَا خِلَابَةَ». [راجع: ٢١١٧]

[6964] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے کہا کہ اسے خرید وفروخت میں دھوکا دیا جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم خرید وفروخت کرو تو کہہ دیا کرو: اس میں کوئی دھوکا نہیں ہونا چاہیے۔“

فوائد ومسائل: ① ”لَا خِلَابَةَ“ کے معنی یہ ہیں کہ میرے ساتھ دھوکا نہیں ہونا چاہیے، گویا وہ مشروط خرید وفروخت کرتا ہے، یعنی اگر خرید وفروخت میں دھوکا ظاہر ہوا تو یہ معاہدہ صحیح نہیں ہوگا۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مہلب کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر فروخت کردہ چیز کی تعریف میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا اور اس کی مدح سرائی میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیے گئے تو یہ دھوکا دہی میں نہیں ہوگا کیونکہ ایسی چیزیں معاملات میں داخل نہیں ہوتیں۔[2] ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ حیلہ

1 فتح الباري: 420/12. 2 فتح الباري: 421/12.

سازی بھی دھوکے کی ایک قسم ہے، اس بنا پر مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ حیلہ سازی کر کے شرعی احکام سے پہلو تہی کرے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا مؤاخذہ ہوگا۔ واللہ أعلم۔

(٨) بَابُ مَا يُنْهَى عَنِ الْاِحْتِيَالِ لِلْوَلِيِّ فِي الْيَتِيمَةِ الْمَرْغُوبَةِ، وَأَنْ لَا يُكَمِّلَ لَهَا صَدَاقَهَا

باب:8- یتیم لڑکی جو سیرت وصورت کے اعتبار سے پسندیدہ ہو، نامکمل مہر کے عوض اس سے نکاح کرنے میں ولی کے لیے حیلہ سازی کرنے کی ممانعت کا بیان

٦٩٦٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: كَانَ عُرْوَةُ يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ﴾ [النساء:٣] قَالَتْ: هِيَ الْيَتِيمَةُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا فَيَرْغَبُ فِي مَالِهَا وَجَمَالِهَا فَيُرِيدُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِأَدْنَى مِنْ سُنَّةِ نِسَائِهَا، فَنُهُوا عَنْ نِكَاحِهِنَّ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ فِي إِكْمَالِ الصَّدَاقِ، ثُمَّ اسْتَفْتَى النَّاسُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعْدُ، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ [النساء:١٢٧]، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ. [راجع: ٢٤٩٤]

[6965] حضرت عروہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے درج ذیل آیت کی تفسیر کے متعلق پوچھا: ''اور اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم بچیوں کے متعلق انصاف نہ کر سکو گے تو پھر دوسری عورتوں سے نکاح کر لو جو تمھیں پسند ہوں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: اس سے مراد ایسی یتیم بچی ہے جو اپنے سرپرست کی کفالت میں ہو اور وہ اس کے مال ومتاع اور حسن و جمال کی وجہ سے اس میں شوق رکھتا ہو۔ پھر دوسری عورتوں کے معروف مہر سے کم حق مہر دے کر اس سے نکاح کرے۔ ایسے سرپرستوں کو ان لڑکیوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں، اگر وہ (سرپرست) پورا حق مہر دے کر انصاف کرے تو جائز ہے۔ اس کے بعد لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی: ''اور لوگ آپ سے عورتوں کے متعلق فتویٰ پوچھتے ہیں۔'' پھر انھوں نے بقیہ حدیث ذکر فرمائی۔

فوائد ومسائل: ① اگر یتیم بچی بدصورت اور مال ودولت کے اعتبار سے غریب ہوتی تو سرپرست حضرات کو اس سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی اور اگر مال دار اور خوبصورت ہوتی تو حیلہ سازی کر کے اس سے خود نکاح کر لیتے۔ ان کے متعلق حیلہ سازی یہ ہوتی تھی کہ انھیں معمولی حق مہر دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دوہرے کردار کا اس آیت کریمہ میں نوٹس لیا ہے۔ ہاں، اگر حیلہ سازی سے بچتے ہوئے اسے پورا پورا حق مہر دیں اور عدل وانصاف سے کام لیں تو ایسی یتیم بچیوں سے نکاح کی اجازت ہے۔ ② اہل ظاہر کا موقف ہے کہ اگر کوئی سرپرست اس طرح ظالمانہ طریقے سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ صحیح نہیں ہوگا مگر جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ

نکاح صحیح ہے مگر سرپرست کے لیے ضروری ہے کہ وہ یتیم بچی کو مہر مثل ادا کرے۔ بہر حال اس قسم کی حیلہ سازی کی ممانعت ہے۔ اس سے ایک مسلمان کو ہر حال میں بچنا چاہیے۔ واللہ أعلم۔

(٩) بَابٌ: إِذَا غَصَبَ جَارِيَةً فَزَعَمَ أَنَّهَا مَاتَتْ، فَقُضِيَ بِقِيمَةِ الْجَارِيَةِ الْمَيِّتَةِ، ثُمَّ وَجَدَهَا صَاحِبُهَا فَهِيَ لَهُ، وَتُرَدُّ الْقِيمَةُ، وَلَا تَكُونُ الْقِيمَةُ ثَمَنًا

باب: 9- جب کسی نے دوسرے کی لونڈی زبردستی چھین لی، پھر کہا کہ وہ مرگئی ہے ایسے حالات میں مردہ لونڈی کی قیمت ادا کرنے کا فیصلہ کردیا گیا، اس کے بعد اصل مالک کو وہ لونڈی زندہ مل گئی تو وہ اپنی لونڈی لے لے گا اور اس کی (وصول کردہ) قیمت واپس کردی جائے گی اور وہ قیمت ثمن نہیں ہوگی

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: اَلْجَارِيَةُ لِلْغَاصِبِ لِأَخْذِهِ الْقِيمَةَ مِنْهُ، وَفِي هٰذَا احْتِيَالٌ لِّمَنِ اشْتَهٰى جَارِيَةَ رَجُلٍ لَّا يَبِيعُهَا فَغَصَبَهَا وَاعْتَلَّ بِأَنَّهَا مَاتَتْ حَتّٰى يَأْخُذَ رَبُّهَا قِيمَتَهَا فَتَطِيبُ لِلْغَاصِبِ جَارِيَةُ غَيْرِهِ. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَمْوَالُكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، وَلِكُلِّ غَادِرٍ لِّوَاءٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ».

بعض لوگوں نے کہا ہے: وہ لونڈی چھیننے والے کی ہو جائے گی کیونکہ مالک اس کی قیمت وصول کرچکا ہے، گویا جس لونڈی کی کسی آدمی کو خواہش ہو اور مالک اسے بیچنا نہ چاہتا ہو تو اس کو حاصل کرنے کے لیے یہ حیلہ سازی ہے کہ وہ اس لونڈی کو زبردستی چھین لے۔ جب مالک اس کے خلاف دعویٰ کرے تو وہ اس کے مرجانے کا بیان دے گا اور اس کی قیمت مالک کو ادا کردے گا، اس کے بعد وہ پرائی لونڈی سے مزے اڑاتا رہے گا کیونکہ اس کے خیال کے مطابق لونڈی اس کے لیے حلال ہوگئی ہے، حالانکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''ایک دوسرے کے مال تم پر حرام ہیں، نیز قیامت کے دن ہر دغا باز کے لیے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔''

٦٩٦٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لِكُلِّ غَادِرٍ لِّوَاءٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهِ». [راجع: ٣١٨٨]

[6966] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ہر دھوکا دینے والے کے لیے ایک جھنڈا ہوگا جس کے ذریعے سے وہ پہچانا جائے گا۔''

فوائد ومسائل: ❶ صورت مسئلہ اس طرح ہے کہ ایک شخص کے پاس خوبصورت لونڈی ہے جو کسی دوسرے شخص کو پسند

آ گئی۔ وہ شخص مالک سے فروخت کرنے کا مطالبہ کرتا ہے لیکن مالک اس پر آمادہ نہ ہوا تو دوسرے شخص نے زبردستی چھین کر عدالت میں ثابت کر دیا کہ وہ مرگئی ہے۔ عدالت نے اس کی قیمت کا فیصلہ کر دیا اور مالک نے وہ قیمت وصول کر لی۔ اب اس لونڈی کے متعلق دو موقف ہیں: جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ مذکورہ صورت غدر کی ایک قسم ہے کیونکہ غاصب کا یہ دعویٰ کہ وہ مرگئی، اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے حق میں ایک طرح کی خیانت اور دغا بازی ہے، لہٰذا اگر وہ زندہ مل گئی تو اصل مالک وصول کی ہوئی قیمت واپس کر کے وہ لونڈی لینے کا مجاز ہوگا اور وصول کی ہوئی قیمت اس لونڈی کی ثمن اور عوض بیع نہیں بنے گی کیونکہ ان دونوں میں باقاعدہ عقد بیع جاری ہی نہیں ہوا بلکہ مالک نے لونڈی کی قیمت تو محض اس کی ہلاکت کے گمان پر لی تھی، جب یہ سبب زائل ہو گیا تو اصل کی طرف رجوع واجب ہو گیا کہ وہ لونڈی اصل مالک ہی کی ہے۔ دوسرا موقف ''بعض لوگوں'' کا ہے کہ جب غاصب نے اس کی قیمت ادا کر دی اور مالک نے اسے وصول کر لیا تو وہ لونڈی غاصب کی ملکیت میں آ جائے گی اور اس کے لیے اسے اپنے کام میں لانا جائز ہوگا۔ ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ یہ فعل جائز نہیں، تاہم اگر کسی نے حماقت میں آ کر کر لیا ہے تو اسے نافذ کر دیا جائے گا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان اور پیش کردہ حدیث میں ایسے لوگوں کا محاسبہ کیا ہے اور ان کی حیلہ سازی سے پردہ اٹھایا ہے، پھر ان کی تقسیم جواز حیلہ اور نفاذ حیلہ کے تار پود بکھیرے ہیں کہ یہ تقسیم باطل اور دھوکا دہی کی ایک قسم ہے، چنانچہ پیش کردہ حدیث ''دوسروں کے مال تم پر حرام ہیں'' جس طرح جواز حیلہ کی نفی کرتی ہے، نفاذ حیلہ کی بھی نفی کرتی ہے۔ جب باطل طریقے سے کسی دوسرے کا مال کھانا حرام ہے تو اس کا نفاذ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس طرح اس میں باہمی رضامندی کی شرط بھی مفقود ہے کیونکہ مالک نے مشروط طور پر لونڈی کی قیمت وصول کی ہے لیکن جب وہ مری نہیں تو رضامندی کی شرط ہونے سے رضامندی بھی ختم ہوگئی۔ اس حیلے سے تو فساق و فجار کے لیے فسق و فجور میں مبتلا رہنے کا راستہ ہموار کرنا ہے۔ ایک مسلمان کی شان نہیں کہ وہ ایسی حرکات کرے جس سے عیاش لوگوں کو فائدہ ہو اور انھیں کسی قسم کا خطرہ نہ ہو۔ واللہ المستعان۔

(١٠) بَابٌ:

باب:10- بلاعنوان

٦٩٦٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، وَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ». [راجع: ٢٤٥٨]

[6967] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میں ایک انسان ہوں اور بعض اوقات جب تم باہمی جھگڑا لاتے ہو تو ممکن ہے کہ تم میں کوئی دوسرا اپنے فریق مخالف کے مقابلے میں زیادہ چالاکی سے بولنے والا ہو، اس طرح میں اس کے مطابق فیصلہ کر دوں جو میں اس سے سنتا ہوں، لہٰذا ایسے حالات میں جس شخص کے لیے بھی اس کے بھائی کے حق میں کسی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اسے نہ لے کیونکہ اس طرح میں اسے جہنم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دیتا ہوں۔''

فوائدومسائل: ① اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی عنوان قائم نہیں فرمایا، گویا یہ پہلے عنوان کے لیے فصل کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے مذکورہ حدیث کی مناسبت پہلے باب سے ہوگی جو بالکل واضح ہے کہ جھوٹ یا جھوٹے گواہوں کی بنیاد پر حاکم نے جو فیصلہ کیا ہے اگر حق لینے والا جانتا ہے کہ یہ میرا حق نہیں بلکہ کسی اور کا ہے تو عدالت کے فیصلے سے یہ حق اس کا نہیں ہو جائے گا بلکہ اسے وہ اپنے لیے آگ کا ٹکڑا خیال کرے کیونکہ عدالت کا فیصلہ کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام نہیں کر سکتا۔ ② دراصل امام بخاری رحمہ اللہ نے حیلہ سازوں کے سہاروں کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے، اس کی بنیاد ایک مشہور اختلافی مسئلے پر ہے کہ جھوٹے گواہوں کی بنیاد پر عدالت جو فیصلہ کرتی ہے وہ ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے نافذ ہوتا ہے یا وہ صرف ظاہری اعتبار سے ہے باطنی لحاظ سے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ ظاہری اعتبار کا مطلب یہ ہے کہ وہ فیصلہ صرف دنیوی جھگڑا ختم کرنے کے لیے کارگر ہوتا ہے لیکن اخروی حلت اس سے ثابت نہیں ہوتی، قانونی حیثیت سے مدعی کو اس سے فائدہ ضرور ہوگا لیکن آخرت میں اس سے ضرور باز پرس ہوگی کیونکہ اس نے جانتے بوجھتے ہوئے غیر کا حق مارا ہے۔ جمہور اہل علم اور امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ ③ باطنی اعتبار کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی وہ چیز مدعی کے لیے حلال ہو جائے گی اور اسے کسی قسم کا گناہ نہیں ہوگا اور نہ آخرت ہی میں اس سے کوئی باز پرس ہوگی، اہل کوفہ کا یہی موقف ہے۔ اس موقف کو محدثین کرام رحمہم اللہ نے سختی سے مسترد کیا ہے۔ ان میں سرفہرست امام بخاری رحمہ اللہ ہیں۔ انھوں نے مذکورہ بالا حدیث سے ثابت کیا ہے کہ عدالت کا فیصلہ تو بہت دور کی بات ہے، خود رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ بھی ایسے حالات میں اسے اخروی باز پرس سے نہیں بچا سکتا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ اپنی چرب زبانی سے جو کوئی مجھ سے اپنے حق میں فیصلہ لے لے تو وہ غیر کا حق کسی صورت میں اس کے لیے حلال نہ ہوگا بلکہ میں اس کے لیے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دیتا ہوں۔ ④ ہم اس مناسبت سے ان فقہائے کرام کو دعوت فکر دیتے ہیں جو جھوٹے گواہوں کی بنیاد پر عدالت کا فیصلہ ظاہری اور باطنی لحاظ سے نافذ سمجھتے ہیں اگرچہ وہ کتنا ہی غلط اور ظلم و زیادتی سے بھرپور ہو۔ ذرا چشم تصور کھول کر سوچیں اگر کوئی بدفطرت حیلہ ساز کسی کی معصوم بیٹی زبردستی چھین کر عدالت میں دعویٰ کر دے کہ یہ میری بیوی ہے اور اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے دو جھوٹے گواہ بھی پیش کر دے، عدالت ان گواہوں پر اعتبار کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دے تو کیا واقعی وہ معصوم لڑکی اس کی بیوی بن جائے گی اور اس سے اپنی شہوت پوری کرنا اس کے لیے جائز ہو جائے گا؟ بہرحال اس قسم کے مقدمات میں عدالت کے فیصلے صحیح نہ ہوں گے، خواہ دنیا جہان کی ساری عدالتیں اسے تسلیم کر لیں اور غاصب کے حق میں فیصلہ دے دیں مگر جھوٹ جھوٹ ہی رہے گا۔ اس مسئلے کی مزید وضاحت ہم آئندہ کریں گے۔ بإذن الله تعالىٰ.

(١١) بَابٌ: فِي النِّكَاحِ

باب: 11- نکاح (کے متعلق جھوٹی گواہی) کا بیان

٦٩٦٨ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي

[6968] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''کنواری لڑکی

سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ، وَلَا الثَّيِّبُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ»، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! كَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: «إِذَا سَكَتَتْ».

کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ لی جائے اور کسی بیوہ کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کا امر نہ معلوم کرلیا جائے۔'' پوچھا گیا: اللہ کے رسول! کنواری لڑکی کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔''

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: إِنْ لَمْ تُسْتَأْذَنِ الْبِكْرُ وَلَمْ تَزَوَّجْ فَاحْتَالَ رَجُلٌ فَأَقَامَ شَاهِدَيْنِ زُورًا أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا بِرِضَاهَا، فَأَثْبَتَ الْقَاضِي نِكَاحَهَا، وَالزَّوْجُ يَعْلَمُ أَنَّ الشَّهَادَةَ بَاطِلَةٌ، فَلَا بَأْسَ أَنْ يَطَأَهَا، وَهُوَ تَزْوِيجٌ صَحِيحٌ. [راجع: ٥١٣٦]

بعض لوگ کہتے ہیں: اگر کنواری لڑکی سے اجازت نہ لی گئی اور نہ اس کا نکاح ہی کیا گیا لیکن کسی شخص نے حیلہ سازی کرکے دو جھوٹے گواہ بنا لیے کہ اس نے لڑکی سے اس کی رضامندی سے نکاح کرلیا ہے اور قاضی نے اس نکاح کے متعلق فیصلہ دے دیا، حالانکہ شوہر جانتا ہے کہ گواہی جھوٹ پر مبنی اور باطل ہے، اس کے باوجود اس لڑکی سے جماع کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ نکاح صحیح ہے۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس عنوان میں حیلہ سازوں کی مکاری اور فریب کاری اور دھوکا دہی سے پردہ اٹھایا ہے کہ ان کے نزدیک ایک معصوم کنواری لڑکی کے متعلق جھوٹے گواہ پیش کردینے کے بعد اگر کسی نے عدالت سے اپنے حق میں فیصلہ لے لیا تو وہ کنواری لڑکی اس کی بیوی بن جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اس ''حرام کاری'' پر اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہو گا، حالانکہ حدیث کی رو سے نکاح کے لیے لڑکی کی اجازت ضروری ہے، اس کے علاوہ سرپرست کی رضامندی اور اجازت کی حیثیت بھی تسلیم شدہ ہے۔ لیکن حیلہ سازی کے ذریعے سے فریب کاری پر مبنی نکاح میں نہ سرپرست کی اجازت حاصل کی گئی اور نہ لڑکی ہی کی اجازت کو پیش نظر رکھا گیا، صرف دو جھوٹے گواہوں کی گواہی سے عدالت سے فیصلہ حاصل کرکے معصوم لڑکی کو بیوی بنا لیا گیا۔ شاید ان کے ہاں اس قسم کے ضمنی نکاح کے لیے سرپرست کی اجازت اور لڑکی کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔ انھوں نے شمس الائمہ سرخسی کی المبسوط کے حوالے سے ایک روایت کا بھی کھوج لگایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے: حضرت علی ؓ کے سامنے کسی شخص نے دو جھوٹے گواہ پیش کردیے کہ میرا فلاں عورت سے نکاح ہے، حضرت علی ؓ نے گواہوں کی گواہی سے اس کے نکاح کا فیصلہ دے دیا، عورت نے بغرض عفت عرض کی: امیر المومنین! میرا قطعاً اس آدمی سے نکاح نہیں ہے بلکہ یہ گواہ بالکل جھوٹے ہیں، لیکن اگر آپ کا یہی فیصلہ ہے تو میں آپ کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے یہ مطالبہ کرتی ہوں کہ اب آپ میرا عقد نکاح اس سے کردیں تاکہ میں حقیقی طور پر اس کے لیے حلال ہو جاؤں۔ حضرت علی ؓ نے فرمایا: ان دونوں گواہوں کی بنا پر میں نے جو نکاح کا فیصلہ دیا ہے یہی نکاح کے قائم مقام ہے، لہٰذا نئے نکاح کی ضرورت نہیں۔ مذکورہ روایت کے متعلق حافظ ابن حجر ؒ نے فیصلہ دیا

ہے کہ یہ ثابت ہی نہیں۔ اگر ثابت بھی ہو تو موقوف ہے،[1] یعنی رسول اللہ ﷺ سے مروی مرفوع حدیث کے مقابلے میں اس موقوف اثر کی کیا حیثیت ہے۔ ② بہرحال حیلہ سازوں کے یہ تمام سہارے مکڑی کے جالے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ واللہ المستعان.

٦٩٦٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ الْقَاسِمِ: أَنَّ امْرَأَةً مِنْ وَلَدِ جَعْفَرٍ تَخَوَّفَتْ أَنْ يُزَوِّجَهَا وَلِيُّهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَأَرْسَلَتْ إِلَى شَيْخَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ: عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَمُجَمِّعٍ ابْنَيْ جَارِيَةَ، قَالَا: فَلَا تَخْشَيْنَ فَإِنَّ خَنْسَاءَ بِنْتَ خِدَامٍ أَنْكَحَهَا أَبُوهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَرَدَّ النَّبِيُّ ﷺ ذٰلِكَ.

[6969] حضرت قاسم سے روایت ہے کہ حضرت جعفر ؓ کی اولاد میں سے ایک خاتون کو اس امر کا خطرہ ہوا کہ اس کا سرپرست ایسے شخص سے اس کا نکاح کر دے گا جسے وہ ناپسند کرتی ہے، چنانچہ اس نے انصار کے دو بزرگوں عبدالرحمن بن جاریہ اور مجمع بن جاریہ کو پیغام بھیجا۔ انھوں نے تسلی دی کہ اس سلسلے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ خنساء بنت خدام کا نکاح ان کے والد نے ان کی ناپسندیدگی کے باوجود کر دیا تھا تو نبی ﷺ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا تھا۔

قَالَ سُفْيَانُ: وَأَمَّا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ عَنْ أَبِيهِ: إِنَّ خَنْسَاءَ. [راجع: ٥١٣٨]

سفیان نے کہا: عبدالرحمن کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا، وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ خنساء (کا نکاح اس کے والد نے کر دیا تھا)۔

٦٩٧٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ، وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ»، قَالُوا: كَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: «أَنْ تَسْكُتَ». [راجع: ٥١٣٦]

[6970] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بیوہ کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کا امر نہ معلوم کر لیا جائے اور کسی کنواری کا نکاح نہ کیا جائے حتی کہ اس سے اجازت لے لی جائے۔" لوگوں نے پوچھا: اس کی اجازت کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا: "اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے۔"

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: إِنِ احْتَالَ إِنْسَانٌ بِشَاهِدَيْ زُورٍ عَلَى تَزْوِيجِ امْرَأَةٍ ثَيِّبٍ بِأَمْرِهَا، فَأَثْبَتَ الْقَاضِي نِكَاحَهَا إِيَّاهُ، وَالزَّوْجُ يَعْلَمُ أَنَّهُ

اس حدیث کے باوجود کچھ لوگ کہتے ہیں: اگر کسی نے دو جھوٹے گواہوں کے ذریعے سے یہ حیلہ کیا کہ کسی بیوہ سے اس کی اجازت سے نکاح کر لیا اور قاضی نے بھی اس کے

1 فتح الباري: 428/12.

لَمْ يَتَزَوَّجْهَا قَطُّ، فَإِنَّهُ يَسَعُهُ هٰذَا النِّكَاحُ، وَلَا بَأْسَ بِالْمُقَامِ لَهُ مَعَهَا.

حق میں نکاح کا فیصلہ کر دیا، حالانکہ مرد کو بخوبی علم ہے کہ اس نے عورت سے نکاح نہیں کیا، اس کے باوجود یہ نکاح جائز ہے اور اس مرد کے لیے اس عورت کے ساتھ رہنے میں کوئی حرج نہیں۔

فوائد ومسائل: ﴿ امام بخاری رحمہ اللہ ایک دوسرے انداز سے حیلہ سازوں کی قلعی کھولتے ہیں۔ پہلی حدیث میں ایک معصوم کنواری کے متعلق ایک بدنام زمانہ حیلے کا ذکر کیا تھا اور اب ایک شوہر دیدہ عورت کے ساتھ مکروفریب کی چال کو بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص دو جھوٹے گواہ عدالت میں پیش کر دے کہ میں نے فلاں عورت سے اس کے حکم کے مطابق نکاح کیا ہے اور عدالت بھی گواہی سن کر اس مرد کے حق میں فیصلہ دے دے تو وہ شوہر دیدہ عورت اس کی بیوی ہوگی۔ اس کے ساتھ جماع کرنا اس کے لیے حلال ہوگا اور آخرت میں بھی اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ ایسے حالات میں عدالت کا فیصلہ ظاہری اور باطنی اعتبار سے نافذ ہو جاتا ہے، حالانکہ ایسا مکار انسان، جھوٹے گواہ اور اس کے جواز کا فیصلہ دینے والا جج اللہ تعالیٰ کے ہاں سخت ترین سزا کے حقدار ہوں گے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ اگرچہ پہلے نکاح نہیں تھا لیکن قاضی کا فیصلہ کرنا گویا نکاح کرنا ہے، یعنی قاضی کو ولایت نکاح حاصل ہے اور اس نے اپنا اختیار استعمال کر کے فیصلہ دیا ہے جو ہر اعتبار سے نافذ ہوگا۔ ﴿ ان کے ہاں معاملات کی دو قسمیں ہیں: ایک املاک مرسلہ اور دوسرے عقود وغیرہ۔ دوسری قسم میں قاضی کا فیصلہ ظاہری اور باطنی طور پر نافذ ہو جائے گا جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جب میں کسی کی چرب زبانی کی بنا پر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں تو گویا میں اسے جہنم کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ کا یہ قطعی فرمان دونوں قسم کے معاملات کے لیے ہے، لہٰذا عدالتی فیصلہ جھگڑا نمٹانے کے لیے ظاہری طور پر نافذ ہو سکتا ہے لیکن باطنی طور پر اسے نافذ کرنا سینہ زوری ہے۔ دراصل اس قسم کے فیصلے ہی اسلام کی بدنامی کا باعث ہیں اور جگ ہنسائی کا سامان فراہم کرتے ہیں، کاش کہ حیلہ گر حضرات ہوش کے ناخن لیں اور باطل کا دفاع کرنے کے بجائے حق بات کو اختیار کریں۔

٦٩٧١ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ ذَكْوَانَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ»، قُلْتُ: إِنَّ الْبِكْرَ تَسْتَحْيِي؟ قَالَ: «إِذْنُهَا صُمَاتُهَا». [راجع: ٥١٣٧]

[6971] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کنواری لڑکی سے نکاح کی اجازت لی جائے گی۔'' میں نے کہا: کنواری لڑکی تو شرمائے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے۔''

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: إِنْ هَوِيَ إِنْسَانٌ جَارِيَةً يَتِيمَةً أَوْ بِكْرًا فَأَبَتْ فَاحْتَالَ فَجَاءَ بِشَاهِدَيْ زُورٍ عَلَى أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا فَأَدْرَكَتْ فَرَضِيَتِ

اس کے باوجود بعض لوگوں نے کہا ہے: اگر کوئی یتیم بچی یا کنواری لڑکی سے نکاح کرنا چاہے لیکن لڑکی نکاح پر رضا مند نہ ہو تو یہ حیلہ کرے کہ دو جھوٹے گواہ لائے جو گواہی

الْيَتِيمَةُ، فَقَبِلَ الْقَاضِي بِشَهَادَةِ الزُّورِ، وَالزَّوْجُ يَعْلَمُ بِبُطْلَانِ ذٰلِكَ: حَلَّ لَهُ الْوَطْءُ.

دیں کہ اس مرد نے اس عورت سے نکاح کیا ہے، جب لڑکی کو خبر پہنچی تو وہ بھی راضی ہو گئی، قاضی نے بھی جھوٹی گواہی قبول کر لی، حالانکہ شوہر جانتا ہے کہ اس نے نکاح نہیں کیا، اس کے باوجود اس کا عورت سے جماع کرنا جائز ہے۔

فوائد ومسائل: ⓵ امام بخاری ؒ نے حیلہ سازی کی قباحت اور خرابی بیان کرنے کے لیے مختلف اسلوب اختیار کیے ہیں: پہلی صورت کنواری لڑکی کے متعلق تھی، دوسری شوہر دیدہ کے بارے میں اور تیسری صورت میں گواہی کے بعد اعتراف ہے۔ امام بخاری ؒ سب صورتوں میں ایک ہی موقف کو بار بار بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عدالت کا فیصلہ ظاہری طور پر تو نافذ ہو سکتا ہے لیکن باطنی اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ ایسا شخص قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل مؤاخذہ ہو گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''بعض اوقات تم میں سے کوئی اپنے فریق مخالف کے مقابلے میں زیادہ چالاکی سے بولنے والا ہوتا ہے، اس طرح میں اس کی باتیں سن کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیتا ہوں، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اسے غیر کا حق مل رہا ہے تو وہ اسے نہ لے کیونکہ اس طرح میں نے اسے جہنم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دیا ہے۔''[1] ⓶ اس واضح اور دوٹوک حدیث کے باوجود بعض لوگوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ عدالت کا فیصلہ ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے نافذ ہو جاتا ہے اور یہ حضرات اس حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا محل نزاع کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں کیونکہ یہ حدیث اموال کے بارے میں ہے، عقود و معاملات کے بارے میں نہیں ہے، حالانکہ یہ حدیث عام ہے، خواہ حکم حاکم مال سے متعلق ہو یا کسی دوسرے حق کے بارے میں ہو، وہ حق خواہ مالی عقود سے متعلق ہو یا عقد نکاح سے تعلق رکھتا ہو۔ اموال وعقود کی تفریق دست ہنر شناس کا نتیجہ ہو سکتا ہے لیکن حدیث کے الفاظ اس تفریق کی اجازت نہیں دیتے۔ ان حضرات کا یہ کہنا کہ یہ حدیث جھوٹی گواہی کے متعلق نہیں بلکہ چرب لسانی اور زبان درازی کے بارے میں ہے۔ ⓷ ہمارے رجحان کے مطابق اس طرح کی موشگافی حدیث سے ثابت نہیں ہوتی اور نہ شرعاً اس طرح کی سخن سازی کی اجازت ہی ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(١٢) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنِ احْتِيَالِ الْمَرْأَةِ مَعَ الزَّوْجِ وَالضَّرَائِرِ، وَمَا نَزَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي ذٰلِكَ

باب: 12- عورت کا اپنے شوہر اور سوکنوں سے حیلہ کرنے کی ممانعت اور اس کے متعلق نبی ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی اس کا بیان

٦٩٧٢ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ، وَيُحِبُّ

[6972] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو بہت پسند کرتے تھے۔ آپ ﷺ جب عصر کی نماز پڑھ لیتے تو اپنی بیویوں

[1] صحيح البخاري، الحيل، حديث: 6967.

الْعَسَلَ، وَكَانَ إِذَا صَلَّى الْعَصْرَ أَجَازَ عَلَى نِسَائِهِ فَيَدْنُو مِنْهُنَّ، فَدَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ، فَاحْتَبَسَ عِنْدَهَا أَكْثَرَ مِمَّا كَانَ يَحْتَبِسُ، فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ، فَقِيلَ لِي: أَهْدَتْ لَهَا امْرَأَةٌ مِّنْ قَوْمِهَا عُكَّةَ عَسَلٍ فَسَقَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ مِنْهُ شَرْبَةً، فَقُلْتُ: أَمَا وَاللهِ لَنَحْتَالَنَّ لَهُ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِسَوْدَةَ، وَقُلْتُ لَهَا: إِذَا دَخَلَ عَلَيْكِ فَإِنَّهُ سَيَدْنُو مِنْكِ، فَقُولِي لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَكَلْتَ مَغَافِيرَ؟ فَإِنَّهُ سَيَقُولُ: لَا، فَقُولِي لَهُ: مَا هٰذِهِ الرِّيحُ؟ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ أَنْ يُوجَدَ مِنْهُ الرِّيحُ، فَإِنَّهُ سَيَقُولُ: سَقَتْنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ، فَقُولِي لَهُ: جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ، وَسَأَقُولُ ذٰلِكَ، وَقُولِيهِ أَنْتِ يَا صَفِيَّةُ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَى سَوْدَةَ قُلْتُ: تَقُولُ سَوْدَةُ: وَالَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَقَدْ كِدْتُ أَنْ أُبَادِئَهُ بِالَّذِي قُلْتِ لِي وَإِنَّهُ لَعَلَى الْبَابِ فَرَقًا مِّنْكِ، فَلَمَّا دَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قُلْتُ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَكَلْتَ مَغَافِيرَ؟ قَالَ: «لَا»، قُلْتُ: فَمَا هٰذِهِ الرِّيحُ؟ قَالَ: «سَقَتْنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ»، قُلْتُ: جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيَّ، قُلْتُ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَدَخَلَ عَلَى صَفِيَّةَ فَقَالَتْ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ قَالَتْ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَلَا أَسْقِيكَ مِنْهُ؟ قَالَ: «لَا حَاجَةَ لِي بِهِ»، قَالَتْ: تَقُولُ سَوْدَةُ: سُبْحَانَ اللهِ لَقَدْ حَرَمْنَاهُ، قَالَتْ: قُلْتُ لَهَا: اسْكُتِي. [راجع: ٤٩١٢]

کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کے قریب ہوتے۔ ایک مرتبہ آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور ان کے ہاں اس سے زیادہ قیام فرمایا جتنی دیر قیام کا معمول تھا۔ میں نے اس کے متعلق پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ اس کی قوم سے ایک عورت نے انھیں ایک کپی شہد بطور ہدیہ بھیجا ہے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کا شربت پلایا تھا۔ میں نے (اپنے دل میں) کہا: اللہ کی قسم! اب میں آپ کے متعلق ضرور کوئی حیلہ کروں گی، چنانچہ میں نے اس کا ذکر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کیا اور انھیں کہا: جب تمھارے پاس آپ ﷺ تشریف لائیں تو آپ کے قریب بھی آئیں گے۔ اس وقت تم نے یہ کہنا ہوگا: اللہ کے رسول! (کیا) شاید آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ فرمائیں گے: نہیں۔ تم کہنا: پھر یہ بوکیسی ہے؟ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بہت ناگوار تھی کہ آپ کے جسم کے کسی حصے سے بو آئے، چنانچہ آپ ﷺ اس کا یہ جواب دیں گے کہ حفصہ نے مجھے شہد پلایا تھا، اس پر ان سے کہنا کہ شاید شہد کی مکھیوں نے عرفط کا رس چوسا ہوگا۔ میں بھی (رسول اللہ ﷺ سے) یہی بات کہوں گی اور صفیہ! تم نے بھی یہی کہنا ہوگا، چنانچہ آپ ﷺ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو ان کا بیان ہے: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں! تمھارے خوف کی وجہ سے قریب تھا کہ میں اس وقت آپ ﷺ سے یہ بات جلدی میں کہہ دوں جبکہ آپ ابھی دروازے ہی پر تھے۔ آخر جب رسول اللہ ﷺ قریب آئے تو میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں۔“ میں نے کہا: پھر یہ بوکیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: ”مجھے تو حفصہ نے شہد پلایا ہے۔“ میں نے کہا: اس شہد کی مکھیوں نے عرفط کا رس چوسا ہوگا۔ جب آپ ﷺ میرے پاس تشریف

لائے تو میں نے بھی ایسے ہی کہا اور حضرت صفیہ ؓ کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے بھی یہی کہا۔ پھر جب آپ حضرت حفصہ ؓ کے ہاں تشریف لے گئے تو انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! کیا میں آپ کو شہد کا شربت نہ پلاؤں؟ آپ نے فرمایا: ''مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔'' اس پر حضرت سودہ ؓ نے کہا: سبحان اللہ! ہم نے آپ کو شہد سے محروم کر دیا ہے۔ میں نے ان سے کہا: خاموش رہو۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب ؓ کے ہاں شہد کا شربت پیا تھا اور حضرت عائشہ ؓ نے حضرت حفصہ ؓ کے ساتھ مل کر یہ پروگرام بنایا تھا۔[1] حضرت ابن عباس ؓ کی روایت سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ جن دو بیویوں نے آپس میں مشورہ کیا تھا وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ؓ تھیں۔ اگر ام المومنین حضرت حفصہ ؓ کے گھر شہد پیا ہوتا جیسا کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے تو وہ مظاہرہ میں حضرت عائشہ ؓ کے ساتھ کیسے شریک ہو سکتیں تھیں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہیں۔[2] ② اس حدیث میں وضاحت نہیں ہے کہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا نازل ہوا تھا، چنانچہ حضرت زینب ؓ کے واقعے میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت سورۂ تحریم نازل فرمائی۔[3] ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حیلہ سازی قطعاً جائز نہیں، خواہ یہ کام ازواج مطہرات ؓ ہی کیوں نہ کریں۔ بلاشبہ آپ امہات المومنین ہیں مگر عورت میں فطری کمزوریاں ہوتی ہیں، نیز ان میں غیرت کا عنصر کچھ زیادہ ہی پایا جاتا ہے۔ جب انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انھوں نے اس کی تلافی کر دی۔ یہی ان کی مغفرت کے لیے کافی ہے۔ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ حیلہ سازی کوئی اچھی چیز نہیں، انسان کو اس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔

(۱۳) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْاِحْتِيَالِ فِي الْفِرَارِ مِنَ الطَّاعُونِ

باب: 13- طاعون سے بھاگنے کے لیے حیلہ کرنا منع ہے

٦٩٧٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ إِلَى الشَّامِ، فَلَمَّا جَاءَ بِسَرْغَ بَلَغَهُ أَنَّ الْوَبَاءَ وَقَعَ بِالشَّامِ، فَأَخْبَرَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ

[6973] حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ شام (کا علاقہ فتح کرنے کے لیے) روانہ ہوئے۔ جب مقام سرغ پر پہنچے تو انھیں اطلاع ملی کہ شام وبائی بیماری کی لپیٹ میں ہے۔ اس دوران میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے انھیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4912. 2 فتح الباري: 430/12. 3 صحيح البخاري، الطلاق، حديث: 5267.

ﷺ قَالَ: «إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ». فَرَجَعَ عُمَرُ مِنْ سَرْغَ. [راجع: ٥٧٢٩]

نے فرمایا: ''جب تمھیں پتہ چلے کہ کسی سرزمین میں وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں مت جاؤ۔ اور اگر کسی مقام پر وبا پھوٹ پڑے اور تم وہاں موجود ہو تو راہ فرار اختیار کرتے ہوئے وہاں سے نقل مکانی نہ کرو۔'' چنانچہ حضرت عمر ؓ مقام سرغ سے واپس آ گئے۔

وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عُمَرَ إِنَّمَا انْصَرَفَ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ.

ابن شہاب سالم بن عبداللہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کی حدیث سن کر واپس ہوئے تھے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عمر ؓ اٹھارہ ہجری کو ربیع الثانی کے مہینے میں علاقۂ شام فتح کرنے کے لیے مدینہ طیبہ سے نکلے تھے۔ سرغ شام کا ایک علاقہ ہے جو حجاز کی جانب ہے۔ اسے بعد میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ نے فتح کیا تھا۔[1] ② اگر کوئی شخص وبائی شہر میں ہو تو وہاں سے تجارت یا عزیز واقارب کی ملاقات کے بہانے سے نکلنا بھی جائز نہیں کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے وبائی شہر چھوڑنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے فرار اختیار کرنا ہے، حالانکہ یہ کسی کے لیے جائز نہیں کیونکہ انسان جتنی بھی کوشش کرے وہ قضا وقدر پر غالب نہیں آ سکتا۔[2]

٦٩٧٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنَا عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ يُحَدِّثُ سَعْدًا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ ذَكَرَ الْوَجَعَ فَقَالَ: «رِجْزٌ أَوْ عَذَابٌ عُذِّبَ بِهِ بَعْضُ الْأُمَمِ ثُمَّ بَقِيَ مِنْهُ بَقِيَّةٌ فَيَذْهَبُ الْمَرَّةَ وَيَأْتِي الْأُخْرٰى، فَمَنْ سَمِعَ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا يُقْدِمَنَّ عَلَيْهِ، وَمَنْ كَانَ بِأَرْضٍ وَقَعَ بِهَا فَلَا يَخْرُجْ فِرَارًا مِنْهُ». [راجع: ٣٤٧٣]

[6974] حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے طاعون کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ ایک عذاب ہے جس کے ذریعے سے بعض امتوں کو عذاب دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تھا جو کبھی آتا ہے اور کبھی چلا جاتا ہے۔ جو کوئی کسی سرزمین میں اس کے پھیلنے کے متعلق سنے تو وہاں نہ جائے، لیکن اگر کوئی کسی مقام پر ہو اور وہاں یہ وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔''

فوائد ومسائل: ① اللہ تعالیٰ کی تقدیر تو واقع ہو کر رہتی ہے پھر وبائی امراض سے احتیاطی تدابیر کے کیا معنی کہ وہاں سے مت نکلو جہاں وبا پھیلی ہو اور وہاں مت جاؤ جہاں وبا پھیلی ہو؟ اس کا بہترین جواب حضرت عمر ؓ نے دیا تھا جب ان سے حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ نے عرض کی: امیر المومنین! کیا آپ اللہ کی تقدیر سے فرار ہونا چاہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ہم اللہ

① عمدة القاري: 253/16. ② فتح الباري: 431/12.

تعالیٰ کی تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہی کی طرف فرار ہوتے ہیں۔ اگر تم ایسی وادی میں پڑاؤ کرو جہاں سرسبز اور خشک علاقہ ہو، اگر سرسبز علاقے میں اپنے اونٹ چراؤ تو یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے اور اگر خشک علاقے میں اونٹ چریں تو بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے۔[1] ② بہرحال انسان کو حیلہ سازی سے کام نہیں لینا چاہیے کہ وہاں سے بھاگے تو طاعون سے بچنے کے لیے لیکن بہانہ یہ کرے کہ میں اپنے دوستوں سے ملنے جا رہا ہوں۔ واللہ أعلم.

(١٤) بَابٌ: فِي الْهِبَةِ وَالشُّفْعَةِ

باب: 14- ہبہ اور شفعہ کے متعلق حیلہ کرنے کا بیان

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: إِنْ وَهَبَ هِبَةً أَلْفَ دِرْهَمٍ أَوْ أَكْثَرَ حَتَّى مَكَثَ عِنْدَهُ سِنِينَ وَاحْتَالَ فِي ذَٰلِكَ ثُمَّ رَجَعَ الْوَاهِبُ فِيهَا، فَلَا زَكَاةَ عَلَى وَاحِدٍ مِّنْهُمَا، فَخَالَفَ الرَّسُولَ ﷺ فِي الْهِبَةِ وَأَسْقَطَ الزَّكَاةَ.

بعض لوگوں نے کہا ہے: اگر کسی نے ایک ہزار یا اس سے زیادہ درہم کسی دوسرے کو ہبہ کیے حتی کہ وہ اس کے پاس کئی سال رہے، پھر ان میں اس طرح حیلہ کیا کہ ہبہ کرنے والے نے وہ درہم اس سے واپس لے لیے تو ان دونوں میں سے کسی پر بھی زکاۃ واجب نہیں۔ ان حضرات نے ہبہ کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی کھلی مخالفت کی ہے، مزید برآں انھوں نے زکاۃ بھی ساقط کر دی ہے۔

٦٩٧٥ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ، لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ».

[راجع: ٢٥٨٩]

[6975] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ”اپنے ہبہ کو واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے کو خود چاٹ جاتا ہے۔ ہمارے لیے اس طرح کی بری مثال مناسب نہیں۔“

فوائد ومسائل: ① کسی کو ہدیہ دے کر واپس لینا جائز نہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے: ”ہدیہ واپس لینے والا اس طرح ہے جیسے خود قے کر کے اسے چاٹ جائے۔“[2] اپنی قے کو چاٹنا حرام ہے، لہٰذا ہبہ واپس لینا بھی حرام ہے۔ اس کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی آدمی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنا دیا ہوا عطیہ واپس لے، ہاں والد جو اپنے بچے کو عطیہ دیتا ہے وہ اس سے واپس لے سکتا ہے۔“[3] ② امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث میں کتے کی حالت بیان کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے لیے اس طرح کی بری مثال مناسب نہیں ہے لیکن حیلہ سازوں کی چابکدستی ملاحظہ فرمائیں، ان کے نزدیک کسی کو ہدیہ دے کر واپس لینے میں کوئی حرج نہیں، خواہ وہ ہدیہ قبول کرنے والے کے ہاں

1. صحيح البخاري، الطب، حديث: 5729. 2. صحيح البخاري، الهبة، حديث: 2621. 3. سنن أبي داود، البيوع، حديث: 3539.

سال بھر پڑا رہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی اپنے ہبے کا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کا بدلہ نہ دیا جائے۔''[1] یہ حدیث قابل حجت نہیں کیونکہ اس میں ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع ضعیف ہے، نیز اس میں عمرو بن دینار راوی ہے جس کا سماع حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔ اگر صحیح بھی ہو تو اس سے مراد وہ ہبہ ہے جو معاوضہ لینے کی غرض سے دیا گیا ہو مطلق ہبہ کے متعلق واپس لینے کا موقف اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ (3) امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح فرمایا ہے کہ ان حیلہ سازوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی مخالفت کی ہے جو دین اسلام میں انتہائی خطرناک حرکت ہے۔ حیلہ سازوں نے دوسری نازیبا حرکت یہ کی ہے کہ حیلے کے ذریعے سے زکاۃ بھی ساقط کر دی، حالانکہ جس شخص کو ہبہ کیا گیا تھا وہ اس نے قبول کرنے کے بعد سال بھر ملکیت میں رکھا، اس دوران میں اس پر زکاۃ فرض ہو چکی تھی، پھر ہبہ کرنے والے کے رجوع کی وجہ سے اس کی ملکیت روز اول سے ظاہر ہو گئی، لہٰذا اس پر بھی زکاۃ فرض ہونی چاہیے تھی لیکن حیلہ سازوں نے دونوں ہی سے زکاۃ ساقط کر دی اور زکاۃ فریضہ اسلام ہے جس کا ساقط کرنا کسی صورت میں جائز نہیں، پھر ان حضرات نے جواز حیلہ اور نفاذ حیلہ کی بحث چھیڑی کہ اگر کسی نے یہ حماقت کر لی ہے تو اسے بہر حال نافذ ہونا چاہیے، لیکن ہمارا موقف ہے کہ جو امر جائز نہیں اس کا نفاذ کیونکر ہو سکتا ہے۔ (4) بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ کے دونوں اعتراض اپنی جگہ پر ناقابل تردید ہیں ایک تو حدیث کی مخالفت کرنا اور دوسرا فریضۂ اسلام زکاۃ کو حیلے سے ساقط کرنا۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے۔ آمین۔

٦٩٧٦ – حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: إِنَّمَا جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ الشُّفْعَةَ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ. [راجع: ٢٢١٣]

[6976] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے شفعہ کا حق ہر اس چیز میں دیا ہے جو تقسیم نہ کی گئی ہو۔ جب حد بندی ہو جائے اور راستے الگ الگ کر دیے جائیں تو پھر شفعہ نہیں ہوتا۔

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: اَلشُّفْعَةُ لِلْجِوَارِ، ثُمَّ عَمَدَ إِلَى مَا شَدَّدَهُ فَأَبْطَلَهُ، وَقَالَ: إِنِ اشْتَرَى دَارًا فَخَافَ أَنْ يَأْخُذَهَا الْجَارُ بِالشُّفْعَةِ فَاشْتَرَى سَهْمًا مِنْ مِائَةِ سَهْمٍ، ثُمَّ اشْتَرَى الْبَاقِيَ، وَكَانَ لِلْجَارِ الشُّفْعَةُ فِي السَّهْمِ الْأَوَّلِ وَلَا شُفْعَةَ لَهُ فِي بَاقِي الدَّارِ، وَلَهُ أَنْ يَحْتَالَ فِي ذٰلِكَ.

اس کے باوجود بعض لوگوں نے کہا ہے: شفعہ کا حق پڑوسی اور ہمسائے کو بھی ہوتا ہے۔ پھر جس چیز (ہمسائے کے حق شفعہ) کو مضبوط کیا تھا اسے خود ہی باطل قرار دیا اور کہا کہ اگر کسی نے کوئی گھر خریدا، پھر اسے خطرہ محسوس ہوا کہ اس کا پڑوسی شفعے کی بنیاد پر اس سے گھر لے لے گا تو اسے چاہیے کہ وہ مکان کے سو حصوں میں سے پہلے ایک حصہ خرید لے، پھر باقی حصے خرید کرے۔ ایسی صورت میں

1 سنن ابن ماجه، الهبات، حديث: 2387.

پڑوسی کو صرف پہلے خرید کردہ حصے میں شفعے کا حق ہو گا۔
مکان کے باقی حصوں میں اسے حق شفعہ حاصل نہیں ہو گا۔
خریدار اس مکان کے متعلق اس قسم کا حیلہ کر سکتا ہے۔

فوائد و مسائل: 1 امام بخاری رحمہ اللہ نے شفعے کے سلسلے میں حیلہ سازوں کے اقوال میں تناقض ثابت کرنے کے لیے چار صورتیں ذکر کی ہیں جن میں پہلی صورت یہاں بیان کی ہے، فرماتے ہیں کہ انھوں نے پہلے پڑوس کا حق شفعہ ثابت کیا، پھر خود ہی اس حق کو برباد کرنے کا حیلہ بتایا کہ خریدار، بیچنے والے سے اس گھر کے سو حصوں میں سے صرف ایک مشترک حصہ خرید لے جس کی بنا پر وہ خریدے ہوئے گھر میں بیچنے والے کا شریک ہو جائے گا۔ اب پڑوسی اس ایک حصے کو معمولی اور حقیر خیال کر کے شفعہ نہیں کرے گا، پھر چونکہ خریدار اس گھر میں شریک بن چکا ہے اور شریک کا حق، پڑوسی کے حق سے مقدم ہوتا ہے، اس لیے اب وہ گھر کے باقی ننانوے حصے بھی خرید لے، اب پڑوسی کے لیے ان باقی حصوں میں حق شفعہ نہیں رہے گا۔ اس انداز سے حیلہ سازوں نے پڑوسی کا حق شفعہ ثابت کرنے کے بعد اسے باطل کر دیا کہ نہ تو وہ پہلے حصے میں شفعہ کر سکتا ہے کیونکہ وہ تو انتہائی تھوڑا ہے اور نہ باقی حصوں میں شفعہ کر سکے گا کیونکہ شریک کا حق اس سے مقدم ہے۔ اسی تناقض کو ثابت کرنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث پیش کی ہے۔ 2 شریعت نے پڑوسی کو شفعے کا حق اس لیے دیا ہے تاکہ وہ آنے والے مکین کی اذیت رسانی سے محفوظ رہے کیونکہ فروخت کرنے والے نے تو گھر بیچ کر چلے جانا ہے، اب فروخت کرنے والے نے یہ حیلہ کر کے اپنے پڑوسی کو نقصان پہنچایا ہے۔ ہمیں ایسے لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو ایسے حیلے جائز قرار دیتے ہیں جنھیں عمل میں لانے سے ایک مسلمان اپنے حق سے محروم ہو جاتا ہے۔ 3 ہمارے رجحان کے مطابق کسی کا حق مارنے کے لیے حیلہ کرنا حرام اور ناجائز ہے جس کی تفصیل ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ 4 واضح رہے کہ ہمارے نزدیک صرف ہمسائیگی سے حق شفعہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے مشترک راستہ ہونا ضروری ہے جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی وضاحت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”ہمسایہ اپنے ہمسائے کا شفعے میں زیادہ حق دار ہے۔ شفعے کی وجہ سے اس کا انتظار کیا جائے گا اگرچہ غائب ہو بشرطیکہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔“[1] اس موقف کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ جب حد بندی ہو جائے اور راستے جدا جدا ہو جائیں تو پھر شفعے کا حق ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث سے اسی موقف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

٦٩٧٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ الشَّرِيدِ قَالَ: جَاءَ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى مَنْكِبِي فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ إِلَى

[6977] حضرت عمرو بن شرید سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا، پھر میں ان کے ساتھ حضرت سعد بن مالک کے پاس گیا۔ (وہاں) ابو رافع نے حضرت

[1] سنن أبي داود، البيوع، حديث: 3518.

سَعْدٍ، فَقَالَ أَبُو رَافِعٍ لِلْمِسْوَرِ: أَلَا تَأْمُرُ هٰذَا أَنْ يَشْتَرِيَ مِنِّي بَيْتِي الَّذِي فِي دَارِي؟ فَقَالَ: لَا أَزِيدُهُ عَلَى أَرْبَعِمِائَةٍ، إِمَّا مُقَطَّعَةٍ وَّإِمَّا مُنَجَّمَةٍ، قَالَ: أُعْطِيتُ خَمْسَمِائَةٍ نَقْدًا فَمَنَعْتُهُ، وَلَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «اَلْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ» مَا بِعْتُكَهُ أَوْ قَالَ: مَا أَعْطَيْتُكَهُ.

مسور سے کہا: کیا تم حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے میری سفارش نہیں کرتے کہ وہ میرا مکان خرید لیں جو میری حویلی میں ہے؟ انھوں نے کہا: میں تو چار سو درہم سے زیادہ نہیں دوں گا اور وہ بھی قسطوں میں ادا کروں گا۔ ابو رافع نے کہا: مجھے تو اس کے پانچ سو نقد مل رہے تھے لیکن میں نے انکار کر دیا۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا: ''ہمسایہ اپنے قرب کے باعث زیادہ حق دار ہے۔'' تو میں تمھیں یہ مکان فروخت نہ کرتا یا تجھے نہ دیتا۔

قُلْتُ لِسُفْيَانَ: إِنَّ مَعْمَرًا لَمْ يَقُلْ هٰكَذَا، قَالَ: لٰكِنَّهُ قَالَهُ لِي هٰكَذَا. [راجع: ٢٢٥٨]

(راوی کہتا ہے کہ) میں نے سفیان بن عیینہ سے پوچھا کہ معمر نے تو اس طرح بیان نہیں کیا۔ سفیان نے کہا: لیکن مجھے تو ابراہیم بن میسرہ نے یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: إِذَا أَرَادَ أَنْ يَبِيعَ الشُّفْعَةَ فَلَهُ أَنْ يَحْتَالَ حَتّٰى يُبْطِلَ الشُّفْعَةَ، فَيَهَبُ الْبَائِعُ لِلْمُشْتَرِي الدَّارَ وَيَحُدُّهَا وَيَدْفَعُهَا إِلَيْهِ، وَيُعَوِّضُهُ الْمُشْتَرِي أَلْفَ دِرْهَمٍ، فَلَا يَكُونُ لِلشَّفِيعِ فِيهَا شُفْعَةٌ.

بعض لوگ کہتے ہیں: جب کوئی اپنا مکان فروخت کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ حیلہ کرے اور حق شفعہ کو غیر مؤثر کرے۔ وہ اس طرح کہ بیچنے والا، خریدار کو وہ مکان ہبہ کر دے اور اس کی حد بندی کر کے اس کے حوالے کر دے۔ پھر خریدار، اس ہبہ کے معاوضے میں مالک کو ایک ہزار بطور معاوضہ ادا کر دے اس طرح شفعہ کرنے والے کو اس میں شفعہ کرنے کا حق نہیں رہے گا۔

فوائد و مسائل: ① حق شفعہ کو باطل کرنے کے لیے حیلہ سازوں کی دوسری صورت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس صورت میں ابطال حق شفعہ کے لیے شرط یہ ہے کہ معاوضے کو مشروط نہ کیا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو شفعہ کرنے والا اس کی قیمت ادا کر کے اس جائیداد کو حاصل کر سکتا ہے، اس صورت میں حق شفعہ اس لیے ساقط ہو جاتا ہے کہ ہبہ معاوضہ نہیں ہے، اس لیے یہ وراثت کے مشابہ ہے اور وراثت میں حق شفعہ نہیں ہوتا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس امر کی وضاحت کرنا ہے کہ جو حق رسول اللہ ﷺ نے کسی کے لیے ثابت کیا اسے کسی قسم کے حیلے یا دوسرے طریقے سے ساقط نہیں کیا جا سکتا۔[1] چونکہ اس حیلے کے ذریعے سے حق شفعہ کو ختم کرنا مقصود ہے، نیز اس میں شفعہ کرنے والے کے نقصان کا اندیشہ

[1] فتح الباري: 435/12.

ہے، اس لیے ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے، البتہ حیلہ ساز کہتے ہیں کہ شفعہ، خرید وفروخت میں ہوتا ہے، ہبہ کے مال میں شفعے کی گنجائش نہیں ہوتی لیکن ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی خاص فرد کو ہبہ کرنا بھی خرید وفروخت کے حکم میں ہے۔ اس اعتبار سے بھی شفعہ کرنے والے کا حق قائم رہنا چاہیے۔ اس قسم کا حیلہ کرنا ناجائز ہے کیونکہ مالک اس میں دوسرے کی حق تلفی کا ارادہ کیے ہوتا ہے۔ ③ مذکورہ صورت درحقیقت خرید وفروخت ہی ہے، صرف اس پر ہبے کا لیبل لگا دیا گیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس قسم کا ہبہ لینے اور دینے سے بچیں جس سے کسی دوسرے کو نقصان مقصود ہو۔ بہرحال ایسے ناجائز حیلے کرنا مومن کی شان کے خلاف ہیں۔ واللّٰہ المستعان۔

٦٩٧٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ: أَنَّ سَعْدًا سَاوَمَهُ بَيْتًا بِأَرْبَعِمِائَةِ مِثْقَالٍ، فَقَالَ: لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ» لَمَا أَعْطَيْتُكَهُ. [راجع: ٢٢٥٨]

[6978] حضرت ابو رافع ؓ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن مالک ؓ نے ان کے ایک مکان کی چار سو مثقال قیمت لگائی۔ انھوں نے کہا: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ ''ہمسایہ اپنی ہمسائیگی کی وجہ سے زیادہ حق دار ہے'' تو میں یہ مکان تمھیں نہ دیتا۔

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: إِنِ اشْتَرَى نَصِيبَ دَارٍ فَأَرَادَ أَنْ يُبْطِلَ الشُّفْعَةَ وَهَبَ مَا اشْتَرَاهُ لِابْنِهِ الصَّغِيرِ، وَلَا يَكُونُ عَلَيْهِ يَمِينٌ.

(اس کے باوجود) بعض لوگ کہتے ہیں: اگر کسی نے مکان کا کچھ حصہ خریدا اور وہ چاہتا ہے کہ حق شفعہ کو باطل کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے نابالغ بیٹے کو ہبہ کردے، اس صورت میں نابالغ پر قسم نہیں ہوگی۔

فوائد ومسائل: ① حیلہ سازوں کی طرف سے حیلے کے ذریعے سے کسی کا حق شفعہ غیر مؤثر کرنے کی یہ تیسری صورت ہے جسے امام بخاری ؒ نے بیان کیا ہے کہ وہ خریدا ہوا مکان اپنے کسی نابالغ بیٹے کو ہبہ کردے، پھر کوئی بھی نابالغ بیٹے سے ہبہ کے ثبوت کے لیے قسم کا مطالبہ نہیں کرے گا کیونکہ اس حالت میں اس پر قسم واجب نہیں ہے۔ ② دراصل حیلہ ساز بڑے زیرک اور چالاک ہیں، اس صورت میں ہبہ کے لیے چھوٹے بیٹے کا انتخاب کیا ہے، اس کے دو فائدے ہیں: ○ اپنا بچہ ہونے کی وجہ سے وہ گھر خریدار ہی کے تصرف میں رہے گا، کوئی دوسرا اس پر قابض نہیں ہوگا۔ ○ اس پر حلف نہیں ہے کہ تم قسم دو کہ تمھارے والد نے ہبہ کی نیت سے تجھے یہ گھر دیا ہے یا محض شفعے سے بچنے کے لیے حیلہ کیا ہے۔ اگر بڑے بیٹے کا انتخاب کیا جاتا تو اس سے حلف بھی لیا جاسکتا تھا کہ یہ حقیقت کے طور پر ہبہ ہے جو اپنی شرائط کے مطابق میرے لیے جاری ہوا ہے۔ اگر ایسا حلف دے، یا تو یہ حلف کاذب ہے جس کی بنا پر حق شفعہ ختم کرنے کا حیلہ کامل نہ ہوگا۔ ③ اگر کسی اجنبی کے چھوٹے بیٹے کو ہبہ کرے تب بھی حیلہ تام نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ گھر خریدنے والے کے تصرف سے نکل جائے گا اور حیلے سے جو مقصود ہے وہ پورا نہیں ہوگا۔ بہرحال اس حیلے سے ایک آدمی کو اس کے حق سے محروم کرنا ہے، اس لیے ناجائز اور حرام ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس سلسلے میں

حضرت ابورافع ؓ کی حدیث پیش کی ہے کہ انھوں نے حق شفعہ غیر مؤثر کرنے کے لیے کوئی ایسا اقدام نہیں کیا بلکہ حق شفعہ کے پیش نظر فوراً شفعہ کرنے والے کے ہاں فروخت کر دیا اگرچہ اس میں انھیں کچھ نقصان بھی برداشت کرنا پڑا۔ واللہ المستعان.

(١٥) بَابُ احْتِيَالِ الْعَامِلِ لِيُهْدَى لَهُ

باب:15- عامل کا تحفہ لینے کے لیے حیلہ کرنا

٦٩٧٩ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ: اسْتَعْمَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَجُلًا عَلَى صَدَقَاتِ بَنِي سُلَيْمٍ يُدْعَى ابْنَ اللُّتْبِيَّةِ، فَلَمَّا جَاءَ حَاسَبَهُ قَالَ: هٰذَا مَالُكُمْ وَهٰذَا هَدِيَّةٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَهَلَّا جَلَسْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَأُمِّكَ حَتّٰى تَأْتِيَكَ هَدِيَّتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا؟» ثُمَّ خَطَبَنَا فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّي أَسْتَعْمِلُ الرَّجُلَ مِنْكُمْ عَلَى الْعَمَلِ مِمَّا وَلَّانِيَ اللهُ فَيَأْتِي فَيَقُولُ: هٰذَا مَالُكُمْ وَهٰذَا هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي، أَفَلَا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ حَتّٰى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ؟ وَاللهِ! لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ مِنْكُمْ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ إِلَّا لَقِيَ اللهَ يَحْمِلُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَلَأَعْرِفَنَّ أَحَدًا مِنْكُمْ لَقِيَ اللهَ يَحْمِلُ بَعِيرًا لَهُ رُغَاءٌ، أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةً تَيْعَرُ»، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رُئِيَ بَيَاضُ إِبْطِهِ، يَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ؟» بَصُرَ عَيْنِي وَسَمِعَ أُذُنِي. [راجع: ٩٢٥]

[6979] حضرت ابوحمید ساعدی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو بنوسلیم کے صدقات وصول کرنے کے لیے عامل بنایا جسے ابن لتبیہ کہا جاتا تھا۔ جب وہ صدقات لے کر واپس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے حساب کتاب لیا۔ اس نے کہا: یہ تمھارا مال ہے اور یہ (میرا) ہدیہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو سچا ہے تو اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا، وہیں یہ تحائف تیرے پاس آجاتے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا، اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: ''امابعد! میں تم میں سے کسی کو اس کام پر عامل بناتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کیا ہے، پھر وہ شخص میرے پاس آکر کہتا ہے: یہ تمھارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔ وہ اپنے والدین کے گھر کیوں نہیں بیٹھا رہا تاکہ وہیں اسے ہدایا پہنچ جائیں؟ اللہ کی قسم! تم میں سے جو بھی حق کے بغیر کوئی چیز لے گا، وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس چیز کو اٹھائے ہوئے ہوگا۔ میں تم میں سے ہر اس شخص کو پہچان لوں گا جو اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اونٹ اٹھائے ہوئے ہوگا جو بلبلا رہا ہوگا یا گائے اٹھائے ہوئے ہوگا جو اپنی آواز نکال رہی ہوگی یا بکری اٹھائے ہوئے ہوگا جو ممیا رہی ہوگی۔'' پھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے حتی کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی، پھر آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! میں نے تیرا حکم لوگوں تک پہنچا دیا ہے؟'' راوی کہتا ہے: یہ منظر میں نے اپنی آنکھوں

سے دیکھا اور میرے کانوں نے ان باتوں کو سنا۔

فوائد و مسائل: 1 صحیح بخاری کے کچھ عنوان مستقل ہیں اور کچھ ضمنی حیثیت رکھتے ہیں۔ مذکورہ عنوان بھی مستقل نہیں بلکہ نتیجہ اور تکملہ ہے۔ چونکہ تیسری صورت حق شفعہ ختم کرنے کے لیے خریدی ہوئی جائیداد چھوٹے بیٹے کو ہبہ کر دینے کی صورت میں تھی، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان اور پیش کردہ حدیث سے ہدیے کی حدود و قیود بیان کی ہیں کہ ہدایا کا سبب اس کی ذاتی صلاحیت ہونی چاہیے۔ اگر اس کے علاوہ کسی وجہ سے تحائف ملتے ہیں تو وہ تحائف نہیں ہوں گے جیسا کہ عامل کو سفارت کی وجہ سے تحفے ملے تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ سرکاری عہدے کو تحائف و ہدایا وصول کرنے کے لیے بطور حیلہ استعمال نہ کیا جائے۔ 2 چونکہ سابقہ صورت میں چھوٹے بیٹے کو مکان ہبہ کرنے کا جو حیلہ بتایا گیا تھا وہ بھی اسی نوعیت کا تھا، اس لیے اس قسم کا ہدیہ حق شفعہ کے لیے رکاوٹ کا باعث نہیں ہوگا۔ شارحین میں سے کسی نے اس امر کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ هٰذَا مِمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيَّ بِمَنِّهِ وَكَرَمِهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلًا وَآخِرًا وَهُوَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ.

٦٩٨٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ: قَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ: «الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ». [راجع: ٢٢٥٨]

[6980] حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”پڑوسی اپنی ہمسائیگی کی وجہ سے زیادہ حق دار ہے۔“

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: إِنِ اشْتَرَى دَارًا بِعِشْرِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَحْتَالَ حَتَّى يَشْتَرِيَ الدَّارَ بِعِشْرِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ وَيَنْقُدَهُ تِسْعَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ وَتِسْعَمِائَةِ دِرْهَمٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ، وَيَنْقُدَهُ دِينَارًا بِمَا بَقِيَ مِنَ الْعِشْرِينَ أَلْفَ، فَإِنْ طَلَبَ الشَّفِيعُ أَخَذَهَا بِعِشْرِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ وَإِلَّا فَلَا سَبِيلَ لَهُ عَلَى الدَّارِ، فَإِنِ اسْتُحِقَّتِ الدَّارُ رَجَعَ الْمُشْتَرِي عَلَى الْبَائِعِ بِمَا دَفَعَ إِلَيْهِ وَهُوَ تِسْعَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ وَتِسْعُمِائَةٍ وَتِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ دِرْهَمًا وَدِينَارٌ، لِأَنَّ الْبَيْعَ حِينَ اسْتُحِقَّ انْتَقَضَ الصَّرْفُ فِي الدَّارِ، فَإِنْ وَجَدَ بِهٰذِهِ الدَّارِ عَيْبًا وَلَمْ تُسْتَحَقَّ فَإِنَّهُ يَرُدُّهَا عَلَيْهِ بِعِشْرِينَ أَلْفًا.

(اس کے باوجود) بعض لوگوں نے کہا ہے: اگر کسی نے بیس ہزار درہم میں مکان خریدا تو (اسقاط حق شفعہ کے لیے) حیلہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں کہ بیس ہزار درہم کا سودا کرے لے، پھر مکان کے مالک کو نو ہزار نو سو ننانوے درہم نقد دے دے اور بیس ہزار میں سے باقی (دس ہزار ایک) درہم کے عوض اسے ایک دینار دے۔ اس صورت میں اگر شفعہ کرنے والا اس مکان کو لینا چاہے گا تو اسے بیس ہزار ہی میں لینا ہوگا ورنہ اسے مکان کے سلسلے میں کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ پھر اگر مکان کا کوئی اور حق دار نکل آیا تو خریدار، فروخت کرنے والے سے وہی رقم واپس لے گا جو اس نے دی ہے اور وہ نو ہزار نو سو ننانوے درہم اور ایک دینار ہے کیونکہ اس گھر کا جب اور کوئی حق دار نکل آیا تو بیع صرف جو دینار کے متعلق ہوئی تھی ختم ہو گئی۔ اور اگر اس گھر میں کوئی

عیب ثابت ہوا اور اس کا کوئی دوسرا حق دار نہ نکلا تو وہ اسے بیس ہزار درہم کے عوض واپس کرے گا۔

قَالَ: فَأَجَازَ هٰذَا الْخِدَاعَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «بَيْعُ الْمُسْلِمِ لَا دَاءَ وَلَا خِبْثَةَ وَلَا غَائِلَةَ».

ابوعبداللہ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان لوگوں نے مسلمانوں کے درمیان مکر و فریب کو جائز رکھا، حالانکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کی خرید و فروخت میں کوئی عیب، خباثت اور آفت نہیں ہونی چاہیے۔''

فوائد و مسائل: ① حیلہ سازوں کی طرف سے حیلے کے ذریعے سے کسی کا حق شفعہ ختم کرنے کے لیے یہ چوتھی صورت ہے جس کا امام بخاری رحمہ اللہ نے بڑی شدت سے نوٹس لیا ہے اور اسے مکر و فریب سے تعبیر کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حیلے کی صورت پر دو اعتراض کیے ہیں جو ناقابل تردید ہیں: ○ ان حضرات نے رد استحقاق اور رد عیب میں فرق روا رکھا ہے، حالانکہ دونوں صورتوں میں اس قیمت کا واپس کرنا ضروری ہے جو فروخت کرنے والے نے خریدار سے وصول کی ہے۔ اسی طرح شفعہ کرنے والے کے لیے بھی اس قدر قیمت سے شفعہ ہونا چاہیے جو خریدار نے نقد ادا کی ہے، یعنی نو ہزار نو صد ننانوے درہم اور ایک دینار اور اصل عقد والا ثمن حیلہ، یعنی بیس ہزار درہم اس کے ذمے ہرگز نہیں ہونی چاہیے لیکن ان حضرات نے استحقاق اور عیب میں فرق کیا ہے کہ اگر خریدار نے کسی کے استحقاق کی وجہ سے گھر واپس کیا ہے تو فروخت کرنے والے کے ذمے صرف وہی رقم واپس کرنا لازم آتا ہے جو اس نے نقد وصول کی ہے لیکن اگر عیب کی وجہ سے بیع ختم کی ہے تو پھر بیچنے والے کے ذمے پوری کی پوری رقم واجب الادا ہوگی جو سودا کرتے وقت طے ہوئی تھی، اسی طرح اگر شفعہ کرنے والا اس گھر کو لینا چاہے تو وہ بھی پوری طے شدہ قیمت، یعنی بیس ہزار درہم ادا کر کے اس مکان کو لے سکے گا اور یہ صریح تناقض ہے۔ ② ان حضرات نے شفعہ کرنے والے اور فروخت کرنے والے کے درمیان دھوکا، فریب اور حیلہ سازی کو جائز قرار دیا ہے کہ بیچنے والے نے حق شفعہ ختم کرنے کے لیے فروخت شدہ مکان کی قیمت میں ظاہری طور پر اضافہ کر دیا، پھر کچھ رقم تو نقد لے لی اور باقی میں سے ایک دینار کے بدلے عقد صرف کر لیا، جس کی وجہ سے شفعہ کرنے والے کو مکان کی اصل مالیت کے اعتبار سے انتہائی اضافے کی وجہ سے شفعہ ترک کرنا پڑا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمانوں کی خرید و فروخت میں نہ تو بیماری کا عیب ہو اور نہ کوئی خباثت و شرارت کا پہلو ہو اور نہ وہاں فریب و دھوکے ہی کا اندیشہ ہو، لہٰذا حق شفعہ ختم کرنے کے لیے حیلہ سازوں کی طرف سے یہ حیلہ سراسر حدیث نبوی کے خلاف ہے۔ پھر ان حضرات کا جب ہر طرف سے راستہ بند ہوا تو جواز حیلہ اور نفاذ حیلہ کا چور دروازہ کھولا، یعنی ان کے نزدیک جواز حیلہ اور نفاذ حیلہ دو الگ الگ چیزیں ہیں، یعنی عدم جواز حیلہ کے باوجود اگر کوئی حماقت کی بنا پر ایسا کرے تو یہ حیلہ ہو جائے گا، حالانکہ جو چیز ناجائز ہے وہ سرے سے نافذ ہی نہیں ہوتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے جسے انھوں نے شروع ہی سے اختیار کیا ہے۔ ③ بہرحال یہ حیلہ شفعہ کرنے والے کا حق غیر مؤثر کرنے کے لیے کیا گیا ہے جو اثبات

حق کے بجائے ابطال حق کے لیے ہے، لہٰذا ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق راجح موقف یہ ہے کہ خریدار عیب یا استحقاق دونوں صورتوں میں بیچنے والے سے وہی رقم لینے کا حق دار ہوگا جو اس نے بیچنے والے کو دی ہے اور وہ نو ہزار نو سو ننانوے درہم اور ایک دینار ہے اور اسی طرح شفعہ کرنے والا بھی یہی رقم دے کر اس مکان کو خریدار سے لے سکتا ہے۔ واللہ أعلم۔

٦٩٨١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ عَمْرِو ابْنِ الشَّرِيدِ: أَنَّ أَبَا رَافِعٍ سَاوَمَ سَعْدَ بْنَ مَالِكٍ بَيْتًا بِأَرْبَعِمِائَةِ مِثْقَالٍ، قَالَ: وَقَالَ: لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «اَلْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ» مَا أَعْطَيْتُكَ. [راجع: ٢٢٥٨]

[6981] حضرت عمرو بن شرید سے روایت ہے کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک گھر چار سو مثقال میں فروخت کیا اور فرمایا: اگر میں نے نبی ﷺ سے یہ بات نہ سنی ہوتی کہ ”پڑوسی ہمسائیگی کا زیادہ حق دار ہے“ تو میں آپ کو یہ گھر فروخت نہ کرتا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ان کے دو گھر حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کی حویلی میں تھے۔ انھوں نے فروخت کے لیے سب سے پہلے اپنے پڑوسی حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے رابطہ کیا۔ انھوں نے خریدنے سے انکار کر دیا اس کے لیے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کو درمیان میں لائے، اور اس مکان کی قیمت انھیں پانچ سو دینار نقد ملتی تھی لیکن حق ہمسائیگی کو ترجیح دیتے ہوئے نقصان برداشت کر لیا اور چار ہزار مثقال کے عوض حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فروخت کر دیا اور وہ بھی بالاقساط ادائیگی کے ساتھ۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الشفعہ میں اس حدیث پر ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے: [بَابُ عَرْضِ الشُّفْعَةِ عَلٰى صَاحِبِهَا قَبْلَ الْبَيْعِ] ”فروخت سے پہلے شفعہ کرنے والے پر جائیداد کو پیش کرنا۔“ اب حیلہ سازوں کی حیلہ گری دیکھیے کہ انھوں نے شفعہ کرنے والے کو حق شفعہ سے محروم کرنے کے لیے کئی قسم کے حیلے ایجاد کیے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم پہلے تفصیل بیان کر آئے ہیں۔ ③ بہرحال حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے حق ہمسائیگی کی ادائیگی میں کسی حیلے بہانے کو آڑ نہیں بنایا بلکہ پہلے انھیں ترجیح دیتے ہوئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو خریدنے کی پیشکش کی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور جملہ سلف صالحین کا یہی طرز عمل تھا۔ وہ حیلوں، بہانوں کی تلاش میں نہیں رہتے تھے بلکہ شرعی احکام پر عمل کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ ④ ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو آخر میں بیان کیا ہے، تاہم حیلہ سازوں نے اپنی ایک الگ کائنات بسا رکھی ہے وہ کسی کی بات پر کان نہیں دھرتے، بہرحال اہل حدیث حضرات اس قسم کے حیلوں سے بیزار ہیں اور ان سے اعلان براءت و نفرت کرتے ہیں کیونکہ یہ اثبات حق کے لیے نہیں بلکہ ابطال حق کے لیے کیے جاتے ہیں جس کی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، الشفعة، حديث: 2258.

تعبیر کے معنی و مطالب اور خوابوں کی اقسام

لفظ تعبیر خصوصی طور پر خواب کی تشریح اور توجیہ بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لغوی طور پر "عَبْر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تجاوز کرنا ہیں۔ تیراکی، کشتی یا کسی اور طریقے سے پانی سے گزرنے کو عبور کہا جاتا ہے۔ جب کوئی فوت ہوتا ہے تو اسے بھی عربی زبان میں "عبر" کہا جاتا ہے، گویا وہ دنیا کے پل کے ذریعے سے آخرت میں پہنچ گیا ہے۔ اسی طرح اعتبار اور عبرت سے مراد وہ حالت ہے جس کے سبب ایک خاص اور ظاہری حالت کے پیش نظر پوشیدہ حالت کو واضح کرنا، پھر مشاہدے کی بنا پر عدم مشاہدہ تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ مذکورہ بالا لغوی تشریح سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تعبیر سے مراد ایسی حالت کا انکشاف ہے جو عام لوگوں سے پوشیدہ ہوتی ہے۔[1] الرؤیاء سے مراد وہ چیز جو انسان اپنی نیند کی حالت میں دیکھتا ہے۔ یہ ما بعد الطبیعاتی امور میں ایک ایسا امر ہے جو مبنی بر حقیقت اور سچا ہونے پر وحی الٰہی کے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس کی تعبیر و توجیہ کا میدان زیادہ تر اشاراتی ہوتا ہے۔

ماہیت کے لحاظ سے خواب کی تین قسمیں ہیں: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خواب تین طرح کے ہوتے ہیں: ○ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت۔ ○ نفسانی خیالات۔ ○ شیطان کی طرف سے دراندازی۔"[2] امام ابن سیرین جو خوابوں کی تعبیر کے سلسلے میں بہت ماہر ہیں انھوں نے خواب کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے: ○ خواب حکم: یہ خواب درست اور سچا ہوتا ہے اور اس کی کچھ نہ کچھ اہمیت و حیثیت بھی ہوتی ہے۔ ○ اضغاث: یہ پراگندہ خیال اور پریشان کن خواب ہوتا ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پھر انھوں نے اضغاث کی مزید تین قسمیں بیان کی ہیں: ○ غلبۂ طبیعت اور خواہشات۔ ○ شیطانی نمود و نمائش۔ ○ نفسانی خیالات۔ یہ تینوں قسم کے خواب بے کار اور ردی ہوتے ہیں۔[3] گویا انھوں نے حدیث میں بیان کی گئی دوسری اور تیسری قسم کو بے اہمیت ہونے کی وجہ سے ایک ہی شمار کیا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اچھا اور برا خواب دیکھنے میں انسان کے ذاتی خیالات، حالت بیداری میں پیش آنے والے حالات و واقعات اور ذہنی و قلبی رجحانات کا بنیادی عمل دخل ہوتا ہے، نیز ذریعۂ معاش، سوچ و فکر اور صحت و مرض بھی اس میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں خواب کی حقیقت کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں

---

1 فتح الباري: 12/441۔ 2 صحیح مسلم، الرؤیا، حدیث: 5905 (2263)۔ 3 کتاب الرؤیا، ص: 31.

جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ کچھ لوگ خواب کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے ہاں خواب ذہنی انتشار، توہمات اور لاشعوری احساسات کا نام ہے لیکن یہ نظریہ قرآن وحدیث کے مخالف ہے کیونکہ قرآن مجید میں سیدنا ابراہیم، سیدنا یوسف علیہم السلام اور رسول اللہ ﷺ کے خوابوں کا تذکرہ موجود ہے۔ ○ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ خواب بھی دیگر شرعی دلائل کی طرح قابل حجت ہے۔ یہ لوگ خواب پر اعتماد کر کے اپنے عمل کی بنیاد رکھنے کے قائل و فاعل ہیں۔ کافی عرصہ پہلے سعودی عرب میں مہدی تحریک کی بنیاد بھی مختلف حضرات کو آنے والے خواب تھے۔ اس موقف کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ○ اس افراط وتفریط کے درمیان ایک تیسرا گروہ ہے جو درمیانی راستہ اختیار کرتا ہے کہ خواب دو طرح کے ہوتے ہیں: ○ انبیاء علیہم السلام کے خواب۔ ○ عام آدمی کے خواب۔ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی الٰہی کی ایک قسم ہے اور یہ قابل اتباع ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھ کر اپنے لخت جگر کی گردن پر چھری رکھ دی تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں اور وحی ہر قسم کے خلل سے محفوظ ہوتی ہے۔[1] عام آدمی کے خواب میں سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے۔ ان کے متعلق ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: حضرات انبیاء علیہم السلام کے علاوہ عام لوگوں کے خواب میں بعض دفعہ شیطان کا عمل دخل ہوتا ہے اور کبھی کبھی شیطان نیند کی حالت میں فرشتوں کا روپ دھار کر انسان کو الٹے سیدھے کاموں میں لگا دیتا ہے۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے خوابوں کے احکام ومسائل بیان کرنے کے لیے ننانوے (99) مرفوع احادیث کا انتخاب کیا ہے جن میں بیاسی (82) متصل اسناد سے بیان کی ہیں اور باقی سترہ (17) معلق اور متابع کی حیثیت سے پیش کی ہیں، پھر ان میں پچھتر (75) احادیث مکرر اور باقی خالص ہیں۔ مرفوع احادیث کے علاوہ امام صاحب نے مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے مروی دس (10) آثار بھی ذکر کیے ہیں۔ ان مختلف احادیث و آثار پر اڑتالیس (48) کے قریب چھوٹے چھوٹے عنوانات قائم کیے ہیں جن میں خوابوں کے متعلق ٹھوس حقائق اور شرعی احکام بیان کیے ہیں۔ ہم انھیں فوائد کے عنوان سے مزید تشریح سے پیش کریں گے۔ بإذن الله تعالىٰ.

1 فتح الباري: 443/12. 2 فتح الباري: 444/12.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

91- كِتَابُ التَّعْبِيرِ

خوابوں کی تعبیر کا بیان

(١) بَابٌ: أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ

٦٩٨٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ. وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ ابْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ: قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْهُ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، فَكَانَ يَأْتِي حِرَاءَ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ - وَهُوَ التَّعَبُّدُ - اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ، وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَتُزَوِّدُهُ لِمِثْلِهَا حَتَّى فَجِئَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ، فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فِيهِ فَقَالَ: اقْرَأْ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا أَنَا بِقَارِئٍ»، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدُ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ: اقْرَأْ، فَقُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدُ،

باب:1- رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز سچے خواب سے ہوا

[6982] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز بحالت نیند سچے خواب کے ذریعے سے ہوا۔ آپ ﷺ جو خواب بھی دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح سامنے آجاتا۔ آپ غار حراء میں تشریف لاتے اور اس میں تنہا چند راتیں عبادت کرتے۔ ان چند راتوں کا توشہ بھی ساتھ لاتے۔ پھر جب حضرت خدیجہ ؓ کے پاس واپس تشریف لے جاتے تو وہ اتنا ہی توشہ آپ کے ہمراہ کر دیتیں حتی کہ اچانک آپ کے پاس حق آگیا جبکہ آپ غار حرا میں تھے، چنانچہ اس میں فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: پڑھیے۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آخر اس نے مجھے پکڑ لیا اور زور سے دبایا جس کی وجہ سے مجھے بہت تکلیف ہوئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھیے۔ میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر اس نے اس طرح دبایا کہ میں بے قابو ہو گیا۔ پھر مجھے چھوڑ کر کہا: پڑھیے! میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں

ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ: اقْرَأْ، فَقُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ حَتّٰى بَلَغَ ﴿مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ [العلق: 1-5] فَرَجَعَ بِهَا تَرْجُفُ بَوَادِرُهُ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى خَدِيجَةَ فَقَالَ: «زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي»، فَزَمَّلُوهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ: «يَا خَدِيجَةُ! مَا لِي؟» وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ وَقَالَ: «قَدْ خَشِيتُ عَلَيَّ» فَقَالَتْ لَهُ: كَلَّا أَبْشِرْ، فَوَاللهِ! لَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ، ثُمَّ انْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتّٰى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزّٰى ابْنِ قُصَيٍّ - وَهُوَ ابْنُ عَمِّ خَدِيجَةَ أَخُو أَبِيهَا وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعَرَبِيَّ، فَيَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ مِنَ الْإِنْجِيلِ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَكْتُبَ، وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ - فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ: أَيِ ابْنَ عَمِّ! اسْمَعْ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ، فَقَالَ وَرَقَةُ: ابْنَ أَخِي! مَاذَا تَرٰى؟ فَأَخْبَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ مَا رَأٰى، فَقَالَ وَرَقَةُ: هٰذَا النَّامُوسُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلٰى مُوسٰى، يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا أَكُونُ حَيًّا حِينَ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ؟» فَقَالَ وَرَقَةُ: نَعَمْ، لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ، وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا، ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ فَتْرَةً حَتّٰى حَزِنَ النَّبِيُّ ﷺ فِيمَا بَلَغَنَا

ہوں تو اس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑا اور خوب دبایا یہاں تک کہ میں نے بے حد تکلیف محسوس کی۔ آخر چھوڑ کر اس نے مجھ سے کہا: اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا حتی کہ مَالَمْ يَعْلَمْ تک پہنچا۔ آپ ﷺ ان آیات کو ساتھ لے کر وہاں سے واپس آئے، اس وقت آپ کی گردن اور کندھے کے درمیان کا گوشت حرکت کر رہا تھا حتی کہ حضرت خدیجہ ؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: ''مجھے چادر اوڑھا دو۔ مجھے چادر اوڑھا دو۔'' انھوں نے آپ کو چادر میں لپیٹ دیا، پھر جب آپ کا خوف و ہراس دور ہوا تو آپ نے فرمایا: ''خدیجہ! میرا حال کیا ہو گیا ہے؟'' پھر آپ نے اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔'' حضرت خدیجہ ؓ نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، آپ شاد رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، سچی بات کرتے ہیں، ناداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں آنے والی مصیبتوں میں مدد کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ ؓ آپ کو ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے پاس لائیں جو ان کے چچا زاد تھے اور وہ زمانۂ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور وہ عربی لکھ لیتے تھے، اور اللہ کی توفیق سے وہ عربی میں انجیل کا ترجمہ لکھا کرتے تھے، نیز وہ اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے حتی کہ ان کی بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ ان سے حضرت خدیجہ ؓ نے کہا: برادرم! اپنے بھتیجے کی بات غور سے سنیں۔ ورقہ نے پوچھا: بھتیجے! تم کیا دیکھتے ہو؟ نبی ﷺ نے جو دیکھا تھا اسے ذکر کر دیا۔ ورقہ نے سن کر کہا: یہ تو وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ ؑ پر نازل ہوا تھا۔ کاش! میں ایام نبوت میں نوجوان ہوتا اور زندہ رہتا جب تمھیں تمھاری

حُزْنًا غَدَا مِنْهُ مِرَارًا كَيْ يَتَرَدّٰى مِنْ رُؤُوسِ شَوَاهِقِ الْجِبَالِ، فَكُلَّمَا أَوْفٰى بِذِرْوَةِ جَبَلٍ لِكَيْ يُلْقِيَ مِنْهُ نَفْسَهُ تَبَدّٰى لَهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّكَ رَسُولُ اللهِ حَقًّا، فَيَسْكُنُ لِذٰلِكَ جَأْشُهُ وَتَقِرُّ نَفْسُهُ فَيَرْجِعُ، فَإِذَا طَالَتْ عَلَيْهِ فَتْرَةُ الْوَحْيِ، غَدَا لِمِثْلِ ذٰلِكَ، فَإِذَا أَوْفٰى بِذِرْوَةِ جَبَلٍ تَبَدّٰى لَهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ. [راجع: ٣]

قوم یہاں سے نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟'' ورقہ نے کہا: ہاں، جب بھی آپ جیسا کوئی پیغام لے کر آیا تو اس کے ساتھ دشمنی کی گئی۔ اور اگر میں نے تمھارے وہ دن پا لیے تو میں تمھاری بھرپور مدد کروں گا۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد وحی کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ (راوی کہتا ہے کہ) ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی ﷺ کو اس وجہ سے اس قدر غم تھا کہ آپ نے کئی مرتبہ پہاڑ کی بلند چوٹی سے خود کو گرا دینا چاہا لیکن جب بھی آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتے تاکہ اس پر سے خود کو گرا دیں تو حضرت جبریل علیہ السلام نمودار ہو کر فرماتے: یا محمد! یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں، اس سے آپ ﷺ کو سکون ملتا اور واپس آ جاتے، لیکن جب سلسلۂ وحی زیادہ دنوں تک رکا رہا تو ایک مرتبہ آپ نے دوبارہ ایسا ارادہ کیا۔ جب آپ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے تو حضرت جبریل علیہ السلام سامنے آئے اور انھوں نے آپ ﷺ سے اسی طرح کی بات پھر کہی۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿فَالِقُ الْإِصْبَاحِ﴾ [الأنعام: ٩٦] ضَوْءُ الشَّمْسِ بِالنَّهَارِ، وَضَوْءُ الْقَمَرِ بِاللَّيْلِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: فَالِقُ الْإِصْبَاحِ سے مراد ہے: دن کے وقت سورج کی روشنی اور رات کے وقت چاند کی روشنی۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں الرؤیا الصادقة کے بجائے الرؤیا الصالحة کے الفاظ ہیں۔[1] صالحہ سے مراد وہ خواب ہے جس کی صورت یا تعبیر اچھی ہو اور صادقہ وہ ہے جو خارج میں واقعے کے مطابق ہو۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لیے امور آخرت کے اعتبار سے ہر قسم کے خواب صادقہ اور صالحہ ہوتے ہیں، لیکن امور دنیا کے لحاظ سے تمام خواب صادقہ تو ہوتے ہیں لیکن ان کا صالحہ ہونا ضروری نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے تمام خواب صادقہ ہوتے لیکن دنیوی اعتبار سے کبھی صالحہ ہوتے اور کبھی غیر صالحہ جیسا کہ غزوۂ احد کے موقع پر آپ ﷺ نے گائے ذبح ہوتے دیکھی تھی۔ یہ خواب دنیا کے اعتبار سے غیر صالحہ تھا۔

1 صحيح البخاري، بدء الوحي، حديث: 3.

رسول اللہ ﷺ کے خواب سچے ہونے کے اعتبار سے روشن صبح کی طرح ہوتے۔ رات کے وقت آپ ﷺ جو خواب دیکھتے، دن کے وقت فوراً اس کی تعبیر سامنے آجاتی۔ ② دراصل امام بخاری رحمہ اللہ خواب کے متعلق ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جن کے نزدیک خواب محض نفسانی خواہشات، قلبی رجحانات یا دماغی توہمات کا نتیجہ ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک خواب کا دائرہ ان سے وسیع تر ہے۔ ان میں سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے خواب تو وحی الٰہی ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی الٰہی پر مبنی ہوتے ہیں۔[1] یہی وجہ ہے کہ سچے اور بہترین خواب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔[2] اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف سے بشارت قرار دیا ہے۔[3] بلکہ نیک آدمی کے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا گیا ہے۔[4] چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے خواب کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے اعتبار سے لوگوں کو مختلف درجات میں تقسیم کیا ہے: ○ حضرات انبیاء علیہم السلام: ان کے تمام خواب سچے اور حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں اگرچہ ان کے کچھ خواب تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں۔ ○ نیک لوگ: ان کے خوابوں میں سچائی اور حقیقت کا پہلو غالب ہوتا ہے اگرچہ ان کے ایسے خواب بھی ہوتے ہیں جن کی تعبیر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ ○ عام لوگ: ان کے خواب سچے اور جھوٹے دونوں قسم کے ہوتے ہیں، پھر ان کی مزید تین قسمیں ہیں: ○ جن میں نیکی اور بدی کے دونوں پہلو برابر ہوتے ہیں، ان کے اکثر خواب غیر واضح ہوتے ہیں۔ ○ جو کھلے بندوں چھوٹے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں ان کے خواب پریشان کن اور پراگندہ ہوتے ہیں۔ ○ کفار اور بے دین لوگوں کے خواب اکثر غلط اور جھوٹے ہوتے ہیں اور ان میں سچائی کا پہلو انتہائی کم ہوتا ہے۔[5] ③ الغرض امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ تمام خواب بے بنیاد، من گھڑت اور توہمات و خیالات کا پلندہ نہیں ہوتے بلکہ بہت سے خواب حقیقت پر مبنی اور سچے ہوتے ہیں جن کی حقانیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابُ رُؤْيَا الصَّالِحِينَ

باب: 2- نیک لوگوں کے خواب

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ ءَامِنِينَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿فَتْحًا قَرِيبًا﴾ [الفتح: ٢٧].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا، ایک حقیقت تھی کہ تم ان شاء اللہ مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے ...... ایک قریبی فتح تمھیں عطا فرما دی۔“

وضاحت: بعض لوگ خواب کی حقیقت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ یہ انسانی مزاج کے اتار چڑھاؤ اور اخلاط کی کمی بیشی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس انسان کا مزاج بلغمی ہوتا ہے وہ بعض اوقات خود کو خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ پانی میں تیر رہا ہے اور جس پر صفراء کا غلبہ ہو وہ اکثر اوقات خود کو آگ میں دیکھتا ہے یا فضاء میں اڑتا ہے۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ

---

[1] السنة لابن أبي عاصم، حديث: 463. [2] صحيح مسلم، الرؤيا، حديث: 5897 (2261). [3] صحيح البخاري، التعبير، حديث: 6995. [4] صحيح البخاري، التعبير، حديث: 6989. [5] فتح الباري: 454/12.

خواب کی حقیقت صرف اتنی ہی نہیں بلکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب وحی کا نتیجہ ہوتے ہیں اور نیک لوگوں کے خواب سچے اور صحیح ہوتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض اوقات مسلمانوں کو بھی انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب کے وحی ہونے میں تردد ہوا جیسا کہ صلح حدیبیہ سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو خواب دکھایا گیا تھا کہ آپ اور آپ ﷺ کے پیروکار مسجد حرام میں احرام باندھ کر داخل ہو رہے ہیں لیکن مقام حدیبیہ پہنچ کر جو صورت حال سامنے آئی اس سے خواب کے سلسلے میں کچھ مسلمانوں کو تردد ہوا جس کا جواب آیات بالا میں دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب وحی پر مبنی تھا اور فی الواقع سچا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھا۔ وہ مزاج کے اتار چڑھاؤ یا کسی ہیجانی کیفیت کا نتیجہ نہ تھا، البتہ اس کے نتیجے میں کچھ دیر ہو سکتی ہے۔ اس کی تعبیر کا فوراً ظاہر ہونا ضروری نہیں۔ بعض خوابوں کی تعبیر سالہا سال بعد ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر تقریباً ساٹھ سال بعد ظاہر ہوئی۔

٦٩٨٣ – حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ». [انظر: ٦٩٩٤]

[6983] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خود خواب کو حسنہ کہا ہے اور نیک لوگوں کے اچھے خوابوں کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا ہے، یعنی ضروری نہیں کہ ہر خواب مزاج کے اتار چڑھاؤ یا ذاتی رجحانات ہی کا نتیجہ ہو، اگرچہ ایک روایت میں مومن کے ہر خواب کے لیے یہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔[1] لیکن اس حدیث کے مطابق مومن کے اچھے خوابوں کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ وہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتے ہیں۔ ② یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ بعض اوقات مومن بھی پراگندہ خوابوں سے دوچار ہو جاتا ہے لیکن ایسا کبھی کبھار ہوتا ہے کیونکہ مومن کے متعلق شیطان کی دخل اندازی بہت کم ہوتی ہے، اچھے خواب کے متعلق نبوت کے چھیالیسواں حصے کی تشریح ہم آئندہ کریں گے۔ بإذن اللّٰہ تعالٰی.

(٣) بَابُ الرُّؤْيَا مِنَ اللهِ

باب:3- خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے

٦٩٨٤ – حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى – هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ – قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا قَتَادَةَ عَنِ

[6984] حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”سچے خواب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف

[1] صحيح البخاري، التعبير، حديث: 6994.

النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ مِنَ اللهِ، وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ». [راجع: ٣٢٩٢] ...سے دکھائے جاتے ہیں۔"

فوائد ومسائل: ① انسانی خواب، خواہ وحی الٰہی کا نتیجہ ہوں یا اچھے سیرت وکردار کی وجہ سے ہوں یا ان کے پس منظر میں ذاتی رجحانات اور کاروباری مصروفیات ہوں یا انسانی مزاج کا اتار چڑھاؤ اور اخلاط کی کمی بیشی ان کی وجہ ہو یا تو ہمات اور لاشعوری احساسات کا نتیجہ ہوں بہرحال اس کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سونے والا کچھ دیکھتا ضرور ہے، خواہ وہ خواب سچا ہو یا جھوٹا اچھا ہو یا برا، اسے پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے قائم کردہ عنوان میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، البتہ خوابوں کی تکریم اور احترام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر انھیں اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ چونکہ برے خواب شیطان کی دخل اندازی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ وہ ان کے ذریعے سے خوفزدہ اور پریشان کرتا ہے، اس لیے ایسے خوابوں کو حدیث میں شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن خلقت کے اعتبار سے تمام خواب اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے اس میں کسی دوسرے کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، تاہم اچھے خواب انسان کی راست بازی اور سچائی کی دلیل ہوتے ہیں اور برے خواب دیکھنے والا عام طور پر جھوٹا اور مکار انسان ہوتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٦٩٨٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ رُؤْيَا يُحِبُّهَا فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ اللهِ، فَلْيَحْمَدِ اللهَ عَلَيْهَا وَلْيُحَدِّثْ بِهَا وَإِذَا رَأَى غَيْرَ ذٰلِكَ مِمَّا يَكْرَهُ فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَلْيَسْتَعِذْ مِنْ شَرِّهَا وَلَا يَذْكُرْهَا لِأَحَدٍ فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ». [انظر: ٦٩٨٩، ٧٠٤٥]

[6985] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جسے وہ پسند کرتا ہو تو وہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، لہٰذا وہ اس وقت اللہ کی حمد وثنا کرے اور اسے کسی سے بیان کرے۔ اور اگر اس کے برعکس کوئی ایسا خواب دیکھے جسے وہ ناپسند کرتا ہو تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، لہٰذا وہ اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور کسی سے اس خواب کا ذکر نہ کرے، اس طرح یہ خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے: "اچھا خواب کسی عالم یا خیر خواہ ہی کو بیان کرے۔"[1] ایک روایت میں ہے: "اگر کوئی شخص ناپسندیدہ خواب دیکھے تو تین دفعہ بائیں طرف تھوک دے۔ شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور فوراً اپنا پہلو بدل لے۔"[2] ایک روایت میں ہے: "اس وقت اٹھ کر نماز ادا کرے۔"[3] ② ان روایات سے اچھے اور برے خواب کے آداب بیان

1 جامع الترمذي، تعبير الرؤيا، حديث: 2278. 2 صحيح مسلم، الرؤيا، حديث: 5904 (2262). 3 صحيح مسلم، الرؤيا، حديث: 5905 (2263).

ہوتے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: اچھے خواب دیکھنے کے آداب: اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے۔ یہ خوشخبری دوسروں کو سنائے۔ فرحت، مسرت کا اظہار کرے، عام لوگوں کو بتانے کے بجائے وہ کسی خیر خواہ دوست اور ماہر تعبیر عالم دین کو بتائے۔ برے خواب دیکھنے کے آداب: تین دفعہ اپنی بائیں طرف تھوک دے۔ شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے۔ فوراً اپنا پہلو بدل لے، اس قسم کا خواب کسی سے بیان نہ کرے۔ اس وقت اٹھ کر نماز پڑھے۔ ﴿3﴾ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر خواب کی خلقت اور رؤیت تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے مگر برے خواب کا سبب چونکہ شیطان کی دراندازی ہے اس لیے ایسے خواب کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ انسانوں کو پریشان کرنے کے لیے اس قسم کے تصرفات سے کام لیتا ہے۔ واللہ أعلم.

(٤) بَابٌ: اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ

باب:4- اچھا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے

٦٩٨٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ ابْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ - وَّأَثْنَى عَلَيْهِ خَيْرًا، لَقِيتُهُ بِالْيَمَامَةِ - عَنْ أَبِيهِ: حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللهِ، وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا حَلَمَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَعَوَّذْ مِنْهُ وَلْيَبْصُقْ عَنْ شِمَالِهِ فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ». [راجع: ٣٢٩٢]

[6986] حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور برا خواب شیطان کی دراندازی کا نتیجہ ہوتا ہے، لہٰذا جب تم میں سے کوئی برا خواب دیکھے تو اس سے (اللہ کی) پناہ مانگے اور اپنی بائیں جانب تھوک دے، پھر یہ خواب اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

وَعَنْ أَبِيهِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ.

ایک روایت میں عبداللہ بن ابو قتادہ اپنے باپ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے، وہ نبی ﷺ سے یہ حدیث اسی طرح بیان کرتے ہیں۔

٦٩٨٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ».

[6987] حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔''

رَوَاهُ ثَابِتٌ وَحُمَيْدٌ وَإِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ

یہ روایت ثابت، حمید، اسحاق بن عبداللہ اور شعیب

وَشُعَيْبٌ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کی ہے۔

٦٩٨٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ». [انظر: ٧٠١٧]

[6988] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہوتا ہے۔''

٦٩٨٩ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَّالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ». [راجع: ٦٩٨٨]

[6989] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اچھا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہوتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلی حدیث اس لیے بیان کی ہے کہ جس خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے اس سے اچھا خواب مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے کیونکہ جو خواب شیطان کی دراندازی کا نتیجہ ہوتا ہے وہ قطعاً اس فضیلت کا حقدار نہیں ہے، پھر نبوت کا حصہ قرار دینے کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ کم از کم اچھے خواب کو نبوت کا چھبیسواں اور زیادہ سے زیادہ چھہترواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کے درمیان چالیسواں، چوالیسواں، پینتالیسواں، چھیالیسواں، سنتالیسواں، پچاسواں اور سترواں حصہ قرار دینے کے متعلق بھی روایات ملتی ہیں۔ زیادہ روایات چھیالیسواں حصے کے متعلق ہیں۔[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ نبوت کے کچھ اجزا ابھی باقی ہیں بہت مشکل امر ہے، اس لیے مذکورہ حدیث کی تشریح میں مندرجہ ذیل توجیہات بیان کی گئی ہیں: ○ اگر نبی خواب دیکھتا ہے تو حقیقی طور پر نبوت کا جز ہے اور اگر کوئی امتی اچھا خواب دیکھتا ہے تو اس کے مجازی معنی مراد ہوں گے۔ ○ اس سے مراد حضرات انبیاء علیہم السلام کے خوابوں کے موافق خواب دیکھنا ہے، یہ مراد نہیں کہ نبوت کا کوئی حصہ باقی ہے۔ ○ اچھا خواب علم نبوت کا حصہ ہے، نبوت کا جز نہیں کیونکہ علم نبوت تو قیامت تک باقی رہے گا۔ ○ پسندیدہ اور سچا خواب صداقت کے اعتبار سے نبوت سے مشابہت رکھتا ہے۔[2] ③ بعض حضرات نے اس کی توجیہ اس طرح بیان کی ہے کہ وحی کی ابتدا سے رسول اللہ ﷺ کی وفات تک تئیس سال کی مدت ہے، ان میں تیرہ سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں وحی نازل ہوتی رہی اور ابتدائی زمانۂ نبوت میں چھ ماہ تک خواب میں وحی

1 فتح الباري:12/455. 2 فتح الباري:12/455.

نازل ہوتی رہی۔ یہ نصف سال ہے، اس طرح تئیس سال کو نصف سال کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے تو چھیالیس بنتے ہیں۔ اس اعتبار سے اچھے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔ واللہ أعلم.

(٥) بَابُ الْمُبَشِّرَاتِ

باب:5- مبشرات کا بیان

وضاحت: مبشرات سے مراد اچھے خواب ہیں، چنانچہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ان (ایمان داروں) کے لیے دنیا میں بشارت ہے۔'' اس سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تم سے پہلے اس آیت کے متعلق تمھارے علاوہ کسی نے سوال نہیں کیا۔ اس سے مراد اچھے خواب ہیں جو اہل ایمان کو دکھائے جاتے ہیں یا مومن جنھیں دیکھتا ہے۔''[1]

٦٩٩٠ - حَدَّثَنِي أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ»، قَالُوا: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: «الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ».

[6990] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''نبوت میں سے اب صرف مبشرات باقی رہ گئی ہیں۔'' صحابۂ کرام نے پوچھا: مبشرات سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ''(مبشرات) اچھے خواب ہیں۔''

فوائد ومسائل: ﴿1﴾ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ حدیث مرض وفات میں بیان فرمائی، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات میں پردہ اٹھایا جبکہ آپ نے بیماری کی وجہ سے اپنا سر باندھ رکھا تھا اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز ادا کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: ''لوگو! مبشرات نبوت سے اب صرف اچھے خواب باقی رہ گئے ہیں جنھیں ایک مسلمان دیکھتا ہے۔''[2] اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ جسے اچھا خواب آئے اسے نبوت کا کچھ حصہ مل جاتا ہے کیونکہ اس حدیث میں خواب کے معاملے کو نبوت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اگر کوئی شخص أشهد أن لا إله إلا الله باآواز بلند کہتا ہے تو اسے مؤذن نہیں کہا جاتا، حالانکہ یہ کلمہ اذان کا جز ہے۔ ﴿2﴾ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مہلب کے حوالے سے لکھا ہے کہ اچھے خواب کو مبشرات سے تعبیر کرنا اغلبیت کی وجہ سے ہے کیونکہ کچھ خواب سچے ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ مومن کو اس لیے دکھاتا ہے کہ وہ مستقبل میں پیش آنے والے حادثے کے لیے خود کو تیار کر لے، یعنی مبشرات کے بجائے منذرات سے ہوتا ہے۔[3]

(٦) بَابُ رُؤْيَا يُوسُفَ

باب:6- حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کا بیان

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَٰٓأَبَتِ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ

1 جامع الترمذي، الرؤيا، حديث: 2273. 2 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 1074 (479). 3 فتح الباري: 470/12.

إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ [يوسف: 4-6]

سے کہا تھا: ابا جان! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں..... سب کچھ جاننے والا کمال حکمت والا ہے۔"

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾ [يوسف: 100-101]

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: "(یوسف علیہ السلام نے کہا:) ابا جان! یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے بہت پہلے دیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حقیقت بنا دیا..... اور مجھے نیک لوگوں میں شامل کر لے۔" تک۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: فَاطِرٌ وَّالْبَدِيعُ وَالْمُبْدِعُ وَالْبَارِئُ وَالْخَالِقُ وَاحِدٌ، مِنَ الْبَدْءِ وَبَادِئِهِ.

ابوعبداللہ (امام بخاری) رحمہ اللہ نے فرمایا: فاطر، بدیع، مبدع، باری اور خالق ہم معنی ہیں۔ اور بدء اور بادء سے جنگل اور دیہات کے معنی میں ہیں۔

وضاحت: یہ خواب حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں دیکھا اور صاحب بصیرت والد گرامی سے بیان کیا۔ والد گرامی چونکہ اللہ کے نبی تھے اور صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے باریک بین، بالغ نظر اور دور اندیش تھے، فوراً اس خواب کی تہ تک پہنچ گئے اور حاسدین کے حسد سے بچنے کے لیے تدبیر بھی بتا دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تقدیر میں جو لکھا تھا وہ ہو کر رہا، آخر اللہ تعالیٰ نے اس خواب کی تعبیر کو حقیقت کا روپ دے دیا۔ خواب اور زندہ تعبیر کے درمیان کافی وقت تھا، اس لیے ضروری نہیں کہ اچھے خواب کی تعبیر فوراً سامنے آجائے۔ ان آیات میں خواب دیکھنے والے فرمانبردار بیٹے ہیں اور اس کی تعبیر بتانے والے ایک صاحب علم و عمل، زندگی کے نشیب و فراز سے واقف اور اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آئندہ باب میں ایک دوسرے خواب کا ذکر ہوگا جسے دیکھنے والے بزرگ والد گرامی اور اسے عملی جامہ پہنانے والے فرمانبردار و اطاعت گزار بیٹے ہیں۔

(٧) بَابُ رُؤْيَا إِبْرَاهِيمَ

باب: 7- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا بیان

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ [الصافات: 102-105]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "پھر جب وہ (بیٹا) ان کے ہمراہ دوڑ دھوپ کی عمر کو پہنچ گیا..... ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں۔"

قَالَ مُجَاهِدٌ: أَسْلَمَا: سَلَّمَا مَا أُمِرَا بِهِ. وَتَلَّهُ: وَضَعَ وَجْهَهُ بِالْأَرْضِ.

مجاہد نے کہا: أَسْلَمَا کے معنی ہیں: دونوں اس حکم کے سامنے جھک گئے جو انھیں دیا گیا تھا۔ تَلَّهُ کے معنی ہیں: انھوں نے اس کی پیشانی زمین پر رکھی، یعنی اسے اوندھا لٹا دیا۔

وضاحت: اللہ تعالیٰ پہلے بھی اپنے رسول حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کئی مرتبہ امتحان لے چکا تھا لیکن ان آیات میں جس امتحان کا ذکر ہے وہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مسلسل خواب میں آتا رہا کہ جس بیٹے کو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر کے لیا تھا جو آپ کے بڑھاپے میں آپ کا سہارا بن رہا تھا آپ اسے ذبح کر رہے ہیں، چنانچہ انھوں نے سمجھ لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے۔ انھوں نے اپنے نوجوان بیٹے کو یہ خواب بتا کر اس کی رائے دریافت کی تو وہ بھی خواب سن کر اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، پھر دونوں باپ بیٹا اس حکم کی بجا آوری اور تعمیل کے لیے تیار ہو گئے۔ واضح رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود ہی خواب میں دیکھا اور خود ہی اس کی تعبیر کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسیع علم انتہائی دور اندیشی و معاملہ فہمی، عقل و دانائی اور معاشرتی حالات سے آگاہی کی نعمتیں عطا کر رکھی تھیں، اس لیے آپ بجا طور پر خواب کی تہ میں چھپی ہوئی صحیح تعبیر لینے کے لائق تھے۔ ہر آدمی اس قابل نہیں ہوتا کہ اس سے تعبیر دریافت کی جائے، چنانچہ امام ابن سیرین لکھتے ہیں: ○ فن تعبیر ایک مقدس اور خاص علم سے متعلق ہے، اس لیے نیک سیرت، باکردار، اور اچھے اخلاق کے حاملین کی طرف رجوع کیا جائے۔ ○ جاہل: تعبیر میں مہارت کے لیے شرعی علوم میں مہارت کا ہونا بھی ضروری ہے، اس لیے تعبیر ایسے انسان سے نہ پوچھی جائے جو شرعی علوم سے ناواقف ہو۔ ○ دشمن: تعبیر کے لیے انسان کا خیر خواہ ہونا بھی ضروری ہے جبکہ دشمن کسی صورت میں خیر خواہ نہیں ہو سکتا، اس لیے کسی دشمن سے تعبیر پوچھنا نقصان سے خالی نہیں ہو گا۔ ○ عورت: شرعی علم کے ساتھ تعبیر کے لیے عقل کی بھی ضرورت ہوتی ہے جبکہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں، اس لیے اس سلسلے میں عورتوں کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ ہاں اگر کوئی خاص عورت عقلمند، صاحب بصیرت اور اہل علم ہو اور تعبیر کے سلسلے میں تجربہ رکھتی ہو تو اس کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے لیکن عام طور پر عورتیں اس فن سے محروم ہوتی ہیں۔[1] پھر ہر خواب بھی تعبیر کے قابل نہیں ہوتا کیونکہ اس پر ذاتی حالات، قلبی رجحانات، انسان کی خوراک اور توہمات وغیرہ کا گہرا اثر ہوتا ہے، اس لیے مندرجہ ذیل خواب تعبیر کے قابل نہیں ہوتے۔ ○ اگر بلغمی طبیعت والا انسان خواب میں برف، بارش وغیرہ دیکھے تو یہ اس کی خوراک دودھ، لسی وغیرہ کی وجہ سے ہو گا۔ اس قسم کے خواب تعبیر کے قابل نہیں ہوتے۔ ○ اگر کوئی خواب میں پیشاب کرتا ہے اور اس کے بستر پر پیشاب کے نشانات موجود ہیں تو اس کا بھی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ غلبۂ پیشاب کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ ○ عجیب و غریب اور سنسنی خیز خواب بھی تعبیر کے قابل نہیں ہوتے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک دیہاتی آیا اور اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر کٹ گیا ہے اور میں اس کے پیچھے بھاگ رہا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا: ''شیطان تیرے ساتھ خواب میں مذاق کرتا ہے۔ اس طرح کا خواب کسی کو بتانے کے بھی قابل نہیں ہوتا۔''[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ دونوں عنوانوں کے تحت کوئی حدیث بیان نہیں کی، بلکہ صرف قرآنی آیات پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے کیونکہ قرآنی آیات مدعا ثابت کرنے کے لیے کافی تھیں۔ آپ نے بہت سے مقامات پر یہ اسلوب اختیار کیا ہے۔[3]

آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

---

1 تعبیر الرؤیا، ص: 17، 18۔ 2 صحیح مسلم، الرؤیا، حدیث: 5925 (2268)۔ 3 فتح الباری: 474/12۔

(٨) بَابُ التَّوَاطُىءِ عَلَى الرُّؤْيَا

باب: 8- خواب پر اتفاق، یعنی ایک ہی خواب کئی آدمی دیکھیں

٦٩٩١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ أُنَاسًا أُرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ، وَأَنَّ أُنَاسًا أُرُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «الْتَمِسُوهَا فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ». [راجع: ١١٥٨]

[6991] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں کو خواب میں شب قدر سات آخری تاریخوں میں دکھائی گئی جبکہ کچھ لوگوں کو دکھائی گئی کہ وہ آخری دس تاریخوں میں ہوگی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم اسے آخری سات تاریخوں میں تلاش کرو۔''

فوائدومسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں دیکھتا ہوں کہ تمھارے خواب آخری سات راتوں پر متفق ہیں، لہٰذا تم اسے آخری سات راتوں میں تلاش کرو۔''[1] لیکن امام بخاری ؒ نے حسب عادت ظاہر طریقے کے بجائے مخفی طریقے سے مسئلہ ثابت کیا ہے، یعنی چند لوگوں نے دیکھا کہ آخری دس تاریخوں میں ہے اور کچھ لوگوں کو آخری سات تاریخوں میں دکھائی گئی تو کم از کم آخری سات پر تمام کا اتفاق ثابت ہوتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اتفاقی معاملہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔[2] ② اس سلسلے میں بھی انسان کو ہوشیار رہنا چاہیے کیونکہ 1400 ہجری میں جب فتنۂ مہدی اٹھا تو اس فتنے کی بنیاد بھی خوابوں کا توارد، یعنی مختلف علاقوں کے رہنے والے مختلف لوگوں کو ایک جیسے خواب آنا تھا۔ ایک آدمی یمن سے آتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں نے محمد بن عبداللہ قحطانی کو مہدی کی شکل میں دیکھا ہے۔ دوسرا مصری ہے اور وہ بھی یہی کہتا ہے۔ تیسرا نائیجری بھی اس طرح کا خواب بیان کرتا ہے۔ اس طرح وہ تحریک اٹھی اور وہ لوگ بیت اللہ میں جا گھسے، پھر ہوا جو ہوا۔ یہ ہمارا چشم دید واقعہ ہے کیونکہ راقم الحروف ان دنوں شرطۃ الجیاد میں بحیثیت مترجم تعینات تھا۔ ③ بہرحال انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق ہر لحاظ سے، ہر جگہ اور ہر حال میں مضبوط رکھنا چاہیے۔ ان خوابوں پر کسی چیز کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ اگرچہ حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب پر ایک جماعت کا اتفاق کر لینا اس کے سچے اور صحیح ہونے کی دلیل ہے۔[3]

(٩) بَابُ رُؤْيَا أَهْلِ السُّجُونِ وَالْفَسَادِ وَالشِّرْكِ

باب: 9- قیدیوں، فسادیوں اور مشرکین کے خواب

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ﴾ [يوسف: ٣٦-٥٠]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''حضرت یوسف ؑ کے ساتھ دو اور نوجوان بھی قید خانے میں داخل ہوئے...... تم اپنے مالک

---

(1) صحيح البخاري، فضل ليلة القدر، حديث: 2015. (2) فتح الباري: 475/12. (3) فتح الباري: 475/12.

کے پاس جاؤ۔"

وَقَالَ الْفُضَيْلُ لِبَعْضِ الْأَتْبَاعِ: يَا عَبْدَ اللهِ! أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ؟ وَادَّكَرَ: افْتَعَلَ، مِنْ ذَكَرْتُ، بَعْدَ أُمَّةٍ: قَرْنٍ، وَيُقْرَأُ: أَمَهٍ: نِسْيَانٍ.

حضرت فضیل نے اپنے پیرکاروں میں سے کسی کو کہا: اے عبداللہ! کیا متفرق رب بہتر ہیں یا ایک ہی اللہ جو سب پر غالب ہے؟ وادکر یہ لفظ ذکرتُ سے باب افتعال ہے۔ أُمَّةٍ کے معنی ہیں: قرن، یعنی زمانہ۔ اسے أَمَهٍ بھی پڑھا گیا ہے جس کے معنی ہیں: بھول۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَعْصِرُونَ الْأَعْنَابَ وَالدُّهْنَ. تُحْصِنُونَ: تَحْرُسُونَ.

حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: يَعْصِرُونَ کے معنی ہیں: انگور نچوڑیں گے اور تیل نکالیں گے۔ تُحْصِنُونَ کے معنی ہیں: جس کی تم حفاظت کرو گے۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے جن آیات کا حوالہ دیا ہے، ان میں دو خوابوں کا ذکر ہے۔ ان آیات سے خواب کے متعلق درج ذیل نکات اخذ کیے جاسکتے ہیں: ○ قیدیوں، فسادیوں اور بے دین لوگوں کے خواب بھی بعض اوقات سچے اور قابل تعبیر ہوتے ہیں۔ ○ کاروباری مصروفیات اور ذہنی رجحانات کا خواب پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ ○ خواب کی تعبیر کے لیے کسی نیک سیرت، صاحب علم وعمل، بااخلاق اور تجربہ کار آدمی کا انتخاب کرنا چاہیے جو اگر ضرورت پڑے تو حفاظتی تدابیر بھی بتا سکے۔ ○ خوابوں کی تعبیر بتانا بہترین ذریعۂ تبلیغ ہے۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس ذریعے کو استعمال کرتے تھے۔ ○ جو خواب پراگندہ خیالات کی پیداوار ہوں وہ قابل تعبیر نہیں ہوتے لیکن یہ معلوم کرنے کے لیے گہری بصیرت کی ضرورت ہے۔ ○ جس خواب کی تعبیر کے متعلق شرح صدر نہ ہو، اس کے متعلق جلدی سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ اس سے صاف صاف معذرت کرلی جائے۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ قیدی کے لیے اچھا خواب اس کے رہا ہونے کی بشارت، کافر کا اچھا خواب، اس کے ہدایت پانے کی خوشخبری اور فسادی کا اچھا خواب اس کی توبہ کی علامت ہے اور تنبیہ ہوتی ہے کہ اگر وہ فسق وفجور اور کفر پر اڑا رہا تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔[1]

٦٩٩٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَأَبَا عُبَيْدٍ أَخْبَرَاهُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوسُفُ ثُمَّ أَتَانِي الدَّاعِي لَأَجَبْتُهُ». [راجع: ٣٣٧٢]

[6992] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر میں اتنے دن قید میں رہتا جتنے دن حضرت یوسف ؑ ٹھہرے رہے، پھر میرے پاس بلانے والا آتا تو میں اس کی دعوت کو فوراً قبول کر لیتا۔"

[1] فتح الباري: 476/12.

فائدہ: حضرت یوسف علیہ السلام کا جگر گردہ مضبوط تھا کہ اتنی مدت کے بعد بھی معاملے کی صفائی تک جیل سے نکلنا پسند نہیں کیا، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام ہمارے رسول اکرم ﷺ سے افضل ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے جس قسم کے جذبات کا اظہار کیا وہ تواضع، انکسار یا کسی خاص مصلحت کے پیش نظر تھا۔ واللہ أعلم.

(١٠) بَابُ مَنْ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ فِي الْمَنَامِ

باب: 10- جس نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا

٦٩٩٣ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِي فِي الْيَقَظَةِ، وَلَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِي».

[6993] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: "جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو (کسی دن) وہ مجھے بیداری میں بھی دیکھ لے گا اور شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔"

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: قَالَ ابْنُ سِيرِينَ: إِذَا رَآهُ فِي صُورَتِهِ. [راجع: ١١٠]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ ابن سیرین نے بیان کیا: جب کوئی شخص آپ ﷺ کو آپ کی اپنی اصلی صورت میں دیکھے۔

٦٩٩٤ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُخْتَارٍ: حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي، وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ». [راجع: ٦٩٨٣]

[6994] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا اور مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہوتا ہے۔"

٦٩٩٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللهِ، وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَمَنْ رَأَى شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَنْفُثْ عَنْ شِمَالِهِ ثَلَاثًا وَّلْيَتَعَوَّذْ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهَا لَا

[6995] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "اچھے خواب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے ہیں، لہذا جو شخص کوئی برا خواب دیکھے تو وہ بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے، اس طرح یہ خواب اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہوگا۔ اور شیطان کبھی

تَصَوُّرُهُ، وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَرَاءَى بِي». [راجع: ٣٢٩٢]

میری شکل میں نہیں آسکتا۔"

٦٩٩٦ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ خَلِيٍّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنِي الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ: قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: قَالَ أَبُو قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ».

[6996] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا۔"

تَابَعَهُ يُونُسُ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ. [راجع: ٣٢٩٢]

زبیدی کی زہری سے روایت کرنے میں یونس اور زہری کے بھتیجے نے متابعت کی ہے۔

٦٩٩٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَكَوَّنُنِي».

[6997] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا کیونکہ شیطان مجھ جیسا نہیں بن سکتا۔"

فوائد ومسائل: ❶ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں شیطانی تصرفات سے محفوظ رکھا تھا، اسی طرح اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی آپ ﷺ کی عصمت وتقدس کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات اس قسم کی جملہ دراندازیوں سے پاک ومبرا ہے۔ ❷ مذکورہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اگر کوئی خواب میں دیکھتا ہے تو وہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ ہی کو دیکھتا ہے، تاہم اس کے متعلق کچھ تفصیل حسب ذیل ہیں: ○ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں آپ کو بحالت خواب دیکھا وہ عنقریب آپ کو حالت بیداری میں دیکھ لے گا جیسا کہ پہلی حدیث کے مفہوم کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہجرت کی توفیق دے گا، پھر وہ آپ ﷺ کی ملاقات سے شرف یاب ہوگا یا آخرت میں اسے خاص رؤیت وشفاعت نصیب ہوگی۔ شیطان کو یہ طاقت نہیں کہ وہ آپ ﷺ کی مشابہت اختیار کر سکے جیسا کہ عالم بیداری میں شیطان رسول اللہ ﷺ کی شکل اختیار کرنے پر قادر نہیں تھا حالت خواب میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسے منع کر دیا ہے تاکہ حق کا باطل کے ساتھ اختلاط نہ ہو۔ ○ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے بعد بھی آپ ﷺ کی زیارت خواب میں ممکن ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ خواب کی حالت میں آپ ﷺ کو دیکھنے والا آپ ﷺ ہی کے پرنور چہرے، حسین وجمیل قد وقامت، بے مثال خدوخال، بے نظیر چال ڈھال، باوقار وجاہت اور پرکشش شخصیت کا جو عکس الفاظ کے پیرائے میں ہم تک پہنچا ہے اس سے واقف ہو۔ اس حقیقت کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے حوالے سے اشارہ فرمایا ہے۔ ان سے اگر کوئی شخص کہتا کہ میں نے خواب میں

رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہے تو آپ اس سے حلیہ مبارک پوچھتے۔ اگر بیان کرنے والا ایسا حلیہ بیان کرتا جس کا احادیث میں دور دور تک نشان نہیں ملتا تو آپ صاف کہہ دیتے کہ تو نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا۔ ○ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ شیطان خواب میں رسول اللہ ﷺ کا روپ دھار کر دراندازی نہیں کر سکتا مگر یہ ممکن ہے کہ وہ کسی دوسری شکل میں آکر یہ یقین دہانی کرائے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس صورت حال میں وہ شخص تو دھوکا نہیں کھا سکتا جس نے آپ ﷺ کو زندگی میں بچشم خود دیکھا تھا یا وہ آپ ﷺ کے حلیے مبارک سے واقف تھا لیکن عام آدمی جسے آپ ﷺ کے حلیے مبارک سے کوئی آشنائی نہیں ہے وہ یقیناً دھوکا کھا سکتا ہے۔ اس صورت میں اگر بحالت خواب ایسا حکم دیا جائے جو ظاہری طور پر اسلامی تعلیمات سے ٹکراتا ہے تو اس کی طرف قطعاً التفات نہیں کیا جائے گا کیونکہ اسلام مکمل ہو چکا ہے اور اس قسم کا خواب شرعی طور پر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ⑤ واضح رہے کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے حلیے مبارک کی دل آویزی اور حسن و رعنائی کو الفاظ میں دیکھنے کا خواہش مند ہو تو وہ شیخ ابراہیم بن عبداللہ حازمی کی تالیف "اَلرَّسُولُ كَأَنَّكَ تَرَاهُ" کا مطالعہ کرے جسے راقم الحروف نے "آئینۂ جمال نبوت" کے نام سے اردو میں ڈھالا ہے اور دارالسلام نے اسے انتہائی خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔ ⑥ اس مقام پر اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں اللہ تعالیٰ کو بحالت بیداری یا بحالت خواب دیکھنا ممکن نہیں، لیکن حضرات انبیاء ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کاملہ حاصل ہوتی ہے اس بنا پر یہ حضرات اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کو بحالت خواب دیکھ سکتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے بحالت نیند اپنے رب کو بڑی خوبصورت شکل میں دیکھا اور اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینے میں محسوس کیا۔[1] اسی طرح کی ایک روایت حضرت معاذ بن جبل ؓ سے بھی مروی ہے۔[2] حضرات انبیاء ﷺ کے علاوہ دیگر صلحاء و اتقیاء کو خواب میں رب کائنات کا نظر آنا محل نظر ہے۔ اس سلسلے میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں۔ بے بنیاد روایات کی آڑ میں خواہشات کے پجاری لوگوں نے شریعت سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے ایک چور دروازہ نکالا ہے جسے وہ اپنی اصطلاح میں "مکاشفات" کا نام دیتے ہیں، لہٰذا اس سلسلے میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ واللہ أعلم.

(١١) بَابُ رُؤْيَا اللَّيْلِ

باب: 11- رات کے خواب کا بیان

رَوَاهُ سَمُرَةُ.

اس سے متعلقہ حدیث حضرت سمرہ ؓ نے بیان کی ہے۔

وضاحت: حضرت سمرہ بن جندب ؓ سے مروی حدیث امام بخاری ؒ نے خود متصل سند سے بیان کی ہے جس میں وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت ایک خواب دیکھا تھا جسے آپ ﷺ نے نماز صبح کے بعد اپنے صحابۂ کرام ؓ کو بیان کیا۔[3] یہ ایک طویل حدیث ہے جس کی ہم آئندہ وضاحت کریں گے۔ بإذن اللہ تعالیٰ.

---

1 مسند أحمد: 368/1. 2 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3235. 3 صحيح البخاري، التعبير، حديث: 7047.

٦٩٩٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ الْعِجْلِيُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الطُّفَاوِيُّ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ الْبَارِحَةَ إِذْ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ حَتّٰى وُضِعَتْ فِي يَدِي».

[6998] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھے جوامع کلمات دیے گئے ہیں اور رعب کے ذریعے سے میری مدد کی گئی ہے۔ میں گزشتہ رات سویا ہوا تھا کہ اچانک مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں پیش کی گئیں حتی کہ انھیں میرے ہاتھ پر رکھ دیا گیا۔''

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَذَهَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَأَنْتُمْ تَنْتَقِلُونَهَا. [راجع: ٢٩٧٧]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ تو دنیا سے تشریف لے گئے اور تم ان خزانوں کو نکال رہے ہو۔

٦٩٩٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «أَرَانِي اللَّيْلَةَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ، فَرَأَيْتُ رَجُلًا آدَمَ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِّنْ أُدْمِ الرِّجَالِ، لَهُ لِمَّةٌ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِّنَ اللِّمَمِ، قَدْ رَجَّلَهَا تَقْطُرُ مَاءً، مُتَّكِئًا عَلٰى رَجُلَيْنِ - أَوْ عَلٰى عَوَاتِقِ رَجُلَيْنِ - يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، فَسَأَلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقِيلَ: الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ، وَإِذَا أَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ أَعْوَرِ الْعَيْنِ الْيُمْنٰى كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ، فَسَأَلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقِيلَ: الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ». [راجع: ٣٤٤٠]

[6999] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے آج رات خود کو کعبہ کے پاس دیکھا، پھر میں نے وہاں ایک گندمی رنگ کے آدمی کو دیکھا۔ وہ گندمی رنگ کے سب سے خوبصورت آدمی کی طرح تھے۔ اس کے لمبے بال تھے جیسے تم خوبصورت لمبے بالوں والے آدمی دیکھتے ہو۔ اس نے بالوں میں کنگھی کر رکھی تھی جبکہ ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ وہ دو آدمیوں کے سہارے یا ان کے شانوں کے سہارے بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ مجھے بتایا گیا: یہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں۔ پھر اچانک میں نے سخت گھنگریالے بالوں والے آدمی کو دیکھا جس کی دائیں آنکھ کانی تھی، گویا وہ خشک انگور کی طرح اوپر اٹھی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ مسیح دجال ہے۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے دن اور رات کے خواب مساوی اور برابر حیثیت رکھتے ہیں جیسا کہ پیش کردہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے چند خواب بیان ہوئے ہیں جو آپ ﷺ نے رات کے وقت دیکھے تھے۔ یہ تمام خواب سچے، مبنی بر حقیقت اور اپنے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے صحیح اور درست تھے۔ ② نصر بن یعقوب دینوری بیان کرتے ہیں کہ رات کے پہلے حصے میں آنے والے خواب کی تعبیر تاخیر سے ظاہر ہوتی ہے۔ نصف ثانی میں اس سے کچھ جلدی ظاہر ہوتی ہے اور

سب سے جلد تعبیر سحری کے وقت دیکھے جانے والے خواب کی ہوتی ہے، خصوصاً طلوع فجر کے وقت جو کچھ خواب میں آئے وہ بہت جلد حقیقت کا روپ دھار لیتا ہے۔[1]

٧٠٠٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي أُرِيتُ اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ.

[7000] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: میں نے آج رات ایک خواب دیکھا ہے، پھر اس حدیث کو بیان کیا۔

وَتَابَعَهُ سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ وَسُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس روایت کی متابعت سلیمان بن کثیر، زہری کے بھتیجے اور سفیان بن حسین نے زہری سے کی ہے، انھوں نے عبیداللہ سے، انھوں نے ابن عباس ؓ سے بیان کیا اور انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ - أَوْ أَبَا هُرَيْرَةَ - عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

زبیدی نے زہری سے بیان کیا، ان سے عبیداللہ نے، ان سے ابن عباس ؓ یا ابوہریرہ ؓ نے بیان کیا ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

وَقَالَ شُعَيْبٌ وَإِسْحَاقُ بْنُ يَحْيَى عَنِ الزُّهْرِيِّ: كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

شعیب اور اسحاق بن یحییٰ نے زہری سے بیان کیا کہ حضرت ابوہریرہ ؓ اس حدیث کو نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

وَكَانَ مَعْمَرٌ لَا يُسْنِدُهُ حَتَّى كَانَ بَعْدُ. [انظر: ٧٠٤٦]

حضرت معمر پہلے اسے سند کے ساتھ بیان نہیں کرتے تھے لیکن اس کے بعد سند کے ساتھ ذکر کرنے لگے تھے۔

فوائد ومسائل: ① اس متابعت کو امام مسلم ؒ نے بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابۂ کرام ؓ سے فرماتے تھے: ''تم میں سے جس نے خواب دیکھا ہو وہ بیان کرے، میں اس کی تعبیر کرتا ہوں۔ ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول! آج رات میں نے ایک خواب میں دیکھا ہے.....''[2] ② امام بخاری ؒ نے انتہائی اختصار کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا ہے کیونکہ اس میں رات کے وقت خواب دیکھنے کا ذکر تھا، اس کی مکمل وضاحت ہم آئندہ حدیث: 7046 میں کریں گے۔ بإذن اللہ تعالیٰ۔

1 فتح الباري: 12/488. 2 صحيح مسلم، الرؤيا، حديث: 5928 (2269).

(١٢) بَابُ الرُّؤْيَا بِالنَّهَارِ

باب: 12- دن کے خواب کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ: رُؤْيَا النَّهَارِ مِثْلُ رُؤْيَا اللَّيْلِ.

ابن عون نے امام ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ دن کے خواب بھی رات کے خواب کی طرح ہیں۔

وضاحت: دن یا رات کے خواب میں کوئی فرق نہیں۔ ان دونوں کی حقیقت برابر ہے اگر چہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ قیلولے کے وقت آنے والے خواب کی تعبیر بہت جلد ظاہر ہو جاتی ہے۔[1]

٧٠٠١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ، وَكَانَتْ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَأَطْعَمَتْهُ، وَجَعَلَتْ تَفْلِي رَأْسَهُ، فَنَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ. [راجع: ٢٧٨٨]

[7001] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے، وہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، چنانچہ ایک دن آپ ان کے گھر تشریف لے گئے تو انھوں نے آپ کو کھانا پیش کیا اور (عورتوں کی عادت کے مطابق) آپ ﷺ کے سر مبارک سے جوئیں نکالنے لگیں۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ سو گئے، پھر بیدار ہوئے تو آپ مسکرا رہے تھے۔

٧٠٠٢ - قَالَتْ: فَقُلْتُ: مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ، يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ، أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ»، شَكَّ إِسْحَاقُ قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَدَعَا لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ، فَقُلْتُ: مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «أُنَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ» - كَمَا قَالَ فِي الْأُولَى - قَالَتْ:

[7002] انھوں نے کہا: میں نے آپ سے دریافت کیا: اللہ کے رسول! آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں، وہ سمندر کے وسط میں اس طرح سوار ہیں، گویا تختوں پر بیٹھے ہوئے بادشاہ ہیں۔'' ام ملحان کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک رکھا اور سو گئے، پھر جب بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے۔ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ کیوں ہنس

---

[1] فتح الباري: 488/12.

فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أُدْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ: «أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ»، فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ فِي زَمَانِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ.

[راجع: ٢٧٨٩]

رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے لائے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں۔'' جیسا کہ آپ نے پہلی مرتبہ فرمایا تھا۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! دعا فرمائیں مجھے بھی اللہ ان میں سے کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سب سے پہلے لوگوں میں ہو گی۔'' چنانچہ ام حرام ؓ حضرت امیر معاویہ ؓ کے زمانے میں سمندری سفر پر روانہ ہوئیں اور جب سمندر سے باہر آئیں تو سواری سے گر کر شہید ہو گئیں۔

فائدہ: اس حدیث میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دن کے وقت حضرت ام حرام بنت ملحان ؓ کے ہاں تشریف لے گئے، وہاں کھانا تناول کر کے ان کے ہاں محو استراحت ہوئے تو آپ ﷺ کو خواب میں وہ کچھ دکھایا گیا جو بعد میں حرف بہ حرف پورا ہوا، چنانچہ حضرت عثمان ؓ کے دور خلافت میں ایک لشکر بحری سفر پر روانہ ہوا۔ ان کے ساتھ حضرت ام حرام ؓ بھی تھیں۔ اس لشکر کے امیر حضرت امیر معاویہ ؓ تھے۔ جب وہ واپس آئے تو بحری بیڑے سے حضرت ام حرام ؓ اتریں۔ انھیں خشکی کے سفر کے لیے سواری مہیا کی گئی۔ وہ سواری سے گریں اور گردن ٹوٹ جانے کی وجہ سے جام شہادت نوش کیا۔ بہر حال خواب، خواہ دن کا ہو یا رات کا، اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابُ رُؤْيَا النِّسَاءِ

باب: 13- عورتوں کا خواب دیکھنا

وضاحت: حدیث میں ہے کہ مومن کے لیے اچھا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ اس فضیلت میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ خواب کی حقیقت دونوں کے لیے برابر ہے۔ واللہ أعلم.

٧٠٠٣ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ أُمَّ الْعَلَاءِ امْرَأَةٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ، بَايَعَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ: أَخْبَرَتْهُ أَنَّهُمُ اقْتَسَمُوا الْمُهَاجِرِينَ قُرْعَةً، قَالَتْ: فَطَارَ لَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ وَّأَنْزَلْنَاهُ فِي أَبْيَاتِنَا، فَوَجِعَ وَجَعَهُ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، فَلَمَّا تُوُفِّيَ غُسِّلَ وَكُفِّنَ فِي أَثْوَابِهِ، دَخَلَ رَسُولُ اللهِ

[7003] حضرت خارجہ بن زید بن ثابت سے روایت ہے کہ ام العلاء نامی انصاری عورت جس نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی، انھوں نے مجھے بتایا کہ جب انصار نے مہاجرین کو قرعہ اندازی کے ذریعے سے تقسیم کیا تو ہمارے حصے میں حضرت عثمان بن مظعون ؓ آئے۔ ہم نے انھیں اپنے گھر میں ٹھہرایا، پھر وہ بیمار ہو گئے اور ان کی وفات ہو گئی۔ جب وہ فوت ہوئے تو انھیں غسل دے کر ان کے کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ

ﷺ قَالَتْ: فَقُلْتُ: رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ فَشَهَادَتِي عَلَيْكَ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَمَا يُدْرِيكِ أَنَّ اللهَ أَكْرَمَهُ؟» فَقُلْتُ: بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ، فَمَنْ يُكْرِمُهُ اللهُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَمَّا هُوَ فَوَاللهِ لَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ، وَاللهِ إِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ، وَوَاللهِ مَا أَدْرِي - وَأَنَا رَسُولُ اللهِ - مَاذَا يُفْعَلُ بِي». فَقَالَتْ: وَاللهِ لَا أُزَكِّي بَعْدَهُ أَحَدًا أَبَدًا. [راجع: ١٢٤٣]

تشریف لائے تو میں نے کہا: اے ابو سائب! تجھ پر اللہ کی رحمت ہو! تیرے لیے میری گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ضرور عزت دی ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں عزت بخشی ہے؟'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، پھر اللہ کس کو عزت دے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! ان پر موت تو آ چکی ہے اور اللہ کی قسم! میں بھی ان کے لیے بھلائی کی امید رکھتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہونے کے باوجود (حتمی طور پر یہ) نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا۔'' اس (انصاری عورت) نے کہا: اللہ کی قسم! اس کے بعد میں کبھی کسی کی براءت نہیں کروں گی۔

٧٠٠٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا، وَقَالَ: «مَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِهِ؟» قَالَتْ: وَأَحْزَنَنِي فَنِمْتُ، فَرَأَيْتُ لِعُثْمَانَ عَيْنًا تَجْرِي، فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «ذٰلِكَ عَمَلُهُ». [راجع: ١٢٤٣]

[7004] ایک دوسری روایت کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟'' تو مجھے بہت رنج ہوا، چنانچہ میں سو گئی تو میں نے خواب میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا چشمہ دیکھا جو جاری تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: ''یہ ان (عثمان رضی اللہ عنہ) کا نیک عمل ہے۔''

فائدہ: اس حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے لیے خواب میں ایک بہتا ہوا چشمہ دیکھا جس کی رسول اللہ ﷺ نے تعبیر فرمائی کہ یہ ان کے نیک اعمال ہیں جو ان کی وفات کے بعد بھی جاری و ساری ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا خواب بھی اچھا اور سچا ہو سکتا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اس خواب کو مبنی برحقیقت سمجھتے ہوئے اس کی تعبیر فرمائی۔ واللہ أعلم.

(١٤) بَابٌ: اَلْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ وَإِذَا حَلَمَ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ وَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ عَزَّ وَجَلَّ

باب: 14- برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی برا خواب دیکھے تو بائیں جانب تھوک دے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے

٧٠٠٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ: أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيَّ - وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَفُرْسَانِهِ - قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «الرُّؤْيَا مِنَ اللهِ، وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا حَلَمَ أَحَدُكُمُ الْحُلْمَ يَكْرَهُهُ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ، وَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ مِنْهُ فَلَنْ يَضُرَّهُ». [راجع: ٣٢٩٢]

[7005] حضرت ابوقتادہ ؓ سے روایت ہے جو نبی ﷺ کے صحابی اور آپ کے شہسواروں سے ہیں، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''اچھے خواب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے آتے ہیں، لہٰذا جب تم میں سے کوئی برا خواب دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو اسے چاہیے کہ اپنی بائیں جانب تھوک دے اور اس سے اللہ کی پناہ مانگے، اس طرح وہ اسے ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ مجھے ایسے ڈراؤنے خواب آتے تھے کہ مجھے ان کی وجہ سے سخت بخار ہو جاتا تھا۔ میں حضرت ابوقتادہ ؓ سے ملا اور ان سے اپنا معاملہ بیان کیا تو انھوں نے مذکورہ حدیث بیان کی، اس کے بعد مجھے ان کے متعلق کوئی پروا نہ ہوتی تھی۔[1] ایک روایت میں ہے: ''ایسا خواب دیکھنے کے بعد جب بیدار ہو تو تین مرتبہ اپنی بائیں جانب تھوتھو کرے۔''[2] ② اگرچہ ہر خواب کا پیدا کرنا اور اس کا دکھانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے لیکن برے خواب کا سبب شیطان ہوتا ہے اور وہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو پریشان اور غمگین کرتا ہے، اس لیے ایسے خواب کو شیطان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔[3] اچھے اور برے خواب کے آداب ہم حدیث نمبر: 6985 کے فوائد میں بیان کر آئے ہیں۔

(١٥) بَابُ اللَّبَنِ

باب: 15- خواب میں دودھ دیکھنا

٧٠٠٦ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِي أَظَافِيرِي، ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي - يَعْنِي - عُمَرَ»، قَالُوا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «الْعِلْمَ». [راجع: ٨٢]

[7006] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''میں سویا ہوا تھا، اس دوران میں میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا۔ میں نے اس سے پیا حتی کہ اس کی سیرابی کا اثر اپنے ناخنوں میں ظاہر ہوتا دیکھا۔ اس کے بعد میں نے بچا ہوا دودھ عمر کو دیا۔'' صحابۂ کرام نے پوچھا: اللہ کے رسول! اس کی آپ نے کیا تعبیر لی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اس کی تعبیر علم ہے۔''

① صحیح مسلم، الرؤیا، حدیث: 5900 (2261). ② صحیح مسلم، الرؤیا، حدیث: 5897 (2261). ③ فتح الباري: 491/12.

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب بیان کرنے کے بعد اپنے صحابہ کرام ؓ سے فرمایا: ''تم اس کی تعبیر بتاؤ۔'' انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اس سے مراد علم ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالا مال کر رکھا ہے۔ آپ کے علم سے جو بچا ہے وہ آپ نے حضرت عمر ؓ کو دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تم نے صحیح تعبیر کی ہے۔''[1] ② ان احادیث میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کہ صحابۂ کرام ؓ کو رسول اللہ ﷺ سے کچھ مزید کی توقع ہو تو انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ اس کی تعبیر سے ہمیں آگاہ فرمائیں۔ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق دودھ کو خون اور گوبر کے درمیان سے نکالا جاتا ہے، اس مناسبت سے علم کا نور بھی جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے پھوٹتا ہے، اس بنا پر دودھ کے ساتھ علم کی گہری مناسبت ہے۔[2]

(١٦) بَابٌ: إِذَا جَرَى اللَّبَنُ فِي أَطْرَافِهِ أَوْ أَظَافِيرِهِ

باب: 16- جب کوئی شخص دودھ کو خواب میں اپنے ناخنوں اور دیگر اعضاء سے پھوٹتا دیکھے

٧٠٠٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ مِنْ أَطْرَافِي، فَأَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ»، فَقَالَ مَنْ حَوْلَهُ: فَمَا أَوَّلْتَ ذٰلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «الْعِلْمَ».

[راجع: ٨٢]

[7007] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں سویا ہوا تھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا۔ میں نے اس سے نوش کیا یہاں تک کہ میں نے سیرابی کا اثر جسم کے اطراف میں نمایاں دیکھا۔ پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر بن خطاب ؓ کو دے دیا۔'' آپ کے جو صحابۂ کرام وہاں موجود تھے، انھوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ نے اس کی کیا تعبیر لی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اس سے مراد علم ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے علم اور حضرت عمر ؓ کے علم کے درمیان نسبت کا بھی پتا چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصی علم سے نوازا تھا، بیسیوں قرآنی آیات ایسی ہیں جن کا مفہوم حضرت عمر ؓ کے دل میں آیا، پھر اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرمائیں، جنھیں اَوَّلِیَّاتِ عمر کہا جاتا ہے۔ یہ بھی علم نبوت ہی کا اثر تھا کہ دین حق کی سربلندی کے لیے کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے اور کسی بڑے سے بڑے آدمی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ② دودھ کی فطرت

1 مجمع الزوائد: 69/9، والمعجم الكبير للطبراني، حديث: 13155. 2 فتح الباري: 492/12.

اسلام سے خاص مناسبت ہے جیسا کہ ایک مرتبہ جب آپ ﷺ کو معراج کے موقع پر شراب اور دودھ کے پیالے پیش کیے گئے تو آپ نے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ حضرت جبریل نے فرمایا: اللہ کی تعریف ہے جس نے فطرت کی طرف آپ کی رہنمائی کی ہے۔[1] اس حدیث میں بھی دودھ سے مراد علم نبوت ہے جو فطرت اسلام سے عبارت ہے۔ واللہ أعلم.

(١٧) بَابُ الْقَمِيصِ فِي الْمَنَامِ

باب: 17- خواب میں قمیص دیکھنا

٧٠٠٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنِي أَبِي إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي أَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُونَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ، مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ دُونَ ذٰلِكَ، وَمَرَّ عَلَيَّ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَجُرُّهُ»، قَالُوا: مَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «الدِّينَ». [راجع: ٢٣]

[7008] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک دفعہ میں سو رہا تھا، میں نے لوگوں کو دیکھا کہ میرے سامنے پیش کیے جارہے ہیں اور وہ قمیصیں پہنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کچھ کی قمیصیں تو ان کے سینے تک ہیں اور کچھ لوگوں کی اس سے بڑی ہیں۔ اس دوران میں عمر بن خطاب میرے پاس سے گزرے تو ان کی قمیص زمین پر گھسٹ رہی تھی۔“ صحابۂ کرام نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ نے اس کی کیا تعبیر لی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”اس سے مراد ”دین“ ہے۔“

فائدہ: اہل تعبیر کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی خواب میں قمیص دیکھتا ہے تو اس سے مراد دین ہے جیسا کہ قمیص شرمگاہ کو ڈھانپتی ہے اسی طرح دین اسلام بھی برائیوں کو ڈھانپ لیتا ہے اور ہر ناپسندیدہ کام کے لیے رکاوٹ بن جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”تقوے کا لباس ہی بہتر ہے۔“[2] اس حدیث میں اشارہ ہے کہ دین دار لوگ دین میں قلت و کثرت اور قوت و ضعف کے اعتبار سے کم و بیش ہوتے ہیں، نیز اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دین داری کو بیان کیا گیا ہے جبکہ پہلی حدیث میں ان کے علم کی گواہی پیش کی گئی ہے۔ واللہ أعلم.

(١٨) بَابُ جَرِّ الْقَمِيصِ فِي الْمَنَامِ

باب: 18- خواب میں قمیص گھسیٹ کر چلنا

٧٠٠٩ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي أَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ

[7009] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ”میں ایک مرتبہ سویا ہوا تھا، اس دوران میں لوگوں کو دیکھا

1 صحيح البخاري، الأشربة، حديث: 5576. 2 الأعراف 26:7.

الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ عُرِضُوا عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ، فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ دُونَ ذٰلِكَ، وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَجْتَرُّهُ»، قَالُوا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «الدِّينَ». [راجع: ٢٣]

کہ وہ قمیصیں پہنے ہوئے تھے۔ ان میں کچھ کی قمیصیں تو سینے تک تھیں اور کچھ کی ان سے بڑی تھیں۔ پھر میرے سامنے عمر بن خطاب کو پیش کیا گیا تو ان کی قمیص زمین پر گھسٹ رہی تھی۔" صحابۂ کرام نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ نے اس کی کیا تاویل کی ہے؟ آپ نے فرمایا: "اس کی تاویل دین ہے۔"

فوائد ومسائل: ① قمیص بدن کو چھپاتی ہے اور سردی گرمی سے بچاتی ہے، اسی طرح دین بھی روح کی حفاظت کرتا اور اسے برائی سے بچاتا ہے۔ خواب میں قمیص کو زمین پر گھسیٹ کر چلنا دین میں ثابت قدمی اور پختگی کی علامت ہے۔ یہ امر خواب میں تو قابل تعریف ہے لیکن عالم بیداری میں مذموم ہے کیونکہ احادیث میں اس کی ممانعت ہے اور اس کے متعلق احادیث میں وعید بیان ہوئی ہے۔ ② اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ برتری ثابت ہے کہ آپ دینی معاملات میں بہت سخت تھے، بعض دفعہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی اس سختی کو محسوس کیا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا اظہار کیا۔ پردے کی آیات اسی پس منظر میں نازل ہوئی تھیں۔ واللہ أعلم.

(١٩) بَابُ الْخُضَرِ فِي الْمَنَامِ وَالرَّوْضَةِ الْخَضْرَاءِ

باب: 19- خواب میں سبزہ اور ہرا بھرا باغ دیکھنا

٧٠١٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ: حَدَّثَنَا الْحَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ: حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ: قَالَ قَيْسُ بْنُ عُبَادٍ: كُنْتُ فِي حَلْقَةٍ فِيهَا سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ وَابْنُ عُمَرَ، فَمَرَّ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ فَقَالُوا: هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّهُمْ قَالُوا كَذَا وَكَذَا، قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ، مَا كَانَ يَنْبَغِي لَهُمْ أَنْ يَقُولُوا مَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ إِنَّمَا رَأَيْتُ كَأَنَّمَا عَمُودٌ وُضِعَ فِي رَوْضَةٍ خَضْرَاءَ فَنُصِبَ فِيهَا وَفِي رَأْسِهَا عُرْوَةٌ وَّفِي أَسْفَلِهَا مِنْصَفٌ، - وَالْمِنْصَفُ: الْوَصِيفُ - فَقِيلَ: ارْقَهْ، فَرَقِيتُ

[7010] حضرت قیس بن عباد سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا جس میں حضرت سعد بن مالک اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ وہاں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ گزرے تو لوگوں نے کہا: یہ آدمی جنتی ہے۔ میں نے ان سے کہا: یہ لوگ آپ کے متعلق اس طرح کی باتیں کہہ رہے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: سبحان اللہ! ان کو یہ مناسب نہیں کہ وہ ایسی باتیں کریں جن کا انھیں علم نہیں۔ میں نے تو صرف ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک ستون، سرسبز وشاداب باغ میں نصب کیا ہوا ہے۔ اس کے سرے پر ایک کنڈا (کڑا) لگا ہوا تھا، اس کے نیچے منصف ہے، منصف خادم کو کہتے ہیں۔ مجھے کہا گیا: اس پر چڑھ جاؤ۔ میں اس پر

حَتّٰى أَخَذْتُ بِالْعُرْوَةِ فَقَصَصْتُهَا عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَمُوتُ عَبْدُ اللهِ وَهُوَ آخِذٌ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى». [راجع: ٣٨١٣]

چڑھ گیا یہاں تک کہ میں نے کنڈا پکڑ لیا۔ میں نے یہ خواب رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ''عبداللہ کا جب انتقال ہوگا تو وہ عروۂ وثقیٰ کو پکڑے ہوئے ہوگا۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں حضرت خرشہ بن حر کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ کی مسجد میں ایک گروہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں ایک خوبصورت شکل وصورت والے شیخ بہترین انداز میں احادیث بیان کر رہے تھے۔ جب وہ اپنا وعظ ختم کر کے چلے گئے تو لوگوں نے ان کے متعلق کہا: جس نے کسی جنتی کو دیکھنا ہو وہ انھیں دیکھ لے۔ [1] ان دو مختلف روایات میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں وعظ کر رہے تھے جیسا کہ خرشہ کی روایت میں ہے، پھر جاتے ہوئے ایک گروہ کے پاس سے گزرے جس میں سعد بن مالک اور ابن عمر رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ قیس بن عباد کی روایت میں ہے، پھر خرشہ اور قیس دونوں ان کے گھر گئے اور ان سے سوال کیا اور انھوں نے انھیں جواب دیا۔ [2] ② عروۂ وثقیٰ کے متعلق قرآن کریم میں ہے کہ جو شخص طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایسے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ اس خواب میں اشارہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسلام پر فوت ہوں گے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا تھا۔ ③ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بطور تعجب فرمایا اور تواضع وانکسار کرتے ہوئے لوگوں کی بات کا انکار کیا تاکہ لوگ ان کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کریں جو تکبر وغرور کا باعث ہو سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جنتی ہونے کا انکار نہیں کیا تھا بلکہ ان کا مقصد تھا کہ ایسی باتوں کو جزم ووثوق سے بیان نہیں کرنا چاہیے۔ متواضع لوگوں کی یہی شان ہوتی ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٠) بَابُ كَشْفِ الْمَرْأَةِ فِي الْمَنَامِ

باب: 20- خواب میں عورت کا چہرہ دیکھنا

٧٠١١ - حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أُرِيتُكِ فِي الْمَنَامِ مَرَّتَيْنِ إِذَا رَجُلٌ يَحْمِلُكِ فِي سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِيرٍ فَيَقُولُ: هٰذِهِ امْرَأَتُكَ، فَأَكْشِفُهَا فَإِذَا هِيَ أَنْتِ، فَأَقُولُ: إِنْ يَكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ». [راجع: ٣٨٩٥]

[7011] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تم خواب میں دو مرتبہ دکھائی گئی۔ ایک آدمی تمھیں ریشمی کپڑے میں اٹھائے ہوئے مجھ سے کہہ رہا تھا: یہ آپ کی بیوی ہے۔ میں نے اسے کھولا تو وہ تو تھی۔ میں نے سوچا کہ اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے، تو وہ خود ہی اسے انجام تک پہنچائے گا۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ! میں نے تجھے خواب میں دیکھا کہ فرشتہ تجھے

1 صحیح مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: 6383 (2484). 2 فتح الباري: 497/12.

ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر لایا اور اس نے کہا: یہ آپ کی بیوی ہے۔ میں نے تمھارے چہرے سے نقاب اٹھایا تو وہ تم تھیں۔"[1] ② ان روایات میں اختلاف نہیں کیونکہ فرشتہ انسانی صورت میں آیا تھا۔ عورت کو خواب میں دیکھنے کی کئی تعبیریں ہیں: ایک یہ کہ دیکھنے والے کو کوئی عورت بطور بیوی میسر آئے گی۔ دوسری یہ کہ دنیا میں عظیم مرتبہ اور رزق میں فراخی میسر آئے گی اور تیسری یہ کہ کبھی عورت کو خواب میں دیکھنا فتنے پر بھی دلالت کرتا ہے۔[2] ایک روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد مجھے ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی ایک لڑکی دکھائی گئی۔ جب میں نے اس کا نقاب الٹا تو وہ تم تھیں۔[3] یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ نبوت کے بعد کا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(۲۱) بَابُ ثِيَابِ الْحَرِيرِ فِي الْمَنَامِ

باب: 21- خواب میں ریشمی کپڑے دیکھنا

٧٠١٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أُرِيتُكِ قَبْلَ أَنْ أَتَزَوَّجَكِ مَرَّتَيْنِ، رَأَيْتُ الْمَلَكَ يَحْمِلُكِ فِي سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِيرٍ، فَقُلْتُ لَهُ: اكْشِفْ، فَكَشَفَ فَإِذَا هِيَ أَنْتِ، فَقُلْتُ: إِنْ يَكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ، ثُمَّ أُرِيتُكِ يَحْمِلُكِ فِي سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِيرٍ فَقُلْتُ: اكْشِفْ، فَكَشَفَ فَإِذَا هِيَ أَنْتِ، فَقُلْتُ: إِنْ يَكُ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ». [راجع: ٣٨٩٥]

[7012] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم سے شادی کرنے سے پہلے مجھے تم دو مرتبہ دکھائی گئی۔ میں نے فرشتے کو دیکھا وہ تمھیں ریشمی کپڑے میں اٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے اسے کہا: اسے کھولو۔ اس نے کھولا تو وہ تم تھی۔ میں نے کہا: اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے ضرور پورا کرے گا، پھر تم مجھے دکھائی گئیں۔ وہ (فرشتہ) تمھیں ریشمی کپڑے میں اٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے اسے کہا: اسے کھولو۔ اس نے کھولا تو وہ تم تھیں۔ میں نے کہا: اگر یہ اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے ضرور پورا کرے گا۔"

فوائد ومسائل: ① پہلی روایت میں ہے کہ ریشمی کپڑے کو خود رسول اللہ ﷺ نے کھولا جبکہ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرشتے کو کھولنے کا حکم دیا، رسول اللہ ﷺ کی طرف کھولنے کی نسبت اس اعتبار سے ہے کہ آپ اس کا حکم دینے والے تھے اور جس نے اپنے ہاتھوں سے اسے کھولا وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔[4] ② خواب میں عورتوں کے لیے ریشمی لباس لینا نکاح، عزت و احترام، مال و دولت اور تونگری و امیری پر دلالت کرتا ہے، نیز سونا، چاندی اور لباس پہننے والے کی عظمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ اس کا محل ہے۔ خواب میں مردوں کا ریشمی لباس پہننا اچھا نہیں کیونکہ شریعت میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔[5]

---

1 صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5125. 2 عمدة القاري: 294/16. 3 المعجم الكبير للطبراني: 19/23، حديث: 13155. 4 فتح الباري: 500/12. 5 عمدة القاري: 294/16.

(٢٢) بَابُ الْمَفَاتِيحِ فِي الْيَدِ

باب: 22- بحالت خواب ہاتھ میں چابیاں دیکھنا

٧٠١٣ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِي يَدِي».

[7013] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''مجھے جوامع الکلم دے کر بھیجا گیا ہے۔ اور رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ ایک وقت میں سو رہا تھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ پر انھیں رکھ دیا گیا۔''

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَبَلَغَنِي أَنَّ جَوَامِعَ الْكَلِمِ أَنَّ اللهَ يَجْمَعُ الْأُمُورَ الْكَثِيرَةَ الَّتِي كَانَتْ تُكْتَبُ فِي الْكُتُبِ قَبْلَهُ فِي الْأَمْرِ الْوَاحِدِ وَالْأَمْرَيْنِ أَوْ نَحْوُ ذَلِكَ. [راجع: ٢٩٧٧]

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) نے فرمایا: جوامع الکلم سے مراد یہ ہے کہ بہت سے امور جو آپ ﷺ سے پہلے کتابوں میں لکھے ہوئے تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک یا دو امور وغیرہ میں جمع کر دیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اہل تعبیر نے کہا ہے کہ خواب میں چابیاں دیکھنا مال و دولت اور عزت و غلبے کی دلیل ہے۔ جس نے دیکھا کہ وہ چابی سے دروازہ کھولتا ہے وہ کسی حاکم کی مدد سے ضرورت پوری ہونے میں کامیاب ہوگا۔ اگر ہاتھ میں چابیاں دیکھے تو اسے عظیم غلبہ حاصل ہوگا۔[1] اگر وہ جنت کی چابی ہے تو دین میں غلبہ یا اچھے عمل کرے گا یا خزانہ پائے گا یا وراثت میں حلال مال ہاتھ آئے گا۔ اگر کعبے کی چابی دیکھے تو بادشاہ یا حاکم یا دربان ہوگا۔ ② علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ چابی دیکھنے کی تعبیر یہ بھی ہے کہ اگر اس سے دروازہ کھولے تو جو دعا کرے اسے شرف قبولیت سے نوازا جائے۔[2]

(٢٣) بَابُ التَّعْلِيقِ بِالْعُرْوَةِ وَالْحَلْقَةِ

باب: 23- خواب میں (خود کو) کنڈے یا حلقے سے لٹکا ہوا دیکھنا

٧٠١٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا أَزْهَرُ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ؛ ح: وَحَدَّثَنِي خَلِيفَةُ: حَدَّثَنَا مُعَاذٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ:

[7014] حضرت عبداللہ بن سلام ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا گویا میں ایک باغ میں ہوں اور باغ کے درمیان ایک ستون ہے اور ستون کے

[1] فتح الباري: 501/12. [2] عمدة القاري: 294/16.

حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ عُبَادٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ: رَأَيْتُ كَأَنِّي فِي رَوْضَةٍ، وَّسَطَ الرَّوْضَةِ عَمُودٌ، فِي أَعْلَى الْعَمُودِ عُرْوَةٌ، فَقِيلَ لِي: ارْقَهْ، قُلْتُ: لَا أَسْتَطِيعُ، فَأَتَانِي وَصِيفٌ فَرَفَعَ ثِيَابِي فَرَقِيتُ فَاسْتَمْسَكْتُ بِالْعُرْوَةِ، فَانْتَبَهْتُ وَأَنَا مُسْتَمْسِكٌ بِهَا فَقَصَصْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «تِلْكَ الرَّوْضَةُ رَوْضَةُ الْإِسْلَامِ، وَذٰلِكَ الْعَمُودُ عَمُودُ الْإِسْلَامِ، وَتِلْكَ الْعُرْوَةُ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى، لَا تَزَالُ مُسْتَمْسِكًا بِالْإِسْلَامِ حَتّٰى تَمُوتَ». [راجع: ٣٨١٣]

اوپر ایک کڑا ہے۔ مجھے کہا گیا: اس پر چڑھ جاؤ۔ میں نے کہا: مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔ اس دوران میں میرے پاس ایک خادم آیا۔ اس نے میرے کپڑے اٹھائے تو میں اوپر چڑھ گیا اور میں نے کڑے کو پکڑ لیا۔ میں اسے پکڑے ہوئے تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے یہ خواب نبی ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ''وہ باغ، اسلام کا باغ تھا، وہ ستون اسلام کا ستون تھا اور وہ حلقہ ''عروۂ وثقیٰ'' تھا۔ تم ہمیشہ اسلام پر مضبوطی سے جمے رہو گے یہاں تک کہ تمھاری وفات ہو جائے گی۔''

فوائد ومسائل: ① اہل تعبیر کہتے ہیں کہ حلقہ اور عروہ سے مراد پکڑنے والے کی دینی قوت اور اس کا اخلاق ہے۔ حدیث میں عروۂ وثقیٰ سے درج ذیل آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے: ''جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایسے مضبوط حلقے کو تھام لیا جو کسی صورت میں ٹوٹ نہیں سکتا۔''[1] حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جب بیدار ہوئے تو عروۂ وثقیٰ ان کے ہاتھ میں تھا۔ شارحین نے دو طرح سے اس کا مفہوم بیان کیا ہے: ○ میں اسے پکڑے ہوئے تھا کہ میری آنکھ کھل گئی، یعنی خواب میں اسے پکڑے ہوئے تھا۔ ○ یہ بھی ممکن ہے کہ بیداری کے وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے حلقے اور کڑے کو پکڑے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا کرنا مشکل نہیں۔[2]

(٢٤) بَابُ عَمُودِ الْفُسْطَاطِ تَحْتَ وِسَادَتِهِ

باب: 24- خواب میں خیمے کا ستون اپنے تکیے کے نیچے دیکھنا

وضاحت: خیمے کے عمود سے مراد وہ بڑا بانس ہے جو درمیان میں ہوتا ہے اور جس پر خیمے کے کھڑے ہونے کا دارومدار ہوتا ہے۔ اہل تعبیر کہتے ہیں کہ جس نے خواب میں عمود دیکھا اس کی تعبیر دین یا قابل اعتماد آدمی سے کی جائے گی، یعنی اس سے مراد دین یا غلبہ ہے۔ اگر کوئی شخص خیمہ اپنے اوپر لگا ہوا دیکھتا ہے تو اس کی تعبیر اپنی حیثیت کے مطابق حکمرانی کا حصول یا موجودہ حاکم سے مخاصمت کی صورت میں کامیابی ہوگی۔ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے ذریعے سے ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جو متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہونے کے باوجود ان کی شرط کے مطابق نہ تھی۔ چونکہ اس کے معنی اور مفہوم صحیح تھے، اس لیے عنوان سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے

1 البقرة 2:256. 2 عمدة القاري: 16/295.

کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے خواب میں عمود الکتاب، یعنی قرآن کے متن کو دیکھا کہ اسے میرے تکیے کے نیچے سے نکالا جا رہا ہے۔ میں نے اسے دیکھا تو ستون کی شکل میں ایک بلند نور تھا جسے شام کے علاقے میں گاڑ دیا گیا۔ یقیناً جب فتنے برپا ہوں گے تو شام کی سرزمین میں ایمان اور امان ہوگا۔“ [1] اگر کوئی خواب میں خیمے کا عمود دیکھتا ہے تو اسے عمود کتاب، یعنی دین سے تعبیر کیا جائے گا۔ یا اسے قابل اعتماد آدمی سے تعبیر کیا جائے گا۔ [2]

(٢٥) بَابُ الْإِسْتَبْرَقِ، وَدُخُولِ الْجَنَّةِ فِي الْمَنَامِ

باب: 25- خواب میں ریشمی کپڑے دیکھنا اور جنت میں داخل ہونا

وضاحت: خواب میں ریشم دیکھنا بزرگی اور شرافت کی دلیل ہے کیونکہ ریشم تمام لباسوں سے اعلیٰ ہے اور اسی طرح دین کی تعلیم بھی تمام علوم سے افضل ہے، نیز جنت میں داخل ہونا اسلام میں داخل ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اسلام دخول جنت کا سبب اور ذریعہ ہے۔ [3]

٧٠١٥ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ فِي يَدِي سَرَقَةً مِّنْ حَرِيرٍ لَا أَهْوِي بِهَا إِلَى مَكَانٍ فِي الْجَنَّةِ إِلَّا طَارَتْ بِي إِلَيْهِ، فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ. [راجع: ٤٤٠]

[7015] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ایک ریشم کا ٹکڑا ہے اور میں جنت کے جس مقام کی خواہش کرتا ہوں وہ مجھے اس طرف اڑا لے جاتا ہے۔ میں نے یہ خواب اپنی بہن حفصہ ؓ سے بیان کیا۔

٧٠١٦ - فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «إِنَّ أَخَاكِ رَجُلٌ صَالِحٌ، أَوْ: إِنَّ عَبْدَاللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ». [راجع: ١١٢٢]

[7016] حضرت سیدہ حفصہ ؓ نے یہ خواب نبی ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ”بلاشبہ تمھارے بھائی نیک سیرت آدمی ہیں۔“ یا فرمایا: ”عبداللہ نیک آدمی ہے۔“

فوائد و مسائل: ① دراصل حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی مذکورہ حدیث ان کے دو خوابوں پر مشتمل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ایک موٹے ریشم کا ٹکڑا ہے۔ میں جنت کے جس مقام کا ارادہ کرتا ہوں وہ مجھے وہاں لے جاتا ہے۔ پھر میں نے ایک دوسرے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس دو فرشتے آئے اور مجھے آگ کی طرف لے گئے۔ انھیں ایک تیسرا فرشتہ ملا تو اس نے کہا: عبداللہ! گھبرانے کی ضرورت نہیں، پھر ان سے مخاطب ہوا کہ اسے چھوڑ دو۔ میں نے یہ خواب حضرت حفصہ ؓ سے بیان کیا۔ انھوں نے اس کا ایک حصہ (جو آگ والا تھا)

1 المستدرك للحاكم: 509/4. 2 فتح الباري: 503/12. 3 عمدة القاري: 296/16.

رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ''عبداللہ اچھا آدمی ہے اگر قیام اللیل کا اہتمام کیا کرے۔''[1] اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رات کو بہت کم سوتے تھے۔[2] ② حافظ ابن حجر نے ایک روایت کی نشاندہی کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بہت سوتے تھے اور جس فرشتے نے خواب میں آپ کو تسلی دی تھی اس نے کہا کہ نماز سے سستی نہ کیا کرو۔ آپ اچھے آدمی ہیں صرف نماز تہجد کے اہتمام کی کمی ہے۔[3] بہرحال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا مذکورہ ارشاد گرامی اس خواب کا حصہ ہے جس میں انھیں آگ سے ڈرایا گیا تھا اور ایک فرشتے نے انھیں تسلی دی تھی کہ گھبرانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ آپ اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ آپ نماز تہجد پڑھنے کا اہتمام کیا کریں۔ واللّٰہ أعلم.

(٢٦) بَابُ الْقَيْدِ فِي الْمَنَامِ

باب: 26- حالت خواب میں پاؤں میں بیڑیاں دیکھنا

وضاحت: اہل تعبیر کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بحالت خواب پاؤں میں بیڑیاں دیکھتا ہے تو یہ اس کے ایمان میں ثابت قدم رہنے کی علامت ہے بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی قرینہ نہ ہو، مثلاً: اگر کوئی مسافر یا مریض ایسا دیکھتا ہے تو یہ اس کے سفر یا بیماری کے طویل اور لمبے ہونے کی دلیل ہے یا کوئی اپنے پاؤں میں چاندی کی بیڑی دیکھتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ عنقریب شادی کرے گا۔ اگر وہ بیڑی سونے کی ہے تو ایسا شخص زیادہ مال کا متلاشی اور طلب گار ہے۔ وہ لکڑی کی ہے تو کسی ایسے معاملے کے لیے ہے جس میں نفاق ہوگا اور اگر وہ کپڑے یا دھاگے کی ہے تو اس کی موجودہ حالت جلد ختم ہونے کی علامت ہے۔ واللّٰہ أعلم.[4]

٧٠١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَبَّاحٍ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ عَوْفًا قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ سِيرِينَ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ، وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ» وَمَا كَانَ مِنَ النُّبُوَّةِ فَإِنَّهُ لَا يَكْذِبُ - قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَنَا أَقُولُ هٰذِهِ - قَالَ:

[7017] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس وقت (دن رات کا) زمانہ قریب ہوجائے تو مومن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا کیونکہ مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور جو نبوت سے ہو وہ جھوٹ نہیں ہوتا۔'' محمد بن سیرین کہتے ہیں: میں بھی یہی کہتا ہوں۔

وَكَانَ يُقَالُ: الرُّؤْيَا ثَلَاثٌ: حَدِيثُ النَّفْسِ، وَتَخْوِيفُ الشَّيْطَانِ، وَبُشْرَى مِنَ اللهِ،

کہا جاتا ہے کہ خواب تین طرح کے ہیں: دل کے خیالات، شیطان کا ڈرانا اور اللہ کی طرف سے خوشخبری۔

---

1 صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1157,1156. 2 صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1122. 3 فتح الباري: 505/12. 4 فتح الباري: 505/12.

فَمَنْ رَأَى شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلَا يَقُصُّهُ عَلَى أَحَدٍ وَّلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ، قَالَ: وَكَانَ يَكْرَهُ الْغُلَّ فِي النَّوْمِ وَكَانَ يُعْجِبُهُمُ الْقَيْدُ وَيُقَالُ: اَلْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِي الدِّينِ.

جس نے خواب میں کسی بری چیز کو دیکھا تو چاہیے کہ اسے کسی سے بیان نہ کرے اور کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ حضرت ابن سیرین نے کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خواب میں طوق کو ناپسند کرتے تھے اور بیڑیاں دیکھنے کو اچھا سمجھتے تھے کیونکہ اس سے مراد دین میں ثابت قدمی ہے۔

وَرَوَاهُ قَتَادَةُ وَيُونُسُ وَهِشَامٌ وَأَبُو هِلَالٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَأَدْرَجَهُ بَعْضُهُمْ كُلَّهُ فِي الْحَدِيثِ، وَحَدِيثُ عَوْفٍ أَبْيَنُ.

قتادہ، یونس، ہشام اور ابو ہلال نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے، انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔ کچھ راویوں نے یہ تمام باتیں حدیث میں شمار کی ہیں لیکن عوف کی مذکورہ روایت زیادہ واضح ہے۔

وَقَالَ يُونُسُ: لَا أَحْسِبُهُ إِلَّا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْقَيْدِ.

یونس نے کہا: بیڑی کے متعلق روایت کو میں نبی ﷺ کی حدیث ہی خیال کرتا ہوں۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: لَا تَكُونُ الْأَغْلَالُ إِلَّا فِي الْأَعْنَاقِ.

ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا: طوق ہمیشہ گردنوں میں ہوتے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① قرب قیامت کے وقت مومن انسان کا کوئی غمخوار نہیں ہوگا تو اچھے خوابوں کے ذریعے سے اس کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ ② اس حدیث میں خواب کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں: ○ نفسانی خیالات: بیداری کے وقت جو خیالات ذہن میں ہوں وہی خواب میں سامنے آجاتے ہیں۔ ○ شیطانی خواب: شیطان دراندازی کر کے انسان کو پریشان اور فکر مند کرتا ہے۔ ○ بشارت: اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت اور خوشخبری ہوتے ہیں اور باعث خیر و برکت قرار دیے جاتے ہیں۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے چند ایک دوسرے خواب ذکر کیے ہیں، مثلاً: ○ شیطان کا کھیلنا: جیسا کہ آدمی بے تکے خواب دیکھے کہ اس کا سر کٹا ہوا ہے اور وہ آدمی اس کٹے ہوئے سر کے پیچھے بھاگتا ہے، اسے رسول اللہ ﷺ نے شیطانی کھیل قرار دیا ہے۔ ○ انسانی عادت: انسان روٹی کھاتے کھاتے مرگیا تو حسب عادت وہ خواب میں روٹی کھائے گا یا بھوکا سویا ہے تو خواب میں قے کرتا ہوا نظر آئے گا۔ ○ مزاج کا مد وجزر: اگر کوئی شخص خود کو پانی میں تیرتا یا برف دیکھتا ہے تو ایسا بلغم کے اضافے کی وجہ سے ہوگا، یعنی اخلاط (بدن کی چار رطوبتیں جو غذا تحلیل ہونے سے پیدا ہوتی ہیں) کی کمی بیشی بھی خواب پر اثر انداز ہوتی ہے۔[1] ④ بہرحال خواب میں طوق دیکھنا اچھا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اہل جہنم کی صفت قرار دیا ہے اور پاؤں میں بیڑی کو پسند کیا گیا ہے کہ اس سے انسان چل پھر نہیں سکتا، گویا نافرمانی، گناہوں اور باطل سے رک جانے کی طرف اشارہ ہے۔ واللّٰہ أعلم.

1 فتح الباري: 509/12.

(٢٧) بَابُ الْعَيْنِ الْجَارِيَةِ فِي الْمَنَامِ

باب:27-خواب میں جاری چشمہ دیکھنا

وضاحت: اگر کوئی خواب میں جاری چشمہ دیکھتا ہے تو اس کی تعبیر کئی ایک طرح سے کی جاتی ہے، مثلاً: ○ اگر پانی صاف ستھرا اور شفاف ہے تو اعمال صالحہ سے تعبیر ہوگی۔ ○ اگر پانی گندا ہے تو اس کی تعبیر بدکرداری سے ہوگی جو باعث اذیت ہے۔ ○ چشمے کا پانی باعث خیر و برکت ہوتا ہے بشرطیکہ اس کا مالک نیک اور صالح انسان ہو۔ ○ اگر وہ نیک نہیں ہے تو اسے کوئی مصیبت آئے گی جس سے پس ماندگان آنسو بہائیں گے۔[1]

٧٠١٨ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أُمِّ الْعَلَاءِ وَهِيَ امْرَأَةٌ مِّنْ نِّسَائِهِمْ بَايَعَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَتْ: طَارَ لَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ فِي السُّكْنَى حِينَ اقْتَرَعَتِ الْأَنْصَارُ عَلَى سُكْنَى الْمُهَاجِرِينَ، فَاشْتَكَى فَمَرَّضْنَاهُ حَتَّى تُوُفِّيَ، ثُمَّ جَعَلْنَاهُ فِي أَثْوَابِهِ فَدَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ: رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ، فَشَهَادَتِي عَلَيْكَ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللهُ. قَالَ: «وَمَا يُدْرِيكِ؟» قُلْتُ: لَا أَدْرِي وَاللهِ، قَالَ: «أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ، إِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ مِنَ اللهِ، وَاللهِ مَا أَدْرِي - وَأَنَا رَسُولُ اللهِ - مَا يُفْعَلُ بِهِ وَلَا بِكُمْ». قَالَتْ أُمُّ الْعَلَاءِ: فَوَاللهِ لَا أُزَكِّي أَحَدًا بَعْدَهُ. قَالَتْ: وَرَأَيْتُ لِعُثْمَانَ فِي النَّوْمِ عَيْنًا تَجْرِي فَجِئْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ: «ذَاكِ عَمَلُهُ يَجْرِي لَهُ». [راجع: ١٢٤٣]

[7018] حضرت ام العلاء ؓ سے روایت ہے، جو انصار کی عورتوں سے ہیں اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی، فرماتی ہیں: جب انصار نے مہاجرین کے قیام کے لیے قرعہ اندازی کی تو حضرت عثمان بن مظعون ؓ کا قرعہ ہمارے نام نکلا۔ وہ ہمارے ہاں آکر بیمار ہو گئے۔ ہم نے ان کی تیمارداری کی لیکن وہ اس بیماری میں وفات پا گئے۔ ہم نے انھیں ان کے کپڑوں میں کفن دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے تو میں نے کہا: ابوسائب! تم پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ میری گواہی ہے کہ تمھیں اللہ نے عزت بخشی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا؟“ میں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا: ”بلاشبہ اسے موت آچکی ہے اور میں اس کے لیے خیر و برکت کی امید رکھتا ہوں لیکن اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہونے کے باوجود نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور تمھارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟“ حضرت ام العلاء ؓ نے کہا: اللہ کی قسم! اس کے بعد میں کسی کا تزکیہ نہیں کروں گی۔ انھوں نے مزید کہا: میں نے خواب میں حضرت عثمان بن مظعون ؓ کے لیے ایک جاری چشمہ دیکھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت

---

[1] فتح الباري: 513/12.

میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ ان کا نیک عمل ہے جس کا ثواب ان کے لیے جاری رہے گا۔''

فائدہ: ممکن ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں صدقۂ جاریہ کی حیثیت رکھنے والے کام کیے ہوں جو خواب میں چشمۂ جاری کی صورت میں دکھائے گئے ہوں، مثلاً: ○ ان کا ایک بیٹا حضرت سائب رضی اللہ عنہ تھا جس نے غزوۂ بدر اور اس کے علاوہ غزوات میں شرکت کی اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوا۔ ○ وہ اہل قریش میں سے مالدار آدمی تھے، بعید نہیں کہ انھوں نے اپنا مال ایسی جگہ خرچ کیا ہو جو صدقۂ جاری کی حیثیت رکھتا ہو۔ ○ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہتھیار بند رہنے والے کا عمل بھی مرنے کے بعد جاری رہتا ہے، ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہر وقت مرابط کی حیثیت سے رہتے ہوں۔[1]

(٢٨) بَابُ نَزْعِ الْمَاءِ مِنَ الْبِئْرِ حَتَّى يَرْوَى النَّاسُ

باب: 28- خواب میں کنویں سے پانی نکالنا حتی کہ لوگ سیراب ہو جائیں

رَوَاهُ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس مضمون کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کی ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو خود ہی اس عنوان کے تحت متصل سند سے بیان کیا ہے جس کی صراحت آئندہ ہوگی۔[2]

٧٠١٩ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ كَثِيرٍ: حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ: حَدَّثَنَا نَافِعٌ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا حَدَّثَهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «بَيْنَا أَنَا عَلَى بِئْرٍ أَنْزِعُ مِنْهَا إِذْ جَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَّعُمَرُ، فَأَخَذَ أَبُو بَكْرٍ الدَّلْوَ، فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ فَغَفَرَ اللهُ لَهُ، ثُمَّ أَخَذَهَا عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ مِنْ يَدِ أَبِي بَكْرٍ فَاسْتَحَالَتْ فِي يَدِهِ غَرْبًا، فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِّنَ النَّاسِ يَفْرِي فَرْيَهُ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ». [راجع: ٣٦٣٤]

[7019] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک دفعہ میں کنویں سے پانی نکال رہا تھا کہ اچانک میرے پاس ابوبکر اور عمر آئے اور پھر ابوبکر نے ڈول لے لیا اور ایک یا دو ڈول پانی نکالا۔ ان کے پانی نکالنے میں کچھ کمزوری تھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ انھوں نے ابوبکر کے ہاتھ سے ڈول لے لیا اور وہ ڈول ان کے ہاتھ میں بڑا ڈول بن گیا۔ میں نے لوگوں میں کسی ماہر کو نہیں دیکھا جو عمر کی طرح پانی کھینچتا ہو حتی کہ لوگوں نے اونٹوں کے پینے کے لیے پانی سے حوض بھر لیے۔''

[1] فتح الباري: 514/12. [2] صحيح البخاري، التعبير، حديث: 7021.

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ایک خواب بیان ہوا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا خواب وحی ہوتا تھا۔ اس کی تعبیر خلافت و امارت کا عمل ہے۔ پانی نکالنا لوگوں کے لیے اجتماعی خدمات سرانجام دینا ہے۔ خلافت کا عمل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو یا تین سال کیا۔ ان کے دور خلافت میں داخلی انتشار کی وجہ سے فتوحات نہ ہوسکیں جس کی طرف کمزوری کی صورت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عمل کو سنبھالا تو انھوں نے پوری قوت کے ساتھ اس عمل کو سر انجام دیا، فتوحات ہوئیں، اسلامی حکومت خوب وسیع ہوئی، مال غنیمت سے لوگوں میں آسودگی آئی اور داخلی طور پر بھی استحکام پیدا ہوا۔ ② اس خواب میں واضح اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کا عمل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چلائیں گے، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس منصب پر فائز ہوں گے۔ واللّٰہ أعلم.

(٢٩) بَابُ نَزْعِ الذَّنُوبِ وَالذَّنُوبَيْنِ مِنَ الْبِئْرِ بِضَعْفٍ

باب: 29- خواب میں کنویں سے پانی کے ایک یا دو ڈول کمزوری کے ساتھ نکالنا

٧٠٢٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رُؤْيَا النَّبِيِّ ﷺ فِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، قَالَ: «رَأَيْتُ النَّاسَ اجْتَمَعُوا فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ، وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ، وَاللهُ يَغْفِرُ لَهُ، ثُمَّ قَامَ ابْنُ الْخَطَّابِ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا، فَمَا رَأَيْتُ فِي النَّاسِ مَنْ يَفْرِي فَرْيَهُ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ». [راجع: ٣٦٣٤]

[7020] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نبی ﷺ کا ایک خواب بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ جمع ہو گئے ہیں۔ اس دوران میں ابوبکر کھڑے ہوئے، انھوں نے ایک یا دو ڈول پانی نکالا۔ ان کے پانی نکالنے میں کچھ کمزوری تھی۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ پھر ابن خطاب کھڑے ہوئے تو ڈول ایک بڑے ڈول کی شکل اختیار کر گیا۔ میں نے لوگوں میں کسی کو اتنی مہارت کے ساتھ پانی نکالتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ لوگوں نے حوض بھر لیے۔“

٧٠٢١ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي سَعِيدٌ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي عَلَى قَلِيبٍ وَعَلَيْهَا دَلْوٌ فَنَزَعْتُ مِنْهَا مَا شَاءَ اللهُ، ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ فَنَزَعَ مِنْهَا ذَنُوبًا أَوْ

[7021] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں سو رہا تھا کہ اس دوران میں نے خود کو ایک کنویں پر دیکھا۔ وہاں ایک ڈول بھی تھا۔ جس قدر اللہ کو منظور تھا میں نے اس سے پانی نکالا۔ پھر اس ڈول کو ابن ابوقحافہ نے لے لیا۔ انھوں نے ایک یا دو ڈول نکالے اور ان کے پانی نکالنے میں کچھ کمزوری تھی، اللہ

ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ، وَاللهُ يَغْفِرُ لَهُ، ثُمَّ اسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَأَخَذَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِّنَ النَّاسِ يَنْزِعُ نَزْعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ». [راجع: ٣٦٦٤]

تعالیٰ ان کی بخشش کرے۔ پھر وہ ڈول ایک بڑا ڈول بن گیا اور اسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اٹھا لیا۔ میں نے کسی ماہر کو عمر کی طرح پانی کھینچتے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ لوگوں نے اونٹوں کے پینے کے لیے حوض بھر لیے۔"

فوائد ومسائل: ① حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب حکومت سنبھالی تو انھیں کئی قسم کے فتنوں کا سامنا کرنا پڑا، فتنۂ مانعین زکاۃ، فتنۂ ارتداد اور فتنۂ ختم نبوت ان میں برسرِفہرست تھے۔ آپ ان کی سرکوبی کے لیے سرگرم رہے، رفاہی اور سماجی کاموں کے لیے آپ کو وقت نہ مل سکا اور نہ آپ کے دور خلافت میں فتوحات ہی کا سلسلہ جاری ہوا۔ ② حدیث میں جس کمزوری کا ذکر ہے اس سے مراد مدت خلافت کی کمی ہے۔ اس میں آپ کی مذمت یا آپ کو نیچا دکھانا مقصود نہیں بلکہ حقیقت حال کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ③ "اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔" یہ کلمات بھی عرب کے ہاں رائج اسلوب کے پیش نظر استعمال ہوئے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں اس کی مزید وضاحت ہے، اس میں ایک دوسرا خواب بیان ہوا ہے۔ حضرت سمرہ بن جندب بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے خواب میں آسمان سے پانی کا ایک ڈول اترتے دیکھا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے اسے اس کے دونوں کناروں سے پکڑا اور اس سے تھوڑا سا پانی پیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے، انھوں نے اسے اس کے دونوں کناروں سے پکڑا اور پیا اور خوب سیر ہو کر اس سے پانی پیا۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پیٹ بھر کر پانی پیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے، انھوں نے اس کے دونوں کناروں سے پکڑا تو وہ (ڈول) ہلا اور اس کے کچھ چھینٹے بھی ان پر پڑے۔[1]

(٣٠) بَابُ الِاسْتِرَاحَةِ فِي الْمَنَامِ

باب: 30- خواب میں آرام کرنا

٧٠٢٢ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ أَنِّي عَلَى حَوْضٍ أَسْقِي النَّاسَ، فَأَتَانِي أَبُو بَكْرٍ فَأَخَذَ الدَّلْوَ مِنْ يَدِي لِيُرِيحَنِي فَنَزَعَ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ وَاللهُ يَغْفِرُ لَهُ، فَأَتَى ابْنُ الْخَطَّابِ فَأَخَذَ مِنْهُ

[7022] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں سویا ہوا تھا، اس دوران میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حوض پر ہوں اور لوگوں کو سیراب کر رہا ہوں، پھر میرے پاس ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور مجھے آرام دینے کے لیے میرے ہاتھ سے ڈول لے لیا، تاہم انھوں نے دو ڈول کھینچے اور ان کے کھینچنے میں کچھ کمزوری تھی، اللہ تعالیٰ انھیں معاف کرے، پھر عمر بن

[1] سنن أبي داود، السنة، حديث: 4637، و مسند أحمد: 21/5.

فَلَمْ يَزَلْ يَنْزِعُ حَتّٰى تَوَلَّى النَّاسُ وَالْحَوْضُ يَتَفَجَّرُ». [راجع: ٣٦٦٤]

خطاب آئے اور ان سے ڈول لے لیا اور وہ دیر تک ڈول نکالتے رہے یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو کر چلے گئے جبکہ حوض برابر جوش مار رہا تھا۔"

فوائد ومسائل: ① اہل تعبیر کا کہنا ہے کہ اگر انسان خواب میں چت لیٹا ہے تو اس کی تعبیر اس کے معاملات کی مضبوطی ہے، نیز دنیا اس کے ہاتھ میں ہو گی کیونکہ سب سے قوی اور مضبوط سہارا زمین پر ٹیک لگانا ہے اور اگر منہ کے بل لیٹ کر آرام کرتا ہے تو معاملہ برعکس ہو گا کیونکہ اس طرح لیٹنے والا کچھ نہیں جانتا کہ کیا ہو رہا ہے۔[1] ② بہرحال یہ حضرات قابل تعریف ہیں جو خواب میں بھی رسول اللہ ﷺ کو آرام پہنچانے کی فکر میں ہیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں بزرگ کتنے خوش نصیب ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو آرام دینے کے صلے میں خود آپ ﷺ کے پہلو میں قیامت تک محو استراحت ہیں۔

(٣١) بَابُ الْقَصْرِ فِي الْمَنَامِ

باب: 31- خواب میں محل دیکھنا

وضاحت: دیندار انسان کا خواب میں محل دیکھنا نیک عمل کرنے کی دلیل ہے اور بے دین انسان کا محل دیکھنا اس کے لیے قید، تنگی اور تنگ دستی کی علامت ہے، نیز محل میں داخل ہونے کی تعبیر شادی وغیرہ سے بھی کی جاتی ہے۔[2]

٧٠٢٣ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: بَيْنَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ، رَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ، فَإِذَا امْرَأَةٌ تَتَوَضَّأُ إِلَى جَانِبِ قَصْرٍ، قُلْتُ: لِمَنْ هٰذَا الْقَصْرُ؟ قَالُوا: لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَذَكَرْتُ غَيْرَتَهُ فَوَلَّيْتُ مُدْبِرًا»، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَبَكٰى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثُمَّ قَالَ: أَعَلَيْكَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَغَارُ؟. [راجع: ٣٢٤٢]

[7023] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا: "میں ایک وقت سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں خود کو جنت میں دیکھا۔ وہاں ایک عورت ایک محل کے کونے میں وضو کر رہی تھی۔ میں نے پوچھا: یہ محل کس کا ہے؟ بتایا کہ یہ محل عمر بن خطاب کا ہے۔ مجھے عمر کی غیرت یاد آ گئی تو میں وہاں سے لوٹ آیا۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا میں آپ پر غیرت کرتا؟

٧٠٢٤ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ ابْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ

[7024] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں (بحالت

1 فتح الباري: 518/12. 2 فتح الباري: 519/12.

مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا أَنَا بِقَصْرٍ مِّنْ ذَهَبٍ، فَقُلْتُ: لِمَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوا: لِرَجُلٍ مِّنْ قُرَيْشٍ، فَمَا مَنَعَنِي أَنْ أَدْخُلَهُ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِلَّا مَا أَعْلَمُ مِنْ غَيْرَتِكَ»، قَالَ: وَعَلَيْكَ أَغَارُ يَا رَسُولَ اللهِ؟.

[راجع: ٣٦٧٩]

خواب) جنت میں داخل ہوا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ سونے کے ایک محل میں داخل ہو رہا ہوں۔ میں نے پوچھا: یہ محل کس کا ہے؟ انھوں نے کہا: یہ محل ایک قریشی مرد کا ہے۔ اے ابن خطاب! مجھے اس کے اندر جانے سے تمھاری غیرت نے روک دیا جسے میں خوب جانتا ہوں۔" حضرت عمر ؓ نے کہا: اللہ کے رسول! کیا میں آپ پر غیرت کر سکتا ہوں؟

فوائد و مسائل: ① ابن قتیبہ اور علامہ خطابی نے اس حدیث کے لفظ "تتوضأ" پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے، یہ اصل میں "شوهاء" ہے جس کے معنی خوبصورت کے ہیں۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ جنت دار تکلیف نہیں کہ وہاں وضو کرنے کی ضرورت ہو۔ لیکن یہ اعتراض برمحل نہیں کیونکہ وہ عورت اس لیے وضو کرتے ہوئے دکھائی گئی تاکہ اس کا حسن دوبالا ہو اور اس کے نور میں اضافہ ہو۔ وہ میل کچیل دور کرنے کے لیے وضو نہیں کرتی تھی کیونکہ جنت اس سے پاک ہے۔ اس بنا پر ان بزرگوں کا صحیح بخاری کے الفاظ پر اعتراض درست نہیں۔ ② علامہ کرمانی ؒ نے کہا ہے کہ تتوضأ کا لفظ وضاءة سے مشتق ہے جس کے معنی نظافت و لطافت کے ہیں۔ وضو سے بھی مشتق ہو سکتا ہے اور جنت کا دار تکلیف نہ ہونا اس امر سے مانع نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ وضو بطور تکلیف نہ ہو۔[1] والله أعلم.

(٣٢) بَابُ الْوُضُوءِ فِي الْمَنَامِ

باب: 32- خواب میں وضو کرنا

وضاحت: اہل تعبیر کہتے ہیں کہ خواب میں وضو کرنا بادشاہ تک پہنچنے کا وسیلہ پانا ہے یا کسی کام کرنے کا ذریعہ ہاتھ آتا ہے۔ اگر خواب میں وضو پورا کر لیا تو میدان میں اس کی مراد پوری ہوگی اور اگر پانی یا کمی کی وجہ سے وضو نہ کر سکا یا اس نے ایسی چیز سے وضو کیا جس سے نماز جائز نہیں ہوتی تو مراد پوری نہ ہوگی۔ اگر خوف زدہ شخص وضو کرے تو اسے امان ملنے کی علامت ہے، نیز اس کے گناہ معاف ہوں گے اور یہ وضو اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔[2]

٧٠٢٥ - حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ

[7025] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، اس دوران میں آپ نے فرمایا: "ایک وقت میں سو رہا تھا کہ میں نے خود کو جنت میں دیکھا، وہاں ایک

1 فتح الباري: 12/519. 2 فتح الباري: 12/520.

رَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ فَإِذَا امْرَأَةٌ تَتَوَضَّأُ إِلَى جَانِبِ قَصْرٍ، فَقُلْتُ: لِمَنْ هٰذَا الْقَصْرُ؟ فَقَالُوا: لِعُمَرَ، فَذَكَرْتُ غَيْرَتَهُ فَوَلَّيْتُ مُدْبِرًا»، فَبَكٰى عُمَرُ وَقَالَ: عَلَيْكَ - بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ - أَغَارُ؟. [راجع: ٣٢٤٢]

عورت محل کے کونے میں وضو کر رہی تھی، میں نے کہا: یہ محل کس کا ہے؟ انھوں نے کہا: یہ محل عمر کا ہے۔ مجھے اس کی غیرت یاد آ گئی تو میں وہاں سے واپس چلا آیا۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو پڑے اور کہا: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں نے آپ پر غیرت کرنی تھی؟

فوائد ومسائل: ① یہ عورت ام سلیم رضی اللہ عنہا تھیں۔ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے انھیں بحالت خواب جنت میں دیکھا تھا، وہ اس وقت زندہ تھیں۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ یقیناً اہل جنت میں سے ہیں کیونکہ اہل تعبیر کا کہنا ہے کہ اگر کوئی کسی کو جنت میں دیکھتا ہے تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا بالخصوص جبکہ خواب دیکھنے والے تمام مخلوق سے راست باز اور سچے ہوں، انھیں عمر رضی اللہ عنہ کے محل کے قریب دیکھنا اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[1] واللہ أعلم. ② یقیناً جو آدمی خواب میں وضو کرتا ہے یا کسی کو وضو کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو بہت ہی خوش قسمت ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ہم سب کو خیر و برکت سے نوازے۔ آمین!

(٣٣) بَابُ الطَّوَافِ بِالْكَعْبَةِ فِي الْمَنَامِ

باب: 33- خواب میں کعبہ کا طواف کرنا

وضاحت: خواب میں کعبہ کا طواف کرنے کی اہل تعبیر کے ہاں تعبیر یہ ہے کہ وہ حج کرے گا یا شادی رچائے گا اور حاکم وقت کے ہاں اس کا مقصد پورا ہوگا۔ والدین سے حسن سلوک کرے گا یا وہ کسی عالم دین کی خدمت کرے گا، سرکاری امور سرانجام دینا، یعنی سرکاری ملازمت بھی اس کی تعبیر ہو سکتی ہے۔[2] اگر خواب دیکھنے والا شخص نرم دل ہے تو اس خواب کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ شخص اپنے مالک کا خیر خواہ ہوگا۔

٧٠٢٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبِطُ الشَّعَرِ بَيْنَ رَجُلَيْنِ يَنْطِفُ رَأْسُهُ مَاءً، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا: ابْنُ مَرْيَمَ، فَذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ فَإِذَا رَجُلٌ

[7026] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک دفعہ میں سو رہا تھا کہ میں نے خود کو کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ اس دوران میں نے ایک گندم گوں آدمی دیکھا جس کے بال سیدھے تھے، وہ دو آدمیوں کے درمیان اس حالت میں تھا کہ اس کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ انھوں نے کہا: یہ عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ پھر میں

1 فتح الباري: 520/12. 2 فتح الباري: 521/12.

أَحْمَرُ جَسِيمٌ جَعْدُ الرَّأْسِ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ، قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا: الدَّجَّالُ، أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ»، وَابْنُ قَطَنٍ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي الْمُصْطَلِقِ مِنْ خُزَاعَةَ. [راجع: ٣٤٤٠]

جانے لگا تو اچانک ایک سرخ، بھاری جسم والے پر نظر پڑی جس کے بال گھنگریالے تھے اور وہ دائیں آنکھ سے کانا تھا، گویا اس کی آنکھ ابھرے ہوئے انگور کی طرح تھی۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ انھوں نے بتایا: یہ دجال ہے۔ اس کی شکل و صورت ابن قطن سے ملتی جلتی تھی۔" ابن قطن خزاعہ قبیلے سے بنو مصطلق کا ایک فرد تھا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سر سے پانی ٹپکنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بال بہت سفید اور نورانی تھے، ان کی لطافت و نظافت کو پانی کے قطرے ٹپکنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ کے تھے،[1] جبکہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قسم اٹھا کر اس بات کا انکار کرتے تھے۔[2] ممکن ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ نہ سنے ہوں یا سننے کے بعد سہو و نسیان کا شکار ہو گئے ہوں۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خالص سرخ رنگ کے نہ تھے بلکہ اس میں سفیدی بھی تھی بلکہ ایک روایت میں صراحت ہے کہ ان کے رنگ میں سرخ اور سفید دونوں کی جھلک تھی۔[3] ③ دجال اپنے ظاہر ہونے کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو اس کے ظاہر ہونے سے پہلے خواب کی حالت میں دیکھا ہے۔ واللہ أعلم.

(٣٤) بَابٌ: إِذَا أَعْطَى فَضْلَهُ غَيْرَهُ فِي النَّوْمِ

باب: 34- جب کسی نے خواب میں اپنا بچا ہوا کسی دوسرے کو دیا

٧٠٢٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَجْرِي، ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلَهُ عُمَرَ»، قَالُوا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «الْعِلْمَ». [راجع: ٨٢]

[7027] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "میں ایک دفعہ سو رہا تھا، اچانک میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا۔ میں نے اس سے خوب سیر ہو کر نوش کیا حتی کہ میں نے سیرابی کو ہر رگ و پے میں پایا۔ پھر میں نے بچا ہوا عمر کو دے دیا۔" صحابۂ کرام نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی ہے؟ آپ نے فرمایا: "علم۔"

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3438. [2] صحيح البخاري، حديث: 3441. [3] صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3239، و فتح الباري: 6/593.

فوائد ومسائل: ① خواب میں دودھ پینا اس کی تعبیر علم شریعت حاصل کرنا ہے جو فطرت اسلام سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ علم نبوی کے پوری طرح حامل تھے لیکن کچھ لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت گوارا نہیں۔ انھوں نے اس کے مقابلے میں ایک حدیث گھڑ لی ہے: ''میں علم کا شہر ہوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہے۔'' گویا علم نبوت کا حاصل کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بغیر ناممکن ہے۔ اس روایت کو امام حاکم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔[1] امام ذہبی رحمہ اللہ اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہ روایت موضوع اور خود ساختہ ہے اور اس کا راوی ابو صلت نہ ثقہ ہے اور نہ باعث اطمینان۔[2] امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ روایت جھوٹ کا پلندہ ہے اور اس کی کوئی بنیاد نہیں۔[3] امام جوزی رحمہ اللہ نے اس روایت کے تمام طرق پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے، انھوں نے اس روایت کو عقلی اور نقلی لحاظ سے بے بنیاد قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حدیث کسی بھی طریق سے صحیح ثابت نہیں ہے۔[4] اس روایت کے دوسرے الفاظ جنھیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، وہ یہ ہیں: ''میں دانائی کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔''[5] امام ترمذی رحمہ اللہ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ حدیث مضطرب ہونے کے ساتھ ساتھ بے بنیاد بھی ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ روایت محض جھوٹ ہے۔[6] امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔[7] شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے۔[8] اس کی تفصیل فتاویٰ اصحاب الحدیث، جلد: 1 (50، 51) میں دیکھی جا سکتی ہے جسے راقم نے مرتب کیا ہے۔

(٣٥) بَابُ الْأَمْنِ وَذَهَابِ الرَّوْعِ فِي الْمَنَامِ	باب: 35- خواب میں امن اور گھبراہٹ کا دور ہوتا دیکھنا

وضاحت: اہل تعبیر کے ہاں اگر کوئی خواب میں کسی چیز سے ڈرتا ہے تو بیداری میں اس سے امن پائے گا اور اگر کوئی خواب میں کسی چیز سے امن میں ہے تو اس کی تعبیر برعکس ہوگی، یعنی وہ بیداری میں اس سے ضرور ڈرے گا۔[9]

٧٠٢٨ - حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ: حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ: إِنَّ رِجَالًا مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ كَانُوا يَرَوْنَ الرُّؤْيَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَيَقُصُّونَهَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَيَقُولُ فِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا شَاءَ اللهُ

[7028] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کچھ صحابۂ کرام خواب دیکھتے، پھر اسے رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے تو رسول اللہ ﷺ اس کی تعبیر کرتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا۔ میں اس وقت نو عمر لڑکا تھا۔ نکاح کرنے سے پہلے میرا گھر مسجد ہی تھا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر تجھ میں کوئی

1 المستدرك للحاكم: 126/3. 2 تلخيص المستدرك: 126/3. 3 تاريخ بغداد: 205/11. 4 الموضوعات: 353/1. 5 جامع الترمذي، المناقب، حديث: 3723. 6 أحاديث القصاص، ص: 78. 7 الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة، ص: 248. 8 ضعيف الجامع الصغير، حديث: 1416. 9 فتح الباري: 522/12.

وَأَنَا غُلَامٌ حَدِيثُ السِّنِّ وَبَيْتِي الْمَسْجِدُ قَبْلَ أَنْ أَنْكِحَ، فَقُلْتُ فِي نَفْسِي: لَوْ كَانَ فِيكَ خَيْرٌ لَرَأَيْتَ مِثْلَ مَا يَرَى هٰؤُلَاءِ، فَلَمَّا اضْطَجَعْتُ لَيْلَةً قُلْتُ: اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ فِيَّ خَيْرًا فَأَرِنِي رُؤْيَا، فَبَيْنَا أَنَا كَذٰلِكَ إِذْ جَاءَنِي مَلَكَانِ فِي يَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِقْمَعَةٌ مِّنْ حَدِيدٍ يُقْبِلَانِ بِي إِلٰى جَهَنَّمَ، وَأَنَا بَيْنَهُمَا أَدْعُو اللهَ: اللّٰهُمَّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ جَهَنَّمَ، ثُمَّ أُرَانِي لَقِيَنِي مَلَكٌ فِي يَدِهِ مِقْمَعَةٌ مِّنْ حَدِيدٍ فَقَالَ: لَمْ تُرَعْ، نِعْمَ الرَّجُلُ أَنْتَ لَوْ تُكْثِرُ الصَّلَاةَ، فَانْطَلَقُوا بِي حَتّٰى وَقَفُوا بِي عَلٰى شَفِيرِ جَهَنَّمَ فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ لَهُ قُرُونٌ كَقُرُونِ الْبِئْرِ، بَيْنَ كُلِّ قَرْنَيْنِ مَلَكٌ بِيَدِهِ مِقْمَعَةٌ مِّنْ حَدِيدٍ. وَأَرٰى فِيهَا رِجَالًا مُعَلَّقِينَ بِالسَّلَاسِلِ رُؤُوسُهُمْ أَسْفَلَهُمْ، عَرَفْتُ فِيهَا رِجَالًا مِّنْ قُرَيْشٍ، فَانْصَرَفُوا بِي عَنْ ذَاتِ الْيَمِينِ. [راجع: ٤٤٠]

خیر ہوتی تو تجھے بھی ان لوگوں کی طرح کے خواب آتے، چنانچہ ایک دفعہ جب میں لیٹا تو دل میں کہا: اے اللہ! اگر تو مجھ میں کوئی بھلائی دیکھتا ہے تو مجھے کوئی خواب دکھا۔ سونے کے بعد اچانک میرے پاس دو فرشتے آئے، ان میں سے ہر ایک کے پاس لوہے کا ہتھوڑا تھا۔ وہ مجھے دوزخ کی طرف لے گئے اور میں ان کے درمیان اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے جا رہا تھا: اے اللہ! میں جہنم سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ پھر مجھے یہ دکھایا گیا کہ مجھے ایک فرشتہ ملا۔ اس کے ہاتھ میں بھی لوہے کا ہتھوڑا تھا۔ اس نے مجھے تسلی دی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تم اچھے آدمی ہو اگر تم زیادہ نماز پڑھنے کا اہتمام کرو۔ بہر حال وہ مجھے لے گئے اور دوزخ کے کنارے مجھے لا کھڑا کیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ جہنم، کنویں کی طرح گول ہے۔ اس کی لکڑیاں ہیں جیسا کہ کنویں کے اوپر لکڑیاں گاڑی ہوتی ہیں۔ ہر دو لکڑیوں کے درمیان ایک فرشتہ تھا جس کے ہاتھ میں لوہے کا ہتھوڑا تھا۔ میں نے دوزخ میں ایسے لوگ دیکھے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ ان کے سر نیچے تھے۔ میں نے اس سے کچھ قریش کے لوگ دیکھے جنھیں میں نے پہچان لیا۔ پھر وہ (فرشتے) مجھے دائیں جانب لے کر چلے۔

٧٠٢٩ - فَقَصَصْتُهَا عَلٰى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ عَبْدَ اللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ». فَقَالَ نَافِعٌ: لَمْ يَزَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ يُكْثِرُ الصَّلَاةَ. [راجع: ١١٢٢]

[7029] میں نے اس خواب کا ذکر (اپنی ہمشیرام المومنین) حضرت حفصہ ؓ سے کیا۔ حضرت حفصہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ”عبداللہ اچھا آدمی ہے (اگر وہ تہجد کا اہتمام کرے)“۔ (راوی حدیث) حضرت نافع نے کہا: اس خواب کے بعد ابن عمر ؓ نماز (تہجد) کا بہت خیال کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① ابن بطال کہتے ہیں کہ کچھ خواب ایسے ہوتے ہیں جن کی تعبیر نہیں کی جاتی جیسا کہ مذکورہ خواب میں

رسول اللہ ﷺ نے کوئی تعبیر نہیں کی بلکہ جو کچھ انھوں نے خواب میں دیکھا تھا اسے بیان کر دیا۔ خواب میں فرشتے نے انھیں کہا تھا کہ تم اچھے آدمی ہو کاش کہ نماز تہجد کا اہتمام کر لو، رسول اللہ ﷺ نے وہی الفاظ ادا فرمائے۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ تعبیر کا منبع حضرات انبیاء ﷺ کے ارشادات ہیں جیسا کہ خود حضرت ابن عمر ؓ اس کی خواہش رکھتے تھے لیکن خوابوں کی تعبیر حضرات انبیاء ﷺ سے بہت کم واقع ہوئی ہے۔ بہرحال اسے بنیاد بنا کر اس فن کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے جیسا کہ ایک فقیہ مسائل کا استنباط کرتا ہے اور اس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو قرار دیتا ہے۔ ③ اگرچہ یہ علم توقیفی نہیں ہے لیکن اس علم کی بنیاد حضرات انبیاء ﷺ کی تعبیروں کو قرار دینا چاہیے، اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے کتاب و سنت کی طرف رجوع ہی بہتر اور خیر و برکت کا باعث ہے۔[1]

(٣٦) بَابُ الْأَخْذِ عَلَى الْيَمِينِ فِي النَّوْمِ

باب: 36- خواب میں خود کو دائیں جانب چلتے دیکھنا

٧٠٣٠ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كُنْتُ غُلَامًا شَابًّا عَزَبًا فِي عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَكُنْتُ أَبِيتُ فِي الْمَسْجِدِ، وَكَانَ مَنْ رَأَى مَنَامًا قَصَّهُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ: اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ لِي عِنْدَكَ خَيْرٌ فَأَرِنِي مَنَامًا يُعَبِّرُهُ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَنِمْتُ فَرَأَيْتُ مَلَكَيْنِ أَتَيَانِي فَانْطَلَقَا بِي فَلَقِيَهُمَا مَلَكٌ آخَرُ فَقَالَ لِي: لَنْ تُرَاعَ، إِنَّكَ رَجُلٌ صَالِحٌ، فَانْطَلَقَا بِي إِلَى النَّارِ فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ، فَإِذَا فِيهَا نَاسٌ قَدْ عَرَفْتُ بَعْضَهُمْ فَأَخَذَانِي ذَاتَ الْيَمِينِ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِحَفْصَةَ. [راجع: ٤٤٠]

[7030] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کنوارا نوجوان تھا۔ رات کو میں مسجد میں سوتا تھا۔ جو شخص بھی کوئی خواب دیکھتا وہ اسے نبی ﷺ سے بیان کرتا تھا۔ میں نے ایک دن اپنے دل میں کہا: اے اللہ! اگر تیرے ہاں میری کوئی بھلائی ہے تو مجھے بھی کوئی خواب دکھا، رسول اللہ ﷺ اس کی تعبیر کریں، چنانچہ میں سویا تو میں نے خواب میں دو فرشتے دیکھے جو میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ ان دونوں سے ایک تیسرا فرشتہ بھی آ ملا اور اس نے مجھ سے کہا: مت گھبراؤ تم نیک آدمی ہو۔ بہرحال وہ مجھے دوزخ کی طرف لے گئے۔ اس کی کنویں کی طرح منڈیر بنی ہوئی تھی۔ میں نے اس میں کچھ لوگوں کو دیکھا۔ ان میں سے بعض کو میں پہچانتا ہوں۔ پھر وہ دونوں فرشتے مجھے دائیں طرف لے گئے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے اس خواب کا ذکر حضرت حفصہ ؓ سے کیا۔

٧٠٣١ - فَزَعَمَتْ حَفْصَةُ أَنَّهَا قَصَّتْهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «إِنَّ عَبْدَ اللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ لَوْ

[7031] ام المومنین حضرت حفصہ ؓ نے نبی ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: ''عبداللہ نیک آدمی ہے

[1] فتح الباري: 523/12.

كَانَ يُكْثِرُ الصَّلَاةَ مِنَ اللَّيْلِ».

اگر وہ رات کو بکثرت نماز پڑھے۔"

قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بَعْدَ ذٰلِكَ يُكْثِرُ الصَّلَاةَ مِنَ اللَّيْلِ. [راجع: ١١٢٢]

امام زہری نے کہا: اس (فرمانِ رسول) کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات میں نفل نماز زیادہ پڑھا کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① اس سے معلوم ہوا کہ اگر بحالت خواب چلتے وقت دائیں جانب اختیار کرتا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن اصحاب الیمین، یعنی اہل جنت میں سے ہوگا۔[1] ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بحالت جوانی نیک اعمال اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی نوجوان تھے اور فرشتے انھیں نیک اعمال، یعنی تہجد ونوافل پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے، پھر انھوں نے اس کا اہتمام کیا، رات بکثرت تہجد پڑھا کرتے تھے کسی نے خوب کہا ہے:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری   وقت پیری گرگ ظالم مے شود پرہیزگار

③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کنوارا آدمی مسجد میں سو سکتا ہے اور خواب بیان کرنے میں کسی کو نائب بنانا بھی جائز ہے۔ واللہ أعلم۔

(٣٧) بَابُ الْقَدَحِ فِي النَّوْمِ

باب: 37- خواب میں پیالہ دیکھنا

٧٠٣٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ». قَالُوا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «الْعِلْمَ». [راجع: ٨٢]

[7032] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "میں ایک وقت سو رہا تھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا، میں نے اس سے (دودھ) پیا، پھر میں نے اپنا بچا ہوا عمر بن خطاب کو دے دیا۔" صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ آپ نے فرمایا: "اس کی تعبیر علم ہے۔"

فوائد ومسائل: ① اہل تعبیر کہتے ہیں کہ خواب میں پیالہ دیکھنا اس کی تعبیر یہ ہے کہ عورت یا اس کی طرف سے کوئی مال حاصل ہوگا۔ اگر پیالہ شیشے کا ہو تو پوشیدہ اسرار و رموز ظاہر ہوں گے۔ اگر وہ پیالہ سونے یا چاندی کا ہو تو لوگ اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوں گے۔[2] اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت روز روشن کی طرح واضح ہے لیکن اس کے باوجود کچھ بدباطن لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنقیص وتوہین کرتے ہیں اور اسے نیکی اور اپنے ایمان کا جز خیال کرتے ہیں۔ قاتلهم الله أنى يؤفكون.

[1] فتح الباري: 524/12. [2] فتح الباري: 524/12.

(٣٨) بَابٌ: إِذَا طَارَ الشَّيْءُ فِي الْمَنَامِ

باب: 38- جب خواب میں کوئی چیز اڑتی ہوئی نظر آئے

٧٠٣٣ - حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْجَرْمِيُّ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ عُبَيْدَةَ بْنِ نَشِيطٍ قَالَ: قَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: سَأَلْتُ عَبْدَاللهِ ابْنَ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ رُؤْيَا رَسُولِ اللهِ ﷺ الَّتِي ذَكَرَ. [راجع: ٣٦٢٠]

[7033] حضرت عبیداللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس ؓ سے رسول اللہ ﷺ کے اس خواب کے متعلق دریافت کیا جو انھوں نے بیان کیا تھا۔

٧٠٣٤ - فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ذُكِرَ لِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ أَنَّهُ وُضِعَ فِي يَدَيَّ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَفُظِعْتُهُمَا وَكَرِهْتُهُمَا، فَأُذِنَ لِي فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا، فَأَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ».

[7034] حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: میرے پاس اس بات کا تذکرہ کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایک دفعہ سویا ہوا تھا، اس دوران میں میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے ہیں تو مجھے ان سے تکلیف پہنچی اور انتہائی ناگواری محسوس ہوئی۔ پھر مجھے اجازت دی گئی تو میں نے ان پر پھونک ماری، چنانچہ وہ دونوں اڑ گئے۔ میں نے ان کی تعبیر یوں کی کہ دو کذاب ظاہر ہوں گے۔''

فَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ: أَحَدُهُمَا الْعَنْسِيُّ الَّذِي قَتَلَهُ فَيْرُوزٌ بِالْيَمَنِ، وَالْآخَرُ مُسَيْلِمَةُ. [راجع: ٣٦٢١]

(راویٔ حدیث) عبیداللہ نے کہا: ان میں سے ایک تو اسود عنسی تھا جسے یمن میں فیروز نے قتل کیا تھا اور دوسرا مسیلمہ کذاب تھا۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے سونے کے کنگنوں کی تعبیر دو انتہائی جھوٹے کذابوں سے فرمائی ہے کیونکہ جھوٹ، خلاف واقعہ خبر دینا اور کلام کو غیر محل میں رکھنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب سونے کے کنگن اپنے ہاتھوں میں دیکھے جو اپنی جگہ میں نہ تھے کیونکہ یہ مردوں کا زیور نہیں بلکہ اسے عورتیں پہنتی ہیں تو آپ ﷺ اس نتیجے پر پہنچے کہ عنقریب دو ایسے کذاب ظاہر ہوں گے جن کا دعویٰ بنی برحقیقت نہیں ہوگا، پھر جب آپ ﷺ کو پھونک مارنے کی اجازت دی گئی اور وہ پھونک سے غائب ہو گئے تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ انھیں استقرار نہیں ہوگا۔ رسول اللہ کو یقین تھا کہ ان دونوں کا معاملہ محض باطل ہے، اس لیے آپ ﷺ نے

فوراً تعبیر کر دی۔[1] ② اہل تعبیر نے لکھا ہے کہ جو شخص خواب میں خود کو اُڑتا ہوا دیکھے تو اگر سیدھا آسمان کی طرف اُڑے تو اسے کوئی نقصان پہنچے گا۔ اگر آسمان سے غائب ہو جائے اور واپس نہ آئے تو اسے جلد موت آ جائے گی، اگر لوٹ آئے تو بیماری سے افاقہ ہوگا، اگر عرض کے بل اڑے تو سفر درپیش ہوگا، پھر اپنی اڑان کی مقدار سے رفعت و بلندی حاصل ہوگی۔[2]

(٣٩) بَابٌ : إِذَا رَأَى بَقَرًا تُنْحَرُ

باب:39- جب خواب میں گائے کو ذبح ہوتے دیکھے

٧٠٣٥ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ، فَذَهَبَ وَهَلِي إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوِ الْهَجَرُ، فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ، وَرَأَيْتُ فِيهَا بَقَرًا، وَاللهُ خَيْرٌ، فَإِذَا هُمُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ أُحُدٍ، وَإِذَا الْخَيْرُ مَا جَاءَ اللهُ مِنَ الْخَيْرِ وَثَوَابِ الصِّدْقِ الَّذِي آتَانَا اللهُ [بِهِ] بَعْدَ يَوْمِ بَدْرٍ».

[راجع: ٣٦٢٢]

[7035] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجوریں ہیں تو میرا ذہن اس طرف گیا کہ وہ مقام یمامہ یا ہجر ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مدینہ، یعنی یثرب ہے۔ اور میں نے خواب میں گائے دیکھی، اور اللہ کے ہاں خیر ہی خیر ہے، تو اس کی تعبیر ان مسلمانوں کی صورت میں آئی جو جنگ اُحد میں شہید ہوئے، اور خیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مال وغیرہ دیا اور سچائی کا بدلہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بدر کے بعد عنایت فرمایا۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں اگرچہ گائے کے متعلق ذبح ہونے کا ذکر نہیں ہے، تاہم امام بخاری ؒ نے اس طریق کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ”میں نے خواب میں دیکھا گویا میں محفوظ قلعے میں ہوں اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ گائے کو ذبح کیا جا رہا ہے۔“[3] اس اضافے سے خواب کی تعبیر پوری ہو جاتی ہے کیونکہ محفوظ قلعے سے مراد مدینہ طیبہ تھا اور گائے کا ذبح ہونا، غزوۂ اُحد میں صحابۂ کرام ؓ کا شہید ہونا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ آپ مدینہ طیبہ ہی میں دفاع کریں، کسی صورت میں باہر نہ نکلیں لیکن صحابۂ کرام ؓ کے اصرار پر آپ ﷺ نے اپنا پروگرام تبدیل کیا اور میدان اُحد میں جانے کی پالیسی اختیار کی، جس کا مذکورہ خواب میں ذکر ہے۔[4] ③ واضح رہے کہ خواب میں ”خیر“ سے مراد وہ فتوحات ہیں جو مسلمانوں کو غزوۂ اُحد کے بعد حاصل ہوئیں۔

(٤٠) بَابُ النَّفْخِ فِي الْمَنَامِ

باب:40- خواب میں پھونک مارنا

٧٠٣٦ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

[7036] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ رسول

[1] فتح الباري: 526/12. [2] فتح الباري: 525/12. [3] مسند أحمد: 351/3. [4] فتح الباري: 527/12.

الْحَنْظَلِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ: هٰذَا مَا حَدَّثَنَا بِهِ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ». [راجع: ۲۳۸]

اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ہم سب امتوں میں سے آخری امت ہیں اور (جنت میں جانے کے اعتبار سے) سب امتوں میں سے پہلی امت ہوں گے۔''

۷۰۳۷ - وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ إِذْ أُتِيتُ خَزَائِنَ الْأَرْضِ، فَوُضِعَ فِي يَدَيَّ سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ فَكَبُرَا عَلَيَّ وَأَهَمَّانِي، فَأُوحِيَ إِلَيَّ أَنِ انْفُخْهُمَا، فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا، فَأَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَيْنِ اللَّذَيْنِ أَنَا بَيْنَهُمَا: صَاحِبَ صَنْعَاءَ، وَصَاحِبَ الْيَمَامَةِ». [راجع: ۳۶۲۱]

[7037] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں سویا ہوا تھا کہ اس دوران میں زمین کے خزانے مجھے پیش کیے گئے، نیز میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھ دیے گئے جو مجھے بہت ناگوار گزرے اور انھوں نے مجھے پریشان کر دیا۔ چنانچہ میری طرف وحی کی گئی کہ میں ان پر پھونک ماردوں۔ میں نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے۔ میں نے ان کی تعبیر دو کذابوں سے کی، جن کے درمیان میں ہوں: ایک صاحب صنعاء اور دوسرا صاحب یمامہ ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اسود عنسی کا ظہور رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اس طرح ہوا کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اسے کچھ پیروکار میسر آئے جنھوں نے علم بغاوت بلند کیا اور انھیں شہرت و غلبہ بھی ملا بالآخر فیروز کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اسی طرح مسیلمہ کذاب نے بھی رسول اللہ ﷺ کے زمانے ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا لیکن اس کا غلبہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں ظاہر نہ ہوا۔ حضرت ابوبکر ؓ کے دور خلافت میں اسے حضرت وحشی ؓ نے کیفر کردار تک پہنچایا۔ ② حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ پھونک مار کر کسی کو اڑانے میں اس کی حقارت مقصود ہے کیونکہ جس چیز کو پھونکا جائے اور وہ پھونکتے ہی اڑ جائے وہ انتہائی حقیر اور کمزور ہوتی ہے جیسا کہ مٹی وغیرہ کو ہاتھوں کے اوپر سے پھونک کے ذریعے سے اڑا دیا جاتا ہے۔ ③ رسول اللہ ﷺ کو سونے کے کنگن نظر آئے لیکن پھونک مارتے ہی وہ غائب ہو گئے، اس سے مقصود بھی نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کی حقارت ہے۔[1]

(۴۱) بَابٌ: إِذَا رَأَى أَنَّهُ أَخْرَجَ الشَّيْءَ مِنْ كُوَّةٍ فَأَسْكَنَهُ مَوْضِعًا آخَرَ

باب: 41- جب خواب میں دیکھا کہ ایک چیز کو کونے سے نکال کر اسے دوسری جگہ رکھ دیا ہے

۷۰۳۸ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي أَخِي عَبْدُ الْحَمِيدِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ

[7038] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے (خواب میں) دیکھا کہ ایک سیاہ عورت، جس کے بال پراگندہ تھے، مدینہ طیبہ سے نکلی

[1] فتح الباري: 12/530.

أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «رَأَيْتُ كَأَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى قَامَتْ بِمَهْيَعَةَ، وَهِيَ الْجُحْفَةُ. فَأَوَّلْتُ أَنَّ وَبَاءَ الْمَدِينَةِ نُقِلَ إِلَيْهَا». [انظر: ٧٠٣٩، ٧٠٤٠]

یہاں تک مہیعہ میں جا کر اس نے پڑاؤ کیا۔ مہیعہ جحفہ کا مقام ہے۔ میں نے اس کی تعبیر کی کہ مدینہ طیبہ کی وبا جحفہ کی طرف منتقل کر دی گئی ہے۔"

فائدہ: جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو اس وقت اس کی آب و ہوا انتہائی خراب اور وبائی تھی۔ مسلمان بیمار ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ کی دعا کے نتیجے میں مدینہ کی فضا خوشگوار ہو گئی اور اس کے وبائی امراض جحفہ منتقل ہو گئے جو مدینہ طیبہ سے چھ میل کے فاصلے پر تھا اور وہاں اس وقت یہودی آباد تھے اور مسلمانوں کو بہت اذیت پہنچاتے تھے۔ خواب میں رسول اللہ ﷺ کو یہی منظر ایک تمثیلی انداز میں دکھایا گیا۔ واللہ أعلم۔

(٤٢) بَابُ الْمَرْأَةِ السَّوْدَاءِ

باب: 42- سیاہ عورت کو خواب میں دیکھنا

٧٠٣٩ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ فِي رُؤْيَا النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَدِينَةِ: «رَأَيْتُ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى نَزَلَتْ بِمَهْيَعَةَ فَتَأَوَّلْتُهَا أَنَّ وَبَاءَ الْمَدِينَةِ يُنْقَلُ إِلَى مَهْيَعَةَ» وَهِيَ الْجُحْفَةُ. [راجع: ٧٠٣٨]

[7039] حضرت سالم بن عبداللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مدینہ کے متعلق آپ ﷺ کا خواب بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "میں نے ایک پراگندہ بالوں والی کالی عورت دیکھی جو مدینہ طیبہ سے نکلی اور مہیعہ میں جا کر ٹھہر گئی۔ میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ مدینہ طیبہ کی وبا مہیعہ، یعنی جحفہ منتقل ہو گئی ہے۔"

فوائد و مسائل: ① مہلب نے کہا ہے کہ یہ خواب خود تعبیر شدہ ہے کیونکہ لفظ سوداء سے اس کی تعبیر ماخوذ ہے، یعنی لفظ سوداء اور داء بری بیماری کی طرف واضح اشارہ ہے۔ اس لفظ سے خواب کی تعبیر ظاہر ہو رہی ہے۔ بری بیماری مدینہ طیبہ سے نکل کر جحفہ نامی بستی میں چلی گئی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: "اے اللہ! مدینہ ہمارے لیے خوشگوار اور محبوب بنا دے اور اس کے وبائی امراض جحفہ منتقل کر دے۔"[1] ② حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ ان دنوں مدینہ طیبہ وبائی امراض کی لپیٹ میں تھا، چنانچہ آپ ﷺ کی دعا کے بعد مدینہ طیبہ کی آب و ہوا خوشگوار ہو گئی۔[2]

(٤٣) بَابُ الْمَرْأَةِ الثَّائِرَةِ الرَّأْسِ

باب: 43- خواب میں پراگندہ بال عورت کو دیکھنا

٧٠٤٠ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنِي

[7040] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ

1 صحيح البخاري، فضائل المدينة، حديث: 1889. 2 فتح الباري: 532/12.

أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «رَأَيْتُ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى قَامَتْ بِمَهْيَعَةَ، فَأَوَّلْتُ أَنَّ وَبَاءَ الْمَدِينَةِ يُنْقَلُ إِلَى مَهْيَعَةَ» وَهِيَ الْجُحْفَةُ. [راجع: ۷۰۳۸]

نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے خواب میں ایک کالی عورت کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ مدینہ طیبہ سے نکلی اور مہیعہ میں جا کر ٹھہر گئی۔ میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ مدینہ طیبہ کی وبا مہیعہ، یعنی جحفہ منتقل کر دی جائے گی۔''

فوائد ومسائل: [1] اہل تعبیر نے کہا کہ خواب میں ایسی چیز دیکھنا جو ہر طرف سے سیاہ ہو انتہائی مکروہ ہے اور بالوں کی پراگندگی سے بخار کی کیفیت مراد ہے کیونکہ اس سے بدن میں کپکپی پیدا ہو جاتی ہے، بالخصوص سیاہ عورت کے پراگندہ بال تو انتہائی وحشت ناک ہوتے ہیں۔[1] [2] حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ ہم جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت بلال ؓ کو سخت بخار ہوا۔ اس وقت وادیٔ بطحان میں ایک گندا بودار نالہ بہتا تھا جس کی بنا پر مدینہ طیبہ ان دنوں وبائی امراض کی لپیٹ میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تو اس کی فضاء مرطوب اور خوشگوار ہوگئی اور وبائی امراض اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے جحفہ منتقل ہو گئیں۔[2]

(٤٤) بَابٌ: إِذَا هَزَّ سَيْفًا فِي الْمَنَامِ

باب: 44- خواب میں تلوار لہرانا

٧٠٤١ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «رَأَيْتُ فِي رُؤْيَايَ أَنِّي هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهُ فَإِذَا هُوَ مَا أُصِيبَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ، ثُمَّ هَزَزْتُهُ أُخْرَى، فَعَادَ أَحْسَنَ مَا كَانَ، فَإِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللهُ بِهِ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِينَ». [راجع: ۳٦۲۲]

[7041] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میں نے خواب میں خود کو تلوار لہراتے ہوئے دیکھا تو وہ درمیان سے ٹوٹ گئی۔ اس کی تعبیر غزوۂ احد میں مسلمانوں کے شہید ہونے کی صورت میں سامنے آئی۔ پھر میں نے اسے دوبارہ لہرایا تو وہ تلوار پہلے سے بھی اچھی حالت میں لوٹی تو اس کی تعبیر فتح اور مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی صورت میں سامنے آئی۔''

فوائد ومسائل: [1] مہلب نے کہا ہے کہ اس قسم کے خواب ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ [2] تلوار سے مراد رسول اللہ ﷺ کا اپنے صحابۂ کرام ؓ سمیت کفار پر حملہ آور ہونا ہے اور اس کے لہرانے سے مراد مسلمانوں کو لڑنے کا حکم دینا ہے۔ تلوار کا درمیان سے ٹوٹ جانا مسلمانوں کے جانی نقصان کی طرف اشارہ ہے، پھر دوبارہ لہرانے سے اچھی حالت میں واپس ہونے سے

[1] فتح الباري: 532/12. [2] صحيح البخاري، فضائل المدينة، حديث: 1889.

مراد مسلمانوں کا جمع ہونا اور ان کا کافروں پر فتح پانا ہے۔[1] ③ اہل تعبیر نے خواب میں تلوار دیکھنے کی مختلف تعبیریں کی ہیں، مثلاً: جس نے میان میں تلوار دیکھی تو اس کی عنقریب شادی ہوگی۔ اگر کسی کو تلوار ماری تو تلوار مارنے والا اس کے حق میں زبان درازی کا مرتکب ہوگا۔ اگر کسی ایسے شخص سے لڑتا ہے جس کی تلوار اس سے بڑی ہے تو وہ اس پر غالب آئے گا اور جس نے میان سمیت تلوار گلے میں لٹکائی تو وہ کسی سرکاری عہدے پر فائز ہوگا۔[2]

(٤٥) بَابُ مَنْ كَذَبَ فِي حُلُمِهِ

باب: 45- جس نے جھوٹا خواب بیان کیا

٧٠٤٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلُمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ وَلَنْ يَفْعَلَ، وَمَنِ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ أَوْ يَفِرُّونَ مِنْهُ صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ صَوَّرَ صُورَةً عُذِّبَ وَكُلِّفَ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ».

[7042] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جس نے ایسا خواب بیان کیا جو اس نے نہ دیکھا ہو تو قیامت کے دن اسے جو کے دو دانوں میں گرہ لگانے کی تکلیف دی جائے گی جسے وہ ہرگز نہیں کر سکے گا۔ اور جس شخص نے کسی قوم کی باتوں پر کان لگایا، حالانکہ وہ اسے ناپسند سمجھتے ہوں یا وہ اس سے راہ فرار اختیار کرتے ہوں تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔ اور جو کوئی تصویر بنائے گا اسے عذاب دیا جائے گا اور اس پر زور دیا جائے گا کہ وہ اس میں روح ڈالے جو وہ نہیں کر سکے گا۔“

قَالَ سُفْيَانُ: وَصَلَهُ لَنَا أَيُّوبُ. وَقَالَ قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَوْلَهُ: مَنْ كَذَبَ فِي رُؤْيَاهُ. وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ الرُّمَّانِيِّ: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ، قَوْلَهُ: مَنْ صَوَّرَ صُورَةً وَمَنْ تَحَلَّمَ وَمَنِ اسْتَمَعَ.

سفیان نے کہا: ہم سے ایوب نے یہ حدیث متصل سند سے بیان کی ہے اور قتیبہ بن سعید نے کہا: ہم سے ابوعوانہ نے حدیث بیان کی، انھوں نے قتادہ سے، انھوں نے عکرمہ سے، انھوں نے ابوہریرہ سے کہ جو اپنے خواب کے سلسلے میں جھوٹ بولے۔ شعبہ نے ابوہاشم رمانی سے بیان کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے عکرمہ سے سنا، انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ قول بیان کیا: جو شخص تصویر بنائے، جو شخص جھوٹا خواب بیان کرے اور جو شخص کان لگا کر دوسروں کی بات سنے۔

---

1. فتح الباري: 533/12۔ 2. فتح الباري: 534,533/12۔

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَنِ اسْتَمَعَ وَمَنْ تَحَلَّمَ وَمَنْ صَوَّرَ. نَحْوَهُ.

حضرت ابن عباس ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جس شخص نے کسی دوسرے کی بات کان لگا کر سنی، جس نے غلط خواب بیان کیا اور جس نے تصویر بنائی۔

تَابَعَهُ هِشَامٌ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلَهُ. [راجع: ٢٢٢٥]

ہشام نے عکرمہ سے، حضرت ابن عباس ؓ سے ان کا قول نقل کرنے میں خالد حذاء کی متابعت کی ہے۔

٧٠٤٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ مِنْ أَفْرَى الْفِرٰى أَنْ يُرِيَ عَيْنَهُ مَا لَمْ تَرَ».

[7043] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے بدترین جھوٹ یہ ہے کہ انسان خواب میں ایسی چیز دیکھنے کا دعویٰ کرے جو اس کی آنکھوں نے نہ دیکھا ہو۔“ یعنی وہ جھوٹا خواب بیان کرے۔

فوائدومسائل: ① فِرْیَہ اس جھوٹ کو کہتے ہیں جو بہت بڑا ہو اور دوسروں کو حیران کر دے، یعنی جھوٹا خواب بیان کرنا بہت بڑا جھوٹ ہے۔ چونکہ خواب دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے، اس لیے اگر کوئی شخص جھوٹا خواب بیان کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس جھوٹ کی نسبت کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ اس بنا پر جھوٹا خواب بیان کرنے والے کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔ ② امام بخاری ؒ نے عنوان سے بعض ان طرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں ہے: ”جس نے جھوٹا خواب بیان کیا قیامت کے دن اسے تکلیف دی جائے گی کہ وہ دو جَو کے دانوں کو گرہ لگائے جبکہ وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔“[1] بہرحال جھوٹا خواب بیان کرنے والے کو قیامت کے دن سخت ترین عذاب دیا جائے گا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ پر عظیم بہتان لگایا ہے۔[2]

(٤٦) بَابٌ: إِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ فَلَا يُخْبِرْ بِهَا وَلَا يَذْكُرْهَا

باب: 46- جب کوئی برا خواب دیکھے تو اس کے متعلق کسی کو خبر نہ دے اور نہ کسی سے ذکر ہی کرے

٧٠٤٤ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ يَقُولُ: لَقَدْ كُنْتُ أَرَى الرُّؤْيَا فَتُمْرِضُنِي حَتّٰى سَمِعْتُ أَبَا قَتَادَةَ يَقُولُ: وَأَنَا كُنْتُ أَرَى الرُّؤْيَا

[7044] حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایسے خوفناک خواب دیکھتا تھا جو مجھے بیمار کر دیتے یہاں تک کہ میں نے حضرت ابوقتادہ ؓ کو فرماتے سنا: میں ایسے خواب دیکھتا جو مجھے بیمار کر دیتے حتی کہ میں نے نبی ﷺ کو

1 جامع الترمذي، الرؤيا، حديث: 2281. 2 فتح الباري: 536/12.

تُمْرِضُنِي حَتَّى سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ مِنَ اللهِ، فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يُحِبُّ فَلَا يُحَدِّثْ بِهِ إِلَّا مَنْ يُحِبُّ، وَإِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْ شَرِّهَا، وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَلْيَتْفِلْ ثَلَاثًا وَّلَا يُحَدِّثْ بِهَا أَحَدًا فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ». [راجع: ٣٢٩٢]

فرماتے سنا: ''اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اس لیے جب تم میں سے کوئی اچھا خواب دیکھے تو وہ صرف اس سے بیان کرے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور جب کوئی ناپسند خواب دیکھے تو اس کے شر اور شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے، تین بار تھوتھو کرے اور وہ کسی سے بیان نہ کرے۔ ایسا کرنے سے وہ اسے کوئی نقصان نہیں دے سکے گا۔''

فوائدومسائل: ① ایک روایت کے مطابق ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں ایسے خواب دیکھتا جو مجھ پر پہاڑ سے بھی زیادہ گراں ہوتے۔[1] ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی اچھا خواب دیکھے تو اسے کسی عالم یا خیرخواہ ہی سے بیان کرے۔[2] ② احادیث کی روشنی میں اچھا خواب درج ذیل افراد کو بیان کرنا چاہیے: ○ ماہر عالم دین: جو اس کی مناسب تعبیر کر سکے، پھر اس کی بتائی ہوئی ہدایات پر عمل کیا جائے گا۔ ○ قریبی دوست: جو اس خواب کے پیش نظر اس کی حوصلہ افزائی کرے اور ہمت بندھائے۔ ○ خیرخواہ: اپنا خواب اپنے کسی انتہائی خیرخواہ سے بیان کیا جائے تا کہ بدخواہ انسان اسے پریشان نہ کرے۔ اگر کسی ناپسندیدہ شخص سے بیان کرے گا تو وہ بغض یا حسد کی وجہ سے اس کی بری تعبیر کرے گا جو خواب دیکھنے والے کی دل آزاری کا باعث ہوگا۔

٧٠٤٥ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَّالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا رَأَى أَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يُحِبُّهَا فَإِنَّهَا مِنَ اللهِ، فَلْيَحْمَدِ اللهَ عَلَيْهَا، وَلْيُحَدِّثْ بِهَا، وَإِذَا رَأَى غَيْرَ ذٰلِكَ مِمَّا يَكْرَهُ فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَلْيَسْتَعِذْ مِنْ شَرِّهَا وَلَا يَذْكُرْهَا لِأَحَدٍ فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ».

[7045] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جب تم میں سے کوئی اچھا خواب دیکھے تو یقیناً وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور اسے بیان کرے۔ اور اگر اس کے سوا دیکھے جسے وہ برا خیال کرتا ہو تو وہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اسے چاہیے کہ اس کے شر سے پناہ مانگے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے۔ اس طرح وہ اسے ہرگز کوئی نقصان نہیں دے گا۔''

فوائدومسائل: ① برے خواب کے آداب حسب ذیل ہیں جسے ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے: ○ تین دفعہ بائیں جانب تھوتھو کرے۔ ○ شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ ○ اپنا پہلو فوراً بدل لے۔ ○ یہ خواب کسی سے بیان نہ کرے۔ ○ دو رکعت نماز ادا کرے۔ اس کی صراحت ایک دوسری حدیث میں ہے۔[3] ② واضح رہے کہ دروغ گوئی (جھوٹ بولنا)، حرام کمائی

---

1 صحيح مسلم، الرؤيا، حديث: 5900 (2261). 2 جامع الترمذي، الرؤيا، حديث: 2278. 3 صحيح مسلم، الرؤيا، حديث: 5906 (2263).

اور گناہوں کا ارتکاب برے خواب آنے کا باعث ہے اور راست بازی (سچ بولنا)، حلال کمائی اور نیکیوں کا اہتمام اچھے خواب کا ذریعہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(٤٧) بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ الرُّؤْيَا لِأَوَّلِ عَابِرٍ إِذَا لَمْ يُصِبْ

باب: 47- اگر پہلی تعبیر دینے والا غلط تعبیر دے تو اس کی تعبیر سے کچھ نہ ہوگا

وضاحت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خواب کی تعبیر پہلے تعبیر کرنے والے کی تعبیر سے پوری ہو جاتی ہے۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ پہلے تعبیر کرنے والے کی تعبیر اگر غلط ہو تو اس سے خواب پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ہم اس کی آئندہ وضاحت کریں گے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں یزید رقاشی نامی راوی کمزور ہے۔[2]

٧٠٤٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ ظُلَّةً تَنْطِفُ السَّمْنَ وَالْعَسَلَ، فَأَرَى النَّاسَ يَتَكَفَّفُونَ مِنْهَا فَالْمُسْتَكْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ، وَإِذَا سَبَبٌ وَاصِلٌ مِنَ الْأَرْضِ إِلَى السَّمَاءِ فَأَرَاكَ أَخَذْتَ بِهِ فَعَلَوْتَ، ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَعَلَا بِهِ، ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَعَلَا بِهِ، ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَانْقَطَعَ ثُمَّ وُصِلَ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا رَسُولَ اللهِ! بِأَبِي أَنْتَ وَاللهِ لَتَدَعَنِّي فَأَعْبُرَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَهُ: «اعْبُرْهَا». قَالَ: أَمَّا الظُّلَّةُ فَالْإِسْلَامُ، وَأَمَّا الَّذِي يَنْطِفُ مِنَ الْعَسَلِ وَالسَّمْنِ فَالْقُرْآنُ، حَلَاوَتُهُ تَنْطِفُ، فَالْمُسْتَكْثِرُ

[7046] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میں نے آج رات خواب میں دیکھا ہے کہ بادل کے ٹکڑے سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے۔ میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ اپنے ہاتھوں میں لے رہے ہیں، کچھ زیادہ اور کچھ کم۔ پھر اچانک ایک رسی دیکھی جو آسمان سے زمین کی طرف لٹک رہی ہے۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اس رسی کو پکڑا اور اوپر چڑھ گئے۔ پھر ایک اور صاحب آئے وہ بھی رسی کو پکڑ کر اوپر چڑھ گئے۔ اس کے بعد تیسرے صاحب نے اسے پکڑا تو رسی ٹوٹ گئی اور پھر جڑ گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے اجازت دیں میں اس کی تعبیر کردوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، آپ اس کی تعبیر کریں۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: بادل سے مراد دین اسلام ہے۔ جو گھی اور شہد ٹپک رہا تھا وہ قرآن کریم کی حلاوت اور مٹھاس ہے، کچھ لوگ اسے زیادہ لینے والے ہیں

[1] سنن ابن ماجه، الرؤيا، حديث: 3915. [2] فتح الباري: 540/12.

مِنَ الْقُرْآنِ وَالْمُسْتَقِلُّ، وَأَمَّا السَّبَبُ الْوَاصِلُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ فَالْحَقُّ الَّذِي أَنْتَ عَلَيْهِ تَأْخُذُ بِهِ فَيُعْلِيكَ اللّٰهُ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ فَيَعْلُو بِهِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ فَيَعْلُو بِهِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ فَيَنْقَطِعُ بِهِ، ثُمَّ يُوَصَّلُ لَهُ فَيَعْلُو بِهِ، فَأَخْبِرْنِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ! بِأَبِي أَنْتَ: أَصَبْتُ أَمْ أَخْطَأْتُ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَصَبْتَ بَعْضًا وَأَخْطَأْتَ بَعْضًا»، قَالَ: فَوَاللّٰهِ لَتُحَدِّثَنِّي بِالَّذِي أَخْطَأْتُ، قَالَ: «لَا تُقْسِمْ». [راجع: ۷۰۰۰]

اور کچھ لوگوں کی قسمت میں تھوڑا حصہ ہے۔ اور آسمان سے زمین تک لٹکنے والی رسی سے مراد وہ سچا طریق حق ہے جس پر آپ گامزن ہیں اور آپ اسے پکڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رسی کے ساتھ آپ کو بام عروج تک لے جائے گا۔ پھر آپ کے بعد اسے ایک اور آدمی پکڑے گا۔ پھر اس کے بعد دوسرا آدمی پکڑے گا، پھر اس کو جب تیسرا آدمی پکڑے گا تو رسی ٹوٹ جائے گی، پھر جڑ جائے گی تو وہ بھی چڑھ جائے گا۔ اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھے اس تعبیر کے متعلق بتائیں صحیح ہے یا غلط ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”کچھ تعبیر تو صحیح ہے اور کچھ غلط ہے۔“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: (اللہ کے رسول!) آپ کو اللہ کی قسم ہے آپ میری غلطی ضرور ظاہر کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم قسم نہ دو۔“

فوائد ومسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ خواب گویا پرندے کے پاؤں میں ہوتا ہے جب اس کی تعبیر کر دی جائے تو واقع ہو جاتا ہے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن اس کا محل یہ ہے کہ جب تعبیر کرنے والے کی تعبیر صحیح ہو، اگر اس کی تعبیر غلط ہو تو واقع نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے پہلے خواب کی تعبیر کی۔ چونکہ اس کی پوری تعبیر بھی برحقیقت نہ تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصحیح اور تغلیط فرمائی اور خواب کے واقع ہونے کے متعلق کچھ نہیں کہا، لیکن کسی مصلحت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطا کے پہلو کو نمایاں نہیں کیا۔ ہمیں اس میں دلچسپی لینے کی ضرورت نہیں۔ ② امام مہلب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعبیر کو واضح کیا ہے اور اس کی توجیہ بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بادل کا سایہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے نوازا تھا۔ ایسا ہی جنت میں سایہ ہوگا۔ دین اسلام ہی ایسا مبارک سایہ ہے جس سے مسلمانوں کو تکالیف سے نجات ملتی ہے۔ اسی طرح شہد میں شفا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت بھی شہد جیسی مٹھاس وحلاوت اور شیرینی رکھتی ہے۔[2]

(٤٨) بَابُ تَعْبِيرِ الرُّؤْيَا بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ

باب: 48- نماز صبح کے بعد خواب کی تعبیر بیان کرنا

۷۰۴۷ – حَدَّثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ أَبُو هِشَامٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ:

[7047] حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ بکثرت صحابۂ کرام سے فرمایا

1 جامع الترمذي، الرؤيا، حديث: 2278. 2 فتح الباري: 12/544.

حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَعْنِي مِمَّا يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ لِأَصْحَابِهِ: «هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْ رُؤْيَا؟» قَالَ: فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُصَّ، وَإِنَّهُ قَالَ ذَاتَ غَدَاةٍ: «إِنَّهُ أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ، وَإِنَّهُمَا ابْتَعَثَانِي وَإِنَّهُمَا قَالَا لِي: انْطَلِقْ، وَإِنِّي انْطَلَقْتُ مَعَهُمَا، وَإِنَّا أَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ وَإِذَا آخَرُ قَائِمٌ عَلَيْهِ بِصَخْرَةٍ وَإِذَا هُوَ يَهْوِي بِالصَّخْرَةِ لِرَأْسِهِ فَيَثْلَغُ رَأْسَهُ فَيَتَدَهْدَهُ الْحَجَرُ هَاهُنَا، فَيَتْبَعُ الْحَجَرَ فَيَأْخُذُهُ فَلَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ حَتَّى يَصِحَّ رَأْسُهُ كَمَا كَانَ، ثُمَّ يَعُودُ عَلَيْهِ فَيَفْعَلُ بِهِ مِثْلَ مَا فَعَلَ مَرَّةَ الْأُولَى، قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا: سُبْحَانَ اللهِ، مَا هٰذَانِ؟ قَالَ: قَالَا لِي: انْطَلِقِ انْطَلِقْ، فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُسْتَلْقٍ لِقَفَاهُ وَإِذَا آخَرُ قَائِمٌ عَلَيْهِ بِكَلُّوبٍ مِنْ حَدِيدٍ، وَإِذَا هُوَ يَأْتِي أَحَدَ شِقَّيْ وَجْهِهِ فَيُشَرْشِرُ شِدْقَهُ إِلَى قَفَاهُ، وَمَنْخِرَهُ إِلَى قَفَاهُ، وَعَيْنَهُ إِلَى قَفَاهُ - قَالَ: وَرُبَّمَا قَالَ أَبُو رَجَاءٍ: فَيَشُقُّ - قَالَ: ثُمَّ يَتَحَوَّلُ إِلَى الْجَانِبِ الْآخَرِ فَيَفْعَلُ بِهِ مِثْلَ مَا فَعَلَ بِالْجَانِبِ الْأَوَّلِ، فَمَا يَفْرُغُ مِنْ ذٰلِكَ الْجَانِبِ حَتَّى يَصِحَّ ذٰلِكَ الْجَانِبُ كَمَا كَانَ ثُمَّ يَعُودُ عَلَيْهِ فَيَفْعَلُ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّةَ الْأُولَى، قَالَ: قُلْتُ: سُبْحَانَ اللهِ، مَا هٰذَانِ؟ قَالَ: قَالَا لِي: انْطَلِقِ انْطَلِقْ، فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى مِثْلِ التَّنُّورِ - قَالَ: وَأَحْسِبُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ:- فَإِذَا فِيهِ لَغَطٌ

کرتے تھے: ”کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟“ جس نے خواب دیکھا ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ کو بیان کرتا۔ آپ ﷺ نے ایک صبح فرمایا: ”آج رات میرے پاس دو آنے والے آئے، انھوں نے مجھے اٹھایا اور مجھ سے کہا: (ہمارے ساتھ) چلو۔ میں ان کے ساتھ چل دیا، چنانچہ ہم ایک آدمی کے پاس آئے جو لیٹا ہوا تھا اور دوسرا آدمی اس کے پاس ایک پتھر لیے کھڑا تھا۔ اچانک وہ اس کے سر پر پتھر مارتا تو اس کا سر توڑ دیتا اور پتھر لڑھک کر دور چلا جاتا۔ وہ پتھر کے پیچھے جاتا اور اسے اٹھا لاتا۔ اس کے واپس آنے سے پہلے پہلے دوسرے کا سر صحیح ہو جاتا جیسا کہ پہلے تھا۔ کھڑا ہوا شخص پھر اسی طرح مارتا اور وہی صورت پیش آتی جو پہلے آئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے ان دونوں سے کہا: سبحان اللہ! کیا ماجرا ہے؟ یہ دونوں شخص کون ہیں؟ انھوں نے کہا: آگے چلو، آگے چلو۔ ہم چل دیے تو ایک آدمی کے پاس پہنچے جو پیٹھ کے بل چت لیٹا ہوا تھا اور دوسرا شخص اس کے پاس لوہے کا آنکڑا لیے کھڑا تھا۔ وہ اس کے چہرے کے ایک طرف آتا اور اس کے جبڑے کو گدی تک، اس کے نتھنے کو گدی تک اور اس کی آنکھ کو گدی تک چیر دیتا۔ پھر چہرے کے دوسری طرف جاتا تو ادھر بھی اسی طرح چیرتا جس طرح اس نے پہلی جانب کیا تھا۔ وہ ابھی دوسری جانب سے فارغ نہ ہوتا تھا کہ پہلی جانب اپنی صحیح حالت میں آ جاتی۔ پھر دوبارہ وہ اسی طرح کرتا جس طرح اس نے پہلی مرتبہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے ان سے کہا: سبحان اللہ! یہ دونوں کون ہیں؟ انھوں نے کہا: آگے چلو، آگے چلو، چنانچہ ہم آگے چلے۔ پھر ہم ایک تنور جیسی چیز پر آئے۔ اس میں شور و غل کی آواز تھی۔ ہم نے جھانک کر دیکھا تو اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں تھیں۔ جب ان کے پاس نیچے سے آگ کا شعلہ آتا

وَأَصْوَاتٌ، قَالَ: فَاطَّلَعْنَا فِيهِ فَإِذَا فِيهِ رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ، وَإِذَا هُمْ يَأْتِيهِمْ لَهَبٌ مِنْ أَسْفَلَ مِنْهُمْ، فَإِذَا أَتَاهُمْ ذٰلِكَ اللَّهَبُ ضَوْضَوْا، قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا: مَا هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: قَالَا لِي: انْطَلِقِ انْطَلِقْ، قَالَ: فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلٰى نَهَرٍ - حَسِبْتُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: - أَحْمَرَ مِثْلِ الدَّمِ، وَإِذَا فِي النَّهَرِ رَجُلٌ سَابِحٌ يَسْبَحُ، وَإِذَا عَلٰى شَطِّ النَّهَرِ رَجُلٌ قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ حِجَارَةً كَثِيرَةً، وَإِذَا ذٰلِكَ السَّابِحُ يَسْبَحُ مَا يَسْبَحُ، ثُمَّ يَأْتِي ذٰلِكَ الَّذِي قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ الْحِجَارَةَ فَيَفْغَرُ لَهُ فَاهُ فَيُلْقِمُهُ حَجَرًا فَيَنْطَلِقُ يَسْبَحُ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَيْهِ، كُلَّمَا رَجَعَ إِلَيْهِ فَغَرَ لَهُ فَاهُ فَأَلْقَمَهُ حَجَرًا، قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا: مَا هٰذَانِ؟ قَالَ: قَالَا لِي: انْطَلِقِ انْطَلِقْ، قَالَ: فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ كَرِيهِ الْمَرْآةِ كَأَكْرَهِ مَا أَنْتَ رَاءٍ رَجُلًا مَرْآةً، فَإِذَا عِنْدَهُ نَارٌ يَحُشُّهَا وَيَسْعٰى حَوْلَهَا، قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا: مَا هٰذَا؟ قَالَ: قَالَا لِي: انْطَلِقِ انْطَلِقْ، فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلٰى رَوْضَةٍ مُعْتَمَّةٍ فِيهَا مِنْ كُلِّ لَوْنِ الرَّبِيعِ، وَإِذَا بَيْنَ ظَهْرَيِ الرَّوْضَةِ رَجُلٌ طَوِيلٌ لَا أَكَادُ أَرٰى رَأْسَهُ طُولًا فِي السَّمَاءِ، وَإِذَا حَوْلَ الرَّجُلِ مِنْ أَكْثَرِ وِلْدَانٍ رَأَيْتُهُمْ قَطُّ، قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا: مَا هٰذَا؟ مَا هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: قَالَا لِي: انْطَلِقِ انْطَلِقْ، قَالَ: فَانْطَلَقْنَا فَانْتَهَيْنَا إِلٰى رَوْضَةٍ عَظِيمَةٍ لَمْ أَرَ رَوْضَةً قَطُّ أَعْظَمَ مِنْهَا وَلَا أَحْسَنَ، قَالَ: قَالَا لِي: ارْقَ، فَارْتَقَيْتُ فِيهَا، قَالَ: فَارْتَقَيْنَا فِيهَا فَانْتَهَيْنَا إِلٰى

تو وہ چلانے لگتے۔ میں نے ان دونوں سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو انھوں نے کہا: آگے چلو آگے چلو، چنانچہ ہم آگے بڑھے اور ایک نہر پر آئے۔ وہ نہر خون کی طرح سرخ تھی۔ اس میں ایک تیرنے والا آدمی تیر رہا تھا۔ نہر کے کنارے اور آدمی تھا جس کے پاس بہت سے پتھر جمع تھے۔ جب تیرنے والا آدمی اس شخص کے پاس پہنچتا جس نے پتھر جمع کر رکھے تھے تو وہ اس کا منہ کھول دیتا اور زور سے پتھر مار کر اسے پیچھے دھکیل دیتا اور وہ پھر تیرنے لگتا۔ پھر اس کے پاس لوٹ کر آتا جیسے پہلے آیا تھا تو وہ اس کا منہ کھول دیتا اور منہ پر زور سے پتھر مار کر اسے پیچھے دھکیل دیتا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: آگے چلو، آگے چلو، چنانچہ ہم آگے بڑھے تو ایک انتہائی بدصورت آدمی کے پاس پہنچے جتنے بدصورت تم نے دیکھے ہوں گے وہ ان سب سے زیادہ بدصورت تھا۔ اس کے پاس آگ جل رہی تھی اور وہ اسے خوب تیز کر رہا تھا اور اس کے اردگرد دوڑ رہا تھا۔ میں نے ان دونوں سے پوچھا: یہ کیا ماجرا ہے؟ انھوں نے مجھے کہا: آگے چلو، آگے چلو۔ ہم آگے بڑھے تو ایک ایسے باغ میں پہنچے جو سرسبز و شاداب تھا اور اس میں موسم بہار کے سب پھول تھے۔ اس باغ کے درمیان ایک لمبے قد والا آدمی تھا، اتنا لمبا کہ میرے لیے اس کا سر دیکھنا مشکل ہو گیا گویا وہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کے اردگرد بہت سے بچے تھے۔ میں نے اتنے بچے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: یہ کون ہے؟ اور بچوں کی حقیقت کیا ہے؟ انھوں نے کہا: آگے چلیے۔ ہم آگے بڑھے تو ہم ایک عظیم الشان باغ تک پہنچے۔ میں نے اتنا بڑا اور اتنا خوبصورت باغ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان دونوں نے کہا: اس پر چڑھیے۔ جب ہم اس پر چڑھے تو وہاں ایک ایسا شہر دکھائی دیا جس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی تھی۔ ہم اس شہر

مَدِينَةٍ مَّبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ وَّلَبِنِ فِضَّةٍ، فَأَتَيْنَا بَابَ الْمَدِينَةِ فَاسْتَفْتَحْنَا فَفُتِحَ لَنَا فَدَخَلْنَاهَا فَتَلَقَّانَا فِيهَا رِجَالٌ شَطْرٌ مِّنْ خَلْقِهِمْ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ، وَّشَطْرٌ كَأَقْبَحِ مَا أَنْتَ رَاءٍ، قَالَ: قَالَا لَهُمْ: اذْهَبُوا فَقَعُوا فِي ذٰلِكَ النَّهَرِ، قَالَ: وَإِذَا نَهَرٌ مُّعْتَرِضٌ يَّجْرِي كَأَنَّ مَاءَهُ الْمَحْضُ مِنَ الْبَيَاضِ، فَذَهَبُوا فَوَقَعُوا فِيهِ، ثُمَّ رَجَعُوا إِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذٰلِكَ السُّوءُ عَنْهُمْ فَصَارُوا فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، قَالَ: قَالَا لِي: هٰذِهِ جَنَّةُ عَدْنٍ وَّهٰذَاكَ مَنْزِلُكَ، قَالَ: فَسَمَا بَصَرِي صُعُدًا فَإِذَا قَصْرٌ مِّثْلُ الرَّبَابَةِ الْبَيْضَاءِ، قَالَ: قَالَا لِي: هٰذَاكَ مَنْزِلُكَ، قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا: بَارَكَ اللّٰهُ فِيكُمَا، ذَرَانِي فَأَدْخُلَهُ، قَالَا: أَمَّا الْآنَ فَلَا وَأَنْتَ دَاخِلُهُ، قَالَ: قُلْتُ لَهُمَا: فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ مُنْذُ اللَّيْلَةِ عَجَبًا، فَمَا هٰذَا الَّذِي رَأَيْتُ؟ قَالَ: قَالَا لِي: أَمَا إِنَّا سَنُخْبِرُكَ، أَمَّا الرَّجُلُ الْأَوَّلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفِضُهُ وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ، وَأَمَّا الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يُشَرْشَرُ شِدْقُهُ إِلٰى قَفَاهُ وَمَنْخِرُهُ إِلٰى قَفَاهُ وَعَيْنُهُ إِلٰى قَفَاهُ فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَغْدُو مِنْ بَيْتِهِ فَيَكْذِبُ الْكَذْبَةَ تَبْلُغُ الْآفَاقَ، وَأَمَّا الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ الْعُرَاةُ الَّذِينَ فِي مِثْلِ بِنَاءِ التَّنُّورِ فَهُمُ الزُّنَاةُ وَالزَّوَانِي، وَأَمَّا الرَّجُلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يَسْبَحُ فِي النَّهَرِ وَيُلْقَمُ الْحِجَارَةَ فَإِنَّهُ آكِلُ الرِّبَا، وَأَمَّا الرَّجُلُ الْكَرِيهُ الْمَرْآةِ الَّذِي عِنْدَ النَّارِ يَحُشُّهَا وَيَسْعٰى حَوْلَهَا فَإِنَّهُ مَالِكٌ

کے دروازے پر آئے اور ہم نے اسے کھلوایا تو وہ ہمارے لیے کھول دیا گیا۔ ہم اس میں داخل ہوئے تو ہمارا استقبال ایسے لوگوں نے کیا جن کے جسم کا نصف حصہ انتہائی خوبصورت اور دوسرا حصہ انتہائی بدصورت تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں ساتھیوں نے ان لوگوں سے کہا: اس نہر میں کود جاؤ۔ وہاں ایک نہر بہہ رہی تھی جس کا پانی انتہائی سفید اور صاف شفاف تھا۔ وہ لوگ گئے اور اس میں کود پڑے، پھر جب وہ ہمارے پاس آئے تو ان کی بدصورتی جاتی رہی اور اب وہ نہایت خوبصورت ہو گئے تھے۔ ان دونوں نے مجھے کہا: یہ جنت عدن ہے اور یہ آپ کی منزل ہے، جب میری نظر اوپر اٹھی تو سفید بادل کی طرح وہاں مجھے ایک محل نظر آیا۔ انھوں نے مجھے کہا: اس جگہ آپ کا مقام ہے۔ میں نے ان سے کہا: اللہ تمھیں برکت عطا فرمائے! مجھے چھوڑ دو تا کہ میں اس محل کے اندر داخل ہو جاؤں۔ انھوں نے کہا: اس وقت تو آپ نہیں جا سکتے لیکن آئندہ آپ اس میں ضرور جائیں گے۔ میں نے ان سے کہا: آج رات میں نے بہت عجیب و غریب چیزیں دیکھیں ہیں۔ بہرحال جو کچھ میں نے دیکھا ہے ان کی حقیقت کیا ہے؟ انھوں نے مجھ سے کہا: ہم ابھی آپ سے بیان کرتے ہیں، پہلا آدمی جس کے پاس آپ گئے تھے اور اس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا یہ وہ شخص ہے جو قرآن سیکھتا، پھر اسے چھوڑ دیتا اور فرض نماز پڑھے بغیر سو جاتا تھا۔ اور وہ شخص جس کے پاس آپ گئے تھے اور اس کا جبڑا گدی تک، اس کے نتھنے گدی تک اور اس کی آنکھیں گدی تک چیری جا رہی تھیں وہ ایسا شخص ہے جو صبح اپنے گھر سے نکلتا اور سارا دن جھوٹ بولتا رہتا حتی کہ دور دراز تک اس کا جھوٹ پہنچ جاتا۔ اور وہ ننگے مرد اور ننگی عورتیں جو تنور میں آپ نے دیکھے وہ زنا کار مرد اور زنا کار عورتیں تھیں۔ اور آپ جس آدمی کے

خَازِنُ جَهَنَّمَ، وَأَمَّا الرَّجُلُ الطَّوِيلُ الَّذِي فِي الرَّوْضَةِ فَإِنَّهُ إِبْرَاهِيمُ ﷺ، وَأَمَّا الْوِلْدَانُ الَّذِينَ حَوْلَهُ فَكُلُّ مَوْلُودٍ مَّاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ». قَالَ: فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ، وَأَمَّا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَانُوا شَطْرًا مِّنْهُمْ حَسَنٌ وَّشَطْرًا مِّنْهُمْ قَبِيحٌ فَإِنَّهُمْ قَوْمٌ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَّآخَرَ سَيِّئًا، تَجَاوَزَ اللهُ عَنْهُمْ».

پاس آئے اور وہ خونی نہر میں تیر رہا تھا اور اس کے منہ میں پتھر مارے جا رہے تھے وہ سود خور تھا۔ اور وہ بدصورت شخص جو آگ بھڑکا رہا تھا اور اس کے ارد گرد دوڑ رہا تھا، وہ جہنم کا داروغہ مالک نامی فرشتہ ہے۔ اور باغ میں لمبے قد والے آدمی حضرت ابراہیم ملیٰٹا تھے اور ان کے ارد گرد وہ بچے تھے جو پیدا ہو کر فطرت اسلام پر فوت ہو گئے۔ اس پر کچھ صحابۂ کرام نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا مشرکین کے بچے بھی ان میں شامل ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، مشرکین کے بچے بھی ان میں داخل ہیں، اب رہے وہ لوگ جن کا نصف بدن خوبصورت اور نصف بدصورت تھا! تو یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اچھے اور برے دونوں قسم کے عمل کیے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا اور انھیں معاف کر دیا۔“

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کا یہ خواب بہت سے عجیب و غریب حقائق پر مشتمل ہے اور انبیاء ﷺ کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ اس میں چار قسم کے جرائم پیشہ لوگوں کو دی جانے والی سنگین اور ہولناک سزائیں بیان ہوئی ہیں جن میں ہمارے لیے بہت سا عبرت کا سامان ہے۔ ان جرم پیشہ لوگوں کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ پہلا شخص قرآن کریم کا عالم اور قاری جو نماز کی ادائیگی میں سنجیدہ نہیں تھا بلکہ غفلت و سستی اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے سوتے ہوئے ضائع کر دیتا تھا۔ ○ دوسرا شخص جھوٹی باتیں پھیلانے والا، افواہیں اڑانے والا اور جھوٹی احادیث بیان کرنے والا تھا۔ ○ تیسرے زنا کار عورتیں اور زنا کار مرد تھے جو ایک تنور میں جہنم کی سزا بھگت رہے تھے۔ ○ خون اور پیپ کی نہر میں غوطے لگانے والا اور منہ پر زناٹے پتھر کھانے والا سود خور تھا۔ یہ حدیث بڑے ہی غور سے مطالعہ کے قابل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے عبرت حاصل کرنے کی توفیق دے۔ ② بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خوابوں کی تعبیر طلوع آفتاب کے بعد کرنی چاہیے۔ امام بخاری ؒ نے ان حضرات کی تردید کے لیے یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ جب نماز فجر پڑھ لیتے تو صحابۂ کرام ؓ کے خواب سنتے یا خود کوئی خواب بیان کرتے کیونکہ اس وقت خواب کا نقش ذہن میں تازہ ہوتا ہے اور تعبیر کرنے والا بھی خالی ذہن ہوتا ہے، پھر اگر خواب دیکھنے والے کو خبردار کرنا ہو تو یہ وقت مناسب ہے کہ وہ آئندہ تمام اوقات میں محتاط رہے۔ ③ اس مناسبت سے ہم ائمۂ مساجد اور خطباء حضرات کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ علم تعبیر سے واقفیت حاصل کریں اور اگر وہ فن تعبیر سے واقف ہیں تو صبح کی نماز کے بعد لوگوں کے خواب سنیں اور ان کی مناسب تعبیر کریں۔ علم تعبیر لوگوں کو نیکی کی طرف بلانے اور برائی سے روکنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، بشرطیکہ ہم لوگ خواب کی تعبیر کے تمام آداب و قواعد سے واقف ہوں۔ بہر حال اس مسنون عمل کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

فتن کے معنی و مطالب اور فتنوں سے محفوظ رہنے کے اسباب و تدابیر

فتن، فتنۃ کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی سونے کو آگ میں تپانا ہیں تاکہ اس کا کھرا یا کھوٹا پن ظاہر ہو جائے۔ کبھی فتنہ عذاب کے معنی میں آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ﴾ ''تم اپنے عذاب کا مزا چکھو۔''[1] عذاب کے اسباب پر بھی فتنے کا لفظ بولا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا﴾ ''خبردار! یہ تو پہلے ہی فتنے میں پڑے ہوئے ہیں۔''[2] امتحان اور آزمائش کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا﴾ ''پھر ہم نے تمھیں مختلف آزمائشوں سے گزارا۔''[3] بدحالی اور خوشحالی میں بطور آزمائش پڑ جانا بھی فتنہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ ''ہم تمھیں فتنے کے طور پر اچھے اور برے دونوں حالات میں آزماتے ہیں۔''[4] دینی یا دنیوی آفت کو بھی فتنہ کہتے ہیں۔ اگر وہ آفت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتی اور بندوں کی طرف سے ہو تو وہ قابل مذمت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ ''اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔''[5] نیز فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ ''جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں پر ظلم و ستم ڈھایا۔''[6]

بہر حال فتنہ مشقت، رسوائی اور عذاب کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اسے ہر مکروہ اور ناپسندیدہ بات یا عمل پر بولا جاتا ہے۔ ہمارا معاشرہ آج کل مختلف فتنوں کی لپیٹ میں ہے۔ بہت سے ایسے وسائل ہیں جو ہمیں دین و ایمان، اخلاق و کردار، امانت و دیانت، عفت و پاکدامنی اور تقویٰ و پرہیزگاری کے راستے سے ہٹا کر کفر و الحاد، بے غیرتی و بدچلنی اور بے حیائی و بے رہروی کی طرف لے جانے والے ہیں۔ ان حالات میں ہمیں چاہیے کہ ایسے اسباب کو عمل میں لائیں جو ان فتنوں کو روک سکیں۔ اب ہم چند اسباب اور اصول ذکر کرتے ہیں جن کے اختیار کرنے سے فتنوں سے بچاؤ ممکن ہے۔

○ تقویٰ: فتنوں سے محفوظ رہنے کے لیے بنیادی اصول یہ ہے کہ ہم ہر حالت میں تقویٰ اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید کرتے ہوئے، اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے، وحی الٰہی کی روشنی میں اس کے احکام پر عمل کرنا اور گناہوں کو چھوڑ دینا تقویٰ کہلاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کسی زبانی دعوے کا نام نہیں بلکہ یہ ایک نفسیاتی تبدیلی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ اعمال کے ذریعے سے اس کی اطاعت اور تقرب کے حصول کا شوق پیدا

---

1 الذاریات 14:51. 2 التوبة 49:9. 3 طٰهٰ 40:20. 4 الأنبیآء 35:21. 5 البقرة 191:2. 6 البروج 10:85.

ہوتا ہے۔ بہرحال فرائض و واجبات کو بجالانے والا اور معاصی و منکرات سے بچنے والا فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔

○ **قرآن وحدیث کی پابندی:** فتنوں سے محفوظ رہنے کے لیے دوسرا اصول یہ ہے کہ کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھام لیا جائے اور بدعات وخرافات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے، ایسے انسان کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابی اس کا مقدر بن جاتی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''میرے بعد تم بہت زیادہ اختلافات دیکھو گے، ایسے حالات میں تم پر میری سنت اور میرے بعد راہ ہدایت اختیار کرنے والے خلفائے راشدین کی سنت کو اختیار کرنا لازم ہے۔ اسے مضبوطی سے تھام لینا بلکہ جبڑوں میں دبا لینا، خبردار! دین کے معاملات میں نئے کام ایجاد نہ کرنا کیونکہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اختلافات اور فتنوں کے دور میں نجات کا صرف یہ راستہ ہے کہ کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھاما جائے اور بدعات و خرافات سے ہر حال میں بچا جائے۔

○ **جلد بازی سے پرہیز:** فتنوں سے محفوظ رہنے کا تیسرا اصول یہ ہے کہ دینی معاملات میں سمجھداری اور سوچ بچار کا رویہ اختیار کیا جائے۔ کوئی بھی قدم اٹھاتے وقت اس کے انجام کو ملحوظ رکھا جائے کیونکہ سنجیدگی اور سمجھداری خیر و برکت کا سبب ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جلد بازی سے احتراز کیا جائے کیونکہ معاملات میں جلد بازی کا مظاہرہ کرنے والا ہمیشہ ندامت و شرمساری سے دوچار ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''معاملات کی سنجیدگی اللہ کی طرف سے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔''[2] دینی معاملات میں جذباتی انداز اختیار کرنا فتنوں کو دعوت دینا ہے۔ ایک صاحب عقل اور سلیم الفطرت انسان کو چاہیے کہ ہر کام کرنے سے پہلے اس کے انجام اور انتہا پر سنجیدگی سے غور کرے، جلد بازی سے کنارہ کش رہے کیونکہ اس کا انجام ہمیشہ بھیانک اور خطرناک ہی ہوا کرتا ہے۔

○ **اجتماعیت:** فتنوں سے محفوظ رہنے کا چوتھا اصول اجتماعیت کو اختیار کرنا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اختلاف و انتشار سے ہر ممکن دور رہے کیونکہ اختلاف فساد اور اجتماعیت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ جماعت کی برکت سے باہمی رابطہ مضبوط ہوتا ہے اور فتنہ پھیلانے والے کو فتنہ و شر پھیلانے کا موقع نہیں ملتا بلکہ ایسی اجتماعیت کے نتیجے میں مخالفین پر دھاک اور ہیبت بیٹھ جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔''[3] بہرحال جماعت سے منسلک رہنا فتنوں سے محفوظ رہنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔

---

1. مسند أحمد : 126/4. 2 جامع الترمذي، البر والصلة، حديث : 2012. 3 جامع الترمذي، الفتن، حديث : 2167، وصحيح الترغيب و الترهيب، الطعام، حديث : 2131.

○ اہل علم سے تعلق: فتنوں سے محفوظ رہنے کا پانچواں اصول پختہ کار اہل علم سے رابطہ رکھنا ہے کیونکہ اہل علم حکمت و دانائی سے مسائل کو سلجھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور انجام کار پر بھی ان کی گہری نظر ہوتی ہے کیونکہ علماء حضرات نے دینی علوم سیکھنے اور سکھانے میں عمر کا بیشتر حصہ صرف کیا ہوتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس امر کا پابند کیا ہے: ''جب انھیں امن یا خوف کی کوئی اطلاع ملتی ہے تو وہ اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ ایسی بات رسول اللہ ﷺ اور اصحاب امر کے حوالے کر دیتے تو وہ اس کی حقیقت کو معلوم کر لیتے اور اس کی تہ تک پہنچ جاتے۔ اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند ایک کے سوا تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔''[1] بہرحال فتنوں کے دور میں جو لوگ معاملات کو اپنے علماء کے حوالے کر دیتے ہیں وہ فتنوں اور ان کے نقصانات سے محفوظ رہتے ہیں۔

○ دعا کا اہتمام: فتنوں سے محفوظ رہنے کا چھٹا اور اہم ترین عمل اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو مضبوط کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور انتہائی عجز و انکسار سے دعا کی جائے کہ وہ ہمیں ظاہری اور باطنی فتنوں سے محفوظ رکھے۔ ہر وقت فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ جو انسان اللہ تعالیٰ سے فتنوں کی پناہ مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضرور پناہ دیتا ہے۔ ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق گہرا کرتا ہے اور اس سے دعا کرتا رہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بلاشبہ میں ان کے بالکل قریب ہوں۔ جب بھی کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ انھیں بھی چاہیے کہ وہ صرف مجھ سے فریاد کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔''[2] رسول اللہ ﷺ نے ایسے موقع پر ہمیں ایک دعا پڑھنے کی تلقین کی ہے: [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ] ''اے اللہ! میں فتنوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں، خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔''[3] صحابۂ کرام ﷡ بھی ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے، چنانچہ حضرت عمر ﷜ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے فتنوں کی پناہ مانگی تھی۔[4] اسی طرح حضرت عمار ﷜ کے متعلق بھی حدیث میں ہے کہ وہ بھی فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے۔[5]

امام بخاری ؒ نے امت مسلمہ کو فتنوں سے آگاہ کرنے کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے اور اس میں ایک سو ایک (101) احادیث کا انتخاب کیا ہے، جن میں اکاسی (81) موصول اور چودہ (14) معلق اور متابع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں اَسّی (80) احادیث مکرر اور اکیس (21) خالص ہیں۔ مرفوع احادیث کے علاوہ مختلف صحابۂ کرام ﷡ اور تابعین عظام ؒ سے پندرہ (15) آثار بھی پیش کیے ہیں۔ آپ نے ان احادیث و آثار پر چھوٹے چھوٹے اٹھائیس (28)

---

1 النساء 83:4. 2 البقرة 186:2. 3 مسند أحمد 305/1. 4 صحيح البخاري، الدعوات، حديث: 6362. 5 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 447.

عنوان قائم کیے ہیں جن میں ان فتنوں کے اسباب اور ان سے بچاؤ کی تدابیر کو بیان کیا ہے۔ ان احادیث سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس امت کو بہت سے فتنوں کے متعلق قبل از وقت آگاہ کر دیا ہے۔ اپنے صحابۂ کرام ؓ کو صبر و استقامت کی تلقین کی ہے۔ بہرحال امام بخاری ؒ کے عنوانات بہت اہم ہیں، ان کا اور ان کے تحت پیش کردہ احادیث کا بڑی باریک بینی اور وقت نظری سے مطالعہ کرنا چاہیے ان پر عمل کرنے سے ہم نہ صرف فتنوں سے محفوظ رہیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے عظیم ثواب کے حق دار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دور حاضر کے تمام فتنوں سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین۔

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

92- كِتَابُ الْفِتَنِ

فتنوں کا بیان

(۱) بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً﴾ [الأنفال: ٢٥] وَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحَذِّرُ مِنَ الْفِتَنِ

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور تم اس فتنے سے ڈرو جو خاص انھی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنھوں نے خاص طور پر تم میں سے ظلم کیا ہوگا۔'' نیز نبی ﷺ کا اپنی امت کو فتنوں سے خبردار کرنے کا بیان

وضاحت: اس عنوان کے دو جز ہیں: ایک میں آیت کریمہ کی وضاحت ہے اور دوسرے حصے میں رسول اللہ ﷺ کی تنبیہ کا بیان ہے جو آپ ﷺ نے فتنوں کے متعلق اپنی امت کو کی ہے۔ آیت کریمہ میں فتنے سے مراد ایسا گناہ ہے جس کی سزا عام ہوتی ہے، مثلاً: کسی معاشرے میں کوئی برائی پیدا ہوتی ہے اور لوگ اس کا بروقت نوٹس نہیں لیتے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ برائی معاشرے میں پھیل جاتی ہے تو ایسی برائی کی پاداش میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عذاب آئے گا وہ سب لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جو لوگ برائی کا یہ کام نہیں کرتے تھے وہ بچ جائیں کیونکہ ان لوگوں کا جرم یہ ہوتا ہے کہ جب وہ برائی پیدا ہوئی یا بڑھنے لگی تھی تو اس وقت انھوں نے اسے روکنے کے لیے کوئی اقدام کیوں نہ کیا۔ اگر وہ اس وقت روکتے تو سب لوگ عذاب سے بچ سکتے تھے۔ حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر کہتے ہیں کہ میں نے جنگ جمل کے دن حضرت زبیر بن عوام ؓ سے کہا کہ تم لوگوں نے حضرت عثمان ؓ کی حفاظت نہ کی اور وہ شہید ہو گئے، اب تم خود ہی ان کے خون کا مطالبہ کرنے آئے ہو تو انھوں نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک اور ابوبکر و عمر اور عثمان ؓ کے دور میں مذکورہ بالا آیت پڑھی تھی اور ہمیں یہ گمان نہ تھا کہ ہم خود ہی اس کا شکار ہوں گے یہاں تک کہ جو ہونا تھا وہ ہوا، یعنی اب ہم خود اس بلا میں گرفتار ہیں۔ [1]

٧٠٤٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا بِشْرُ ابْنُ السَّرِيِّ: حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي

[7048] حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میں

١- مسند أحمد: 165/1.

مُلَيْكَةَ قَالَ: قَالَتْ أَسْمَاءُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَنَا عَلَى حَوْضِي أَنْتَظِرُ مَنْ يَرِدُ عَلَيَّ، فَيُؤْخَذُ بِنَاسٍ مِّنْ دُونِي فَأَقُولُ: أُمَّتِي، فَيَقُولُ: لَا تَدْرِي مَشَوْا عَلَى الْقَهْقَرَى».

اپنے حوض پر ان لوگوں کا انتظار کروں گا جو میرے پاس آئیں گے۔ پھر کچھ لوگوں کو میرے پاس پہنچنے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا جائے گا تو میں کہوں گا: یہ تو میری امت کے لوگ ہیں۔ جواب ملے گا: آپ نہیں جانتے یہ لوگ تو (دین اسلام سے) الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔"

قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: اللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ أَنْ نَّرْجِعَ عَلَى أَعْقَابِنَا أَوْ نُفْتَنَ. [راجع: ٦٥٩٣]

ابن ابی ملیکہ کہا کرتے تھے: اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں کہ ہم ایڑیوں کے بل پھر جائیں یا کسی فتنے میں مبتلا ہو جائیں۔

فوائد ومسائل: ﴿1﴾ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام میں سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ انسان کسی بدعت کا مرتکب ہو اور اس طرح وہ دین اسلام سے پھر جائے۔ اس جرم کی پاداش میں انسان رسول اللہ ﷺ کی سفارش سے محروم ہو سکتا ہے اور اس کے نیک اعمال ضائع ہو سکتے ہیں۔ ﴿2﴾ ہم بھی ابن ابی ملیکہ کی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں: یا اللہ! ہم بھی تیری پناہ کے طالب ہیں، ایسا نہ ہو کہ ہم الٹے پاؤں پھر جائیں یا کسی فتنے میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو جائیں۔ آمین یا رب العالمین.

٧٠٤٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ، فَلَيُرْفَعَنَّ إِلَيَّ رِجَالٌ مِّنْكُمْ حَتَّى إِذَا أَهْوَيْتُ لِأُنَاوِلَهُمُ اخْتُلِجُوا دُونِي، فَأَقُولُ: أَيْ رَبِّ! أَصْحَابِي، فَيَقُولُ: لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ». [راجع: ٦٥٧٥]

[7049] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں حوض کوثر پر تمھارا انتظار کروں گا۔ اور تم میں سے کچھ لوگ میری طرف آئیں گے۔ جب میں انھیں پانی دینے کے لیے جھکوں گا تو انھیں میرے سامنے سے دور کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی (امتی) ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آپ کو معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی نئی باتیں نکال لی تھیں۔''

٧٠٥٠، ٧٠٥١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ، مَنْ وَرَدَهُ شَرِبَ مِنْهُ وَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَظْمَأْ [بَعْدَهُ] أَبَدًا، لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ

[7051,7050] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں حوض پر تمھارا انتظار کروں گا جو کوئی وہاں آئے گا، وہ اس سے پانی پیے گا اور جس نے اس (حوض) سے پانی پی لیا اس کے بعد وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ میرے پاس وہاں ایسے لوگ بھی آئیں گے جنھیں میں پہچانتا ہوں گا

وَيَعْرِفُونَنِي ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ».

اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے گا۔"

قَالَ أَبُو حَازِمٍ: فَسَمِعَنِي النُّعْمَانُ بْنُ أَبِي عَيَّاشٍ وَأَنَا أُحَدِّثُهُمْ هٰذَا فَقَالَ: هٰكَذَا سَمِعْتَ سَهْلًا؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: وَأَنَا أَشْهَدُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ لَسَمِعْتُهُ يَزِيدُ فِيهِ: قَالَ: «إِنَّهُمْ مِنِّي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا بَدَّلُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ: سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِي». [انظر: ۶۵۸۳، ۶۵۸۴]

ابوحازم نے کہا کہ نعمان بن ابوعیاش نے مجھے بیان کرتے سنا تو کہا: تم نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے اسی طرح سنا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ انھوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بھی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت اسی طرح سنی ہے، البتہ وہ اس میں اضافہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ لوگ مجھ سے ہیں۔ آپ کو کہا جائے گا: تم نہیں جانتے کہ انھوں نے تمھارے بعد کیا تبدیلیاں کر دی تھیں۔ اس وقت میں کہوں گا: دوری ہو، دوری ہو ان کے لیے جنھوں نے میرے بعد (دین میں) تبدیلیاں کر دیں۔"

فوائد و مسائل: رسول اللہ ﷺ کے بعد دین میں تبدیلی دو طرح سے ممکن ہے: ایک یہ کہ مرتد ہو کر اس سے پھر جائیں جیسا کہ کچھ لوگ مسیلمہ کذاب سے مل گئے تھے۔ اس قسم کے ملعون تو جنت سے بالکل محروم ہوں گے کیونکہ انھوں نے تو دین کی بنیاد ہی ختم کر ڈالی اور دوسری تبدیلی اس طرح کی ہوگی کہ آپس میں ظلم و ستم کیا ہوگا۔ اس طرح کے لوگ وقتی طور پر حوض کوثر سے دور کر دیے جائیں گے، پھر سزا بھگت کر یا سفارش کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے کیونکہ ایسے لوگ مشرک نہیں جنھیں بالکل جنت سے محروم کر دیا جائے۔ یہ لوگ کبیرہ گناہ والوں کی طرح ہوں گے جنھیں بالآخر جہنم سے نکال لیا جائے گا۔[1] بہرحال بدعت کا ارتکاب بہت سنگین جرم اور عظیم فتنہ ہے۔ انھیں پہلے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا جائے گا، پھر انھیں وہاں سے ہٹایا جائے گا۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ انھیں اور زیادہ تکلیف ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے۔

قسمت کی بدنصیبی ٹوٹی کہاں کمند　　دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

(۲) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «سَتَرَوْنَ بَعْدِي أُمُورًا تُنْكِرُونَهَا»

باب: 2- نبی ﷺ کا ارشاد گرامی: "میرے بعد تم ایسے کام دیکھو گے جو تمھیں برے لگیں گے" کا بیان

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ».

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "تم (ان کاموں پر) صبر کرو حتی کہ حوض کوثر پر مجھ سے

1 فتح الباري: 7/13.

ملاقات کرو۔"

وضاحت: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: "تم لوگوں نے اپنی حق تلفی پر صبر کرنا ہے حتی کہ تم حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کرو۔"[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وضاحت فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تلقین کے باوجود ان حضرات نے صبر سے کام نہ لیا۔[2]

٧٠٥٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً وَأُمُورًا تُنْكِرُونَهَا». قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «أَدُّوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللهَ حَقَّكُمْ». [راجع: ٣٦٠٣]

[7052] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا: "تم میرے بعد اپنے خلاف ترجیحات اور ایسے امور دیکھو گے جو تمھیں پسند نہیں ہوں گے۔" صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اللہ کے رسول! (ایسے حالات میں) ہمارے لیے آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: "تم انھیں ان کے حقوق ادا کرتے رہو اور اپنے حقوق کا اللہ سے سوال کرو۔"

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد ایسے حکمران آئیں گے جو حقوق کے معاملے میں اقرباء پروری کریں گے اور انھیں دوسروں پر ترجیح دیں گے اور ان کے حقوق پامال کریں گے اور امور دین کے متعلق ان کا یہ حال ہوگا کہ وہ ایسے کام کریں گے جنھیں دیندار طبقہ پسند نہیں کرے گا۔ ایسے حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ ہم لوگ شرعی واجبات زکاۃ کی ادائیگی اور جہاد کے وقت ان کے ساتھ شمولیت کریں اور ان کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کریں اور جہاں تک اپنے حقوق کا تعلق ہے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ انھیں عدل و انصاف کی توفیق دے۔ بہر حال حکومتی سطح پر مالی حقوق کے متعلق یہ بہت بڑا فتنہ ہے جس میں آج ہم سب مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم کا معاملہ کرے اور ہمیں صبر کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین۔

٧٠٥٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ عَبْدِ الْوَارِثِ، عَنِ الْجَعْدِ، عَنْ أَبِي رَجَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً». [انظر: ٧٠٥٤، ٧١٤٣]

[7053] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جو شخص اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو صبر کرے کیونکہ اگر کوئی اپنے امیر کی اطاعت سے بالشت بھر بھی باہر نکلا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔"

٧٠٥٤ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ

[7054] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، وہ

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4330. 2 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4331.

زَيْدٍ عَنِ الْجَعْدِ أَبِي عُثْمَانَ: حَدَّثَنِي أَبُو رَجَاءٍ الْعُطَارِدِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً». [راجع: ٧٠٥٤]

نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس نے اپنے امیر میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھی تو اسے چاہیے کہ صبر کرے، اس لیے کہ جس نے جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدگی اختیار کی اور اسی حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔''

فوائد ومسائل: ① ان احادیث میں امیر سے مراد ہماری تنظیموں کے امیر نہیں بلکہ خلیفۂ اسلام ہے جو صحیح معنوں میں صاحب اقتدار ہو۔ ایسے صاحب اختیار خلیفے کی اطاعت ضروری ہے، معمولی باتوں کا بہانہ بنا کر قانون شکنی نہ کی جائے اور نہ بغاوت کا راستہ ہی ہموار کیا جائے۔ اگر ایسا کیا تو عہد جاہلیت کی یاد تازہ ہوگی کیونکہ دور جاہلیت میں لاقانونیت کا دور دورہ تھا اور وہ لوگ ہر قسم کے قانون سے بالا زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ ② اگر کوئی حکمران وقت سے بغاوت کرتا ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے خونریزی اور فتنہ وفساد زور پکڑے گا۔ انسانوں کی عزت وآبرو اور جان ومال کی حفاظت اسی میں ہے کہ حاکم وقت کی اطاعت کی جائے۔ سازشوں اور فتنوں کو دبانے کا یہ ایک بہترین ذریعہ ہے۔ ہاں اگر حاکم وقت کھلا کفر کرے تو ایسے حالات میں جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو وہاں ان کی اطاعت نہ کی جائے۔ ③ جماعت سے علیحدگی کی صورت یہ ہے کہ وہ خلیفۂ وقت کے خلاف سرکشی کی کوشش کرے اگرچہ معمولی سی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس مذموم کوشش کا نتیجہ فساد اور خونریزی ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

٧٠٥٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ جُنَادَةَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَهُوَ مَرِيضٌ، فَقُلْنَا: أَصْلَحَكَ اللهُ، حَدِّثْ بِحَدِيثٍ يَنْفَعُكَ اللهُ بِهِ سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: دَعَانَا النَّبِيُّ ﷺ فَبَايَعْنَاهُ. [راجع: ١٨]

[7055] حضرت جنادہ بن امیہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ وہ بیمار تھے۔ ہم نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وسلامتی عطا کرے! آپ ہمیں کوئی ایسی حدیث بیان کریں جس سے اللہ تعالیٰ آپ کو نفع پہنچائے اور جسے آپ نے نبی ﷺ سے سنا ہو۔ انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے ہمیں بلایا تو ہم نے آپ کی بیعت کی۔

٧٠٥٦ - فَقَالَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا، وَأَثَرَةً عَلَيْنَا، وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ «إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللهِ

[7056] انھوں نے مزید کہا: آپ ﷺ نے ہم سے جن باتوں کا عہد لیا تھا وہ یہ تھیں کہ ہم خوشی وناگواری، تنگی وکشادگی اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینے کی صورت میں بھی اپنے امیر کی بات سنیں گے اور اس کی اطاعت کریں

فِيهِ بُرْهَانٌ». [انظر: ٧٢٠٠]

گے اور حکمرانوں کے ساتھ حکومتی معاملات میں کوئی جھگڑا نہیں کریں گے: "الا یہ کہ تم انھیں اعلانیہ کفر کرتے دیکھو اور تمھارے پاس اس کے متعلق کوئی واضح دلیل ہو۔"

فوائد ومسائل: 1 ان احادیث کا فتنوں کے ساتھ اس طرح تعلق ہے کہ جو آدمی کسی ملک کا باضابطہ شہری ہے تو اس پر ملک کے قانون کا احترام کرنا اور باتوں میں حکمرانوں کا کہا ماننا ضروری ہے۔ اگر وہ دیکھتا ہے کہ اسے حقوق نہیں دیے جا رہے یا حکمران غلط رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں تو اسے یہ اجازت ہے کہ وہ قانون کو ہاتھ میں لیے بغیر احتجاج کرے لیکن یہ احتجاج سول نافرمانی کی شکل میں نہیں ہونا چاہیے اور نہ دھرنا دینے اور توڑ پھوڑ کرنے ہی کی اجازت ہے۔ اسی طرح احتجاج کے طور پر خودکش حملے کرنا بھی ناجائز ہے۔ اس سے ملک میں بدامنی، بے چینی، انارکی اور فساد پھیلتا ہے۔ یہ بہت بڑا فتنہ ہے جس کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ 2 حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے جن کے انسانی اجسام میں شیطانی دل ہوں گے، وہ میرے طریقے کی کوئی پروا نہیں کریں گے۔" حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! ایسے حالات میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: "ایسے حکمرانوں کی بات سنی جائے اور ان کی اطاعت کی جائے اگرچہ وہ تمھارا مال کھا جائیں اور تمھاری پیٹھ پر ماریں۔"[1] 3 ایسے حکمران کو اگر بغیر فتنہ وفساد کے معزول کرنا ممکن ہو تو اس کا معزول کرنا ضروری ہے بصورت دیگر صبر کیا جائے، ایسے حالات میں خواہ مخواہ حکومت سے ٹکر لینا درست نہیں اور نہ جیل بھرو تحریک ہی شروع کرنی جائز ہے۔ 4 بہرحال ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حکمت بھرے انداز میں ڈنکے کی چوٹ کلمۂ حق کہتا رہے۔ ایسے غلط کار حکمرانوں کے متعلق دل میں نفرت کے جذبات رکھے اور اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کرتا رہے۔ مسلح اقدام سے ہرصورت میں گریز کیا جائے۔ اس قسم کی تحریکات سے فائدے کے بجائے نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ اس قسم کے پرفتن دور میں بڑی دور اندیشی سے کام لینا چاہیے۔ جذبات میں آ کر کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے اسلام یا اہل اسلام کو نقصان پہنچے۔ واللہ أعلم.

٧٠٥٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أُسَيْدِ ابْنِ حُضَيْرٍ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! اسْتَعْمَلْتَ فُلَانًا وَلَمْ تَسْتَعْمِلْنِي، قَالَ: «إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي». [راجع: ٣٧٩٢]

[7057] حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اللہ کے رسول! آپ نے فلاں آدمی کو عہدہ دیا ہے لیکن مجھے کوئی عہدہ نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میرے بعد اپنی حق تلفی دیکھو گے، ایسے حالات میں صبر کرنا حتی کہ تم قیامت کے دن مجھ سے آملو۔"

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں نے دوسرے شخص کو جو عہدہ دیا ہے وہ اس بنا پر ہے کہ مسلمانوں کی

1 صحیح مسلم، الإمارة، حدیث: 4785 (1847).

عموی مصلحت کا تقاضا بھی تھا۔ اس میں اس شخص کی کوئی ذاتی حیثیت نہیں ہے۔ میرے دور میں ذاتی ترجیحات نہیں ہوں گی۔ میرے بعد تم اس طرح کی حق تلفی اور ترجیحات دیکھو گے لیکن ایسے حالات میں تم نے کوئی فتنہ برپا نہیں کرنا ہے بلکہ صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا ہے کیونکہ اپنے حقوق لینے کے لیے غلط راستہ اختیار کرنا اس میں ملک و ملت کا نقصان ہے۔ ممکن ہے حقوق مانگنے والے کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچے، اس لیے عافیت اسی میں ہے کہ انسان نہ خود کوئی اقدام کرے اور نہ غلط کاروں کے لیے آلۂ کار بنے۔ واللہ أعلم.

(۳) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «هَلَاكُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ أُغَيْلِمَةٍ سُفَهَاءَ»

باب:3- نبی ﷺ کے فرمان: ''میری امت کی تباہی چند بے وقوف لڑکوں کی حکومت سے ہوگی'' کا بیان

٧٠٥٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي جَدِّي قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ وَمَعَنَا مَرْوَانُ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: سَمِعْتُ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ يَقُولُ: «هَلَكَةُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ غِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ»، فَقَالَ مَرْوَانُ: لَعْنَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ غِلْمَةً، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: لَوْ شِئْتُ أَنْ أَقُولَ: بَنِي فُلَانٍ وَبَنِي فُلَانٍ لَفَعَلْتُ، فَكُنْتُ أَخْرُجُ مَعَ جَدِّي إِلَى بَنِي مَرْوَانَ حِينَ مَلَكُوا بِالشَّامِ فَإِذَا رَآهُمْ غِلْمَانًا أَحْدَاثًا قَالَ لَنَا: عَسَى هٰؤُلَاءِ أَنْ يَكُونُوا مِنْهُمْ، قُلْنَا: أَنْتَ أَعْلَمُ. [راجع: ٣٦٠٤]

[7058] حضرت عمرو بن یحییٰ بن سعید سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے میرے دادا نے بتایا کہ میں مدینہ طیبہ میں نبی ﷺ کی مسجد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے صادق و مصدوق ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''میری امت کی تباہی قریش کے چند چھوکروں کے ہاتھوں سے ہوگی۔'' مروان نے کہا: ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں ان کے خاندان سمیت ان کے نام بتانا چاہوں تو ان کی نشان دہی کر سکتا ہوں۔ پھر جب بنو مروان شام کی حکومت پر قابض ہو گئے تو میں اپنے دادا کے ہمراہ ان کی طرف جاتا تھا، انھوں نے جب وہاں ان کے چھوکروں کو دیکھا تو کہا: شاید یہ انھی میں سے ہوں۔ ہم نے کہا: ان کے متعلق تو آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ حکومتی معاملات چلانے کے لیے جہاں وسیع تجربے، عقل و بصیرت اور وسیع علم کی ضرورت ہے وہاں بردباری اور بڑے حوصلے کی بھی ضرورت ہے لیکن جب کم عقل، جاہل، ناتجربہ کار اور جذباتی قسم کے کھلنڈرے حکومت پر قابض ہو جائیں تو وہاں تباہی یقینی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی امر کی نشاندہی کی ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے بے وقوف چھوکروں کے ہاتھوں سے ہوگی جیسا کہ ایک روایت میں اس کی وضاحت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کی تباہی قریش کے بے وقوف کم عقل چھوکروں کے ہاتھوں سے ہوگی۔''[1] ﴿2﴾ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد حکمرانوں کا

[1] مسند أحمد: 485/2.

جسمانی طور پر نابالغ ہونا نہیں بلکہ عقلی طور پر ناپختہ کار، دینی اعتبار سے نااہل اور حکومت کے لحاظ سے نالائق لوگ مراد ہیں جیسا کہ امت سے مراد اس وقت کے لوگ یا اس کے قرب و جوار کے لوگ ہیں، نیز ہلاکت سے مراد بھی اخلاقی بربادی ہے۔[1] ابن بطال نے کہا ہے کہ ہلاکت کی وضاحت ایک دوسری حدیث میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بچوں کی حکومت سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ لوگوں نے کہا: اس سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے کہا کہ اگر تم ان کا کہا مانو گے تو تمھارے دین کی تباہی اور اگر تم ان کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمھیں تباہ کر دیں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ ایسے حالات میں بغاوت کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ تباہی کا راستہ ہے، البتہ کلمۂ حق کہنے میں کوتاہی نہ کی جائے۔[2]

(٤) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ»

باب: 4- نبی ﷺ کے فرمان: ''عرب کی ہلاکت ایک ایسی آفت سے ہوگی جو قریب آ گئی ہے'' کا بیان

٧٠٥٩ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ أَنَّهُ سَمِعَ الزُّهْرِيَّ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُنَّ أَنَّهَا قَالَتْ: اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ النَّوْمِ مُحْمَرًّا وَّجْهُهُ وَهُوَ يَقُولُ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ، فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هٰذِهِ» وَعَقَدَ سُفْيَانُ تِسْعِينَ أَوْ مِائَةً. قِيلَ: أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟ قَالَ: «نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ». [راجع: ٣٣٤٦]

[7059] حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک مرتبہ نبی ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو آپ کا چہرۂ انور سرخ تھا۔ اس وقت آپ نے فرمایا: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، عربوں کی تباہی اس آفت سے ہوگی جو قریب ہی آ گئی ہے۔ آج یاجوج ماجوج کی دیوار سے اتنا سوراخ ہو گیا ہے۔'' سفیان نے نوے یا سو کا اشارہ کر کے بتایا: پوچھا گیا کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جبکہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں جب بدکاری اور خباثت زیادہ بڑھ جائے گی۔''

فوائد و مسائل: ① عربوں کے ہاں نوے کا عدد اس طرح ہے کہ شہادت والی انگلی کا سر انگوٹھے کی جڑ پر رکھیں، پھر انگوٹھے کو انگلی کے ساتھ اس طرح ملا دیں کہ اندر گول دائرے کا نشان بن جائے۔ ② حدیث میں خباثت سے مراد فسق و فجور کی بہتات اور زنا و اولادِ زنا کی کثرت ہے۔ یاجوج ماجوج سے مراد وہ انتہائی شمال مشرقی علاقے کی وحشی قومیں ہیں جو پہاڑی دروں کے راستے سے یورپ اور ایشیاء کی مہذب قوموں پر حملہ آور ہوتی تھیں۔ ذوالقرنین نے ایک پچاس میل لمبی 29 فٹ اونچی اور 10 فٹ چوڑی دیوار بنا کر ان دروں کو پاٹ دیا تھا، جس پر چڑھا جا سکتا ہے نہ اس میں شگاف کیا جا سکتا ہے۔ قرب قیامت یہ دیوار ختم ہو جائے

1 فتح الباري: 13/13. 2 سلسلة الأحاديث الصحيحة، رقم: 3191، و المصنف لابن أبي شيبة: 5/49، رقم: 19082، وفتح الباري: 14/13.

گی تو یاجوج ماجوج سمندر کی موجوں کی طرح بے شمار تعداد میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے نکلیں گے اور اس طرح حملہ آور ہوں گے جس طرح کوئی شکاری جانور پنجرے سے آزاد ہو کر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ یہ دونوں قومیں متحد ہو کر شورش برپا کریں گی اور ایسا قیامت کے قریب ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حملے کو قیامت کی نشانی قرار دیا ہے۔[1] ③ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں وہ دیوار تھوڑی سی کھل گئی تھی جو دن بدن زیادہ ہوتی جائے گی حتی کہ قیامت کے قریب وہ بالکل ختم ہو جائے گی۔ حدیث میں عرب کو اس لیے خاص کیا ہے کہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے یہی لوگ تھے اور جب فتنوں کا آغاز ہوگا تو سب سے پہلے یہی لوگ ان کا شکار ہوں گے۔[2]

٧٠٦٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ. وَحَدَّثَنِي مَحْمُودٌ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَشْرَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى أُطُمٍ مِنْ آطَامِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ: «هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى؟» قَالُوا: لَا، قَالَ: «فَإِنِّي لَأَرَى الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَوَقْعِ الْقَطْرِ». [راجع: ١٨٧٨]

[7060] حضرت اسامہ بن زید ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ مدینہ کے ٹیلوں میں سے ایک ٹیلے پر چڑھے تو فرمایا: ''میں جو کچھ دیکھتا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ صحابہ نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''میں فتنے دیکھ رہا ہوں کہ وہ بارش کے قطروں کی طرح تمھارے گھروں میں داخل ہو رہے ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی کہ مدینہ طیبہ سے فتنوں کا جو آغاز ہوا وہ آج تک نہیں رک سکا۔ شہادت عثمان مدینہ طیبہ میں ہوئی اور اس کے ساتھ ہی فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ جنگ جمل اور جنگ صفین کا باعث بھی شہادت عثمان ؓ تھی۔ نہروان کی لڑائی تحکیم کی وجہ سے ہوئی اور یہ بھی جنگ صفین کے موقع پر فیصلہ ہوا۔ ② شہادت عثمان ؓ کا سبب ان کے تعینات کردہ عمال و حکام پر اعتراضات تھے اور یہ تحریک فتنوں کی سرزمین عراق سے اٹھی جو مدینہ طیبہ سے مشرق کی طرف ہے جس کی نشاندہی رسول اللہ ﷺ نے پہلے سے فرما دی تھی۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے وقوع فتن کی نشاندہی فرمائی ہے تاکہ اہل مدینہ ان سے نمٹنے کے لیے تیاری کریں لیکن ان سے کوئی دلچسپی نہ رکھیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے ان فتنوں سے بچنے کی پناہ مانگتے رہیں اور دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں فتنوں سے محفوظ رکھے۔[3]

(٥) بَابُ ظُهُورِ الْفِتَنِ

باب: 5- فتنوں کے ظہور کا بیان

٧٠٦١ - حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ

[7061] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''زمانہ قریب

1 صحیح مسلم، الفتن، حدیث: 7285 (2901)۔ 2 فتح الباري: 18/13۔ 3 فتح الباري: 18/13۔

سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيَنْقُصُ الْعَمَلُ، وَيُلْقَى الشُّحُّ، وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ، وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُّمَا هُوَ؟ قَالَ: «الْقَتْلُ الْقَتْلُ».

[راجع: ٨٥]

ہوتا جائے گا، عمل کم ہو جائیں گے، لالچ دلوں میں ڈال دیا جائے گا۔ فتنے زیادہ ہونے لگیں گے اور ہرج کی کثرت ہو گی۔" صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہرج کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "قتل، قتل۔"

وَقَالَ يُونُسُ وَشُعَيْبٌ وَاللَّيْثُ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

یونس، شعیب، لیث اور امام زہری کے بھتیجے نے امام زہری سے بیان کیا، انھوں نے حمید سے، انھوں نے ابوہریرہ ؓ سے، انھوں نے نبی کریم ﷺ سے۔

٧٠٦٢، ٧٠٦٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ ابْنُ مُوسَى عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي مُوسَى فَقَالَا: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ لَأَيَّامًا يَنْزِلُ فِيهَا الْجَهْلُ، وَيُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ، وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ»، وَالْهَرْجُ: الْقَتْلُ. [انظر: ٧٠٦٤، ٧٠٦٥، ٧٠٦٦]

[7063,7062] حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "بے شک قیامت سے کچھ وقت پہلے جہالت عام ہو جائے گی اور علم اٹھا لیا جائے گا۔ اس زمانے میں ہرج بکثرت ہوگا۔ اور ہرج قتل ہے۔"

فائدہ: ان احادیث میں قیامت کی چند ایک نشانیاں بیان کی گئی ہیں جن کی مختصر تشریح حسب ذیل ہے: ○ تقارب زمان: لوگوں کے عیش و عشرت میں پڑ جانے کی بنا پر وقت سے برکت اٹھا لی جائے گی یہاں تک کہ سال مہینے کی طرح، مہینہ، ہفتے کی طرح، ہفتہ دن کی طرح اور دن ایک گھڑی کی طرح گزرے گا کیونکہ لذت و سرور میں وقت گزرنے کا پتا نہیں چلتا۔ ○ عمل کی کمی: دنیا پرستی کی وجہ سے لوگوں کا اپنی آخرت سنوارنے کی طرف خیال نہیں ہوگا۔ نیک اعمال کی کمی ہوگی، لوگ برے اعمال میں دلچسپی لیں گے، پھر نقص عمل حسی، نقص دین کے باعث ہوگا، پھر وہ نقص عمل معنوی کا سبب بنے گا۔ کھانا پینا اچھا نہ ہوگا اور اچھے اعمال کرنے میں کوئی ان کے موافق نہ ہوگا، یعنی نفس راحت و آرام کی طرف مائل ہوں گے۔ ○ لالچ کی کثرت: لوگوں کے حالات مختلف ہونے کی بنا پر ان کے دلوں میں بخل، طمع اور لالچ جیسی بیماریاں جنم لیں گی۔ اصل طمع و لالچ تو ہر وقت موجود رہتا ہے، یہاں اس سے مراد ان کا غلبہ اور کثرت ہے جو دنیا میں فساد اور فتنوں کا باعث ہوگا۔ اس لالچ کی وجہ سے حرام و حلال کی تمیز ختم ہو جائے گی۔ ○ قتل و غارت کی بہتات: انسانی جان کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی بلکہ انھیں گاجر مولی کی طرح کاٹا جائے گا۔ قاتل کو پتا نہیں ہوگا کہ میں نے کیوں قتل کیا اور مقتول کو بھی علم نہ ہوگا کہ مجھے کس جرم کی پاداش میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ آج کل بم دھماکے، خودکش حملے اسی نوعیت کے ہیں۔ ○ جہالت کا دور دورہ: لوگ دینی مسائل سے لاعلم ہوں گے۔ سائنسی علوم

کی ترقی کے دور میں دین کے متعلق کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہمارا خود مشاہدہ ہے کہ خاوند پندرہ دفعہ طلاق دے کر اپنی بیوی سے صلح کر لیتا ہے اور اسے برادری والے اس پر مجبور کر دیتے ہیں۔ جہالت کی وجہ سے بہنوں، بیٹیوں کے مقدس رشتوں کو اپنی نفسانی خواہش کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ ○ رفع علم: اہل علم، ایک ایک کر کے اٹھ جائیں گے۔ اسی طرح ان کے چلے جانے سے علم بھی اٹھا لیا جائے گا۔ لوگ ایسے حالات میں جاہلوں سے مسائل دریافت کریں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اس دور میں بھی صحیح اہل علم کے متعلق قحط الرجال ہے۔ ○ فتنوں کا غلبہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے فتنوں کا غلبہ ثابت کرنے کے لیے یہ احادیث بیان کی ہیں۔ آج کل ہر طرف فتنوں کا غلبہ ہے۔ اقتدار کا فتنہ، دولت کا فتنہ، بے حیائی کا فتنہ، اباحیت پسندی کا فتنہ، روشن خیالی کا فتنہ اور اولاد کا فتنہ۔ بہرحال اس وقت فتنوں کی بہتات ہے۔ کوئی سرا ہاتھ نہیں آتا کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہنا چاہیے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ. اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے فتنوں سے نجات دے، خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ واللّٰه المستعان۔

٧٠٦٤ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا شَقِيقٌ قَالَ: جَلَسَ عَبْدُ اللهِ وَأَبُو مُوسٰى فَتَحَدَّثَا، فَقَالَ أَبُو مُوسٰى: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ لَأَيَّامًا يُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ، وَيَنْزِلُ فِيهَا الْجَهْلُ، وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ»، وَالْهَرْجُ: الْقَتْلُ. [راجع: ٧٠٦٣]

[7064] حضرت شقیق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''بے شک قیامت سے پہلے ایسے دن آئیں گے جن میں علم اٹھا لیا جائے گا، جہالت اتر پڑے گی اور ہرج کی کثرت ہو گی۔'' اور ''ہرج'' کے معنی ہیں: قتل۔

٧٠٦٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: إِنِّي لَجَالِسٌ مَعَ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَقَالَ أَبُو مُوسٰى: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ مِثْلَهُ. وَالْهَرْجُ بِلِسَانِ الْحَبَشِ: الْقَتْلُ. [راجع: ٧٠٦٣]

[7065] حضرت ابو وائل رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے سنا۔ اسی (سابقہ حدیث) کی مثل (بیان کیا)۔ حبشی زبان میں ''ہرج'' کے معنی ہیں: قتل۔

٧٠٦٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ - وَأَحْسِبُهُ رَفَعَهُ - قَالَ: «بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ أَيَّامُ الْهَرْجِ، يَزُولُ فِيهَا الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ فِيهَا الْجَهْلُ». قَالَ أَبُو مُوسٰى: وَالْهَرْجُ: الْقَتْلُ بِلِسَانِ

[7066] حضرت ابو وائل رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں..... میرا (ابو وائل کا) خیال ہے کہ انھوں نے یہ حدیث مرفوع بیان کی تھی..... آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت سے پہلے ہرج کے دن ہوں گے۔ ان (دنوں) میں علم ختم ہو جائے گا جبکہ

الْحَبَشَةِ. [راجع: ٧٠٦٢]

جہالت کا غلبہ ہوگا۔" حضرت ابو موسیٰ ؓ نے فرمایا: حبشی زبان میں "ھرج" کے معنی ہیں، قتل۔

٧٠٦٧ - وَقَالَ أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنِ الْأَشْعَرِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللهِ: تَعْلَمُ الْأَيَّامَ الَّتِي ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَيَّامَ الْهَرْجِ؟ نَحْوَهُ.

[7067] حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے کہا: آپ وہ حدیث جانتے ہیں جو نبی ﷺ نے ایام ہرج کے متعلق بیان فرمائی تھی؟

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ».

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "لوگوں میں بدترین اور شریر وہ ہوں گے جن کی زندگی میں قیامت آئے گی۔"

فائدہ: ایک حدیث میں ہے: "ایک گروہ ایسا زندہ رہے گا جو قیامت تک حق کی حمایت میں لڑتا رہے گا۔"[1] اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا کہ قیامت بڑے بڑے افاضل پر بھی قائم ہوگی، لیکن ہمارے رجحان کے مطابق قیامت شرارتی لوگوں پر ہی قائم ہوگی اور اس سے پہلے نیک لوگوں کو اٹھا لیا جائے گا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے: "قیامت سے پہلے ایک پاکیزہ ہوا چلے گی، جس میں ہر مومن مرد اور مومن عورت کی روح کو قبض کر لیا جائے گا پھر دنیا میں خبیث لوگ رہ جائیں گے اور وہ گدھوں کی طرح گلی کوچوں میں بدکاری کریں گے، ان لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔"[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ عمدہ ہوا چلنے تک افاضل لوگ زندہ رہیں گے پھر گندگی پھیل جائے گی اور گندے لوگوں پر قیامت قائم ہوگی، ایک روایت میں ہے: "قیامت اس وقت آئے گی جب دنیا میں کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا باقی نہیں رہے گا۔"[3]

(٦) بَابٌ: لَا يَأْتِي زَمَانٌ إِلَّا الَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ

باب: 6- بعد میں آنے والا دور پہلے سے بدتر ہوگا

٧٠٦٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ قَالَ: أَتَيْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ مَا يَلْقَوْنَ مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ: «اصْبِرُوا فَإِنَّهُ لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلَّا وَالَّذِي بَعْدَهُ أَشَرُّ مِنْهُ حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ». سَمِعْتُهُ مِنْ نَبِيِّكُمْ ﷺ.

[7068] حضرت زبیر بن عدی ؒ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم حضرت انس ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حجاج سے پہنچنے والی تکلیفوں کی شکایت کی۔ انھوں نے فرمایا: صبر کرو کیونکہ بعد میں آنے والا دور پہلے دور سے بدتر ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو۔ میں نے یہ بات تمھارے نبی ﷺ سے سنی ہے۔

---

(1) صحيح مسلم، الإيمان: 395 (156). (2) صحيح مسلم، الفتن: 7373 (2937). (3) مسند أحمد: 307/13.

فائدہ: حدیث میں مذکور قاعدے کا اطلاق حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور پر نہیں ہوتا جو حجاج بن یوسف کے چند سالوں بعد آیا کیونکہ ان کے دور میں تمام خرابیاں دم توڑ گئی تھیں اور لوگ بہت خوشحال تھے لیکن کچھ محدثین نے اس کلیے کو اغلبیت پر محمول کیا ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق بعد والے دور کے مقابلے میں پہلے دور کی برتری مجموعی اعتبار سے ہے، حجاج بن یوسف کے دور میں صحابۂ کرام کی کثرت تھی اور یہ کثرت حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں نہ تھی اور جس دور میں صحابۂ کرام ؓ موجود ہوں وہ اس دور سے افضل ہے جس میں صحابۂ کرام کا فقدان ہو، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''میرے صحابہ میری امت کے لیے امن وسلامتی کی ضمانت ہیں، جب یہ ختم ہو جائیں گے تو امت ان حالات سے دوچار ہوگی جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔''[1] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے ایک اثر سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے، آپ نے فرمایا: بعد میں آنے والا دور پہلے سے بدتر ہوگا یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی، اس سے میری مراد مال ودولت کی فراوانی یا زندگی کی آسودگی نہیں ہے لیکن بعد میں آنے والا دور علم وعمل کے اعتبار سے کمتر ہوگا، جب علماء ختم ہو جائیں گے تو جہالت کے اعتبار سے سب لوگ یکساں ہوں گے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے اہل نہیں ہوں گے تو اس وقت ان کی ہلاکت یقینی ہے۔[2]

٧٠٦٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ؛ ح: وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ الْفِرَاسِيَّةِ: أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتِ: اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْلَةً فَزِعًا يَقُولُ: «سُبْحَانَ اللهِ! مَاذَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ الْخَزَائِنِ؟ وَمَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ؟ مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ - يُرِيدُ أَزْوَاجَهُ - لِكَيْ يُصَلِّينَ؟ رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ».

[راجع: ١١٥]

[7069] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ایک رات گھبرا کر بیدار ہوئے تو فرمایا: ''سبحان اللہ! اس رات اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے خزانے اتارے ہیں اور کس طرح کے فتنے نازل کیے ہیں؟ کوئی شخص ہے جو ان حجروں میں محو استراحت (سوئی ہوئی) خواتین (آپ کی بیویوں) کو جگائے تاکہ یہ اٹھ کر نماز پڑھیں؟ بہت سی دنیا میں لباس پہننے والی عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔''

فائدہ: اس حدیث سے امام بخاری ؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ پرفتن دور پرامن دور سے بدتر ہوگا۔ عورتیں کپڑے پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔ محدثین نے اس جملے کے چند ایک مفہوم بیان کیے ہیں: ○ تونگری کی بنا پر دنیا میں لباس پہنا ہوگا لیکن بدعملی کی وجہ سے آخرت میں ثواب سے محروم ہوں گی۔ ○ دنیا میں لباس پہنا ہوگا لیکن باریک ہونے کی وجہ سے ستر پوشی نہیں کرے گا، اس لیے آخرت میں انھیں یہ سزا دی جائے گی کہ ایسی عورتوں کو ننگا اٹھایا جائے گا۔ ○ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں

---

1 صحیح مسلم، فضائل الصحابة، حدیث: 6466 (2531). 2 فتح الباری: 27/13.

استعمال کریں گی لیکن شکر گزاری سے عاری ہوں گی جس کا نتیجہ آخرت میں سامنے آئے گا۔ ○ لباس اس قدر چست ہوگا کہ جسم کے نشیب و فراز نمایاں نظر آئیں گے، یوں محسوس ہوگا کہ گویا جسم ننگا ہے، اس کی سزا انھیں آخرت میں بھگتنا ہوگی۔ ○ نیک صالح خاوند کے نکاح میں ہوں گی لیکن بدعملی کی وجہ سے انھیں قیامت کے دن اس رشتے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ [1]

(٧) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا»

باب: 7- نبی ﷺ کے فرمان: ''جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھایا وہ ہم سے نہیں'' کا بیان

٧٠٧٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا». [راجع: ٦٨٧٤]

[7070] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھایا وہ ہم سے نہیں ہے۔''

٧٠٧١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا».

[7071] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس نے ہم مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔''

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ اگر ہتھیار اٹھانے والا مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کو حلال سمجھتا ہے تو ایسی حالت میں وہ مسلمان نہیں بلکہ دین اسلام سے خارج ہے لیکن جو اسے حلال خیال نہیں کرتا تو ایسا انسان ہمارے طریقے پر نہیں اور نہ وہ ہمارا پیروکار ہی ہے کیونکہ مسلمان کا مسلمان پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی مدد کرے اور اس کی جان بچانے کے لیے ہتھیار اٹھائے۔ لیکن جو اہل اسلام کو ڈرانے کے لیے ہتھیار اٹھاتا ہے وہ ہمارے راستے پر چلنے والا نہیں ہے کیونکہ اس نے ایک حرام کام کا ارتکاب کیا ہے۔ ﴿2﴾ اکثر اسلاف اسے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہیں اور اس کی کوئی تاویل نہیں کرتے تاکہ وعید و زجر کے متعلق زیادہ موثر ہو۔ [2]

٧٠٧٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يُشِيرُ أَحَدُكُمْ عَلَى أَخِيهِ بِالسِّلَاحِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِي يَدِهِ فَيَقَعُ فِي حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ».

[7072] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے کیونکہ وہ (اس کے انجام کو) نہیں جانتا ممکن ہے کہ شیطان اس کے ہاتھ سے وار کرا دے، پھر وہ (اس وجہ سے) دوزخ کے گڑھے میں جا گرے۔''

1 فتح الباري: 30/13. 2 فتح الباري: 31/13.

٧٠٧٣ – حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: قُلْتُ لِعَمْرٍو: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ! سَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: مَرَّ رَجُلٌ بِسِهَامٍ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَمْسِكْ بِنِصَالِهَا؟» قَالَ: نَعَمْ. [راجع: ٤٥١]

[7073] حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے عمرو بن دینار سے پوچھا: اے ابومحمد! آپ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ انھوں نے کہا: ایک صاحب تیر لے کر مسجد سے گزرے تو اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تیر کی نوک کا خیال رکھو؟'' عمرو نے کہا: ہاں میں نے سنا ہے۔

٧٠٧٤ – حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ رَجُلًا مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ بِأَسْهُمٍ قَدْ بَدَا نُصُولُهَا فَأُمِرَ أَنْ يَأْخُذَ بِنُصُولِهَا لَا يَخْدِشُ مُسْلِمًا». [راجع: ٤٥١]

[7074] حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ ایک آدمی مسجد سے تیر لے کر گزرا جن کے پھل باہر نکلے ہوئے تھے۔ اسے حکم دیا گیا کہ ان کے پھل پکڑ رکھو، ایسا نہ ہو وہ کسی کو زخمی کر دیں۔

٧٠٧٥ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا مَرَّ أَحَدُكُمْ فِي مَسْجِدِنَا أَوْ فِي سُوقِنَا وَمَعَهُ نَبْلٌ فَلْيُمْسِكْ عَلَى نِصَالِهَا – أَوْ قَالَ: فَلْيَقْبِضْ بِكَفِّهِ – أَنْ يُصِيبَ أَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِينَ مِنْهَا بِشَيْءٍ» [راجع: ٤٥٢]

[7075] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی ہماری مسجد یا ہمارے بازار سے گزرے اور اس کے پاس تیر ہوں تو ان کی نوک کا خیال رکھے.....'' یا فرمایا..... ''انھیں اپنے ہاتھ میں تھامے رکھے، ایسا نہ ہو اس سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچے۔''

فوائد و مسائل: ① جو چیز کسی ناجائز کام تک پہنچائے اس سے بچنا بھی ضروری ہے کیونکہ ممنوع کام کا ارادہ کرنا یا بلاقصد ہو جانا، اس سے پرہیز ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو تیروں کے پھل پکڑنے کا حکم دیا کیونکہ ہجوم میں اگر تیر کھلے ہوں تو لوگوں کو خراشیں آنے کا خطرہ ہے، اس لیے کھلے بازار یا مجالس میں کھلے تیر لے کر چلنا ممنوع ہے۔ دور حاضر میں اسلحے کا بھی یہی حکم ہے کہ اسے تالا لگا کر رکھے اور اس کی نالی اوپر کی طرف رکھی جائے تاکہ اگر کسی وجہ سے فائر ہو جائے تو اس سے کسی کا نقصان نہ ہو۔ ② ان تمام احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ناحق خون ریزی کو کتنی سنگین نظر سے دیکھتے تھے، لیکن جب فتنوں کا دور ہو تو اس میں مزید احتیاط کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ قدم قدم پر انتہائی احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھنے کی ہدایت فرما رہے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ آپس میں قتل و غارت کر کے اپنی طاقت کو پارہ پارہ نہ کریں۔ ایک حدیث سے اس امر کی مزید وضاحت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مجلس سے گزرے تو لوگ ایک دوسرے سے ننگی تلواروں کا تبادلہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں نے تمھیں اس سے منع نہیں کیا؟ جب کوئی دوسرے کو تلوار دینا چاہے تو پہلے اسے میان میں بند

کرے پھر وہ اپنے بھائی کو دے۔"[1] ایک روایت میں ہے: "فرشتے اس شخص پر لعنت کرتے ہیں جو ننگے ہتھیار سے دوسرے کی طرف اشارہ کرتا ہے، خواہ وہ اس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔"[2] جب ہتھیار سے اشارہ کرنا باعث لعنت ہے تو اس سے دوسرے مسلمان کو نقصان پہنچانا کس قدر سنگین جرم ہوگا۔ بہر حال یہ کام سنجیدگی سے ہو یا مذاق کے طور پر اس کے متعلق احادیث میں بہت سخت وعید بیان ہوئی ہے۔[3]

(٨) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»

باب: 8- ارشاد نبوی: "میرے بعد تم کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو" کا بیان

٧٠٧٦ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنِي أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا شَقِيقٌ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ». [راجع: ٤٨]

[7076] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔"

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کی شان ورود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ انصار کی ایک مجلس سے گزرے تو وہاں ایک آدمی گالی گلوچ میں بہت مشہور تھا۔ آپ ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی تو اس آدمی نے کہا میں آئندہ کسی کو گالی نہیں دوں گا۔[4] ② امام بخاری ؒ نے عنوان میں "کفار" کے معنی متعین کرنے کے لیے اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ کفر، کفر کی مختلف قسمیں ہیں اور اس مقام پر کفر کبیرہ گناہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے دین اسلام سے خروج مراد نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے: "اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔"[5] اللہ تعالیٰ نے لڑنے کے باوجود انھیں "مومن" کہا ہے۔ امام بخاری ؒ نے ایک مقام پر اس آیت سے استدلال کر کے کفر کے معنی متعین کیے ہیں۔[6] ③ اس حدیث میں مسلمان سے لڑنے کو بطور تغلیظ کفر سے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ مسلمان اس سے پرہیز کریں۔ اگر مسلمان سے لڑنا اور اسے قتل کرنا حلال خیال کرتا ہے تو اسے حقیقی معنی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بطور تشبیہ یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہو کہ مسلمان کو قتل کرنا کافروں کا کام ہے۔[7]

٧٠٧٧ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: أَخْبَرَنِي وَاقِدُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا تَرْجِعُونَ بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ». [راجع: ١٧٤٢]

[7077] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔"

---

① مسند أحمد: 3/347. ② جامع الترمذي، الفتن، حديث: 2162. ③ فتح الباري: 13/32. ④ فتح الباري: 13/34.

⑤ الحجرات 49: 9. ⑥ صحيح البخاري، الإيمان، باب: 23. ⑦ فتح الباري: 13/34.

فوائد ومسائل: ① ہم نے حدیث: 6869 کے تحت اس حدیث کے آٹھ معنی متعین کیے ہیں، انھیں ضرور ملاحظہ کیا جائے۔ بہرحال مسلمان کا خون ناحق بہت بڑا گناہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے کفر سے تعبیر کیا ہے اور کفر سے مراد حق کا چھپانا ہے، یعنی میرے بعد تم حق کو مت چھپانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو کیونکہ مسلمان تو دوسرے مسلمان کا دفاع کرتا ہے۔ یہ اس کا حق ہے اور اگر اس سے لڑائی کرتا ہے تو گویا اس کے حق کو چھپاتا ہے۔ ② ایک معنی یہ بھی ہیں کہ قتل مذکور انسان کو کفر کی طرف پہنچا دیتا ہے کیونکہ جو شخص بڑے بڑے گناہوں کا عادی ہو جائے تو پھر خطرہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے بڑے جرم میں مبتلا ہو جائے، یعنی اس کا خاتمہ اسلام پر نہ ہو۔ بہرحال فتنے کے دور میں انسان کو نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔[1]

٧٠٧٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ سِيرِينَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ وَعَنْ رَجُلٍ آخَرَ - هُوَ أَفْضَلُ فِي نَفْسِي مِنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ - عَنْ أَبِي بَكْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ: «أَلَا تَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟» قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ - قَالَ: حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ - فَقَالَ: «أَلَيْسَ بِيَوْمِ النَّحْرِ؟» قُلْنَا: بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ: «أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟ أَلَيْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الْحَرَامِ؟» قُلْنَا: بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ وَأَبْشَارَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟» قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: «اللّٰهُمَّ اشْهَدْ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَإِنَّهُ رُبَّ مُبَلِّغٍ يُبَلِّغُهُ مَنْ هُوَ أَوْعٰى لَهُ». فَكَانَ كَذٰلِكَ. قَالَ: «لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ».

[7078] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا: ''کیا تمھیں معلوم ہے کہ آج کون سا دن ہے؟'' صحابۂ کرام نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہم نے سمجھا شاید آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، لیکن آپ نے فرمایا: ''کیا یہ قربانی کا دن نہیں؟'' ہم نے کہا: اللہ کے رسول! کیوں نہیں! پھر آپ نے فرمایا: ''یہ کون سا شہر ہے؟ کیا یہ حرمت والا شہر نہیں؟'' ہم نے کہا: اللہ کے رسول! کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک تمھارے خون، تمھارے مال، تمھاری عزت اور تمھارے بدن تم پر حرام ہیں جس طرح اس دن کی حرمت اس مہینے اور اس شہر میں ہے۔ خبردار! کیا میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا ہے؟'' ہم نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ یہاں موجود لوگ میرا یہ پیغام غیر موجود لوگوں کو پہنچا دیں کیونکہ بسا اوقات سننے والے سے وہ شخص زیادہ یاد رکھتا ہے جسے حکم پہنچایا جائے۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ حُرِّقَ ابْنُ الْحَضْرَمِيِّ، حِينَ

پھر جب وہ دن آیا جب عبداللہ بن عمرو بن حضرمی

[1] فتح الباري: 35/13.

حَرَّقَهُ جَارِيَةُ بْنُ قُدَامَةَ، قَالَ: أَشْرِفُوا عَلَى أَبِي بَكْرَةَ. فَقَالُوا: هٰذَا أَبُو بَكْرَةَ يَرَاكَ، قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: فَحَدَّثَتْنِي أُمِّي عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّهُ قَالَ: لَوْ دَخَلُوا عَلَيَّ مَا بَهَشْتُ بِقَصَبَةٍ. [راجع: ٦٧]

ؓ کو جلا دیا گیا تھا، انھیں جاریہ بن قدامہ نے جلایا تو اس (جاریہ) نے کہا: ابوبکرہ ؓ کو دیکھو (وہ کس خیال میں ہے؟) لوگوں نے کہا: یہ ابوبکرہ ؓ موجود ہیں اور تمھیں دیکھ رہے ہیں۔ عبدالرحمٰن نے کہا: مجھے میری والدہ نے بتایا کہ اس وقت ابوبکرہ ؓ نے کہا: اگر وہ لوگ (جاریہ کے لشکر والے) میرے گھر میں گھس آئیں تو میں انھیں بانس کی چھڑی بھی نہ ماروں۔

فوائد ومسائل: ﴿1﴾ فتنے کے دور میں دوسرے صحابۂ کرام ؓ کی طرح حضرت ابوبکرہ ؓ کا یہ موقف تھا کہ گوشہ نشینی اختیار کی جائے اور لڑائی سے کنارہ کشی کی جائے، اس لیے انھوں نے مذکورہ جواب دیا۔ ان کا یہ موقف درج ذیل حدیث کے مطابق تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فتنوں کا ذکر کیا۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر مجھ پر ایسا وقت آ جائے تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ''اپنے ہاتھ اور زبان کو روک کر اپنی حویلی میں داخل ہو جانا۔'' میں نے عرض کی: اگر فتنہ پرداز میری حویلی میں آ جائیں تو؟ آپ نے فرمایا: ''اپنے گھر میں داخل ہو جاؤ۔'' عرض کی: اگر وہ گھر کے اندر آ جائیں تو؟ آپ نے فرمایا: ''مسجد میں چلے جاؤ۔'' اور میری کلائی کو پکڑ کر فرمایا: ''کہہ دو، میرا رب اللہ ہے یہاں تک کہ اسی پر تمھیں موت آ جائے۔''[1] حضرت عبداللہ بن عمرو بن حضرمی ؓ، مشہور صحابی علاء بن حضرمی ؓ کے بھتیجے ہیں۔ انھیں حضرت امیر معاویہ ؓ نے خون عثمان ؓ کے متعلق فضا ہموار کرنے کے لیے بصرے بھیجا تو حضرت علی ؓ نے جاریہ بن قدامہ کو بھیجا تاکہ انھیں گرفتار کیا جائے۔ حضرمی، ایک مکان میں چھپ گئے تو جاریہ نے مکان کا گھیراؤ کر کے اسے آگ لگا دی۔ اس طرح حضرت عبداللہ بن حضرمی اور ان کے رفقاء جل کر خاکستر ہو گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ اس دوران میں جاریہ نے حضرت ابوبکرہ ؓ کے متعلق پوچھا کہ ان کا پتا کرو وہ حضرت علی ؓ کی بیعت کرتے ہیں یا نہیں۔ اس پر حضرت ابوبکرہ ؓ نے مذکورہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہے۔[2] ﴿2﴾ بہرحال فتنے کے دور میں گوشہ نشینی ہی میں عافیت ہے۔ ایسے حالات میں جنگ و قتال کرنا فتنہ پروری ہے۔ ایک مسلمان کو اس سے بچنا چاہیے۔

٧٠٧٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِشْكَابَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تَرْتَدُّوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ». [راجع: ١٧٣٩]

[7079] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میرے بعد الٹے پاؤں پھر کر کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

1 مسند أحمد: 449/1، والصحيحة للألباني، حديث: 3254. 2 فتح الباري: 36/13.

٧٠٨٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ: سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ بْنَ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ جَدِّهِ جَرِيرٍ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: «اسْتَنْصِتِ النَّاسَ»، ثُمَّ قَالَ: «لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ». [راجع: ١٢١]

[7080] حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ''لوگوں کو خاموش کراؤ۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا مقصد یہ تھا کہ آپس میں لڑنا جھگڑنا اور جنگ وقتال کرنا مسلمانوں کا شیوہ نہیں، یہ کافروں کا طریقہ ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس سے کلی طور پر پرہیز کریں، لیکن مسلمانوں نے بہت جلد اس پیغام کو بھلا دیا۔ قرون اولیٰ میں جو بھی خانہ جنگی ہوئی ہے اور مسلمانوں کا ناحق خون بہا ہے، وہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے انتہائی افسوس ناک اور تکلیف دہ ہے، حالانکہ فتنے کے دور میں گوشہ نشینی میں عافیت تھی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوبکرہ اور ان جیسے دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی موقف اختیار کیا جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے: ''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آئندہ دور میں فتنے رونما ہوں گے ان میں بیٹھ رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ ایسے حالات میں اگر کسی کے پاس اونٹ ہیں تو ان کی دیکھ بھال میں لگ جائے اور اگر کسی کے پاس بکریاں ہیں تو ان کے باڑے میں پناہ گزیں ہو جائے۔ اگر کسی کے پاس زمین ہے تو وہاں چلا جائے۔'' ایک آدمی نے کہا: اگر کسی کے پاس اونٹ، بکریاں اور زمین نہ ہو تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اپنی تلوار پتھر پر مار کر خراب کر لے، پھر ایسے فتنوں سے خود کو محفوظ کرے۔'' ایک شخص نے کہا: اگر مجھے مجبور کر کے کسی صف یا کسی جماعت کے ساتھ کھڑا کر دیا جائے اور مجھے کوئی تلوار یا تیر سے قتل کر دے تو؟ آپ نے فرمایا: ''اس نے تیرا اور اپنا گناہ سمیٹ لیا اور وہ جہنم رسید ہوا۔''[1]

(٩) بَابٌ: تَكُونُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ

باب: 9- ایسا فتنہ جس میں بیٹھ رہنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا

٧٠٨١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ. قَالَ إِبْرَاهِيمُ: وَحَدَّثَنِي صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ:

[7081] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب ایسے فتنے رونما ہوں گے کہ ان میں بیٹھ رہنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور ان میں چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ جو

1 صحیح مسلم، الفتن، حدیث: 7250 (2887).

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سَتَكُونُ فِتَنٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِي، مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ، فَمَنْ وَجَدَ فِيهَا مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ». [راجع: ٣٦٠١]

شخص ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے گا وہ (فتنے) اسے اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ ایسے حالات میں جس کسی کو کوئی بھی جائے پناہ یا تحفظ کی جگہ مل جائے وہ اس میں چلا جائے۔"

٧٠٨٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سَتَكُونُ فِتَنٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِي، مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ، فَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ». [راجع: ٣٦٠١]

[7082] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایسے فتنے برپا ہوں گے کہ ان میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ اگر کوئی ان کی طرف جھانک کر دیکھے گا تو وہ اسے اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ ایسے حالات میں اگر کوئی محفوظ جگہ یا جائے پناہ پائے تو اسے اس میں پناہ لے لینی چاہیے۔"

فوائد ومسائل: 1 حدیث میں ذکر کردہ درجہ بندی فتنوں میں دلچسپی رکھنے والوں کے متعلق بیان ہوئی ہے۔ مختلف احادیث کے پیش نظر شر میں کمی بیشی کا اعتبار حسب ذیل ترتیب سے ہوگا: ○ بھاگ دوڑ کرنے والا۔ ○ پیدل چلنے والا۔ ○ کھڑا ہونے والا۔ ○ بیٹھنے والا۔ ○ لیٹنے والا۔ ○ سونے والا۔ ان میں زیادہ منحوس اور ناپسندیدہ وہ ہوں گے جو ان فتنوں میں کوشش کرنے والے اور انھیں ہوا دینے والے ہوں گے، انھیں بھاگ دوڑ کرنے والوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر ان لوگوں کا درجہ ہوگا جو ان فتنوں کا سبب تو نہیں ہوں گے لیکن انھیں بھڑکانے والے ہوں گے۔ انھیں پیدل چلنے والے کہا گیا ہے۔ ان سے کم وہ ہوں گے جو ان میں دلچسپی لینے والے ہوں گے، انھیں کھڑا ہونے والا کہا گیا ہے۔ پھر وہ لوگ جو تماشائی ہوں گے لیکن جنگ وقتال میں حصہ نہیں لیں گے، انھیں بیٹھنے والے کہا گیا ہے۔ پھر ان لوگوں کا درجہ ہے جو ان فتنوں کو اچھا خیال کرے گا لیکن تماشائی نہیں ہوگا، اسے لیٹنے والے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سب سے کم درجہ اس شخص کا ہے جو کچھ بھی نہ کرے اور انھیں برا بھی نہ کہے، اسے سونے والا کہا گیا ہے، یعنی جو شرارت میں کم ہوگا وہ ان میں بہتر اور جو زیادہ ہوگا وہ ان میں بدتر ہوگا۔[1] 2 واضح رہے کہ اس سے وہ زمانہ مراد ہے جس میں ملک گیری اور کرسی کی ہوس پر اختلاف ہو اور حق و باطل کے درمیان امتیاز مشکل ہو جائے جیسا کہ ایک روایت میں ہے: صحابی نے عرض کی: اللہ کے رسول! ایسا کب ہوگا؟ فرمایا: "ایام ہرج میں، جب انسان اپنے پاس بیٹھنے والے پر بھی اعتماد نہیں کرے گا۔"[2]

---

1 فتح الباري: 39/13. 2 فتح الباري: 40/13، وسنن أبي داود، الفتن، حديث: 4258.

(١٠) بَابٌ: إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا

باب: 10- جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے سے بھڑ جائیں تو؟

٧٠٨٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ رَجُلٍ لَمْ يُسَمِّهِ، عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: خَرَجْتُ بِسِلَاحِي لَيَالِيَ الْفِتْنَةِ فَاسْتَقْبَلَنِي أَبُو بَكْرَةَ فَقَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ قُلْتُ: أُرِيدُ نُصْرَةَ ابْنِ عَمِّ رَسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَكِلَاهُمَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ»، قِيلَ: فَهٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ؟ قَالَ: «إِنَّهُ أَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِهِ».

[7083] حسن بصری سے روایت ہے، انھوں نے (احنف بن قیس سے بیان کیا، انھوں نے) کہا: میں فسادات کے زمانے میں اپنے ہتھیار لے کر نکلا تو راستے میں حضرت ابوبکرہ ؓ سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے پوچھا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد (حضرت علی ؓ) کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے سے بھڑ جائیں تو دونوں دوزخی ہیں۔'' کہا گیا: یہ تو قاتل تھا لیکن مقتول کا کیا قصور ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اس نے بھی تو اپنے مقابل کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔''

قَالَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ: فَذَكَرْتُ هٰذَا الْحَدِيثَ لِأَيُّوبَ وَيُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ، وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ يُحَدِّثَانِي بِهِ فَقَالَا: إِنَّمَا رَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ الْحَسَنُ عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ.

حماد بن زید نے کہا: میں نے یہ حدیث ایوب اور یونس بن عبید سے ذکر کی۔ میرا مقصد یہ تھا کہ وہ دونوں بھی مجھ سے یہ حدیث بیان کریں۔ ان دونوں نے کہا: یہ حدیث حضرت حسن بصری نے احنف بن قیس سے، انھوں نے حضرت ابوبکرہ ؓ سے روایت کی ہے۔

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ بِهٰذَا.

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا: (انھوں نے کہا:) ہم سے حماد بن زید نے یہی حدیث بیان کی۔

وَقَالَ مُؤَمَّلٌ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ وَيُونُسُ وَهِشَامٌ وَمُعَلَّى بْنُ زِيَادٍ عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ الْأَحْنَفِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اور مؤمل بن ہشام بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حماد بن زید نے کہا، ہمیں ایوب، یونس، ہشام اور معلی بن زیاد نے حسن بصری سے، انھوں نے احنف سے، انھوں نے ابوبکرہ ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث بیان کی۔

وَرَوَاهُ مَعْمَرٌ، عَنْ أَيُّوبَ. وَرَوَاهُ بَكَّارُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ.

معمر نے بھی ایوب سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ اور بکار بن عبدالعزیز اپنے والد کے طریق سے ابوبکرہ سے بیان

کرتے ہیں۔

وَقَالَ غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ رِبْعِيِّ [بْنِ حِرَاشٍ]، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَلَمْ يَرْفَعْهُ سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ. [راجع: ٣١]

غندر نے کہا: ہم سے شعبہ نے منصور سے بیان کیا، انھوں نے ربعی بن حراش سے، وہ حضرت ابوبکرہ ؓ سے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ سفیان نے بھی منصور سے بیان کیا ہے لیکن مرفوع ذکر نہیں کیا۔

فوائد ومسائل: ① فسادات کے زمانے سے مراد جنگ جمل اور جنگ صفین کا زمانہ ہے۔ جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے کے مقابلے میں آجائیں تو دونوں اجتہاد وتاویل میں خطا کار ہوں گے یا ان میں سے ایک برحق اور دوسرا خطا کار ہو گا۔ ان میں تیسری صورت نہیں ہے کہ دونوں برحق ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ایک ہے۔ ② پہلی صورت میں اگر دونوں کے متعلق اصلاح کی امید ہو تو ان کی اصلاح کرنا ضروری ہے اور اگر اصلاح کی امید نہ ہو تو دونوں سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ اپنی تلواروں کو توڑ کر گھر میں رہنا چاہیے۔ لڑائی کا حصہ بالکل ہی نہیں بننا چاہیے۔ ③ دوسری صورت میں جبکہ ایک غلط اور دوسرا صحیح ہو تو صحیح موقف والے کی موافقت کرنا ضروری ہے۔ ④ یہاں ایک اور صورت بھی ممکن ہے کہ دونوں مجتہد نہ ہوں بلکہ دونوں ظالم ہوں اور خاندانی عصبیت یا ہوس ملک گیری کے لیے ایک دوسرے سے لڑ رہے ہوں تو بھی کسی کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔ دونوں سے علیحدگی اختیار کر لی جائے لیکن صحابہ کے باہمی جھگڑوں کے متعلق خاموشی اختیار کرنے میں عافیت ہے۔ ان کے متعلق زبان کھولنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ ⑤ حدیث میں وہ دو مسلمان مراد ہیں جو ذاتی عناد ومخالفت یا دشمنی کی بنا پر ایک دوسرے کو قتل کرنے پر آمادہ ہوں۔ اگرچہ قاتل ایک ہو گا لیکن مقتول بھی اس کے قتل کرنے کے متعلق حریص تھا اتفاق سے اس کا داؤ نہیں چلا، اس لیے وہ قتل ہو گیا، لہٰذا سزا کے دونوں حق دار ہوں گے، پھر ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے اگر چاہے تو ان کو سزا دے اور چاہے تو انھیں معاف کر دے۔ لیکن مجتہدین کے متعلق یہ حکم نہیں ہو گا جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ بعض حضرات نے حدیث کو اس معنی پر محمول کیا ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے قتل کو حلال خیال کریں۔[1] ⑥ ایک دوسری حدیث سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! دنیا اس وقت تک ختم نہ ہو گی جب تک لوگوں پر یہ وقت نہ آئے کہ قاتل کو قتل کرنے کی وجہ معلوم نہ ہو اور مقتول کو اپنے قتل ہونے کا سبب معلوم نہ ہو۔“ پوچھا گیا: ایسا کیونکر ہو گا؟ آپ نے فرمایا: ”جب قتل وغارت گری عام ہو گی۔ ایسے حالات میں قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہوں گے۔“[2] واللہ أعلم.

(١١) بَابٌ: كَيْفَ الْأَمْرُ إِذَا لَمْ تَكُنْ جَمَاعَةٌ

باب: 11- جب جماعت نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

وضاحت: جب لوگوں میں سیاسی اختلاف ہو اور ان کا کوئی بااختیار خلیفہ نہ ہو تو خلیفے پر اتفاق ہونے سے پہلے مسلمان

[1] فتح الباري: 43/13. [2] صحيح مسلم، الفتن، حديث: 7304 (2908).

اپنے حالات کیسے طے کریں؟ پیش کردہ حدیث میں وضاحت ہے کہ ایسے حالات میں تمام لوگوں اور فرقوں سے علیحدگی اختیار کی جائے اگرچہ درختوں کی جڑیں چبانا پڑیں۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ ایسے لوگوں میں رہے جن کا کوئی خلیفہ یا امام نہیں۔ ممکن ہے کہ ان کا انجام فساد احوال ہو کیونکہ ان کی خواہشات مختلف اور ان کی سوچ الگ الگ ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں میں رہنے سے تنہائی بہتر ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٧٠٨٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ: حَدَّثَنِي بُسْرُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ الْحَضْرَمِيُّ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيَّ: أَنَّهُ سَمِعَ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ يَقُولُ: كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الْخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ، فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قُلْتُ: وَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: «نَعَمْ، وَفِيهِ دَخَنٌ»، قُلْتُ: وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ: «قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ». قُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: «نَعَمْ، دُعَاةٌ عَلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ، مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا». قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ صِفْهُمْ لَنَا، قَالَ: «هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا». قُلْتُ: فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكَنِي ذٰلِكَ؟ قَالَ: «تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ». قُلْتُ: فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ؟ قَالَ: «فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ».

[راجع: ٣٦٠٦]

[7084] حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے لیکن میں اس ڈر سے شر کے متعلق سوال کرتا تھا کہیں میری زندگی ہی میں شر پیدا نہ ہو جائے، چنانچہ میں نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! ہم جاہلیت اور شر کے دور میں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس خیر سے نوازا تو کیا اس خیر کے بعد پھر شر کا زمانہ آئے گا؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' میں نے پوچھا: کیا اس شر کے بعد پھر خیر کا دور آئے گا؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، لیکن اس میں کچھ ''دخن'' ہوگا۔'' میں نے پوچھا: اس کا دخن کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''کچھ لوگ ہوں گے جو میرے بتائے ہوئے طریقے کے برعکس چلیں گے۔ ان کی کچھ باتیں اچھی ہوں گی اور بعض باتوں میں تم برائی دیکھو گے۔'' میں نے پوچھا: کیا اس خیر کے بعد پھر شر کا دور آئے گا؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، جہنم کے دروازوں پر اس کی دعوت دینے والے لوگ ہوں گے۔ جو ان کی دعوت قبول کرے گا وہ اسے جہنم میں پھینک دیں گے۔'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہمارے لیے ان کی صفات بیان کریں۔ آپ نے فرمایا: ''وہ ہمارے ہی جیسے ہوں گے اور ہماری زبانوں میں گفتگو کریں گے۔'' میں نے پوچھا: اگر مجھے اس دور سے واسطہ پڑے تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم اس وقت مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو لازم پکڑنا۔'' میں نے کہا: اگر مسلمانوں کی جماعت نہ ہو اور نہ ان کا امام ہی ہو تو؟ آپ نے فرمایا:

"ایسے حالات میں تم تمام فرقوں سے الگ رہو اگرچہ تجھے درخت کی جڑیں چبانا پڑیں یہاں تک کہ اسی حالت میں تمھیں موت آ جائے۔"

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں امام سے مراد کسی تنظیم کا امیر یا صدر نہیں اور نہ وہ سربراہ حکومت ہی مراد ہیں جو مغربی جمہوریت کی پیداوار ہیں بلکہ اس سے مراد خلیفۃ المسلمین ہے جو تمام مسلمانوں کا سربراہ ہو، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر ان دنوں زمین پر کوئی خلیفہ ہو تو اسے لازم پکڑو اگرچہ وہ تجھے سخت مارے اور تیرا سارا مال چھین لے۔"[1] ② رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کے لیے پرفتن دور میں زندگی بسر کرنے کا منہج اور طریقہ بتایا ہے اگر عالم اسلام میں مسلمانوں کا کوئی امیر ہو تو اس کی اطاعت کی جائے اگرچہ اس میں کچھ نقص بھی ہو اور کچھ منکرات کا مرتکب بھی ہو اور اگر مسلمانوں کا کوئی سربراہ نہ ہو تو اس صورت میں اپنا وزن کسی ایک سیاسی جماعت کے پلڑے میں ڈالنے کے بجائے علیحدگی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت وفرماں برداری کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر تیسری صورت جماعت تشکیل دینے کی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ضرور ہدایت فرماتے کہ تم ایسے حالات میں خود کوئی جماعت بنا لو اور ان میں سے ایک امیر منتخب کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام جاری کرتے رہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ پرفتن دور میں جماعت بنانا اور لوگوں کو اس میں شمولیت کی دعوت دینا رسول اللہ ﷺ کے منشا کے خلاف ہے۔ ③ ہمارے رجحان کے مطابق خلیفے کی عدم موجودگی میں امارت کے چکر میں پڑنے کے بجائے انفرادی یا اجتماعی طور پر قرآن وحدیث پر خود عمل کیا جائے اور یہی دعوت لوگوں میں پھیلائی جائے، نیز جماعتی تعصب سے خود کو بالاتر رکھا جائے۔ واللہ أعلم.

(١٢) بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يُكَثِّرَ سَوَادَ الْفِتَنِ وَالظُّلْمِ

باب: 12- جس نے فتنہ پرور اور ظلم پیشہ لوگوں کی جماعت بڑھانے کو مکروہ خیال کیا

وضاحت: فسادی اور ظالم لوگوں کی حمایت کرنا اور ان میں شامل ہو کر ان کی تعداد میں اضافہ کرنا ایک مسلمان کی شان کے خلاف ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی قوم کی جماعت کو بڑھائے وہ انھی میں سے ہوگا اور جو شخص کسی قوم کے کاموں سے راضی ہوا تو گویا خود وہ ان کاموں میں شریک ہے۔"[2]

٧٠٨٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ: حَدَّثَنَا حَيْوَةُ وَغَيْرُهُ قَالَا: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَسْوَدِ، وَقَالَ اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ: قُطِعَ عَلَى أَهْلِ الْمَدِينَةِ بَعْثٌ فَاكْتُتِبْتُ فِيهِ فَلَقِيتُ عِكْرِمَةَ فَأَخْبَرْتُهُ

[7085] حضرت ابو اسود سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اہل مدینہ کا ایک لشکر تیار کیا گیا تو میرا بھی اس میں نام لکھا گیا۔ میں حضرت عکرمہ سے ملا تو میں نے انھیں بتایا۔ انھوں نے بڑی سختی سے اس میں شرکت سے منع کیا۔ پھر

① مسند أحمد: 403/5، والديلمي: 31519، رقم: 5621. ② فتح الباري: 48/13.

فَنَهَانِي أَشَدَّ النَّهْيِ ثُمَّ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ أُنَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا مَعَ الْمُشْرِكِينَ يُكَثِّرُونَ سَوَادَ الْمُشْرِكِينَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَيَأْتِي السَّهْمُ فَيُرْمَى بِهِ فَيُصِيبُ أَحَدَهُمْ فَيَقْتُلُهُ أَوْ يَضْرِبُهُ فَيَقْتُلُهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ﴾ [النساء: ٩٧].

[راجع: ٤٥٩٦]

انھوں نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے بتایا کہ کچھ مسلمان جو مشرکین کے ساتھ رہتے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف مشرکین کی تعداد بڑھانے کا باعث بنتے، پھر کوئی تیر آتا تو تیر لگنے سے وہ قتل ہو جاتا یا انھیں کوئی تلوار سے مار دیتا تو ایسے حالات میں یہ آیت نازل ہوئی: ”بے شک وہ لوگ جنھیں فرشتے اس حالت میں فوت کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔“

فوائد ومسائل: ① جس لشکر میں ابوالاسود کا نام لکھا گیا تھا وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اہل شام کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیار ہوا تھا۔ ابوالاسود نے حضرت عکرمہ سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے منع کر دیا۔ ابوالاسود نے کہا: میرا مقصود اہل شام سے لڑنا نہیں بلکہ میں تو صرف لشکر کی تعداد بڑھانا چاہتا ہوں۔ اس پر حضرت عکرمہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نہیں بلکہ مشرکین کی تعداد بڑھانے کے لیے ان کے ساتھ جاتے تھے۔ تمھارا مقصد بھی یہی ہے، تم بھی اپنے لشکر کی تعداد بڑھانا چاہتے ہو۔ تمھارا اہل شام سے لڑنے کا پروگرام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہیں ہے کیونکہ اس نے ان مسلمانوں کو ظالم اور گناہ گار ٹھہرایا ہے۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ فتنے کے زمانے میں جو فتنہ پروروں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اگرچہ اس کی نیت کتنی ہی صاف ہو، اللہ تعالیٰ کو یہ ادا پسند نہیں ہے، لہٰذا ایسے نازک حالات میں ایک مسلمان کو خوب سوچ سمجھ کر کوئی اقدام کرنا چاہیے، اس کے کسی قول وفعل سے دوسروں کو غلط فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابٌ: إِذَا بَقِيَ فِي حُثَالَةٍ مِّنَ النَّاسِ

باب: 13 - جب کوئی برے اور ناکارہ لوگوں میں رہ جائے تو کیا کرے؟

٧٠٨٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ: حَدَّثَنَا حُذَيْفَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ حَدِيثَيْنِ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ. حَدَّثَنَا أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ، ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ. وَحَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِهَا قَالَ: «يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ

[7086] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو احادیث بیان کی تھیں، ان میں سے ایک کا تو میں نے مشاہدہ کر لیا ہے اور دوسری کا انتظار ہے۔ ہم سے آپ نے بیان کیا تھا کہ امانت لوگوں کے دلوں کی جڑ میں نازل ہوئی تھی، پھر انھوں نے اسے قرآن سے سیکھا، اس کے بعد سنت سے اس کی حقانیت کو معلوم کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ہم سے اس (امانت) کے اٹھ جانے کا ذکر کیا اور فرمایا: ”آدمی ایک بار سوئے گا تو

أَثَرِ الْوَكْتِ، ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ فَيَبْقَى فِيهَا أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ فَنَفِطَ، فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ، وَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ فَلَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ فَيُقَالُ: إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا، وَيُقَالُ لِلرَّجُلِ: مَا أَعْقَلَهُ وَمَا أَظْرَفَهُ وَمَا أَجْلَدَهُ، وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ». وَلَقَدْ أَتَى عَلَيَّ زَمَانٌ وَلَا أُبَالِي أَيَّكُمْ بَايَعْتُ لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا رَدَّهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامُ، وَإِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا رَدَّهُ عَلَيَّ سَاعِيهِ، وَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ أُبَايِعُ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا. [راجع ٦٤٩٧]

امانت اس کے دل سے اٹھا لی جائے گی اور اس کا نشان ایک دھبے جتنا باقی رہ جائے گا۔ پھر سوئے گا تو امانت اٹھا لی جائے گی، دل میں اس کا اثر ابھرے ہوئے آبلے کی طرح رہ جائے گا جس طرح آگ کے انگارے کو پاؤں پر لڑھکا دیا جائے اور وہ یوں اثر انداز ہو کر ابھرنے والا آبلہ بن جائے جس میں کوئی چیز نہ ہو۔ لوگ خرید وفروخت کریں گے لیکن ان میں کوئی امانت ادا کرنے والا نہیں ہوگا، پھر کہا جائے گا کہ فلاں قبیلے میں ایک امانت دار آدمی ہے۔ کسی مرد کے متعلق کہا جائے گا: وہ کس قدر عقل مند، خوش طبع اور دلاور آدمی ہے، حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان نہیں ہوگا۔" یقیناً مجھ پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے میں پروا نہیں کرتا تھا کہ میں تم میں سے کس کے ساتھ خرید وفروخت کرتا ہوں۔ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس کا اسلام اسے میرا حق ادا کرنے پر مجبور کرتا اور اگر وہ عیسائی ہوتا تو اس کے حکمران اسے ایمانداری پر مجبور کرتے لیکن آج کل تو میں صرف فلاں فلاں ہی سے لین دین کرتا ہوں۔

فائدہ: یہ حدیث علامات نبوت میں سے ہے کیونکہ اس میں لوگوں کے دین خراب ہونے اور آخر زمانہ میں امانت کے رخصت ہو جانے کا بیان ہے۔ حدیث میں بیان کردہ مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں سے امانت جاتی رہے گی۔ بالآخر اندھیرا ہی اندھیرا باقی رہ جائے گا۔ آج کل تو امانت ودیانت کا خون کیا جا رہا ہے، کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو دین کے دعویدار ہونے کے باوجود امانت ودیانت سے بالکل کورے ہیں۔ جب ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ امانت ودیانت کے متعلق کسی پر اعتماد اور بھروسا نہ کیا جا سکے، نیز دھوکے باز لوگوں کی کثرت ہو جائے تو انسان کو ایسے لوگوں کی فکر کرنے کے بجائے خود اپنی فکر کرنی چاہیے، البتہ فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی جاری رہنا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس عنوان اور پیش کردہ حدیث سے یہی مقصد معلوم ہوتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(١٤) بَابُ التَّعَرُّبِ فِي الْفِتْنَةِ

باب: 14- فتنہ وفساد کے وقت آبادی سے باہر رہائش اختیار کرنا

٧٠٨٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ: أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى الْحَجَّاجِ فَقَالَ: يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ! ارْتَدَدْتَ عَلَى عَقِبَيْكَ، تَعَرَّبْتَ؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَذِنَ لِي فِي الْبَدْوِ.

[7087] حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ وہ حجاج بن یوسف کے پاس گئے تو اس نے کہا: اے ابن اکوع! تم الٹے پاؤں پھر گئے ہو، تم نے آبادی سے باہر رہائش رکھ لی ہے؟ انھوں نے فرمایا: ایسا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے جنگل میں رہنے کی اجازت دی ہے۔

وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ: لَمَّا قُتِلَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ خَرَجَ سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ إِلَى الرَّبَذَةِ وَتَزَوَّجَ هُنَاكَ امْرَأَةً وَوَلَدَتْ لَهُ أَوْلَادًا فَلَمْ يَزَلْ بِهَا حَتّٰى قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ بِلَيَالٍ نَزَلَ الْمَدِينَةَ.

یزید بن ابوعبید نے کہا: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے ربذہ میں رہائش رکھ لی، انھوں نے وہاں ایک عورت سے شادی کی اور ان کے بچے بھی پیدا ہوئے۔ وہاں ربذہ میں ہی رہے یہاں تک کہ وفات سے چند دن پہلے مدینہ طیبہ آ گئے تھے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو شخص ہجرت کر کے کسی شہر میں رہائش اختیار کرتا، اسے وہاں سے منتقل ہو کر دیہات میں جانا جائز نہ تھا، اسے مرتد جیسا کہا جاتا تھا، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عمل کو باعث لعنت قرار دیا ہے۔[1] البتہ آپ ﷺ کی اجازت سے ایسا کرنا جائز تھا جیسا کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی تھی، پرفتن دور میں ایسا کیا جا سکتا ہے۔ ② آج بھی فتنوں کا دور ہے ہر جگہ گھر گھر میں نفاق ہے۔ خلوص کا دور، دور تک نشان نظر نہیں آتا، ایسے حالات میں تنہائی اختیار کرنا افضل عمل ہے لیکن اگر کوئی شخص لوگوں میں رہتے ہوئے اصلاح کا فریضہ سرانجام دے اور اپنا ایمان بھی قائم رکھ سکے تو ایسے شخص کے لیے آبادی میں رہنا افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

٧٠٨٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرُ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ، يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ». [راجع: ١٩]

[7088] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ وقت قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں گی جنھیں وہ لے کر پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش برسنے کی جگہوں پر چلا جائے گا۔ وہ فتنوں سے اپنے دین کو بچانے کے لیے (آبادی سے) بھاگ نکلے گا۔"

فائدہ: انسان کے لیے اس کا دین سب سے قیمتی چیز ہے، اگر آبادی میں رہتے ہوئے اسے نقصان کا خطرہ ہو تو ایسی آبادی کو ترک کر دینا ضروری ہے۔ جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ فتنوں کے دور میں لوگوں کی اصلاح کرنے کے لیے آبادی میں رہنا

---

[1] سنن النسائي، الزينة، حديث: 5105.

زیادہ فضیلت کا باعث ہے کیونکہ وہاں نیکی کے بہت سے کام کرنے کا موقع ملتا ہے، تاہم فتنوں کے دور میں اگر ایمان کو خطرہ ہو تو علیحدگی اختیار کرنے ہی میں عافیت ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے مال و جان سے جہاد کرتا ہے اور وہ بھی جو کسی گھاٹی میں رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے اور دوسرے لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔''[1]

(١٥) بَابُ التَّعَوُّذِ مِنَ الْفِتَنِ

باب:15-فتنوں سے پناہ مانگنا

وضاحت: بعض اہل علم کا خیال ہے کہ فتنوں کو برا نہیں خیال کرنا چاہیے کیونکہ ان سے منافقین کا نفاق نمایاں ہوتا ہے اور اس کی جڑ کٹتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان کی تردید فرماتے ہیں کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی متعدد دعائیں ایسی ہیں جن میں مال و دولت، فقر و فاقے، بہت زیادہ بڑھاپے، دنیا اور آگ کے فتنوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔[2]

٧٠٨٩ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلُوا النَّبِيَّ ﷺ حَتَّى أَحْفَوْهُ بِالْمَسْأَلَةِ فَصَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ الْمِنْبَرَ فَقَالَ: «لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا بَيَّنْتُ لَكُمْ»، فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ يَمِينًا وَشِمَالًا فَإِذَا كُلُّ رَجُلٍ رَأْسُهُ فِي ثَوْبِهِ يَبْكِي، فَأَنْشَأَ رَجُلٌ كَانَ إِذَا لَاحَى يُدْعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ! مَنْ أَبِي؟ فَقَالَ: «أَبُوكَ حُذَافَةُ». ثُمَّ أَنْشَأَ عُمَرُ فَقَالَ: رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا، نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ سُوءِ الْفِتَنِ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا رَأَيْتُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ كَالْيَوْمِ قَطُّ، إِنَّهُ صُوِّرَتْ [لِيَ] الْجَنَّةُ وَالنَّارُ حَتَّى رَأَيْتُهُمَا دُونَ الْحَائِطِ».

[7089] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: لوگوں نے نبی ﷺ سے سوالات کیے اور جب سوالات کرنے میں مبالغے سے کام لیا تو آپ ایک دن منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: ''آج تم مجھ سے جو سوال بھی کرو گے میں تمھیں اس کا جواب دوں گا۔'' پھر میں دائیں بائیں دیکھنے لگا تو ہر شخص اپنا سر اپنے کپڑے میں لپیٹ کر رو رہا تھا۔ آخر ایک شخص نے خاموشی توڑی۔ اس کا جب کسی سے جھگڑا ہوتا تو اسے اس کے باپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کیا جاتا۔ اس نے کہا: اللہ کے رسول! میرا والد کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیرا والد حذافہ ہے۔'' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: ہم اللہ پر اس کے رب ہونے کے اعتبار سے، اسلام پر اس کے دین ہونے کے لحاظ سے اور حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہیں۔ ہم برے فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے خیر و شر جو آج دیکھی ہے، اس جیسی کبھی نہ دیکھی تھی، میرے سامنے جنت اور دوزخ کی صورت کو پیش کیا گیا یہاں تک کہ میں نے ان دونوں کو

1 صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2786، وفتح الباري: 55/13. 2 فتح الباري: 55/13.

دیوار کے قریب دیکھا۔''

قَالَ قَتَادَةُ: يُذْكَرُ هٰذَا الْحَدِيثُ عِنْدَ هٰذِهِ الْآيَةِ ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَسْـَٔلُوا۟ عَنْ أَشْيَآءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ [المائدة: ١٠١]. [راجع: ٩٣]

حضرت قتادہ نے کہا: یہ حدیث درج ذیل آیت کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے: ''ایمان والو! ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو اگر وہ تمھارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں بری لگیں۔''

٧٠٩٠ - وَقَالَ عَبَّاسٌ النَّرْسِيُّ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ ابْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ بِهٰذَا، وَقَالَ: كُلُّ رَجُلٍ لَافًّا رَأْسَهُ فِي ثَوْبِهِ يَبْكِي، وَقَالَ: عَائِذًا بِاللهِ مِنْ سُوءِ الْفِتَنِ، أَوْ قَالَ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنْ سُوأَى الْفِتَنِ. [راجع: ٩٣]

[7090] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ نے یہ حدیث بیان کی تو ہر شخص اپنے کپڑے میں سر لپیٹے رو رہا تھا اور فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگ رہا تھا یا یوں کہہ رہا تھا: میں فتنوں کی برائی سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

٧٠٩١ - وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ وَمُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ قَتَادَةَ: أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهٰذَا، وَقَالَ: عَائِذًا بِاللهِ مِنْ شَرِّ الْفِتَنِ. [راجع: ٩٣]

[7091] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے یہی حدیث نقل کی، اس میں ''فتنوں کی برائی'' کے بجائے ''فتنوں کے شر'' کا لفظ ہے۔

فائدہ: ابن بطال نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ احادیث اس شخص کی تردید میں پیش کی ہیں جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے فتنوں کا سوال کرنا چاہیے کیونکہ ان میں منافقین کی بیخ کنی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک غیر مرفوع حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''آخر زمانے میں فتنوں کو برا خیال نہ کرو کیونکہ یہ منافقین کی تباہی کا باعث ہیں'' لیکن اس کی سند کمزور اور اس کے راوی مجہول ہیں۔[1] بہرحال فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے کیونکہ ان سے انسان کے ایمان کو خطرہ رہتا ہے۔ واللہ أعلم۔

(١٦) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «الْفِتْنَةُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ»

باب: 16- نبی ﷺ کے فرمان: ''فتنہ مشرق کی طرف سے اٹھے گا'' کا بیان

وضاحت: رسول اللہ ﷺ نے فتنوں کی آماجگاہ کے لیے مشرق کی طرف اشارہ کیا اور مدینہ طیبہ سے مشرق کی طرف عراق وغیرہ کا علاقہ پڑتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سرزمین عراق ہمیشہ سے فتنوں کی تخم ریزی کے لیے بڑی زرخیز واقع ہوئی ہے۔ ہم مختصر

[1] فتح الباري: 65/13.

طور پر ان فتنوں کی نشاندہی کرتے ہیں جنھوں نے عراق کے علاقے سے جنم لیا یا آئندہ ادھر سے ظاہر ہوں گے۔ * حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت توحید کے مقابلے میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر جیسے بتوں کو سرزمین عراق میں نصب کیا گیا تھا کہ شیطان کی بندگی کو رواج دیا جائے۔ * حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ڈنکے کی چوٹ اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کی تو حکومتی سطح پر ان کی مخالفت کی گئی، انھیں زندہ جلانے کے لیے آگ کا جو الاؤ تیار کیا گیا تھا وہ بھی عراق میں تھا۔ * سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والے، پھر انھیں شہید کرنے والے بھی عراقی تھے جنھوں نے آپ پر طرح طرح کے الزامات بھی لگائے۔ * حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے بجائے جب کوفے کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا تو اہل کوفہ نے آپ کو اس قدر پریشان کیا کہ آپ ساری عمر اپنوں سے برسر پیکار رہے۔ * پارسائی اور دینداری کے روپ میں اٹھنے والا خوارج کا فتنہ تکفیر بھی سرزمین عراق سے پیدا ہوا، جنھوں نے اسلام کے عینی شاہد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تک کو کافر قرار دے ڈالا۔ * حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی ہمدردیوں کا جھانسہ دے کر جام شہادت نوش کرنے پر مجبور کرنے والے عراقی ہی تھے۔ امت مسلمہ اس فتنے کا درد ابھی تک محسوس کر رہی ہے۔ * تاتاریوں کا فتنہ بھی اسی طرف سے شروع ہوا جنھوں نے مسلمانوں کا سرمایۂ علم وادب دریائے دجلہ کی نذر کرنے کے ساتھ ساتھ بہت سے اسلامی ملکوں کو تہس نہس کر ڈالا۔ * کتاب وسنت کی روشنی میں تحریک آزادئ فکر کے مقابلے میں رائے اور قیاس کا فتنہ بھی کوفے ہی سے اٹھا، انھوں نے صحیح احادیث کو رد کرنے کے لیے عجیب وغریب اصول وضع کیے۔ * مستقبل میں بین الاقوامی فتنہ گر دجال کا ظہور بھی مشرقی جانب سے ہوگا۔ جس سے ہر نبی نے اپنی امت کو آگاہ کیا ہے، یہ ایسا عالمی فتنہ ہوگا جس کے اثرات ہر جگہ محسوس کیے جائیں گے۔

٧٠٩٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَامَ إِلَى جَنْبِ الْمِنْبَرِ فَقَالَ: «الْفِتْنَةُ هٰهُنَا، الْفِتْنَةُ هٰهُنَا مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ، أَوْ قَالَ: قَرْنُ الشَّمْسِ». [راجع: ٣١٠٤]

[7092] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک مرتبہ منبر کے ایک جانب کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''فتنہ ادھر ہے، فتنہ ادھر ہے جدھر سے شیطان کا سینگ یا قرن شمس طلوع ہوگا۔''

٧٠٩٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ مُسْتَقْبِلُ الْمَشْرِقِ يَقُولُ: «أَلَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ». [راجع: ٣١٠٤]

[7093] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا جبکہ آپ مشرق کی طرف منہ کیے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے: ''آگاہ رہو! فتنہ اسی طرف سے رونما ہوگا جدھر سے شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① قرن کے معنی قوت ہیں، یعنی مشرق کی طرف سے شیطانی قوت کا ظہور ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے مشرق

کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت مشرق والے کافر تھے۔ آپ ﷺ نے پیش گوئی فرمائی کہ ادھر سے فتنہ ظاہر ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جمل وصفین کی جنگیں اسی طرف لڑی گئیں، پھر عراق کی سرزمین میں خوارج کا ظہور ہوا۔ ② تمام فتنوں کی بنیاد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے جس کی منصوبہ بندی سرزمین عراق میں کی گئی۔ واضح رہے کہ شیطان طلوع وغروب کے وقت اپنا سر سورج پر رکھ دیتا ہے تاکہ سورج پرستوں کا سجدہ شیطان کے لیے ہو۔ ممکن ہے کہ قرن الشیطان یا قرن الشمس سے یہی مراد ہو۔ واللہ اعلم۔

٧٠٩٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا أَزْهَرُ ابْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَفِي نَجْدِنَا؟ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَفِي نَجْدِنَا؟ فَأَظُنُّهُ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: «هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ، وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ». [راجع: ١٠٣٧]

[7094] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے ملک شام میں برکت دے۔ اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے ملک یمن میں برکت عطا فرما۔'' صحابہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! اور ہمارے نجد میں بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے ملک شام میں برکت دے۔ اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے ملک یمن میں برکت عطا فرما۔'' میرا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے تیسری بار فرمایا: ''وہاں زلزلے اور فتنے رونما ہوں گے، نیز وہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔''

فوائد ومسائل: ① نجد اونچے علاقے کو کہتے ہیں۔ مدینہ طیبہ سے مشرقی علاقہ نجد کہلاتا ہے، جبکہ نشیبی علاقے کو غور کہا جاتا ہے۔ مدینہ طیبہ سے مشرقی جانب فتنوں کی آماجگاہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس علاقے کے لیے دعا نہیں فرمائی کیونکہ ادھر سے بڑی بڑی آفتوں کا ظہور ہونے والا تھا۔ کوفہ، بابل اور خراسان وغیرہ نجد میں شامل ہیں، یاجوج ماجوج اور دجال ادھر سے آئیں گے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اسی سرزمین میں شہید ہوئے۔ ② کچھ کج فہم، جاہل اور متعصب قسم کے لوگ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی تحریک توحید کو نجد کا فتنہ قرار دیتے ہیں، حالانکہ وہ مسلمان اور موحد تھے۔ انھوں نے لوگوں کو خالص توحید اور اتباع سنت کی دعوت دی تھی۔ وہ انھیں شرک وبدعت سے منع کرتے تھے، قبروں پر عمارتیں کھڑی کرنا، وہاں نذر و نیاز دینا، مصیبت کے وقت غیر اللہ کو پکارنا وغیرہ، لوگوں کو اس سے روکتے تھے۔ یہ تمام باتیں قرآن وحدیث کے عین مطابق ہیں۔ سعودی حکومت بھی اسی دعوت توحید پر قائم ہے اور دین اسلام کی آبیاری کے لیے دن رات کوشاں ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قائم ودائم رکھے۔ آمین یا رب العالمین۔

٧٠٩٥ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ بَيَانٍ، عَنْ وَبَرَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا عَبْدُ اللهِ ابْنُ عُمَرَ فَرَجَوْنَا أَنْ يُحَدِّثَنَا حَدِيثًا حَسَنًا،

[7095] حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس آئے تو ہم نے امید کی کہ وہ ہم سے کوئی عمدہ حدیث بیان کریں گے۔ اس دوران میں ایک آدمی ہم سے پہلے ان کے پاس پہنچ گیا

قَالَ: فَبَادَرَنَا إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ! حَدِّثْنَا عَنِ الْقِتَالِ فِي الْفِتْنَةِ وَاللّٰهُ يَقُولُ: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾ [البقرة: ١٩٣] فَقَالَ: هَلْ تَدْرِي مَا الْفِتْنَةُ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ؟ إِنَّمَا كَانَ مُحَمَّدٌ ﷺ يُقَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ، وَكَانَ الدُّخُولُ فِي دِينِهِمْ فِتْنَةً، وَلَيْسَ كَقِتَالِكُمْ عَلَى الْمُلْكِ. [راجع: ٣١٣٠]

اور کہنے لگا: اے ابوعبدالرحمٰن! ہمیں فتنے کے دور میں جنگ و قتال کے متعلق کوئی حدیث بیان کریں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''تم ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے۔'' حضرت ابن عمر ؓ نے فرمایا: تجھے تیری ماں روئے! کیا تجھے معلوم ہے کہ فتنہ کیا ہوتا ہے؟ حضرت محمد ﷺ تو (فتنہ ختم کرنے کے لیے) مشرکین سے جنگ کرتے تھے، ان کے نزدیک مسلمانوں کا دین اسلام میں داخل ہونا باعث فتنہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی جنگ تمھاری طرح ملک گیری کے لیے نہ تھی۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی رائے یہ تھی کہ فتنے کے زمانے میں مسلمانوں کا آپس میں جنگ کرنا جائز نہیں۔ آیت کریمہ میں ''فتنہ'' سے مراد کفر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی جنگ کفر ختم کرنے کے لیے تھی اور اب اسلام کا غلبہ ہے، کفر مغلوب ہو چکا ہے لیکن تمھاری جنگ کفر کے خاتمے کے لیے نہیں بلکہ ملک گیری اور لوگوں میں فساد برپا کرنے کے لیے ہے۔ میرے نزدیک ایسی جنگ جائز نہیں، اس لیے میں اس میں حصہ نہیں لیتا۔ ② جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ جب ایک گروہ کے متعلق پتا چل جائے کہ وہ باغی ہے تو ایسے حالات میں اسے اطاعت کی طرف لانے کے لیے جنگ کرنا فتنہ نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ''اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر ان میں کوئی فریق دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔''[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے پاس دو آدمی آئے اور کہنے لگے کہ لوگوں کا قتل ہو رہا ہے اور آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی جلیل ہیں، آپ اس کے لیے کوئی اقدام کیوں نہیں کرتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: ''تم ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔''[2] حضرت ابن عمر ؓ نے جواب دیا: ہم نے لڑائی کر کے فتنہ ختم کر دیا تھا اور ہمارے دور میں اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہو چکا تھا، لیکن تمھاری لڑائی کا مقصد یہ ہے کہ فتنہ مزید بھڑکے اور دین بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے ہو جائے۔[3]

(١٧) بَابُ الْفِتْنَةِ الَّتِي تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ

باب: 17- وہ فتنہ جو سمندر کی لہروں کی طرح موجزن (ٹھاٹھیں مارنے والا) ہوگا

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ خَلَفِ بْنِ حَوْشَبٍ: كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يَتَمَثَّلُوا بِهٰذِهِ الْأَبْيَاتِ عِنْدَ الْفِتَنِ، قَالَ امْرُؤُ الْقَيْسِ:

سفیان بن عیینہ نے خلف بن حوشب سے بیان کیا کہ سلف فتنے کے زمانے میں درج ذیل اشعار کی مثال دینا پسند کرتے تھے جنھیں امرء القیس نے کہا ہے:

1 الحجرات 49:9. 2 البقرة 2:193. 3 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4513.

اَلْحَرْبُ أَوَّلُ مَا تَكُونُ فَتِيَّةً
تَسْعَى بِزِينَتِهَا لِكُلِّ جَهُولِ
حَتَّى إِذَا اشْتَعَلَتْ وَشَبَّ ضِرَامُهَا
وَلَّتْ عَجُوزًا غَيْرَ ذَاتِ حَلِيلِ
شَمْطَاءَ يُنْكَرُ لَوْنُهَا وَتَغَيَّرَتْ
مَكْرُوهَةً لِلشَّمِّ وَالتَّقْبِيلِ

ابتدا میں ایک جواں عورت کی صورت ہے یہ جنگ
دیکھ کر ناداں اسے ہوتے ہیں عاشق اور دنگ
جبکہ بھڑکے شعلے اس کے پھیل جائیں ہر طرف
تب وہ ہو جاتی ہے بوڑھی اور بدل جاتی ہے رنگ
ایسی بدصورت کو رکھے کون چونڈا ہے سفید
سونگھنے اور چومنے سے اس کے سب ہوتے ہیں تنگ

وضاحت: مندرجہ بالا منظوم ترجمہ مولانا وحید الزمان نے کیا ہے جبکہ نثر میں ترجمہ حسب ذیل ہے: اول مرحلے میں جنگ ایک نوجوان لڑکی معلوم ہوتی ہے جو ہر نادان کو بہکانے کے لیے اپنی زیب و زینت کے ساتھ دوڑتی ہے۔ جب لڑائی بھڑک اٹھتی ہے اور اس کے شعلے بلند ہونے لگتے ہیں تو بیوہ بڑھیا کی طرح پیٹھ پھیر لیتی ہے جس کے بالوں میں سیاہی کے ساتھ سفیدی کی ملاوٹ ہو، پھر اس کے رنگ کو ناپسند کیا جاتا ہے اور وہ اس طرح بدل گئی ہو کہ اس کے ساتھ بوس و کنار کو مکروہ خیال کیا جاتا ہے، یعنی آغاز میں فتنہ ہر ایک کا دل لبھاتا ہے اور انجام کے اعتبار سے ہر ایک کو برا لگتا ہے۔

٧٠٩٦ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا شَقِيقٌ: سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ يَقُولُ: بَيْنَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ عُمَرَ إِذْ قَالَ: أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْفِتْنَةِ؟ قَالَ: «فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ»، قَالَ: لَيْسَ عَنْ هٰذَا أَسْأَلُكَ، وَلٰكِنِ الَّتِي تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ، فَقَالَ: لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا. قَالَ: عُمَرُ أَيُكْسَرُ الْبَابُ أَمْ يُفْتَحُ؟ قَالَ: لَا، بَلْ يُكْسَرُ. قَالَ عُمَرُ: إِذًا لَا يُغْلَقُ أَبَدًا. قُلْتُ: أَجَلْ، قُلْنَا لِحُذَيْفَةَ: أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ الْبَابَ؟ قَالَ: نَعَمْ، كَمَا يَعْلَمُ أَنَّ دُونَ غَدٍ اللَّيْلَةَ، وَذٰلِكَ أَنِّي حَدَّثْتُهُ حَدِيثًا لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ، فَهِبْنَا أَنْ

[7096] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انھوں نے اچانک دریافت کیا: تم میں سے کون ہے جو فتنے کے متعلق نبی ﷺ کا فرمان یاد رکھتا ہو؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”انسان کی آزمائش اس کی بیوی، اس کے مال، اس کی اولاد اور اس کے پڑوسی کے معاملات میں ہوتی ہے جس کا کفارہ نماز، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر دیتا ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس کے بارے میں نہیں پوچھتا بلکہ میں اس فتنے کے بارے میں پوچھتا ہوں جو دریا کی طرح ٹھاٹھیں مارے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! تم پر اس کا کوئی خطرہ نہیں کیونکہ تمھارے اور اس کے درمیان ایک بند دروازہ حائل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا یا اسے کھولا جائے گا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: توڑ دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر وہ تو کبھی بند نہیں ہو

نَّسْأَلَهُ: مَنِ الْبَابُ؟ فَأَمَرْنَا مَسْرُوقًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ: مَنِ الْبَابُ؟ قَالَ: عُمَرُ. [راجع: ٥٢٥]

سکے گا۔ میں نے کہا: جی ہاں (وہ بند نہیں ہو سکے گا)۔ ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ دروازے کے متعلق جانتے تھے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، جس طرح وہ جانتا ہے کہ کل سے پہلے رات آئے گی اور یہ اس لیے کہ میں نے ان سے ایک ایسی بات بیان کی تھی جو پہیلی یا چیستاں نہیں تھی۔ بہرحال ہمیں ان سے یہ پوچھتے ہوئے ڈر محسوس ہوا کہ وہ دروازہ کون ہے؟ چنانچہ ہم نے مسروق سے کہا۔ جب اس نے پوچھا کہ وہ دروازہ کون ہے؟ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ دروازہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی تھی۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو واقعی یہ اعزاز حاصل تھا کہ آپ کی ذات گرامی فتنوں کی روک تھام کے لیے ایک بند دروازے کی حیثیت رکھتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی عزت بحال رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ! دو بندوں میں سے جو تجھے محبوب ہو اس کے ذریعے سے اسلام کی مدد فرما۔ وہ آدمی ابوجہل اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے اپنے محبوب بندے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد عزت کے ساتھ سر اونچا کر کے چلنے کا موقع میسر آیا۔[2] ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عمر بن خطاب! جس گلی کوچے میں تم جاتے ہو وہاں سے فتنوں کا سرغنہ ابلیس لعین بھاگ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔“[3] ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ واقعی فتنوں کے سامنے ایک بند دروازے کی حیثیت رکھتے تھے۔ ایک آدمی نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا: ابوسلیمان! آپ اللہ تعالیٰ سے ڈریں، فتنوں کا دور شروع ہو چکا ہے۔ یہ سن کر انھوں نے فرمایا: جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہیں فتنوں سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ یہ فتنے ان کے بعد ہوں گے، چنانچہ آدمی سوچ بچار کر کے کہے گا کہ کوئی ایسی جگہ میسر آئے جہاں ان کے اثرات نہ ہوں تاکہ وہ وہاں چلا جائے لیکن کوئی ایسی جائے پناہ نہیں ملے گی۔ یہ وہ ایام ہوں گے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل و غارت کے دن (ایام ہرج) قرار دیا ہے اور یہ قیامت سے پہلے ہوں گے۔ ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ وہ دن ہمیں یا آپ کو دیکھنے پڑیں۔[4] بہرحال اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو واقعی فتنوں کے لیے بند دروازہ بنایا، یہ دروازہ ٹوٹتے ہی فتنوں نے امت مسلمہ کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ واللہ المستعان.

٧٠٩٧ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ

[7097] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے باغات میں سے کسی

---

1 مسند أحمد: 95/2. 2 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3863. 3 صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حديث: 3683. 4 مسند أحمد: 90/4.

سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى حَائِطٍ مِّنْ حَوَائِطِ الْمَدِينَةِ لِحَاجَتِهِ وَخَرَجْتُ فِي إِثْرِهِ، فَلَمَّا دَخَلَ الْحَائِطَ جَلَسْتُ عَلَى بَابِهِ وَقُلْتُ: لَأَكُونَنَّ الْيَوْمَ بَوَّابَ النَّبِيِّ ﷺ، وَلَمْ يَأْمُرْنِي، فَذَهَبَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَضَى حَاجَتَهُ وَجَلَسَ عَلَى قُفِّ الْبِئْرِ فَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ وَدَلَّاهُمَا فِي الْبِئْرِ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهِ لِيَدْخُلَ، فَقُلْتُ: كَمَا أَنْتَ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ لَكَ، فَوَقَفَ فَجِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ! أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْكَ. فَقَالَ: «ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ». فَدَخَلَ فَجَاءَ عَنْ يَمِينِ النَّبِيِّ ﷺ، فَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ وَدَلَّاهُمَا فِي الْبِئْرِ، فَجَاءَ عُمَرُ فَقُلْتُ: كَمَا أَنْتَ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ لَكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ». فَجَاءَ عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ ﷺ فَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ فَدَلَّاهُمَا فِي الْبِئْرِ، فَامْتَلَأَ الْقُفُّ فَلَمْ يَكُنْ فِيهِ مَجْلِسٌ، ثُمَّ جَاءَ عُثْمَانُ فَقُلْتُ: كَمَا أَنْتَ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ لَكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ مَعَهَا بَلَاءٌ يُصِيبُهُ»، فَدَخَلَ فَلَمْ يَجِدْ مَعَهُمْ مَجْلِسًا فَتَحَوَّلَ حَتَّى جَاءَ مُقَابِلَهُمْ عَلَى شَفَةِ الْبِئْرِ فَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ ثُمَّ دَلَّاهُمَا فِي الْبِئْرِ، فَجَعَلْتُ أَتَمَنَّى أَخًا لِي وَأَدْعُو اللهَ أَنْ يَأْتِيَ.

باغ کی طرف اپنی کسی ضرورت کے لیے تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے گیا۔ جب آپ باغ میں داخل ہوئے تو میں اس کے دروازے پر بیٹھ گیا اور میں نے (دل میں) کہا: آج میں نبی ﷺ کا چوکیدار بنوں گا، حالانکہ آپ نے مجھے حکم نہیں دیا تھا، چنانچہ نبی ﷺ تشریف لے گئے، اپنی حاجت کو پورا کیا پھر واپس آ کر کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گئے۔ آپ نے اپنی دونوں پنڈلیاں کھول کر انھیں کنویں میں لٹکا لیا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور اندر جانے کی اجازت طلب کی۔ میں نے ان سے کہا: آپ یہیں رہیں، میں آپ کے لیے اجازت لے کر آتا ہوں، چنانچہ وہ (وہیں) ٹھہر گئے۔ میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: اللہ کے رسول! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''انھیں اجازت دے دو اور انھیں جنت کی بشارت سنا دو۔'' چنانچہ وہ اندر گئے اور نبی ﷺ کی دائیں جانب آ کر انھوں نے بھی اپنی پنڈلیاں کھول کر انھیں کنویں میں لٹکا لیا۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ میں نے ان سے کہا: ٹھہرو، میں آپ کے لیے اجازت لے لوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ان کو بھی اجازت دے دو اور جنت کی بشارت سنا دو۔'' چنانچہ وہ بھی آئے، کنویں کی منڈیر پر نبی ﷺ کی بائیں جانب بیٹھے اور اپنی پنڈلیاں کھول کر کنویں میں لٹکا دیں۔ اب کنویں کی منڈیر بھر گئی اور وہاں کوئی جگہ باقی نہ رہی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے، میں نے ان سے بھی کہا: آپ ذرا ٹھہریں یہاں تک کہ میں آپ ﷺ سے آپ کے متعلق اجازت لے لوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''انھیں بھی اجازت دے دو اور جنت کی بشارت سنا دو لیکن اس کے ساتھ ایک آزمائش ہوگی جو انھیں پہنچے گی۔'' چنانچہ وہ تشریف لائے

اوران کے ساتھ بیٹھنے کی جگہ نہ پائی تو گھوم کران کے سامنے کنویں کے کنارے پر آ گئے۔ پھر انھوں نے بھی اپنی پنڈلیاں کھول کر کنویں میں پاؤں لٹکا لیے۔ پھر میرے دل میں اپنے بھائی کے متعلق خواہش پیدا ہوئی تو میں اللہ سے ان کے آنے کی دعا کرنے لگا۔

قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: فَتَأَوَّلْتُ ذٰلِكَ قُبُورَهُمْ اجْتَمَعَتْ هٰهُنَا وَانْفَرَدَ عُثْمَانُ. [راجع: ٣٦٧٤]

ابن مسیب نے کہا: میں نے اس سے ان حضرات کی قبروں کی تاویل کی جو ایک جگہ موجود ہوں گی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قبران سے الگ ہوگی۔

فوائدومسائل: اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے جنت کی بشارت کے ساتھ ایک آزمائش کا بھی ذکر کیا جس سے وہ دوچار ہوں گے۔ واقعی وہ آزمائش سمندر کی طرح موجزن تھی۔ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے تھے لیکن انھیں ایک بدبخت نے نماز فجر کے دوران میں دھوکے سے شہید کیا لیکن انھیں وہ آفتیں نہ آئیں جن سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دوچار ہونا پڑا، چنانچہ ایک سازشی گروہ نے محض تخریب و انتشار کی خاطر آپ پر گھناؤنے الزامات لگائے۔ آپ کو اقرباء پروری، بیت المال کے بے جا استعمال کا طعنہ دیا، نیز بئر رومہ جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا تھا، اس کا پانی آپ کے لیے بند کر دیا۔ مسجد نبوی جس کی توسیع آپ نے اپنی جیب خاص سے کی تھی، اس میں نماز پڑھنے سے آپ کو روک دیا، پھر یہ بھی مطالبہ کیا کہ خود خلافت سے دستبردار ہو جائیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا تھا کہ لوگ تم سے خلعت امامت اتارنا چاہیں گے، ان کے کہنے پر یہ اقدام نہ کرنا۔[1] اس سازشی گروہ نے اس حد تک ظلم و زیادتی کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں گھس گئے اور آپ کے اہل خانہ کو بھی زخمی کیا۔ ایسے حالات میں آپ کی مظلومانہ شہادت عمل میں آئی۔ کہتے ہیں کہ شہادت کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ چنانچہ قدرت نے پھر ان ظالموں سے انتقام لیا جس کی تفصیل تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ بہرحال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا فتنہ بہت بڑا فتنہ تھا۔ اس کی کوکھ سے جنگ صفین اور جنگ جمل نے جنم لیا جس میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان شہید ہوئے اور اس شہادت نے امت مسلمہ کو ہلاک کر دیا۔ واللہ المستعان۔

٧٠٩٨ - حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ: قِيلَ لِأُسَامَةَ: أَلَا تُكَلِّمُ هٰذَا؟ قَالَ: قَدْ كَلَّمْتُهُ مَا دُونَ أَنْ أَفْتَحَ بَابًا أَكُونُ أَوَّلَ

[7098] حضرت ابووائل سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے گفتگو کیوں نہیں کرتے؟ انھوں نے فرمایا: میں نے کسی فتنے کا دروازہ کھولے بغیر ان سے گفتگو کی ہے۔ میں ایسا

[1] جامع الترمذي، المناقب، حديث: 3705.

مَنْ يَفْتَحُهُ، وَمَا أَنَا بِالَّذِي أَقُولُ لِرَجُلٍ - بَعْدَ أَنْ يَكُونَ أَمِيرًا عَلَى رَجُلَيْنِ -: أَنْتَ خَيْرٌ، بَعْدَمَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «يُجَاءُ بِرَجُلٍ فَيُطْرَحُ فِي النَّارِ فَيَطْحَنُ فِيهَا كَطَحْنِ الْحِمَارِ بِرَحَاهُ، فَيُطِيفُ بِهِ أَهْلُ النَّارِ فَيَقُولُونَ: أَيْ فُلَانُ! أَلَسْتَ كُنْتَ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ؟ فَيَقُولُ: إِنِّي كُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا أَفْعَلُهُ، وَأَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَفْعَلُهُ». [راجع: ٣٢٦٧]

آدمی نہیں ہوں کہ سب سے پہلے کسی فتنے کا دروازہ کھولنے والا بنوں۔ میں کسی کی اس حد تک خوشامد نہیں کرتا کہ اگر اسے دو آدمیوں پر امیر بنا دیا جائے تو اسے کہوں: تو سب سے بہتر ہے جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: "قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر وہ اس میں گدھے کی طرح چکی پیسے گا، یعنی وہ اپنی انتڑیوں کے گرد چکر لگائے گا۔ اہل جہنم اس کے گرد جمع ہو کر پوچھیں گے: اے فلاں! کیا تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کیا کرتا تھا؟ وہ کہے گا: میں اچھی بات کے لیے لوگوں کو ضرور کہتا تھا لیکن اس پر خود عمل نہیں کرتا تھا اور بری بات سے لوگوں کو منع کرتا تھا لیکن خود اس کا مرتکب ہوتا تھا۔"

فوائد ومسائل: ﴿1﴾ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مادری بھائی ولید بن عقبہ نے شراب نوشی کی تو آپ نے تحقیق مکمل ہونے تک اس پر حد لگانے سے سکوت کیا۔ اس تاخیر میں لوگوں کے اندر شکوک وشبہات نے جنم لیا۔ سازشی گروہ نے اس بات کو بہت اچھالا، چنانچہ کسی نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لوگوں میں ولید بن عقبہ کی شراب نوشی کا بہت چرچا ہو رہا ہے، آپ اس سلسلے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے گفتگو کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: تم میرے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ میں حضرت عثمان کو اچھی بات کہنے میں سستی یا مداہنت سے کام لیتا ہوں اور نہ میں خوشامدی ہی ہوں کہ ان کے حاکم ہونے کی وجہ سے ان کی بے جا تعریف کروں، میں نے ان سے مصلحت، ادب واحترام اور رازداری کے طور پر بات کی ہے، میں نہیں چاہتا کہ سرعام ان سے گفتگو کروں جس سے فتنے کی آگ مزید بھڑک اٹھے اور سب سے بڑھ کر میں فتنہ اٹھانے والا بن جاؤں۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ امر بالمعروف میں کوتاہی کر کے اس شخص جیسا بن جاؤں جس کا ذکر حدیث میں بیان ہوا ہے۔ ﴿2﴾ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے قابل تعریف رواداری اور قابل مذمت مداہنت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اچھی رواداری کا ضابطہ یہ ہے کہ اس میں دین کا کوئی پہلو مجروح نہ ہوتا ہو اور مداہنت یہ ہے کہ اس میں کسی بری بات کی پردہ پوشی کی جائے اور باطل کو سہارا دیا جائے۔[1]

(١٨) بَابٌ:

باب: 18- بلا عنوان

٧٠٩٩ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ: حَدَّثَنَا

[7099] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں

1 فتح الباري: 67/13.

عَوْفٌ عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: لَقَدْ نَفَعَنِي اللهُ بِكَلِمَةٍ أَيَّامَ الْجَمَلِ، لَمَّا بَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ أَنَّ فَارِسًا مَلَّكُوا ابْنَةَ كِسْرَى قَالَ: «لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً». [راجع: ٤٤٢٥]

نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ایام جمل کے دوران میں ایک ہی بات کے ذریعے سے فائدہ پہنچایا۔ جب نبی ﷺ کو معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا سربراہ بنایا لیا ہے تو آپ نے فرمایا: ''وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جنھوں نے اپنے (حکومتی) معاملات ایک عورت کے حوالے کر دیے ہیں۔''

فوائد و مسائل: (1) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جنگ جمل بہت بڑا فتنہ تھی۔ اس میں بہت سے مسلمان مارے گئے۔ اس معرکے کو جمل اس لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک عسکر نامی اونٹ پر سوار تھیں جسے یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے مہیا کیا تھا۔ (2) واضح رہے کہ یہ جنگ امر خلافت سے متعلق نہ تھی بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ مطالبہ تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو کیفر دار تک پہنچایا جائے جو ان کے کیمپ میں پناہ گزیں تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ ابھی میری حکومت مستحکم نہیں ہوئی، اس لیے اس معاملے میں کچھ تاخیر کر لی جائے۔ (3) اگرچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہم نوا تھے لیکن وہ جنگ میں شریک نہ ہوئے کیونکہ اس میں قیادت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ حدیث کو بنیاد بنا کر انھوں نے کنارہ کشی اختیار کی۔ اس معاملے میں ان کا موقف کسی حد تک درست اور مبنی بر حقیقت تھا کیونکہ انھوں نے ان حالات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی ساتھ نہیں دیا۔ واللہ أعلم۔

٧١٠٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ: حَدَّثَنَا أَبُو حَصِينٍ: حَدَّثَنَا أَبُو مَرْيَمَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زِيَادٍ الْأَسَدِيُّ قَالَ: لَمَّا سَارَ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَعَائِشَةُ إِلَى الْبَصْرَةِ بَعَثَ عَلِيٌّ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ وَحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ فَقَدِمَا عَلَيْنَا الْكُوفَةَ فَصَعِدَا الْمِنْبَرَ، فَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فَوْقَ الْمِنْبَرِ فِي أَعْلَاهُ، وَقَامَ عَمَّارٌ أَسْفَلَ مِنَ الْحَسَنِ فَاجْتَمَعْنَا إِلَيْهِ فَسَمِعْتُ عَمَّارًا يَقُولُ: إِنَّ عَائِشَةَ قَدْ سَارَتْ إِلَى الْبَصْرَةِ، وَوَاللهِ إِنَّهَا لَزَوْجَةُ نَبِيِّكُمْ ﷺ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَلٰكِنَّ اللهَ تَبَارَكَ

[7100] حضرت ابو مریم عبداللہ بن زیاد اسدی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم بصرے کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر اور حسن بن علی رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ یہ دونوں بزرگ ہمارے پاس کوفہ آئے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ منبر کے اوپر سب سے اونچی جگہ پر تھے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ان سے نیچے کی سیڑھی پر تھے۔ ہم ان کے پاس جمع ہو گئے۔ پھر میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ کی طرف روانہ ہو چکی ہیں۔ اللہ کی قسم! وہ دنیا اور آخرت میں تمھارے نبی ﷺ کی زوجہ

وَتَعَالَى ابْتَلَاكُمْ لِيَعْلَمَ إِيَّاهُ تُطِيعُونَ أَمْ هِيَ . [راجع: ٣٧٧٢]

محترمہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے تمھارا امتحان لینا چاہتا ہے کہ تم صرف اسی کی اطاعت کرتے ہو یا حضرت عائشہ ؓ کا کہا مانتے ہو۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عمار بن یاسر ؓ کی تقریر کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عائشہ ؓ اس اقدام سے رسول اللہ ﷺ کی زوجیت سے تو خارج نہیں ہوئیں، البتہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان کے ذریعے سے ایک آزمائش میں ضرور ڈالا ہے۔ اس میں اشارہ تھا کہ تم لوگ حضرت علی ؓ کی اطاعت کرو کیونکہ وہ امیر المومنین ہیں اور اصولی طور پر خلیفۂ راشد ہیں۔ حضرت عائشہ ؓ اگرچہ عظیم شخصیت ہیں اور دنیا و آخرت میں وہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں لیکن اس عظیم منصب کے باوجود وہ مسلمانوں کی خلیفہ نہیں جو واجب اطاعت ہوں۔ ② حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ اس موقع پر حضرت حسن ؓ نے حضرت علی ؓ کی طرف سے ایک پیغام پڑھ کر سنایا: میں ہر آدمی کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں جو حق اختیار کرنے کا خوگر ہے وہ ہمارا ساتھ دے۔ اگر میں مظلوم ہوں تو اللہ تعالیٰ میری مدد کرے گا اور اگر میں ظالم ہوں تو اللہ مجھے تباہ کرے گا۔ اللہ کی قسم! حضرت طلحہ اور حضرت زبیر ؓ نے پہلے مجھ سے بیعت کی، پھر اسے توڑ کر حضرت عائشہ ؓ کے ہمراہ لڑائی کے لیے سامنے آ گئے ہیں، مجھے نہ تو مال وغیرہ کی طمع ہے اور نہ میں نے کسی معاملے کو تبدیل ہی کیا ہے۔[1]

٧١٠١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي غَنِيَّةَ عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ: قَامَ عَمَّارٌ عَلَى مِنْبَرِ الْكُوفَةِ فَذَكَرَ عَائِشَةَ وَذَكَرَ مَسِيرَهَا وَقَالَ: إِنَّهَا زَوْجَةُ نَبِيِّكُمْ ﷺ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَلٰكِنَّهَا مِمَّا ابْتُلِيتُمْ . [راجع: ٣٧٧٢]

[7101] حضرت ابووائل سے روایت ہے کہ کوفہ میں حضرت عمار ؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور انھوں نے حضرت عائشہ ؓ اور ان کی روانگی کا ذکر کیا اور فرمایا: بے شک وہ دنیا و آخرت میں تمھارے نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں لیکن تمھیں ان کے متعلق آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔

فائدہ: اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر ؓ بڑے راست باز اور صاف گو انسان تھے، کسی کی مخالفت انھیں ظلم و زیادتی پر آمادہ نہ کرتی تھی۔ حضرت عائشہ ؓ سے مخالفت کے باوجود انھوں نے ادب و احترام میں کسی قسم کی کمی کو روا نہیں رکھا۔ ہمیں امید ہے کہ قیامت کے دن یہ تمام حضرات درج ذیل آیت کا مصداق ہوں گے اور جنت میں اکٹھے ہوں گے: ”اور ان کے سینوں میں جو بھی کدورت ہوگی ہم اسے نکال دیں گے اور وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔“[2]

٧١٠٢، ٧١٠٣، ٧١٠٤ - حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يَقُولُ: دَخَلَ أَبُو مُوسٰى وَأَبُو

[7104,7103,7102] حضرت ابووائل سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابومسعود انصاری ؓ دونوں حضرت عمار بن یاسر ؓ کے

---

1 فتح الباري: 73/13. 2 الحجر 47:15.

مَسْعُودٍ عَلَى عَمَّارٍ حَيْثُ بَعَثَهُ عَلِيٌّ إِلَى أَهْلِ الْكُوفَةِ يَسْتَنْفِرُهُمْ فَقَالَا: مَا رَأَيْنَاكَ أَتَيْتَ أَمْرًا أَكْرَهَ عِنْدَنَا مِنْ إِسْرَاعِكَ فِي هٰذَا الْأَمْرِ مُنْذُ أَسْلَمْتَ. فَقَالَ عَمَّارٌ: مَا رَأَيْتُ مِنْكُمَا مُنْذُ أَسْلَمْتُمَا أَمْرًا أَكْرَهَ عِنْدِي مِنْ إِبْطَائِكُمَا عَنْ هٰذَا الْأَمْرِ، وَكَسَاهُمَا حُلَّةً، [حُلَّةً] ثُمَّ رَاحُوا إِلَى الْمَسْجِدِ. [انظر: ۷۱۰۵، ۷۱۰۶، ۷۱۰۷]

پاس گئے جبکہ انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کی طرف بھیجا تھا کہ وہ انھیں مدد کے لیے نکلنے پر آمادہ کریں۔ ان دونوں نے (حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے) کہا: جب سے تم مسلمان ہوئے ہو ہم نے کوئی بات اس سے زیادہ بری نہیں دیکھی جو تم اس کام میں جلد بازی دکھا رہے ہو۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے انھیں جواب دیا: میں نے بھی جب سے تم مسلمان ہوئے ہو تمھاری کوئی بات اس سے بری نہیں دیکھی جو تم اس کام میں دیر کر رہے ہو۔ حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو ایک ایک نیا جوڑا پہنایا، پھر وہ (تینوں مل کر) مسجد میں تشریف لے گئے۔

۷۱۰۵، ۷۱۰۶، ۷۱۰۷ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي مَسْعُودٍ وَأَبِي مُوسٰى وَعَمَّارٍ، فَقَالَ أَبُو مَسْعُودٍ: مَا مِنْ أَصْحَابِكَ أَحَدٌ إِلَّا لَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ فِيهِ، غَيْرَكَ، وَمَا رَأَيْتُ مِنْكَ شَيْئًا مُنْذُ صَحِبْتَ النَّبِيَّ ﷺ أَعْيَبَ عِنْدِي مِنِ اسْتِسْرَاعِكَ فِي هٰذَا الْأَمْرِ. قَالَ عَمَّارٌ: يَا أَبَا مَسْعُودٍ! وَمَا رَأَيْتُ مِنْكَ وَلَا مِنْ صَاحِبِكَ هٰذَا شَيْئًا مُنْذُ صَحِبْتُمَا النَّبِيَّ ﷺ أَعْيَبَ عِنْدِي مِنْ إِبْطَائِكُمَا فِي هٰذَا الْأَمْرِ.

[7105، 7106، 7107] حضرت شقیق بن سلمہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت ابومسعود انصاری، ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابومسعود نے (حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے) کہا: تمھارے ساتھ جتنے لوگ ہیں اگر میں چاہوں تو تمھارے علاوہ ہر ایک کے متعلق کچھ نہ کچھ کہہ سکتا ہوں لیکن جب سے تم نے نبی ﷺ کی صحبت اختیار کی ہے میں نے تمھارا کوئی عیب نہیں دیکھا بس یہی ایک بات ہے کہ تم اس معاملے میں جلد بازی سے کام لے رہے ہو۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابومسعود! جب سے تم دونوں نے نبی ﷺ کی صحبت اختیار کی ہے میں نے تمھارے اور تمھارے اس ساتھی کے متعلق کوئی عیب نہیں دیکھا سوائے اس بات کے کہ تم اس معاملے میں دیر کر رہے ہو۔

فَقَالَ أَبُو مَسْعُودٍ - وَكَانَ مُوسِرًا -: يَا غُلَامُ! هَاتِ حُلَّتَيْنِ، فَأَعْطَى إِحْدَاهُمَا أَبَا مُوسٰى وَالْأُخْرٰى عَمَّارًا، وَقَالَ: رُوحَا فِيهِ إِلَى الْجُمُعَةِ. [راجع: ۷۱۰۲، ۷۱۰۳، ۷۱۰۴]

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ چونکہ صاحب ثروت تھے، انھوں نے اپنے غلام سے کہا: دو جوڑے لاؤ، چنانچہ انھوں نے ایک جوڑا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو دیا اور دوسرا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دیا، پھر ان دونوں سے فرمایا: انھیں زیب تن کر

کے جمعہ ادا کرنے کے لیے جاؤ۔

فوائد ومسائل: ① کوفے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے حاکم تھے جبکہ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کرتے تھے لیکن فتنوں کے دور میں ان دونوں حضرات کا موقف تھا کہ اس میں بالکل حصہ نہ لیا جائے جیسا کہ متعدد احادیث سے پتا چلتا ہے۔ اس کے برعکس حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ایسے حالات میں خلیفۂ راشد کا ساتھ دینا ضروری ہے اور باغی لوگوں کو بزور بازو بغاوت سے باز رکھنا لازمی ہے۔ ② شارح صحیح بخاری ابن بطال نے کہا ہے کہ مذکورہ اجتماع حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں ہوا تھا اور وہ صاحب حیثیت اور مال دار تھے، اس لیے انھوں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک ایک جوڑا دیا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ تو سفر سے آئے تھے اور ان کی حالت لڑائی کی تھی، حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے اس حالت میں ان کا مسجد میں جانا اچھا خیال نہ کیا اور یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں صرف حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو جوڑا پہنچایا جائے، اس بنا پر انھوں نے ایک حلہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھی دیا، پھر وہ تینوں کوفے کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے۔[1]

(١٩) بَابٌ: إِذَا أَنْزَلَ اللهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا

باب: 19- جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے

٧١٠٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَنْزَلَ اللهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيهِمْ ثُمَّ بُعِثُوا عَلَى أَعْمَالِهِمْ».

[7108] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو جو ان میں موجود ہوتے ہیں ان تمام کو عذاب اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ پھر انھیں قیامت کے دن ان کے اعمال کے مطابق اٹھایا جائے گا۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے پیش کرنے سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ جنگ جمل یا جنگ صفین میں شامل تمام لوگ فریقین کے مخالف یا طرفدار نہیں تھے، یقیناً کچھ ایسے بھی ہوں گے جنھیں مجبوراً اس جنگ میں دھکیل دیا گیا، اگر وہ جنگ میں لقمۂ اجل بن گئے ہوں تو قیامت کے دن ان کے ساتھ ان کی نیت کے مطابق سلوک کیا جائے گا، مثلاً: جب کسی گھر کی چھت گرتی ہے یا زلزلہ آتا ہے تو صرف برے لوگ ہی اس کی لپیٹ میں نہیں آتے بلکہ نیک لوگ بھی ہلاک ہو جاتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے: چنے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ ② بہرحال جب فتنوں کا دور ہوتا ہے تو اس کی لپیٹ میں سب لوگ آ جاتے ہیں، اس لیے انسان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے سے کسی صورت میں غفلت نہیں کرنی چاہیے۔ مداہنت اور سستی کرنے

1 فتح الباري: 75/13.

والا، انھیں دیکھ کر خوش ہونے والا اور فتنوں کو بھڑکانے والا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم سلامتی کے طلبگار ہیں۔[1]

(٢٠) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ: «إِنَّ ابْنِي هٰذَا لَسَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»

باب: 20- حضرت حسن ؓ کے متعلق نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: ”بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دے گا“ کا بیان

٧١٠٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ أَبُو مُوسٰى، وَلَقِيتُهُ بِالْكُوفَةِ، جَاءَ إِلَى ابْنِ شُبْرُمَةَ فَقَالَ: أَدْخِلْنِي عَلٰى عِيسٰى فَأَعِظَهُ، فَكَأَنَّ ابْنَ شُبْرُمَةَ خَافَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَفْعَلْ. قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ قَالَ: لَمَّا سَارَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا إِلٰى مُعَاوِيَةَ بِالْكَتَائِبِ قَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ لِمُعَاوِيَةَ: أَرٰى كَتِيبَةً لَا تُوَلِّي حَتّٰى تُدْبِرَ أُخْرَاهَا، قَالَ مُعَاوِيَةُ: مَنْ لِذَرَارِيِّ الْمُسْلِمِينَ؟ فَقَالَ: أَنَا، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَامِرٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَمُرَةَ: نَلْقَاهُ فَنَقُولُ لَهُ: الصُّلْحَ.

[7109] حضرت حسن بصری سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب حضرت حسن بن علی ؓ اپنے لشکر لے کر امیر معاویہ ؓ کے خلاف لڑنے کے لیے نکلے تو حضرت عمرو بن عاص ؓ نے حضرت امیر معاویہ ؓ سے کہا: میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں جو واپس نہیں ہوگا یہاں تک کہ اپنے مقابل کو بھگا نہ دے۔ اس پر سیدنا معاویہ ؓ نے کہا: ایسے حالات میں مسلمانوں کے اہل و عیال کی کون کفالت کرے گا؟ انھوں نے کہا: ان کی میں کفالت کروں گا۔ پھر حضرت عبداللہ بن عامر اور عبدالرحمٰن بن سمرہ نے کہا: ہم حضرت حسن بن علی ؓ سے ملاقات کرتے ہیں اور انھیں صلح پر آمادہ کرتے ہیں۔

قَالَ الْحَسَنُ: وَلَقَدْ سَمِعْتُ أَبَا بَكْرَةَ قَالَ: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ جَاءَ الْحَسَنُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ». [راجع: ٢٧٠٤]

حضرت حسن بصری نے کہا: میں نے ابوبکرہ ؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ ایک دفعہ خطبہ دے رہے تھے، حضرت حسن ؓ آئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”بے شک یہ میرا بیٹا سید ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے سبب مسلمانوں کے دو لشکروں کے درمیان صلح کرا دے گا۔“

فوائد و مسائل: ① حضرت علی ؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے حضرت حسن ؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو وہ ایک بھاری لشکر لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ دوسری طرف حضرت معاویہ ؓ اپنی فوجوں کے ہمراہ کوفے کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ

---

① فتح الباري: 77/13.

دونوں کوفے کے پاس ایک مقام پر اکٹھے ہوئے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب لشکروں کی تعداد دیکھی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آواز دے کر کہا: ''میں اس چیز کو اختیار کرتا ہوں جو مجھے میرے پروردگار کے ہاں ملنے والی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ حکومت تمھارے لیے لکھ دی ہے تو یہ مجھے ملنے والی نہیں اور اگر میرے لیے لکھی ہے تو میں تمھارے حق میں دست بردار ہوتا ہوں۔''

② اس حدیث سے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے حسن تدبیر سے خانہ جنگی کو ختم کر دیا۔ انھوں نے کسی کمزوری یا ذلت وقلت کے پیش نظر حکومت نہیں چھوڑی بلکہ مسلمانوں کی جانیں بچانے کے لیے صلح کی تھی۔ انھوں نے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں انعامات میں رغبت کی اور فتنہ وفساد کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔ دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی بڑی فراخدلی کا ثبوت دیا۔ انھوں نے سفید کاغذ پر مہر لگا کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا کہ آپ جو بھی شرائط لکھ کر دیں، میں انھیں تسلیم کر کے صلح کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ③ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی تدبیر میں ان کی نظر بہت دوراندیش تھی اور وہ انجام پر کڑی نظر رکھتے تھے، اس کے علاوہ انھیں اپنی رعایا کے ساتھ بھی بہت ہمدردی تھی، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کتاب و سنت کے نفاذ کی شرط پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، پھر آپ کوفے آئے تو تمام لوگوں نے آپ کی حکومت کو تسلیم کرتے ہوئے آپ سے بیعت کی۔ لوگوں کے جمع ہونے اور خانہ جنگی ختم ہونے کی بنا پر اس سال کا نام ''عام الجماعۃ'' رکھا گیا۔ جو حضرات فتنے کے دور میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، مثلاً: ابن عمر، سعد بن ابی وقاص، محمد بن مسلمہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بطور انعام تین لاکھ درہم، ایک ہزار لباس، سو اونٹ اور تیس غلام دیے۔ صلح کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو کوفے کا اور حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بصرے کا حاکم بنا کر خود دمشق روانہ ہو گئے، اس طرح صلح کے معاملات اختتام پذیر ہوئے۔[1]

④ واضح رہے کہ باہمی فتنہ وفساد کی وجہ سے لوگوں کے ذہن اس حد تک خراب ہو چکے تھے کہ جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تو لوگوں نے آپ کے خلاف آوازے کسے ''اے مسلمانوں کے لیے باعث ننگ و عار!'' لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے انھیں مستقل مزاجی کے ساتھ یہ جواب دیا کہ مجھے فتنوں کی آگ کے مقابلے میں عار زیادہ محبوب ہے۔[2]

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَنَّا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

٧١١٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: قَالَ عَمْرٌو: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ أَنَّ حَرْمَلَةَ مَوْلَى أُسَامَةَ أَخْبَرَهُ. قَالَ عَمْرٌو: وَقَدْ رَأَيْتُ حَرْمَلَةَ قَالَ: أَرْسَلَنِي أُسَامَةُ إِلَى عَلِيٍّ وَقَالَ: إِنَّهُ سَيَسْأَلُكَ الْآنَ فَيَقُولُ: مَا خَلَّفَ صَاحِبَكَ؟ فَقُلْ لَهُ: يَقُولُ لَكَ: لَوْ كُنْتَ

[7110] حضرت حرملہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور فرمایا: حضرت علی رضی اللہ عنہ تم سے میرے متعلق ضرور پوچھیں گے کہ تیرا ساتھی کیوں پیچھے رہا ہے؟ تو انھیں کہنا: اسامہ آپ کے متعلق کہتے ہیں: اگر آپ شیر کی ڈاڑھوں میں پھنسے ہوتے تو ضرور آپ کی رفاقت کو پسند کرتا لیکن مسلمانوں

1 فتح الباري: 80/13. 2 فتح الباري: 82/13.

فِي شِدْقِ الْأَسَدِ لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَكُونَ مَعَكَ فِيهِ، وَلٰكِنَّ هٰذَا أَمْرٌ لَمْ أَرَهُ، فَلَمْ يُعْطِنِي شَيْئًا.

کے باہمی جنگ وقتال کو میں پسند نہیں کرتا۔ حضرت حرملہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے کچھ نہ دیا۔

فَذَهَبْتُ إِلَى حَسَنٍ وَحُسَيْنٍ وَابْنِ جَعْفَرٍ، فَأَوْقَرُوا لِي رَاحِلَتِي.

پھر میں حضرت حسن، حضرت حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کے پاس گیا تو انھوں نے ساز و سامان سے میری سواری خوب لدوا دی۔

فوائد ومسائل: ① حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے بھی فتنہ وفساد کے دنوں گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی۔ غالباً اس احتیاط کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں انھوں نے ایک کلمہ گو کو قتل کر دیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر شدید غصے اور سخت ناراضی کا اظہار کیا تھا۔ اس وقت سے انھوں نے خود پر لازم کر لیا تھا کہ وہ آئندہ کسی مسلمان سے جنگ وقتال نہیں کریں گے۔ مذکورہ حدیث میں بھی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا احتیاطی پہلو ہی نمایاں ہوتا ہے۔ ② شارح صحیح بخاری ابن بطال کہتے ہیں کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آزاد کردہ غلام حرملہ کو معذرت کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ صفین اور جمل کی لڑائیوں میں صرف خونِ مسلم کے احترام کی وجہ سے آپ کا ساتھ نہیں دے سکا ہوں۔ اگر آپ کسی قسم کی ذاتی تکلیف میں ہوتے تو مجھے تمام لوگوں سے پہلے اپنے ہمراہ پاتے لیکن جنگ وقتال کا معاملہ ہی کچھ ایسا تھا کہ میں ان میں شرکت سے معذور تھا۔[1] واللہ اعلم۔

(٢١) بَابٌ: إِذَا قَالَ عِنْدَ قَوْمٍ شَيْئًا ثُمَّ خَرَجَ فَقَالَ بِخِلَافِهِ

باب: 21- ایک شخص قوم سے کوئی بات کہے، پھر وہاں سے نکل کر دوسری بات کہنے لگے

وضاحت: فتنوں کے دور میں ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کی ہمنوائی کریں، اس کے لیے ہر قسم کے مکر وفریب اور دغا بازی کو جائز خیال کیا جاتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے حالات میں "جنگ، دھوکے فریب کا نام ہے" کے الفاظ کو بطور ڈھال استعمال کرتے ہوئے ہر قسم کی مکاری اور دھوکا دہی کو حلال سمجھتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام ایسے حالات میں بھی مکاری اور دغا بازی کی اجازت نہیں دیتا۔

٧١١١ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ قَالَ: لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ

[7111] حضرت نافع سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے خادموں اور بیٹوں کو جمع کیا اور کہا: بے شک میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ

1 فتح الباري: 85/13.

ﷺ يَقُولُ: «يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ، وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هٰذَا الرَّجُلَ عَلٰى بَيْعِ اللهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلٰى بَيْعِ اللهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ، وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ وَلَا بَايَعَ فِي هٰذَا الْأَمْرِ إِلَّا كَانَتِ الْفَيْصَلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ. [راجع: ۳۱۸۸]

نے فرمایا: ''قیامت کے دن ہر غدار کے لیے ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا۔'' ہم نے اس شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کے نام پر کی ہے۔ میرے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی غداری نہیں کہ ایک شخص سے اللہ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی جائے، پھر اس کے خلاف لڑائی کھڑی کر دی جائے۔ دیکھو! تم میں سے جو کوئی اس کی بیعت توڑے گا اور کسی دوسرے کی بیعت کرے گا تو میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

فوائد ومسائل: (1) واقعۂ حرہ کا پس منظر بھی یہی بیان کیا جاتا ہے کہ اہل مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ کر حکومت وقت سے بغاوت کر دی تھی، اس لیے ہم ضروری خیال کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہ کی شخصیت کے متعلق کچھ گزارشات پیش کریں: (ا) حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کا وہ لشکر جو قیصر کے دارالحکومت پر پہلے حملہ آور ہوگا وہ اللہ کے ہاں مغفرت یافتہ ہے۔''[1] تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ 49 ہجری میں رومی پایۂ سلطنت قسطنطنیہ پر پہلی مرتبہ چڑھائی کرنے والا مسلمانوں کا وہ لشکر تھا جس کا سربراہ یزید بن معاویہ تھا۔[2] شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قسطنطنیہ پر پہلی چڑھائی کرنے والے لشکر کے سپہ سالار یزید بن معاویہ تھے۔ چونکہ معین تعداد کو لشکر کہا جاتا ہے، اس لیے اس فوج کا ہر ہر فرد بشارت مغفرت میں شریک ہے۔''[3] اس لشکر میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، سیدنا حسین بن علی، میزبان رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم ودیگر اساطین صحابہ شریک تھے۔ (2) جب ایک بدبخت عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھوں حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو 41 ہجری میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کتاب وسنت کے نفاذ کی شرط پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ تاریخ میں یہ سال ''عام الجماعۃ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساڑھے چار سالہ دور حکومت، اندرونی خلفشار اور باہمی کشت وخون کی نذر ہوا تھا اس دور میں نہ تو کفار سے جہاد ہوا اور نہ اسلامی فتوحات اور خدمات ہی میں اضافہ ہوا بلکہ دو مرتبہ ہلاکت خیز خانہ جنگی کی صورت میں خون مسلم کی ارزانی ہوئی، اس لیے پیش بندی کے طور پر 50 ہجری میں کوفے کے گورنر، تجربہ کار اور عمر رسیدہ صحابی جلیل سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے دمشق آ کر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ تجویز دی کہ آپ اپنی زندگی میں ہی کسی شخص کو ولی عہد مقرر کر دیں تاکہ حصول اقتدار کی خاطر ممکنہ رسہ کشی کا سدباب ہو سکے اور انتشار پسند عناصر کو شر انگیزی کا بھی موقع نہ مل سکے۔ جانشین کے لیے انھوں نے آپ کے بیٹے یزید کا نام پیش کیا۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے سے فوری طور پر اتفاق نہ کیا بلکہ انھوں نے تمام صوبوں کے نمائندہ اجلاس پر موقوف رکھا، چنانچہ اسی

---

(1) صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2924. (2) صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1186. (3) منهاج السنة 252/2.

سال دمشق میں اجلاس ہوا جس میں اسلامی مملکت کے تمام معززین نمائندگان نے شرکت کی، اس میں یزید کی ولی عہدی پر غور ہوا، بالآخر اس تحریک کو اکثریت کی حمایت حاصل رہی، لیکن کسی طرح آپ کو معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ کے کچھ لوگ یزید کی ولی عہدی سے خوش نہیں ہیں، اس لیے آپ نے گورنر مدینہ مروان بن حکم کو خط لکھا کہ وہ اکابر مدینہ کو جمع کریں اور ان کی رائے معلوم کر کے ہمیں مطلع کریں، چنانچہ مروان بن حکم نے مدینہ طیبہ میں ایک اجلاس کیا جس میں اکابر صحابہ و تابعین نے شرکت کی بلکہ اس اجلاس میں اس اہم قومی معاملے میں مشاورت کے لیے امہات المومنین رضی اللہ عنہن بھی تشریف فرما تھیں۔ اس اجلاس میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی بھی قابل ذکر شخصیت نے یزید کی ولی عہدی کے متعلق کوئی اختلاف نہیں کیا۔ اس کی تفصیل صحیح بخاری، حدیث: 4827 میں دیکھی جا سکتی ہے۔ بہرحال یزید بن معاویہ کی ولی عہدی کا فیصلہ ہو گیا اور تمام علاقہ کے لوگوں نے ان کی ولی عہدی کے متعلق بیعت کی۔[1] ولی عہدی کی بیعت مکمل ہونے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ”اے اللہ! اگر میں نے یزید کو اس کے فضل و کمال کی وجہ سے اپنا ولی عہد بنایا ہے تو اسے بلند مقام پر پہنچا جس کی مجھے اس سے امید ہے اور اگر اس بات پر مجھے اس محبت نے آمادہ کیا ہے جو ایک باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے اور وہ اس منصب کا اہل نہیں ہے تو اسے منصب تک پہنچنے سے پہلے ہی موت دے دے۔“[2] ③ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کے دس سال بعد تک زندہ رہے، آخر 22 رجب 60 ہجری بروز جمعرات دمشق میں فوت ہوئے اور ان کی نماز جنازہ یزید نے پڑھائی۔ دس سالہ ولی عہدی کے دوران میں آپ تین سال متواتر امارت حج کے عہدے پر فائز رہے۔ ان کی زیر امارت حج کے دوران میں بے شمار صحابۂ کرام اور تابعین عظام نے حج کیا اور آپ کی امامت ہی میں نماز پنجگانہ ادا کیں۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: یزید بن معاویہ نے 53,52,51 ہجری میں لوگوں کو حج کرایا۔[3] امارت حج کے علاوہ اس دوران میں انھوں نے متعدد ملکی و ملی خدمات سرانجام دیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد باضابطہ طور پر نئے سرے سے پوری اسلامی ریاست میں آپ کی بیعتِ امارت ہوئی جس کا آغاز وفاقی دارالحکومت شام کے مرکزی شہر دمشق میں ایک اجتماع عام سے ہوا، پھر ہر علاقے میں تعینات گورنروں کے ہاتھ ان کے لیے بیعت امارت کا انعقاد کیا گیا۔ تاریخ میں صرف سیدنا حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے نام ملتے ہیں جنھوں نے اس بیعت امارت میں شمولیت نہیں کی۔ ان کے علاوہ کبار صحابہ نے بیعت امارت میں عملاً حصہ لیا، البتہ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سیاست سے قطعاً کنارہ کش تھے حتی کہ جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خلافت کا اعلان کیا تو ان سے بھی بیعت نہیں کی۔ ان کے علاوہ چھوٹے بڑے صحابہ دو چار دس بیس نہیں بلکہ سیکڑوں کی تعداد میں تھے...... رضی اللہ عنہم ④ یزید بن معاویہ کے آخری ایام میں واقعۂ حرہ پیش آیا۔ اس کا پس منظر اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ کچھ لوگ دمشق میں یزید کے پاس گئے تاکہ انھیں ان کے کردار کا پتا چلے۔ وہاں ان کی خوب مہمان نوازی ہوئی، خاطر مدارات کی گئی۔ واپس آ کر انھوں نے بتایا کہ یزید شراب نوشی اور زناکاری میں مبتلا ہے اور مدینے کی اکثریت کو اپنے ساتھ ملائے بغیر علم بغاوت بلند کر دیا اور امیر مدینہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ بیعت توڑنے والوں میں عبداللہ بن حنظلہ اور عبداللہ بن مطیع پیش پیش تھے، چنانچہ عبداللہ بن مطیع اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضرت محمد بن علی بن ابی طالب جو ابن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں کے پاس گئے اور ان

1 البداية والنهاية : 79/7. 2 تاريخ الإسلام للذهبي : 267/2. 3 البداية والنهاية : 229/8.

سے بیعت توڑ دینے کی درخواست کی لیکن انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ ابن مطیع نے کہا: یزید شراب پیتا ہے، نماز نہیں پڑھتا اور کتاب اللہ کے احکام کی پروا نہیں کرتا۔ محمد بن علی نے جواب دیا: میں یزید سے خود ملا ہوں، ان کے ساتھ رہا ہوں، میں نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی بلکہ میں نے انھیں ہمیشہ نماز کا پابند، خیر کا متلاشی، فقہ کا سائل اور سنت کا متبع پایا ہے۔[1] بہرحال بیعت توڑنے والوں نے مدینہ طیبہ کے تین طرف خندق کھودی اور چوتھی طرف انصار کے اسی محلے کو حصار سمجھ لیا جو ان کے ہمنوا نہیں تھا۔ جب یزید کو اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے مسلم بن عقبہ کی کمان سے ایک فوج بھیجی اور انھیں حکم دیا کہ پہلے ان لوگوں پر امان پیش کریں اگر نہ مانیں تو ان سے جنگ کریں، چنانچہ انھوں نے ان کی ہدایات کے مطابق عمل کیا۔ جب اہل مدینہ نے انکار کیا تو انصار کے بڑے گھرانے بنو اشہل کے تعاون سے فوج شہر میں داخل ہوئی اور گنتی کے چند گھنٹوں میں شہر پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد مؤرخین نے دیو مالائی انداز میں اس واقعے کی تفصیلات خود مرتب کی ہیں جن کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہرحال ہمارے رجحان کے مطابق ایک اسلامی سربراہ کی بیعت توڑنے کے جو شرعی تقاضے ہیں اہل مدینہ نے انھیں ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو عنوان قائم کیا ہے اس سے مراد شاید ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو دمشق میں سربراہ حکومت کے پاس گئے اور وہاں سے واپس آ کر خلاف واقعہ باتیں بیان کیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیعت توڑنے کے متعلق جس قسم کے ردعمل کا اظہار کیا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے بغاوت کے لیے جس چیز کو پیش کیا وہ شریعت کے مطابق نہ تھی، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ یزید بن معاویہ کے زمانۂ حکومت میں جب حرہ کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عبداللہ بن مطیع کے پاس گئے تو انھوں نے کہا: ابو عبدالرحمن کے لیے مسند لاؤ۔ آپ نے فرمایا: میں تمھارے پاس بیٹھنے کے لیے نہیں آیا بلکہ وہ حدیث بیان کرنے کے لیے آیا ہوں جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اطاعت کا عہد کرنے کے بعد اسے توڑ دیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے پاس کوئی حجت اور دلیل نہیں ہوگی اور اگر ایسی حالت میں وہ مر گیا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''[2] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس امام کی حکمرانی پر امت کا اجماع ہو، اس کی بیعت لازم اور اس کے خلاف خروج حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بغاوت میں حصہ لینے والوں کو معاف فرمائے اور قیامت کے دن ہم سب کو اپنے عرش کے سائے تلے جگہ عنایت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

٧١١٢ – حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنْ عَوْفٍ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ قَالَ: وَلَمَّا كَانَ ابْنُ زِيَادٍ وَمَرْوَانُ بِالشَّامِ، وَوَثَبَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ، وَوَثَبَ الْقُرَّاءُ بِالْبَصْرَةِ، فَانْطَلَقْتُ مَعَ أَبِي إِلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ حَتَّى دَخَلْنَا

[7112] حضرت ابو منہال سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب ابن زیاد اور مروان شام میں تھے، ادھر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ میں اٹھ کھڑے تھے اور خارجیوں نے بصرہ پر قبضہ کر رکھا تھا تو میں اپنے والد کے ہمراہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب ہم ان کے گھر

[1] البداية والنهاية: 233/8. [2] صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 4793 (1851).

عَلَيْهِ فِي دَارِهِ وَهُوَ جَالِسٌ فِي ظِلِّ عِلِّيَّةٍ لَهُ مِنْ قَصَبٍ فَجَلَسْنَا إِلَيْهِ، فَأَنْشَأَ أَبِي يَسْتَطْعِمُهُ الْحَدِيثَ فَقَالَ: يَا أَبَا بَرْزَةَ! أَلَا تَرَى مَا وَقَعَ فِيهِ النَّاسُ؟ فَأَوَّلُ شَيْءٍ سَمِعْتُهُ تَكَلَّمَ بِهِ: إِنِّي احْتَسَبْتُ عِنْدَ اللهِ أَنِّي أَصْبَحْتُ سَاخِطًا عَلَى أَحْيَاءِ قُرَيْشٍ، إِنَّكُمْ يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ كُنْتُمْ عَلَى الْحَالِ الَّذِي عَلِمْتُمْ مِنَ الذِّلَّةِ وَالْقِلَّةِ وَالضَّلَالَةِ، وَإِنَّ اللهَ أَنْقَذَكُمْ بِالْإِسْلَامِ وَبِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَتَّى بَلَغَ بِكُمْ مَا تَرَوْنَ، وَهٰذِهِ الدُّنْيَا الَّتِي أَفْسَدَتْ بَيْنَكُمْ، إِنَّ ذَاكَ الَّذِي بِالشَّامِ وَاللهِ إِنْ يُقَاتِلُ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا، وَإِنَّ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ وَاللهِ إِنْ يُقَاتِلُونَ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا، وَإِنَّ ذَاكَ الَّذِي بِمَكَّةَ وَاللهِ إِنْ يُقَاتِلُ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا. [انظر: ٧٢٧١]

پہنچے تو وہ ایک کمرے کے سائے میں تشریف فرما تھے جو بانس کا بنا ہوا تھا۔ ہم ان کے پاس بیٹھ گئے اور میرے والد نے ان سے سلسلۂ گفتگو چھیڑنے کے لیے کہا: اے ابوبرزہ! آپ دیکھتے نہیں لوگوں نے کیا کر رکھا ہے؟ پہلی بات جو میں نے آپ کے منہ سے سنی وہ یہ تھی: میں ان قریش والوں سے اللہ کی خاطر ناراض ہوں، اللہ تعالیٰ اس پر مجھے اجر دے گا۔ عرب کے باشندو! تم جانتے ہو کہ تم ذلت وقلت اور ضلالت کے کس عالم میں تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تمھیں اسلام اور حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے نجات دی یہاں تک کہ تم اس مرتبہ تک پہنچ گئے جو تمھارے سامنے ہے، پھر اسی دنیا نے تمھیں تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ شخص جو شام میں حاکم بن بیٹھا ہے اللہ کی قسم! وہ محض دنیا کے لیے شمشیر بکف ہے۔ اور یہ خارجی لوگ جو تمھارے درمیان ہیں واللہ! یہ بھی حصول دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں اور وہ صاحب (ابن زبیر ؓ) جو مکہ میں ہیں اللہ کی قسم! ان کے لڑنے کی غرض بھی محض دنیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① گوشہ نشین صحابۂ کرام ؓ کا اندرونی فسادات اور باہمی لڑائی کے متعلق یہ نظریہ تھا کہ حق وصداقت کا معیار کفار سے جنگ اور آپس میں امن وسلامتی ہونا چاہیے، اسی لیے وہ ان فسادات سے کنارہ کش اور الگ تھلگ رہے۔ سیدنا حضرت ابوبرزہ اسلمی ؓ نے خانہ جنگی میں مبتلا حضرات کے متعلق اپنے بھرپور جذبات کا اظہار کیا۔ ② ہمارا رجحان یہ ہے کہ اپنی سمجھ کے مطابق یہ حضرات بھی اللہ تعالیٰ کے لیے لڑے اور انھوں نے امت کی بھلائی کو پیش نظر رکھا اگرچہ نتائج کچھ بھی سامنے آئے لیکن ہمیں ان کی نیت پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ چونکہ ان کے نفوس پاک تھے، اس لیے اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو وہی کام کرتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کے عین مطابق ہوتے۔ ③ اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ حضرت ابوبرزہ اسلمی ؓ نے حدیث میں موجود لوگوں پر تنقید فرمائی کہ وہ بظاہر دین کے استحکام اور حق کی نصرت کے لیے لڑتے ہیں، حالانکہ اندرونی طور پر ان کی نیتوں میں فتور ہے اور وہ دنیا طلبی کے لیے لڑتے ہیں۔ حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ ابوبرزہ ؓ کی باتیں سن کر میرے باپ نے کہا: آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے کسی کو نہیں چھوڑا۔ انھوں نے فرمایا: مجھے تو آج ان میں خیر وبرکت کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا، ہاں بہت قلیل تعداد میں ایسے لوگ بھی موجود

ہیں جنھوں نے دوسروں کے مال سے اپنے پیٹ محفوظ رکھے ہیں اور دوسرے لوگوں کے خون ناحق ان کی گردنوں میں نہیں ہیں۔[1] ④ بہر حال ایسے حالات میں فتنوں سے الگ تھلگ رہنے ہی میں عافیت ہے، خصوصاً وہ فتنے جو نفاق کی پیداوار ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ جنگ وقتال میں قطعاً حصہ نہیں لینا چاہیے، بالخصوص جب جنگ کی بنیاد ہوس ملک گیری ہو۔ واللہ المستعان۔

٧١١٣ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ الْأَحْدَبِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ: إِنَّ الْمُنَافِقِينَ الْيَوْمَ شَرٌّ مِنْهُمْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، كَانُوا يَوْمَئِذٍ يُسِرُّونَ وَالْيَوْمَ يَجْهَرُونَ.

[7113] حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: آج کل کے منافق رسول اللہ ﷺ کے دور کے منافقین سے زیادہ بدتر ہیں۔ وہ اپنی شرارتوں کو چھپا کر عمل میں لاتے تھے اور یہ لوگ علانیہ ان کا ارتکاب کرتے ہیں۔

٧١١٤ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: إِنَّمَا كَانَ النِّفَاقُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَمَّا الْيَوْمَ فَإِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ بَعْدَ الْإِيمَانِ.

[7114] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: منافقت تو نبی ﷺ کے عہد مبارک میں تھی، آج تو ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا ہے۔

فوائد ومسائل: ① دور حاضر کے منافقین اس لیے زیادہ شرارتی ہیں کہ انھوں نے وہ امور ظاہر کر دیے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں زیر زمین کیے جاتے تھے۔ اس وقت لوگوں نے دلوں میں کفر چھپا رکھا تھا، البتہ ان کی گفتگو کے انداز سے ان کی شناخت ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: ''آپ انھیں ان کے انداز گفتگو ہی سے پہچان لیں گے۔''[2] ② ایک سیدھے سادے اور صاف دل پکے مومن کی گفتگو میں ایسی پختگی اور سنجیدگی پائی جاتی ہے جو دل میں کھوٹ رکھنے والے شخص کے انداز کلام میں نہیں پائی جاتی۔ ہمارے رجحان کے مطابق حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا موقف یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کی اطاعت سے خروج اور بغاوت جاہلیت ہے جبکہ اسلام میں جاہلیت کا تصور نہیں بلکہ ایسا کرنا اجتماعیت کو پارہ پارہ اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے مترادف ہے۔[3] واللہ أعلم.

(٢٢) بَابٌ: لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُغْبَطَ أَهْلُ الْقُبُورِ

باب: 22- قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ لوگ قبر والوں پر رشک کرنے لگیں

وضاحت: پرفتن دور میں حالات اتنے خراب ہو جائیں گے کہ لوگ زندگی سے تنگ آ کر موت کی آرزو کریں گے، کاش! ہم بھی مر کر شہر خاموشاں میں جا بستے اور یہ آفتیں بلائیں نہ دیکھتے۔

1 فتح الباري: 92/13. 2 محمد 30:47. 3 فتح الباري: 93/13.

٧١١٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُولُ: يَا لَيْتَنِي مَكَانَهُ».

[راجع: ٨٥]

[7115] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی حتی کہ ایک شخص دوسرے کی قبر کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا: کاش! اس کی جگہ میں ہوتا۔''

فوائد ومسائل: ① کچھ حضرات کا خیال ہے کہ جب قرب قیامت کے وقت فتنوں کی کثرت اور دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوگا تو ایسے حالات میں انسان ہر قسم کی خواہش کرے گا لیکن ایک روایت میں اس کی وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایک شخص قبر کے پاس سے گزرے گا اور اس سے لپٹ کر کہے گا: کاش! میں اس صاحب قبر کی جگہ پر ہوتا اور ایسا کہنا کسی دینداری کے خطرے سے نہیں ہوگا بلکہ دنیاوی بلاؤں اور آزمائشوں سے گھبرا کر ایسا کہے گا۔''[1] ② حضرت ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تیمارداری کے لیے حاضر ہوا، میں نے دعا کی: اے اللہ! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو شفا عنایت فرما۔ انھوں نے فرمایا: ایسی دعا مت کرو۔ ایسے حالات میں اگر تم مر سکتے ہو تو مر جاؤ۔ اللہ کی قسم! علماء پر یہ وقت ضرور آئے گا کہ انھیں موت، خالص سونے سے زیادہ محبوب ہوگی۔ انسان اپنے بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا: کاش! میں اس کی جگہ ہوتا۔[2]

(٢٣) بَابُ تَغَيُّرِ الزَّمَانِ حَتَّى تُعْبَدَ الْأَوْثَانُ

باب: 23- زمانے میں تبدیلی آنا حتی کہ لوگ بتوں کی عبادت کرنے لگیں گے

وضاحت: عرب کی سرزمین سے توحید کی کرنیں پھوٹیں پھر ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہاں بت کدے قائم ہوں گے اور بت پرستی کو عروج حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ یہ دن دیکھنا نصیب نہ کرے۔ آمین۔

٧١١٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: أَخْبَرَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَضْطَرِبَ أَلْيَاتُ نِسَاءِ دَوْسٍ عَلَى ذِي الْخَلَصَةِ».

[7116] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ذوالخلصہ کے مقام پر قبیلۂ دوس کی عورتوں کے سرین (طواف کرتے ہوئے) ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں گے۔''

وَذُو الْخَلَصَةِ: طَاغِيَةُ دَوْسٍ الَّتِي كَانُوا

ذوالخلصہ، قبیلۂ دوس کا بت تھا جس کی وہ زمانۂ جاہلیت

1 صحیح مسلم، الفتن، حدیث: 7302 (157). 2 المستدرك للحاكم: 518/4.

يَعْبُدُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ.

میں عبادت کیا کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① ذوالخلصہ وہ مکان جسے کعبۂ یمانیہ کہا جاتا تھا، قبیلۂ دوس کا وہ بہت بڑا بت کدہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ قبیلۂ دوس کی عورتیں مرتد ہو جائیں گی اور وہاں گاڑے ہوئے بت کے گرد طواف کرتے ہوئے ان کے سرین حرکت کریں گے اور بھیڑ کی وجہ سے آپس میں ٹکرائیں گے، یعنی وہ کافر ہو جائیں گی اور بتوں کی پوجا کرنے لگیں گی۔ ② چونکہ عورتیں ضعیف الاعتقاد اور توہم پرست ہوتی ہیں اور جلد ہی بدعات و رسومات کا شکار ہو جاتی ہیں، اس بنا پر جزیرۂ عرب میں دوبارہ بت پرستی کا آغاز صنف نازک، یعنی عورتوں سے ہوگا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک بنو عامر کی عورتوں کے کندھے ذوالخلصہ کے پاس نہ ٹکرانے لگیں (اور وہ وہاں اس کی عبادت نہ کرنے لگیں۔)[1]

٧١١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ رَجُلٌ مِّنْ قَحْطَانَ يَسُوقُ النَّاسَ بِعَصَاهُ». [راجع: ٣٥١٧]

[7117] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ قحطان سے ایک آدمی (بادشاہ بن کر) نکلے گا جو لوگوں کو اپنی لاٹھی سے ہانکے گا۔“

فائدہ: تغیر زمان سے دو نتیجے برآمد ہوں گے: ایک تو یہ کہ انسان حالات سے مایوس ہو کر کفر تک پہنچ جائے گا جیسا کہ اس سے پہلے حدیث میں بیان ہوا ہے، دوسرا یہ کہ انسان فسق و فجور تک پہنچ جائے گا جیسا کہ اس حدیث میں بیان ہوا ہے کہ قحطان کا ایک سربراہ لوگوں کو اپنی لاٹھی سے ہانکے گا۔ اس وقت اسلام کی حالت بدل جائے گی کیونکہ یہ شخص خلفاء سے نہیں ہوگا اور نہ شرف خلافت سے مزین ہی ہوگا بلکہ گنوار اور غیر مہذب شخص ہوگا جو حیوانوں کی طرح لوگوں کو ہانکے گا، یا اس کے نزدیک گھوڑے گدھے ایک ہی معیار کے ہوں گے، یعنی وہ تمام لوگوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکے گا۔ لاقانونیت کا دور دورہ ہوگا اور لوگ ہر قسم کے ضابطے سے آزاد ہو کر زندگی گزاریں گے۔ واللہ أعلم.

(٢٤) بَابُ خُرُوجِ النَّارِ

باب: 24- آگ کا نکلنا

وَقَالَ أَنَسٌ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ نَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ».

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کی نشانیوں میں سے پہلی نشانی یہ ہے کہ ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک ہانک کر لے جائے گی۔“

وضاحت: امام بخاری ؒ نے خود ہی اس حدیث کو متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2]

[1] المستدرك للحاكم: 475/4. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3329.

٧١١٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: أَخْبَرَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ تُضِيءُ أَعْنَاقَ الْإِبِلِ بِبُصْرَى».

[7118] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ سرزمین حجاز سے ایک آگ نکلے گی جو بصری شہر کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن کر دے گی۔''

فوائد ومسائل: (1) علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حدیث میں مذکور آگ کا ظہور ہو چکا ہے۔ 654 ہجری میں سرزمین حجاز سے آگ نکلی تھی جس کا آغاز ایک زلزلے سے ہوا تھا۔ اس آگ کے شعلے بلند ہوئے اور پھر وہ خود بخود ختم ہو گئی۔ (2) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وہی آگ ہے جو حشر کے لیے لوگوں کو ہانک لے جائے گی لیکن حدیث سے ایسی کوئی بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ حشر کی آگ ہے بلکہ اس سے مراد قیامت کی ایک نشانی ہے اور جو آگ لوگوں کو ہانک کر لے جائے گی، اس کے فوراً بعد قیامت آ جائے گی جیسا کہ دوسری احادیث میں اس کا ذکر ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کو آگ ہانک کر لے جائے گی اور وہ دن رات ان کے ساتھ رہے گی۔''[1] بہرحال یہ دو قسم کی آگ ہے: ایک تو قیامت کی نشانی ہے اور دوسری سے قیامت کا آغاز ہوگا۔ واللہ أعلم.

٧١١٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ الْكِنْدِيُّ: حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ جَدِّهِ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يُوشِكُ الْفُرَاتُ أَنْ يَحْسِرَ عَنْ كَنْزٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَمَنْ حَضَرَهُ فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا».

[7119] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب دریائے فرات سے سونے کا خزانہ ظاہر ہوگا جو کوئی وہاں موجود ہو وہ اس سے کچھ نہ لے۔''

قَالَ عُقْبَةُ: وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، مِثْلَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: «يَحْسِرُ عَنْ جَبَلٍ مِنْ ذَهَبٍ».

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سونے کا پہاڑ ظاہر ہو گا۔

فوائد ومسائل: (1) کچھ لوگوں نے سونے سے تیل یا پٹرول کا کنواں مراد لیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ حدیث سونے کے پہاڑ کی صریح نص ہے جبکہ پٹرول میں سونا نہیں بلکہ سونا ایک معدن کا نام ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کی مزید وضاحت

[1] صحیح البخاري، الرقاق، حدیث: 6522.

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عنقریب زمین اپنے کلیجے کے ٹکڑے نکال باہر پھینکے گی جیسے سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ستون ہوتے ہیں۔ قاتل آئے گا اور کہے گا: میں نے اس کے لیے قتل کیا، رشتہ داری توڑنے والا آئے گا اور کہے گا: میں نے اس کے لیے رشتوں کو توڑا، چور آئے گا اور کہے گا: اسی کے لیے میرا ہاتھ کاٹا گیا پھر سب کے سب اس کو چھوڑ دیں گے اور اس میں سے کچھ بھی نہیں لیں گے۔“[1] ② اس خزانے سے کچھ نہ لینے کی ممانعت اس لیے ہے کہ وہاں قتل وغارت کی صورت پیش آئے گی جیسا کہ حضرت ابی بن کعب ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فرات میں سونے کا پہاڑ ظاہر ہوگا۔ جب لوگ سنیں گے تو اس کی طرف چل دیں گے اور جو لوگ وہاں موجود ہوں گے وہ کہیں گے: اگر ہم نے انھیں اس پہاڑ سے لینے دیا تو یہ سارا سونا لے جائیں گے۔ آخر کار جنگ ہوگی اور ننانوے فیصد لوگ مارے جائیں گے۔“[2]

(٢٥) بَابٌ:

باب: 25- بلاعنوان

٧١٢٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ: حَدَّثَنَا مَعْبَدٌ قَالَ: سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «تَصَدَّقُوا فَسَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَمْشِي الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهِ فَلَا يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا».

[7120] حضرت حارثہ بن وہب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”صدقہ کرو کیونکہ عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک شخص اپنا صدقہ لے کر پھرے گا اور کوئی اسے قبول کرنے والا نہیں ملے گا۔“

قَالَ مُسَدَّدٌ: حَارِثَةُ أَخُو عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ لِأُمِّهِ. قَالَهُ أَبُو عَبْدِ اللهِ. [راجع: ١٤١١]

مسدد نے کہا: حارثہ، عبیداللہ بن عمر کا مادری بھائی ہے۔ یہ بات ابو عبداللہ (امام بخاری ؒ) نے بیان کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① بڑی بڑی فتوحات کی وجہ سے حضرت عثمان ؓ کے دور حکومت میں یہ صورت حال پیدا ہوگئی تھی، اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے دور میں بھی یہی حالت تھی کہ مال ودولت کی اس قدر فراوانی تھی کہ کوئی صدقہ لینے والا نہیں ملتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ کے نزول کے وقت بھی یہی صورت ہوگی کہ صدقہ لینے والا کوئی شخص نہیں ملے گا۔[3] ② حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کے دور میں مال ودولت کی اس قدر بہتات، عدل وانصاف اور مستحقین کو ان کے حقوق دینے کی وجہ سے تھی جبکہ حضرت عیسیٰ ؑ کے عہد میں مال کی فراوانی لوگوں کی کمی اور قرب قیامت کی وجہ سے ہوگی۔[4] واللہ أعلم.

٧١٢١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ:

[7121] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول

1 صحيح مسلم، الزكاة، حديث: 2341 (1013)۔ 2 صحيح مسلم، الفتن، حديث: 7276 (2895)۔ 3 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3448۔ 4 فتح الباري: 104/13۔

حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِيمَتَانِ تَكُونُ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ، دَعْوَتُهُمَا وَاحِدَةٌ، وَحَتّٰى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبٌ مِّنْ ثَلَاثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ، وَحَتّٰى يُقْبَضَ الْعِلْمُ وَتَكْثُرَ الزَّلَازِلُ وَيَتَقَارَبَ الزَّمَانُ وَتَظْهَرَ الْفِتَنُ وَيَكْثُرَ الْهَرْجُ، وَهُوَ الْقَتْلُ، وَحَتّٰى يَكْثُرَ فِيكُمُ الْمَالُ فَيَفِيضَ حَتّٰى يُهِمَّ رَبَّ الْمَالِ مَنْ يَقْبَلُ صَدَقَتَهُ، وَحَتّٰى يَعْرِضَهُ فَيَقُولَ الَّذِي يَعْرِضُهُ عَلَيْهِ: لَا أَرَبَ لِي بِهِ، وَحَتّٰى يَتَطَاوَلَ النَّاسُ فِي الْبُنْيَانِ، وَحَتّٰى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُولُ: يَا لَيْتَنِي مَكَانَهُ! وَحَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا، فَإِذَا طَلَعَتْ وَرَآهَا النَّاسُ [يَعْنِي] آمَنُوا أَجْمَعُونَ، فَذٰلِكَ حِينَ ﴿لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَٰنُهَا لَمْ تَكُنْ ءَامَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِىٓ إِيمَٰنِهَا خَيْرًا﴾ [الأنعام:١٥٨]، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَا يَطْوِيَانِهِ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهِ فَلَا يَطْعَمُهُ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يُلِيطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِي فِيهِ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أُكْلَتَهُ إِلٰى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا». [راجع: ٨٥]

اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک دو بڑی جماعتیں باہم سخت لڑائی نہ کریں۔ ان دونوں جماعتوں کے درمیان بڑی خونریز لڑائی ہو گی، حالانکہ دونوں کا دعویٰ ایک ہو گا۔ اور یہاں تک کہ تیس کے قریب جھوٹے دجال ظاہر ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہو گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ اور یہاں تک کہ علم اٹھا لیا جائے گا اور زلزلوں کی کثرت ہو گی، نیز زمانہ قریب ہو جائے گا اور فتنوں کا ظہور ہو گا۔ ہرج، یعنی قتل و غارت عام ہو گی۔ اور یہاں تک کہ تم میں مال کی کثرت ہو گی بلکہ وہ بہہ پڑے گا حتی کہ مال دار کو فکر دامن گیر ہو گی کہ اس کا صدقہ کون قبول کرے گا اور مال دار اپنا صدقہ کسی پر پیش کرے گا تو وہ کہے گا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اور یہاں تک کہ لوگ بڑے بڑے محلات پر فخر کریں گے۔ اور یہاں تک کہ آدمی دوسرے کی قبر کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا: کاش! یہ جگہ اس کی ہوتی۔ اور یہاں تک کہ سورج مغرب سے نکلے گا اور جب مغرب سے طلوع ہو گا اور لوگ اسے دیکھ لیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے۔ یہ وہ وقت ہو گا جب: ”کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا تھا یا اس نے اپنے ایمان کے ساتھ اچھے عمل نہ کیے۔“ اور بلاشبہ قیامت اچانک اس طرح قائم ہو گی کہ دو آدمیوں نے اپنے درمیان کپڑا پھیلا رکھا ہو گا اور وہ اس کی خرید و فروخت نہ کر سکے ہوں گے اور نہ اسے لپیٹ ہی پائیں گے۔ اور قیامت اس طرح برپا ہو گی کہ ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر گھر کی طرف لوٹے گا اور اس کو نوش نہیں کر سکے گا۔ اور قیامت اس طرح قائم ہو جائے گی کہ آدمی اپنا حوض تیار کر رہا ہو گا اور اس میں سے پانی نہیں پی سکے گا اور یقیناً قیامت اس طرح قائم ہو گی کہ

ایک آدمی نے اپنے منہ کی طرف لقمہ اٹھایا ہوگا اور وہ اسے کھا نہیں سکے گا۔"

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں قیامت کی نشانیوں کا بیان ہے۔ ان میں سے کچھ ظاہر ہو چکی ہیں اور کچھ آئندہ ظاہر ہوں گی۔ ان کا کتاب الفتن سے اس طرح تعلق ہے کہ قیامت سے پہلے دو بڑی جماعتیں باہم جنگ کریں گی جن کا دعویٰ ایک ہو گا۔ اس سے مراد حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی باہمی جنگ ہے۔ چونکہ دونوں حضرات جلیل القدر صحابی ہیں، لہٰذا اگر ان میں سے کوئی غلطی پر تھا تو وہ ان شاء اللہ گناہ گار نہ ہوگا بلکہ مستحق ثواب ہوگا۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا کہ ایک آدمی نے کہا: میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہوں کیونکہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بلاوجہ جنگ کی تھی۔ اس سے کہا گیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا رب بہت مہربان ہے اور اس کے مدمقابل بھی بہت کرم پیشہ تھا، تجھے ان میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔[1]

(٢٦) بَابُ ذِكْرِ الدَّجَّالِ

باب: 26- دجال کا ذکر

وضاحت: لفظ دجال، دجل سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: دھوکا دینا، حق کو چھپانا، ملمع سازی کرنا اور شعبدہ بازی دکھانا۔ ہر وہ شخص جس میں یہ اوصاف ہوں اسے دجال کہا جا سکتا ہے، لیکن دجال اکبر وہ ہے جو قرب قیامت ظاہر ہوگا۔ عجیب و غریب شعبدے دکھائے گا اور الٰہ ہونے کا دعویٰ کرے گا لیکن وہ خود کانا اور عیب دار ہوگا۔ اس کی پیشانی پر ک، ف، ر لکھا ہوگا جسے وہ مٹا نہیں سکے گا، اس سے وہ پہچانا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ ہر نماز میں تشہد میں بیٹھے اس سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔ امت مسلمہ کے لیے تمام فتنوں سے بڑا فتنہ بھی دجال ہوگا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے قبل از وقت امت کو اس سے خبردار کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لوگو! جب سے اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو (زمین میں) بسایا ہے بلاشبہ زمین میں دجال کے فتنے سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی بھیجا ہے اس نے اپنی امت کو اس سے خبردار کیا ہے۔"[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں چند ایک احادیث کا انتخاب کیا ہے جن کی وضاحت حسب ذیل ہے۔

٧١٢٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي قَيْسٌ قَالَ: قَالَ لِيَ الْمُغِيرَةُ ابْنُ شُعْبَةَ: مَا سَأَلَ أَحَدٌ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الدَّجَّالِ مَا سَأَلْتُهُ، وَإِنَّهُ قَالَ لِي: «مَا يَضُرُّكَ مِنْهُ؟» قُلْتُ: لِأَنَّهُمْ يَقُولُونَ: إِنَّ مَعَهُ جَبَلَ خُبْزٍ وَنَهَرَ مَاءٍ، قَالَ: «بَلْ هُوَ أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ ذٰلِكَ».

[7122] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: دجال کے متعلق جس قدر میں نے نبی ﷺ سے پوچھا اتنا کسی نے نہیں پوچھا۔ آپ نے مجھے فرمایا: "اس سے تمھیں کیا نقصان پہنچے گا؟" میں نے کہا: لوگ کہتے ہیں: اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کی نہر ہو گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ اللہ پر اس سے بھی زیادہ آسان ہے۔"

[1] فتح الباري: 13/108. [2] سنن ابن ماجه، الفتن، حديث: 4077.

فوائد ومسائل: ① اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو مختلف آزمائشوں سے دوچار کر کے ان کا امتحان لیتا ہے، انھی آزمائشوں میں سے ایک فتنۂ دجال بھی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے بہت قدرت دی ہوگی۔ وہ اپنے ماننے والوں کے لیے ٹھنڈی ہوائیں چلائے گا، بارشیں برسائے گا، زمین سے پیداوار اور اناج اگائے گا۔ الغرض ان کے لیے وہ خوشحالی کا سامان مہیا کرے گا اور جو لوگ اسے جھوٹا کہیں گے وہ انھیں قحط سالی اور فقر و فاقے میں مبتلا کر دے گا اور انھیں اپنے ایک ہاتھ میں موجود آگ میں پھینک دے گا جو درحقیقت جنت ہوگی۔ لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ کی اجازت نہ ہو تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جسے لوگ آگ سمجھیں گے وہ دراصل ٹھنڈا پانی ہوگا۔[1]

٧١٢٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ - أُرَاهُ - عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ». [راجع: ٣٠٥٧]

[7123] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''(دجال) دائیں آنکھ سے کانا ہوگا، گویا وہ انگور کا ابھرا ہوا دانہ ہے۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دجال بائیں آنکھ سے کانا اور گھنے بالوں والا ہوگا۔ اس کے ہمراہ جنت اور آگ ہوگی۔ اس کی آگ جنت اور اس کی جنت آگ ہوگی۔''[2] ② دراصل دجال کی دونوں آنکھیں عیب دار ہوں گی۔ روایات کے مطابق دائیں آنکھ کی روشنی بالکل نہیں ہوگی جیسا کہ صحیح بخاری کی مذکورہ روایت میں ہے اور بائیں آنکھ پر ناخن کی شکل کا سفید گوشت ہوگا جسے ناخونہ کہا جاتا ہے۔ وہ آنکھ کو اندھا کر دیتا ہے۔ وہ بیک وقت دونوں آنکھوں سے کانا ہوگا۔ دائیں آنکھ کی روشنی بالکل نہیں ہوگی اور بائیں آنکھ عیب دار ہوگی۔[3]

٧١٢٤ - حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَجِيءُ الدَّجَّالُ حَتَّى يَنْزِلَ فِي نَاحِيَةِ الْمَدِينَةِ، ثُمَّ تَرْجُفُ الْمَدِينَةُ ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ، فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ». [راجع: ١٨٨١]

[7124] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دجال آئے گا اور مدینہ طیبہ کے ایک کنارے پر ٹھہرے گا۔ اس کے بعد مدینہ تین مرتبہ بھونچال سے دوچار ہوگا۔ اس کے نتیجے میں ہر کافر اور منافق نکل کر اس (دجال) کی طرف چلا جائے گا۔''

فوائد ومسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ دجال مکے اور مدینے کے علاوہ ہر شہر کو روند ڈالے گا، ان کی ہر گھاٹی پر صفیں باندھے فرشتے کھڑے ہوں گے جو ان (مکے اور مدینے) کی حفاظت کریں گے۔[4] ایک روایت ہے کہ اصفہان کے ستر ہزار

---

1 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3450. 2 صحيح مسلم، الفتن، حديث: 7366 (2934). 3 فتح الباري: 122/13. 4 صحيح البخاري، فضائل المدينة، حديث: 1881.

یہودی سیاہ یا سبز چادریں اوڑھے دجال کا ساتھ دیں گے۔[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ دجال مشرق کی سرزمین سے ظاہر ہوگا جسے خراسان کہا جاتا ہے۔ بہت سی قومیں اس کے ساتھ ہوں گی جن کے چہرے چمڑا لگی ڈھالوں کی طرح ہوں گے۔[2]
② دجال کا اصل لشکر یہودی ہوں گے، دیگر کافر اور منافق لوگ بھی اس میں شامل ہوں گے۔ اس کے فتنے کا شکار ہونے والی زیادہ تر خواتین ہوں گی۔ واللہ أعلم۔

٧١٢٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ رُعْبُ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، وَلَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلَى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ». [راجع: ١٨٧٩]

[7125] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”اہل مدینہ پر دجال کا رعب نہیں پڑے گا۔ اس وقت (مدینہ طیبہ کے) سات دروازے ہوں گے۔ ہر دروازے پر دو فرشتے مقرر ہوں گے۔“

٧١٢٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ: حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ: عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ رُعْبُ الْمَسِيحِ، لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ، عَلَى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ».

[7126] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”مدینہ طیبہ پر مسیح دجال کا رعب نہیں پڑے گا۔ اس وقت اس کے سات دروازے ہوں گے۔ ہر دروازے پر دو فرشتے مقرر ہوں گے۔“

[قَالَ] وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَدِمْتُ الْبَصْرَةَ فَقَالَ لِي أَبُو بَكْرَةَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ بِهٰذَا. [راجع: ١٨٧٩]

ابراہیم بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں: میں بصرے آیا تو مجھ سے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ ایک ویران جزیرے میں سے پاؤں تک زنجیروں میں سخت ترین جکڑے ہوئے انسان نے کہا: میں مسیح دجال ہوں۔ عنقریب مجھے نکلنے کی اجازت دی جائے گی تو مدینے اور مکے کے علاوہ ہر بستی کا چکر لگاؤں گا۔ جب میں ان دونوں میں سے کسی کی طرف جانے کا ارادہ کروں گا تو تلوار سونتے ہوئے ایک فرشتہ میرے سامنے ہوگا جو مجھے ان میں داخل ہونے سے روکے گا، نیز ان کے تمام راستوں پر فرشتے ہوں گے جو ان کی حفاظت کریں گے۔[3] ایک روایت میں ہے کہ دجال نکلے گا اور احد پہاڑ پر چڑھ کر مدینہ طیبہ کی طرف دیکھے گا اور اپنے

1 صحیح مسلم، الفتن، حدیث: 7392 (2944). 2 جامع الترمذي، الفتن، حدیث: 2237. 3 صحیح مسلم، الفتن، حدیث: 7386 (2942).

ساتھیوں سے کہے گا: کیا تم یہ سفید محل دیکھ رہے ہو؟ یہ احمد (ﷺ) کی مسجد ہے۔ پھر وہ مدینے کی طرف آئے گا تو اس کے ہر راستے پر تلوار سونتے ہوئے فرشتے کو پائے گا۔[1] ⑥ بہرحال حرمین شریفین میں دجال کا داخلہ ممنوع ہوگا۔ واللّٰه أعلم.

٧١٢٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ: «إِنِّي لَأُنْذِرُكُمُوهُ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَهُ قَوْمَهُ، وَلٰكِنِّي سَأَقُولُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ: إِنَّهُ أَعْوَرُ، وَإِنَّ اللهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ». [راجع: ٣٠٥٧]

[7127] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے شایان شان تعریف کی، پھر دجال کا ذکر کیا تو فرمایا: ”میں تمھیں دجال سے خبردار کرتا ہوں۔ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو اس سے نہ ڈرایا ہو، البتہ میں تمھیں اس کے متعلق ایک ایسی بات بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی: وہ یہ ہے کہ وہ کانا ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے۔“

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے دجال کے کانا ہونے کو خصوصیت سے بیان کیا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا وصف ہے جس کا ہر آدمی ادراک کر سکتا ہے حتی کہ جاہل آدمی سے بھی یہ عیب پوشیدہ نہیں ہوتا۔ دجال کے کذاب ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ وہ کانا ہوگا۔ یہ عیب بالکل نمایاں اور واضح ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، لہٰذا دجال ربوبیت اور الوہیت کا دعویٰ کرنے میں جھوٹا ہوگا، پھر اس کی بے بسی کا حال یہ ہوگا کہ وہ اپنے اس عیب کو کسی صورت میں بھی دور نہیں کر سکے گا۔ یہ ایک ایسی علامت ہے جس کے متعلق کسی نبی نے بھی اپنی امت کو آگاہ نہیں کیا ہوگا۔ ② ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے دجال سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا: ”تم میں سے کوئی بھی اپنے رب کو مرنے سے پہلے نہیں دیکھ سکے گا۔“[2] اس کا مطلب یہ ہے اللہ رب العالمین کا دیدار اس دنیا میں ناممکن ہے، لہٰذا دجال جو اپنے رب ہونے کا دعویدار ہے اور اسے تم اس دنیا میں دیکھ رہے ہو اس کے جھوٹے ہونے کی واضح دلیل ہے۔[3]

٧١٢٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبْطُ الشَّعَرِ يَنْطِفُ - أَوْ يُهَرَاقُ - رَأْسُهُ مَاءً. قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا: ابْنُ مَرْيَمَ. ثُمَّ ذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ

[7128] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے ایک دفعہ نیند میں دیکھا کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا ہوں۔ اچانک ایک گندمی رنگ والا آدمی میرے سامنے آیا جس کے بال سیدھے تھے اور اس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ ابن مریم ہیں۔ پھر میں

(1) مسند أحمد: 338/4. (2) صحيح مسلم، الفتن، حديث: 7356 (169). (3) فتح الباري: 120/13.

فَإِذَا رَجُلٌ جَسِيمٌ أَحْمَرُ جَعْدُ الرَّأْسِ أَعْوَرُ الْعَيْنِ، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ، قَالُوا: هٰذَا الدَّجَّالُ، أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ»، رَجُلٌ مِّنْ خُزَاعَةَ. [راجع: ٣٤٤٠]

نے اچانک ایک طرف التفات کیا تو ایک سرخ جسم آدمی دیکھا جس کے سر کے بال سخت گھنگھریالے تھے اور وہ آنکھ سے کانا تھا، گویا اس کی آنکھ ابھرے ہوئے انگور کی طرح تھی۔ لوگوں نے کہا: یہ دجال ہے۔ وہ لوگوں میں ابن قطن کے بہت مشابہ تھا۔" یہ قبیلۂ خزاعہ کا ایک آدمی تھا۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے دجال ملعون اور ابن مریم علیہ السلام کو بیک وقت دیکھا، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر دجال، یوں پگھل جائے گا جس طرح پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اسے بیت اللہ میں دیکھا جبکہ وہ مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ محدثین نے اس کا دو طرح سے جواب دیا ہے: (ا) یہ ایک خواب کا معاملہ ہے اور خواب میں ایک ناممکن چیز کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ (ب) دجال کے ظاہر ہونے سے پہلے کا معاملہ ہے۔ ظاہر ہونے کے بعد وہ عیسیٰ علیہ السلام کا سامنا نہیں کر سکے گا اور نہ وہ حرمین میں داخل ہی ہو سکے گا۔[1]

٧١٢٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ: أَنَّ عَائِشَةَ [رَضِيَ اللهُ عَنْهَا] قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَسْتَعِيذُ فِي صَلَاتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ. [راجع: ٨٣٢]

[7129] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ اپنی نماز میں دجال سے پناہ مانگتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① دجال کا فتنہ تمام فتنوں سے بڑا فتنہ ہے۔ اس کے پاس گمراہی کا ایسا ساز و سامان ہوگا جو کسی دوسرے کو میسر نہیں ہوا، اس لیے ضروری ہے کہ اس کے مکر و فریب اور دجل و کذب سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی جائے۔ ② خود رسول اللہ ﷺ ہر نماز میں تشہد پڑھتے وقت یہ دعا پڑھتے تھے: [وَ أَعُوذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ] "اے اللہ! میں مسیح دجال سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔"[2] اس حدیث سے فتنۂ دجال کی سنگینی کا پتا چلتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے اس کی پناہ مانگتے تھے۔

٧١٣٠ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فِي الدَّجَّالِ: «إِنَّ مَعَهُ مَاءً وَنَارًا، فَنَارُهُ مَاءٌ بَارِدٌ وَمَاؤُهُ نَارٌ».

[7130] حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے دجال کے متعلق فرمایا: "یقیناً اس کے ساتھ پانی اور آگ ہوگی۔ اس کی آگ ٹھنڈا پانی ہوگا اور اس کا پانی آگ ہوگی۔"

1 فتح الباري: 123/13۔ 2 صحيح البخاري، الدعوات، حديث: 6368۔

قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ: أَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ. [راجع: ٣٤٥٠]

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے بھی یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں اس کی مزید وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں خوب جانتا ہوں کہ دجال کے ساتھ کیا ہوگا؟ اس کے ساتھ دو بہتی ہوئی نہریں ہوں گی۔ ایک تو دیکھنے میں سفید پانی معلوم ہوگی اور دوسری بھڑکتی ہوئی آگ نظر آئے گی، پھر جو کوئی موقع پائے وہ اس نہر میں چلا جائے جسے وہ آگ دیکھے گا۔ وہ اپنی آنکھ بند کرے اور سر جھکا کر اس سے پیے، وہ ٹھنڈا پانی ہوگا۔''[1] مطلب یہ ہے کہ دجال ایک شعبدہ باز اور جادوگر ہوگا کہ پانی کو آگ اور آگ کو پانی کر کے لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ ② یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرنے کے لیے اس کی شعبدہ بازی کو الٹا کر دے، جن لوگوں کو وہ پانی دے گا وہ ان کے لیے آگ بن جائے گی اور جن مسلمانوں کو مخالف خیال کر کے آگ میں ڈالے گا ان کے حق میں وہ آگ پانی بن جائے گی۔ واللّٰہ أعلم.

٧١٣١ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا بُعِثَ نَبِيٌّ إِلَّا أَنْذَرَ أُمَّتَهُ الْأَعْوَرَ الْكَذَّابَ، أَلَا إِنَّهُ أَعْوَرُ، وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، وَإِنَّ بَيْنَ عَيْنَيْهِ مَكْتُوبٌ كَافِرٌ». فِيهِ أَبُو هُرَيْرَةَ وَابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٧٤٠٨]

[7131] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو نبی بھی مبعوث ہوا اس نے اپنی امت کو کانے جھوٹے سے ضرور خبردار کیا ہے۔ آگاہ رہو وہ کانا ہے جبکہ تمھارا رب کانا نہیں۔ اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا۔'' حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی نبی ﷺ سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دجال کی ایک آنکھ مٹی ہوئی ہوگی اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا۔ پھر آپ ﷺ نے ہجے کر کے بتلایا ک، ف، ر، جسے ہر مسلمان پڑھ سکے گا۔''[2] ② ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا لفظ حقیقت کے طور پر لکھا ہوگا جبکہ کچھ حضرات نے اس کی تاویل کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں ایمان کا نور بھر دے گا، وہ دجال کو دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ یہ کافر جعل ساز، شعبدے باز ہے اور کافر کی عقل پر پردہ ڈال دیا جائے گا، وہ اس کی شعبدہ بازی دیکھ کر اسے سچا خیال کرے گا، لیکن احادیث کے الفاظ اس تاویل کی تردید کرتے ہیں۔ ③ واضح رہے کہ دجال اپنے ماتھے پر لکھا ہوا ''کافر'' مٹانے کی قدرت نہیں رکھے گا کیونکہ اگر اس کے لیے یہ ممکن ہوتو وہ اسے ضرور مٹا ڈالے تاکہ وہ لوگوں کو مزید گمراہ کر سکے لیکن اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا۔ مومن ان الفاظ کو آسانی پڑھ لے گا، خواہ وہ پڑھا لکھا نہ ہو اور کافر انھیں نہیں پڑھ سکے گا، خواہ پڑھا لکھا ہو۔ واللّٰہ أعلم.

1 صحیح مسلم، الفتن، حدیث: 7367 (2934)۔ 2 صحیح مسلم، الفتن، حدیث: 2933 (7366).

(٢٧) بَابٌ: لَا يَدْخُلُ الدَّجَّالُ الْمَدِينَةَ

باب: 27- دجال، مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا

٧١٣٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا حَدِيثًا طَوِيلًا عَنِ الدَّجَّالِ، فَكَانَ فِيمَا يُحَدِّثُنَا بِهِ أَنَّهُ قَالَ: «يَأْتِي الدَّجَّالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِينَةِ، فَيَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِي تَلِي الْمَدِينَةَ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ [وَ] هُوَ خَيْرُ النَّاسِ - أَوْ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ - فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّكَ الدَّجَّالُ الَّذِي حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ حَدِيثَهُ، فَيَقُولُ الدَّجَّالُ: أَرَأَيْتُمْ إِنْ قَتَلْتُ هٰذَا ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ، هَلْ تَشُكُّونَ فِي الْأَمْرِ؟ فَيَقُولُونَ: لَا، فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيهِ فَيَقُولُ: وَاللهِ مَا كُنْتُ فِيكَ أَشَدَّ بَصِيرَةً مِنِّي الْيَوْمَ، فَيُرِيدُ الدَّجَّالُ أَنْ يَقْتُلَهُ فَلَا يُسَلَّطُ عَلَيْهِ». [راجع: ١٨٨٢]

[7132] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دن نبی ﷺ نے ہم سے دجال کے متعلق ایک طویل حدیث بیان فرمائی۔ آپ کے ارشادات میں سے یہ بھی تھا کہ آپ نے فرمایا: ”دجال آئے گا اور اس کے لیے ناممکن ہوگا کہ وہ مدینہ طیبہ کے راستوں میں داخل ہو، چنانچہ مدینہ طیبہ کے قریب کسی شوریلی زمین پر قیام کرے گا۔ اس دن اس کے پاس ایک مرد مومن جائے گا جو سب لوگوں سے بہتر ہوگا: وہ کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دی تھی۔ اس پر دجال کہے گا: تم ہی بتاؤ اگر میں اسے قتل کر دوں، پھر اسے زندہ کروں تو کیا تمھیں میرے معاملے میں کوئی شک وشبہ باقی رہے گا؟ لوگ کہیں گے: نہیں، چنانچہ دجال اس کو قتل کر دے گا، پھر اسے زندہ کر لے گا۔ اب وہ آدمی کہے گا: اللہ کی قسم! آج سے زیادہ مجھے تیرے معاملے میں پہلے اتنی بصیرت کبھی حاصل نہ تھی۔ اس کے بعد دجال اسے قتل کرنے کا ارادہ کرے گا لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔“

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری حدیث میں ہے کہ دجال ایک نوجوان کو بلائے گا اور اس کے دو ٹکڑے کر دے گا جس طرح نشانہ لگانے کی غرض سے لگائی گئی کوئی چیز دو ٹکڑے ہو جاتی ہے، پھر اسے زندہ کر کے بلائے گا تو وہ نوجوان چمکتے دمکتے اور مسکراتے چہرے کے ساتھ اس کی طرف چلا آئے گا۔[1] ② دجال کی شعبدہ بازی بار بار نہیں چلے گی، وہ جو کام ایک مرتبہ کرے گا اسے دوبارہ نہیں کر سکے گا۔ حدیث میں مذکور شخص امت کا بہترین مومن ہوگا جس کے ذریعے سے دجال کو شکست فاش ہوگی۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ دجال مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس کی وضاحت آئندہ حدیث میں ہو گی۔ واللہ المستعان.

1 صحیح مسلم، الفتن، حدیث: 2937 (7373).

٧١٣٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُجْمِرِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «عَلَى أَنْقَابِ الْمَدِينَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونُ وَلَا الدَّجَّالُ». [راجع: ١٨٨٠]

[7133] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مدینہ طیبہ کے راستوں پر فرشتے پہرہ دیتے ہیں، نہ تو یہاں طاعون آ سکتا ہے اور نہ دجال ہی کو آنے کی ہمت ہوگی۔“

٧١٣٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا يَزِيدُ ابْنُ هَارُونَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْمَدِينَةُ يَأْتِيهَا الدَّجَّالُ فَيَجِدُ الْمَلَائِكَةَ يَحْرُسُونَهَا فَلَا يَقْرَبُهَا الدَّجَّالُ، وَلَا الطَّاعُونُ إِنْ شَاءَ اللهُ». [راجع: ١٨٨١]

[7134] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”دجال مدینہ طیبہ تک آئے گا تو یہاں فرشتوں کو اس کی حفاظت کرتے ہوئے پائے گا، چنانچہ اگر اللہ نے چاہا تو دجال اس کے قریب نہیں آ سکے گا اور نہ یہاں طاعون ہی پھیلے گا۔“

فوائد ومسائل: ① دجال، حرمین شریفین کے علاوہ پوری دنیا کو روند ڈالے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”کوئی شہر ایسا نہیں جس میں دجال داخل نہ ہو، البتہ مکے اور مدینے میں داخل نہیں ہو سکے گا کیونکہ فرشتے مکے اور مدینے کے راستوں پر صفیں باندھے کھڑے ہوں گے اور ان کی حفاظت کریں گے۔ دجال مدینہ طیبہ کی سنگلاخ زمین تک پہنچے گا تو تین بار زلزلہ آئے گا، اس سے مدینہ طیبہ میں موجود تمام کافر اور منافق دجال کے پاس چلے جائیں گے۔“[1] ایک حدیث میں ہے کہ دجال تمام روئے زمین پر غالب آ جائے گا مگر بیت اللہ، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ اور طور پہاڑ پر نہیں پہنچ سکے گا۔[2] ② امام بخاری ؒ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ دجال سے تحفظ اس طرح ممکن ہے کہ مومن حرمین شریفین میں چلے جائیں اور وہاں رہائش اختیار کر لیں۔ اس مناسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال ملعون سے نجات پانے کے متعلق ذرا تفصیل بیان کر دی جائے۔ صحیح احادیث سے دجال سے بچاؤ کے جو طریقے ہیں ہمارے رجحان کے مطابق وہ حسب ذیل ہیں: ○ فتنۂ دجال سے پناہ مانگنا: رسول اللہ ﷺ خود دوران نماز میں فتنۂ دجال سے پناہ مانگتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نماز میں دجال سے پناہ مانگا کرتے تھے۔[3] اور امت کو دجال کے فتنے سے پناہ مانگنے کی تلقین کرتے تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ سے فرمایا: ”تم دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو۔“ تو صحابۂ کرام ؓ نے ان الفاظ میں حکم کی بجا آوری کی: ”ہم فتنۂ دجال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔“[4] ○ اللہ پر توکل کرتے ہوئے دجال کو جھٹلانا: کانے دجال کی بھرپور تکذیب کی جائے اور اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کا مظاہرہ کیا جائے۔ حضرت ہشام بن عامر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے دجال کو کہہ دیا کہ تو

---

1 صحیح مسلم، الفتن، حدیث: 7390(2943). 2 مسند أحمد: 364/5. 3 صحیح البخاري، الأذان، حدیث: 833.
4 صحیح مسلم، المساجد، حدیث: 1324(588).

میرا رب ہے وہ فتنے میں مبتلا ہو گیا اور جس نے کہا: تو جھوٹا ہے۔ میرا رب اللہ ہے۔ اسی پر میں نے بھروسا کیا، تو دجال اسے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔[1] ○ سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کرنا: سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کر لینے سے بھی دجال کے فتنے سے بچاؤ ممکن ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جس نے سورۂ کہف کی دس آیات حفظ کر لیں اسے فتنۂ دجال سے بچا لیا جائے گا۔''[2] ایک روایت میں سورۂ کہف کی آخری دس آیات حفظ کرنے کا بھی ذکر ہے۔[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی دس آیات حفظ کرے یا آخری دس آیات، کسی پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔ واللہ أعلم. ○ حرمین میں رہائش: اس کی وضاحت ہم نے حدیث: 7133، 7134 کے فوائد میں بیان کی ہے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ فتنۂ دجال سے بچانے والا اصل ہتھیار ایمان ہے۔ اگر ایمان نہیں ہے تو حرمین میں رہائش بھی کچھ فائدہ نہ دے گی بلکہ کافر اور منافق لوگ ان بابرکت شہروں سے نکل کر دجال سے جا ملیں گے جیسا کہ حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔[4] ○ دجال کا سامنا نہ کرنا: اس فتنے کے ظاہر ہونے کے وقت اس کا سامنا کرنے کی بجائے اس سے کنارہ کش رہنا بھی اس سے بچاؤ کا بہترین ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جو شخص دجال کی خبر سنے وہ اس کے سامنے آنے سے گریز کرے۔ اللہ کی قسم! جب کوئی آدمی اس کے پاس آئے گا اور اسے مومن خیال کرے گا، پھر اس کی شعبدہ بازی دیکھ کر اس کی پیروی کرنے لگے گا۔''[5] ○ دجال کے خلاف جہاد میں شرکت کرنا: فتنۂ دجال سے نجات کے لیے ضروری ہے کہ اس کے خلاف جہادی دستے میں شرکت کر لی جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''میری امت میں سے ایک جماعت حق کی حمایت میں ہمیشہ جہاد کرتی رہے گی اور اپنے دشمنوں پر غالب رہے گی حتی کہ ان کا آخری گروہ مسیح دجال کے خلاف جہاد کرے گا۔''[6]

(۲۸) بَابُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ

باب: 28- یاجوج وماجوج کا بیان

۷۱۳۵ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ؛ ح: وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ: أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ، عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ بِنْتِ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَزِعًا يَقُولُ: «لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ، فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ

[7135] حضرت زینب بنت جحش ؓ سے روایت ہے، کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں گھبرائے ہوئے تشریف لائے۔ آپ فرما رہے تھے: ''عربوں کے لیے اس برائی کی وجہ سے تباہی ہے جو بالکل قریب آ لگی ہے۔ آج یاجوج وماجوج کی دیوار سے اتنا کھل گیا ہے۔'' اور آپ نے اپنے انگوٹھے اور اس کے قریب والی انگلی کو ملا کر ایک حلقہ سا بنایا۔ حضرت زینب بنت جحش ؓ نے یہ سن کر پوچھا: اللہ کے رسول! کیا ہم نیک لوگوں کی موجودگی میں بھی ہلاک کر دیے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، جب

1 مسند أحمد: 13/5۔ 2 مسند أحمد: 196/5۔ 3 سنن أبي داود، الملاحم، حديث: 4323۔ 4 صحيح البخاري، الفتن، حديث: 7124۔ 5 سنن أبي داود، الملاحم، حديث: 4319۔ 6 سنن أبي داود، الجهاد، حديث: 2484۔

مِثْلُ هٰذِهِ» - وَحَلَّقَ بِإِصْبَعَيْهِ: الْإِبْهَامِ وَالَّتِي تَلِيهَا - قَالَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَفَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟ قَالَ: «نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ». [راجع: ٣٣٤٦]

بدکاری بہت بڑھ جائے گی۔"

٧١٣٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يُفْتَحُ الرَّدْمُ - رَدْمُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ - مِثْلَ هٰذِهِ»، وَعَقَدَ وُهَيْبٌ تِسْعِينَ. [راجع: ٣٣٤٧]

[7136] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: "سد، یعنی یاجوج و ماجوج کی دیوار اتنی کھل گئی ہے۔" (راوی حدیث) حضرت وہیب نے نوے کا اشارہ کرکے بتایا، یعنی گرہ لگائی۔

فائدہ: یاجوج و ماجوج کے متعلق بہت سی بے سروپا روایات لوگوں میں مشہور ہیں۔ جس قدر صحیح احادیث سے ثابت ہے وہ اتنا ہی ہے کہ یاجوج و ماجوج دو قومیں ہیں۔ ذوالقرنین نے ایک مضبوط دیوار بنا کر انھیں بند کر دیا تھا، قیامت کے قریب وہ تیزی کے ساتھ ہر بستی میں گھس جائیں گی اور ہر چیز کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس دیوار میں معمولی سوراخ ہو چکا تھا، آخر کار وہ دیوار توڑ کر نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے فتنے کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: "قتل دجال کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجے گا کہ میں اپنے بندوں کو چھوڑنے والا ہوں۔ ان سے جنگ کرنے کی کسی میں ہمت نہیں ہے۔ آپ میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جائیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو چھوڑ دے گا جو ہر گھاٹی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ ان کے پہلے لوگ دریائے طبرستان کا پانی ختم کر دیں گے، پچھلے لوگ جب وہاں سے گزریں گے تو کہیں گے کہ یہاں کبھی پانی تھا۔ اس دوران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کوہ طور پر محصور ہوں گے، اشیائے خورد و نوش کی قلت اس قدر ہو گی کہ گائے کی سری سو دینار سے بڑھ کر ہو گی۔ یہ حضرات دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کر دے گا جس کی وجہ سے وہ تمام یکدم مر جائیں گے۔ اس کے بعد جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی واپس زمین پر آئیں گے تو زمین میں ان (یاجوج و ماجوج) کی وجہ سے بدبو پھیلی ہو گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی پھر دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے پرندے بھیجے گا جن کی گردنیں بڑے اونٹوں کے برابر ہوں گی، وہ انھیں اٹھا کر دور پھینک دیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ بارش اتارے گا جس کی وجہ سے زمین میں شادابی آئے گی۔ اس دن ایک انار ایک جماعت کے لیے کافی ہو گا۔ لوگ اس کے چھلکے کا بنگلہ بنا کر اس سے سایہ حاصل کریں گے۔"[1]

1. صحیح مسلم، الفتن، حدیث: 7373 (2937).

احکام کے معنی ومطالب اور اس کی وضاحت

اَحکام، حکم کی جمع ہے۔ فقہی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کے وہ اوامر ونواہی احکام کہلاتے ہیں جن کی بجا آوری اس نے اپنے بندوں پر عائد کی ہے لیکن اس مقام پر حکومت اور قضاء کے آداب وشرائط مراد ہیں کیونکہ حاکم کا لفظ خلیفہ اور قاضی ہر دو پر مشتمل ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت نظام عدالت اور نظام حکومت کو بیان فرمایا ہے اور ان کے متعلق ضروری امور کی وضاحت کی ہے۔ واضح رہے کہ دین اسلام انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ ان کا تعلق عقائد وایمانیات سے ہو یا عبادات واخلاقیات سے یا دیگر معاملات سے، اسلام ان تمام کی وضاحت کرتا ہے اور ان کے متعلق ہماری مکمل رہنمائی کرتا ہے، پھر لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنے اور حق داروں کو ان کا حق دلوانے، نیز تعزیر وسزا کے مستحق جرائم پیشہ لوگوں کو سزا دینے کے لیے نظام عدالت کا قیام بھی انسانی معاشرے کے لیے ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو یہاں اجتماعیت اور مل جل کر رہنے کی ایک شکل پیدا ہوگئی تو اس وقت نظام عدالت بھی اپنی ابتدائی سادہ شکل میں قائم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ خود اللہ تعالیٰ کا نبی ہونے کے ساتھ اسلامی مملکت کے سربراہ اور حاکم عدالت بھی تھے۔ اختلافی معاملات آپ کے سامنے آتے اور آپ ان کا فیصلہ فرماتے۔ جن پر زیادتی ہوتی انھیں ان کا حق دلواتے اور حق غصب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق سزا دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے براہ راست آپ ﷺ کو خطاب کر کے حکم دیا ہے:

''آپ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ اللہ کی نازل کردہ ہدایات کے مطابق کریں۔''[1]

جب یمن کا علاقہ اسلامی اقتدار کے دائرے میں آ گیا تو آپ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو وہاں قاضی بنا کر بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ہدایات دیں کہ وہ اس ذمہ داری کو عدل وانصاف کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کریں اور ایسا کرنے والوں کو آخرت میں عظیم انعامات اور بلند درجات کی بشارتیں دیں، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ایسے لوگوں سے نادانستہ طور پر کوئی اجتہادی غلطی ہو جائے تو اس پر انھیں کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا بلکہ اپنی نیک نیتی اور حق بینی کی کوشش اور محنت کا اجر وثواب ملے گا اور اس کے مقابلے میں آپ نے جانبداری اور بے انصافی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب سے ڈرایا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے: ''فیصلہ کرنے والے تین طرح کے ہوتے

---

1 المآئدة 5:49.

ہیں، جن میں سے دو جہنمی اور ایک جنتی ہے: ایک تو وہ شخص جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا وہ جنتی ہے۔ دوسرا وہ جس نے حق کی پہچان کر لی مگر اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا بلکہ فیصلہ کرتے وقت ظلم و زیادتی سے کام لیا، ایسا شخص دوزخی ہے۔ تیسرا وہ جس نے نہ حق کو پہچانا اور نہ حق کے مطابق فیصلہ کیا بلکہ اس نے لوگوں میں جہالت اور نادانی سے فیصلہ کیا، یہ شخص بھی دوزخی ہے۔"[1]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک سربراہ مملکت کی حیثیت سے نظام حکومت کے ایسے اصول مقرر فرمائے جن سے اسلامی حکومتوں اور ان کے سربراہوں کو پوری پوری رہنمائی ملتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد حکومتی نظام چلانے والے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنے دور کے تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے پوری کوشش کی کہ حکومت کے متعلق تمام معاملات میں رسول اللہ ﷺ کے طور طریقوں اور آپ ﷺ کی ہدایات کی پوری پابندی اور پاسداری کی جائے۔ اسی امتیازی خصوصیت کی وجہ سے انھیں خلفائے راشدین کہا جاتا ہے۔ ان تمہیدی گزارشات کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوانات اور ان کے تحت پیش کردہ احادیث کو پورے غور و فکر اور انہماک سے پڑھا جائے۔ آپ نے نظام عدالت اور نظام حکومت کے متعلق امت کی بھرپور رہنمائی کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ چند عنوانات حسب ذیل ہیں: اسلامی سربراہ اگر خلاف شرع حکم نہ دے تو اس کی بات سننا اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

* حکومتی عہدہ خود نہیں مانگنا چاہیے، اس طرح اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال ہوگی۔ * جو شخص حکومتی عہدہ طلب کرے گا وہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ * حکومتی عہدے کی حرص کرنا منع ہے۔ * جو شخص لوگوں کو تنگ کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے مشقت میں ڈالے گا۔ * جو شخص رعایا کی خیر خواہی نہ کرے، اسے سخت ترین عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ چلتے چلتے راستے میں کوئی فیصلہ کرنا۔ * قاضی کو غصے کی حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ * جج بننے کی کیا شرائط ہیں؟ * حکام اور عمال کا تنخواہیں لینا۔ * فیصلے کرنے والوں کا تحفے قبول کرنا۔ * یک طرفہ فیصلہ کرنے کی شرعی حیثیت۔ * حاکم وقت کو چاہیے کہ وہ اپنے ماتحت کا محاسبہ کرتا رہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سے اصول و ضوابط ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ان کے مطابق عمل کرنے کی توفیق دے۔

[1] سنن ابن ماجه، الأحكام، حديث: 2315.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

93- كِتَابُ الْأَحْكَامِ

حکومت اور قضاء سے متعلق احکام و مسائل

(١) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ [النساء: ٥٩]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، نیز صاحبانِ حکومت کی بات بھی مانو'' کا بیان

وضاحت: اسلام یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں عدل و انصاف اور آزادی و مساوات پر مبنی حکومت قائم ہو۔ رسول اللہ ﷺ عرب میں ایک آزاد اسلامی حکومت قائم فرما کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں عرب و عجم تک اس کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں بیشتر ہدایات فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد خلفائے اسلام کی اطاعت بھی ضروری ہے جو قومی و ملی نظم و نسق قائم رکھنے کا تقاضا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی اصول ہے کہ ائمۂ اسلام کی اطاعت کتاب و سنت کی حد تک ہے، اگر ان کی اطاعت کتاب و سنت سے ٹکراتی ہو تو ان کی بات کو چھوڑنا اور کتاب و سنت کی بات کو ماننا ضروری ہوگا۔ اس آیت کریمہ سے امام بخاری ؒ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ أُولِي الْأَمْرِ سے مراد علماء نہیں بلکہ حکام وقت ہیں۔ واللہ أعلم.

٧١٣٧ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ، وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي،

[7137] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے میرے امیر کی بات مانی اس نے میری بات مانی اور جس نے میرے امیر کی خلاف ورزی کی اس نے گویا میری

وَمَنْ عَصٰى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي». [راجع: ۲۹۵۷] خلاف ورزی کی۔"

فوائدومسائل: ① اطاعت سے مراد احکام کی بجا آوری اور منہیات سے رک جانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بعینہ اللہ کی اطاعت اس لیے ہے کہ وہی آپ ﷺ کو حکم دیتا ہے۔ اسی طرح حکومت کا نظم ونسق قائم رکھنے کے لیے حکام وقت کی بات ماننا ضروری ہے اور ان کی اطاعت کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ لیکن اگر کوئی حاکم وقت قرآن وحدیث کے خلاف حکم دے تو اسے چھوڑ کر قرآن وحدیث پر عمل کرنا ہوگا تاکہ شریعت کی بالادستی قائم رہے۔ ② قریش، نظام حکومت سے ناواقف اور انجان تھے اور دیگر حکام کی بات نہیں مانتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے امیر کی اطاعت کو اُجاگر کیا ہے، چنانچہ ایک دفعہ آپ ﷺ صحابۂ کرام ﷺ کی جماعت میں تشریف فرما تھے تو فرمایا: "کیا تمھیں علم نہیں ہے کہ میری اطاعت اللہ کی اطاعت ہے؟" صحابہ نے جواب دیا: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ بھی اطاعت کا حصہ ہے کہ تم اپنے امراء وحکام کا کہا مانو۔"[1] واللہ أعلم.

٧١٣٨ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالْإِمَامُ الْأَعْظَمُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْؤُولَةٌ عَنْهُمْ، وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْهُ أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ». [راجع: ۸۹۳]

[7138] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آگاہ رہو! تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ حاکم وقت لوگوں کا نگہبان ہے، اس سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اس سے اپنی نگہبانی کے متعلق سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے اہل خانہ اور اولاد کی نگران ہے، اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا۔ کسی شخص کا غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے، اسے اس کی نگرانی کے متعلق سوال ہو گا۔ آگاہ رہو! تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی اپنی رعایا کے متعلق باز پرس ہوگی۔"

فوائدومسائل: ① رعایت کے معنی چیز کی حفاظت کرنا اور اس کی پوری نگرانی کرنا ہیں۔ یہ نگرانی اپنے اپنے متعلقین کے اعتبار سے مختلف ہے۔ جس کی کوئی رعایا، گھر بار اور اولاد وغیرہ نہ ہو وہ اپنے آپ کا اور اپنے اعضاء کا نگران ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنے اعضاء کا صحیح استعمال کرے اور اپنے دوستوں اور معاشرے کے دیگر لوگوں کے حقوق کا خیال رکھے۔ اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے۔ ② مقصد یہ ہے کہ ذمہ داری کا دائرہ حکومت وامارت سے ہٹ کر ہر ادنیٰ سے ادنیٰ ذمہ دار کو بھی شامل ہے۔ ہر ذمہ دار اپنے حلقے کا مسئول ہے۔ اس ذمہ داری سے ناجائز فائدہ اٹھانا بھی گناہ ہے جیسا کہ امام زہری ؒ ایک دفعہ ولید بن

---

1 مسند أحمد: 93/2.

عبدالملک کے پاس گئے تو اس نے درج ذیل حدیث کے متعلق آپ سے سوال کیا: "جب اللہ تعالیٰ کسی کو خلافت کی ذمہ داری دیتا ہے تو اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں، لیکن اس کی برائیوں کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔" امام زہری رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ یہ محض جھوٹ ہے، پھر انھوں نے دلیل کے طور پر یہ آیت تلاوت کی: "اے داود! ہم نے تمھیں زمین میں نائب بنایا ہے، لہٰذا تم لوگوں میں انصاف سے فیصلے کرنا اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا ورنہ یہ بات تمھیں اللہ کی راہ سے بہکا دے گی اور جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ یوم حساب کو بھول گئے ہیں۔"[1] یہ سن کر ولید نے کہا: لوگ ہمیں دین کے متعلق اندھیرے میں رکھتے ہیں۔[2]

(٢) بَابٌ : اَلْأُمَرَاءُ مِنْ قُرَيْشٍ

باب:2- سربراہانِ حکومت قریش سے ہوں گے

وضاحت : مذکورہ عنوان ایک حدیث کا حصہ ہے جسے حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔[3] چونکہ یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق نہ تھی، اس لیے انھوں نے اسے عنوان میں بیان کیا ہے۔ چونکہ اس کے معنی صحیح تھے، اس لیے دوسری احادیث سے اسے ثابت کیا ہے۔ بہرحال جمہور اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اسلامی سربراہ حکومت کے لیے قریشی ہونا شرط ہے، صرف خوارج اور معتزلہ نے اس موقف سے اختلاف کیا ہے۔ ان کے نزدیک خلافت و امارت کے لیے قریشی ہونا ضروری نہیں بلکہ ان کے علاوہ کوئی بھی خلیفہ بن سکتا ہے، لیکن ان کا موقف صحیح اور صریح احادیث کے خلاف ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی حدیث کے پیش نظر انصار کے موقف سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ ان کی رائے تھی کہ ایک امیر انصار سے اور ایک قریش سے منتخب کر لیا جائے گا۔ اس کے بعد تمام صحابہ کا اس امر پر اجماع ہو گا کہ غیر قریشی کے لیے خلافت نہیں ہو سکتی، البتہ خلیفۂ وقت کا غیر قریشی نائب ہو سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین، خلفائے بنوامیہ اور خلفائے بنوعباس نے اپنے اپنے عہد میں غیر قریشی حضرات کو اپنا نائب اور گورنر بنایا۔ بہرحال امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ خلیفے کے لیے قریشی ہونا شرط ہے۔

٧١٣٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ يُحَدِّثُ أَنَّهُ بَلَغَ مُعَاوِيَةَ - وَهُمْ عِنْدَهُ فِي وَفْدٍ مِنْ قُرَيْشٍ - أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو يُحَدِّثُ: أَنَّهُ سَيَكُونُ مَلِكٌ مِّنْ قَحْطَانَ، فَغَضِبَ فَقَامَ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ رِجَالًا مِنْكُمْ يُحَدِّثُونَ أَحَادِيثَ لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ وَلَا

[7139] حضرت محمد بن جبیر بن مطعم سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں قریش کے ایک وفد کے ہمراہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، انھیں معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عنقریب قبیلۂ قحطان کا بادشاہ ہو گا۔ اس بیان پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت غصہ آیا اور انھوں نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے شایان شان تعریف کی پھر کہا: امابعد! تم میں سے کچھ لوگ ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں اور نہ وہ

1 صٓ 26:38. 2 فتح الباري: 141/13. 3 مسند أحمد: 424/4.

تُؤْثَرُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ. وَأُولَئِكَ جُهَّالُكُمْ، فَإِيَّاكُمْ وَالْأَمَانِيَّ الَّتِي تُضِلُّ أَهْلَهَا، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ فِي قُرَيْشٍ، لَا يُعَادِيهِمْ أَحَدٌ إِلَّا كَبَّهُ اللهُ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ مَا أَقَامُوا الدِّينَ». [راجع: ٣٥٠٠]

رسول اللہ ﷺ ہی سے منقول ہیں۔ یہ تم میں سے جاہل لوگ ہیں۔ تم ایسے خیالات سے خود کو محفوظ رکھو جو تمھیں گمراہ کر دیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "یہ امر خلافت قریش میں رہے گا۔ اگر کوئی ان سے اس معاملے میں دشمنی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل گرا دے گا۔ یہ اس وقت تک ہو گا جب تک قریش دین کو قائم رکھیں گے۔"

تَابَعَهُ نُعَيْمٌ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرٍ.

نعیم نے ابن مبارک کے ذریعے سے عن معمر، عن زہری محمد بن جبیر سے روایت کرنے میں شعیب کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ کا قائم کیا ہوا عنوان مستقل ایک حدیث ہے جیسا کہ حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خلفاء قریش سے ہوں گے۔ ان کے تمھارے ذمے کچھ حقوق ہیں اور تمھارے ان کے ذمے کچھ حقوق ہیں۔ یہ اس وقت ہو گا جب وہ رحم کی اپیل پر کان دھریں، اپنے معاہدوں کی پاسداری کریں اور اپنے فیصلوں میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھیں، اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔"[1] اسی طرح یہ روایت حضرت ابو برزہ اسلمی ؓ نے بھی بیان کی ہے۔[2] یہی الفاظ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے بھی مروی ہیں۔[3] امام ترمذی ؒ نے اس سلسلے میں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [باب ما جاء أن الخلفاء من قريش إلى أن تقوم الساعة] "قیامت تک خلفاء قریش سے ہوں گے۔" پھر انھوں نے اس عنوان کو ثابت کرنے کے لیے درج ذیل حدیث پیش کی ہے: "قبیلۂ بکر بن وائل کے ایک آدمی نے کہا: اگر قریش اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ ان سے خلافت چھین کر جمہور عرب کے حوالے کر دے گا۔ حضرت عمرو بن عاص ؓ نے یہ سن کر کہا: تو غلط کہتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "اچھے اور برے حالات میں قیامت تک کے لیے قریش ہی لوگوں کے سربراہ ہوں گے۔"[4] ② حضرت امیر معاویہ ؓ اس لیے ناراض ہوئے کہ ان کے خیال کے مطابق ابھی قحطانی کا ظہور ہو گا، حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کی حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا بلکہ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قحطانی کا ظہور قرب قیامت کے وقت ہو گا۔[5] یہ اس وقت ہو گا جب قریش خلافت کے معاملے میں وہ معیار قائم نہیں رکھیں گے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، یعنی وہ رعایا کے حقوق کا خیال نہیں رکھیں گے اور عدل و انصاف کے بجائے ظلم و ستم کرنے لگیں گے۔ واللہ أعلم.

٧١٤٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا

[7140] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں

---

① مسند أحمد: 129/3. ② مسند أحمد: 424/4. ③ مسند أحمد: 396/4. ④ جامع الترمذي، الفتن، حديث: 2227.
⑤ صحيح البخاري، الفتن، حديث: 7117.

عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَزَالُ هٰذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنْهُمُ اثْنَانِ». [راجع: ٣٥٠١]

نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ امر خلافت قریش میں اس وقت تک رہے گا جب تک ان کے دو شخص بھی باقی رہیں گے۔''

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جب تک قریش موجود رہیں گے خلافت کے حق دار ہوں گے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین اسلام کے علمبردار اور اس کے نفاذ کے لیے عملاً اقدام کریں، بصورت دیگر انھیں اس خلافت سے محروم کر دیا جائے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''یہ قبیلۂ قریش لوگوں کو تباہی کے کنارے پر پہنچا دے گا۔'' لوگوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ایسے حالات میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: ''کاش! لوگ ان سے الگ ہو جائیں۔''[1] کیونکہ اس وقت ان میں دین اسلام کی سربلندی کے بجائے ملک گیری کی ہوس آ جائے گی اور دنیا کی خاطر جنگ و قتال کریں گے۔ ② بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ خلافت کے حق دار قریش ہیں بشرطیکہ اس معیار کو قائم رکھیں جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اسی بات کو معیار بنا کر انصار کو لاجواب کیا تھا، ان کا موقف تھا کہ ایک امیر انصار سے اور ایک امیر مہاجرین سے مقرر کر دیا جائے، پھر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے، البتہ معتزلہ اور خوارج نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابُ أَجْرِ مَنْ قَضٰى بِالْحِكْمَةِ

باب:3- اس شخص کا ثواب جو اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کرے

لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَـٰسِقُونَ﴾ [المائدة: ٤٧]

ارشاد باری ہے: ''جس نے اللہ کی نازل کردہ تعلیمات کے مطابق فیصلہ نہ کیا تو ایسے لوگ ہی فاسق ہیں۔''

وضاحت: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلے نہ کرنے پر سخت وعید کا بیان ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی تعلیمات کے مطابق فیصلے کرے گا وہ اجر عظیم کا حق دار ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے: ''فیصلے کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل رہتی ہے جب تک وہ ظلم و زیادتی سے کام نہ لے۔''[2]

٧١٤١ - حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ

[7141] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قابل رشک دو آدمی ہیں: ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اسے حق کے راستے میں بے دریغ خرچ کرے اور دوسرا وہ جسے

[1] صحیح البخاري، المناقب، حدیث: 3604. [2] سنن ابن ماجه، الأحكام، حدیث: 2312.

عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَآخَرُ آتَاهُ اللهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا». [راجع: ٧٣]

اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت سے سرفراز کیا وہ اس کے مطابق فیصلے کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں حسد سے مراد رشک ہے۔ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اس میں حسد کی حلال قسم کا بیان ہے کیونکہ حسد اگرچہ حرام ہے لیکن دینی مصلحت کے پیش نظر ان دو خصلتوں میں جائز ہے، نیز اس میں لوگوں کو صحیح فیصلے کرنے کی رغبت دلانا مقصود ہے بشرطیکہ اس میں فیصلہ کرنے کی شرائط پائی جائیں اور وہ اعمال حق کی قدرت بھی رکھتا ہو۔ ② ان صلاحیتوں سے متصف انسان مظلوموں کی مدد کر سکتا ہے، حق داروں کو ان کا حق پہنچا سکتا ہے، نیز ظالم کو ظلم سے روک کر ان کی اصلاح کر سکتا ہے اور یہ تمام امور عبادت میں شامل ہیں، نیز حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہے بشرطیکہ وہ ظلم نہ کرے، اگر وہ ظلم پر اتر آئے تو اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔"[1]

(٤) بَابُ السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِلْإِمَامِ مَا لَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً

باب:4- حاکم وقت کی بات سننا اور اسے ماننا ضروری ہے بشرطیکہ وہ گناہ اور نافرمانی نہ ہو

وضاحت: حاکم وقت کی بات ماننا ضروری ہے لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دے تو اس کا انکار کرنا بھی ضروری ہے۔ حدیث میں ہے: "خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی بات نہ مانی جائے۔"[2]

٧١٤٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ». [راجع: ٦٩٣]

[7142] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم بات سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کسی ایسے حبشی کو حاکم اور سربراہ مقرر کر دیا جائے جس کا سر منقی کی طرح چھوٹا ہو۔"

فوائد و مسائل: ① ادنیٰ سے ادنیٰ امیر کی اطاعت بھی ضروری ہے بشرطیکہ وہ معصیت و نافرمانی کا حکم نہ دے۔ عرب لوگ نظام امارت نہیں جانتے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے امراء کی اطاعت اور فرمانبرداری کی رغبت دی ہے تاکہ وہ صلح اور جنگ دونوں حالتوں میں اپنے امراء کے تابع رہیں اور افراتفری پھیلا کر اسلام کے اتحاد کو پارہ پارہ نہ کریں۔ ② رسول اللہ ﷺ نے حبشی کے سر کو خشک انگور سے تشبیہ دی ہے، اس سے مراد حقارت و کراہت میں مبالغہ ہے، یعنی اگر ایسا شخص بھی مقرر کر دیا جائے تو اس کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ اس سے مراد خلافت نہیں کیونکہ خلافت تو صرف قریش کا حق ہے بشرطیکہ وہ دین کی سربلندی کا عزم کیے ہوئے ہوں اور حدود اللہ کو عملی طور پر نافذ کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔

---

1 سنن ابن ماجه، الأحكام، حديث: 2312. 2 مسند أحمد: 66/5.

٧١٤٣ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنِ الْجَعْدِ، عَنْ أَبِي رَجَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَرْوِيهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوتُ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً». [راجع: ٧٠٥٣]

[7143] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے امیر میں کوئی ایسی چیز دیکھی جسے وہ پسند نہیں کرتا تو اسے چاہیے کہ صبر کرے کیونکہ اگر کوئی جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہوا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔''

فوائد ومسائل: ① جماعت سے الگ ہونے سے مراد ملکی وقومی اور دینی نظام کو توڑ کر حاکم اسلام سے بغاوت کرنا ہے۔ ایسا آدمی عہد جاہلیت کی سی خودسری میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں مرنا جاہلیت کی موت مرنا ہے جو مسلمان کی شان کے مناسب نہیں۔ ② اس حدیث میں امیر سے مراد ہماری خودساختہ تنظیموں کے امیر نہیں بلکہ خلیفۂ اسلام ہے جو صحیح معنوں میں صاحب اقتدار اور اختیارات کا مالک ہو۔ ایسے امیر کی اطاعت ضروری ہے۔ معمولی باتوں کا بہانہ بنا کر بغاوت کا راستہ ہموار کرنا جاہلیت کی یاد تازہ کرنے کے مترادف ہے کیونکہ دور جاہلیت کے لوگ ہر قسم کے قانون سے بالا زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ ایسے حالات میں اگر کوئی حاکم وقت سے بغاوت کرتا ہے تو جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ اس حدیث کی پہلے بھی وضاحت ہو چکی ہے۔ واللہ المستعان۔

٧١٤٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ». [راجع: ٢٩٥٥]

[7144] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ایک مسلمان کے لیے امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ یہ اطاعت پسندیدہ اور ناپسندیدہ دونوں باتوں میں ہے بشرطیکہ اسے کسی گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ اگر اسے گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ بات سنی جائے اور نہ اطاعت ہی کی جائے۔''

فوائد ومسائل: ① امیر یا امام میں، انسان ہونے کی حیثیت سے غلطی کا امکان باقی رہتا ہے، غلطی میں ان کی اطاعت کرنا جائز نہیں لیکن بغاوت کرنے کی بھی اجازت نہیں، تاہم اگر حاکم وقت کفر بواح کا مرتکب ہو، یعنی اس کا کفر روز روشن کی طرح واضح ہو تو ایسے حالات میں علیحدگی اختیار کرنا ضروری ہے۔ اگر ہمت ہو تو ایسے امام کا مقابلہ کرنا اور اس پر ڈٹ جانا چاہیے۔ مداہنت کرنے والا اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے والا گناہ گار ہوگا ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بازپرس ہو۔ اگر کوئی کمزور ہے تو ضروری ہے کہ وہاں سے ہجرت کر جائے اور اپنے دین کو بچا لے۔ اگر وہاں سے ہجرت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو دل میں کڑھتا رہے اور ان سے نفرت کرتا رہے۔ ② بہرحال معمولی معمولی باتوں کو بنیاد بنا کر فتنہ وفساد کھڑا کرنا یا مسلح بغاوت کے لیے

راستہ ہموار کرنا اسلام اور اہل اسلام کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ بہرحال ان احادیث میں امام سے مراد کسی مسجد کا امام نہیں یا امیر سے مراد کسی تنظیم کا امیر نہیں، ایسا کرنا حدیث کا مذاق اڑانا ہے۔ واللہ المستعان.

٧١٤٥ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ سَرِيَّةً وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يُطِيعُوا، فَغَضِبَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ: أَلَيْسَ قَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تُطِيعُونِي؟ قَالُوا: بَلٰى. قَالَ: قَدْ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ لَمَا جَمَعْتُمْ حَطَبًا وَأَوْقَدْتُمْ نَارًا ثُمَّ دَخَلْتُمْ فِيهَا، فَجَمَعُوا حَطَبًا فَأَوْقَدُوا نَارًا، فَلَمَّا هَمُّوا بِالدُّخُولِ فَقَامُوا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّمَا تَبِعْنَا النَّبِيَّ ﷺ فِرَارًا مِّنَ النَّارِ، أَفَنَدْخُلُهَا؟ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ خَمَدَتِ النَّارُ وَسَكَنَ غَضَبُهُ فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «لَوْ دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا أَبَدًا، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ». [راجع: ٤٣٤٠]

[7145] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک دستہ بھیجا اور اس پر انصار کے ایک آدمی کو امیر بنایا۔ آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس کی اطاعت کریں۔ پھر وہ امیر ان لشکریوں پر ناراض ہو گیا اور کہنے لگا: کیا تمھیں نبی ﷺ نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! اس امیر نے کہا: میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ تم لکڑیاں جمع کر کے آگ جلاؤ پھر اس میں کود جاؤ۔ لوگوں نے لکڑیاں جمع کیں اور آگ جلائی۔ پھر جب انھوں نے اس میں کودنے کا ارادہ کیا تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کچھ لوگوں نے کہا: ہم نے نبی ﷺ کی فرمانبرداری تو آگ سے بچنے کے لیے کی تھی تو کیا پھر ہم خود ہی آگ میں کود جائیں؟ وہ اسی سوچ بچار میں تھے کہ اس دوران میں آگ ٹھنڈی ہو گئی اور امیر کا غصہ بھی جاتا رہا، پھر جب نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”اگر وہ آگ میں کود جاتے تو پھر اس سے کبھی نہ نکل سکتے۔ اطاعت صرف اچھے کاموں اور اچھی باتوں میں ہے۔“

فوائد ومسائل: ① امیر لشکر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں سمندری ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لیے جدے کی طرف روانہ کیا تھا۔ جب ڈاکوؤں کو پتا چلا تو وہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی بھاگ گئے۔ جب اہل لشکر کو اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے امیر کی اجازت کے بغیر واپسی کی تیاری شروع کر دی، اس پر امیر کو غصہ آ گیا اور آگ کا الاؤ تیار کرنے کا حکم دیا۔ یہ بات ان سے غصے کی حالت میں سرزد ہوئی تھی اور غصہ ٹھنڈا ہونے تک وہ آگ بھی ٹھنڈی ہو گئی۔ ② رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ لوگ آگ میں داخل ہو جاتے تو جل کر راکھ ہو جاتے اور اس سے زندہ نہ نکل سکتے۔ اس سے جہنم کی آگ مراد نہیں کیونکہ حدیث شفاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ گو موحد جہنم کی آگ سے ایک نہ ایک دن ضرور نکل آئے گا۔ اس سے مراد زجر و توبیخ، ڈانٹ ڈپٹ اور تنبیہ ہے تاکہ آئندہ اس قسم کے اقدام سے پرہیز کیا جائے۔ ③ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت تو غیر مشروط ہے لیکن امراء اور حکمرانوں کی اطاعت صرف اس صورت میں ہو گی جب وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے خلاف نہ ہو، اگر خلاف ہو تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی، چنانچہ ایک

روایت میں ہے: ''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔ یہ اطاعت تو صرف معروف کاموں میں ہے۔''[1]

(٥) بَابٌ: مَنْ لَمْ يَسْأَلِ الْإِمَارَةَ أَعَانَهُ اللهُ عَلَيْهَا

باب: 5- جسے طلب کیے بغیر عہدہ ملے تو اللہ اس کی مدد کرے گا

٧١٤٦ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ! لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَائْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ». [راجع: ٦٦٢٢]

[7146] حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے مجھے فرمایا: ''اے عبدالرحمٰن! تم حکومت کا عہدہ مت طلب کرو کیونکہ اگر تمھیں طلب کرنے پر حکومت کی ذمہ داری دی گئی تو تم اس کے سپرد کر دیے جاؤ گے اور اگر تمھیں طلب کے بغیر کوئی عہدہ دیا گیا تو اللہ کی طرف سے اس میں تمھاری مدد کی جائے گی۔ اور اگر تم قسم اٹھاؤ پھر اس کے خلاف میں کوئی بہتری دیکھو تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دو اور جو بہتر ہے اسے کر گزرو۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حکومتی عہدہ یا عدالتی منصب خود طلب کر کے نہیں لینا چاہیے اور جسے خواہش کے بغیر کوئی حکومتی ذمہ داری مل جائے تو وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اسے قبول کرے۔ ایسے بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ان کی ضرور رہنمائی کرے گا جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی منصب قضا کا طالب ہوگا اور درخواست کر کے اسے حاصل کرے گا تو اسے اس کی ذات کے حوالے کر دیا جائے گا اور جس شخص کو مجبور کر کے قاضی بنایا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی کے لیے ایک فرشتہ اتار (مقرر کر) دیتا ہے جو اسے ٹھیک ٹھیک چلاتا ہے۔''[2] ② اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی مدد کی بھی وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ اس کی رہنمائی کرے گا۔

(٦) بَابٌ: مَنْ سَأَلَ الْإِمَارَةَ وُكِلَ إِلَيْهَا

باب: 6- جس نے مانگ کر عہدہ حاصل کیا تو وہ اس کے سپرد کر دیا جائے گا

وضاحت: ایسے شخص کو اس کی ذات کے حوالے کر دیا جائے گا کہ وہ خود ہی اس کی ذمہ داریوں سے نمٹے جو بہت مشکل اور بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مدد نہیں ہوگی۔

٧١٤٧ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ

[7147] حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ ؓ سے روایت

[1] صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 4765 (1840). [2] جامع الترمذي، الأحكام، حديث: 1323.

الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الْحَسَنِ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ! لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ». [راجع: ٦٦٢٢]

ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ”اے عبدالرحمٰن! حکومتی عہدہ مت طلب کرنا کیونکہ اگر تجھے طلب کرنے پر کوئی عہدہ ملا تو تم اس کے حوالے کر دیے جاؤ گے اور اگر تمھیں طلب کیے بغیر کوئی ذمہ داری ملی تو اس میں تمھاری مدد کی جائے گی۔ اور اگر تم کسی بات پر قسم اٹھاؤ، پھر اس کے سوا کسی دوسری چیز میں بہتری دیکھو تو اسے کر لو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں اشارہ ہے کہ حاکم اعلیٰ کا کام ہے کہ وہ اپنی حکومت میں قابل ترین افراد کو تلاش کر کے امور حکومت ان کے حوالے کرے اور جو لوگ خود لالچی اور حریص ہوں انھیں کوئی منصب نہ دیا جائے۔ ایسے لوگ اسے چلانے میں ناکام رہیں گے۔ لیکن اگر کوئی اپنے اندر صلاحیت پاتا ہے اور حکومتی منصب کے تقاضے پورے کرنے کی ہمت پاتا ہے اور اسے یہ بھی احساس ہے کہ اگر میں نے اسے حاصل نہ کیا تو نالائق آدمی اس پر قابض ہو جائے گا تو اس صورت میں عہدہ طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے وزارت مال کا قلمدان مانگ کر لیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”یوسف علیہ السلام نے کہا: مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے۔ میں ان کی حفاظت کرنے والا اور یہ کام میں جانتا بھی ہوں۔“[1] ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکومتی ذمہ داری محنت و مشقت سے خالی نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہو تو انسان کی دنیا تباہ اور آخرت برباد ہو جاتی ہے، اس لیے کوئی بھی عقلمند اسے مانگ کر لینے کی جرأت نہیں کرتا اور اگر اپنے اندر صلاحیت پاتا ہے اور طلب کے بغیر اسے کوئی ذمہ داری دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بشارت دی ہے۔[2]

(٧) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْحِرْصِ عَلَى الْإِمَارَةِ

باب: 7- حکومتی عہدے کی حرص کرنا مکروہ ہے

٧١٤٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الْإِمَارَةِ وَسَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ».

[7148] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”یقیناً تم عنقریب حکومتی عہدے کا لالچ کرو گے اور ایسا کرنا تمھارے لیے قیامت کے دن باعث ندامت ہوگا۔ دودھ پلانے والی اچھی لگتی ہے اور دودھ چھڑانے والی بری محسوس ہوتی ہے۔“

وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ

ایک دوسری سند کے مطابق حضرت سعید مقبری، عمر بن

[1] یوسف 12:55. [2] فتح الباري: 13/155.

حُمْرَانَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَوْلَهُ.

حکم کے واسطے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کا اپنا قول نقل کرتے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حکومتی عہدے کی لذت اور حلاوت کی بہترین مثال دی ہے کہ انسان کو حکومتی منصب ملتے وقت بڑی لذت محسوس ہوتی ہے، وہ خوب مزے اڑاتا ہے۔ یہ اس کا آغاز ہے جیسا کہ دودھ پلانے والی عورت ہوتی ہے لیکن یہ ہمیشہ قائم رہنے والی چیز نہیں ہے، ایک دن چھن جائے گی تو جتنا مزہ اٹھایا تھا وہ سب کرکرا ہو جائے گا۔ حکومت جانے کا رنج اور پریشانی اس قدر ہوگی کہ اس کے مقابلے میں ابتدائی خوشی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ عقلمند کو چاہیے کہ جس کام کے انجام میں رنج ہو اسے معمولی سی لذت کی وجہ سے اختیار نہ کرے۔ اس انجام کو رسول اللہ ﷺ نے ''دودھ چھڑانے والی بری ہے'' کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ اثر ہوا کہ بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حکومتی عہدوں سے بھاگتے تھے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے زمانۂ خلافت میں قاضی بنانا چاہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور کسی طرح بھی راضی نہ ہوئے۔[1]

٧١٤٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أَنَا وَرَجُلَانِ مِنْ قَوْمِي، فَقَالَ أَحَدُ الرَّجُلَيْنِ: أَمِّرْنَا يَا رَسُولَ اللهِ، وَقَالَ الْآخَرُ مِثْلَهُ، فَقَالَ: «إِنَّا لَا نُوَلِّي هٰذَا مَنْ سَأَلَهُ وَلَا مَنْ حَرَصَ عَلَيْهِ». [راجع: ٢٢٦١]

[7149] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں اور میری قوم کے دو آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: اللہ کے رسول! ہمیں کہیں کا حاکم بنا دیں۔ دوسرے نے بھی اسی قسم کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہم ایسے شخص کو حکومتی عہدہ نہیں دیتے جو اسے طلب کرے اور نہ اسے دیتے ہیں جو اس کا حریص ہو۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حکومتی عہدہ لینے سے بہت ڈرایا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان کی نیت میں خرابی آجائے اور وہ آخرت کی بربادی کا باعث بن جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جسے قاضی بنایا گیا وہ گویا بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔''[2] ② جس آدمی کو چھری سے ذبح کیا جائے وہ تو دو، تین منٹ میں ختم ہو جائے گا اور اگر کسی کو چھری کے بغیر ذبح کرنے کی کوشش کی جائے تو ظاہر ہے کہ اس کا کام جلدی تمام نہیں ہوگا بلکہ اس کی تکلیف لمبی ہوگی، یعنی یہ پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کی مالا ہے، لیکن اگر اس کی خواہش کی جائے اور اسے حاصل کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کی جائے تو وہ کس قدر ناپسندیدہ عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''ایسے شخص کو عہدے سے محروم رکھا جائے جو خود اس کا طالب اور حریص ہو۔''

1 جامع الترمذي، الأحكام، حديث: 1322. 2 جامع الترمذي، الأحكام، حديث: 1325.

(٨) بَابُ مَنِ اسْتُرْعِيَ رَعِيَّةً فَلَمْ يَنْصَحْ

باب: 8- جو شخص رعایا کا حاکم بنے لیکن وہ ان کی خیر خواہی نہ کرے

٧١٥٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْهَبِ عَنِ الْحَسَنِ: أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ زِيَادٍ عَادَ مَعْقِلَ ابْنَ يَسَارٍ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ. فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ: إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنُصْحِهِ [إِلَّا] لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ». [انظر: ٧١٥١]

[7150] حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبیداللہ بن زیاد، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی اس مرض میں عیادت کے لیے آیا جس میں وہ فوت ہوئے تھے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: میں تمھیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو رعایا کا حاکم بناتا ہے اور وہ خیر خواہی کے ساتھ ان کی نگہداشت نہیں کرتا تو وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پائے گا۔''

٧١٥١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ: قَالَ زَائِدَةُ: ذَكَرَهُ هِشَامٌ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: أَتَيْنَا مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ نَعُودُهُ، فَدَخَلَ عَلَيْنَا عُبَيْدُ اللهِ فَقَالَ لَهُ مَعْقِلٌ: أُحَدِّثُكَ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: «مَا مِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ». [راجع: ٧١٥٠]

[7151] حضرت حسن بصری سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے ان کے ہاں حاضر ہوئے۔ وہاں عبیداللہ بن زیاد آیا تو حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: میں تجھے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''جو بادشاہ مسلمانوں کا حاکم بنایا گیا اور اس نے ان کے معاملات میں خیانت کی پھر وہ اسی حالت میں مر گیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے۔''

فوائد و مسائل: ﴿ ایک روایت میں اس کا سبب اس طرح بیان ہوا ہے کہ عبیداللہ بن زیاد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرے کا گورنر تھا اور بہت خونریزی کرتا تھا۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اسے نصیحت کرنی چاہی۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جسے امام طبرانی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ممکن ہے یہ واقعہ دونوں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے پیش آیا ہو۔ بہر حال ظالم حکمرانوں کے لیے اس میں بہت سخت وعید بیان ہوئی ہے کہ جو حاکم مسلمانوں کے حقوق ضائع کرتا اور ان کی خیانت کا مرتکب ہوتا ہے تو قیامت کے دن اسے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کھڑا کیا جائے گا، وہ کسی صورت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات نہیں پا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص پر جنت حرام کر دی ہے۔

② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم وقت کا فرض ہے کہ وہ اپنے ماتحت لوگوں کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے۔ اگر وہ عوام کی خیر خواہی میں کوتاہی کرے گا تو جنت سے بلکہ اس کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔[1]

(٩) بَابٌ: مَنْ شَاقَّ شَقَّ اللهُ عَلَيْهِ

باب: 9- جو لوگوں کو مشقت میں ڈالے گا اللہ اسے مصیبت میں گرفتار کر دے گا

٧١٥٢ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ طَرِيفٍ أَبِي تَمِيمَةَ قَالَ: شَهِدْتُ صَفْوَانَ وَجُنْدَبًا وَّأَصْحَابَهُ وَهُوَ يُوصِيهِمْ فَقَالُوا: هَلْ سَمِعْتَ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ شَيْئًا؟ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: «مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، قَالَ: وَمَنْ شَاقَّ شَقَّ اللهُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». فَقَالُوا: أَوْصِنَا، فَقَالَ: إِنَّ أَوَّلَ مَا يُنْتِنُ مِنَ الْإِنْسَانِ بَطْنُهُ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَّا يَأْكُلَ إِلَّا طَيِّبًا فَلْيَفْعَلْ، وَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَّا يُحَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ بِمِلْءِ كَفٍّ مِنْ دَمٍ هَرَاقَهُ فَلْيَفْعَلْ.

[7152] حضرت طریف ابوتمیمہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں صفوان، ان کے ساتھیوں اور حضرت جندب رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا جبکہ وہ ان کو وصیت کر رہے تھے، پھر ان ساتھیوں نے پوچھا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو فرماتے سنا ہے، آپ نے فرمایا: ”جو شخص لوگوں کو سنانے کے لیے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا بھید کھول دے گا اور جو لوگوں کو مشقت میں ڈالے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔“ پھر ان لوگوں نے کہا: آپ ہمیں وصیت کریں تو انھوں نے فرمایا: سب سے پہلے (قبر میں) انسان کا پیٹ خراب ہوگا، لہٰذا جو شخص حلال و پاکیزہ چیز کھانے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ ضرور حلال اور پاک چیز کھائے۔ اور جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے اور جنت کے درمیان چلو بھر خون حائل نہ ہو جو اس نے ناحق بہایا ہو تو وہ ایسا ضرور کرے۔

قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ: مَنْ يَّقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ؟ جُنْدَبٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، جُنْدَبٌ.

[راجع: ٦٤٩٩]

(فربری نے کہا:) میں نے ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) سے پوچھا: کون صاحب اس حدیث میں کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، کیا جندب کہتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: ہاں جندب ہی کہتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دور حکومت

1. فتح الباري: 159/13.

میں حسس بن سلامہ کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ شورش برپا کرنے والوں کو جمع کریں تاکہ میں انھیں حدیث بیان کروں، چنانچہ خوارج کے سرغنوں، یعنی نافع بن ازرق، ابوبلال مرداس، نجدہ اور صالح بن مشرح کو جمع کیا گیا تو انھوں نے ان لوگوں کے سامنے مذکورہ حدیث بیان کی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب انھوں نے وعظ سنا تو رونے لگے۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر یہ سچے ہیں تو میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو نجات یافتہ نہیں پایا۔[1] دراصل یہ لوگ فتنہ برپا کرنے والے تھے اور انتہائی درجے کے پاکباز معلوم ہوتے تھے، جب وہ وعظ سن کر رونے لگے تو انھوں نے ان کی ریاکاری کو محسوس کیا اور فرمایا: اگر یہ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں نجات یافتہ ہیں۔ بہرحال ان خوارج نے مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا، بچوں، عورتوں اور لوگوں کا قتل عام کیا۔ ہمارے رجحان کے مطابق حدیث بالا کا یہ مفہوم ہے کہ جس نے مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈالا اور اپنے لیے کسی الگ راستے کا انتخاب کیا جو سبیل المومنین (اہل ایمان کے راستے) کے علاوہ ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے سخت مصیبت سے دوچار کرے گا کیونکہ خوارج نے جو حالات پیدا کر رکھے تھے ان کے پیش نظر یہی مفہوم مناسب ہے۔ واللہ أعلم.

(١٠) بَابُ الْقَضَاءِ وَالْفُتْيَا فِي الطَّرِيقِ

باب: 10- راستے میں فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا

وَقَضَى يَحْيَى بْنُ يَعْمَرَ فِي الطَّرِيقِ، وَقَضَى الشَّعْبِيُّ عَلَى بَابِ دَارِهِ.

حضرت یحییٰ بن یعمر نے راستے میں فیصلہ سنایا اور امام شعبی نے اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے کھڑے ایک فیصلہ کیا۔

وضاحت: بعض لوگوں کا موقف ہے کہ فیصلہ اور فتویٰ انتہائی اطمینان اور سکون سے دینا چاہیے، راستہ چلتے چلتے ایسا کام نہیں کرنا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے۔

٧١٥٣ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ خَارِجَانِ مِنَ الْمَسْجِدِ فَلَقِيَنَا رَجُلٌ عِنْدَ سُدَّةِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟» فَكَأَنَّ الرَّجُلَ اسْتَكَانَ، ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا أَعْدَدْتُ لَهَا كَبِيرَ صِيَامٍ وَلَا صَلَاةٍ وَلَا صَدَقَةٍ، وَلٰكِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ.

[7153] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اور نبی ﷺ مسجد سے نکل رہے تھے کہ ایک شخص ہمیں مسجد کے دروازے پر ملا اور اس نے پوچھا: اللہ کے رسول! قیامت کب ہو گی؟ نبی ﷺ نے فرمایا: "تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟" یہ سن کر وہ شخص خاموش سا ہو گیا، پھر کہا: اللہ کے رسول! میں نے زیادہ روزے، زیادہ نمازیں اور زیادہ صدقہ و خیرات تو جمع نہیں کیا، البتہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت ضرور رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "(قیامت کے دن) تو ان لوگوں کے ساتھ

[1] صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 279 (97)، وفتح الباري: 161/13، 162.

قَالَ: «أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ». [راجع: ٣٦٨٨]

ہوگا جن سے تو محبت کرتا ہے۔"

فوائدومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سن کر بہت خوش ہوئے کہ قیامت کے دن انسان ان لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ ان سے محبت کرنے کی وجہ سے ان کے ہمراہ قیامت کے دن میرا حشر ہوگا اگرچہ میں ان کے جیسے اعمال کرنے سے قاصر ہوں۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ راستہ چلتے فتویٰ دینا اور فیصلہ کرنا جائز ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ راستے میں سواری پر یا چلتے ہوئے فتویٰ صادر کرنا اللہ تعالیٰ کے حضور تواضع اور انکسار ہے۔ اگر عالم دین کسی کمزور و ناتواں اور جاہل شخص کے لیے ایسا کرتا ہے تو عنداللہ اور عوام الناس کے ہاں قابل تعریف ہے، نیز اگر کسی کے شر سے بچنے کے لیے راستے میں مسئلہ بتا دیا جائے تو یہ بھی قابل تعریف ہے۔[2]

(١١) بَابُ مَا ذُكِرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَكُنْ لَهُ بَوَّابٌ

باب: 11- اس امر کا بیان کہ نبی ﷺ کا کوئی دربان نہیں تھا

وضاحت: رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کا یہ طریقہ تھا کہ انھوں نے لوگوں کے مسائل سننے کے لیے دروازے پر کوئی چوکیدار نہیں بٹھایا تھا بلکہ لوگ براہ راست ان سے ملتے اور اپنے مسائل پیش کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقصد کے پیش نظر یہ عنوان قائم کیا ہے۔

٧١٥٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ لِامْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِهِ: تَعْرِفِينَ فُلَانَةَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ: فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ بِهَا وَهِيَ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ: «اتَّقِي اللهَ وَاصْبِرِي»، فَقَالَتْ: إِلَيْكَ عَنِّي، فَإِنَّكَ خِلْوٌ مِنْ مُصِيبَتِي. قَالَ: فَجَاوَزَهَا وَمَضَى فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ فَقَالَ: مَا قَالَ لَكِ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ: مَا عَرَفْتُهُ. قَالَ: إِنَّهُ لَرَسُولُ اللهِ ﷺ، قَالَ: فَجَاءَتْ إِلَى بَابِهِ فَلَمْ تَجِدْ عَلَيْهِ بَوَّابًا، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَاللهِ مَا

[7154] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے اپنے خاندان کی ایک عورت سے کہا: کیا تو فلاں عورت کو جانتی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں، تو انھوں نے بتایا کہ نبی ﷺ ایک دفعہ اس کے پاس سے گزرے تو وہ ایک قبر کے پاس رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ سے ڈر اور صبر کر۔" اس نے جواب دیا: آپ میرے پاس سے چلے جائیں، آپ پر مجھ جیسی مصیبت نہیں پڑی، چنانچہ آپ ﷺ وہاں سے آگے بڑھے اور تشریف لے گئے اس دوران میں وہاں سے ایک آدمی گزرا تو اس نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے تجھ سے کیا فرمایا تھا؟ اس نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو نہیں پہچانا۔ اس شخص نے کہا: وہ تو رسول اللہ ﷺ

1 صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حديث: 3688. 2 فتح الباري: 164/13.

عَرَفْتُكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ الصَّبْرَ عِنْدَ أَوَّلِ صَدْمَةٍ». [راجع: ۱۲۵۲]

تھے۔ پھر وہ عورت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ وہاں کوئی دربان نہ تھا، اس نے کہا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم، میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''صبر تو صدمے کے آغاز ہی میں ہوتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا کوئی دربان نہیں رکھا تھا جو لوگوں کی ضروریات کو آپ ﷺ تک پہنچاتا بلکہ لوگ براہ راست آپ ﷺ کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے تھے لیکن جب خوارج کی طرف سے خفیہ حملوں کا آغاز ہوا اور حضرت علی ؓ ان کے ہاتھوں شہید ہوئے اور حضرت معاویہ ؓ پر بھی قاتلانہ حملہ ہوا تو حضرت معاویہ ؓ نے لوگوں کی آمد و رفت پر پابندی لگا دی۔ اگرچہ انھوں نے یہ کام احتیاط کے پیش نظر کیا لیکن اس کے باوجود حضرت عمرو بن مرہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنایا: ''جو حاکم وقت ضرورت مندوں اور کمزور بندوں کے سامنے اپنا دروازہ بند کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت و ضرورت اور اس کی مسکینی کے وقت آسمان کے دروازے بند کر دے گا، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی مدد نہیں ہوگی۔'' یہ حدیث سن کر حضرت معاویہ ؓ نے دروازے پر ایک خاص آدمی مقرر کر دیا جو لوگوں کی حاجات و ضروریات معلوم کر کے ان تک پہنچاتا تھا۔[1] ② بہرحال موجودہ حالات کے پیش نظر کسی بااخلاق، سمجھ دار اور تجربہ کار شخص کو دربان رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ أعلم.

(۱۲) بَابُ الْحَاكِمِ يَحْكُمُ بِالْقَتْلِ عَلَى مَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ دُونَ الْإِمَامِ الَّذِي فَوْقَهُ

باب: 12- خلیفہ کے نوٹس میں لائے بغیر اس کا ماتحت قصاص کا فیصلہ کر سکتا ہے

وضاحت: کچھ حضرات کا موقف ہے کہ ماتحت گورنر صرف تعزیر اور جرمانہ کرنے کے فیصلے کرنے کا مجاز ہے اسے حدود اور قصاص کے فیصلے کرنے کی اجازت نہیں۔ امام بخاری ؒ نے ان کی تردید کی ہے کہ جب کوئی حاکم اعلیٰ کسی کو دوسری جگہ اپنا نائب مقرر کرتا ہے تو ہر مقدمے کے فیصلے کے لیے حاکم اعلیٰ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا مقرر کرنا اسے ہر قسم کے فیصلے کرنے کی اجازت دینا ہے۔ واللہ أعلم.

٧١٥٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ الذُّهْلِيُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ قَيْسَ بْنَ سَعْدٍ كَانَ يَكُونُ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ ﷺ بِمَنْزِلَةِ صَاحِبِ الشُّرْطَةِ مِنَ الْأَمِيرِ.

[7155] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ قیس بن سعد ؓ کی حیثیت نبی ﷺ کے سامنے اس طرح تھی جیسے امیر کے ساتھ کوتوال رہتا ہے۔

---

[1] جامع الترمذي، الأحكام، حديث: 1332.

فائدہ: صاحب شرطہ کے معنی صاحب علامات کے ہیں جیسا کہ سپاہیوں پر خاص نشانات ہوتے ہیں۔ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے سامنے رہتے تھے اور آپ ﷺ کے امور و احکام کو نافذ کرتے تھے۔ کچھ کوتوال بہت زیرک اور دانا ہوتے ہیں، انھیں حاکم اعلیٰ کی طرف سے حدود و قصاص کے فیصلے کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

٧١٥٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ قُرَّةَ ابْنِ خَالِدٍ: حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ: حَدَّثَنَا أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَهُ وَأَتْبَعَهُ بِمُعَاذٍ. [راجع: ٢٢٦١]

[7156] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں (یمن) بھیجا تھا اور ان کے بعد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ کیا تھا۔

٧١٥٧ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ الصَّبَّاحِ: حَدَّثَنَا مَحْبُوبُ بْنُ الْحَسَنِ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ حُمَيْدِ ابْنِ هِلَالٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى: أَنَّ رَجُلًا أَسْلَمَ ثُمَّ تَهَوَّدَ فَأَتَاهُ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ - وَهُوَ عِنْدَ أَبِي مُوسَى - فَقَالَ: مَا لِهٰذَا؟ قَالَ: أَسْلَمَ ثُمَّ تَهَوَّدَ، قَالَ: لَا أَجْلِسُ حَتَّى أَقْتُلَهُ، قَضَاءُ اللهِ وَرَسُولِهِ ﷺ. [راجع: ٢٢٦١]

[7157] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اسلام لایا، پھر یہودی ہو گیا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ آئے تو وہ شخص حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اس شخص کا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا: یہ اسلام لانے کے بعد یہودی بن گیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تک میں اسے قتل نہ کرلوں، اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا یہی فیصلہ ہے۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن کے دو الگ الگ علاقوں میں گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ ان دونوں حضرات کی ایک دوسرے کے پاس آمد و رفت رہتی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے تو وہاں آدمیوں کو جمع دیکھا اور ایک آدمی کو دیکھا جس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ باندھے گئے تھے۔ انھوں نے اس کے متعلق پوچھا تو انھیں صورت حال سے آگاہ کر دیا گیا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تو اپنی سواری سے نہیں اتروں گا حتی کہ اسے کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے قتل کرنے کے لیے ہی یہاں لایا گیا ہے آپ تشریف لائیں، لیکن انھوں نے اصرار کیا تو اسے قتل کر دیا گیا، پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اترے۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے مرتد یہودی کو قتل کیا لیکن رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع نہ دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماتحت حاکم اپنے حاکم اعلیٰ کے نوٹس میں لائے بغیر حدود اور قصاص کے فیصلے کر سکتا ہے اور ایسا کرنا شریعت کے خلاف نہیں۔ واللہ أعلم۔

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4341، 4342.

(١٣) بَابٌ: هَلْ يَقْضِي الْقَاضِي أَوْ يُفْتِي وَهُوَ غَضْبَانُ؟

باب:13- کیا حاکم (یا مفتی) غصے کی حالت میں فیصلہ یا فتویٰ دے سکتا ہے؟

٧١٥٨ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ: كَتَبَ أَبُو بَكْرَةَ إِلَى ابْنِهِ - وَكَانَ بِسِجِسْتَانَ - بِأَنْ لَا تَقْضِي بَيْنَ اثْنَيْنِ وَأَنْتَ غَضْبَانُ، فَإِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ».

[7158] حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو لکھا جبکہ وہ سجستان میں تھا کہ بحالت غصہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرنا کیونکہ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: ”کوئی حاکم، بحالت غصہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔“

فوائد و مسائل: 1 غصے کی حالت میں فیصلہ کرنا یا فتویٰ دینا اس لیے منع ہے کہ غصے کی وجہ سے طبیعت میں تبدیلی آ جاتی ہے اور حواس پوری طرح کام نہیں کرتے، جبکہ فیصلہ کرنے کے لیے انسان کا ہر اعتبار سے یکسو ہونا ضروری ہے۔ غصے کی حالت میں غلطی کا امکان ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہر وہ چیز جس سے طبیعت میں اس قسم کی تبدیلی آ جائے جو سوچ بچار کو متاثر کر دے، مثلاً: بھوک کا غلبہ، نیند کی شدت یا بیماری کی حالت وغیرہ، وہ غصے کے حکم میں ہے۔ لیکن اگر کوئی غصے کی حالت میں صحیح فیصلہ کر دے تو وہ نافذ العمل ہوگا۔ 2 اس حکم سے رسول اللہ ﷺ مستثنیٰ ہیں کیونکہ آپ ﷺ ہر حالت میں حق کے مطابق ہی فیصلہ کرتے تھے جیسا کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری سے پانی کی باری کے متعلق جھگڑا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے غصے کی حالت میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ کیا تھا۔ اس کی وضاحت آئندہ حدیث میں آئے گی۔

٧١٥٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي وَاللهِ لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا فِيهَا. قَالَ: فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَطُّ أَشَدَّ غَضَبًا فِي مَوْعِظَةٍ مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ قَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ، فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى

[7159] حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں صبح کی نماز میں فلاں کی وجہ سے شرکت نہیں کرتا کیونکہ وہ ہمیں لمبی نماز پڑھاتا ہے۔ ابومسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو کسی وعظ میں اس دن سے زیادہ غصے کی حالت میں نہیں دیکھا۔ پھر آپ نے فرمایا: ”اے لوگو! تم میں سے کچھ لوگ دوسروں کو نفرت دلاتے ہیں، لہٰذا تم میں سے جو بھی لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہیے کہ اختصار کرے کیونکہ جماعت میں بوڑھے،

بِالنَّاسِ فَلْيُوجِزْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيرَ وَالضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ». [راجع: ٩٠]

کمزور اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔"

٧١٦٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبَ الْكِرْمَانِيُّ: حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ: قَالَ مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ عَبْدَ اللهِ ابْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ، فَذَكَرَ عُمَرُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَتَغَيَّظَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ: «لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ فَتَطْهُرَ، فَإِنْ بَدَا لَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا». [راجع: ٤٩٠٨]

[7160] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا بیان ہے کہ انھوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی۔ اس بات کا ذکر حضرت عمر ؓ نے نبی ﷺ سے کیا تو رسول اللہ ﷺ بہت خفا ہوئے۔ پھر آپ نے فرمایا: "اسے چاہیے کہ وہ رجوع کرے اور اسے اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے۔ پھر جب وہ حائضہ ہو اور پاک ہو جائے تو اگر چاہے تو اسے طلاق دے دے۔"

فائدہ: امام بخاری ؒ نے پہلے ایک حدیث سے ثابت کیا تھا کہ قاضی کو بحالت غصہ کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ اب ان دو حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے غصے کی حالت میں فیصلہ کیا اور فتویٰ دیا، ان احادیث کے درمیان تطبیق کی یہ صورت ہے کہ اگر غصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو ایسی حالت میں فیصلہ بھی کیا جا سکتا ہے اور فتویٰ بھی دیا جا سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر غصہ آنے سے پہلے پہلے حق واضح ہو گیا، پھر بعد میں غصہ آیا تو ایسی حالت بھی فیصلہ اور فتویٰ میں رکاوٹ کا باعث نہیں ہے لیکن ہمارے رجحان کے مطابق تطبیق کی یہ صورت بہتر ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس اصول اور ضابطے سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آپ ﷺ جتنے بھی غضبناک ہوتے آپ ﷺ کے ہوش و حواس قائم رہتے ہیں اور غصے اور ناراضی کی حالت میں بھی آپ ﷺ کا فیصلہ کرنا یا فتویٰ دینا حق و صداقت پر مبنی تھا۔ آپ ﷺ معصوم ہونے کی وجہ سے غلطی وغیرہ سے پاک ہیں۔[1]

(١٤) بَابُ مَنْ رَأَى لِلْقَاضِي أَنْ يَحْكُمَ بِعِلْمِهِ فِي أَمْرِ النَّاسِ إِذَا لَمْ يَخَفِ الظُّنُونَ وَالتُّهَمَةَ

باب: 14- قاضی کا اپنے علم کے مطابق لوگوں کے معاملات میں فیصلہ کرنا بشرطیکہ بدگمانی اور تہمت کا اندیشہ نہ ہو

كَمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِهِنْدٍ: «خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ»، وَذٰلِكَ إِذَا كَانَ أَمْرًا مَشْهُورًا.

جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرت ہند ؓ کو فرمایا تھا: "تم (ابوسفیان ؓ کے مال سے) اس قدر لے سکتی ہو جو دستور کے مطابق تجھے اور تیری اولاد کو کافی ہو۔" اور یہ بھی مشہور معاملات میں ہے۔

[1] فتح الباري: 171/13.

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے موقف سے موافقت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قاضی لوگوں کے آپس کے معاملات میں اپنے ذاتی علم کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے لیکن اس کے لیے تین شرطیں ہیں: ○ وہ معاملہ حقوق اللہ جیسے حدود وغیرہ سے متعلق نہ ہو۔ ○ تہمت اور بدگمانی کا اندیشہ نہ ہو۔ ○ وہ معاملہ لوگوں کے ہاں مشہور ہو، کبھی کبھار پیش آنے والا نہ ہو۔ اس کی مزید وضاحت آئندہ ہوگی۔ إن شاء اللہ۔

٧١٦١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَاللهِ مَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَهْلُ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ يَذِلُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ، وَمَا أَصْبَحَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَهْلُ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ يَعِزُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ، ثُمَّ قَالَتْ: إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مِّسِّيكٌ، فَهَلْ عَلَيَّ مِنْ حَرَجٍ أَنْ أُطْعِمَ مِنَ الَّذِي لَهُ، عِيَالَنَا؟ قَالَ لَهَا: «لَا حَرَجَ عَلَيْكِ أَنْ تُطْعِمِيهِمْ مِنْ مَّعْرُوفٍ». [راجع: ٢٢١١]

[7161] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ہند بنت عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہا آئیں اور کہا: اللہ کے رسول! روئے زمین پر کوئی گھرانہ ایسا نہیں تھا جس کے متعلق میں اس حد تک ذلت کی خواہش مند ہوتی جتنا آپ کے گھرانے کی ذلت اور رسوائی کی خواہش مند تھی اور اب میں سب سے زیادہ اس امر کی خواہش مند ہوں کہ روئے زمین کے تمام گھرانوں میں آپ کا گھرانہ عزت و سربلندی میں سب سے زیادہ اونچا ہو۔ پھر انھوں نے کہا: ابوسفیان انتہائی بخیل آدمی ہیں تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ بلا اجازت ان کے مال میں سے اپنے اہل و عیال کو کھلاؤں؟ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”تم انھیں دستور کے مطابق کھلاؤ تو تم پر کوئی حرج نہیں۔“

فوائد ومسائل: ① حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئی تھیں اور انھوں نے بغیر کچھ چھپائے اپنے جذبات کا اس والہانہ انداز میں اظہار کیا۔ رسول اللہ ﷺ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی علم رکھتے تھے کیونکہ اس واقعے سے پہلے ان کی بیٹی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آچکی تھیں۔ آپ ﷺ نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کے بیان کو مبنی برحقیقت خیال کرتے ہوئے اپنے ذاتی علم کی بنیاد پر فتویٰ نہیں دیا بلکہ فیصلہ صادر فرمایا کہ تم معروف طریقے کے مطابق اتنا مال لے لو جتنا تجھے اور تیرے بچوں کو کافی ہو۔ ② اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی درج ذیل شرائط کی موجودگی میں اپنے ذاتی علم کی بنیاد پر فیصلہ دے سکتا ہے اور زیر بحث معاملہ حقوق اللہ سے نہیں بلکہ حقوق العباد سے متعلق ہو۔ ○ معاشرتی طور پر وہ معاملہ لوگوں میں شہرت یافتہ ہو۔ ○ قاضی اپنے ذاتی کردار کی وجہ سے نیک سیرت اور پاکباز ہو۔ ○ ایسا فیصلہ دینے سے پہلے کسی قسم کے جرم میں سزا یافتہ نہ ہو۔ ○ تہمت و بدگمانی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ ان شرائط کی موجودگی میں قاضی محض اپنے ذاتی علم کی بنیاد پر فیصلہ دے سکتا ہے۔ واللہ أعلم۔

(١٥) بَابُ الشَّهَادَةِ عَلَى الْخَطِّ الْمَخْتُومِ، وَمَا يَجُوزُ مِنْ ذٰلِكَ وَمَا يَضِيقُ عَلَيْهِ، وَكِتَابِ الْحَاكِمِ إِلٰى عُمَّالِهِ وَالْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي

باب: 15- سربمہر خط پر گواہی دینا، نیز کون سی گواہی جائز ہے؟ حاکم کا اپنے کارندے کی طرف اور ایک قاضی کا دوسرے قاضی کو خط لکھنا

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: كِتَابُ الْحَاكِمِ جَائِزٌ إِلَّا فِي الْحُدُودِ، ثُمَّ قَالَ: إِنْ كَانَ الْقَتْلُ خَطَأً فَهُوَ جَائِزٌ لِأَنَّ هٰذَا مَالٌ بِزَعْمِهِ، وَإِنَّمَا صَارَ مَالًا بَعْدَ أَنْ ثَبَتَ الْقَتْلُ، فَالْخَطَأُ وَالْعَمْدُ وَاحِدٌ.

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حاکم جو اپنے کارندوں کو خط لکھتا ہے اس پر عمل ہو سکتا ہے مگر حدود میں نہیں ہو سکتا، پھر خود ہی کہا کہ قتل خطا میں پروانے پر عمل ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ان کے گمان کے مطابق مالی معاملہ ہے، حالانکہ قتل خطا مالی معاملوں کی طرح نہیں بلکہ ثبوت قتل کے بعد مالی معاملہ بنتا ہے، لہذا قتل خطا اور قتل عمد کا حکم ایک ہی رہنا چاہیے۔

وَقَدْ كَتَبَ عُمَرُ إِلٰى عَامِلِهِ فِي الْحُدُودِ، وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ فِي سِنٍّ كُسِرَتْ.

حضرت عمر ؓ نے اپنے عامل کو حدود کے متعلق پروانہ لکھا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ نے دانت توڑنے کے مقدمے میں ایک پروانہ لکھا (اور اسے اپنے عامل کی طرف روانہ کیا)۔

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: كِتَابُ الْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي جَائِزٌ إِذَا عَرَفَ الْكِتَابَ وَالْخَاتِمَ.

ابراہیم نخعی نے کہا: ایک قاضی کا دوسرے قاضی کو خط لکھنا (اور اس کے مطابق عمل کرنا) جائز ہے بشرطیکہ دوسرا اس کی مہر اور خط کو پہچانتا ہوں۔

وَكَانَ الشَّعْبِيُّ يُجِيزُ الْكِتَابَ الْمَخْتُومَ بِمَا فِيهِ مِنَ الْقَاضِي. وَيُرْوٰى عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوُهُ.

امام شعبی مہر شدہ خط جس میں ایک قاضی کا فیصلہ ہو جائز قرار دیتے ہیں اور عبداللہ بن عمر ؓ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

وَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ عَبْدِ الْكَرِيمِ الثَّقَفِيُّ: شَهِدْتُ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ يَعْلٰى قَاضِيَ الْبَصْرَةِ، وَإِيَاسَ بْنَ مُعَاوِيَةَ، وَالْحَسَنَ، وَثُمَامَةَ بْنَ عَبْدِ اللهِ ابْنِ أَنَسٍ، وَبِلَالَ بْنَ أَبِي بُرْدَةَ، وَعَبْدَ اللهِ ابْنَ بُرَيْدَةَ الْأَسْلَمِيَّ، وَعَامِرَ بْنَ [عَبِيدَةَ]،

معاویہ بن عبدالکریم ثقفی نے کہا: میں بصرہ کے قاضی عبدالملک بن یعلی، ایاس بن معاویہ، حسن بصری، ثمامہ بن عبداللہ بن انس، بلال بن ابو بردہ، عبداللہ بن بریدہ اسلمی، عامر بن عبیدہ اور عباد بن منصور سے ملا ہوں، یہ سب حضرات ایک قاضی کا خط دوسرے کے نام گواہوں کے بغیر قبول

وَعَبَّادَ بْنَ مَنْصُورٍ: يُجِيزُونَ كُتُبَ الْقُضَاةِ بِغَيْرِ مَحْضَرٍ مِنَ الشُّهُودِ، فَإِنْ قَالَ الَّذِي جِيءَ عَلَيْهِ بِالْكِتَابِ: إِنَّهُ زُورٌ. قِيلَ لَهُ: اذْهَبْ فَالْتَمِسِ الْمَخْرَجَ مِنْ ذٰلِكَ. وَأَوَّلُ مَنْ سَأَلَ عَلَى كِتَابِ الْقَاضِي الْبَيِّنَةَ ابْنُ أَبِي لَيْلَى وَسَوَّارُ بْنُ عَبْدِ اللهِ.

کرتے تھے اور اگر مدعیٰ علیہ جس کے خلاف خط کی شہادت قائم کی گئی ہے وہ کہے: یہ جھوٹ ہے تو اسے کہا جائے گا: جاؤ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کر لاؤ، یعنی اسے تحقیق کا موقع دیا جائے گا۔ سب سے پہلے جس نے قاضی کی تحریر پر دلیل طلب کی وہ ابن ابی لیلیٰ اور سوار بن عبداللہ تھے۔

وَقَالَ لَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُحْرِزٍ: جِئْتُ بِكِتَابٍ مِنْ مُوسَى بْنِ أَنَسٍ قَاضِي الْبَصْرَةِ وَأَقَمْتُ عِنْدَهُ الْبَيِّنَةَ أَنَّ لِي عِنْدَ فُلَانٍ كَذَا وَكَذَا وَهُوَ بِالْكُوفَةِ، وَجِئْتُ بِهِ الْقَاسِمَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَأَجَازَهُ.

ابونعیم نے ہم سے کہا: ہم سے عبیداللہ بن محرز نے بیان کیا کہ میں بصرہ کے قاضی موسیٰ بن انس سے خط لے کر آیا اور ان کے پاس گواہ پیش کیے کہ میرا فلاں شخص کے پاس اتنا مال ہے، حالانکہ وہ کوفہ میں تھا، میں اس فیصلہ کی تحریر قاسم بن عبدالرحمٰن کے پاس لایا تو انھوں نے اسے نافذ کیا۔

وَكَرِهَ الْحَسَنُ وَأَبُو قِلَابَةَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَى وَصِيَّةٍ حَتَّى يَعْلَمَ مَا فِيهَا لِأَنَّهُ لَا يَدْرِي لَعَلَّ فِيهَا جَوْرًا.

امام حسن بصری اور ابوقلابہ نے وصیت نامے پر اس وقت تک گواہ بننا مکروہ خیال کیا جب تک اس کا مضمون نہ سمجھ لیا جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ظلم اور خلاف شرع ہو۔

وَقَدْ كَتَبَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى أَهْلِ خَيْبَرَ: «إِمَّا أَنْ تَدُوا صَاحِبَكُمْ، وَإِمَّا أَنْ تُؤْذِنُوا بِحَرْبٍ».

خود نبی ﷺ نے اہل خیبر کو خط بھیجا: ”اپنے ساتھی مقتول کی دیت دو بصورت دیگر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔“

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي الشَّهَادَةِ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ [وَرَاءِ] السِّتْرِ: إِنْ عَرَفْتَهَا فَاشْهَدْ وَإِلَّا تَعْرِفْهَا فَلَا تَشْهَدْ.

امام زہری نے کہا: اگر عورت پردے کی آڑ میں ہو، پھر اگر تم اسے پہچانتے ہو تو گواہی دو بصورت دیگر گواہی نہ دو، یعنی اس کو دیکھنا ضروری نہیں۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں دو اختلافی مسئلے بیان کیے ہیں: * سربمہر خط کے لیے شہادت: امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک مہر لگا ہوا خط گواہی کے بغیر ہی معتبر ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے امام شعبی رحمہ اللہ کا معمول پیش کیا ہے کہ وہ قاضی کے مہر لگے ہوئے خط کو گواہی کے بغیر ہی نافذ کرتے تھے جبکہ دوسرے اہل علم کا کہنا ہے کہ آج کل لوگوں میں فساد و خیانت کا دور دورہ ہے، اس لیے مالی معاملات اور حدود و قصاص دونوں میں سربمہر خط کے ساتھ شہادت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ * دوسرا مسئلہ جو پہلے مسئلے کا تتمہ و تکملہ ہے کہ جس قاضی کو خط لکھا جائے وہ اس خط پر مطلقاً عمل کرے یا اس میں کوئی تخصیص ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ قاضی خط پر مطلقاً عمل کرے، خواہ اس کا تعلق مالی معاملات سے ہو یا حدود و قصاص کے بارے میں ہو لیکن احناف و شوافع کے نزدیک جس قاضی کو خط لکھا جائے وہ صرف مالی معاملات میں لکھے گئے خط پر عمل کر سکتا ہے لیکن حدود و

قصاص اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے مسئلے میں احناف و شوافع پر دو اعتراض کیے ہیں: (ا) اثبات تناقض: ان حضرات کے اقوال میں تعارض کا اس طرح رد ہے کیونکہ پہلے تو کہتے ہیں کہ ایک قاضی کا دوسرے قاضی کو خط لکھنا حدود میں قبول نہیں، پھر کہتے ہیں کہ اگر مقدمہ قتل خطا کا ہے تو اس میں دوسرے قاضی کے خط کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ قتل خطا ایک مالی مقدمہ ہے، یعنی اس میں صرف مال اور دیت لازم ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس علت کا اس طرح رد کرتے ہیں کہ قتل خطا مالی مقدمہ اس وقت بنتا ہے جب حاکم کو قتل کا ثبوت مل جائے بصورت دیگر دونوں کا معاملہ ایک جیسا ہے بلکہ بعض اوقات قتل عمد کا انجام بھی قتل خطا کی طرح مال پر ہوتا ہے، یعنی مال پر صلح ہو جاتی ہے تو مذکورہ قیاس اور علت کی رد سے دونوں میں برابری ہونی چاہیے تو پھر ان دونوں میں فرق کرنے کا کیا مطلب۔ (ب) تخصیص حدود: امام بخاری رحمہ اللہ نے ان حضرات پر دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ انھوں نے مہر لگے ہوئے خط کو غیر حدود سے کیوں خاص کیا ہے جبکہ آثار میں مطلق طور پر مہر والے خط کا اعتبار کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کو حدود کے متعلق لکھا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے علاوہ دیگر آثار بھی پیش کیے ہیں۔ آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کو خط لکھا کہ اپنے صاحب کی دیت ادا کر دو یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس کی تفصیل حدیث: 7192 میں بیان ہوئی ہے۔

٧١٦٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: لَمَّا أَرَادَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الرُّومِ قَالُوا: إِنَّهُمْ لَا يَقْرَؤُونَ كِتَابًا إِلَّا مَخْتُومًا، فَاتَّخَذَ النَّبِيُّ ﷺ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّةٍ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِهِ، وَنَقْشُهُ: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ. [راجع: ٦٥]

[7162] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل روم کو خط لکھنا چاہا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اہل روم صرف سربمہر خط قبول کرتے ہیں، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک مہر بنوائی، گویا میں اس کی چمک کو اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ اس پر "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کندہ تھے۔

فوائد و مسائل: ⓵ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خط پر عمل ہو سکتا ہے، جب وہ سربمہر ہو تو اس کے قابل اعتبار ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن تاریخی طور پر یہ بات ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہر شدہ خط پر کسی نے گواہی طلب کی ہو کہ یہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خط ہے، جعلی طور پر کسی دوسرے نے نہیں لکھا۔ ⓶ بہر حال اس حدیث سے مہر شدہ خط اور ایک قاضی کے دوسرے قاضی کو خط لکھنے کے جواز پر استدلال موجود ہے۔ پھر مالی معاملات اور قصاص و حدود کی تفریق کرنا بھی خود ساختہ ہے۔ کتاب و سنت میں اس کی تخصیص کے متعلق کوئی دلیل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

(١٦) بَابٌ: مَتَى يَسْتَوْجِبُ الرَّجُلُ الْقَضَاءَ؟

باب: 16- آدمی کب قاضی بننے کا حق دار ہوتا ہے؟

وَقَالَ الْحَسَنُ: أَخَذَ اللهُ عَلَى الْحُكَّامِ أَنْ لَا

امام حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حکام وقت سے

يَتَّبِعُوا الْهَوٰى وَلَا يَخْشَوُا النَّاسَ، وَلَا يَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا . ثُمَّ قَرَأَ : ﴿يَٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلْنَٰكَ خَلِيفَةً فِى ٱلْأَرْضِ فَٱحْكُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ ٱلْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا نَسُوا۟ يَوْمَ ٱلْحِسَابِ﴾ [ص:٢٦] وَقَرَأَ ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ﴾ [المائدة:٤٤] بِمَا اسْتُحْفِظُوا: اسْتُودِعُوا مِنْ كِتَابِ اللهِ الْآيَةَ.

یہ عہد لیا ہے کہ وہ خواہشات نفس کی پیروی نہ کریں، لوگوں سے نہ ڈریں اور نہ میری آیات کو معمولی قیمت کے عوض فروخت ہی کریں، پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی: ”اے داود! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور خواہش نفس کی پیروی نہ کر، ورنہ وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی، یقیناً جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے سخت ترین عذاب ہے کیونکہ انھوں نے یوم حساب کو بھلا دیا تھا۔“ پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت کی: ”بے شک ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی، اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے حضرات انبیاء ﷺ ان لوگوں کے لیے فیصلے کیا کرتے تھے جو یہودی بن گئے تھے، نیز اللہ والے اور علماء بھی ایسا ہی کرتے تھے کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کی حفاظت کے ذمہ دار بنائے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے، لہٰذا تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ ہی سے ڈرو اور میری آیات کو معمولی معاوضے کی خاطر فروخت نہ کرو اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔“ بِمَا اسْتُحْفِظُوا کے معنی ہیں: انھیں اللہ کی کتاب کی حفاظت سونپی گئی۔

وَقَرَأَ ﴿وَدَاوُۥدَ وَسُلَيْمَٰنَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِى ٱلْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ ٱلْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَٰهِدِينَ ۞ فَفَهَّمْنَٰهَا سُلَيْمَٰنَ ۚ وَكُلًّا ءَاتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ [الأنبياء:٧٨، ٧٩]

پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی: ”داود اور سلیمان کو (یاد کرو) جب وہ ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جب اس میں ایک قوم کی بکریاں رات کو چر گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلے کے وقت حاضر تھے۔ تو ہم نے وہ (فیصلہ) سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے ہر ایک کو حکم اور علم عطا کیا۔“

فَحَمِدَ سُلَيْمَانَ وَلَمْ يَلُمْ دَاوُدَ، وَلَوْلَا مَا ذَكَرَ اللهُ مِنْ أَمْرِ هٰذَيْنِ لَرَأَيْتُ أَنَّ الْقُضَاةَ

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان ؑ کی تعریف کی اور حضرت داود ؑ کو قابل ملامت نہیں ٹھہرایا۔ اگر اللہ تعالیٰ

هَلَكُوا، فَإِنَّهُ أَثْنَى عَلَى هٰذَا بِعِلْمِهِ وَعَذَرَ هٰذَا بِاجْتِهَادِهِ.

کے ذکر کردہ دو انبیاء ﷺ کا حال بیان نہ ہوتا تو میرے خیال کے مطابق قاضی حضرات تباہ ہو چکے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف ان کے علم کی وجہ سے کی اور ان حضرت داود علیہ السلام کو ان کے اجتہاد کی وجہ سے معذور قرار دیا۔

وَقَالَ مُزَاحِمُ بْنُ زُفَرَ: قَالَ لَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: خَمْسٌ إِذَا أَخْطَأَ الْقَاضِي مِنْهُنَّ خُطَّةً كَانَتْ فِيهِ وَصْمَةٌ، أَنْ يَكُونَ فَهِمًا حَلِيمًا عَفِيفًا صَلِيبًا عَالِمًا سَؤُولًا عَنِ الْعِلْمِ.

مزاحم بن زفر کہتے ہیں: ہم سے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بیان کیا: پانچ خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر قاضی میں ان میں سے ایک خصلت بھی نہ ہو تو اس کے لیے باعث عیب ہے، وہ یہ کہ قاضی سمجھ دار ہو، بردبار ہو، پاکردار ہو، طاقتور، صاحب علم اور دین کے متعلق دوسروں سے معلومات حاصل کرنے والا ہو۔

وضاحت: حضرت داود علیہ السلام کے دور حکومت میں رات کے وقت کچھ لوگوں کی بکریاں کسی کی کھیتی اجاڑ گئیں تو کھیتی والے نے حضرت داود علیہ السلام کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ اتفاق سے کھیتی کا جتنا نقصان ہوا تھا اس کی قیمت کے لگ بھگ بکریوں کی قیمت بنتی تھی، اس لیے حضرت داود علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ بکریوں والا اپنی بکریاں کھیتی والے کو دے دے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا: بکریوں والا اپنی بکریاں کھیتی والے کو دے دے مگر یہ بکریاں اس کے پاس بطور رہن ہوں گی۔ کھیتی والا ان کی پرورش بھی کرے اور ان سے دودھ اور اون وغیرہ کے فوائد بھی حاصل کرے اور اس دوران میں بکریوں والا کھیتی کی نگہداشت کرے تاکہ وہ کھیتی اپنی پہلی سی حالت پر آجائے، پھر بکریاں اس کے مالک کو واپس کر دی جائیں۔ اس فیصلے سے کھیتی والے کے نقصان کی تلافی بھی ہوگئی اور بکریوں والے کا بھی کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ حضرت داود علیہ السلام نے اپنے فیصلے سے رجوع کر کے اسے صحیح تسلیم کر لیا۔ دیکھیے! سیدنا داود اور سیدنا سلیمان علیہما السلام دونوں نبی ہیں اور دونوں کو اللہ تعالیٰ نے قوتِ فیصلہ عطا کی تھی۔ اس کے باوجود حضرت داود علیہ السلام سے فیصلہ کرنے میں اجتہادی غلطی ہوگئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قاضی، خواہ نیک نیتی سے فیصلہ کرے اس سے اجتہادی غلطی کا امکان باقی رہتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے قاضی کے درج ذیل آداب بیان کیے ہیں: ❋ وہ معاملہ فہم اور دور اندیش ہو اور معاملات کی گہرائی میں نظر رکھتا ہو۔ ❋ لوگوں کی اذیت اور تکلیف برداشت کرے اور تنگ دلی کا مظاہرہ نہ کرے۔ ❋ نذرانے اور ہدیے کی صورت میں رشوت نہ لے اور نہ کسی امیر کبیر اور بڑے عہدیدار کی طرف جھکاؤ ہی رکھے۔ ❋ طاقتور، مضبوط ارادے والا اور حق پر ڈٹ جانے والا ہو۔ ❋ علم کے متعلق بکثرت سوال کرے اور اہل علم سے مذاکرہ کرتا رہے کیونکہ ایسا کرنے سے بسا اوقات اچھی چیز مل جاتی ہے۔ واللہ أعلم.

(١٧) بَابُ رِزْقِ الْحُكَّامِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا

باب : 17- حکام اور صدقات پر تعینات عاملوں کا تنخواہ لینا

وَكَانَ شُرَيْحٌ الْقَاضِي يَأْخُذُ عَلَى الْقَضَاءِ أَجْرًا. وَقَالَتْ عَائِشَةُ: يَأْكُلُ الْوَصِيُّ بِقَدْرِ عُمَالَتِهِ، وَأَكَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ.

قاضی شریح، عہدۂ قضا پر تنخواہ لیتے تھے۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: یتیم کے مال کا نگران اپنے کام کے مطابق خرچہ لے سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ؓ بیت المال سے تنخواہ لے کر گزر اوقات کرتے تھے۔

وضاحت: جمہور اہل علم کا یہ موقف ہے کہ حکومت اور منصب قضا کی تنخواہ لینا جائز ہے مگر بقدر ضرورت ہو۔ اس سلسلے میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے اور قاضی کو چاہیے کہ وہ حرص اور طمع نہ کرے اور لوگوں کے اموال سے اجتناب کرے۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ مجھے اس مسئلے کے متعلق کسی کے اختلاف کا علم نہیں۔[1]

٧١٦٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ ابْنُ أُخْتِ نَمِرٍ: أَنَّ حُوَيْطِبَ بْنَ عَبْدِ الْعُزَّى أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ السَّعْدِيِّ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ قَدِمَ عَلَى عُمَرَ فِي خِلَافَتِهِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: أَلَمْ أُحَدَّثْ أَنَّكَ تَلِي مِنْ أَعْمَالِ النَّاسِ أَعْمَالًا فَإِذَا أُعْطِيتَ الْعُمَالَةَ كَرِهْتَهَا؟ فَقُلْتُ: بَلَى، فَقَالَ عُمَرُ: مَا تُرِيدُ إِلَى ذٰلِكَ؟ فَقُلْتُ: إِنَّ لِي أَفْرَاسًا وَأَعْبُدًا وَأَنَا بِخَيْرٍ، وَأُرِيدُ أَنْ تَكُونَ عُمَالَتِي صَدَقَةً عَلَى الْمُسْلِمِينَ. قَالَ عُمَرُ: لَا تَفْعَلْ فَإِنِّي كُنْتُ أَرَدْتُ الَّذِي أَرَدْتَ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُعْطِينِي الْعَطَاءَ فَأَقُولُ: أَعْطِهِ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنِّي، حَتّٰى أَعْطَانِي مَرَّةً مَالًا فَقُلْتُ: أَعْطِهِ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنِّي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهِ، فَمَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ - وَأَنْتَ

[7163] حضرت عبداللہ بن سعدی سے روایت ہے کہ وہ حضرت عمر ؓ کے دور خلافت میں ان کے پاس گئے تو حضرت عمر ؓ نے ان سے پوچھا: کیا مجھ سے جو کہا گیا ہے وہ صحیح ہے کہ لوگوں کے کام تمھارے سپرد کیے جاتے ہیں اور جب تمھیں اس کی تنخواہ دی جاتی ہے تو تم اسے لینا ناپسند کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: یہ بات صحیح ہے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا: تمھارا اس سے کیا مقصد ہے؟ میں نے کہا: میرے پاس بہت سے گھوڑے اور غلام ہیں، نیز میں خوشحال ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ میری تنخواہ مسلمانوں پر صدقہ ہو جائے۔ حضرت عمر ؓ نے کہا: تم ایسا نہ کرو کیونکہ میں نے بھی ایک دفعہ اس بات کا ارادہ کیا تھا جس کا تم نے ارادہ کیا ہے، رسول اللہ ﷺ مجھے عطا فرماتے تو میں کہہ دیتا: آپ یہ مجھ سے زیادہ ضرورت مند کو عطا کر دیں۔ آپ نے مجھے ایک بار مال عطا کیا اور میں نے وہی بات دہرائی کہ آپ یہ ایسے شخص کو دے دیں جو اس کا مجھ سے زیادہ حاجت مند

[1] فتح الباري: 186/13.

غَيْرُ مُشْرِفٍ وَّلَا سَائِلٍ - فَخُذْهُ وَإِلَّا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ». [راجع: ١٤٧٣]

ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”اسے لے لو اور اس کا مالک بننے کے بعد اسے صدقہ کر دو۔ یہ مال تمھیں جب اس طرح ملے کہ تم اس کے نہ خواہش مند ہو اور نہ تم نے یہ مانگا ہو تو اسے لے لیا کرو اور اگر اس طرح نہ ملے تو اس کے پیچھے نہ لگا کرو۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکومت اور قضا کی تنخواہ بقدر کفایت لینا جائز ہے کیونکہ وہ لوگوں کے کاموں اور ان کے متعلق فیصلے کرنے میں مصروف ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے مدارس کے لیے چندہ جمع کرنے پر جو سفیر مقرر ہوتے ہیں وہ عاملین کی فہرست میں آتے ہیں۔ ان کی تنخواہیں مقرر ہونی چاہئیں اور یہ حضرات مال دار لوگوں سے جو کچھ وصول کریں اسے دیانت داری کے ساتھ مدرسے کے بیت المال میں جمع کرا دیں لیکن ہمارے ہاں جمع شدہ چندے سے شرح فیصد طے ہوتا ہے، ایسا کرنا محل نظر ہے کیونکہ یہ اجارۂ مجہولہ کی ایک قسم ہے جسے شریعت نے جائز قرار نہیں دیا۔ واللہ أعلم. ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن منذر کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ منصب قضا پر تنخواہ وصول کرتے تھے۔[1]

٧١٦٤ - وَعَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْطِينِي الْعَطَاءَ فَأَقُولُ: أَعْطِهِ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنِّي، حَتَّى أَعْطَانِي مَرَّةً مَالًا فَقُلْتُ: أَعْطِهِ مَنْ هُوَ أَفْقَرُ إِلَيْهِ مِنِّي فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهِ، فَمَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ - وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَّلَا سَائِلٍ - فَخُذْهُ، وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ». [راجع: ١٤٧٣]

[7164] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ مجھے کچھ مال عطا کرتے تو میں کہتا: آپ یہ اسے دیں جو اس کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہوحتی کہ آپ نے مجھے ایک مرتبہ مال دیا تو میں نے کہا: آپ یہ مال اس شخص کو دے دیں جو اس کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اسے لے لو اور اس کا مالک بننے کے بعد اسے صدقہ کر دو۔ یہ مال جب تمھیں اس طرح ملے کہ تم اس کے خواہش مند نہ ہو اور نہ تم نے مانگا ہو تو اسے لے لیا کرو اور جو اس طرح نہ ملے تو اس کے پیچھے نہ پڑا کرو۔“

فوائد ومسائل: ① حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث پہلے ایک واقعے کے ضمن میں بیان ہوئی تھی، اب امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے مستقل طور پر بیان کیا ہے تاکہ اس کی استنادی حیثیت مضبوط ہو جائے۔ اس حدیث کے مطابق اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ مال نہ لیتے اور اسے واپس کر دیتے تو اس کی وہ افادیت نہ ہوتی جو اس کے لینے اور صدقہ کر دینے میں ہے۔ ② بعض دفعہ مال واپس کر دینے میں بھی نفس میں ایک غرور سا پیدا ہو جاتا ہے، اگر کوئی شخص اس طرح کا تکبر اپنے اندر محسوس کرے تو اسے لے لینا

1. فتح الباري: 191/13.

چاہیے، پھر اسے خیرات کر دے۔ ایسے حالات میں اس کا لینا، اس کے نہ لینے سے کہیں بہتر ہے۔ آج کل دینی خدمات سرانجام دینے والوں کے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ وہ ضرورت کے مطابق تنخواہ ضرور لیں۔ اگر صاحب حیثیت ہیں تو بھی وصول کر لیں پھر اسے خیرات کر دیں۔

(١٨) بَابُ مَنْ قَضٰى وَلَاعَنَ فِي الْمَسْجِدِ

باب: 18- جو مسجد میں فیصلہ کرے اور لعان کرائے

وَلَاعَنَ عُمَرُ عِنْدَ مِنْبَرِ النَّبِيِّ ﷺ، وَقَضٰى شُرَيْحٌ وَالشَّعْبِيُّ وَيَحْيَى بْنُ يَعْمَرَ فِي الْمَسْجِدِ، وَقَضٰى مَرْوَانُ عَلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ بِالْيَمِينِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ، وَكَانَ الْحَسَنُ وَزُرَارَةُ بْنُ أَوْفٰى يَقْضِيَانِ فِي الرَّحَبَةِ خَارِجًا مِّنَ الْمَسْجِدِ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں منبر نبوی کے پاس لعان کرا دیا تھا۔ قاضی شریح، امام شعبی اور یحییٰ بن یعمر نے مسجد میں فیصلے کیے، نیز مروان نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں منبر کے پاس قسم اٹھانے کے متعلق کہا۔ امام حسن بصری اور زرارہ بن اوفیٰ دونوں مسجد کے باہر ایک دالان میں بیٹھ کر فیصلے کیا کرتے تھے۔

وضاحت: "رَحَبَة" مسجد کے دروازے کے سامنے والے وسیع میدان کو کہتے ہیں جو اس سے الگ نہیں ہوتا۔ وہ مسجد کے حکم میں ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے: حضرت حسن بصری اور زرارہ بن اوفیٰ رحمہما اللہ مسجد ہی میں فیصلے کرتے تھے۔[1]

٧١٦٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: شَهِدْتُ الْمُتَلَاعِنَيْنِ وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً وَفُرِّقَ بَيْنَهُمَا. [راجع: ٤٢٣]

[7165] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میری عمر پندرہ سال تھی کہ میں نے دو لعان کرنے والوں کو دیکھا، پھر ان دونوں کے درمیان جدائی کرا دی گئی تھی۔

٧١٦٦ - حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَهْلٍ أَخِي بَنِي سَاعِدَةَ: أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا، أَيَقْتُلُهُ؟ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَأَنَا شَاهِدٌ. [راجع: ٤٢٣]

[7166] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ جو بنو ساعدہ قبیلے کے ایک فرد ہیں، انھوں نے بتایا کہ ایک انصاری شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا: آپ کا کیا خیال ہے اگر ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے مرد کو دیکھے تو کیا اسے قتل کر سکتا ہے؟ پھر مسجد میں ان دونوں کے درمیان لعان کرایا گیا جبکہ میں وہاں موجود تھا۔

فوائد و مسائل: ① فیصلے کرنے کے لیے مسجد میں بیٹھنا، گھر میں بیٹھنے سے بہتر ہے کیونکہ گھر میں آنے جانے والوں کے

[1] فتح الباري: 13/193.

لیے کئی قسم کی رکاوٹیں کھڑی ہو سکتی ہیں جبکہ مسجد کا معاملہ اس سے جداگانہ ہے، وہاں ہر کوئی آ جا سکتا ہے لیکن کچھ اہل علم کا موقف ہے کہ فیصلوں کے لیے مسجد سے باہر کسی جگہ کا انتخاب کیا جائے کیونکہ مسجد میں مشرک اور حائضہ عورت کا آنا درست نہیں جبکہ فیصلے کے لیے انھیں بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ ﴿2﴾ ہمارے رجحان کے مطابق مسجد کے احاطے میں ہی کوئی ایک کمرہ اس کے لیے تعمیر کیا جائے جہاں قاضی لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لیے بیٹھے تاکہ وہاں ہر قسم کے لوگوں کو آنے جانے کی سہولت ہو، پھر اس میں تواضع اور انکسار کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(۱۹) بَابُ مَنْ حَكَمَ فِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى إِذَا أَتَى عَلٰى حَدٍّ أَمَرَ أَنْ يُخْرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَيُقَامَ

باب: 19- جس نے مسجد میں حد کا فیصلہ کیا لیکن جب حد لگانے کا وقت آیا تو مجرم کو مسجد سے باہر لے جانے کا حکم دیا اور اس پر حد جاری کی

وَقَالَ عُمَرُ: أَخْرِجَاهُ مِنَ الْمَسْجِدِ، وَضَرَبَهُ. وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوُهُ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس مجرم کو مسجد سے باہر لے جاؤ اور اسے حد لگاؤ۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا منقول ہے۔

وضاحت: مسجد میں حدود قائم کرنے کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں: حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اس سے منع کرتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ہلکے کوڑوں سے حد قائم کی جائے تو مسجد میں جائز ہے لیکن جب حدود بکثرت ہوں تو مسجد میں قائم نہ کی جائیں۔[1]

٧١٦٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي زَنَيْتُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَلَمَّا شَهِدَ عَلٰى نَفْسِهِ أَرْبَعًا قَالَ: «أَبِكَ جُنُونٌ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «اذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ». [راجع: ٥٢٧١]

[7167] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ کو آواز دی اور کہا: اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے منہ پھیر لیا لیکن جب اس نے اپنی ذات کے خلاف چار مرتبہ اقرار کر لیا تو آپ نے فرمایا: ”تم پاگل ہو؟“ اس نے کہا: جی نہیں۔ آپ نے فرمایا: ”اسے لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔“

٧١٦٨ - قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ

[7168] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے

[1] فتح الباري: 13/195.

جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنْتُ فِيمَنْ رَجَمَهُ بِالْمُصَلَّى.

کہا: میں بھی ان لوگوں میں تھا جنھوں نے اس شخص کو عیدگاہ میں رجم کیا تھا۔

رَوَاهُ يُونُسُ وَمَعْمَرٌ وَابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الرَّجْمِ. [راجع: ٥٢٧٠]

اس روایت کو یونس، معمر اور ابن جریج نے زہری سے، انھوں نے ابوسلمہ سے، انھوں نے حضرت جابر ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے رجم کے متعلق بیان کیا۔

فوائد ومسائل: ① مسجد میں حد قائم کرنے سے مسجد کا تقدس اور احترام قائم نہیں رہتا۔ ممکن ہے کہ حد لگاتے وقت مجرم سے کوئی ایسی چیز برآمد ہو جو مسجد کے آداب کے خلاف ہو۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماعز بن مالک ؓ کے متعلق فرمایا تھا: اسے مسجد سے باہر لے جاؤ اور وہاں اسے سنگسار کر دو، چنانچہ اسے مسجد سے باہر عیدگاہ میں رجم کیا گیا۔ ② رسول اللہ ﷺ نے اس لیے اعراض فرمایا کہ آپ ﷺ اس پر پردہ ڈالنا چاہتے تھے کیونکہ اس کے متعلق کوئی گواہ نہیں تھا۔ جب اس نے چار مرتبہ اقرار کر کے اپنے خلاف شہادت دی تو آپ ﷺ نے اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیا۔ ابن بطال کہتے ہیں کہ مساجد میں حدود قائم نہ کی جائیں، اس سلسلے میں دو حدیثیں بھی مروی ہیں کہ مسجد میں حدود قائم نہ کی جائیں لیکن وہ قابل حجت نہیں بلکہ ضعیف ہیں۔[1]

(٢٠) بَابُ مَوْعِظَةِ الْإِمَامِ لِلْخُصُومِ

باب: 20- امام کا فریقین کو نصیحت کرنا

٧١٦٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِيَ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ». [راجع: ٢٤٥٨]

[7169] حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بس میں تو صرف ایک انسان ہوں، تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو، ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی اپنا مقدمہ پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ چرب زبان ہو اور میں اس کی باتیں سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو میں نے جس کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دیا تو وہ اس کو نہ لے کیونکہ وہ تو میں اسے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔“

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ قاضی فیصلہ کرتے وقت فریقین کو وعظ ونصیحت کرے کہ کوئی دوسرے کے حق پر ڈاکا نہ مارے بلکہ صرف اپنا حق لینے کے لیے تگ ودو اور کوشش کرے، نیز اس حدیث سے پتا چلا کہ قاضی کا فیصلہ صرف ظاہر میں نافذ ہوتا ہے

---

[1] فتح الباري: 195/13.

کہ اس سے جھگڑا ختم ہو جاتا ہے لیکن اس فیصلے سے جو چیز حرام ہو وہ حلال نہیں ہو جاتی اور نہ حلال چیز حرام ہی ہوتی ہے۔ کسی بھی قاضی کا غلط فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صحیح نہیں ہو سکتا کہ اسے جوں کا توں نافذ کر دیا جائے، غلط، غلط ہی رہے گا جیسا کہ ہم کتاب الحدود میں اس کی وضاحت بیان کر آئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(٢١) بَابُ الشَّهَادَةِ تَكُونُ عِنْدَ الْحَاكِمِ فِي وِلَايَةِ الْقَضَاءِ، أَوْ قَبْلَ ذٰلِكَ لِلْخَصْمِ

باب: 21- اگر قاضی خود عہدۂ قضا حاصل ہونے کے بعد یا اس سے پہلے ایک امر کا گواہ ہو تو؟

وَقَالَ شُرَيْحٌ الْقَاضِي، وَسَأَلَهُ إِنْسَانٌ الشَّهَادَةَ فَقَالَ: ائْتِ الْأَمِيرَ حَتّٰى أَشْهَدَ لَكَ.

قاضی شریح سے ایک آدمی نے کہا کہ تم اس مقدمے میں گواہی دو تو انھوں نے کہا: تم بادشاہ کے پاس جا کر کہو، میں وہاں تیرے لیے گواہی دوں گا۔

وَقَالَ عِكْرِمَةُ: قَالَ عُمَرُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ: لَوْ رَأَيْتَ رَجُلًا عَلٰى حَدٍّ - زِنًا أَوْ سَرِقَةٍ - وَأَنْتَ أَمِيرٌ؟ فَقَالَ: شَهَادَتُكَ شَهَادَةُ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، قَالَ: صَدَقْتَ.

عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر تم خود کسی کو زنا کرتے دیکھو یا وہ تمھارے سامنے چوری کا ارتکاب کرے اور تم خود فیصلہ کرنے والے ہو تو؟ انھوں نے کہا: یہ ایک عام مسلمان کی گواہی کی طرح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے سچ کہا۔

وَقَالَ عُمَرُ: لَوْلَا أَنْ يَقُولَ النَّاسُ: زَادَ عُمَرُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ لَكَتَبْتُ آيَةَ الرَّجْمِ بِيَدِي.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر مجھے اس امر کا اندیشہ نہ ہو کہ لوگ کہیں گے: عمر نے اللہ کی کتاب میں کچھ اضافہ کر دیا تو میں آیت رجم اپنے ہاتھ سے اس میں لکھ دیتا۔

وَأَقَرَّ مَاعِزٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ بِالزِّنَا أَرْبَعًا فَأَمَرَ بِرَجْمِهِ، وَلَمْ يُذْكَرْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَشْهَدَ مَنْ حَضَرَهُ.

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے چار مرتبہ نبی ﷺ کے سامنے زنا کا اقرار کیا تو نبی ﷺ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا لیکن یہ منقول نہیں کہ آپ نے اس اقرار پر حاضرین کو گواہ بنایا ہو۔

وَقَالَ حَمَّادٌ: إِذَا أَقَرَّ مَرَّةً عِنْدَ الْحَاكِمِ رُجِمَ. وَقَالَ الْحَكَمُ: أَرْبَعًا.

حماد نے کہا: اگر زنا کرنے والا حاکم کے سامنے ایک دفعہ بھی اقرار کرے تو وہ رجم کیا جائے گا لیکن حکم نے کہا: جب تک چار مرتبہ اقرار نہ کرے سنگسار نہیں ہو سکتا۔

وضاحت: قاضی اپنی شہادت یا ذاتی علم کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے اختلاف کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہیں کیا لیکن آثار و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے رجحان کے مطابق قاضی کے لیے اپنے علم یا اپنی گواہی کی بنیاد

پر فیصلہ کرنا درست نہیں بلکہ ایسا مقدمہ بادشاہ وقت یا دوسرے قاضی کے ہاں پیش ہونا چاہیے اور اسے دوسرے گواہوں کی طرح وہاں پیش ہونا چاہیے وہ خود اس بنیاد پر فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں کیونکہ اس سے ایک چور دروازہ کھلتا ہے کہ قاضی اپنی ذاتی دشمنی کی آگ بجھانے کے لیے کسی بھی شخص کو اپنی گواہی یا اپنے علم کی آڑ میں رسوا کرسکتا ہے۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اگر برے قاضی نہ ہوتے تو میں کہتا کہ قاضی اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ کرسکتا ہے۔[1]

٧١٧٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَحْيَى، عَنْ عُمَرَ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ: أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ حُنَيْنٍ: «مَنْ لَهُ بَيِّنَةٌ عَلَى قَتِيلٍ قَتَلَهُ فَلَهُ سَلَبُهُ». فَقُمْتُ لِأَلْتَمِسَ بَيِّنَةً عَلَى قَتِيلٍ فَلَمْ أَرَ أَحَدًا يَشْهَدُ لِي فَجَلَسْتُ، ثُمَّ بَدَا لِي فَذَكَرْتُ أَمْرَهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ رَجُلٌ: مِنْ جُلَسَائِهِ: سِلَاحُ هٰذَا الْقَتِيلِ الَّذِي يَذْكُرُ عِنْدِي، قَالَ: فَأَرْضِهِ مِنْهُ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: كَلَّا لَا يُعْطِهِ أُصَيْبِغَ مِنْ قُرَيْشٍ وَيَدَعَ أَسَدًا مِنْ أُسْدِ اللهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللهِ وَرَسُولِهِ. قَالَ: فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَدَّاهُ إِلَيَّ، فَاشْتَرَيْتُ مِنْهُ خِرَافًا، فَكَانَ أَوَّلَ مَالٍ تَأَثَّلْتُهُ.

[7170] حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے دن فرمایا: ”جس کے پاس کسی مقتول کے بارے میں گواہی ہو جسے اس نے قتل کیا ہو تو اس کا سامان اسے ملے گا۔“ چنانچہ میں ایک مقتول کے متعلق گواہ تلاش کرنے کے لیے کھڑا ہوا تو میں نے کسی کو نہ دیکھا جو میرے لیے گواہی دے، اس لیے میں بیٹھ گیا۔ پھر مجھے خیال آیا تو میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کر دیا۔ وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک صاحب نے کہا: جس مقتول کا انھوں نے ذکر کیا ہے اس کا سامان میرے پاس ہے، آپ اسے میری طرف سے راضی کر دیں۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: ہرگز نہیں، وہ قریش کے بد رنگ (معمولی) آدمی کو سامان دے دیں اور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کو نظر انداز کر دیں جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جہاد کرتا ہے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تو اس نے وہ ہتھیار مجھے دے دیے، پھر میں نے ان کے عوض ایک باغ خریدا۔ یہ پہلا مال تھا جو میں نے (اسلام کے بعد) حاصل کیا تھا۔

قَالَ [لِي] عَبْدُ اللهِ، عَنِ اللَّيْثِ: فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَدَّاهُ إِلَيَّ.

(امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں:) مجھ سے عبداللہ بن صالح نے بیان کیا ہے، ان سے لیث بن سعد نے بیان کیا کہ پھر نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور مجھے وہ سامان دلا دیا۔

وَقَالَ أَهْلُ الْحِجَازِ: اَلْحَاكِمُ لَا يَقْضِي

اہل حجاز نے کہا: حاکم اپنے علم کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہ

[1] فتح الباري: 198/13.

بِعِلْمِهِ، شَهِدَ بِذٰلِكَ فِي وِلَايَتِهِ أَوْ قَبْلَهَا، وَلَوْ أَقَرَّ خَصْمٌ عِنْدَهُ لِآخَرَ بِحَقٍّ فِي مَجْلِسِ الْقَضَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَقْضِي عَلَيْهِ فِي قَوْلِ بَعْضِهِمْ حَتّٰى يَدْعُوَ بِشَاهِدَيْنِ فَيُحْضِرَهُمَا إِقْرَارَهُ. وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِرَاقِ: مَا سَمِعَ أَوْ رَآهُ فِي مَجْلِسِ الْقَضَاءِ قَضٰى بِهِ، وَمَا كَانَ فِي غَيْرِهِ لَمْ يَقْضِ إِلَّا بِشَاهِدَيْنِ يُحْضِرُهُمَا إِقْرَارَهُ. وَقَالَ آخَرُونَ مِنْهُمْ: بَلْ يَقْضِي بِهِ لِأَنَّهُ مُؤْتَمَنٌ، وَإِنَّهُ يُرَادُ مِنَ الشَّهَادَةِ مَعْرِفَةُ الْحَقِّ، فَعِلْمُهُ أَكْثَرُ مِنَ الشَّهَادَةِ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يَقْضِي بِعِلْمِهِ فِي الْأَمْوَالِ وَلَا يَقْضِي فِي غَيْرِهَا.

کرے، خواہ وہ اس معاملے پر عہدۂ قضا حاصل ہونے کے بعد مطلع ہوا ہو یا اس سے پہلے باخبر ہوا ہو۔ اگر مجلس قضا میں اس کے پاس کوئی فریق دوسرے کے حق کا اقرار کرے تو بھی کچھ علماء کا خیال ہے کہ وہ اس بنیاد پر کوئی فیصلہ نہ کرے یہاں تک کہ دو گواہوں کو بلائے اور ان کی موجودگی میں ان سے اقرار کرائے جبکہ اہل عراق کا کہنا ہے کہ قاضی مجلس قضا میں جو سنے یا دیکھے تو اس کے مطابق فیصلہ کر دے لیکن جو کچھ عدالت کے باہر دیکھے تو وہ دو گواہوں کی گواہی کے بغیر فیصلہ نہ کرے اور انھیں میں سے کچھ حضرات نے کہا ہے کہ وہ اس بنیاد پر فیصلہ کر سکتا ہے کیونکہ وہ امانت دار ہے اور شہادت کا مقصد بھی تو حق کا جاننا ہے، لہٰذا قاضی کا ذاتی علم گواہی سے بڑھ کر ہے۔ اور کچھ حضرات کا خیال ہے کہ مالی معاملات کے متعلق تو اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ کر سکتا ہے اور دوسرے معاملات میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔

وَقَالَ الْقَاسِمُ: لَا يَنْبَغِي لِلْحَاكِمِ أَنْ يَقْضِيَ قَضَاءً بِعِلْمِهِ دُونَ عِلْمِ غَيْرِهِ مَعَ أَنَّ عِلْمَهُ أَكْثَرُ مِنْ شَهَادَةِ غَيْرِهِ وَلٰكِنَّ فِيهِ تَعَرُّضًا لِتُهْمَةِ نَفْسِهِ عِنْدَ الْمُسْلِمِينَ، وَإِيقَاعًا لَهُمْ فِي الظُّنُونِ، وَقَدْ كَرِهَ النَّبِيُّ ﷺ الظَّنَّ فَقَالَ: «إِنَّمَا هٰذِهِ صَفِيَّةُ».

[راجع: ۲۱۰۰]

حضرت قاسم نے کہا: حاکم کے لیے درست نہیں کہ وہ اپنے علم کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرے اور دوسرے کے علم کو نظر انداز کر دے اگرچہ قاضی کا علم دوسرے کی گواہی سے بڑھ کر حیثیت رکھتا ہے لیکن چونکہ اس میں عام مسلمانوں کے نزدیک تہمت کا اندیشہ ہے اور انھیں بدگمانی میں مبتلا کرنا ہے جبکہ نبی ﷺ نے بدگمانی کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”یہ میری بیوی صفیہ ہے۔“ (لہٰذا اسے اپنے علم کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے)۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی حاکم یا قاضی کسی شخص کو زنا یا چوری یا قتل کرتے دیکھتا ہے تو صرف اپنے علم کی بنیاد پر مجرم کو سزا نہیں دے سکتا جب تک باضابطہ شہادت سے اسے ثابت نہ کیا جائے، اگر ایسا کیا جائے اور شہادت کے بغیر کوئی فیصلہ کر دیا جائے تو اس سے کئی ایک مفاسد پیدا ہوتے ہیں، پھر قاضی جسے چاہے گا، اسے سزا دے ڈالے گا۔ ② امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی کہتے ہیں کہ قیاس کے مطابق ان سب مقدمات میں قاضی کے لیے اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ کرنا جائز ہے

لیکن میں قیاس کو چھوڑ کر بطور استحسان کہتا ہوں کہ کوئی قاضی اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ نہ کرے، اس میں عافیت کا راستہ ہے۔[1]

٧١٧١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَتَتْهُ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ فَلَمَّا رَجَعَتِ انْطَلَقَ مَعَهَا فَمَرَّ بِهِ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَدَعَاهُمَا فَقَالَ: «إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ». قَالَا: سُبْحَانَ اللهِ. قَالَ: «إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ».

[7171] حضرت علی بن حسین سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس حضرت صفیہ بنت حیی ؓ آئیں۔ جب وہ واپس جانے لگیں تو آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ چلے۔ اس وقت دو انصاری آپ کے پاس سے گزرے تو آپ نے انھیں بلا کر فرمایا: ”یہ صفیہ ہیں۔“ انھوں نے کہا: سبحان اللہ! (ہمیں بدگمانی کیسے ہو سکتی ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”شیطان، انسان کے اندر اس طرح دوڑتا ہے جیسے خون گردش کرتا ہے۔“

رَوَاهُ شُعَيْبٌ وَابْنُ مُسَافِرٍ وَابْنُ أَبِي عَتِيقٍ وَإِسْحَاقُ بْنُ يَحْيَى عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ - يَعْنِي ابْنَ حُسَيْنٍ - عَنْ صَفِيَّةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.
[راجع: ٢٠٣٥]

اس حدیث کو شعیب، ابن مسافر، ابن ابی عتیق اور اسحاق بن یحییٰ نے امام زہری سے، انھوں نے علی بن حسین سے، انھوں نے حضرت صفیہ ؓ سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

فوائد و مسائل: ① حدیث سابق کے تحت بدگمانی سے بچنے کے ضمن میں حضرت صفیہ ؓ کے واقعے کا حوالہ دیا گیا تھا۔ امام بخاری ؒ نے یہ واقعہ مستقل طور پر متعدد طریقے سے بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انصاری حضرات کے متعلق یہ اندیشہ محسوس کیا کہ شاید یہ کسی بدگمانی میں مبتلا ہو جائیں اور ان کے دلوں میں کوئی غلط بات بیٹھ جائے جس کی وجہ سے ان کی آخرت تباہ ہو جائے، اس لیے آپ ﷺ نے جلدی سے وضاحت کر دی کہ یہ عورت کوئی اجنبی نہیں بلکہ میری بیوی صفیہ ؓ ہے۔ جب انھوں نے اظہار تعجب کیا کہ یہ ہم آپ کے متعلق بدگمانی کیسے کر سکتے تھے تو آپ نے فرمایا: شیطان انسان کے رگ و ریشے میں سرایت کیے ہوئے ہے، اس سے ایسا وسوسہ ڈال دینا بعید نہیں۔ ② حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ تہمت کا دور کرنا انتہائی ضروری ہے۔ جب حاکم کا اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ کرنا بدگمانی کو دعوت دیتا ہے تو اسے دور کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ محض اپنے علم کی بنیاد پر کوئی بھی فیصلہ کرنے سے گریز کیا جائے بلکہ اس کے لیے باقاعدہ ثبوت اور شہادتیں طلب کی جائیں۔[2]

(٢٢) بَابُ أَمْرِ الْوَالِي إِذَا وَجَّهَ أَمِيرَيْنِ إِلَى مَوْضِعٍ أَنْ يَتَطَاوَعَا وَلَا يَتَعَاصَيَا

باب: 22- جب حاکم اعلیٰ ایک ہی علاقے میں دو کارندے تعینات کرے تو انھیں پابند کرے کہ آپس میں موافقت کریں اور اختلاف نہ کریں

1 فتح الباري: 200/13. 2 فتح الباري: 201/13.

وضاحت: مخالفت کی صورت میں حالات خراب ہو سکتے ہیں، اس لیے باہمی اتحاد واتفاق کی تلقین کرنی چاہیے۔

٧١٧٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا الْعَقَدِيُّ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ أَبِي وَمُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ: «يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، وَتَطَاوَعَا».

[7172] حضرت سعید بن ابو بردہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے اپنے باپ سے سنا، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے میرے والد گرامی (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور ان سے فرمایا: ''آسانی پیدا کرنا، تنگی نہ کرنا، خوشخبری دینا، نفرت نہ دلانا اور آپس میں اتفاق پیدا کرنا۔''

فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: إِنَّهُ يُصْنَعُ بِأَرْضِنَا الْبِتْعُ. فَقَالَ: «كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ». وَقَالَ النَّضْرُ وَأَبُو دَاوُدَ وَيَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَوَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٢٢٦١]

آپ ﷺ سے حضرت ابوموسیٰ اشعری نے پوچھا: ہمارے ملک میں شہد سے نبیذ (تبع) بنایا جاتا ہے، یعنی اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔'' نضر، ابوداود، یزید بن ہارون اور وکیع نے شعبہ سے، انھوں نے سعید سے، انھوں نے اپنے باپ سے، انھوں نے ان کے دادا سے، انھوں نے نبی ﷺ سے یہی حدیث بیان کی ہے۔

فوائد ومسائل: ایک روایت میں وضاحت ہے کہ ملک یمن دو حصوں میں تقسیم تھا،[1] بالائی حصے میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور نشیبی علاقے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو تعینات کیا تھا۔ دونوں حضرات خیر سگالی کے طور پر ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے آیا جایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں تلقین فرمائی تھی کہ حکومتی معاملات میں ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرنا بلکہ اتفاق واتحاد اور یکجہتی سے معاملات سرانجام دینا۔ اگر تمھارا اختلاف ہو جائے تو بحث وتمحیص سے درست رائے پر اتفاق کر لینا، بصورت دیگر حاکم اعلیٰ کے نوٹس میں لانا۔ ﷺ بہرحال اختلاف سے ہر ممکن طریقے سے بچنے کی ترغیب دی تاکہ لوگوں کو ان کے خلاف سر اٹھانے کی ہمت نہ ہو۔[2]

(٢٣) بَابُ إِجَابَةِ الْحَاكِمِ الدَّعْوَةَ

باب: 23- حاکم دعوت قبول کر سکتا ہے

وَقَدْ أَجَابَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ عَبْدًا لِلْمُغِيرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ.

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ایک غلام کی دعوت قبول کی تھی۔

وضاحت: اگر کوئی رکاوٹ نہ ہو تو حاکم وقت کو دعوت قبول کرنی چاہیے تاکہ رعایا کی حوصلہ شکنی نہ ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ایک غلام کی دعوت بحالت روزہ قبول کی اور فرمایا: میں نے دعوت اس لیے قبول کی ہے کہ حدیث پر عمل

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4341، 4342. 2 فتح الباري: 203/13.

ہو جائے اور دعوت دینے والے کے لیے خیر و برکت کی دعا کروں۔ [1]

٧١٧٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «فُكُّوا الْعَانِيَ وَأَجِيبُوا الدَّاعِيَ». [راجع: ٣٠٤٦]

[7173] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”قیدیوں کو رہا کرو اور ضیافت کرنے والے کی دعوت قبول کرو۔“

فوائد ومسائل: ① احادیث کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم وقت کو دعوت قبول کرنی چاہیے، اس کے چھوڑنے پر احادیث میں بہت سخت وعید بیان ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”جس شخص نے دعوت قبول نہ کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔“ [2] ② ابن بطال لکھتے ہیں کہ حاکم وقت کو ولیمے کی دعوت تو ضرور قبول کرنی چاہیے اور اس کے علاوہ دیگر دعوتوں میں اسے اختیار ہے بہتر ہے کہ وہ ایسی دعوتیں قبول نہ کرے جن میں ناجائز اغراض و مقاصد دعوت کرنے والے کے پیش نظر ہوں۔ ہاں اگر خالص دینی بھائی ہے یا کوئی قریبی رشتے دار ہے تو دعوت کے سلسلے میں اس کی ضرور حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ [3]

(٢٤) بَابُ هَدَايَا الْعُمَّالِ

باب: 24- امراء کے لیے تحائف اور نذرانے کا حکم

٧١٧٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ قَالَ: اسْتَعْمَلَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا مِّنْ بَنِي أَسَدٍ يُقَالُ لَهُ: ابْنُ الْأُتَبِيَّةِ، عَلَى صَدَقَةٍ، فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ: هٰذَا لَكُمْ، وَهٰذَا أُهْدِيَ لِي. فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ - قَالَ سُفْيَانُ أَيْضًا: فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ - فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «مَا بَالُ الْعَامِلِ نَبْعَثُهُ فَيَأْتِي فَيَقُولُ: هٰذَا لَكَ، وَهٰذَا لِي؟ فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ فَيَنْظُرُ أَيُهْدَى لَهُ أَمْ لَا؟ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا يَأْتِي بِشَيْءٍ إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى رَقَبَتِهِ، إِنْ كَانَ بَعِيرًا لَهُ رُغَاءٌ، أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةً تَيْعَرُ - ثُمَّ

[7174] حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے بنو اسد کے ایک شخص کو صدقات کی وصولی کے لیے تحصیل دار مقرر کیا۔ اسے ”ابن اتبیہ“ کہا جاتا تھا۔ جب وہ صدقات لے کر آیا تو اس نے کہا: یہ آپ لوگوں کا مال ہے اور یہ مجھے نذرانہ دیا گیا ہے۔ یہ سن کر نبی ﷺ منبر پر تشریف لائے..... (راوی حدیث) سفیان نے کہا: منبر پر چڑھے..... اللہ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا: ”اس عامل کا کیا حال ہے جسے ہم (صدقات وصول کرنے کے لیے) بھیجتے ہیں تو وہ واپس آ کر کہتا ہے: یہ مال تمھارا ہے اور یہ میرا ہے؟ کیوں نہ وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر بیٹھا رہا، پھر دیکھا جاتا کہ اس کے پاس نذرانے آتے ہیں یا نہیں؟ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ عامل جو چیز بھی اپنے

[1] فتح الباري: 203/13. [2] صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5177. [3] فتح الباري: 203/13.

رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَأَيْنَا عُفْرَتَيْ إِبْطَيْهِ - أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ» ثَلَاثًا.

پاس رکھ لے گا قیامت کے دن اسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے آئے گا۔ اگر وہ اونٹ ہوگا تو وہ اپنی آواز نکالتا آئے گا۔ اگر گائے ہوگی تو وہ اپنی آواز نکالتی ہوئی آئے گی۔ اگر وہ بکری ہوگی تو وہ ممیاتی ہوئی آئے گی۔" پھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے حتی کہ ہم نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ آپ نے تین مرتبہ یہ الفاظ کہے: "خبردار! میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا ہے۔"

قَالَ سُفْيَانُ: قَصَّهُ عَلَيْنَا الزُّهْرِيُّ، وَزَادَ هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ قَالَ: سَمِعَ أُذُنَايَ، وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنِي وَسَلُوا زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَإِنَّهُ سَمِعَهُ مَعِي. وَلَمْ يَقُلِ الزُّهْرِيُّ: سَمِعَ أُذُنِي.

سفیان بن عیینہ نے کہا: یہ حدیث ہم سے زہری نے بیان کی ہے۔ ہشام نے اپنے والد کے ذریعے سے ابوحمید سے کچھ اضافہ بیان کیا، انھوں نے فرمایا: میرے کانوں نے سنا، میری آنکھوں نے دیکھا اور تم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھ لو، انھوں نے یہ حدیث میرے ہمراہ سنی تھی۔ (سفیان نے کہا:) زہری نے یہ الفاظ بیان نہیں کیے: میرے کانوں نے اسے سنا۔

﴿خُوَارٌ﴾ [الأعراف:١٤٨، وطه:٨٨]: صَوْتٌ، وَالْجُؤَارُ: مِنْ ﴿تَجْأَرُونَ﴾ [النحل:٥٣]، كَصَوْتِ الْبَقَرَةِ. [راجع: ٩٢٥]

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: حدیث میں خُوار کے معنی ہیں: آواز اور جُؤار، تَجْأَرُونَ سے ماخوذ ہے۔ اپنی آوازیں بلند کریں گے، یعنی گائے کی طرح آوازیں نکالتے ہوں گے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو ہدیے اور نذرانے حکمرانوں کو رعایا کی طرف سے دیے جاتے ہیں وہ رشوت ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں ہے: "حاکم وقت کے تحائف اور نذرانے مالِ خیانت ہیں۔"[1] اسی طرح بادشاہ کو بادشاہ کی حیثیت سے جو تحفہ دیا جائے وہ بیت المال میں شامل ہوگا، ہاں اگر بادشاہ اپنی ذات کے لیے ہدیہ قبول کرے تو وہ اس کے لیے جائز ہے۔ اگر امام وقت کسی کارندے کے لیے ہدیہ مباح کر دے تو وہ اس کے لیے جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم مقرر کرتے وقت فرمایا تھا: "میں نے تیرے لیے ہدیہ حلال کیا ہے۔" حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن میں جو ہدایا ملے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو چکا تھا۔ انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ بیان کیا تو انھوں نے یہ جائز قرار دیا۔[2] ② ہمارے رجحان کے مطابق حاکم وقت کے ہدایا رشوت

---

1 مسند أحمد: 424/5. 2 عمدة القاري: 428/16.

ہیں کیونکہ اگر وہ حاکم نہ ہوتا تو کوئی بھی اسے ہدیہ نہ دیتا، اسی طرح قاضی کا ہدیہ بھی حرام ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں کہ اگر مقروض، قرض خواہ کو ہدیہ دیتا ہے تو وہ بھی اسی کے حکم میں ہے الا یہ کہ اسے قرض سے منہا کر دیا جائے تو جائز ہے۔[1]

(٢٥) بَابُ اسْتِقْضَاءِ الْمَوَالِي وَاسْتِعْمَالِهِمْ

باب: 25- آزاد شدہ غلام کو حاکم یا قاضی بنانا

وضاحت: فیصلے کرنے، سپہ سالاری، ٹیکس وصول کرنے اور نماز پڑھانے کے لیے کسی آزاد شدہ غلام کو تعینات کرنا مراد ہے۔

٧١٧٥ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ: أَنَّ نَافِعًا أَخْبَرَهُ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ قَالَ: كَانَ سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ يَؤُمُّ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ وَأَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ، فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَأَبُو سَلَمَةَ وَزَيْدٌ وَعَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ. [راجع: ٦٩٢]

[7175] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ اولین مہاجرین اور نبی ﷺ کے دوسرے صحابۂ کرام کی مسجد قباء میں امامت کراتے تھے۔ ان اصحاب میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت ابوسلمہ، حضرت زید اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم بھی ہوتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① ان تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں حضرت سالم رضی اللہ عنہ امامت کا فریضہ سرانجام اس لیے دیتے تھے کہ آپ قرآن کے زیادہ حافظ اور بہترین قاری تھے۔[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد کردہ غلام کو حاکم یا قاضی بنانا جائز ہے بشرطیکہ اس میں اہلیت ہو، البتہ امامت کبریٰ کے لیے قریشی ہونا بنیادی شرط ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ ② حضرت نافع بن عبدالحارث، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکہ کے گورنر تھے۔ ایک دفعہ وہ عسفان مقام پر ان سے ملنے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: مکے میں تمھارا نائب کون ہے؟ انھوں نے کہا کہ ابن ابزیٰ کو نائب بنا کر آیا ہوں...... فرمایا: ایک غلام کو نائب بنایا ہے؟ عرض کی: وہ قرآن کے قاری اور علم فرائض کے عالم ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے سے بہت سی اقوام کو بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے اور بہت سی اقوام کو پستیوں میں گرا دیتا ہے۔''[3]

(٢٦) بَابُ الْعُرَفَاءِ لِلنَّاسِ

باب: 26- لوگوں کے منتظم مقرر کرنا

٧١٧٦، ٧١٧٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ: حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَمِّهِ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي

[7177,7176] حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے، انھیں مروان بن حکم اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کو ہوازن کے قیدی

---

1 فتح الباري: 208/13. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 692. 3 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1897 (817).

عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَاهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ حِينَ أَذِنَ لَهُمُ الْمُسْلِمُونَ فِي عِتْقِ سَبْيِ هَوَازِنَ فَقَالَ: «إِنِّي لَا أَدْرِي مَنْ أَذِنَ فِيكُمْ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ، فَارْجِعُوا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ». فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ، فَرَجَعُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّ النَّاسَ قَدْ طَيَّبُوا وَأَذِنُوا». [راجع: ۲۳۰۷، ۲۳۰۸]

آزاد کر دینے کے متعلق کہا تو آپ نے فرمایا: ''میں نہیں جانتا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی، اب تم واپس چلے جاؤ یہاں تک کہ تمھارے نمبردار تمھارا معاملہ ہم تک پہنچائیں۔'' چنانچہ لوگ واپس چلے گئے اور ان کے ذمہ داران نے ان سے گفتگو کی۔ پھر انھوں نے آ کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ لوگوں نے اپنے دل کی خوشی سے اجازت دے دی ہے۔

فائدہ: مخصوص لوگوں کے منتظم اور چودھری کو عریف کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ عریف، جہنم میں جائیں گے اور امراء کے لیے بھی ہلاکت ہے۔[1] اس سے مراد وہ منتظم ہیں جو حد سے گزرنے والے اور ظلم و ستم ڈھانے والے ہوں۔ مطلق طور پر عرفاء قابل مذمت نہیں ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود اس نظام کی اجازت دی ہے۔ کوئی آدمی اکیلا امور مملکت نہیں چلا سکتا، اسے نچلی سطح پر عرفاء (ناظم وغیرہ) کی ضرورت ہے جو لوگوں کی ضروریات اور ان کے مسائل حاکم اعلیٰ تک پہنچائیں اور حکومت کے قوانین و ہدایات عام لوگوں تک پہنچائیں، چنانچہ ابن بطال نے لکھا ہے کہ مذکورہ حدیث میں عرفاء اور منتظم حضرات کی مشروعیت کا بیان ہے کیونکہ امام وقت تمام معاملات براہ راست نہیں چلا سکتا۔ اس نظام کی اسے ضرورت ہے تاکہ لوگوں کے معاملات کو احسن انداز میں بروقت نمٹایا جا سکے اور انھیں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔[2]

(۲۷) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ ثَنَاءِ السُّلْطَانِ، وَإِذَا خَرَجَ قَالَ غَيْرَ ذٰلِكَ

باب: 27- حاکم وقت کے سامنے خوشامد اور پیٹھ پیچھے بدخوئی کرنا مکروہ ہے

۷۱۷۸ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ: قَالَ أُنَاسٌ لِابْنِ عُمَرَ: إِنَّا نَدْخُلُ عَلَى سُلْطَانِنَا فَنَقُولُ لَهُمْ بِخِلَافِ مَا نَتَكَلَّمُ إِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمْ، قَالَ: كُنَّا نَعُدُّهَا نِفَاقًا.

[7178] حضرت محمد بن زید سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: جب ہم اپنے بادشاہ کے پاس جاتے ہیں تو ان کے سامنے ایسی باتیں کہتے ہیں کہ باہر آ کر اس کے خلاف کہتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہم اسے نفاق شمار کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں اس کی وضاحت ہے کہ چند لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور یزید بن

[1] مسند أحمد: 352/2. [2] فتح الباري: 210/13.

معاویہ کو برا بھلا کہنے لگے۔ آپ نے فرمایا: تم ان کے سامنے بھی ایسا کہتے ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں، بلکہ ہم ان کے سامنے تعریف کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہم اسی کو منافقت شمار کرتے تھے۔[1] ایک دوسری حدیث میں ہے: ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: یہ شخص بہت برا ہے۔'' لیکن وہ حاضر ہوا تو آپ ﷺ اسے خندہ پیشانی سے ملے؟[2] اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے اظہار حقیقت کیا تاکہ اس سے کوئی معاملہ نہ کریں اور جب وہ آیا تو آپ ﷺ نے حسن اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ② بہرحال انسان کے ظاہر و باطن میں یکسانیت ہونی چاہیے۔ ظاہر و باطن کے فرق کو منافقت کہا جاتا ہے لیکن یہ عملی منافقت ہے جو انسان کو آہستہ آہستہ کفر کے قریب کر دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نفاق کفر تھا جبکہ ہمارے ہاں نفاق عمل پایا جاتا ہے۔[3]

٧١٧٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ ابْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عِرَاكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ شَرَّ النَّاسِ ذُو الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ، وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ». [راجع: ٣٤٩٤]

[7179] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''بلاشبہ لوگوں میں بدترین وہ شخص ہے جو دو رخا ہو، ان کے ساتھ ایک بات کرتا ہے تو دوسروں کے ساتھ اور بات کرتا ہے۔''

فائدہ: اس حدیث میں منافقانہ رویہ بیان ہوا ہے کہ مسلمانوں سے کہتے ہیں: ہم مومن ہیں اور ان سے ایمانی باتیں کرتے ہیں اور جب کافروں کے پاس آتے ہیں تو ان کی ہم نوائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمانوں سے مذاق کرتے ہیں۔ حدیث میں ایسے لوگوں کو بدترین کہا گیا ہے۔ ایسا کرنا اچھے لوگوں کا شیوہ اور طور طریقہ نہیں ہے۔ ایسے لوگ سب کی نظروں سے گر جاتے ہیں اور معاشرے میں ان کا کوئی مقام و احترام نہیں رہتا۔ بہرحال اسلام نے دو رخے پن کی بہت مذمت کی ہے، ایک مسلمان کو ہر حال میں اس سے بچنا چاہیے۔

(٢٨) بَابُ الْقَضَاءِ عَلَى الْغَائِبِ

باب: 28- یکطرفہ فیصلہ کرنے کا بیان

٧١٨٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ [رَضِيَ اللهُ عَنْهَا]: أَنَّ هِنْدًا قَالَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ وَأَحْتَاجُ أَنْ آخُذَ مِنْ مَالِهِ، قَالَ ﷺ: «خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ

[7180] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہند بنت عقبہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے کہا: ابوسفیان رضی اللہ عنہ بہت کنجوس آدمی ہیں اور مجھے ان کے مال سے لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دستور کے مطابق تمھیں اتنا لینے کی اجازت ہے جو تمھارے لیے اور تمھارے بچوں کے لیے

---

(1) فتح الباري: 212/13، وسنن الكبرى للبيهقي: 165/5. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 6032. 3 فتح الباري: 212/13.

بِالْمَعْرُوفِ». [راجع: ۲۲۱۱]

کافی ہے۔"

فوائد ومسائل: ① کسی شخص کی عدم موجودگی میں فیصلہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ فیصلے کا تعلق حقوق العباد سے ہو، چنانچہ اگر کسی نے چوری کی، پھر وہ غائب ہو گیا لیکن آثار وقرائن (نشانات وعلامات) اور گواہوں سے اس کا جرم ثابت ہو گیا تو ایسے حالات میں مال کے متعلق تو فیصلہ یکطرفہ کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ اس کی عدم موجودگی میں نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ ② حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اگرچہ اس وقت مکہ مکرمہ میں موجود تھے لیکن حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے جب ان کے متعلق شکایت کی تو وہ اس مجلس میں موجود نہیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی غیر حاضری میں فیصلہ دیا کیونکہ بیوی کا دعویٰ مبنی بر حقیقت تھا۔ واللہ أعلم۔

(۲۹) بَابٌ: مَنْ قُضِيَ لَهُ بِحَقِّ أَخِيهِ فَلَا يَأْخُذْهُ، فَإِنَّ قَضَاءَ الْحَاكِمِ لَا يُحِلُّ حَرَامًا، وَلَا يُحَرِّمُ حَلَالًا

باب: 29- کسی کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کیا گیا تو وہ اسے نہ لے کیونکہ حاکم کا فیصلہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کرتا

وضاحت: اگر کسی قاضی نے کسی کے لیے مال کی ملکیت کا فیصلہ کر دیا تو اگر وہ حقیقت میں بھی ظاہر کے موافق ہے تو وہ اسے لے لے اور اگر حقیقت میں اس کے مخالف ہے تو قاضی کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کرے گا، اس لیے دوسرا آدمی اسے نہ لے۔

۷۱۸۱ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهَا عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ: أَنَّهُ سَمِعَ خُصُومَةً بِبَابِ حُجْرَتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: «إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَإِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ، فَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَادِقٌ فَأَقْضِي لَهُ بِذٰلِكَ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ لِيَتْرُكْهَا». [راجع: ۲۴۵۸]

[7181] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرے کے دروازے پر جھگڑے کی آواز سنی تو باہر تشریف لائے، پھر آپ نے فرمایا: "میں بھی ایک انسان ہوں اور میرے پاس لوگ اپنے مقدمے لے کر آتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان میں سے ایک فریق دوسرے کی نسبت اپنا مقصد واضح کرنے میں زیادہ ماہر ہو، میں یقین کر لوں کہ وہی سچا ہے اور اس طرح اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، ایسے حالات میں جس شخص کے لیے بھی میں کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کر دوں تو وہ خالص دوزخ کا ٹکڑا ہے، وہ چاہے تو اسے لے لے یا چھوڑ دے۔"

فوائد ومسائل: ① اگر قاضی جھوٹے گواہوں سے متاثر ہو کر کوئی فیصلہ کر دیتا ہے تو کیا وہ ظاہری اور باطنی طور پر نافذ العمل

ہوگا؟ اس کے متعلق اکثر اہل علم کا موقف ہے کہ ایسا فیصلہ ظاہری طور پر نافذ ہوگا کہ اس سے جھگڑا ختم ہو جائے گا لیکن باطنی طور پر وہ نافذ نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اس سے باز پرس ہوگی جیسا کہ حدیث بالا سے معلوم ہوتا ہے لیکن کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ گواہوں کی گواہی پر فیصلہ تعبدی حکم ہے تو یہ باطن میں بھی نافذ العمل ہوگا ایسے شخص کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا ہاں اگر قاضی گواہوں کی گواہی پر نہیں بلکہ اپنے ذاتی علم کی وجہ سے فیصلہ کرتا ہے تو اسے مسترد کر دیا جائے گا۔ ﴿3﴾ امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ قاضی کا فیصلہ کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہیں کرے گا، لہٰذا کسی دوسرے کا حق لینے والے کو خوب سوچ و بچار کرنی چاہیے۔ واللہ أعلم.

٧١٨٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ عُتْبَةُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ مِنِّي فَاقْبِضْهُ إِلَيْكَ، فَلَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدٌ، فَقَالَ: ابْنُ أَخِي قَدْ كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ، فَقَامَ إِلَيْهِ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فَقَالَ: أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي، وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ، فَتَسَاوَقَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ سَعْدٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! ابْنُ أَخِي كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ. وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ: أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي، وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ». ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ». ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ: «احْتَجِبِي مِنْهُ»، لِمَا رَأَى مِنْ شَبَهِهِ بِعُتْبَةَ، فَمَا رَآهَا حَتَّى لَقِيَ اللهَ تَعَالَى. [راجع: ٢٠٥٣]

[7182] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کی تھی کہ زمعہ کی لونڈی کا لڑکا میرا ہے، تم اسے اپنی پرورش میں لے لینا، چنانچہ فتح مکہ کے دن حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے قبضے میں لے لیا اور کہا: یہ میرا بھتیجا ہے اور مجھے میرے بھائی نے اس کے متعلق وصیت کی تھی۔ اس دوران میں عبد بن زمعہ کھڑے ہوئے اور کہا: یہ میرا بھائی ہے، میرے والد کی لونڈی کا لڑکا ہے اور انھی کے بستر پر پیدا ہوا ہے، چنانچہ وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا مقدمہ لے کر گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! یہ میرے بھائی کا لڑکا ہے اور اس نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی تھی۔ اور عبد بن زمعہ نے کہا: یہ میرا بھائی ہے۔ میرے والد کی لونڈی کا لڑکا ہے اور اسی کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عبد بن زمعہ! یہ تمھارا (بھائی) ہے۔“ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بچہ بستر والے کا ہوتا ہے اور زانی بدکار کے لیے تو پتھر ہیں۔“ آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”تم اس (لڑکے) سے پردہ کیا کرو“ کیونکہ آپ نے عتبہ سے اس کی مشابہت دیکھ لی تھی، چنانچہ اس نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو مرتے تک نہیں دیکھا۔“

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے بہت باریک بینی سے اپنے قائم کیے ہوئے عنوان کو ثابت کیا ہے، وہ اس طرح کہ اگر قاضی کا فیصلہ ظاہر اور باطن دونوں طرح نافذ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے مطابق وہ لڑکا حضرت سودہ ؓ کا بھائی بن جاتا اور آپ ﷺ حضرت سودہ ؓ کو پردے کا حکم نہ دیتے، جب پردے کا حکم دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا فیصلہ صرف ظاہری جھگڑا ختم کرنے کے لیے تھا، حقیقت اور باطن کو بدلنے کے لیے نہ تھا۔ ② اگرچہ ظاہر میں آپ ﷺ نے اس لڑکے کو حضرت سودہ ؓ کا بھائی ٹھہرایا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ان کا بھائی نہیں تھا، اس وجہ سے آپ ﷺ نے حضرت سودہ ؓ کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔ اگر یہ فیصلہ باطن میں بھی نافذ العمل ہوتا تو بھائی سے پردے کا حکم نہ دیا جاتا۔ واللہ أعلم.

(٣٠) بَابُ الْحُكْمِ فِي الْبِئْرِ وَنَحْوِهَا

باب:30- کنواں اور اس جیسی دیگر اشیاء میں فیصلہ کرنا

٧١٨٣ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ وَالْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا يَحْلِفُ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ مَالًا وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ إِلَّا لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ وَأَيْمَٰنِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ اَلْآيَةَ. [راجع: ٢٣٥٦]

[7183] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے سے دوسرے کا مال ہتھیا لے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔" پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی سی قیمت لیتے ہیں......"

٧١٨٤ - فَجَاءَ الْأَشْعَثُ وَعَبْدُ اللهِ يُحَدِّثُهُمْ فَقَالَ: فِيَّ نَزَلَتْ وَفِي رَجُلٍ خَاصَمْتُهُ فِي بِئْرٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟» قُلْتُ: لَا، قَالَ: «فَلْيَحْلِفْ». قُلْتُ: إِذًا يَحْلِفُ، فَنَزَلَتْ: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ﴾ اَلْآيَةَ [آل عمران:٧٧]. [راجع: ٢٣٥٧]

[7184] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ جب مذکورہ حدیث بیان کر رہے تھے تو حضرت اشعث ؓ آئے اور انھوں نے کہا: میرے اور ایک دوسرے شخص کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ میرا اس سے ایک کنویں کے متعلق جھگڑا ہوا تو نبی ﷺ نے (مجھے) فرمایا: "تمھارے پاس کوئی گواہ ہے؟" میں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: "پھر فریق مخالف کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔" میں نے کہا: اس وقت تو وہ جھوٹی قسم اٹھا لے گا، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی: "بے شک جو لوگ اللہ کے عہد (اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی سی قیمت لیتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا)......"

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث بھی اس امر کی دلیل ہے کہ حاکم کا فیصلہ ظاہری طور پر نافذ ہوگا لیکن وہ حرام کو حلال نہیں کر سکے گا اور نہ ممنوع چیز کو مباح ہی کرے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو جھوٹی قسم اٹھا کر کسی دوسرے کا حق ہتھیانے سے منع فرمایا ہے اور اس پر سخت وعید سنائی ہے۔ قرآن کریم کی وعید تو اس معاملے میں بہت سنگین ہے کہ اللہ ایسے شخص سے گفتگو نہ کرے گا اور نہ اسے پاکیزہ ہی قرار دے گا بلکہ اسے سنگین عذاب دے گا۔ اگر قاضی کا فیصلہ باطن میں بھی نافذ ہوتا اور حرام کو حلال کر دیتا تو اسے اللہ تعالیٰ سے شرف کلام سے محروم نہ کیا جاتا۔ ② بہرحال اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنویں کے متعلق فیصلہ فرمایا۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ اس طرح کے مقدمات کی بھی سماعت کرے اور ان کا فیصلہ کرے۔

(٣١) بَابٌ: اَلْقَضَاءُ فِي كَثِيرِ الْمَالِ وَقَلِيلِهِ

باب: 31- تھوڑے اور زیادہ مال کے متعلق فیصلہ کرنا

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ شُبْرُمَةَ: اَلْقَضَاءُ فِي قَلِيلِ الْمَالِ وَكَثِيرِهِ سَوَاءٌ.

ابن عیینہ نے ابن شبرمہ سے بیان کیا کہ دعویٰ تھوڑے مال کا ہو یا زیادہ کا، فیصلے کے اعتبار سے دونوں کی حیثیت ایک جیسی ہے۔

وضاحت: کسی کا مال ناحق لینے کے متعلق جو وعید ہے وہ تھوڑے اور زیادہ مال دونوں کو شامل ہے، اس لیے تھوڑے مال کو معمولی خیال کر کے اسے ہضم کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

٧١٨٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ عَنْ أُمِّهَا أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ جَلَبَةَ خِصَامٍ عِنْدَ بَابِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ لَهُمْ: «إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَإِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضًا أَنْ يَكُونَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ أَقْضِي لَهُ بِذٰلِكَ وَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَادِقٌ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ، فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ لِيَدَعْهَا». [راجع: ٢٤٥٨]

[7185] حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ نبی ﷺ نے اپنے دروازے پر جھگڑا کرنے والوں کی آواز سنی تو ان کی طرف تشریف لے گئے، پھر آپ نے ان سے فرمایا: ”میں تمھارے جیسا ایک انسان ہی ہوں۔ میرے پاس لوگ مقدمات لے کر آتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک فریق دوسرے کے مقابلے میں عمدہ بات کرنے کا ماہر ہو اور میں اس کی بات سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ بات کرنے میں سچا ہے تو ایسے حالات میں اگر میں کسی دوسرے کے حق کا فیصلہ کر دوں تو بلاشبہ وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے وہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔“

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ ان کا جھگڑا ایک وراثتی جائیداد کے متعلق تھا جو بالکل ہی خستہ اور پرانی ہو چکی

تھی اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی گواہ وغیرہ نہ تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں حق غیر کے متعلق خبردار کیا تو دونوں رونے لگے اور اس جائیداد سے دستبردار ہو گئے اور ان میں سے ہر ایک کہنے لگا: اللہ کے رسول! آپ دوسرے کو ہی جائیداد دے دیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اس پر آمادہ ہو تو اس جائیداد کو تقسیم کر دو، پھر حق تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ اس کے بعد قرعہ اندازی سے اپنا حصہ متعین کر لو اور ایک دوسرے سے معافی بھی مانگ لو۔''[1] بہر حال مال تھوڑا ہو یا زیادہ اگر کسی نے ناجائز ذرائع سے اسے ہتھیا لیا اور حق دار کو اس سے محروم کر دیا تو دونوں صورتوں میں مذکورہ وعید کا سامنا کرنا پڑے گا۔ واللہ أعلم.

(٣٢) بَابُ بَيْعِ الْإِمَامِ عَلَى النَّاسِ أَمْوَالَهُمْ وَضِيَاعَهُمْ

باب: 32- حاکم وقت (بوقت ضرورت) لوگوں کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد فروخت کر سکتا ہے

وَقَدْ بَاعَ النَّبِيُّ ﷺ مُدَبَّرًا مِنْ نُعَيْمِ بْنِ النَّحَّامِ.

نبی ﷺ نے ایک مدبر غلام کو نعیم بن نحام کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔

وضاحت: مدبر وہ غلام ہے جو آقا کی زندگی تک غلام رہتا ہے اس کے مرنے کے بعد اسے آزادی مل جاتی ہے۔

٧١٨٦ - حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ: بَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ أَنَّ رَجُلًا مِّنْ أَصْحَابِهِ أَعْتَقَ غُلَامًا لَّهُ عَنْ دُبُرٍ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ مَالٌ غَيْرُهُ، فَبَاعَهُ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ، ثُمَّ أَرْسَلَ بِثَمَنِهِ إِلَيْهِ. [راجع: ٢١٤١]

[7186] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کو معلوم ہوا کہ آپ کے صحابۂ کرام ؓ میں سے ایک آدمی نے اپنا غلام مدبر بنا دیا ہے اور اس کے پاس غلام کے علاوہ کوئی جائیداد بھی نہیں۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے اس غلام کو آٹھ سو دراہم میں فروخت کر کے اس کی قیمت مالک کو بھجوا دی۔

فائدہ: حاکم وقت کو یہ اختیار ہے کہ بوقت ضرورت کسی کا مال فروخت کر دے تاکہ اس سے قرض وغیرہ ادا کرے یا دیگر حقوق کا تحفظ مقصود ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کا مدبر غلام فروخت کر دیا تھا کیونکہ اس کے پاس اس غلام کے علاوہ اور کوئی جائیداد نہ تھی، اس لیے آپ ﷺ نے اس کے اقدام (مدبر کرنے) کو ختم کر دیا لیکن ایک دوسرا شخص جسے عام طور پر خرید و فروخت میں دھوکا دیا جاتا تھا اس کا فعل ختم نہ کیا بلکہ اسے فرمایا: جب خرید و فروخت کرے تو ''لَا خِلَابَةَ'' کہہ دیا کرے کیونکہ اس کے خرید و فروخت کرنے سے اس کا سارا مال ختم نہیں ہوا تھا۔[2]

(٣٣) بَابُ مَنْ لَّمْ يَكْتَرِثْ بِطَعْنِ مَنْ لَا يَعْلَمُ فِي الْأُمَرَاءِ حَدِيثًا

باب: 33- حاکم وقت کو اپنے کارندوں کے متعلق غلط پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہونا چاہیے

[1] طحاوي: 287/2، كتاب القضاء والشهادات. [2] فتح الباري: 222/13.

وضاحت: طعنہ زنی کرنے والا اگر کسی کو علم کے بغیر طعن و تشنیع کا نشانہ بناتا ہے تو اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے اور نہ اس کے مطابق عمل ہی کرنا چاہیے اور اگر کسی ٹھوس بنیاد پر دوسرے کو مطعون کرتا ہے تو اس پر ضرور غور کرنا چاہیے اور اگر دونوں پہلو برابر ہیں تو اسے امام کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے۔[1]

٧١٨٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَعْثًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ، فَطُعِنَ فِي إِمَارَتِهِ وَقَالَ: «إِنْ تَطْعَنُوا فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلِهِ، وَايْمُ اللهِ! إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِلْإِمْرَةِ، وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ، وَإِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ». [راجع: ٣٧٣٠]

[7187] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر تشکیل دیا اور اس پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو امیر مقرر فرمایا لیکن جب ان کی امارت کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا تو آپ نے فرمایا: ”اگر تم اس کی امارت پر طعن کرتے ہو تو اس سے پہلے تم نے اس کے والد کی امارت کو بھی مطعون کیا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ امارت کے لائق تھے اور مجھے تمام لوگوں سے زیادہ عزیز تھے اور ان کے بعد اسامہ بھی مجھے تمام لوگوں سے زیادہ عزیز ہے۔“

فوائد و مسائل: ① حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر طعن کیا گیا تھا کہ کبار اور مشائخ صحابہ کی موجودگی میں اسے امیر کیوں بنایا گیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس پروپیگنڈے کی کوئی پروا نہ کی اور انھیں امارت سے الگ نہ کیا بلکہ ان کی تعریف فرمائی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے پروپیگنڈے کے پیش نظر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفے کی امارت سے معزول کر دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوفے کے حالات ایسے تھے کہ انھیں معزول کرنا ضروری تھا۔ اگر امارت سے انھیں الگ نہ کیا جاتا تو حالات کے بگڑ جانے کا خطرہ تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس امر کی وضاحت بھی فرمائی، لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حالات کے خراب ہونے اور کسی قسم کے فتنے کا خطرہ نہ تھا۔ ② ان کے امیر مقرر کیے جانے کا سبب یہ تھا کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رومیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی سرکوبی کے لیے جو لشکر تشکیل دیا اس کی امارت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کی تاکہ انھیں تسلی ہو اور رومیوں سے بے جگری سے لڑیں اور پورے جوش سے ان کا مقابلہ کریں۔ بہر حال حاکم وقت کو چاہیے کہ وہ اس قدر پختہ کار ہو کہ غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر کوئی اقدام نہ کرے بلکہ حالات کا کھلی آنکھ سے جائزہ لے کر کسی نتیجے پر پہنچے۔[2]

(٣٤) بَابُ الْأَلَدِّ الْخَصِمِ، وَهُوَ الدَّائِمُ فِي الْخُصُومَةِ

باب: 34- اس شخص کا بیان جو ہمیشہ لوگوں سے لڑتا جھگڑتا رہے

لُدًّا، عُوجًا.

لُدًّا کے معنی ہیں: کجی اور ٹیڑھا پن۔

[1] فتح الباري: 223/13. [2] فتح الباري: 233/13.

وضاحت: قرآن میں ہے: ﴿وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا﴾[1] امام بخاری ؒ نے أَلَدُّ الْخِصَامِ کی مناسبت سے لُدًّا کے معنی بیان کیے ہیں کہ اس سے مراد ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے والا ہے۔

٧١٨٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ». [راجع: ٢٤٥٧]

[7188] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔''

فوائد و مسائل: ١ لڑنا، جھگڑنا، بات بات پر پھڈا ڈالنا اور سینگ پھنسانا کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ حکومتی معاملات کے لیے ایسا رویہ انتہائی مہلک اور نقصان دہ ہوتا ہے کیونکہ اس سے اجتماعیت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی لڑائی جھگڑے کو ترک کر دینے کی بہت فضیلت بیان کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایسے شخص کے لیے جنت میں بہترین مکان کا ضامن ہوں جو حق پر ہوتے ہوئے لڑائی جھگڑا چھوڑ دیتا ہے۔''[2] ٢ بہر حال اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ انسان انتہائی ناپسندیدہ ہے جو ہمیشہ جھگڑتا رہے اور بغض و عناد رکھتے ہوئے حق کو قبول نہ کرے۔ یہ معنی کافر اور مسلمان دونوں کو شامل ہیں۔

(٣٥) بَابٌ: إِذَا قَضَى الْحَاكِمُ بِجَوْرٍ، أَوْ خِلَافِ أَهْلِ الْعِلْمِ فَهُوَ رَدٌّ

باب: 35- جب حاکم وقت کا فیصلہ ظالمانہ یا علمائے حق کے خلاف ہو تو اسے رد کر دیا جائے

٧١٨٩ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَالِدًا؛ ح: وَحَدَّثَنِي أَبُو عَبْدِ اللهِ نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلَى بَنِي جَذِيمَةَ فَلَمْ يُحْسِنُوا أَنْ يَقُولُوا: أَسْلَمْنَا، فَقَالُوا: صَبَأْنَا صَبَأْنَا، فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ وَيَأْسِرُ، وَدَفَعَ إِلَى كُلِّ رَجُلٍ مِنَّا أَسِيرَهُ فَأَمَرَ كُلَّ

[7189] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت خالد بن ولید ؓ کو بنو جزیمہ کی طرف بھیجا تو وہ اپنے اسلام لانے کا اظہار اچھی طرح نہ کر سکے۔ انھوں نے ''ہم اسلام لائے'' کے بجائے ''ہم اپنے دین سے پھر گئے'' کہنا شروع کر دیا۔ حضرت خالد ؓ نے انھیں قتل کرنا اور قیدی بنانا شروع کر دیا۔ اور انھوں نے ہم میں سے ہر ایک کو اس کے حصے کا قیدی دیا اور حکم دیا کہ ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اپنا قیدی قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے ساتھیوں ہی میں سے کوئی اپنا

1 مريم 19: 97. 2 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4800.

رَجُلٍ مِنَّا أَنْ يَقْتُلَ أَسِيرَهُ. فَقُلْتُ: وَاللهِ لَا أَقْتُلُ أَسِيرِي وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِي أَسِيرَهُ، فَذَكَرْنَا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ» مَرَّتَيْنِ. [راجع: ٤٣٣٩]

قیدی قتل کرے گا۔ پھر (واپسی پر ہم) نے اس واقعے کا ذکر نبی ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! جو کچھ خالد بن ولید نے کیا ہے میں اس سے اظہار براءت کرتا ہوں۔'' یہ الفاظ آپ نے دومرتبہ فرمائے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت خالد بن ولید ؓ کو انھیں قتل کرنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے پوچھنا چاہیے تھا کہ تمھاری اس سے کیا مراد ہے؟ چونکہ انھوں نے یہ فیصلہ اپنے اجتہاد سے کیا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں کوئی سزا نہیں دی۔ صرف ان کے فعل سے اظہار براءت فرمایا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حضرت خالد بن ولید ؓ کا یہ اقدام رسول اللہ ﷺ کے حکم سے نہ تھا تاکہ آئندہ کوئی ایسا کرنے کی جرأت نہ کرے۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کا فیصلہ اگر اجتہاد وتاویل کی بنیاد پر ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا لیکن چونکہ یہ فیصلہ کتاب وسنت کے خلاف تھا، اس لیے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اور ان کے ساتھیوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے موقف کی تائید فرمائی اور حضرت خالد ؓ کے اقدام قتل سے اظہار براءت فرمایا۔[1]

(٣٦) بَابُ الْإِمَامِ يَأْتِي قَوْمًا فَيُصْلِحُ بَيْنَهُمْ

باب: 36- حاکم وقت لوگوں کے پاس جائے اور ان میں صلح کرا دے

وضاحت: حاکم وقت لوگوں کے پاس جانے کو اپنی عزت وشان کے خلاف نہ سمجھے بلکہ یہ اس کی خوبی ہے کہ وہ خود چل کر لوگوں کے پاس جائے اور انھیں صلح صفائی اور امن وسلامتی کی تعلیم دے۔

٧١٩٠ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ: حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ [الْمَدَنِيُّ] عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ: كَانَ قِتَالٌ بَيْنَ بَنِي عَمْرٍو فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَصَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ أَتَاهُمْ يُصْلِحُ بَيْنَهُمْ، فَلَمَّا حَضَرَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَأَذَّنَ بِلَالٌ وَأَقَامَ وَأَمَرَ أَبَا بَكْرٍ فَتَقَدَّمَ وَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ فِي الصَّلَاةِ، فَشَقَّ النَّاسَ حَتَّى قَامَ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ فَتَقَدَّمَ فِي الصَّفِّ الَّذِي يَلِيهِ، قَالَ: وَصَفَّحَ الْقَوْمُ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ إِذَا دَخَلَ فِي

[7190] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: قبیلہ بنو عمرو میں باہم لڑائی ہوگئی۔ نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر ان کے ہاں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ جب نماز عصر کا وقت ہوا تو بلال ؓ نے اذان اور اقامت کہی، پھر حضرت ابوبکر ؓ سے کہا کہ وہ آگے بڑھیں اور نماز پڑھائیں، چنانچہ آپ نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھے تو نبی ﷺ بھی تشریف لے آئے جبکہ ابوبکر ؓ نماز ہی میں تھے۔ آپ ﷺ صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور حضرت ابوبکر

[1] فتح الباري: 13/225.

الصَّلَاةِ لَمْ يَلْتَفِتْ حَتَّى يَفْرُغَ، فَلَمَّا رَأَى التَّصْفِيحَ لَا يُمْسَكُ عَلَيْهِ الْتَفَتَ فَرَأَى النَّبِيَّ ﷺ خَلْفَهُ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ أَنِ امْضِهْ - وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ هٰكَذَا - وَلَبِثَ أَبُو بَكْرٍ هُنَيَّةً فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلَى قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ مَشَى الْقَهْقَرَى، فَلَمَّا رَأَى النَّبِيُّ ﷺ ذٰلِكَ تَقَدَّمَ فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ بِالنَّاسِ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ قَالَ: «يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا مَنَعَكَ إِذْ أَوْمَأْتُ إِلَيْكَ أَنْ لَا تَكُونَ مَضَيْتَ؟» قَالَ: لَمْ يَكُنْ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يَؤُمَّ النَّبِيَّ ﷺ، وَقَالَ لِلْقَوْمِ: «إِذَا نَابَكُمْ أَمْرٌ فَلْيُسَبِّحِ الرِّجَالُ، وَلْيُصَفِّحِ النِّسَاءُ». [راجع: ٦٨٤]

ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور اس صف میں تشریف لے گئے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قریب تھی۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگوں نے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب نماز شروع کرتے تو ختم کرنے سے پہلے کسی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ لوگوں کی تالیاں بند نہیں ہو رہیں تو ادھر متوجہ ہوئے اور نبی ﷺ کو اپنے پیچھے دیکھا۔ نبی ﷺ نے انھیں اشارہ کیا کہ نماز کو جاری رکھیں اور اس طرح آپ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر ٹھہرے اور نبی کے حکم کی تعمیل میں اللہ کی حمد و ثنا کرتے رہے، پھر آپ الٹے پاؤں پیچھے آ گئے۔ جب نبی ﷺ نے یہ دیکھا تو آپ آگے بڑھے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز مکمل کرنے کے بعد آپ نے فرمایا: ”ابوبکر! جب میں نے اشارہ کر دیا تھا تو تمھیں نماز پوری پڑھانے میں کیا چیز مانع تھی؟“ انھوں نے کہا: ابو قحافہ کے بیٹے کے لیے مناسب نہیں تھا کہ وہ نبی ﷺ کی امامت کرائے۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: ”جب (نماز میں) کوئی معاملہ پیش آ جائے تو مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتوں کو چاہیے کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ ماریں۔“

فوائد و مسائل: ① کامیاب مثالی حکومت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے عوام کی ضروریات و سہولیات کا پورا پورا خیال رکھے اور عدل و انصاف ان کے دروازے تک پہنچانے کا اہتمام کرے۔ جب کہیں ان میں گڑبڑ کا پتا چلے تو فوراً اس کے سدباب کا اہتمام کرے۔ اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ حاکم وقت وہاں جائے اور حالات کا جائزہ لے، چنانچہ قبیلۂ بنو عمرو جو قباء میں رہائش رکھے ہوئے تھا ان میں لڑائی ہوئی۔ نوبت پتھراؤ کرنے تک جا پہنچی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا چلیں، ان کے درمیان صلح کرا دیں۔[1] چنانچہ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس وہاں تشریف لے گئے، فریقین کے بیانات سنے اور ان کے درمیان صلح کرا دی۔ اس طرح جھگڑا بھی ختم ہو گیا اور مقامی احباب کی حوصلہ افزائی بھی ہوئی کہ ہمارے سربراہ ہمارے پاس چل کر آئے ہیں۔ ② بہرحال ایسے معاملات میں حاکم وقت کو دلچسپی لینی چاہیے اور اسے اپنی شان کے خلاف خیال نہ کرے جیسا کہ عام طور پر صاحب اقتدار حضرات کو یہ ”بیماری“ لاحق ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

[1] صحيح البخاري، الصلح، حديث: 2693.

(٣٧) بَابٌ: يُسْتَحَبُّ لِلْكَاتِبِ أَنْ يَكُونَ أَمِينًا عَاقِلًا

۷۱۹۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ أَبُو ثَابِتٍ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: بَعَثَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ وَعِنْدَهُ عُمَرُ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ: إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ، وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا، فَيَذْهَبَ قُرْآنٌ كَثِيرٌ وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ. قُلْتُ: كَيْفَ أَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ؟ فَقَالَ عُمَرُ: هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي فِي ذَلِكَ حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَ عُمَرَ، وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ. قَالَ زَيْدٌ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَإِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ، قَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ، فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ وَاجْمَعْهُ. قَالَ زَيْدٌ: فَوَاللهِ لَوْ كَلَّفَنِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ بِأَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا كَلَّفَنِي مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ. قُلْتُ: كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَ أَبُو بَكْرٍ: هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ يَحُثُّ مُرَاجَعَتِي حَتَّى شَرَحَ اللهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ اللهُ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَيَا، فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الْعُسُبِ وَالرِّقَاعِ

باب: 37- فیصلہ لکھنے والا دیانت دار اور عقل مند ہونا چاہیے

[7191] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل یمامہ سے جنگ میں بکثرت شہادت کی بنا پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلا بھیجا۔ اس وقت ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنگ میں قرآن کے قاریوں کا قتل بہت ہوا ہے اور مجھے ڈر ہے اگر اسی طرح قرآن کے قاری دوسری جنگوں میں قتل ہوتے رہے تو قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ آپ قرآن جمع کرنے کا اہتمام کریں۔ میں نے (انھیں) کہا: میں وہ کام کیسے کر سکتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تو کار خیر ہے۔ اور وہ مسلسل میرے ساتھ اس مسئلے میں تکرار کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اس کے لیے کھول دیا جس کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھولا تھا اور میں بھی وہی مناسب خیال کرنے لگا جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مناسب سمجھتے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم جوان ہو، عقل مند ہو، ہم تمھیں کسی معاملے میں متہم بھی نہیں خیال کرتے۔ تم رسول اللہ ﷺ کی وحی لکھا کرتے تھے، لہٰذا تم قرآنی آیات کو تلاش کرو، پھر انھیں ایک جگہ جمع کر دو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے پہاڑوں میں سے کوئی پہاڑ اٹھا لانے کی تکلیف دیتے تو اس کا بوجھ مجھے اتنا محسوس نہ ہوتا جتنا قرآن مجید کو جمع کرنے کے حکم سے محسوس ہوا۔ میں نے ان حضرات سے

وَاللِّخَافِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ، فَوَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ﴾ إِلَى آخِرِهَا مَعَ خُزَيْمَةَ - أَوْ أَبِي خُزَيْمَةَ - فَأَلْحَقْتُهَا فِي سُورَتِهَا، فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَيَاتَهُ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهُ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ، ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ. [راجع: ٢٨٠٧]

کہا: آپ کس طرح ایسا کام کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ کار خیر ہے، چنانچہ وہ مجھے اس کام کے لیے آمادہ کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے میرا سینہ بھی کھول دیا جس کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا اور میں بھی وہی مناسب خیال کرنے لگا جسے وہ مناسب سمجھتے تھے۔ بہرحال میں نے قرآن مجید کی تلاش شروع کر دی۔ میں اسے کھجور کی شاخوں، چمڑے کے ٹکڑوں، سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنے لگا۔ میں نے سورۂ توبہ کی آخری آیت: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ...... الخ﴾ حضرت خزیمہ یا ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس پائی اور اسے سورت میں شامل کر دیا۔ اس کے بعد یہ مرتب صحیفے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں وفات دی تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں فوت کر دیا۔ اس کے بعد وہ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس رہے۔

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ: اَللِّخَافُ: يَعْنِي الْخَزَفَ.

محمد بن عبیداللہ نے کہا: لخاف سے مراد ٹھیکریاں ہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عقلمند کہا، پھر اسی عقل و دانش کو ان کے امانت دار ہونے کا سبب قرار دیا بصورت دیگر صرف عقل مند ہونا تو امانت دار ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ بہت سے عقلمند پرلے درجے کے خیانت پیشہ ثابت ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاں عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی فریضۂ کتابت ادا کرتے تھے۔ ان کی امانت و دیانت کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے ملوک و سلاطین (بادشاہوں) کے نام خطوط لکھواتے، پھر پڑھے بغیر ہی ان خطوط پر مہر لگا دیتے تھے۔ اگر یہ دونوں غائب ہوتے تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کتابت کرتے تھے۔ ② روایات میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک عیسائی کاتب رکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹا اور یہ آیت تلاوت فرمائی: "اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔"[1] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اسے میں نے دوست نہیں بنایا بلکہ بطور

---

[1] المآئدة 5:51.

کاتب رکھا ہے۔ اس پر حضرت عمر ؓ نے فرمایا: کیا تمھیں مسلمانوں میں کوئی کاتب نہیں ملتا جو تمھارا یہ کام کر سکے؟ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں دور کیا ہے، خیانت پیشہ کہا ہے اور ذلیل قرار دیا ہے تو تم انھیں اپنے قریب کیوں کرتے ہو؟ انھیں امانت دار قرار دیتے ہو اور یہ عہدہ دے کر ان کی حوصلہ افزائی کیوں کرتے ہو۔[1]

(٣٨) بَابُ كِتَابِ الْحَاكِمِ إِلَى عُمَّالِهِ وَالْقَاضِي إِلَى أُمَنَائِهِ

باب: 38- حاکم وقت کا اپنے کارندوں اور قاضی کا اپنے عملے کو خط لکھنا

٧١٩٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي لَيْلَى؛ ح:

وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي لَيْلَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَهْلٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ: أَنَّهُ أَخْبَرَهُ هُوَ وَرِجَالٌ مِّنْ كُبَرَاءِ قَوْمِهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَهْلٍ وَّمُحَيِّصَةَ خَرَجَا إِلَى خَيْبَرَ مِنْ جَهْدٍ أَصَابَهُمْ، فَأُخْبِرَ مُحَيِّصَةُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ قُتِلَ وَطُرِحَ فِي فَقِيرٍ - أَوْ عَيْنٍ - فَأَتَى يَهُودَ فَقَالَ: أَنْتُمْ وَاللهِ قَتَلْتُمُوهُ. قَالُوا: مَا قَتَلْنَاهُ وَاللهِ. ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى قَدِمَ عَلَى قَوْمِهِ فَذَكَرَ لَهُمْ، فَأَقْبَلَ هُوَ وَأَخُوهُ حُوَيِّصَةُ - وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْهُ - وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ، فَذَهَبَ لِيَتَكَلَّمَ - وَهُوَ الَّذِي كَانَ بِخَيْبَرَ - فَقَالَ [النَّبِيُّ ﷺ] لِمُحَيِّصَةَ: «كَبِّرْ كَبِّرْ» يُرِيدُ السِّنَّ. فَتَكَلَّمَ حُوَيِّصَةُ ثُمَّ تَكَلَّمَ مُحَيِّصَةُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِمَّا أَنْ يَدُوا صَاحِبَكُمْ، وَإِمَّا أَنْ يُؤْذِنُوا بِحَرْبٍ». فَكَتَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَيْهِمْ بِهِ، فَكُتِبَ: مَا قَتَلْنَاهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِحُوَيِّصَةَ وَمُحَيِّصَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ:

[7192] حضرت سہل بن ابی حثمہ ؓ اور ان کی قوم کے بڑے بڑے فضلاء سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ عبداللہ بن سہل اور محیصہ ؓ خیبر کی طرف گئے کیونکہ وہ ان دنوں تنگ دستی میں مبتلا تھے۔ محیصہ ؓ کو بتایا گیا کہ عبداللہ کو قتل کر کے گڑھے یا پانی کے چشمے میں پھینک دیا گیا ہے۔ وہ یہودیوں کے پاس گئے اور کہا: اللہ کی قسم! تم نے عبداللہ کو قتل کیا ہے۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ پھر وہ واپس اپنی قوم کے پاس آئے اور ان سے اس بات کا ذکر کیا۔ اس کے بعد وہ، ان کے بڑے بھائی حویصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل آئے۔ محیصہ نے بات کرنا چاہی کیونکہ وہی خیبر میں موجود تھے تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ”بڑے کو آگے کرو۔“ یعنی جو عمر میں تم سے بڑا ہے۔ چنانچہ حویصہ نے بات کا آغاز کیا، پھر محیصہ نے بھی گفتگو کی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے متعلق فرمایا: ”وہ تمھارے ساتھی کی دیت ادا کریں یا لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں۔“ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف اس مضمون کا خط بھیجا تو انھوں نے جواب میں یہ لکھا: ہم نے اسے قتل نہیں کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حویصہ، محیصہ اور عبدالرحمٰن ؓ سے فرمایا: ”کیا تم قسمیں اٹھاتے ہو تاکہ تم اپنے ساتھی کی دیت کے حق دار بن سکو؟“ انھوں نے کہا:

[1] فتح الباري: 228/13.

«أَتَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ؟» فَقَالُوا: لَا، قَالَ: «أَفَتَحْلِفُ لَكُمْ يَهُودُ؟» قَالُوا: لَيْسُوا بِمُسْلِمِينَ، فَوَدَاهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ عِنْدِهِ مِائَةَ نَاقَةٍ حَتَّى أُدْخِلَتِ الدَّارَ. قَالَ سَهْلٌ: فَرَكَضَتْنِي مِنْهَا نَاقَةٌ. [راجع: ٢٧٠٢]

ہم قسم نہیں اٹھائیں گے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا آپ لوگوں کے لیے یہودی قسم اٹھائیں؟'' انھوں نے کہا: وہ تو مسلمان نہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے سو اونٹ بطور دیت ادا کر دیے، چنانچہ ان کو حویلی میں داخل کر دیا گیا۔ سہل ؓ نے کہا: ان میں سے ایک اونٹنی نے مجھے لات ماری تھی۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے جھگڑا ختم کرنے کے لیے اپنی طرف سے مقتول کی دیت ادا کر دی، نیز ان کی تالیف قلب (دل جوئی کرنا) بھی مقصود تھی ورنہ ان کا حق نہیں بنتا تھا کیونکہ وہ خود قسم اٹھانے پر آمادہ نہ تھے اور نہ یہودیوں کی قسم پر انھیں اعتبار ہی تھا۔ ② عنوان کا مقصد یہ ہے کہ حاکم وقت اپنے کارندوں کو زکاۃ کی وصولی یا جہاد سے متعلقہ ہدایات لکھ کر بھیج سکتا ہے، لیکن حدیث میں اپنے نائب کو لکھنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ نے اپنے فریق مخالف یہودیوں کو لکھا۔ جب انھیں لکھا جا سکتا ہے تو اپنے عملے کو لکھنے میں کیا حرج ہے۔[1]

(٣٩) بَابٌ: هَلْ يَجُوزُ لِلْحَاكِمِ أَنْ يَبْعَثَ رَجُلًا وَحْدَهُ لِلنَّظَرِ فِي الْأُمُورِ؟

باب: 39- کیا حاکم وقت کے لیے جائز ہے کہ وہ معاملات کی دیکھ بھال کے لیے کسی ایک شخص کو بھیجے؟

٧١٩٣، ٧١٩٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَا: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ، فَقَامَ خَصْمُهُ فَقَالَ: صَدَقَ، فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ، فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هٰذَا فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ، فَقَالُوا لِي: عَلَى ابْنِكَ الرَّجْمُ، فَفَدَيْتُ ابْنِي مِنْهُ بِمِائَةٍ مِنَ الْغَنَمِ وَوَلِيدَةٍ، ثُمَّ سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَقَالُوا: إِنَّمَا عَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَأَقْضِيَنَّ

[7194,7193] حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد جہنی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرما دیں، پھر دوسرا فریق کھڑا ہوا اور اس نے بھی کہا: وہ صحیح کہتے ہیں واقعی ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کر دیں۔ پھر دیہاتی نے کہا: میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اور اس نے اس کی بیوی سے زنا کر لیا تو مجھے لوگوں نے کہا: تیرے بیٹے پر رجم ہے، لیکن میں نے اپنے لڑکے کی طرف سے سو بکریاں اور ایک لونڈی کا فدیہ دے دیا۔ پھر میں نے اہل علم سے رابطہ کیا تو انھوں نے کہا: تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور

[1] فتح الباري: 229/13.

بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ، أَمَّا الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ فَرَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَأَمَّا أَنْتَ يَا أُنَيْسُ - لِرَجُلٍ - فَاغْدُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَارْجُمْهَا»، فَغَدَا عَلَيْهَا أُنَيْسٌ فَرَجَمَهَا. [راجع: ٢٣١٤، ٢٣١٥]

ایک سال کے لیے جلاوطنی ہوگی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ لونڈی اور بکریاں تو تمھیں واپس ملیں گی اور تیرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کے لیے جلاوطن ہونا ہے۔ اور اے انیس! تم اس کی بیوی کے پاس جاؤ (اگر وہ اعتراف کر لے تو) اسے رجم کر دو۔'' چنانچہ حضرت انیس ؓ اس کے پاس گئے اور (اس کے اعتراف کے بعد) اسے سنگسار کر دیا۔

فوائد ومسائل: ① عربوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ فوجداری معاملات میں اپنے قبیلے کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی بات سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ رسول اللہ نے اسی دستور کے مطابق حضرت انیس ؓ کا انتخاب کیا کیونکہ وہ عورت کے قبیلۂ اسلم کے ایک معزز فرد تھے۔ اگرچہ عورت کے خاوند کی موجودگی میں بدکاری کے متعلق بات ہوئی تھی، تاہم رسول اللہ ﷺ نے مزید تحقیق کرنے اور حالات کا جائزہ لینے کے لیے ایک ذمہ دار فرد کو روانہ کیا اور اسے ہدایت دی کہ اگر وہ اپنے جرم کا اعتراف کرے تو اسے رجم کر دینا، چنانچہ اس کے اعتراف کے نتیجے میں اسے رجم کر دیا گیا۔ ② امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ حاکم وقت کسی بھی معاملے کی تحقیق و تفتیش کے لیے کسی بھی شخص کو روانہ کر سکتا ہے، خود اس کا اپنا جانا ضروری نہیں۔ واللہ اعلم.

(٤٠) بَابُ تَرْجَمَةِ الْحُكَّامِ، وَهَلْ يَجُوزُ تُرْجُمَانٌ وَاحِدٌ؟

باب: 40- حکام وقت کی ترجمانی کرنا اور کیا ایک ترجمان کافی ہے؟

٧١٩٥ - وَقَالَ خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهُ أَنْ يَتَعَلَّمَ كِتَابَ الْيَهُودِ حَتَّى كَتَبْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ كُتُبَهُ وَأَقْرَأْتُهُ كُتُبَهُمْ إِذَا كَتَبُوا إِلَيْهِ. وَقَالَ عُمَرُ - وَعِنْدَهُ عَلِيٌّ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَعُثْمَانُ -: مَاذَا تَقُولُ هٰذِهِ؟ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ حَاطِبٍ: فَقُلْتُ: تُخْبِرُكَ بِصَاحِبِهَا الَّذِي صَنَعَ بِهَا.

[7195] حضرت زید بن ثابت ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ یہودیوں کی تحریر سیکھیں یہاں تک کہ میں ہی یہودیوں کے نام نبی ﷺ کے خطوط لکھتا تھا اور جب وہ آپ کو خط لکھتے تو میں وہ خط پڑھ کر آپ کو سناتا تھا۔ حضرت عمر ؓ نے کہا جبکہ آپ کے پاس حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن حاطب اور حضرت عثمان ؓ موجود تھے: یہ عورت کیا کہتی ہے؟ عبدالرحمٰن بن حاطب نے کہا: یہ آپ کو اس آدمی کے متعلق آگاہ کرنا چاہتی ہے جس نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے۔

وَقَالَ أَبُو جَمْرَةَ: كُنْتُ أُتَرْجِمُ بَيْنَ ابْنِ

ابو جمرہ نے کہا: میں حضرت ابن عباس ؓ اور لوگوں

عَبَّاسٍ وَبَيْنَ النَّاسِ.

کے درمیان ترجمانی کرتا تھا۔

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: لَا بُدَّ لِلْحَاكِمِ مِنْ مُتَرْجِمَيْنِ.

بعض لوگوں نے کہا ہے: حاکم وقت کے لیے دو مترجم ہونے چاہییں۔

فوائد ومسائل: ① ترجمان وہ ہے جو ایک زبان کا مفہوم دوسری زبان میں بیان کرے۔ ترجمان ایک ہی کافی ہے جبکہ وہ ثقہ اور عادل ہو۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی رجحان معلوم ہوتا ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب حاکم وقت فریقین یا ایک فریق کی زبان نہ سمجھتا ہو تو دو عادل شخص بطور مترجم ضروری ہیں جو حاکم وقت کو ان کا ترجمہ کر کے بتائیں۔ آخر میں بعض الناس سے امام شافعی رحمہ اللہ کے اس موقف کی تردید مقصود ہے۔ ② یہاں سے ان لوگوں کا جواب ہو گیا جو کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بعض الناس کے الفاظ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تحقیر کی ہے کیونکہ اگر یہ کلمہ تحقیر کے لیے ہوتا تو آپ امام شافعی رحمہ اللہ کے لیے اسے کیونکر استعمال کرتے۔ ③ دراصل اس مسئلے کی بنیاد یہ ہے کہ ترجمہ کرنا خبر ہے یا شہادت، اگر خبر ہے تو ایک ترجمان کافی ہے اگر شہادت ہے تو اس کے لیے دو ترجمہ کرنے والوں کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے۔ بہرحال ترجمانی کے لیے ایک ہی شخص کافی ہے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

٧١٩٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ ثُمَّ قَالَ لِتُرْجُمَانِهِ: قُلْ لَهُمْ: إِنِّي سَائِلٌ هٰذَا فَإِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوهُ - فَذَكَرَ الْحَدِيثَ - فَقَالَ لِلتُّرْجُمَانِ: قُلْ لَهُ: إِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ. [راجع: ٧]

[7196] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھیں ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہرقل نے انھیں قریش کی جماعت کے ہمراہ اپنے ہاں بلا بھیجا۔ پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا: ان سے کہو: میں اس شخص (نبی ﷺ) کے متعلق پوچھنے والا ہوں، اگر یہ مجھ سے جھوٹ کہے تو آپ اسے جھٹلا دیں۔ پھر انھوں نے پوری حدیث بیان کی۔ آخر میں اس نے ترجمان سے کہا: اس سے کہو: اگر تمھاری باتیں مبنی برحقیقت ہیں تو وہ شخص اس ملک کا سربراہ ہوگا جو اس وقت میرے قدموں کے نیچے ہے۔

فوائد ومسائل: ① ہرقل اگرچہ کافر تھا لیکن پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں اور ان کے حالات سے خوب واقف تھا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلی شریعتوں میں بھی یہی ہے کہ شاہی دربار میں ایک ترجمان ہوتا تھا جو غیر ملکی لوگوں کی ترجمانی کر کے بادشاہ کو بتاتا تھا۔ ② بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ ترجمانی کے لیے ایک ہی مترجم کافی ہے، دو مترجمین کی شرط لگانا محض تکلف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حدیث کے راوی ہیں۔ اگر یہ موقف غلط ہوتا تو کم از کم وہ اس کی ضرور اصلاح کرتے۔ ان کا خاموش رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ترجمانی کے لیے ایک ہی مترجم کافی ہے۔

(٤١) بَابُ مُحَاسَبَةِ الْإِمَامِ عُمَّالَهُ

٧١٩٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اسْتَعْمَلَ ابْنَ اللُّتْبِيَّةِ عَلَى صَدَقَاتِ بَنِي سُلَيْمٍ، فَلَمَّا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَحَاسَبَهُ قَالَ: هٰذَا الَّذِي لَكُمْ وَهٰذِهِ هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَهَلَّا جَلَسْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَبَيْتِ أُمِّكَ حَتّٰى تَأْتِيَكَ هَدِيَّتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا؟» ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَخَطَبَ النَّاسَ وَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّي أَسْتَعْمِلُ رِجَالًا مِّنْكُمْ عَلٰى أُمُورٍ مِّمَّا وَلَّانِيَ اللهُ، فَيَأْتِي أَحَدُكُمْ فَيَقُولُ: هٰذَا لَكُمْ، وَهٰذِهِ هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي، فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَبَيْتِ أُمِّهِ حَتّٰى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ إِنْ كَانَ صَادِقًا؟ فَوَاللهِ! لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مِنْهَا شَيْئًا - قَالَ هِشَامٌ: بِغَيْرِ حَقِّهِ - إِلَّا جَاءَ اللهَ يَحْمِلُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، أَلَا فَلَأَعْرِفَنَّ مَا جَاءَ اللهَ رَجُلٌ بِبَعِيرٍ لَّهُ رُغَاءٌ أَوْ بِبَقَرَةٍ لَّهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةٍ تَيْعَرُ - ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ - أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟» [راجع: ٩٢٥]

باب: 41- حاکم وقت کا اپنے عاملوں سے حساب لینا

[7197] حضرت ابوحمید ساعدی ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ابن لتبیہ کو بنو سلیم سے صدقات وصول کرنے پر مقرر کیا۔ جب وہ (صدقات وصول کر کے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے حساب طلب فرمایا۔ اس نے کہا: یہ تو آپ حضرات کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پھر تو اپنے ماں باپ کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا، اگر تو سچا ہے تو وہاں بھی نذرانے آتے رہتے؟“ اس کے بعد آپ اٹھے اور لوگوں سے خطاب فرمایا۔ آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا: ”امابعد! میں تم میں سے کچھ لوگوں کو ان امور پر عامل بناتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سونپے ہیں، پھر تم میں سے ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے: یہ تمھارا مال ہے اور یہ مجھے نذرانہ دیا گیا ہے۔ اگر وہ شخص سچا ہے تو اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا حتی کہ اس کے پاس نذرانے آئیں؟ اللہ کی قسم! تم میں سے اگر کوئی اس مال میں سے کوئی چیز لے گا...... ہشام کے یہ الفاظ ہیں: حق کے بغیر رکھے گا...... تو قیامت کے دن اسے اٹھا کر اللہ کے حضور پیش ہوگا۔ خبردار! جو وہ اللہ کے پاس لائے گا میں اسے پہچان لوں گا۔ وہ اونٹ لے کر آئے گا جو بلبلاتا ہوگا یا گائے ہوگی جو ڈکارتی ہوگی یا بکری ممیاتی ہوگی۔“ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے حتی کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی اور فرمایا: ”خبردار! کیا میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا ہے؟“

فوائد ومسائل: ① حاکم وقت کو چاہیے کہ وہ اپنے افسران کو سخت ہدایات جاری کرے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب

حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن بھیجا تو فرمایا: ''وہاں سے جو کچھ بھی تم میری اجازت کے بغیر لو گے وہ خیانت شمار ہوگا۔''[1] پھر ان کی کڑی نگرانی کرے اور محاسبہ کرتا رہے، چنانچہ ابن لُتبیہ جب بہت سا مال لے کر آیا تو آپ ﷺ نے حساب کے لیے اپنے کارندے بھیجے۔ اس نے پہلے سے ہی مال کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور کہنے لگا: یہ تمھارا مال ہے اور یہ میرے نذرانے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس معاملے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے اس بات کا سخت نوٹس لیا اور بددیانتی پر باز پرس فرمائی۔ ③ بہرحال جس حکومت کے افسران بددیانت ہوں گے اس کا ضرور ایک نہ ایک دن بیڑا غرق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رشوت لینے والے بددیانت اور خائن افسران سے محفوظ رکھے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

(٤٢) بَابُ بِطَانَةِ الْإِمَامِ وَأَهْلِ مَشُورَتِهِ

باب: 42- حاکم وقت کے راز داں اور مشیر خاص

اَلْبِطَانَةُ: اَلدُّخَلَاءُ.

بطانۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اندرونی اسرار و رموز سے مطلع ہوں۔

٧١٩٨ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا بَعَثَ اللهُ مِنْ نَبِيٍّ وَلَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِيفَةٍ إِلَّا كَانَتْ لَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ وَبِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ، فَالْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَ اللهُ تَعَالَى». وَقَالَ سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيَى: أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ بِهٰذَا. وَعَنِ ابْنِ أَبِي عَتِيقٍ وَمُوسَى، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ مِثْلَهُ.

[7198] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا اور نہ کسی کو خلیفہ بنایا مگر اس کے دو راز داں ہوتے ہیں: ایک اسے نیکی کے لیے کہتا اور اس پر ابھارتا ہے اور دوسرا اسے برائی کے لیے کہتا اور اس کی ترغیب دیتا ہے اور معصوم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔'' سلیمان نے یحییٰ سے روایت کرتے ہوئے کہا: مجھے ابن شہاب نے یہ حدیث سنائی۔ ابن ابو عتیق اور موسیٰ بن عقبہ نے بھی ابن شہاب سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

وَقَالَ شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَوْلَهُ.

شعیب نے زہری سے، انھوں نے ابو سلمہ سے، انھوں نے حضرت ابو سعید ؓ سے ان کا قول بیان کیا۔

وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامٍ: حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

امام اوزاعی اور معاویہ بن سلام نے کہا: انھیں زہری نے ابو سلمہ سے، انھوں نے ابو ہریرہ ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث بیان کی۔

---

[1] جامع الترمذي، الأحكام، حديث: 1335.

وَقَالَ ابْنُ أَبِي حُسَيْنٍ وَسَعِيدُ بْنُ زِيَادٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَوْلَهُ.

ابن ابوحسین اور سعید بن زیاد نے کہا: انھوں نے ابوسلمہ سے، انھوں نے ابوسعید سے ان کا قول نقل کیا ہے۔

وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي جَعْفَرٍ: حَدَّثَنِي صَفْوَانُ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ. [راجع: ٦٦١١]

عبیداللہ بن ابوجعفر نے کہا: مجھے صفوان نے ابوسلمہ سے بیان کیا، انھوں نے حضرت ابوایوب ؓ سے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء ؑ کو بھی شیاطین راہ راست سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے مگر یہ حضرات ان کے دھوکے اور فریب میں نہیں آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس کی چالوں سے محفوظ رکھتا ہے، البتہ انبیاء ؑ کے علاوہ دوسرے ملوک وسلاطین کو شیطان گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور وہ اس کے بہکاوے میں آ کر بُرے کاموں میں دلچسپی لینا شروع کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''میرے ساتھ بھی شیطان لگا ہوا ہے مگر میرا شیطان مسلمان ہو چکا ہے اور مجھے اچھے کام کا مشورہ دیتا ہے۔''[1] ② حاکم وقت کو چاہیے کہ بااعتماد، قابل اعتبار، سمجھ دار، ذہین اور زیرک مشیر رکھے تاکہ امور مملکت چلانے میں دشواری اور مشکل نہ ہو۔ حکومت کے حالات اس وقت خراب ہوتے ہیں جب اس کے معاملات برے مشیروں کے حوالے ہو جاتے ہیں جو حاکم وقت کو غلط مشورے دیتے ہیں۔[2]

(٤٣) بَابٌ: كَيْفَ يُبَايِعُ الْإِمَامُ النَّاسَ؟

باب: 43- حاکم وقت لوگوں سے کس طرح اور کن باتوں کی بیعت لے؟

وضاحت: بیعت کی کیفیت سے مراد زبان سے ادائیگی ہے، یعنی سمع واطاعت، یعنی حاکم وقت کی بات اور حکم ماننے پر بیعت کرنا، جہاد پر بیعت کرنا، نیز صبر وہمت سے ڈٹ جانے پر اور راہ فرار اختیار نہ کرنے کی بیعت کرنا، اسلام پر قائم رہنے کی بیعت کرنا۔ اسی طرح عورتوں سے بیعت بھی صرف گفتگو سے لی جائے، ان سے مصافحہ وغیرہ نہ کیا جائے۔[3]

٧١٩٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَادَةُ بْنُ الْوَلِيدِ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ. [راجع: ١٨]

[7199] حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے خوشی اور ناخوشی دونوں حالتوں میں آپ کی بات سننے اور اسے ماننے پر بیعت کی۔

٧٢٠٠ - وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، وَأَنْ

[7200] اور اس شرط پر بیعت کی کہ جو شخص حکومت کے

1. صحیح مسلم، صفات المنافقین، حدیث: 7108 (2814). 2. فتح الباري: 235/13. 3. فتح الباري: 239/13.

نَقُومَ، أَوْ نَقُولَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ. [راجع: ٧٠٥٦]

لائق ہوگا، اس کی سرداری قبول کریں گے اور اس سے جھگڑا نہیں کریں گے اور ہم جہاں بھی ہوں حق کہیں گے اور اللہ کے راستے میں کسی ملامت گر کی ملامت کو خاطر میں نہیں لائیں گے۔

فائدہ: حدیث میں عقبۂ ثانیہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس وقت قبیلۂ اوس اور خزرج کے تہتر آدمیوں اور دو عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے سمع واطاعت پر بیعت کی تھی، یعنی ہر حال میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دیں گے، خواہ ہمیں کتنی ہی مشکلات اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے۔ ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ سے جو عہد و پیمان کیا اسے پورا کر دکھایا...... رضی اللہ عنہم......

٧٢٠١ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا خَالِدُ ابْنُ الْحَارِثِ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فِي غَدَاةٍ بَارِدَةٍ، وَالْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ يَحْفِرُونَ الْخَنْدَقَ. فَقَالَ:

[7201] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ سخت سردی میں صبح کے وقت باہر نکلے جب کہ مہاجرین اور انصار خندق کھود رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْآخِرَهْ
فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ»

''اے اللہ! یقیناً خیر تو آخرت ہی کی خیر ہے، اس لیے تو انصار و مہاجرین کو بخش دے۔''

فَأَجَابُوا:

اس کا جواب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان الفاظ میں دیا:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدَا

[راجع: ٢٨٣٤]

''ہم وہ ہیں جنھوں نے حضرت محمد ﷺ سے ہمیشہ کے لیے جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ رہیں گے۔''

٧٢٠٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا إِذَا بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُولُ لَنَا: «فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ».

[7202] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب ہم رسول اللہ ﷺ سے سمع واطاعت کی بیعت کرتے تو آپ ہم سے فرماتے: ''جتنی تمھیں طاقت ہو''، یعنی اپنی ہمت کے مطابق اسے بجا لائیں گے۔

فائدہ: حاکم وقت سے سمع وطاعت پر بیعت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ایسی بات کا حکم دے جو ہماری طبیعت یا ذاتی رائے کے خلاف ہو تو اپنی ذاتی طبیعت کے رجحان اور ذاتی رائے کو نظر انداز کر کے اپنی ہمت کے مطابق اس کی بات کو مانا

جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو قدم قدم پر اختلاف وانتشار ہوگا جو حکومت کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ ہاں اگر اس کی بات شریعت کے خلاف ہو تو پھر اس کی بات ماننا ضروری نہیں کیونکہ شریعت کا حکم مقدم اور سب سے بالا ہے۔

٧٢٠٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: شَهِدْتُ ابْنَ عُمَرَ حَيْثُ اجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَى عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ: كَتَبَ: إِنِّي أُقِرُّ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِعَبْدِ اللهِ عَبْدِ الْمَلِكِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى سُنَّةِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ مَا اسْتَطَعْتُ، وَإِنَّ بَنِيَّ قَدْ أَقَرُّوا بِمِثْلِ ذٰلِكَ. [انظر: ٧٢٠٥، ٧٢٧٢]

[7203] حضرت عبداللہ بن دینار سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب عبدالملک بن مروان کی بیعت پر لوگوں کا اتفاق ہوا تو میں اس وقت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا، انھوں نے لکھا: میں اپنی ہمت کے مطابق، اللہ کے دین اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے موافق اللہ کے بندے امیر المومنین عبدالملک کی سمع و طاعت کا اقرار کرتا ہوں۔ میرے بیٹے بھی اسی طرح کا اقرار کرتے ہیں۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تمام لوگوں کا عبدالملک بن مروان کی حکومت پر اتفاق ہو گیا، اور تمام لوگوں نے ان کی بیعت کر لی۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹوں سمیت ان کی بیعت کر لی۔ ان کے بیٹوں کی تفصیل حسب ذیل ہے: * عبداللہ، ابوبکر، ابو عبیدہ، بلال اور عمر۔ یہ بیٹے صفیہ بنت ابو عبید کے بطن سے تھے۔ * سالم، عبیداللہ اور حمزہ یہ تینوں ان کی لونڈی سے پیدا ہوئے۔ * زید کی والدہ بھی لونڈی تھی اور عبدالرحمٰن، علقمہ بنت ناقس سے پیدا ہوئے تھے۔ بہرحال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹوں سمیت عبدالملک بن مروان کی بیعت کر لی تھی، جبکہ فتنے اور انتشار کے وقت آپ نے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

٧٢٠٤ - حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَرِيرِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: بَايَعْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فَلَقَّنَنِي: «فِيمَا اسْتَطَعْتُ» وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ. [راجع: ٥٧]

[7204] حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سننے اور بات ماننے کی بیعت کی تو آپ نے مجھے تلقین کی: ”جتنی مجھ میں ہمت ہو گی، نیز ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کروں گا۔“

فائدہ: پہلے میں نے اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سننے اور ان پر عمل کرنے کی بیعت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ پر شفقت کرتے ہوئے اس بیعت کے ساتھ یہ الفاظ کہنے کی تلقین فرمائی کہ ہم امراء کے احکام و اوامر پر اپنی طاقت کے مطابق عمل کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی کسی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ رسول اللہ ﷺ نے کمال شفقت اور امت سے ہمدردی کے پیش نظر ایسا فرمایا۔

٧٢٠٥ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا يَحْيَى

[7205] حضرت عبداللہ بن دینار سے روایت ہے،

عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: لَمَّا بَايَعَ النَّاسُ عَبْدَ الْمَلِكِ كَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: إِلَى عَبْدِ اللهِ عَبْدِ الْمَلِكِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، إِنِّي أُقِرُّ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِعَبْدِ اللهِ عَبْدِ الْمَلِكِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى سُنَّةِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ فِيمَا اسْتَطَعْتُ، وَإِنَّ بَنِيَّ قَدْ أَقَرُّوا بِذٰلِكَ. [راجع: ٧٢٠٣]

انھوں نے کہا: لوگوں نے عبدالملک کی بیعت کی تو حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے انھیں لکھا: اللہ کے بندے امیر المومنین عبدالملک کے نام، میں اللہ کے بندے امیر المومنین عبدالملک کی بات سننے اور ماننے کا اقرار کرتا ہوں۔ یہ اقرار اللہ کے دین اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق ہوگا اور جتنی مجھ میں طاقت ہوگی اور میرے بیٹے بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔

فائدہ: عبدالملک کی حکومت سے پہلے اختلاف و انتشار تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے یزید بن معاویہ کی بھی بیعت کی تھی۔ طوائف الملوکی کے دور میں انھوں نے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ جب عبدالملک کی حکومت پر تمام لوگوں کا اتفاق ہو گیا تو انھوں نے بھی عبدالملک بن مروان کو اپنی ''سمع و طاعت'' کے متعلق خط لکھ دیا۔

٧٢٠٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ يَزِيدَ قَالَ: قُلْتُ لِسَلَمَةَ: عَلَى أَيِّ شَيْءٍ بَايَعْتُمُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ؟ قَالَ: عَلَى الْمَوْتِ. [راجع: ٢٩٦٠]

[7206] حضرت یزید بن ابو عبیدہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے پوچھا: تم نے حدیبیہ کے دن نبی ﷺ سے کس بات پر بیعت کی تھی؟ انھوں نے فرمایا: موت پر بیعت کی تھی۔

فائدہ: یزید بن ابو عبیدہ، حضرت سلمہ بن اکوع ؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انھوں نے حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے دریافت کیا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کس بات پر کی تھی؟ اس سوال کا پس منظر یہ تھا کہ انھوں نے حدیبیہ کے دن دو دفعہ بیعت کی تھی جس کی وجہ سے یزید بن ابو عبیدہ کو تجسس پیدا ہوا تو انھوں نے یہ سوال کیا۔ انھوں نے فرمایا: ہماری بیعت یہ تھی کہ ہم جنگ سے نہیں بھاگیں گے اگرچہ میدان میں موت آ جائے۔[1]

٧٢٠٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْمَاءَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَنَّ حُمَيْدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ الرَّهْطَ الَّذِينَ وَلَّاهُمْ عُمَرُ اجْتَمَعُوا فَتَشَاوَرُوا، فَقَالَ لَهُمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: لَسْتُ بِالَّذِي أُنَافِسُكُمْ عَنْ هٰذَا الْأَمْرِ، وَلٰكِنَّكُمْ

[7207] حضرت مسور بن مخرمہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: وہ لوگ جنھیں حضرت عمر ؓ نے خلیفہ مقرر کرنے کا اختیار دیا تھا وہ جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا۔ ان سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے کہا: میں خلافت کے سلسلے میں آپ لوگوں سے مقابلہ نہیں کروں گا لیکن اگر تم چاہتے ہو تو تم ہی میں سے کسی کو تمھارے لیے خلیفہ مقرر

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2960.

إِنْ شِئْتُمُ اخْتَرْتُ لَكُمْ مِنْكُمْ، فَجَعَلُوا ذٰلِكَ إِلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، فَلَمَّا وَلَّوْا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ أَمْرَهُمْ، فَمَالَ النَّاسُ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَتّٰى مَا أَرٰى أَحَدًا مِّنَ النَّاسِ يَتْبَعُ أُولٰئِكَ الرَّهْطَ وَلَا يَطَأُ عَقِبَهُ، وَمَالَ النَّاسُ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يُشَاوِرُونَهُ تِلْكَ اللَّيَالِيَ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الَّتِي أَصْبَحْنَا مِنْهَا فَبَايَعْنَا عُثْمَانَ، قَالَ الْمِسْوَرُ: طَرَقَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بَعْدَ هَجْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ فَضَرَبَ الْبَابَ حَتّٰى اسْتَيْقَظْتُ فَقَالَ: أَرَاكَ نَائِمًا، فَوَاللّٰهِ مَا اكْتَحَلْتُ هٰذِهِ الثَّلَاثَ بِكَثِيرِ نَوْمٍ، انْطَلِقْ فَادْعُ الزُّبَيْرَ وَسَعْدًا فَدَعَوْتُهُمَا لَهُ فَشَاوَرَهُمَا ثُمَّ دَعَانِي فَقَالَ: ادْعُ لِي عَلِيًّا فَدَعَوْتُهُ فَنَاجَاهُ حَتّٰى ابْهَارَّ اللَّيْلُ، ثُمَّ قَامَ عَلِيٌّ مِّنْ عِنْدِهِ وَهُوَ عَلٰى طَمَعٍ، وَقَدْ كَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ يَخْشٰى مِنْ عَلِيٍّ شَيْئًا، ثُمَّ قَالَ: ادْعُ لِي عُثْمَانَ فَدَعَوْتُهُ فَنَاجَاهُ حَتّٰى فَرَّقَ بَيْنَهُمَا الْمُؤَذِّنُ بِالصُّبْحِ، فَلَمَّا صَلّٰى لِلنَّاسِ الصُّبْحَ وَاجْتَمَعَ أُولٰئِكَ الرَّهْطُ عِنْدَ الْمِنْبَرِ، فَأَرْسَلَ إِلٰى مَنْ كَانَ حَاضِرًا مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ، وَأَرْسَلَ إِلٰى أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ - وَكَانُوا وَافَوْا تِلْكَ الْحَجَّةَ مَعَ عُمَرَ - فَلَمَّا اجْتَمَعُوا تَشَهَّدَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ! يَا عَلِيُّ إِنِّي قَدْ نَظَرْتُ فِي أَمْرِ النَّاسِ فَلَمْ أَرَهُمْ يَعْدِلُونَ بِعُثْمَانَ، فَلَا تَجْعَلَنَّ عَلٰى نَفْسِكَ سَبِيلًا. فَقَالَ: أُبَايِعُكَ عَلٰى سُنَّةِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالْخَلِيفَتَيْنِ مِنْ بَعْدِهِ، فَبَايَعَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ،

کر دوں، چنانچہ سب نے خلافت کا معاملہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کے سپرد کر دیا۔ جب انھوں نے انتخاب کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی تو سب لوگ ان کی طرف مائل ہو گئے یہاں تک کہ میں نے کسی کو نہ دیکھا جو باقی حضرات کا پیچھا کرتا ہو یا ان کی ایڑی روندتا ہو۔ تمام لوگوں کا میلان حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کی طرف ہو گیا اور وہ انھیں ان راتوں میں مشورہ دیتے رہے حتی کہ جب وہ رات آ گئی جس کی صبح ہم نے حضرت عثمان ؓ سے بیعت کی۔ حضرت مسور ؓ نے بیان کیا کہ کچھ رات گزر جانے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے زور سے میرا دروازہ کھٹکھٹایا حتی کہ میں بیدار ہو گیا۔ انھوں نے کہا: میرا خیال ہے آپ سو رہے تھے۔ اللہ کی قسم! میں ان راتوں میں بہت کم سو سکا ہوں، آپ ابھی جائیں۔ حضرت زبیر اور حضرت سعد ؓ کو بلا لائیں۔ میں ان دونوں بزرگوں کو بلا لایا تو انھوں نے ان دونوں سے مشورہ کیا۔ مجھے پھر بلایا اور فرمایا: حضرت علی ؓ کو بلا لاؤ، میں گیا اور انھیں بلا لایا تو آپ ان کے ساتھ مشورہ کرتے رہے حتی کہ آدھی رات گزر گئی۔ پھر حضرت علی اس حالت میں اٹھ کر گئے کہ وہ خلافت کے خواہشمند تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن ؓ کے دل میں ان کے متعلق کچھ کھٹک بھی تھی۔ پھر انھوں نے کہا: حضرت عثمان ؓ کو بلا لاؤ، میں انھیں بلا لایا تو آپ ان سے سرگوشی کرتے رہے حتی کہ مؤذن نے صبح کی اذان دے دی اور دونوں جدا جدا ہو گئے۔ جب لوگوں نے صبح کی نماز ادا کی اور وہ منبر کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے وہاں موجود انصار و مہاجرین اور لشکروں کے قائدین کو بلایا۔ ان سب حضرات نے امسال حضرت عمر ؓ کے ساتھ حج کیا تھا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے خطبہ پڑھا اور

وَبَايَعَهُ النَّاسُ: اَلْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ، وَأُمَرَاءُ الْأَجْنَادِ وَالْمُسْلِمُونَ. [راجع: ١٣٩٢]

فرمایا: امابعد! اے علی! میں نے لوگوں کے خیالات معلوم کیے ہیں، میں نے دیکھا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم سمجھتے ہیں اور ان کے برابر کسی کو خیال میں نہیں لاتے، اس لیے آپ اپنے دل میں کوئی میل پیدا نہ کریں۔ پھر فرمایا: اے عثمان! میں اللہ کے دین، رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کے دو خلفاء کے طریق کے مطابق آپ کی بیعت کرتا ہوں، چنانچہ پہلے ان سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، پھر سب لوگوں، یعنی مہاجرین و انصار، فوجوں کے قائدین اور دیگر اہل اسلام نے بیعت کی۔

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم پر مشتمل شوریٰ تشکیل دی اور فرمایا: اگر میری موت جلد واقع ہو جائے تو یہ حضرات جن سے رسول اللہ ﷺ آخری وقت تک راضی رہے، خلیفے کا انتخاب کریں۔ مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھی ملکی امور کو سمجھنے اور سیاست کرنے میں ان کے ہم پلہ نہ تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی تحریک پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو خلافت کے سلسلے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اب معاملہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں میں سے ایک کے انتخاب کا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے دن رات بھاگ دوڑ اور محنت کی اور آپ اس نتیجے پر پہنچے کہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے برابر کسی دوسرے کو نہیں سمجھتے، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے طویل سرگوشی کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امید اور توقع تھی کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے گی لیکن لوگوں کے اتفاق نے انھیں مجبور کیا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کریں۔ اس موقع پر لشکروں کے سپہ سالار موجود تھے۔ ان میں شام کے امیر حضرت معاویہ، حمص کے امیر حضرت عمیر بن سعد، کوفے کے امیر حضرت مغیرہ بن شعبہ، بصرے کے امیر حضرت ابوموسیٰ اشعری اور مصر کے امیر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم قابل ذکر ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر سب لوگ متفق تھے۔ رضی اللہ عنہم

(٤٤) بَابُ مَنْ بَايَعَ مَرَّتَيْنِ

باب: 44- جس نے دو مرتبہ بیعت کی

وضاحت: بیعت، اس عہد و پیمان کا نام ہے جس کی رو سے بیعت کرنے والا اپنی جان اور اپنا مال دین اسلام کی سربلندی کے لیے قربان کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اسلام لانے کے بعد یہ عہد ایک سے زیادہ بار بھی دہرایا جا سکتا ہے۔ اس عنوان میں تجدید عہد کو بیان کیا گیا ہے۔

٧٢٠٨ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي

[7208] حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ قَالَ: بَايَعْنَا النَّبِيَّ ﷺ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَقَالَ لِي: «يَا سَلَمَةُ! أَلَا تُبَايِعُ؟» قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! قَدْ بَايَعْتُ فِي الْأَوَّلِ، قَالَ: «وَفِي الثَّانِي». [راجع: ٢٩٦٠]

انھوں نے کہا: ہم نے درخت کے نیچے نبی ﷺ کی بیعت کی۔ آپ نے مجھے فرمایا: ''اے سلمہ! کیا تم بیعت نہیں کرو گے؟'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے پہلے بیعت کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''دوسری مرتبہ بھی کرلو۔''

فائدہ: دوبارہ بیعت کرنے کا مطلب تجدید عہد ہے جسے جس قدر مضبوط کیا جائے بہتر ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع ؓ بڑے بہادر، تیرانداز اور دوڑ میں بے نظیر تھے۔ ان کے مرتبے اور فضیلت کو ظاہر کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ان سے دو مرتبہ بیعت لی اور اس میں اشارہ تھا کہ وہ آئندہ جنگوں میں دو آدمیوں کے قائم مقام ہوں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک مرتبہ پیدل اور سوار کا حصہ دیا تھا۔[1]

(٤٥) بَابُ بَيْعَةِ الْأَعْرَابِ

باب: 45- دیہاتیوں کا بیعت کرنا

وضاحت: اعراب سے مراد وہ لوگ ہیں جو دیہاتوں میں رہائش پذیر ہوں۔ صرف ضروری کام کے لیے شہروں کا رخ کرتے ہوں۔ اپنا کام کر کے واپس دیہات میں چلے جاتے ہوں۔ ان سے اسلام اور جہاد میں ثابت قدمی کی بیعت ہوتی تھی۔

٧٢٠٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى الْإِسْلَامِ فَأَصَابَهُ وَعْكٌ فَقَالَ: أَقِلْنِي بَيْعَتِي، فَأَبَى، ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ: أَقِلْنِي بَيْعَتِي، فَأَبَى، فَخَرَجَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا، وَتَنْصَعُ طَيِّبَهَا». [راجع: ١٨٨٣]

[7209] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی، پھر اسے بخار ہو گیا تو اس نے کہا: میری بیعت مجھے واپس کر دیں، یعنی فسخ کر دیں۔ آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ وہ پھر آیا اور کہا: میری بیعت مجھے واپس کر دیں۔ آپ ﷺ نے اس مرتبہ بھی انکار کر دیا۔ آخر وہ خود ہی (مدینہ طیبہ سے) چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ طیبہ بھٹی کی طرح ہے، یہ میل کچیل دور کر دیتا ہے اور خالص کو رکھ لیتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کے لیے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا اور اس میں رہائش رکھنا ضروری تھا اور ہجرت کے بعد یہاں سے جانا گناہ اور نافرمانی شمار ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس اعرابی کو بیعت توڑنے کی اجازت نہ دی کیونکہ ایسا کرنے سے گناہ اور نافرمانی پر اس کا تعاون کرنا تھا۔ ② مدینہ طیبہ کے متعلق جو وعید آئی ہے وہ اس شخص کے لیے ہے جو بے رغبتی کرتے ہوئے یہاں سے خروج کرے، البتہ کسی عظیم مقصد کے لیے مدینے سے باہر جا کر رہائش پذیر ہونا جائز ہے جیسا کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابۂ کرام ؓ دین اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے مدینہ طیبہ سے نکل کر دوسرے ملکوں میں پھیل

[1] فتح الباري: 13/248.

گئے۔ وہ یقیناً اس وعید کی زد میں نہیں آتے۔ [1]

(٤٦) بَابُ بَيْعَةِ الصَّغِيرِ

٧٢١٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو عَقِيلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ هِشَامٍ وَكَانَ قَدْ أَدْرَكَ النَّبِيَّ ﷺ، وَذَهَبَتْ بِهِ أُمُّهُ زَيْنَبُ ابْنَةُ حُمَيْدٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! بَايِعْهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هُوَ صَغِيرٌ» فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَدَعَا لَهُ، وَكَانَ يُضَحِّي بِالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ عَنْ جَمِيعِ أَهْلِهِ.

[راجع: ٢٥٠١]

باب: 46- نابالغ بچے کا بیعت کرنا

[7210] حضرت عبداللہ بن ہشام ؓ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا تھا، ان کی والدہ حضرت زینب بنت حمید ؓ انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں اور عرض کی: اللہ کے رسول! آپ اس سے بیعت لے لیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ ابھی کمسن ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے لیے دعا فرمائی۔ وہ اپنے تمام اہل خانہ کی طرف سے ایک ہی بکری ذبح کرتے تھے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کے لیے بیعت کرنا ضروری نہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ہشام ؓ کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ ابھی کمسن ہے لیکن آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ اس کی برکت سے وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد صحت و سلامتی کے ساتھ بہت دیر تک زندہ رہے۔ [2] البتہ بچے اپنے والد کے ہمراہ بیعت کر سکتے ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے اپنے والد گرامی کے ہمراہ آٹھ سال کی عمر میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔ [3]

(٤٧) بَابُ مَنْ بَايَعَ ثُمَّ اسْتَقَالَ الْبَيْعَةَ

٧٢١١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُولَ اللهِ عَلَى الْإِسْلَامِ، فَأَصَابَ الْأَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِينَةِ، فَأَتَى الْأَعْرَابِيُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَقِلْنِي بَيْعَتِي، فَأَبَى رَسُولُ اللهِ ﷺ

باب: 47- بیعت کرنے کے بعد اس کے ختم کرنے کا مطالبہ کرنا

[7211] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام پر قائم رہنے کی بیعت کی۔ پھر اسے مدینہ طیبہ میں سخت بخار آ گیا تو وہ دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اللہ کے رسول! میری بیعت ختم کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انکار کر دیا۔ وہ پھر آیا اور کہنے لگا: میری بیعت واپس لے

1 فتح الباري: 247/13. 2 فتح الباري: 248/13. 3 عمدة القاري: 457/16.

ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ: أَقِلْنِي بَيْعَتِي، فَأَبَى، ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ: أَقِلْنِي بَيْعَتِي فَأَبَى فَخَرَجَ الْأَعْرَابِيُّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّمَا الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا وَتَنْصَعُ طَيِّبُهَا». [راجع: ١٨٨٣]

لیں۔ آپ ﷺ نے اس مرتبہ بھی انکار کر دیا۔ پھر وہ آخر خود باہر نکل گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ بھٹی کی مانند ہے، میل کچیل کو دور کر دیتا ہے اور خالص مال کو رکھ لیتا ہے۔''

فائدہ: اسلام پر بیعت کر کے اسے واپس لینے کا مطالبہ کرنا گویا اسلام سے پھر جانا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس اعرابی کا مطالبہ تسلیم نہ کیا۔ اس کی تفصیل حدیث: 7209 کے تحت گزر چکی ہے۔

(٤٨) بَابُ مَنْ بَايَعَ رَجُلًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِلدُّنْيَا

باب: 43- جو کسی کی بیعت صرف دنیا کے لیے کرتا ہے

٧٢١٢ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ بِالطَّرِيقِ يَمْنَعُ مِنْهُ ابْنَ السَّبِيلِ، وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَاهُ، إِنْ أَعْطَاهُ مَا يُرِيدُ وَفَى لَهُ، وَإِلَّا لَمْ يَفِ لَهُ، وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ، فَحَلَفَ بِاللهِ لَقَدْ أُعْطِيَ بِهَا كَذَا وَكَذَا فَصَدَّقَهُ فَأَخَذَهَا وَلَمْ يُعْطَ بِهَا». [راجع: ٢٣٥٨]

[7212] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمی ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔ ایک وہ شخص جس کے پاس راستے میں زیادہ پانی ہو، اس سے مسافروں کو منع کرتا ہے۔ دوسرا وہ جو امام سے صرف دنیا کے لیے بیعت کرتا ہے، اگر وہ اسے کچھ دے تو وفاداری کرتا ہے اگر نہ دے تو بیعت توڑ دیتا ہے۔ تیسرا وہ شخص جو عصر کے بعد سامان فروخت کرتا ہے اور اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہے کہ اسے اس سامان کی اتنی اتنی رقم مل رہی تھی، خریدار اسے سچا سمجھ کر اس سے مال خرید لیتا ہے، حالانکہ اسے اس کی اتنی رقم نہیں مل رہی تھی۔''

فوائد ومسائل: ﴿1﴾ امام وقت سے اسلام کی سربلندی کے لیے بیعت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی خاطر کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا، لیکن جو انسان امام سے دنیا حاصل کرنے کے لیے بیعت کرتا ہے وہ گویا امام سے خیانت کرتا ہے اور جو امام سے خیانت کرتا ہے وہ رعایا سے خیانت کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ اس سے فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے، اس بنا پر وہ دین کو اپنی دنیا کے لیے استعمال کرتا ہے۔[1] ﴿2﴾ ایک روایت کے مطابق تین آدمی مزید ہیں جو اس وعید کے حقدار ہیں: ایک بوڑھا

1 فتح الباري: 13/251.

زانی، جھوٹا بادشاہ اور تیسرا مغرور فقیر۔[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا، خیرات کر کے احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال فروخت کرنے والا بھی اس سزا کا حق دار ہے۔[2] بعض روایات میں ہے کہ عصر کے بعد جھوٹی قسم اٹھا کر کسی کا مال ہتھیانے والے کو بھی یہی سزا ملے گی۔[3]

(٤٩) بَابُ بَيْعَةِ النِّسَاءِ

باب:49- عورتوں سے بیعت لینا

رَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس مضمون کو حضرت ابن عباس ؓ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

وضاحت: حضرت ابن عباس ؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کے وقت عورتوں کے پاس آئے اور سورۂ ممتحنہ کی آیتِ بیعت تلاوت کی، پھر فرمایا: ''کیا تم اس کی پابندی کرو گی؟'' ان میں سے ایک عورت نے کہا: ہاں، ہم اس پر پابند رہیں گی۔[4]

٧٢١٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ. وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيُّ: أَنَّهُ سَمِعَ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ يَقُولُ: قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ - وَنَحْنُ فِي مَجْلِسٍ -: «تُبَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ، فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللهُ فَأَمْرُهُ إِلَى اللهِ، إِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ، وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ»، فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذٰلِكَ. [راجع: ١٨]

[7213] حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا جبکہ ہم ایک مجلس میں موجود تھے: ''تم میری اس شرط پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، کسی پر ایسا کوئی بہتان نہیں لگاؤ گے جو تم نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے گھڑا ہوگا اور اچھے کاموں میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ تم میں سے جس کسی نے اس عہد کو پورا کیا اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے اور جس نے ان کاموں میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور اسے دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو یہ اس کے لیے کفارہ ہو گا۔ اور جس نے ان میں سے کوئی برا کام کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے تو اسے سزا دے اور چاہے تو اسے معاف کر دے۔'' چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کی اس شرط پر بیعت کی۔

1- صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 296 (107). 2 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 293 (106). 3 صحيح البخاري، المساقاة، حديث: 2369. 4 صحيح البخاري، العيدين، حديث: 979.

فوائد ومسائل: اس حدیث میں بیعت کے لیے جن شرائط کا ذکر ہے، یہی شرائط سورۂ ممتحنہ میں عورتوں سے بیعت لینے کے لیے ہیں۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ ذکر کر کے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں صراحت کے ساتھ عورتوں سے بیعت لینے کا ذکر ہے۔ وہ آیت یہ ہے: ''اے نبی! جب آپ کے پاس اہل ایمان خواتین بیعت کے لیے آئیں......''[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کے ایک طریق کی طرف اشارہ کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے ہم سے وہی عہد لیا جو عورتوں سے لیا تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کریں گے، چوری نہیں کریں گے اور زنا نہیں کریں گے۔''[2]

٧٢١٤ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ [رَضِيَ اللهُ عَنْهَا] قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُبَايِعُ النِّسَاءَ بِالْكَلَامِ بِهٰذِهِ الْآيَةِ ﴿لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا﴾ قَالَتْ: وَمَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ إِلَّا امْرَأَةً يَمْلِكُهَا. [راجع: ٢٧١٣]

[7214] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ عورتوں سے زبانی طور پر اس آیت کے احکام کی بیعت لیتے تھے: ''وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔'' نیز انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا سوائے اس عورت کے جس کے آپ مالک تھے۔

٧٢١٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ حَفْصَةَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: بَايَعْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَقَرَأَ عَلَيْنَا ﴿أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا﴾ وَنَهَانَا عَنِ النِّيَاحَةِ، فَقَبَضَتِ امْرَأَةٌ مِنَّا يَدَهَا فَقَالَتْ: فُلَانَةُ أَسْعَدَتْنِي وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَجْزِيَهَا، فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا، فَذَهَبَتْ ثُمَّ رَجَعَتْ فَمَا وَفَتِ امْرَأَةٌ إِلَّا أُمُّ سُلَيْمٍ وَأُمُّ الْعَلَاءِ وَابْنَةُ أَبِي سَبْرَةَ امْرَأَةُ مُعَاذٍ، أَوِ ابْنَةُ أَبِي سَبْرَةَ وَامْرَأَةُ مُعَاذٍ. [راجع: ١٣٠٦]

[7215] حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے نبی ﷺ کی بیعت کی تو آپ نے ہم پر یہ آیت پڑھی: ''وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔'' اور آپ نے ہمیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا تو ہم میں سے ایک عورت نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا اور کہا: فلاں عورت نے (نوحہ کرنے میں) میری مدد کی تھی اور میں اسے اس کا بدلہ دینا چاہتی ہوں۔ اس پر آپ ﷺ نے کچھ نہ کہا تو وہ گئی، پھر واپس آئی۔ (میرے ساتھ بیعت کرنے والی عورتوں میں سے) کسی عورت نے اس بیعت کو پورا نہ کیا سوائے ام سلیم، ام علاء، معاذ رضی اللہ عنہ کی بیوی بنت ابوسبرہ یا ابوسبرہ کی بیٹی اور معاذ رضی اللہ عنہ کی بیوی کے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی اجنبی اور غیر محرم عورت کو نہیں چھوا لیکن جب بیعت کے لیے عہد و پیمان لیتے اور وہ اس عہد کی پابندی کر لیتی تو فرماتے: ''جاؤ، میں نے تم سے بیعت کر لی ہے۔''[3]

---

1 الممتحنة 60:12. 2 صحيح مسلم، الحدود، حديث: 4463 (1709). 3 صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 4835 (1866).

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں۔''[1] جس آیت کا حدیث میں ذکر ہے اس کا پورا ترجمہ یہ ہے: ''اے نبی! جب تمھارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی، نہ چوری کریں گی، نہ زنا کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی، اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ کر کسی پر بہتان طرازی نہیں کریں گی اور کسی نیک امر میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت کرلیں اور ان کے لیے اللہ سے معافی مانگیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''[2] حدیث میں ہے کہ حضرت فاطمہ بنت عتبہ ؓ جب رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے آئیں تو آپ ﷺ نے اس سے عہد لیا کہ وہ بدکاری نہیں کریں گی۔ اس نے حیا کرتے ہوئے اپنا ہاتھ سر پر رکھ لیا۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: اللہ کی بندی! بیعت کرلو، اللہ کی قسم! ہم نے اسی بات پر بیعت کی تھی۔ اس نے کہا: تب میں بھی بیعت کرتی ہوں۔[3]

(٥٠) بَابُ مَنْ نَكَثَ بَيْعَةً

باب: 50- جس نے بیعت توڑ ڈالی

وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ﴾ الْآيَةَ. [الفتح: ١٠]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔''

وضاحت: اس آیت کریمہ میں بیعت رضوان کا ذکر ہے جو حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے کی گئی، پھر جد بن قیس ایک منافق کے علاوہ کسی نے اس بیعت کو نہ توڑا۔ وہ منافق اونٹ کی اوٹ میں چھپ گیا اور قوم کے ساتھ جہاد میں نہ گیا۔[4]

٧٢١٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ: سَمِعْتُ جَابِرًا قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: بَايِعْنِي عَلَى الْإِسْلَامِ، فَبَايَعَهُ عَلَى الْإِسْلَامِ، ثُمَّ جَاءَ الْغَدَ مَحْمُومًا فَقَالَ: أَقِلْنِي، فَأَبَى، فَلَمَّا وَلَّى قَالَ: «الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا، وَتَنْصَعُ طَيِّبَهَا». [راجع: ١٨٨٣]

[7216] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دیہاتی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: آپ مجھے اسلام پر بیعت کرلیں، آپ نے اسے اسلام پر بیعت کرلیا۔ دوسرے دن بخار کی حالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: میری بیعت واپس کرلیں۔ آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ جب وہ واپس ہوا تو آپ نے فرمایا: ''مدینہ طیبہ بھٹی کی طرح ہے جو گندگی اور ناپاکی کو دور کر دیتا ہے، خالص اور پاکیزہ کو رکھ لیتا ہے۔''

فائدہ: اس حدیث میں بیعت توڑنے کی سنگینی کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ بیان کرتے ہیں کہ بلاشبہ میں اس سے بڑی غداری اور کوئی خیال نہیں کرتا کہ ایک آدمی اللہ کے نام پر اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر

1 سنن النسائي، البيعة، حديث: 4186. 2 الممتحنة 60:12. 3 مسند أحمد: 151/6. 4 عمدة القاري: 461/16.

بیعت کرتا ہے پھر اس کے خلاف جنگ وقتال پر اتر آتا ہے۔[1]

(٥١) بَابُ الْإِسْتِخْلَافِ

باب: 51- خلیفہ مقرر کرنا

وضاحت: اسلام میں انتخاب امیر کا کوئی خاص طریقہ متعین نہیں ہے۔ حالات کے پیش نظر خلیفہ اپنی موت کے وقت خلافت کے لیے کسی شخص کو نامزد کرسکتا ہے اور ایک جماعت بھی تشکیل دے سکتا ہے جو اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ الغرض دینی مقاصد اور شرعی احکام وحدود کا لحاظ کرتے ہوئے حالات کے مطابق کوئی طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

٧٢١٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: وَارَأْسَاهُ! فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ذَاكِ لَوْ كَانَ وَأَنَا حَيٌّ فَأَسْتَغْفِرُ لَكِ، وَأَدْعُو لَكِ»، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: وَاثُكْلِيَاهُ. وَاللهِ إِنِّي لَأَظُنُّكَ تُحِبُّ مَوْتِي، وَلَوْ كَانَ ذٰلِكَ لَظَلَلْتَ آخِرَ يَوْمِكَ مُعَرِّسًا بِبَعْضِ أَزْوَاجِكَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «بَلْ أَنَا وَارَأْسَاهُ، لَقَدْ هَمَمْتُ - أَوْ أَرَدْتُ - أَنْ أُرْسِلَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَابْنِهِ فَأَعْهَدَ؛ أَنْ يَقُولَ الْقَائِلُونَ، أَوْ يَتَمَنَّى الْمُتَمَنُّونَ، ثُمَّ قُلْتُ: يَأْبَى اللهُ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ، أَوْ يَدْفَعُ اللهُ وَيَأْبَى الْمُؤْمِنُونَ».

[راجع: ٥٦٦٦]

[7217] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے ایک مرتبہ کہا: ہائے سر پھٹا جارہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم مر جاؤ اور میں زندہ رہا تو میں تمھارے لیے مغفرت مانگوں گا اور دعائے خیر کروں گا۔'' حضرت عائشہ ؓ نے کہا: افسوس! آپ تو میری موت کے طالب ہیں اور اگر ایسا ہو گیا تو آپ دن کے آخری حصے میں ضرور کسی دوسری عورت سے شادی کرلیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایسا نہیں بلکہ میں تو اپنے سر درد کا اظہار کرتا ہوں۔ میرا ارادہ ہوا تھا کہ میں ابوبکر اور اس کے بیٹے کو بلاؤں اور انھیں خلیفہ بنا دوں تاکہ کسی دعویٰ کرنے والے یا اس کی خواہش رکھنے والے کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہے لیکن پھر میں نے سوچا کہ اللہ خود کسی دوسرے کی خلافت کا انکار کرے گا اور مسلمان بھی اسے دفع کریں گے..... یا فرمایا..... اللہ دفع کرے گا اور مسلمان کسی اور کو خلیفہ نہیں بننے دیں گے۔''

فائدہ: ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرض وفات میں حضرت عائشہ ؓ سے فرمایا: ''تم اپنے والد اور اپنے بھائی کو بلا لو تاکہ میں خلافت کے متعلق تحریر لکھ دوں۔ اس حدیث کے آخر میں ہے: ''اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کو ابوبکر (ؓ) کے علاوہ کوئی دوسرا خلیفہ منظور نہیں ہوگا۔''[2] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر ؓ کی خلافت ارادۂ الٰہی اور چاہت نبوی کے عین مطابق تھی، اب جو لوگ ایسے پاکباز خلیفہ کو غاصب اور ظالم خیال کرتے ہوں وہ انتہائی خطرناک مقام پر کھڑے

[1] صحيح البخاري، الفتن، حديث: 7111. [2] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث: 6181 (2387).

ہیں، نیز خلافت کے لیے نامزدگی میں کوئی حرج نہیں، حالات اگر اجازت دیں تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔

٧٢١٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا] قَالَ: قِيلَ لِعُمَرَ: أَلَا تَسْتَخْلِفُ؟ قَالَ: إِنْ أَسْتَخْلِفْ فَقَدِ اسْتَخْلَفَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي: أَبُو بَكْرٍ، وَإِنْ أَتْرُكْ فَقَدْ تَرَكَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي: رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَأَثْنَوْا عَلَيْهِ. فَقَالَ: رَاغِبٌ وَرَاهِبٌ وَدِدْتُ أَنِّي نَجَوْتُ مِنْهَا كَفَافًا لَا لِي وَلَا عَلَيَّ، لَا أَتَحَمَّلُهَا حَيًّا وَمَيِّتًا.

[7218] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: آپ کسی کو خلیفہ کیوں نہیں نامزد کر دیتے؟ انھوں نے فرمایا: اگر میں کسی کو خلیفہ نامزد کرتا ہوں تو اس شخص نے خلیفہ نامزد کیا تھا جو مجھ سے بہتر تھے، یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ اور اگر میں اسے مسلمانوں کی رائے پر چھوڑتا ہوں تو اس بزرگ نے اسے مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا جو مجھ سے بہت بہتر تھے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی۔ لوگوں نے اس موقف پر ان کی تعریف کی تو انھوں نے فرمایا: کوئی تو میری دل سے تعریف کرتا ہے اور کوئی ڈرتے ہوئے ایسا کرتا ہے۔ اب میں تو یہی غنیمت سمجھتا ہوں کہ خلافت کی ذمہ داریوں سے برابر برابر نجات پا جاؤں، نہ مجھے اس کا کوئی ثواب ملے اور نہ مجھ سے اس کے متعلق کوئی باز پرس ہی ہو۔ میں نے خلافت کا بوجھ زندگی بھر اٹھایا لیکن مرتے وقت اس بار کو نہیں اٹھاؤں گا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے سلسلے میں انتہائی محتاط طریقہ اختیار فرمایا۔ انھوں نے جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ مسلمانوں کی صوابدید پر اسے چھوڑ دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نامزدگی کی تھی تو انھوں نے ایک ایسا راستہ اختیار کیا جس میں دونوں حضرات کی پیروی تھی۔ کچھ لوگوں کے مشورے پر چھوڑ دیا اور کچھ نامزدگی کر دی۔ انھوں نے چھ آدمیوں کی کمیٹی بنا دی جو اس وقت تمام مسلمانوں سے افضل تھے، پھر ان چھ میں سے کسی کا تعین مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔ ② بہرحال خلافت کے سلسلے میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں حضرات کے طریقے کو اختیار فرمایا...... رضی اللہ عنہ.....

٧٢١٩ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ ابْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سَمِعَ خُطْبَةَ عُمَرَ الْآخِرَةَ حِينَ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَذٰلِكَ الْغَدَ، مِنْ يَوْمٍ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ، فَتَشَهَّدَ وَأَبُو بَكْرٍ

[7219] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عمر کا دوسرا خطبہ سنا جب آپ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ واقعہ نبی ﷺ کی وفات سے دوسرے دن کا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش تھے اور کوئی بات نہ کرتے تھے۔ پھر حضرت عمر نے کہا: مجھے

صَامِتٌ لَا يَتَكَلَّمُ، قَالَ: كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَعِيشَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى يَدْبُرَنَا - يُرِيدُ بِذٰلِكَ أَنْ يَكُونَ آخِرَهُمْ - فَإِنْ يَكُ مُحَمَّدٌ ﷺ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى قَدْ جَعَلَ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ نُورًا تَهْتَدُونَ بِهِ بِمَا هَدَى اللهُ مُحَمَّدًا ﷺ، وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ صَاحِبُ رَسُولِ اللهِ ﷺ ثَانِيَ اثْنَيْنِ فَإِنَّهُ أَوْلَى الْمُسْلِمِينَ بِأُمُورِكُمْ، فَقُومُوا فَبَايِعُوهُ، وَكَانَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ قَدْ بَايَعُوهُ قَبْلَ ذٰلِكَ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ، وَكَانَتْ بَيْعَةُ الْعَامَّةِ عَلَى الْمِنْبَرِ.

امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ زندہ رہیں گے اور ہمارے کاموں کی تدبیر و انتظام کرتے رہیں گے۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ حضرت محمد ﷺ ان سب سے آخر میں وفات پائیں گے۔ اگر محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے سامنے نور (قرآن) کو باقی رکھا ہے جس کے ذریعے سے تم ہدایت حاصل کرتے رہو گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے سے حضرت محمد ﷺ کی رہنمائی فرمائی۔ حضرت ابوبکر ؓ رسول اللہ کے ساتھی اور دو میں سے دوسرے ہیں۔ وہ مسلمانوں میں بہترین شخص ہیں جو تمھارے امور سرانجام دیں، لہٰذا اٹھو اور ان کی بیعت کرو۔ ان میں سے ایک جماعت پہلے ہی سقیفہ بنو ساعدہ میں آپ کی بیعت کر چکی تھی، پھر عام لوگوں نے منبر نبوی پر بیعت کی۔

قَالَ الزُّهْرِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ لِأَبِي بَكْرٍ يَوْمَئِذٍ: اصْعَدِ الْمِنْبَرَ، فَلَمْ يَزَلْ بِهِ حَتَّى صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَبَايَعَهُ النَّاسُ عَامَّةً. [انظر: ٧٢٦٩]

زہری نے حضرت انس ؓ سے بیان کیا، انھوں نے حضرت عمر ؓ سے سنا کہ وہ حضرت ابوبکر ؓ سے اس دن کہہ رہے تھے: آپ منبر پر تشریف لائیں۔ وہ ان سے مسلسل کہتے رہے حتی کہ وہ تشریف لے آئے اور سب لوگوں نے آپ سے بیعت کر لی۔

فوائد و مسائل: ① سقیفہ بنو ساعدہ ایک پنچائت گھر تھا جس میں خاص لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے بیعت کی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمر ؓ نے اجتماع عام میں اعلان کیا کہ حضرت ابوبکر ؓ ہی رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کے لیے موزوں اور مستحق ہیں۔ اس سے انھوں نے حاضرین کو ان سے بیعت کرنے کی ترغیب دلائی، پھر عام لوگوں نے ان کی بیعت کی۔ یہ بیعت ثانیہ تھی جو پہلی بیعت سے عام اور زیادہ مشہور ہے۔ ② باب سے مناسبت یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا: حضرت ابوبکر ؓ ہی تم سب میں خلافت کے زیادہ مستحق اور زیادہ لائق ہیں۔ حافظ ابن حجر ؒ نے ابن التین کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے حضرت ابوبکر ؓ کو منبر پر چڑھنے کے لیے کہا اور اس پر اصرار کیا تاکہ آپ کا سب لوگوں سے تعارف ہو جائے لیکن حضرت ابوبکر ؓ تواضع اور انکسار کی وجہ سے انکار کر رہے تھے۔[1] ③ اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جن کا موقف ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ کی خلافت حضرت عمر ؓ کے زور اور اصرار سے ہوئی اور حضرت ابوبکر ؓ اس کے لائق نہیں

[1] فتح الباري: 258/13.

تھے۔ یہ اس لیے بھی غلط ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو ہزارہا صحابۂ کرام ؓ اس سے کیوں اتفاق کرتے؟ بہرحال حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہی اس وقت خلافت کے سب سے زیادہ حق دار اور مناسب تھے اور اس پر تمام صحابۂ کرام ؓ کا اجماع ہے۔ واللہ المستعان.

٧٢٢٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ امْرَأَةٌ فَكَلَّمَتْهُ فِي شَيْءٍ فَأَمَرَهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ، إِنْ جِئْتُ وَلَمْ أَجِدْكَ؟ - كَأَنَّهَا تُرِيدُ الْمَوْتَ - قَالَ: «إِنْ لَّمْ تَجِدِينِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ». [راجع: ٣٦٥٩]

[7220] حضرت جبیر بن مطعم ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے پاس ایک خاتون آئی اور کسی معاملے کے متعلق آپ سے گفتگو کی۔ آپ ﷺ نے اس سے کہا کہ وہ دوبارہ آئے، اس نے کہا: اللہ کے رسول! اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں؟ اس کا اشارہ آپ کی وفات کی طرف تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس چلی آنا۔“

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خلافت برحق تھی اور رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ آپ کے بعد حضرت ابوبکر ؓ خلیفہ ہوں گے، لیکن اس حدیث میں صراحت نہیں بلکہ واضح اشارہ ہے۔[1] ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک دیہاتی نے بیعت کی اور اس نے پوچھا: اگر آپ کی وفات ہو جائے تو میں کس کے پاس آؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ابوبکر کے پاس آنا۔“ اس نے پوچھا: اگر وہ بھی فوت ہو جائیں تو؟ آپ نے فرمایا: ”پھر حضرت عمر کے پاس چلے آنا۔“ اس سے بھی ترتیب خلافت معلوم ہوتی ہے۔[2]

٧٢٢١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ لِوَفْدِ بُزَاخَةَ: تَتْبَعُونَ أَذْنَابَ الْإِبِلِ حَتَّى يُرِيَ اللهُ خَلِيفَةَ نَبِيِّهِ ﷺ وَالْمُهَاجِرِينَ أَمْرًا يَعْذِرُونَكُمْ بِهِ.

[7221] حضرت طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ نے بزاخہ کے وفد سے فرمایا تھا: تم لوگ اونٹوں کی دموں کے پیچھے پیچھے جنگلوں میں گھومتے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کے خلیفہ اور مہاجرین کو کوئی بات دکھا دے جس کی وجہ سے وہ تمھارا قصور معاف کر دیں۔

فائدہ: قبیلۂ اسد اور غطفان کے بہت سے لوگ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے اور طلحہ بن خویلد اسدی پر ایمان لے آئے جس نے رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ حضرت خالد بن ولید ؓ جب مسیلمہ کذاب کے فتنے سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، آخرکار وہ ان پر غالب آ گئے۔ انھوں نے بے بس اور عاجز ہو کر ایک وفد حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خدمت میں بھیجا، اسی کو ”وفد بزاخہ“ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا: جنگ اختیار کر لو جس کا نتیجہ جلاوطنی ہے یا ذلت کی صلح کر لو۔ انھوں نے کہا: ذلت کی صلح سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہتھیار اور سامان

1 فتح الباري: 407/13. 2 فتح الباري: 31/7.

جنگ ہمارے حوالے کر دو۔ تمھارا لوٹ کا مال مسلمانوں میں تقسیم ہوگا اور دوران جنگ میں جو لوگ مارے گئے ہیں ان کی دیت ادا کرنا ہوگی اور جو تمھارے لوگ مارے گئے انھیں جہنم رسید خیال کرو، پھر بے وطن ہو کر جنگلوں میں اونٹ چراتے رہو حتی کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے خلیفہ اور مہاجرین کو وہ امر دکھائے جس کے باعث وہ تمھیں معذور خیال کریں۔[1]

بَابٌ:

باب:- بلا عنوان

۷۲۲۲، ۷۲۲۳ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «يَكُونُ اثْنَا عَشَرَ أَمِيرًا» - فَقَالَ كَلِمَةً لَمْ أَسْمَعْهَا - فَقَالَ أَبِي: إِنَّهُ قَالَ: «كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ».

[7223,7222] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”میری امت میں بارہ امیر ہوں گے۔“ پھر آپ نے کوئی ایسی بات کہی جو میں نہ سن سکا۔ بعد میں میرے والد گرامی نے بتایا کہ آپ نے فرمایا تھا: ”وہ سب کے سب قریش کے خاندان سے ہوں گے۔“

فوائد ومسائل: ① صحیح بخاری کی یہ روایت انتہائی مختصر ہے کیونکہ اس میں بارہ خلفاء کے اوصاف بیان نہیں ہوئے، صرف یہی ذکر ہوا ہے کہ وہ خاندان قریش سے ہوں گے۔ دیگر روایات سے پتا چلتا ہے کہ ان کے دور امارت میں اسلام خوب پھلے پھولے گا اور اسے غلبہ ہوگا اور اس کے ماننے والوں کی مخالفت ہوگی لیکن انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔[2] اس حدیث میں دو باتیں مزید بیان کی جاتی ہیں جو سند کے اعتبار سے صحیح نہیں: * ان خلفاء پر امت کا اتفاق ہوگا۔ * ان کے بعد قتل و غارت ہوگا جیسا کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے۔[3] ② ان خلفاء کی تعیین کے متعلق بہت اختلاف ہے، اس لیے ہم نے دانستہ اس سے پہلو تہی کی ہے، البتہ شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ ان سے مراد ان کے مزعومہ بارہ امام ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شروع ہو کر محمد بن حسن مہدی پر ختم ہوتے ہیں لیکن یہ اس لیے غلط ہے کہ ان کے دور حکومت میں اسلام کو کوئی شان و شوکت نہیں ملی بلکہ ان میں سے اکثر اپنی جان بچانے کے لیے چھپے رہے۔ ہمارے نزدیک شیعہ کا یہ موقف مبنی بر حقیقت نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

(۵۲) بَابُ إِخْرَاجِ الْخُصُومِ وَأَهْلِ الرِّيَبِ مِنَ الْبُيُوتِ بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ

باب: 52- فسق و فجور اور لڑائی جھگڑا کرنے والوں کو معلوم ہونے کے بعد گھروں سے نکالنا

وَقَدْ أَخْرَجَ عُمَرُ أُخْتَ أَبِي بَكْرٍ حِينَ نَاحَتْ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بہن کو اس وقت گھر سے نکال دیا جب وہ نوحہ کر رہی تھیں۔

وضاحت: جب کوئی شخص جھگڑنے والا اختلاف میں مشہور ہو جائے تو اسے وہاں سے نکال دیا جائے تاکہ اس کے اثرات

1. فتح الباري: 259/13. 2 صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 4708 (1821). 3 سلسلة الأحاديث الصحيحة، رقم: 376.

معاشرے میں سرایت نہ کریں۔ اگر معلوم نہ ہو تو ایسے لوگوں کو تلاش نہیں کرنا چاہیے۔

٧٢٢٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ يُحْتَطَبُ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ».

[7224] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میرا ارادہ ہوا کہ میں ایندھن جمع کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کے لیے اذان دینے کا کہوں، پھر کسی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں (جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے) اور انھیں ان کے گھروں سمیت جلا دوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کسی کو اگر امید ہو کہ وہاں مسجد میں سے موٹی ہڈی یا اچھے پائے ملیں گے تو وہ ضرور عشاء میں بھی حاضر ہو۔“

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: قَالَ يُونُسُ: قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ: قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: مِرْمَاةٌ: بَيْنَ ظِلْفِ الشَّاةِ مِنَ اللَّحْمِ، مِثْلُ مِنْسَاةٍ وَمِيضَاةٍ، الْمِيمُ مَخْفُوضَةٌ. [راجع: ٦٤٤]

ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا: بکری کے کھر کے درمیان گوشت کو مِرْمَاۃ کہتے ہیں۔ یہ مِنْسَاۃ اور مِیْضَاۃ کی طرح میم کی زیر کے ساتھ ہے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کھانے پینے کی طمع اور لالچ میں نماز پڑھتے تھے۔ وہ تو پتھر باندھ کر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے تھے، البتہ یہ منافقین کا کردار ہے جیسا کہ قرآن میں ہے: ”جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی اور کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔“[1] دنیاوی مفادات کی طمع اور لالچ میں عبادت کرنا ان منافقین کی عادت تھی۔ ② اس حدیث کا عنوان سے اس طرح تعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز باجماعت ترک کرنے والوں کو زندہ جلا دینے کا ارادہ کیا۔ حدیث میں مزید وضاحت ہے کہ اگر گھر میں بچے اور عورتیں نہ ہوں تو ضرور ایسے معصیت پیشہ لوگوں کو جلا دیا جاتا۔ واللہ أعلم۔

(٥٣) بَابٌ: هَلْ لِلْإِمَامِ أَنْ يَمْنَعَ الْمُجْرِمِينَ وَأَهْلَ الْمَعْصِيَةِ مِنَ الْكَلَامِ مَعَهُ وَالزِّيَارَةِ وَنَحْوِهِ؟

باب: 53- کیا حاکم وقت کے لیے جائز ہے کہ وہ مجرموں اور اہل معصیت کا سوشل بائیکاٹ کر دے؟

[1] النسآء 4:142.

٧٢٢٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ مِّنْ بَنِيهِ حِينَ عَمِيَ، قَالَ: سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: لَمَّا تَخَلَّفَ عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ - فَذَكَرَ حَدِيثَهُ - وَنَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُسْلِمِينَ عَنْ كَلَامِنَا، فَلَبِثْنَا عَلٰى ذٰلِكَ خَمْسِينَ لَيْلَةً، وَآذَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِتَوْبَةِ اللهِ عَلَيْنَا.

[راجع: ٢٧٥٧]

[7225] حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک سے روایت ہے، جس وقت حضرت کعب ؓ نابینا ہو گئے تو ان کے بیٹوں میں سے یہی ان کے قائد تھے، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت کعب ؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا: جب وہ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے سے پیچھے رہ گئے...... پھر انھوں نے اپنا پورا واقعہ بیان کیا...... اور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہمارے ساتھ گفتگو کرنے سے روک دیا تو ہم پچاس راتیں اسی حالت میں رہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول کر لی ہے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت کعب بن مالک ؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کئی جنگوں میں شریک رہے ہیں لیکن غزوۂ تبوک میں محض سستی کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے اور یہ بہت بڑا قومی جرم تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے باز پرس کی تو انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ میرے پاس پیچھے رہنے کے متعلق کوئی معقول عذر نہیں ہے۔ ان کے ساتھ دو صحابی اور بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں سے سوشل بائیکاٹ کیا اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ان کے ساتھ میل ملاپ اور بات چیت کرنے سے منع فرما دیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ ② اب بھی ایسے معاملات امامِ وقت کی صوابدید پر موقوف کیے جا سکتے ہیں۔ واللہ أعلم.

تمنی کے معنی ومطالب اور اس کی وضاحت

لغوی طور پر تمني، أمنية سے باب تَفَعُّل ہے۔ اس کے معنی تمنا کرنا ہیں۔ اس کا تعلق مستقبل سے ہے، پھر یہ تعلق اگر اچھی چیز سے ہو اور اس کی بنیاد حسد نہ ہو تو قابل تعریف بصورت دیگر قابل مذمت ہے۔ بعض اوقات انسان کسی کا مال و دولت دیکھ کر لمبی لمبی تمنائیں کرنی شروع کر دیتا ہے اور ٹھنڈی آہیں بھرتا ہے جسے شریعت نے مستحسن اور پسندیدہ قرار نہیں دیا جیسا کہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے: ''ایک دن قارون اپنی قوم کے سامنے بڑے ٹھاٹ باٹ سے نکلا تو جو لوگ دنیا کے طلب گار تھے وہ کہنے لگے: کاش! ہمیں بھی وہی کچھ میسر ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ وہ تو بہت بختوں اور بڑے نصیب والا ہے۔''[1]

پھر جب اس کا انجام سامنے آیا کہ اسے مال واسباب سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا تو جو لوگ قارون کے خزانوں کی تمنا کر رہے تھے کہنے لگے: ''ہماری حالت پر افسوس! اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کا چاہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہے تنگ کر دیتا ہے۔ اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیا جاتا۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت تمناؤں کے سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ کون سی تمنا مذموم ہے اور کون سی تمنا اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل تعریف ہے، آپ نے اس سلسلے میں بیس (20) مرفوع احادیث کا انتخاب کیا ہے اور ان پر نو (9) مختلف چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں۔ جن سے پتا چلتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ صرف قابل قدر فقیہ ہی نہ تھے بلکہ ایک زبردست مصلح بھی تھے جو اپنے اندر اصلاح امت کا جذبہ وافر مقدار میں رکھتے تھے۔ درج ذیل عنوانات دیکھ کر اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے: * شہادت کی آرزو کرنا۔ * نیک کام کی تمنا کرنا۔ * قرآن اور علم کی خواہش کرنا۔ * کون کون سی تمنائیں مکروہ ہیں۔ * دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی آرزو جائز نہیں۔ * اگر مگر کے الفاظ کہاں جائز اور کہاں ناجائز ہیں۔

بہرحال اگر انسان کی تمنا کسی خیر اور بھلائی والے کام سے متعلق ہے اور اس کے حصول کے لیے جائز ذرائع کو عمل میں لاتا ہے تو ایسی آرزو یقیناً باعث برکت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب کا ذریعہ ہے اور اگر اس کی خواہش کا تعلق دنیا سے ہے اور اس کے حصول کے لیے جائز ناجائز ہر قسم کے اسباب و ذرائع استعمال کرتا ہے تو ایسی خواہش کو کسی صورت میں مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک خواہشات رکھنے اور نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

---

1 القصص 79:28۔ 2 القصص 82:28۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

94- كِتَابُ التَّمَنِّي

تمناؤں اور آرزوؤں کا بیان

(١) بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّمَنِّي، وَمَنْ تَمَنَّى الشَّهَادَةَ

باب:1- تمنا کا بیان اور جس نے شہادت کی آرزو کی

٧٢٢٦ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْلَا أَنَّ رِجَالًا يَكْرَهُونَ أَنْ يَتَخَلَّفُوا بَعْدِي، وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ مَا تَخَلَّفْتُ، لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ». [راجع: ٣٦]

[7226] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر یہ نہ ہوتا کہ لوگ میرے بعد مجھ سے پیچھے رہنا ناپسند کریں گے جبکہ میرے پاس انھیں مہیا کرنے کے لیے سواریاں نہیں ہیں تو میں کسی لشکر سے پیچھے نہ رہتا۔ میری تو خواہش ہے کہ اللہ کے راستے میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔''

٧٢٢٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! وَدِدْتُ أَنِّي أُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَأُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ [ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا]».

[7227] حضرت ابوہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری آرزو ہے کہ میں اللہ کے راستے میں جنگ کروں اور قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔''

فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَقُولُهُنَّ ثَلَاثًا، أَشْهَدُ بِاللهِ. [راجع: ٣٦]

(راویٔ حدیث کہتے ہیں کہ) میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات تین مرتبہ دہرائے تھے۔

فوائد ومسائل: ① وُدّ کے معنی ہیں: کسی چیز سے محبت کرنا اور اس کے وقوع کی خواہش کرنا۔ اگرچہ یہاں تمنا کے لیے عربی زبان کا مخصوص لفظ "لَيْتَ" استعمال نہیں ہوا، تاہم اس مقام پر ایک پاکیزہ آرزو کا اظہار کیا گیا ہے، اور ایسی شہادتیں جائز اور مباح بلکہ مستحب ہیں جیسا کہ ان احادیث میں خود رسول اللہ ﷺ نے شہادت کی بار بار تمنا کی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے متعلق حفاظت کی ضمانت دی تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔"[1] ② آپ ﷺ نے اپنی آرزو کو شہادت پر ختم کیا، حالانکہ قرار تو حیات پر ہوتا ہے، اس انداز سے شہادت کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابُ تَمَنِّي الْخَيْرِ، وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَوْ كَانَ لِي أُحُدٌ ذَهَبًا»

باب: 2- نیک کام کی خواہش کرنا، نیز نبی ﷺ کے فرمان: "اگر میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا ہوتا" کا بیان

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس طرح کا ایک عنوان کتاب الرقاق (باب: 14) میں بھی قائم کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: [بابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: مَا يَسُرُّنِي أَنَّ عِنْدِي مِثْلَ أُحُدٍ هٰذَا ذَهَبًا] "مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا ہو۔" وہاں آپ ﷺ نے دنیا سے بے رغبتی کو ثابت کیا ہے لیکن اس مقام پر نیک خواہش اور بہتر آرزو کو ثابت کرنا مقصود ہے۔

٧٢٢٨ – حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ: سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَوْ كَانَ عِنْدِي أُحُدٌ ذَهَبًا لَأَحْبَبْتُ أَنْ لَا يَأْتِيَ عَلَيَّ ثَلَاثٌ وَعِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ، لَيْسَ شَيْءٌ أَرْصُدُهُ فِي دَيْنٍ عَلَيَّ، أَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهُ». [راجع: ٢٣٨٩]

[7228] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اگر میرے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا ہوتا تو میں پسند کرتا کہ اگر لینے والے مل جائیں تو تین دن گزرنے سے پہلے ہی میرے پاس اس میں سے ایک دینار بھی نہ بچے، سوائے اس کے جسے میں اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے روک لوں۔"

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میرے لیے بڑی خوشی کی بات یہ ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اسے فی سبیل اللہ خرچ کر دوں اور میرے پاس اس میں سے کچھ نہ بچے۔"[2] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اُحد پہاڑ کو دیکھا تو فرمایا:

1 المآئدة 5:67. 2 صحيح البخاري، الاستقراض، حديث: 2389.

"کاش! میرے پاس اس پہاڑ کے برابر سونا ہوتو میں ایک یا تین راتیں گزرنے سے پہلے پہلے اللہ کے بندوں میں اس طرح، اس طرح خرچ کردوں، آپ نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا۔"[1] ﷺ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ الفاظ میں ایسے عنوان بیان کرتے ہیں جن سے روایت کے دوسرے طرق کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔ اس عنوان میں بھی انھوں نے یہی انداز اختیار کیا ہے۔[2]

(٣) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ»

باب:3- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: "اگر مجھے پہلے معلوم ہو جاتا جو بعد میں معلوم ہوا" کا بیان

٧٢٢٩ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ: أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْيَ، وَلَحَلَلْتُ مَعَ النَّاسِ حِينَ حَلُّوا».

[راجع: ٢٩٤]

[7229] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر مجھے پہلے معلوم ہو جاتا جو بعد میں معلوم ہوا تو اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لاتا اور جس وقت لوگوں نے احرام کھولا میں بھی ان کے ساتھ ضرور احرام کھول دیتا۔"

٧٢٣٠ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ عَنْ حَبِيبٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَبَّيْنَا بِالْحَجِّ، وَقَدِمْنَا مَكَّةَ لِأَرْبَعٍ خَلَوْنَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ، فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نَطُوفَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَأَنْ نَجْعَلَهَا عُمْرَةً، وَلْنَحِلَّ إِلَّا مَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ. قَالَ: وَلَمْ يَكُنْ مَعَ أَحَدٍ مِنَّا هَدْيٌ غَيْرَ النَّبِيِّ ﷺ وَطَلْحَةَ، وَجَاءَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ مَعَهُ الْهَدْيُ فَقَالَ: أَهْلَلْتُ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَقَالُوا: أَنَنْطَلِقُ إِلَى مِنًى، وَذَكَرُ أَحَدِنَا يَقْطُرُ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنِّي لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا

[7230] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے اور ہم نے حج کے لیے احرام باندھا اور تلبیہ کہا۔ جب ہم چار ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے تو نبی ﷺ نے ہمیں بیت اللہ کے طواف اور صفا و مروہ کی سعی کا حکم دیا، نیز یہ (بھی فرمایا) کہ ہم حج کو عمرہ بنا لیں اور اس کے بعد احرام کھول دیں سوائے ان لوگوں کے جن کے پاس قربانی ہے۔ نبی ﷺ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے پاس قربانی کا جانور نہیں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے آئے تھے اور ان کے ساتھ بھی قربانی کے جانور تھے۔ انھوں نے احرام باندھتے وقت یہ کہا تھا: میرا احرام وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ لوگوں نے کہا: کیا ہم منیٰ کی طرف اس حالت میں جائیں گے کہ ہم سے منی

1 صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6444. 2 فتح الباري: 13/268.

أَهْدَيْتُ، وَلَوْلَا أَنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ لَحَلَلْتُ». قَالَ: وَلَقِيَهُ سُرَاقَةُ وَهُوَ يَرْمِي جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَلَنَا هٰذِهِ خَاصَّةً؟ قَالَ: «لَا بَلْ لِأَبَدٍ».

ٹھیک رہی ہو گی؟ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بات مجھے اب معلوم ہوئی ہے اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو میں اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا اور اگر میرے ساتھ قربانی نہ ہوتی تو یقیناً میں بھی حلال ہو جاتا۔'' اس دوران میں حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے ملے جبکہ وہ جمرۂ عقبہ کو پتھر مار رہے تھے، انھوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا یہ ہمارے لیے خاص ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ یہ ہمیشہ کے لیے ہے۔''

قَالَ: وَكَانَتْ عَائِشَةُ قَدِمَتْ مَعَهُ مَكَّةَ وَهِيَ حَائِضٌ، فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تَنْسُكَ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ أَنَّهَا لَا تَطُوفُ وَلَا تُصَلِّي حَتّٰى تَطْهُرَ، فَلَمَّا نَزَلُوا الْبَطْحَاءَ قَالَتْ عَائِشَةُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَتَنْطَلِقُونَ بِحَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ، وَأَنْطَلِقُ بِحَجَّةٍ؟ قَالَ: ثُمَّ أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ أَنْ يَنْطَلِقَ مَعَهَا إِلَى التَّنْعِيمِ، فَاعْتَمَرَتْ عُمْرَةً فِي ذِي الْحَجَّةِ بَعْدَ أَيَّامِ الْحَجِّ. [راجع: ۱۵۵۷]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب مکہ مکرمہ آئیں تو وہ حیض کی حالت میں تھیں۔ نبی ﷺ نے انھیں فرمایا کہ وہ حج کے تمام ارکان ادا کریں لیکن بیت اللہ کا طواف نہ کریں اور نہ نماز ہی پڑھیں حتی کہ پاک ہو جائیں۔ جب لوگ بطحاء میں آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ لوگ تو حج اور عمرہ کر کے واپس جائیں گے اور میں صرف حج کر کے لوٹ رہی ہوں؟ آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تنعیم جائیں، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایام حج کے بعد ذوالحجہ میں عمرہ کیا۔

فوائد ومسائل: ① دورِ جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ وہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو بہت بڑا گناہ خیال کرتے تھے، اسی اصول کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ طیبہ سے حج کا احرام باندھا۔ جب یہ لوگ مکہ مکرمہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ حج کے احرام کو عمرے کے احرام میں بدل لیں اور عمرہ کر کے احرام کھول دیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس نئے حکم پر عمل کرنے میں کچھ ہچکچاہٹ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر مجھے پہلے معلوم ہو جاتا جو اب معلوم ہوا ہے تو اپنی قربانی ساتھ نہ لاتا اور تمھارے ساتھ عمرہ کر کے احرام کھول دیتا۔'' ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اس خواہش کے اظہار سے اللہ کے فیصلے پر کوئی اعتراض کرنا مقصود نہیں بلکہ عام لوگوں کو تسلی دینا ہے کہ وہ بلا جھجک احرام کھول کر اس کی پابندیوں سے آزاد ہو جائیں اور یہ سہولت صرف تمھارے لیے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لیے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلے پر مختلف الفاظ استعمال فرمائے: کبھی فرمایا: ''میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا۔'' کبھی فرمایا: ''میں بھی اسے عمرے کے احرام میں بدل لیتا۔'' کبھی فرمایا: ''میں وہی کچھ کرتا جو لوگوں نے کیا ہے۔''

(٤) بَابُ قَوْلِهِ ﷺ: «لَيْتَ كَذَا وَكَذَا»

باب: 4- آپ ﷺ کا ارشاد گرامی: ”کاش! ایسا اور ایسا ہوتا“ کا بیان

۷۲۳۱ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: أَرِقَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ: «لَيْتَ رَجُلًا صَالِحًا مِّنْ أَصْحَابِي يَحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ»، إِذْ سَمِعْنَا صَوْتَ السِّلَاحِ، قَالَ: «مَنْ هٰذَا؟» قِيلَ: سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللهِ، جِئْتُ أَحْرُسُكَ، فَنَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى سَمِعْنَا غَطِيطَهُ.

[7231] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کو ایک رات نیند نہ آئی تو آپ نے فرمایا: ”کاش! میرے صحابہ میں سے کوئی نیک آدمی آج رات میرے ہاں پہرا دے۔“ اس دوران میں اچانک ہم نے ہتھیاروں کی جھنکار سنی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”کون صاحب ہیں؟“ کہا گیا: اللہ کے رسول! میں سعد بن ابی وقاص ہوں۔ آپ کی حفاظت کے لیے حاضر ہوا ہوں، پھر نبی ﷺ سو گئے حتی کہ ہم نے آپ کے خراٹے بھرنے کی آواز سنی۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَتْ عَائِشَةُ: قَالَ بِلَالٌ:

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً
بِوَادٍ وَحَوْلِي إِذْخِرٌ وَجَلِيلُ

فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ. [راجع: ۱۸۸۹]

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: بلال ؓ (جب نئے نئے مدینہ طیبہ آئے تو بخار کی حالت میں انھوں) نے کہا: کاش! میں ایسے میدان میں رات گزاروں جہاں میرے ارد گرد اذخر اور جلیل نامی گھاس ہو۔ (حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں:) میں نے نبی ﷺ کو اس امر کی خبر دی۔

فوائد ومسائل: مدینہ طیبہ میں دشمنان اسلام کا ہر طرف ہجوم تھا، اس لیے حفاظت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ کا پہرا دیا جاتا تھا کہ کوئی دشمن آپ ﷺ کو نقصان نہ پہنچائے، چنانچہ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لیے پہرا دیا جاتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ”اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔“ [1] رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تقریباً سترہ مرتبہ قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس آیت کے نزول کے بعد پہرا اٹھا دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کا زمانۂ نبوت 23 سال ہے، ابتدائی تین سال تو انتہائی خفیہ تبلیغ کے ہیں، باقی بیس سال کے عرصے میں آپ ﷺ پر سترہ بار قاتلانہ حملے یا آپ ﷺ کو قتل کر دینے کی سازشیں تیار ہوئیں، ان میں سے 9 حملے تو قریش مکہ کی طرف سے ہوئے، تین یہود سے، تین بدوی قبائل سے، ایک منافقین سے اور ایک شاہ ایران خسرو پرویز سے اور غالباً اس دنیا میں کسی بھی دوسرے شخص پر اتنی بار قاتلانہ حملے

[1] المآئدة 5: 67.

نہیں ہوئے اور ہر بار اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع کر کے یا مدد کر کے آپ ﷺ کو دشمنوں سے بچا کر اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ ② روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ خندق، خیبر سے واپسی کے وقت، وادئ قُریٰ، عمرۂ قضاء اور غزوۂ حنین میں باقاعدہ آپ ﷺ کا پہرا دیا گیا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت غزوۂ حنین کے بعد نازل ہوئی، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کا پہرا دینے والوں میں سے تھے۔ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو پہرا ختم کر دیا گیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔[1] ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ لَيْتَ حرف تمنی ہے۔ اس کا تعلق اکثر و بیشتر ناممکنات میں سے ہوتا ہے لیکن کبھی کبھار ممکنات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، چنانچہ مذکورہ احادیث میں پہرا دینا اور مخصوص وادی میں رات گزارنا ممکنات میں سے ہے۔ مؤخر الذکر کی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تمنا کی تھی جبکہ رسول اللہ ﷺ کی پہرے سے متعلق تمنا پوری کر دی گئی تھی۔[2]

(٥) بَابُ تَمَنِّي الْقُرْآنِ وَالْعِلْمِ

باب: 5- قرآن مجید اور علم کی آرزو کرنا

٧٢٣٢ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَحَاسُدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، يَقُولُ: لَوْ أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ هٰذَا لَفَعَلْتُ كَمَا يَفْعَلُ. وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا يُنْفِقُهُ فِي حَقِّهِ فَيَقُولُ: لَوْ أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ هٰذَا لَفَعَلْتُ كَمَا يَفْعَلُ».

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ بِهٰذَا. [راجع: ٥٠٢٦]

[7232] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رشک صرف دو شخصوں پر ہو سکتا ہے: ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہے، وہ اسے دن رات پڑھتا ہے، (سننے والا) کہتا ہے: کاش! مجھے بھی اس طرح دیا جاتا جیسے اس کو دیا گیا ہے تو میں بھی اس طرح کرتا جس طرح یہ کرتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دیا ہو اور وہ اسے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہو (اسے دیکھنے والا) کہتا ہے: کاش! مجھے بھی یہ مال دیا جاتا جس طرح اس کو دیا گیا ہے تو میں بھی اسی طرح خرچ کرتا جس طرح یہ خرچ کرتا ہے۔''

قتیبہ نے بھی جریر سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں قرآن مجید کے متعلق لفظ لَيْتَ استعمال نہیں ہوا جو تمنا اور آرزو کے لیے مختص ہے اور نہ علم ہی کا کوئی ذکر ہے، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق دوسری روایات کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے: ''صاحب قرآن جب قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو اس کا پڑوسی تلاوت سننے کے بعد کہتا ہے: کاش! مجھے بھی قرآن کی نعمت مل جائے جس طرح اسے ملی ہے۔''[3] اس روایت میں لفظ لیت استعمال ہوا ہے جو تمنی کے لیے مختص ہے۔ اسی

---

1. فتح الباري: 270/13. 2. فتح الباري: 269/13. 3. صحيح البخاري، فضائل القرآن، حديث: 5026.

طرح کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے بھی مروی ہے۔[1] ② اگرچہ اس حدیث میں علم کا ذکر نہیں ہے لیکن امام بخاری ؒ نے ایک دوسری حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جسے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک وہ آدمی جسے حکمت دی گئی ہو وہ اس کے ذریعے سے فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔[2] اس حدیث میں حکمت سے مراد علم ہے، چنانچہ امام بخاری ؒ نے اس حدیث پر علم کا عنوان قائم کیا ہے۔

(٦) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّمَنِّي

باب:6-کون سی آرزو ممنوع ہے

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بِهِۦ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمًا﴾ [النساء: ٣٢].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر جو فضیلت دی ہے تم اس کی تمنا نہ کرو ...... بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

وضاحت: ایسی تمنائیں منع ہیں جو حسد اور باہمی بغض و عداوت کو دعوت دیں یا فطرتِ انسانی سے ٹکراتی ہوں، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی خوبی دے رکھی ہے اور کسی کو کوئی دوسری، ایک مال دار ہے دوسرا غریب ہے، کوئی حسین ہے کوئی بدصورت تو ان صفات کے اختلاف کی بنا پر حسد، ہوس اور بغض نہیں رکھنا چاہیے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ ؓ نے کہا: مرد جہاد کرتے ہیں، عورتوں کا جنگ میں کوئی حصہ نہیں، عورتوں کے لیے نصف میراث ہے، جب انھوں نے اس نہج پر سوچنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی۔[3]

٧٢٣٣ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ عَاصِمٍ، عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا تَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ» لَتَمَنَّيْتُ. [راجع: ٥٦٧١]

[7233] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اگر میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا: ''موت کی تمنا نہ کرو'' تو میں ضرور موت کی آرزو کرتا۔

فوائد و مسائل: ① ایک دوسری روایت میں وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نازل شدہ کسی مصیبت کے پیش نظر تم میں سے کوئی موت کی آرزو نہ کرے۔ اگر اس کے بغیر چارہ نہ ہو تو اس طرح دعا کرے: [اَللّٰهُمَّ! أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي] اے اللہ! مجھے زندہ رکھ جب تک میری زندگی میں بھلائی ہو اور مجھے فوت کر لے جب میری وفات میں بہتری ہو۔''[4] ② بہرحال مصائب و آلام اور تکالیف کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا منع ہے

---

① صحيح البخاري، فضائل القرآن، حديث: 5025. ② صحيح البخاري، العلم، حديث: 73. ③ جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3022. ④ صحيح البخاري، المرضى، حديث: 5671.

لیکن کسی مصیبت کی وجہ سے دین کی خرابی یا فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو موت کی آرزو کرنا جائز ہے۔ واللہ أعلم.

٧٢٣٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنِ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسٍ قَالَ: أَتَيْنَا خَبَّابَ بْنَ الْأَرَتِّ نَعُودُهُ، وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعًا، فَقَالَ: لَوْلَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ. [راجع: ٥٦٧٢]

[7234] حضرت قیس سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم حضرت خباب بن ارت ؓ کے پاس ان کی تیمارداری کے لیے حاضر ہوئے جبکہ انھوں نے سات داغ لگوائے تھے، انھوں نے فرمایا: اگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں موت کی تمنا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا کرتا۔

فائدہ: موت کی تمنا اس لیے ممنوع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی موت کا وقت مقرر کر رکھا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے۔ موت کی تمنا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر تسلیم نہ کرنا بلکہ اس سے اظہار ناراضی کرنا ہے۔ ایک حدیث میں دنیوی مصیبتوں کی وجہ سے موت کی تمنا کو قابل مذمت قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ آدمی کسی کی قبر کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا: کاش! میں اس صاحب قبر کی جگہ پر ہوتا اور ایسا کہنا کسی دین داری کے خطرے کے پیش نظر نہیں ہوگا بلکہ دنیاوی بلاؤں اور مصیبتوں سے گھبرا کر ایسا کہے گا۔"[1]

٧٢٣٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ - اسْمُهُ سَعْدُ بْنُ عُبَيْدٍ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَزْهَرَ - أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ، إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ يَزْدَادُ، وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ يَسْتَعْتِبُ». [راجع: ٣٩]

[7235] حضرت عبدالرحمٰن بن ازہر ؓ کے غلام حضرت ابوعبید سعد بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر وہ نیکوکار ہے تو ممکن ہے کہ اسے نیکیوں کی مزید توفیق مل جائے اور اگر بدکار ہے تو شاید اسے توبہ نصیب ہو جائے۔"

فائدہ: اس حدیث میں نیکوکار انسان کے لیے بشارت اور خوشخبری ہے اور بدکار کے لیے تنبیہ ہے گویا اسے کہا گیا ہے: اگر وہ نیکوکار ہے تو موت کی تمنا ترک کر دے بلکہ مزید نیکیاں کرے اور جو بدکار ہے وہ بھی موت کی آرزو نہ کرے بلکہ برائیوں سے بچنے کی کوشش کرے تاکہ اس کا خاتمہ خراب نہ ہو کیونکہ یہ بہت خطرناک معاملہ ہے، یعنی مومن اگر زندہ رہے گا تو اس سے نیکیوں میں اضافے کی توقع ہے اور گناہ گار بھی موت کی تمنا نہ کرے کہ اس سے توبہ کی امید ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان عظیم موت کی تمنا سے کہیں بڑھ کر ہے۔[2]

(٧) بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ: لَوْلَا اللهُ مَا اهْتَدَيْنَا

باب: 7- کسی آدمی کا یوں کہنا: اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے

[1] صحیح مسلم، الفتن، حدیث: 7302 (157). [2] فتح الباری: 273/13.

٧٢٣٦ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَنْقُلُ مَعَنَا التُّرَابَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ، وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ وَارَى التُّرَابُ بَيَاضَ بَطْنِهِ يَقُولُ:

«لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
إِنَّ الْأُلَى - وَرُبَّمَا قَالَ: إِنَّ الْمَلَا - قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا، إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا أَبَيْنَا» يَرْفَعُ بِهَا صَوْتَهُ. [راجع: ٢٨٣٦]

[7236] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: غزوۂ خندق کے دن خود نبی ﷺ ہمارے ساتھ مٹی اٹھا رہے تھے۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ مٹی نے آپ کے پیٹ کی سفیدی کو چھپا رکھا تھا۔ آپ فرماتے تھے:

"اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے، لہٰذا تو ہم پر دلجمعی نازل فرما۔ ان (دشمنوں) کی جماعت نے ہم پر ظلم ڈھایا ہے۔ جب یہ فتنہ چاہتے ہیں تو ہم ان کا انکار کرتے ہیں، ان کی بات نہیں مانتے۔" اس کے ساتھ آپ اپنی آواز بلند کر دیتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان کے ذریعے سے ایک دوسری روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "اللہ کی قسم! اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے، نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔"[1] ② عربی زبان میں لفظ "لَوْلَا" ایک چیز کے وجود سے دوسری چیز کے امتناع کے لیے آتا ہے۔ اگر اس کے ذریعے سے حق کو معلق کیا جائے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے تو جائز بصورت دیگر اگر کسی باطل یا ناجائز کو معلق کیا جائے تو صحیح نہیں کیونکہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے وہ ہر حال اور ہر صورت میں ہو کر رہے گی یہ اسے کرے یا نہ کرے۔ لفظ لَوْلَا کے ذریعے سے ایک باطل چیز کو معلق کرنا اور اس کا عقیدہ رکھنا گویا تقدیر کی تکذیب کرنا ہے۔[2]

(٨) بَابُ كَرَاهِيَةِ تَمَنِّي لِقَاءِ الْعَدُوِّ

باب: 8- دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی آرزو کرنا منع ہے

وَرَوَاهُ الْأَعْرَجُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس مضمون کو اعرج نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجہاد میں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابٌ: لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ] "دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی تمنا نہ کرو۔" پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کی ہے۔[3]

---

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4104. 2 فتح الباري: 275/13. 3 صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 3026.

٧٢٣٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ، وَكَانَ كَاتِبًا لَهُ، قَالَ: كَتَبَ إِلَيْهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي أَوْفَى فَقَرَأْتُهُ فَإِذَا فِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، وَسَلُوا اللهَ الْعَافِيَةَ». [راجع: ٢٨١٨]

[7237] حضرت سالم ابونضر مولیٰ عمر بن عبیداللہ سے روایت ہے جو اپنے آقا کے کاتب تھے، انھوں نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے انھیں خط لکھا جسے میں نے خود پڑھا، اس میں یہ مضمون تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو۔“

فائدہ: دشمن سے مقابلے کی خواہش مکروہ ہے لیکن یہ شہادت کی تمنا کے منافی نہیں کیونکہ شہادت کا حصول تو اسلام کی نصرت اور اس کے غلبے کے ساتھ ممکن ہے لیکن مقابلے کی خواہش کرنا اس کے برعکس ہو سکتا ہے، نیز دشمن سے ملاقات کی کراہت اس شخص کے لیے ہے جو اپنی قوت پر ہی اعتماد کرے اور خود کو بڑا خیال کرے، ایسے شخص کے لیے دشمن سے مڈبھیڑ کی خواہش کرنا مکروہ ہے۔[1] ایک حدیث میں ہے: ”دشمن سے مقابلے کی خواہش نہ کرو لیکن جب آمنا سامنا ہو جائے تو ڈٹ کر مقابلہ کرو۔“[2]

(٩) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ اللَّوْ

باب: 9- لفظ ”اگر مگر“ کے جواز کا بیان

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً﴾ [هود: ٨٠].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”(حضرت لوط علیہ السلام نے کہا:) کاش! میرے پاس تمھارا مقابلہ کرنے کی کچھ طاقت ہوتی۔“

وضاحت: بعض روایات میں ”اگر مگر“ کے الفاظ استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ یہ حکم امتناعی علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے غافل اور اپنی قوت و تدبیر پر فخر کرتے ہوئے اگر مگر کہنا منع ہے۔ آیت کے الفاظ حضرت لوط علیہ السلام نے اس وقت کہے تھے جب ان کی قوم فرشتوں سے بدتمیزی اور گستاخی پر اتر آئی تھی۔

٧٢٣٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ: ذَكَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْمُتَلَاعِنَيْنِ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادٍ: أَهِيَ الَّتِي قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا امْرَأَةً بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ»؟ قَالَ: لَا، تِلْكَ امْرَأَةٌ أَعْلَنَتْ. [راجع: ٥٣١٠]

[7238] حضرت قاسم بن محمد سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دو لعان کرنے والوں کا ذکر کیا تو حضرت عبداللہ بن شداد رحمہ اللہ نے پوچھا: کیا یہ وہی عورت تھی جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ”اگر میں کسی عورت کو بغیر گواہ رجم کرتا تو اسے کرتا۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: نہیں، وہ ایک اور عورت تھی جو کھلے عام فحش کاری کرتی تھی۔

1 فتح الباري: 275/13۔ 2 صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 3026۔

فوائدومسائل: ① ایک حدیث میں ہے: "جس چیز سے تمھیں حقیقی نفع پہنچے اس میں حرص کرو اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور مایوس ہو کر نہ بیٹھ جاؤ۔ اگر تمھیں کوئی نقصان پہنچے تو اس طرح نہ کہو: اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہو جاتا بلکہ یوں کہو کہ اللہ کا فیصلہ تھا وہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ تحقیق "اگر مگر" کے الفاظ شیطان کے کردار کا دروازہ کھولتے ہیں۔"[1] ② اس حدیث میں لفظ لو کا استعمال کرنا منع ہے جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا جواز ثابت کیا ہے جیسا کہ پیش کردہ حدیث میں خود رسول اللہ ﷺ نے اسے استعمال کیا ہے تو جہاں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے استعمال کرنا ہو تو وہ منع ہے اور اگر کوئی فائدہ ہو تو اسے استعمال کیا جا سکتا ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے فوت ہو جانے پر اظہار افسوس کرنے کے لیے اسے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

٧٢٣٩ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ عَمْرٌو: حَدَّثَنَا عَطَاءٌ قَالَ: أَعْتَمَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْعِشَاءِ فَخَرَجَ عُمَرُ فَقَالَ: الصَّلَاةَ يَا رَسُولَ اللهِ! رَقَدَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ، فَخَرَجَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ يَقُولُ: «لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي - أَوْ عَلَى النَّاسِ، وَقَالَ سُفْيَانُ أَيْضًا: عَلَى أُمَّتِي - لَأَمَرْتُهُمْ بِالصَّلَاةِ هٰذِهِ السَّاعَةَ».

[7239] حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک رات ایسا ہوا کہ نبی ﷺ نے نماز عشاء میں دیر کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نکلے اور کہا: اللہ کے رسول! نماز پڑھائیں، اب تو عورتیں اور بچے سونے لگے ہیں۔ اس وقت آپ حجرے سے برآمد ہوئے اور آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، فرمانے لگے: "اگر میری امت پر ...... یا فرمایا: لوگوں پر ...... مشکل نہ ہوتی تو میں اس وقت انھیں یہ نماز پڑھنے کا حکم دیتا۔"

وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَخَّرَ النَّبِيُّ ﷺ هٰذِهِ الصَّلَاةَ فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! رَقَدَ النِّسَاءُ وَالْوِلْدَانُ. فَخَرَجَ وَهُوَ يَمْسَحُ الْمَاءَ عَنْ شِقِّهِ يَقُولُ: «إِنَّهُ لَلْوَقْتُ، لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي».

ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے نماز عشاء میں دیر کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! عورتیں اور بچے سو گئے ہیں۔ (یہ سن کر) آپ باہر تشریف لائے جبکہ آپ اپنی ایک جانب سے پانی صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے: "اگر میں اپنی امت پر مشکل نہ سمجھتا تو اس نماز کا عمدہ وقت یہی ہے۔"

وَقَالَ عَمْرٌو: حَدَّثَنَا عَطَاءٌ لَيْسَ فِيهِ ابْنُ عَبَّاسٍ، أَمَّا عَمْرٌو فَقَالَ: رَأْسُهُ يَقْطُرُ، وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: يَمْسَحُ الْمَاءَ عَنْ شِقِّهِ.

عمرو بن دینار نے کہا: ہم سے عطاء نے بیان کیا، اس میں ابن عباس کا ذکر نہیں، بہرحال عمرو نے کہا: آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا لیکن ابن جریج نے کہا: آپ اپنی ایک جانب سے پانی صاف کر رہے تھے۔

وَقَالَ عَمْرٌو: «لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي».

عمرو نے کہا کہ آپ نے فرمایا: "اگر میری امت پر

[1] صحيح مسلم، القدر، حديث: 6774 (2664).

مشکل نہ ہوتا۔"

وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: «إِنَّهُ لَلْوَقْتُ لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي».

ابن جریج نے کہا کہ آپ نے فرمایا: "اگر میری امت پر مشکل نہ ہوتا تو اس نماز کا افضل وقت یہی ہے۔"

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٥٧١]

ابراہیم بن منذر نے کہا: ہم سے معن نے بیان کیا محمد بن مسلم سے، انھوں نے عمرو بن دینار سے، انھوں نے عطاء بن ابی رباح سے، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انھوں نے نبی ﷺ سے اس حدیث کو بیان کیا۔

٧٢٤٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ». [راجع: ٨٨٧]

[7240] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر میری امت پر مشکل نہ ہوتا تو میں ان پر مسواک کرنا واجب قرار دے دیتا۔"

فائدہ: ان احادیث میں لو کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ لفظ لولا کا ذکر ہے، حالانکہ ان دونوں کے معانی میں بہت فرق ہے کیونکہ لفظ لو کے معنی ایک چیز کا امتناع کسی دوسری چیز کے امتناع کی وجہ سے ہے اور لفظ لولا کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز کا امتناع کسی دوسری چیز کے وجود کی بنا پر ہے لیکن دونوں کا نتیجہ اور انجام ایک ہے۔ اگر انھیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر بطور اعتراض استعمال کیا جائے تو ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے حوالے کرتے ہوئے انھیں استعمال کیا جائے تو جائز ہے جیسا کہ مذکورہ احادیث میں لولا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ان میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی تقدیر پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ ایک امر واقع بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ واللّٰہ أعلم۔

٧٢٤١ - حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: وَاصَلَ النَّبِيُّ ﷺ آخِرَ الشَّهْرِ وَوَاصَلَ أُنَاسٌ مِّنَ النَّاسِ، فَبَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «لَوْ مُدَّ بِيَ الشَّهْرُ لَوَاصَلْتُ وِصَالًا يَدَعُ الْمُتَعَمِّقُونَ تَعَمُّقَهُمْ، إِنِّي لَسْتُ مِثْلَكُمْ، إِنِّي أَظَلُّ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي».

[7241] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے رمضان کے آخری دنوں میں وصال کے روزے رکھے تو کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی روزوں میں وصال کیا۔ نبی ﷺ کو جب اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا: "اگر اس مہینے کے دن مزید بڑھ جاتے تو میں اتنے دنوں تک وصال کے روزے رکھتا کہ ہوس کرنے والے اپنی ہوس چھوڑ دیتے۔ میں تم لوگوں جیسا نہیں ہوں۔ میں اس

طرح دن گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔"

تَابَعَهُ سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ١٩٦١]

سلیمان بن مغیرہ نے حضرت ثابت سے، انھوں نے حضرت انس ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث بیان کرنے میں حضرت حمید کی متابعت کی ہے۔

٧٢٤٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ سَعِيدَ ابْنَ الْمُسَيَّبِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ قَالُوا: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ، قَالَ: «أَيُّكُمْ مِثْلِي؟ إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ». فَلَمَّا أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوا وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا ثُمَّ يَوْمًا ثُمَّ رَأَوُا الْهِلَالَ فَقَالَ: «لَوْ تَأَخَّرَ لَزِدْتُكُمْ»، كَالْمُنَكِّلِ لَهُمْ. [راجع: ١٩٦٥]

[7242] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے وصال کے روزے رکھنے سے منع فرمایا تو کچھ صحابۂ کرام ؓ نے کہا: آپ تو خود وصال کے روزے رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "تم میں سے مجھ جیسا کون ہے؟ میں تو اس حالت میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔" لیکن جب لوگ نہ مانے تو آپ نے ایک دن کے ساتھ دوسرا ملا کر روزہ رکھا، پھر انھوں نے چاند دیکھ لیا تو آپ نے فرمایا: "اگر (چاند) مؤخر ہوتا تو میں مزید وصال کے روزے رکھتا۔" گویا آپ نے انھیں تنبیہ کرنے کے لیے ایسا فرمایا۔

فوائد ومسائل: ① صوم وصال یہ ہے کہ سحری کھائے پیے بغیر روزہ رکھنا اور انھیں مسلسل جاری رکھنا۔ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو وہ قوت میسر فرماتا تھا جو عام لوگوں کو کھانے پینے سے حاصل ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عام لوگوں کو وصال کے روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے جبکہ آپ ﷺ نے خود رکھے ہیں۔ ② ان احادیث میں لفظ لو استعمال ہوا ہے، اس سے امام بخاری ؒ نے اس کے جواز پر استدلال کیا ہے کیونکہ اس کا استعمال کسی فائدے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض یا اس سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

٧٢٤٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ: حَدَّثَنَا أَشْعَثُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْجَدْرِ، أَمِنَ الْبَيْتِ هُوَ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قُلْتُ: فَمَا بَالُهُمْ لَمْ يُدْخِلُوهُ فِي الْبَيْتِ؟ قَالَ: «إِنَّ قَوْمَكِ قَصَّرَتْ بِهِمُ النَّفَقَةُ»، قُلْتُ: فَمَا شَأْنُ بَابِهِ مُرْتَفِعًا؟ قَالَ: «فَعَلَ ذَاكِ قَوْمُكِ لِيُدْخِلُوا مَنْ شَاؤُوا

[7243] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے حطیم کعبہ کے متعلق پوچھا: کیا وہ بھی خانہ کعبہ کا حصہ ہے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں۔" میں نے کہا: پھر ان لوگوں نے اسے بیت اللہ میں داخل کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: "تمھاری قوم کے پاس خرچ کم ہو گیا تھا۔" میں نے پوچھا: اس کا دروازہ اونچائی پر کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا: "تمھاری قوم نے اس لیے ایسا کیا ہے تاکہ

وَيَمْنَعُوا مَنْ شَاؤُوا، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثُ عَهْدٍ بِالْجَاهِلِيَّةِ، فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوبُهُمْ أَنْ أُدْخِلَ الْجَدْرَ فِي الْبَيْتِ، وَأَنْ أُلْصِقَ بَابَهُ فِي الْأَرْضِ». [راجع: ١٢٦]

جسے چاہیں کعبہ میں داخل کریں اور جسے چاہیں منع کر دیں۔ اگر تمھاری قوم زمانۂ جاہلیت کے قریب نہ ہوتی اور مجھے ان کے دلوں کے انکار کا خطرہ نہ ہوتا تو میں حطیم کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا اور اس کا دروازہ بھی زمین کے برابر کر دیتا۔"

فوائد ومسائل: ﴿۱﴾ قریش نے جب بیت اللہ کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو انھوں نے عزم کیا کہ اس پر حلال کی رقم خرچ کی جائے گی تو ان کے پاس اتنا مال جمع نہ ہو سکا کہ جس سے پورا بیت اللہ تعمیر ہو سکتا، اس لیے انھوں نے حطیم کو چھوڑ کر باقی بیت اللہ پر چھت ڈال دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جذبے کی قدر کی کہ آئندہ وہ انھی بنیادوں پر تعمیر ہوتا رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے جب اسے تعمیر کیا تو حطیم کو اس میں شامل کر دیا اور زمین کے برابر اس کے شرقی اور غربی دروازے رکھ دیے تھے لیکن حجاج بن یوسف نے اسے مسمار کر کے دوبارہ انھی بنیادوں پر تعمیر کر دیا۔ ﴿۲﴾ اس حدیث میں لَوْلَا کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس بنا پر امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

٧٢٤٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِّنَ الْأَنْصَارِ، وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَّسَلَكَتِ الْأَنْصَارُ وَادِيًا - أَوْ شِعْبًا - لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَ الْأَنْصَارِ». [راجع: ٣٧٧٩]

[7244] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد بننا پسند کرتا۔ اگر لوگ کسی وادی میں چلیں اور انصار ایک دوسری وادی میں چلیں تو میں انصار کی وادی میں چلنا پسند کروں گا۔"

٧٢٤٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَأً مِّنَ الْأَنْصَارِ، وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ وَشِعْبَهَا».

[7245] حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا۔ اور اگر لوگ کسی وادی یا گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی وادی یا گھاٹی میں چلوں گا۔"

تَابَعَهُ أَبُو التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الشِّعْبِ. [راجع: ٤٣٣٠]

اس روایت کو بیان کرنے میں ابو تیاح نے عباد بن تمیم کی متابعت کی ہے، انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، انھوں

نے نبی ﷺ سے "شعب" (گھاٹی) کا لفظ بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے خاندانی نسب سے منتقل ہونا مراد نہیں کیونکہ خاندانی نسب دوسری طرف منتقل کرنا حرام ہے۔ ویسے بھی یہ حقیقت ہے کہ نسب کے اعتبار سے خود رسول اللہ ﷺ انصار سے افضل ہیں۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ہجرت کے بعد نصرتِ اسلام سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں اور انصار اسی وجہ سے بلند مقام تک پہنچے ہیں۔ ② خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر مجھے ہجرت کے باعث انصار پر فضیلت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ہوتا۔ ③ بہر حال امام بخاری ؒ نے ان احادیث سے ثابت کیا ہے کہ جن احادیث میں لفظِ لَوْ کے استعمال کی ممانعت ہے وہ علی الاطلاق نہیں، اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابۂ کرام ؓ اسے استعمال نہ کرتے۔ اس امتناعی حکم کے خاص مواقع ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: * اگر کسی کارِ خیر کا ارادہ کرے اور اسے کرنے کی ہمت بھی ہو تو کسی دوسری چیز کی وجہ سے اس کی بجا آوری میں کوتاہی نہ کرے، وہاں اگر مگر کے استعمال سے اس میں کوتاہی نہ کرے۔ * اگر امور دنیا سے کوئی چیز فوت ہو جائے یا کسی مصیبت کی وجہ سے نقصان ہو جائے تو اس کے فیصلے اور اس کی تقدیر پر راضی رہے وہاں اگر مگر کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض نہ کرے۔ اگر ان میں جھوٹ شامل ہو جائے تو انتہائی سنگین صورت اختیار کر جاتا ہے، مثلاً: منافقین نے ایک موقع پر کہا تھا: "اگر ہم میں ہمت ہوتی تو ہم ضرور تمھارے ساتھ نکلتے۔"[1] ایک دوسرے مقام پر یہ کہا: "اگر وہ ہماری بات مانتے تو وہاں قتل نہ کیے جاتے۔"[2] ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر بے اعتمادی اور اپنی تدبیر پر بھروسا ثابت ہوتا ہے۔[3]

[1] التوبة 9:42. [2] آل عمران 3:168. [3] فتح الباري: 13/282.

خبر واحد کے معنی ومطالب اور اس کی وضاحت

احادیث، ہم تک پہنچنے اور راویوں کے اعتبار سے دو قسموں پر مشتمل ہیں:

① متواتر: اس سے مراد وہ حدیث ہے جسے تمام طبقات میں بیان کرنے والے اتنے لوگ ہوں کہ عقلاً ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا ممکن نہ ہو۔ حدیث متواتر علم یقین کا فائدہ دیتی ہے، نیز اس کے راویوں کی جانچ پڑتال کے بغیر اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

② آحاد: اس سے مراد وہ حدیث ہے جس میں متواتر کی شرائط نہ پائی جائیں جسے بیان کرنے والے زیادہ سے زیادہ دس اور کم از کم ایک راوی ہو۔ اس کے متعلق اسلاف کا یہ موقف ہے کہ جب ثقہ راویوں کی روایت سے کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے اور صحیح سند سے ہم تک پہنچ جائے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا ضروری ہے، پھر خبر واحد کو عمل یا تصدیق کے لحاظ سے امت نے قبول کر لیا ہو تو جمہور امت کے نزدیک یہ یقینی علم کا فائدہ دیتی ہے، پھر اسے متواتر ہی کی طرح سمجھا جائے گا۔ سلف صالحین کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ عقیدہ صرف دلیل قطعی، یعنی قرآن یا حدیث متواتر ہی سے ثابت ہوتا ہے لیکن یہ موقف محل نظر ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس موضوع پر اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الرسالہ'' میں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: ''خبر واحد کے حجت ہونے کا بیان۔''

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب میرے سامنے رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث بیان کی جائے اور میں اسے قابل حجت خیال نہ کروں تو گواہ رہو کہ میری عقل زائل ہو چکی ہے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمہ اللہ اس شخص کو پاگل سمجھتے تھے جو صحیح حدیث پر عمل نہ کرے، خواہ اس کا تعلق عقیدے سے ہو یا اعمال سے، بلکہ آپ خبر واحد کو قبول کرنا واجب خیال کرتے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول تھا کیونکہ ان کے سامنے جب کوئی صفات باری تعالیٰ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا تو وہ اسے بغیر لیت ولعل کے مان لیتے اور اس کے مطابق اپنا عقیدہ بنا لیتے، جیسے رؤیت باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا، ہر رات اس کا آسمان دنیا پر نزول فرمانا یا دیگر صفات۔ وہ اس بات کا مطالبہ نہ کرتے تھے کہ تمھاری یہ حدیث خبر واحد ہے، جب تک یہ متواتر کی حد تک نہیں پہنچے گی یقینی علم کا فائدہ نہیں دے گی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے احکام کی بعض احادیث میں تو شک کا

---

[1] مناقب الشافعي: 474/1.

اظہار کیا لیکن کسی نے بھی احادیث صفات کے متعلق کسی قسم کی دلیل کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ وہ راوی کی حدیث سن کر سب سے جلدی اسے قبول کرتے، اس کی تصدیق کرتے اور ان صفات کا عقیدہ رکھتے جو اس میں بیان ہوتا تھا۔

خبر واحد کے متعلق دوسرا المیہ یہ ہے کہ کچھ اہل علم نے درایت یا بقدر احتیاط کے پیش نظر ایسے اصول وضع کیے ہیں جن کی رو سے انھوں نے صحیح احادیث کی ایک بڑی تعداد کو رد کر دیا ہے۔ وہ اصول حسب ذیل ہیں:

☆: اخبار آحاد کو قرآن کے عمومات پر پیش کیا جائے، اگر اس سے قرآن کے کسی عمومی حکم کی مخالفت ہوتی ہو تو قرآن کو لیا جائے گا اور خبر واحد کو رد کر دیا جائے۔

☆: اخبار آحاد اگر سنت مشہورہ کے خلاف ہوں تو سنت مشہورہ کو لیا جائے گا اور اس کے مقابلے میں خبر واحد کو رد کر دیا جائے گا۔

☆: خبر واحد کو اس وقت قبول نہ کیا جائے جب اس کے راوی کا عمل اس کے خلاف ہو۔

☆: خبر واحد کو اس وقت قبول نہ کیا جائے جب اس کا راوی غیر فقیہ ہو اور وہ روایت ہر طرح سے قیاس کے خلاف ہو۔

☆: خبر واحد کو اس وقت قبول نہ کیا جائے جب صحابہ و تابعین کے زمانے میں اس پر لوگوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا ہو۔

اس طرح اور بہت سے اصول ہیں جنھیں سامنے رکھتے ہوئے ان حضرات نے بہت سی احادیث کو رد کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت اس قسم کے اصولوں کا جائزہ لیا ہے۔ ٹھوس اور پختہ دلائل سے ثابت کیا ہے کہ خبر واحد حجت ہے اور احکام کے ساتھ ساتھ عقائد بھی اس سے ثابت ہوتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”خبر واحد پر کسی رد کے بغیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے درمیان، وسیع پیمانے پر عمل جاری وساری تھا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ خبر واحد کے مقبول ہونے پر متفق تھے۔“ [1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں بائیس (22) مرفوع احادیث کا انتخاب کیا ہے اور ان پر چھوٹے چھوٹے چھ (6) عنوان قائم کیے ہیں۔ آپ نے اس سلسلے میں پہلا عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجَازَةِ خَبَرِ الْوَاحِدِ الصَّدُوقِ فِي الْأَذَانِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ وَالْفَرَائِضِ وَالْأَحْكَامِ] ”اذان، نماز، روزہ اور دیگر فرائض و احکام میں ایک سچے آدمی کی خبر پر عمل کا جائز ہونا۔“ اور آخری عنوان اس طرح ہے: [بَابُ خَبَرِ الْمَرْأَةِ الْوَاحِدَةِ] ”ایک عورت کی خبر کا بیان۔“

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ نے خبر واحد کے سلسلے میں اسلاف کے موقف کی خوب وضاحت کی ہے اور احادیث کی روشنی میں اس کی حجیت کو ثابت کیا ہے۔ ہم فوائد میں ان کی وضاحت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں احادیث کو سمجھنے، دل سے ماننے اور اخلاص کے ساتھ ان پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین۔

---

1. فتح الباري: 288/13.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

95- كِتَابُ أَخْبَارِ الآحَادِ

خبر واحد کا بیان

(١) بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجَازَةِ خَبَرِ الْوَاحِدِ الصَّدُوقِ فِي الْأَذَانِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ وَالْفَرَائِضِ وَالْأَحْكَامِ

باب: 1- اذان، نماز، روزہ اور دیگر فرائض واحکام میں ایک سچے آدمی کی خبر پر عمل کا جائز ہونا

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ﴾ الْآيَةَ [التوبة: ٢٢] وَيُسَمَّى الرَّجُلُ طَائِفَةً لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا﴾ [الحجرات: ٩] فَلَوِ اقْتَتَلَ رَجُلَانِ دَخَلَا فِي مَعْنَى الْآيَةِ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہیں نکلے (تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں......)'' ایک شخص کو بھی طائفہ کہہ سکتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر مسلمانوں کے دو طائفے (گروہ) لڑ پڑیں۔'' اس آیت کریمہ میں وہ دو مسلمان بھی داخل ہیں جو آپس میں لڑ پڑیں۔

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ [الحجرات: ٦]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اگر تمھارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔''

وَكَيْفَ بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ أُمَرَاءَهُ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ، فَإِنْ سَهَا أَحَدٌ مِّنْهُمْ رُدَّ إِلَى السُّنَّةِ.

اور اگر خبر واحد قبول نہ ہوتی تو نبی ﷺ ایک شخص کو حاکم بنا کر اس کے بعد دوسرے شخص کو کیوں بھیجتے (اور یہ کیوں فرماتے) ان میں سے ایک بھول جائے تو اسے سنت کی طرف پھیر دیا جائے۔

وضاحت: خبر واحد سے مراد وہ حدیث ہے جس میں متواتر کی شرائط نہ پائی جائیں اور جسے کم از کم ایک راوی بیان کرے۔ اگر وہ ایک راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہے تو اس کی بیان کردہ روایت قابل حجت ہے۔ اکثر صحیح احادیث اسی طرح کی ہیں۔ اس قسم

کی احادیث تمام ائمۂ دین نے قبول کی ہیں اور اس کے مقابلے میں قیاس کو ترک کیا ہے اور عقائد و احکام میں انھیں تسلیم کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے خبر واحد کے حجت ہونے کے لیے تین دلائل پیش کیے ہیں: * پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو دین میں سمجھ پیدا کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس آیت کریمہ میں طائفہ سے مراد ایک شخص بھی ہوسکتا ہے اور زیادہ بھی، اس بنا پر اگر ایک آدمی کی خبر پر دینی معاملات میں عمل کیا جائے گا تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس کی بیان کردہ حدیث بھی قابل حجت ہے۔ دینی معاملات میں عقائد و احکام دونوں آجاتے ہیں بلکہ احکام میں تفقہ سے عقیدے میں تفقہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ *اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک فاسق کی خبر کے متعلق تحقیق کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر قابل اعتماد راوی کوئی خبر دے تو اس کے لیے تحقیق کی ضرورت نہیں۔ یہ آیت خبر واحد کے قابل حجت ہونے کی دلیل ہے اور اگر اس کی روایت سے یقینی علم کا فائدہ نہ ہوتا تو فاسق و غیر فاسق ہر قسم کے راوی کی خبر کے متعلق تحقیق کرنے کا حکم ہوتا۔ * رسول اللہ ﷺ اپنے کارندے اور امراء ایک ایک کر کے بھیجتے تھے، لوگ تمام احکام میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، چاہے وہ احکام عملی ہوں یا اعتقادی، پھر ان میں سے اگر کوئی سہو اور بھول کا شکار ہو جاتا تو دوسرا اسے راہ راست کی طرف لے آتا۔ اگر خبر واحد قبول نہ ہوتی تو ایک شخص کو حاکم بنا کر بھیجنا اور دوسرے کا اسے راہ راست کی طرف لانا، اس کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔

٧٢٤٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ قَالَ: أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَفِيقًا، فَلَمَّا ظَنَّ أَنَّا قَدِ اشْتَهَيْنَا أَهْلَنَا - أَوْ قَدِ اشْتَقْنَا - سَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا بَعْدَنَا، فَأَخْبَرْنَاهُ، قَالَ: «ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَأَقِيمُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ - وَذَكَرَ أَشْيَاءَ أَحْفَظُهَا وَلَا أَحْفَظُهَا - وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ». [راجع: ٦٢٨]

[7246] حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم سب نوجوان ہم عمر تھے۔ ہم آپ کی خدمت میں بیس دن ٹھہرے رہے۔ رسول اللہ ﷺ بڑے رحم دل تھے۔ جب آپ نے سمجھا کہ ہمارا گھر جانے کا شوق ہے تو آپ نے ہم سے پوچھا کہ ہم اپنے پیچھے کن لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہیں تو ہم نے آپ کو بتایا۔ آپ نے فرمایا: ''اب تم اپنے گھروں کو چلے جاؤ اور ان کے ساتھ رہو۔ انھیں اسلام سکھاؤ اور دین کی باتیں بتاؤ۔'' آپ نے بہت سی باتیں بتائیں جن میں سے مجھے کچھ یاد ہیں اور کچھ یاد نہیں، نیز آپ نے فرمایا: ''اور جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو، جب نماز کا وقت آ جائے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور جو عمر میں سب سے بڑا ہو وہ تمھاری امامت کرائے۔''

فوائد ومسائل: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی وفد کی صورت میں غزوۂ تبوک سے پہلے حاضر خدمت ہوئے اور غزوۂ تبوک رجب نو (9) ہجری میں ہوا تھا۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس تقریباً بیس دن رہے۔ ان کی واپسی پر

آپ ﷺ نے کچھ ہدایات دیں۔ چونکہ یہ حضرات قراءت میں برابر تھے، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جماعت وہ کرائے جو عمر میں بڑا ہو۔''¹ البتہ اذان دینے کے متعلق کوئی پابندی نہیں، اسے کوئی بھی دے سکتا ہے۔ ② ایک آدمی کی اذان پر نماز پڑھنا درست ہے۔ یہ خبر واحد کے قابل حجت ہونے کی دلیل ہے کیونکہ ایک آدمی کی اذان پر نماز پڑھنا اور روزہ افطار کرنا اگر صحیح ہے تو اس کی بیان کردہ روایت کیوں قابل قبول نہیں؟

٧٢٤٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى، عَنِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ مِّنْ سَحُورِهِ، فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ - أَوْ قَالَ: يُنَادِي - لِيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ، وَيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ، وَلَيْسَ الْفَجْرُ أَنْ يَقُولَ هٰكَذَا - وَجَمَعَ يَحْيَى كَفَّيْهِ - حَتَّى يَقُولَ هٰكَذَا»، وَمَدَّ يَحْيَى إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَتَيْنِ. [راجع: ٦٢١]

[7247] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کو بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سحری کھانے سے نہ روکے کیونکہ وہ اس لیے اذان دیتا ہے تاکہ جو تہجد کے قیام میں مصروف ہیں وہ واپس آ جائیں اور جو سوئے ہوئے ہیں وہ بیدار ہو جائیں اور فجر وہ نہیں جو اس طرح (لمبی دھاری) ہوتی ہے۔'' (راوی حدیث) یحییٰ نے اس کے اظہار کے لیے اپنے دونوں ہاتھ ملائے کہ آپ نے فرمایا: ''فجر وہ ہے جو پھیل جائے۔'' (راوی حدیث) یحییٰ نے اس کے اظہار کے لیے اپنی شہادت کی دونوں انگلیوں کو پھیلا دیا۔

٧٢٤٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ بِلَالًا يُنَادِي بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ». [راجع: ٦١٧]

[7248] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''بلال رات کو اذان دیتے ہیں، اس لیے تم کھاتے پیتے رہا کرو یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں (تب کھانا پینا بند کر دو)۔''

فائدہ: ابن ام مکتوم، نابینا شخص تھے۔ یہ نماز فجر کے لیے صبح کی اذان کہتے تھے۔ یہ اس وقت تک اذان نہیں کہتے تھے جب تک لوگ انھیں صبح ہونے کی خبر نہ دیتے کیونکہ وہ خود تو دیکھ نہ سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی مہم پر جاتے تو نمازوں کے لیے انھیں اپنا قائم مقام بناتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلال کی اذان سحری کھانے پینے سے رکاوٹ کا باعث نہیں بلکہ جب ابن ام مکتوم اذان دے تو کھانا پینا ترک کر دو۔'' رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کی اذان کو عمل کے لیے کافی سمجھا، اس سے بھی خبر واحد کا حجت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جب ایک شخص کی اذان تمام مسلمانوں کے لیے قابل حجت ہے تو خبر واحد کے حجت ہونے میں کیا امر

1 صحیح البخاري، الأذان، حدیث: 631.

مانع ہے۔ خبر واحد کو حجت نہ ماننے والوں کو چاہیے کہ وہ ایک شخص کی اذان کو بھی تسلیم نہ کریں۔

٧٢٤٩ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ خَمْسًا. فَقِيلَ: أَزِيدَ فِي الصَّلَاةِ؟ قَالَ: «وَمَا ذَاكَ؟» قَالُوا: صَلَّيْتَ خَمْسًا. فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَمَا سَلَّمَ. [راجع: ٤٠١]

[7249] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک مرتبہ نبی ﷺ نے ہمیں ظہر کی پانچ رکعات پڑھا دیں تو آپ سے پوچھا گیا: کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”کیا بات ہے؟“ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: آپ نے پانچ رکعات پڑھائی ہیں۔ آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد سہو کے دو سجدے کیے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث اپنے دو اساتذہ سے بیان کی ہے: ایک تو حفص بن عمر ہیں۔ ان کی بیان کی ہوئی روایت میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: آپ نے پانچ رکعات پڑھائی ہیں۔ دوسرے استاذ ابوالولید ہیں۔ ان کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے بتایا کہ آپ نے پانچ رکعات پڑھائی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے شیخ ابوالولید کی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جسے انھوں نے کتاب السہو میں بیان کیا ہے۔[1] ② اس روایت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو خبر دینے والا ایک شخص تھا اور آپ ﷺ نے اس کی تصدیق کی اور سہو کے دو سجدے کیے۔ اگر ایک معتبر آدمی کا کہنا قابل اعتبار نہ ہوتا تو آپ ﷺ ایسا کیوں کرتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ ایک معتبر شخص کی روایت کو تسلیم کرنا ہر طرح سے درست ہے اور جو لوگ مطلق طور پر خبر واحد کو تسلیم نہیں کرتے ان کا موقف ان احادیث کے پیش نظر بالکل غلط ہے۔

٧٢٥٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ انْصَرَفَ مِنِ اثْنَتَيْنِ، فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ: أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ يَا رَسُولَ اللهِ أَمْ نَسِيتَ؟ فَقَالَ: «أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟» فَقَالَ النَّاسُ: نَعَمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ ثُمَّ سَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ ثُمَّ رَفَعَ. [راجع: ٤٨٢]

[7250] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا: اللہ کے رسول! نماز کم کر دی گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”کیا ذوالیدین صحیح کہتے ہیں؟“ صحابہ نے کہا: جی ہاں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور آخری دو رکعات ادا کیں پھر سلام پھیرا اس کے بعد اللہ اکبر کہا اور سجدہ کیا عام نماز کے سجدے جیسا یا اس سے طویل، پھر آپ نے سر اٹھایا اور پھر تکبیر کہی اور نماز کے سجدے جیسا سجدہ کیا، پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے ذوالیدین کی خبر کو تسلیم کیا۔ مزید تسلی کے لیے دوسروں سے دریافت فرمایا۔ اگر ایک شخص کی خبر قابل عمل نہ ہوتی تو آپ ﷺ ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی بات کو خاطر میں نہ لاتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خبر واحد کی دوسروں سے

---

1. صحيح البخاري، السهو، حديث: 1228.

تصدیق کر لینا بھی درست ہے۔ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالیدین کی خبر کو رد نہیں کیا بلکہ توثیق کے لیے دوسرے سے پوچھا کیونکہ وہ بیان کرنے میں اکیلا تھا۔ ممکن تھا کہ وہ اس میں غلطی کر گیا ہو، اس لیے آپ ﷺ نے اس کی توثیق فرمائی اور بنیادی طور پر اسی کی بات کو قابل عمل ٹھہرایا۔

٧٢٥١ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ إِذْ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ، فَاسْتَقْبِلُوهَا، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّامِ فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ. [راجع: ٤٠٣]

[7251] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: لوگ مسجد قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے، اچانک ان کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا: بے شک رسول اللہ ﷺ پر رات قرآن نازل ہوا ہے اور آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ نماز میں کعبے کی طرف منہ کر لیں، لہٰذا تم لوگ بھی کعبے کی طرف منہ کر لو۔ ان کے منہ شام کی جانب تھے، پھر وہ لوگ کعبے کی طرف پھر گئے۔

فائدہ: قباء کا علاقہ مدینہ طیبہ سے باہر ہے۔ ان حضرات کو تحویل قبلہ (قبلہ تبدیل ہونے) کے اگلے دن نماز صبح میں اطلاع ملی اور یہ اطلاع بھی صرف ایک شخص نے دی۔ اہل قباء نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے اپنا رخ بیت اللہ کی طرف کر لیا۔ اس کا واضح مطلب ہے کہ ان کے ہاں خبر واحد حجت تھی، اس لیے اگر کوئی ایک معتبر آدمی رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہے، خواہ اس کا تعلق ایمانیات سے ہو یا اعمال سے، اسے ماننا چاہیے۔ ہمارے اسلاف اسی راہ پر گامزن تھے۔ خبر واحد کی حجیت سے انکار بہت بعد کی پیداوار ہے۔

٧٢٥٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا، وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا﴾ [البقرة: ١٤٤] فَوُجِّهَ نَحْوَ الْكَعْبَةِ، وَصَلَّى مَعَهُ رَجُلٌ الْعَصْرَ ثُمَّ خَرَجَ فَمَرَّ عَلَى قَوْمٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: هُوَ يَشْهَدُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَنَّهُ قَدْ وُجِّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ، فَانْحَرَفُوا وَهُمْ رُكُوعٌ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ. [راجع: ٤٠]

[7252] حضرت براء ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن آپ کی خواہش تھی کہ بیت اللہ کی طرف منہ کریں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ”یقیناً ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھتے ہیں، ہم آپ کو اس قبلے کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔“ چنانچہ آپ کا رخ کعبے کی طرف پھیر دیا گیا۔ آپ کے ساتھ ایک آدمی نے عصر کی نماز پڑھی، پھر وہ انصار کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا تو کہا: وہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے نبی ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی ہے

اور آپ کو کعبے کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ یہ سن کر وہ لوگ کعبہ رخ ہو گئے، حالانکہ وہ نماز عصر کے رکوع میں تھے۔

فائدہ: یہ واقعہ تحویل قبلہ کے پہلے دن کا ہے۔ انصار کے قبیلے بنو حارثہ کی مسجد "قبلتین" آج بھی موجود ہے۔ ایک شخص کی خبر سن کر جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حالت نماز میں اپنا رخ کعبے کی طرف کر لیا۔ اس بنا پر خبر واحد حجت ہے اور جو لوگ اس کی حجیت کے منکر ہیں وہ گویا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کے منکر ہیں۔ ان حضرات کے پاس اس کے متعلق کوئی دلیل نہیں۔ یہ لوگ صرف محض ظن و تخمین کی پیروی کرتے ہیں جس سے قرآن کریم نے منع کیا ہے۔ واللہ المستعان۔

٧٢٥٣ - حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ أَسْقِي أَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ وَأَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ وَأُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ شَرَابًا مِّنْ فَضِيخٍ، وَهُوَ تَمْرٌ، فَجَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ: إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: يَا أَنَسُ! قُمْ إِلَى هٰذِهِ الْجِرَارِ فَاكْسِرْهَا. قَالَ أَنَسٌ: فَقُمْتُ إِلَى مِهْرَاسٍ لَّنَا فَضَرَبْتُهَا بِأَسْفَلِهِ حَتَّى انْكَسَرَتْ.

[راجع: ٢٤٦٤]

[7253] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو کھجور کی شراب پلا رہا تھا۔ اس دوران میں ایک شخص آیا اور اس نے بتایا کہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ (یہ سن کر) ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے انس! اٹھو اور ان مٹکوں کو توڑ دو۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ میں اٹھا اور ہاون دستہ ہاتھ میں لیا، پھر میں نے ان مٹکوں کو نیچے سے مارنا شروع کر دیا حتی کہ وہ سب ٹوٹ گئے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تقویٰ شعاری اور ایمانداری ملاحظہ کی جا سکتی ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کی خبر پر شراب نوشی ترک کر دی اور شراب کے مٹکے توڑ ڈالے، چنانچہ ایک روایت میں ہے: "انھوں نے اس آدمی سے کچھ نہ پوچھا اور نہ اس سے کوئی بحث و تکرار ہی کی۔"[1] ② اس سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کا بھی پتا چلتا ہے کہ ان کے ہاں خبر واحد حجت اور قابل عمل تھی۔ جو لوگ اس کی حجیت سے انکار کرتے ہیں وہ گویا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کے منکر ہیں، نیز یہ خبر واحد، خواہ عقیدے سے متعلق ہو یا عمل و کردار سے، اس قسم کی تفریق کے بغیر اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ یہ تفریق بہت بعد کی پیدا کردہ ہے۔ واللہ المستعان۔

٧٢٥٤ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ صِلَةَ، عَنْ

[7254] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اہل نجران سے فرمایا: "میں تمھارے پاس ایک امانت

[1] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4617.

حُذَيْفَةَ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِأَهْلِ نَجْرَانَ: «لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكُمْ رَجُلًا أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ»، فَاسْتَشْرَفَ لَهَا أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ، فَبَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ . [راجع: ٣٧٤٥]

دار آدمی جو حقیقی امانت دار ہوگا ضرور بھیجوں گا۔" صحابۂ کرام ؓ نے اس کی طرف نگاہیں اٹھائیں تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ کو بھیجا۔

٧٢٥٥ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ، وَأَمِينُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ». [راجع: ٣٧٤٤]

[7255] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔"

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابۂ کرام ؓ ایمان دار اور امانت دار تھے لیکن حضرت ابوعبیدہ ؓ ایمان داری اور امانت داری میں مزید اور بہت آگے بڑھے ہوئے تھے جیسا کہ حضرت عثمان ؓ حیا میں اور حضرت علی ؓ بہادری میں پیش پیش تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران کی تعلیم کے لیے حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ کا انتخاب کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ خبر واحد حجت ہے اور اس کی حجیت سے انکار صرف ان لوگوں کو ہے جن کے دلوں میں دین اسلام کے متعلق شکوک وشبہات ہیں۔

٧٢٥٦ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ ابْنِ [حُنَيْنٍ]، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَ: وَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِذَا غَابَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَشَهِدْتُهُ أَتَيْتُهُ بِمَا يَكُونُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَإِذَا غِبْتُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَشَهِدَ أَتَانِي بِمَا يَكُونُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ. [راجع: ٨٩]

[7256] حضرت عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: انصار میں سے ایک آدمی تھا جب وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں شرکت نہ کرتا اور میں ہوتا تو جو کچھ میں رسول اللہ ﷺ سے سنتا اسے آ کر بیان کر دیتا اور جب میں غائب ہوتا اور وہ مجلس میں شریک ہوتا تو وہ جو رسول اللہ ﷺ سے سنتا وہ مجھے بیان کر دیتا۔

فوائد ومسائل: ① اس شخص کا نام اوس بن خولی انصاری تھا۔ ان پر حضرت عمر ؓ کو پورا پورا اعتماد تھا اور انھیں حضرت عمر ؓ پر کامل یقین ہوتا تھا۔ یہ دونوں حضرات ایک دوسرے پر اعتماد کرتے اور ایک دوسرے کی باتوں پر یقین کرتے تھے اور جو کچھ سنتے اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔ ② اس حدیث سے خبر واحد کے قابل حجت ہونے کا ثبوت ملتا ہے لیکن کچھ لوگ اس کے لیے شرائط لگاتے ہیں، جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بہر حال خبر واحد پر یقین اور عمل کا طریقہ تواتر سے چلا آ رہا ہے۔ واللہ أعلم.

٧٢٥٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ جَيْشًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا، فَأَوْقَدَ نَارًا وَقَالَ: ادْخُلُوهَا، فَأَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا. وَقَالَ آخَرُونَ: إِنَّمَا فَرَرْنَا مِنْهَا. فَذَكَرُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لِلَّذِينَ أَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا: «لَوْ دَخَلُوهَا لَمْ يَزَالُوا فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»، وَقَالَ لِلْآخَرِينَ: «لَا طَاعَةَ فِي الْمَعْصِيَةِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ». [راجع: ٤٣٤٠]

[7257] حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور اس پر ایک آدمی کو امیر مقرر فرمایا۔ اس نے آگ کا الاؤ تیار کیا اور لشکریوں سے کہا: اس آگ میں کود پڑو۔ کچھ لوگوں نے اس میں کودنے کا ارادہ کیا تو دوسرے کہنے لگے: ہم آگ ہی سے بھاگ کر ادھر آتے ہیں۔ جب انھوں نے اس بات کا ذکر نبی ﷺ سے کیا تو آپ نے ان لوگوں سے فرمایا جنھوں نے کود جانے کا ارادہ کیا تھا: ”اگر یہ لوگ آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اس میں رہتے۔“ پھر دوسرے لوگوں نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ اطاعت صرف نیک کاموں میں ہوتی ہے۔“

فوائد و مسائل: ⓵ اس لشکر کے امیر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی ؓ تھے۔ وہ کسی بات پر ان سے ناراض ہو گئے تو بطور سزا انھیں آگ میں کود جانے کا حکم دیا۔ ⓶ امیر ایک آدمی، یعنی فرد واحد ہوتا ہے اور اس کی بات مانی جاتی ہے۔ پھر آگ میں کود جانے کے لیے تیار ہونے والوں نے اس کی بات کو مانا اور انکار کرنے والے بھی اس کے علاوہ باتوں میں اس کے اطاعت گزار تھے۔ اس سے امام بخاری ؒ نے خبر واحد کی حجیت کو ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امیر کی اطاعت کا حکم دیا، حالانکہ وہ فرد واحد ہوتا ہے۔ بہر حال خبر واحد حجت ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

٧٢٥٨، ٧٢٥٩ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَزَيْدَ بْنَ خَالِدٍ أَخْبَرَاهُ: أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٢٣١٤، ٢٣١٥]

[7259،7258] حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ دو شخص نبی ﷺ کے پاس اپنا ایک مقدمہ لے کر آئے (اس کی تفصیل اگلی حدیث میں ہے)۔

٧٢٦٠ - وَحَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِذْ قَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَعْرَابِ

[7260] حضرت ابو ہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے کہ اچانک ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! کتاب اللہ کے مطابق میرا فیصلہ کر دیں۔ اس

فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! اقْضِ لِي بِكِتَابِ اللهِ، فَقَامَ خَصْمُهُ فَقَالَ: صَدَقَ يَا رَسُولَ اللهِ! اقْضِ لَهُ بِكِتَابِ اللهِ وَائْذَنْ لِي. فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «قُلْ»، فَقَالَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هٰذَا، وَالْعَسِيفُ الْأَجِيرُ، فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ، فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةٍ مِّنَ الْغَنَمِ وَوَلِيدَةٍ، ثُمَّ سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى امْرَأَتِهِ الرَّجْمَ، وَأَنَّمَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبُ عَامٍ. فَقَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ، أَمَّا الْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ فَرُدُّوهَا، وَأَمَّا ابْنُكَ فَعَلَيْهِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَأَمَّا أَنْتَ يَا أُنَيْسُ - لِرَجُلٍ مِّنْ أَسْلَمَ - فَاغْدُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»، فَغَدَا عَلَيْهَا أُنَيْسٌ فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا. [راجع: ٢٣١٥]

کے بعد اس کا مدمقابل کھڑا ہوا اس نے بھی یہی عرض کی: اللہ کے رسول! یہ سچ کہتا ہے۔ اس کا فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق فرمائیں لیکن مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیں۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: ”بیان کرو۔“ اس نے کہا: میرا بیٹا اس شخص کے ہاں ملازم تھا۔ اس نے اس کی بیوی سے زنا کر لیا۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کو رجم کی سزا ملے گی لیکن میں نے اس کی طرف سے سو بکریاں اور ایک لونڈی بطور فدیہ ادا کر دیں۔ پھر میں نے اہل علم سے رابطہ کیا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ اس کی بیوی پر رجم اور میرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کے لیے جلاوطنی کی سزا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمھارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ لونڈی اور بکریاں (تجھے) واپس کر دی جائیں اور تیرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی واجب ہے، پھر قبیلۂ اسلم کے ایک آدمی حضرت انیس ؓ سے کہا: اے انیس! تم اس کی بیوی کے پاس جاؤ، اگر وہ زنا کا اقرار کر لے تو اسے رجم کر دو۔“ چنانچہ حضرت انیس ؓ اس کے پاس گئے تو اس عورت نے زنا کا اعتراف کر لیا۔ اس کے بعد حضرت انیس ؓ نے اسے سنگسار کر ڈالا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کی عنوان کے ساتھ مناسبت کئی اعتبار سے ہے: پہلی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو فریق حاضر ہوئے اور ہر فریق ایک ایک آدمی پر مشتمل تھا۔ آپ ﷺ نے ان کی بات سن کر تصدیق فرمائی اور ہر ایک کے متعلق فیصلہ صادر فرمایا۔ دوسری تطبیق اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے قبیلۂ اسلم کے ایک آدمی حضرت انیس ؓ کو اس عورت کی طرف بھیجا تاکہ اسے صورت حال سے آگاہ کرے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کی بات سنی اور اعتراف جرم کر لیا، پھر ایک ہی آدمی نے اس پر رجم کی حد جاری کی۔ ② بہرحال اس حدیث سے بھی خبر واحد کی حجیت روز روشن کی طرح واضح ہے، نیز اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی سنت پر کتاب اللہ کا اطلاق کیا گیا ہے کیونکہ شرعی معاملات میں رسول اللہ ﷺ وحی کے بغیر گفتگو نہیں کرتے تھے۔

(٢) بَابُ بَعْثِ النَّبِيِّ ﷺ الزُّبَيْرَ طَلِيعَةً وَحْدَهُ

باب:2- نبی ﷺ کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو تنہا دشمن کی خبر لانے کے لیے بھیجنا

٧٢٦١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ: نَدَبَ النَّبِيُّ ﷺ النَّاسَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ، ثُمَّ نَدَبَهُمْ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ، ثُمَّ نَدَبَهُمْ فَانْتَدَبَ الزُّبَيْرُ، فَقَالَ: «لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ، وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ».

[7261] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے خندق کے روز صحابہ کو آواز دی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ آپ نے پھر دوبارہ پکارا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی تیار ہوئے آپ نے تیسری مرتبہ پکارا تو بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آمادگی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہر نبی کا مددگار ہوتا ہے اور میرا مددگار زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔“

قَالَ سُفْيَانُ: حَفِظْتُهُ مِنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ. وَقَالَ لَهُ أَيُّوبُ: يَا أَبَا بَكْرٍ! حَدِّثْهُمْ عَنْ جَابِرٍ، فَإِنَّ الْقَوْمَ يُعْجِبُهُمْ أَنْ تُحَدِّثَهُمْ عَنْ جَابِرٍ. فَقَالَ فِي ذٰلِكَ الْمَجْلِسِ: سَمِعْتُ جَابِرًا، فَتَابَعَ بَيْنَ أَحَادِيثَ سَمِعْتُ جَابِرًا قُلْتُ لِسُفْيَانَ: فَإِنَّ الثَّوْرِيَّ يَقُولُ: يَوْمَ قُرَيْظَةَ. فَقَالَ: كَذَا حَفِظْتُهُ مِنْهُ كَمَا أَنَّكَ جَالِسٌ: يَوْمَ الْخَنْدَقِ، قَالَ سُفْيَانُ: هُوَ يَوْمٌ وَاحِدٌ، وَتَبَسَّمَ سُفْيَانُ. [راجع: ٢٨٤٦]

(راوی حدیث) سفیان نے کہا: میں نے یہ حدیث محمد بن منکدر سے یاد کی ہے۔ ایوب نے ان (ابن منکدر) سے کہا: اے ابوبکر! آپ لوگوں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کریں کیونکہ لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں تو انھوں نے اسی مجلس میں کہا: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے اور پے در پے احادیث بیان کرنے لگے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا۔ (علی بن عبداللہ کہتے ہیں:) میں نے سفیان بن عیینہ سے کہا: سفیان ثوری نے یوم قریظہ کہا۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: میں نے ابن منکدر سے یوم خندق اس طرح آمنے سامنے یاد کیا ہے جیسے آپ بیٹھے ہیں۔ سفیان نے کہا: یہ دونوں نام ایک ہی غزوے کے ہیں اور پھر سفیان مسکرا دیے۔

فوائد ومسائل: ① بنو قریظہ کے دن سے مراد وہ دن ہے جب غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کی خبر لانے کے لیے کہا تھا۔ اس سے بنو قریظہ کے محاصرے کا دن مراد نہیں ہے کیونکہ یہ محاصرہ تو غزوۂ خندق کے بعد ہوا تھا اور کئی دن تک جاری رہا تھا۔ آخر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر وہ قلعوں سے نیچے اترے۔ پھر یہ محاصرہ اپنے منطقی نتائج کو پہنچا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تنہا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دشمنوں کی خبر لانے کے لیے روانہ فرمایا، پھر آپ ﷺ نے ان کی رپورٹ پر اعتماد کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خبر واحد حجت ہے بشرطیکہ قابل اعتماد راوی سے مروی ہو۔

(٣) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ﴾ [الاحزاب: ٥٣]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو الا یہ کہ تمھیں (کھانے کے لیے) اجازت دی جائے۔''

فَإِذَا أَذِنَ لَهُ وَاحِدٌ جَازَ.

اجازت کے لیے ایک شخص کا اذن ہی کافی ہے۔

وضاحت: آیت کریمہ کے متعلق جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ آیت میں کوئی پابندی نہیں ہے، خواہ ایک آدمی اجازت دے دے تو بھی کافی ہے کیونکہ ایسے معاملات میں جھوٹ کا امکان نہیں ہوتا۔ اس سے بھی خبر واحد کی حجیت ثابت ہوتی ہے۔

٧٢٦٢ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي مُوسٰى: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ حَائِطًا وَأَمَرَنِي بِحِفْظِ الْبَابِ، فَجَاءَ رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فَقَالَ: «ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ»، فَإِذَا أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ جَاءَ عُمَرُ فَقَالَ: «ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ»، ثُمَّ جَاءَ عُثْمَانُ فَقَالَ: «ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ». [راجع: ٣٦٧٤]

[7262] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور مجھے دروازے کی نگرانی کا حکم دیا۔ پھر ایک آدمی آیا اور وہ اجازت طلب کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اجازت کے ساتھ جنت کی بھی بشارت دے دو۔'' وہ ابوبکر ؓ تھے۔ پھر حضرت عمر ؓ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''انھیں بھی اجازت دے دو اور جنت کی بشارت سنا دو۔'' پھر حضرت عثمان ؓ آئے تو آپ نے فرمایا: ''انھیں بھی اجازت کے ساتھ جنت کی خوشخبری دے دو۔''

فوائد و مسائل: ① ایک روایت کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دروازے پر بیٹھنے کا حکم نہیں دیا تھا،[1] جبکہ اس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حکم دیا تھا؟ ان دونوں روایات میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے کیونکہ ابتدا میں انھوں نے خود اس چوکیداری کو اپنے ذمے لیا تھا لیکن جب حضرت ابوبکر ؓ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے یہ ذمے داری انھیں سونپ دی تھی۔ ② بہرحال امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے خبر واحد کی حجیت کو ثابت کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ اکیلے ان حضرات کو رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے مطلع کرتے تھے اور یہ قابل قدر حضرات اس پر یقین اور اعتماد کرتے تھے۔

٧٢٦٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ عُبَيْدِ

[7263] حضرت عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ

[1] صحيح البخاري، الفتن، حديث: 7097.

ابْنِ حُنَيْنٍ: سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَ: جِئْتُ فَإِذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ، وَغُلَامٌ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ أَسْوَدُ عَلَى رَأْسِ الدَّرَجَةِ، فَقُلْتُ: قُلْ: هٰذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَأَذِنَ لِي. [راجع: ٨٩]

آپ ﷺ اپنے بالا خانہ میں تشریف فرما تھے اور آپ کا سیاہ غلام سیڑھی کے اوپر تعینات تھا۔ میں نے اس سے کہا: (رسول اللہ ﷺ سے) عرض کرو: عمر بن خطاب کھڑا اجازت طلب کر رہا ہے، چنانچہ آپ نے مجھے اجازت دے دی۔

فائدہ: حضرت عمر ؓ نے یہ خبر سنی کہ رسول اللہ نے اپنی بیویوں کو طلاق دی ہے۔ تو وہ بہت فکر مند ہوئے۔ اس امر کی تحقیق کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تو وہاں سیڑھیوں پر ایک دربان تعینات تھا۔ انھوں نے اس سے کہا: میرے لیے رسول اللہ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کرو، چنانچہ وہ اکیلا تھا اور اس کے اجازت لینے پر حضرت عمر ؓ نے اعتماد کیا اور اس کی اطلاع کو قابل یقین خیال کیا۔ اس سے امام بخاری ؒ نے خبر واحد کی حجیت کو ثابت کیا ہے۔ بہر حال خبر واحد حجت ہے، خواہ اس کا تعلق ایمانیات سے ہو یا اعمال سے، اس قسم کی تفریق خود ساختہ اور بناوٹی ہے۔ واللہ أعلم.

(٤) بَابُ مَا كَانَ يَبْعَثُ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْأُمَرَاءِ وَالرُّسُلِ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ

باب: 4- نبی ﷺ کا اپنے امراء اور قاصد یکے بعد دیگرے روانہ کرنا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ دِحْيَةَ الْكَلْبِيَّ بِكِتَابِهِ إِلَى عَظِيمِ بُصْرٰى أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى قَيْصَرَ.

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دحیہ کلبی ؓ کو اپنا خط دے کر عظیم بصری کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ خط قیصر روم تک پہنچا دے۔

وضاحت: اس خط کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اسی طرح حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ؓ کو اپنا دعوتی خط دے کر اسکندریہ کے بادشاہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ یہ خط اب تک موجود ہے اور اس کی عکسی تصاویر چھپ چکی ہیں۔

٧٢٦٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلَى كِسْرٰى، فَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ الْبَحْرَيْنِ، يَدْفَعُهُ عَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ إِلَى كِسْرٰى، فَلَمَّا قَرَأَهُ كِسْرٰى مَزَّقَهُ، فَحَسِبْتُ أَنَّ ابْنَ

[7264] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ (شاہ ایران) کو اپنا خط بھیجا اور قاصد کو حکم دیا کہ وہ یہ خط بحرین کے گورنر کو دے، بحرین کا گورنر اسے کسریٰ تک پہنچائے گا۔ جب کسریٰ نے وہ خط پڑھا تو اس نے (غصے میں آ کر) اسے پھاڑ ڈالا۔ مجھے یاد ہے کہ (راوی حدیث) سعید بن مسیب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان (ایرانیوں) کو بددعا دی

الْمُسَيَّبِ قَالَ: فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُمَزَّقُوا كُلَّ مُمَزَّقٍ. [راجع: ٦٤]

کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔

فوائد ومسائل: ① شاہ ایران کو خط پہنچانے کا یہی طریقہ تھا کہ اس کے مقرر کیے ہوئے گورنر کے ذریعے سے اسے پہنچایا جاتا۔ جب اس نے بدتمیزی کرتے ہوئے اس خط کو پھاڑا تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر بددعا فرمائی، اس کے نتیجے میں کوئی بھی کسریٰ باقی نہ رہا۔ آخری کسریٰ یزدگرد تھا۔ وہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں قتل ہو گیا۔ اس طرح فارسیوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور وہ ہمیشہ کے لیے نیست ونابود اور ملیامیٹ ہو گئے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے خبر واحد کی حجیت کو ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس سلسلے میں صرف ایک آدمی کو روانہ کرتے تھے اور اس پر اعتماد کرتے تھے، اس بنا پر خبر واحد حجت اور قابل یقین ہے۔

٧٢٦٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ يَزِيدَ ابْنِ أَبِي عُبَيْدٍ: حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ مِّنْ أَسْلَمَ: «أَذِّنْ فِي قَوْمِكَ - أَوْ فِي النَّاسِ - يَوْمَ عَاشُورَاءَ: أَنَّ مَنْ أَكَلَ فَلْيُتِمَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ، وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَكَلَ فَلْيَصُمْ». [راجع: ١٩٢٤]

[7265] حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ اسلم کے ایک شخص سے فرمایا: ''عاشوراء کے دن اپنی قوم یا لوگوں میں یہ اعلان کر دے جس نے کچھ کھا پی لیا ہے وہ باقی دن پورا کرے (کچھ نہ کھائے) اور جس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا وہ روزہ رکھ لے۔''

فائدہ: اس قاصد کا نام ہند بن اسماء بن حارثہ تھا۔[1] اسے رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کے متعلق اعلان کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ اکیلا شخص تھا اور آپ ﷺ نے اسے روانہ فرمایا۔ قوم اور لوگوں نے اس کے اعلان کو قابل اعتبار سمجھتے ہوئے اس پر عمل کیا۔ خبر واحد میں بھی یہی حکم ہے کہ وہ قابل حجت اور یقینی علم کا فائدہ دیتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے خبر واحد کی حجیت ثابت کی ہے جو روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے۔

(٥) بَابُ وَصَاةِ النَّبِيِّ ﷺ وُفُودَ الْعَرَبِ أَنْ يُبَلِّغُوا مَنْ وَّرَاءَهُمْ

باب: 5- وفود عرب کو نبی ﷺ کی یہ وصیت کہ وہ اپنے پچھلوں کو احکام پہنچا دیں

قَالَهُ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ.

یہ مضمون حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔

وضاحت: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ایک وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ تقریباً بیس دن مدینہ طیبہ میں قیام کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا: ''تم اپنے گھروں کو واپس جاؤ اور انھیں دین کی باتیں سکھاؤ۔''[2]

1 فتح الباري: 298/13. 2 صحيح البخاري، أخبار الآحاد، حديث: 7246.

٧٢٦٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ؛ ح: وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا النَّضْرُ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ قَالَ: كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُقْعِدُنِي عَلَى سَرِيرِهِ، فَقَالَ: إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوْا رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنِ الْوَفْدُ؟» قَالُوا: رَبِيعَةُ، قَالَ: «مَرْحَبًا بِالْوَفْدِ وَالْقَوْمِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارَ مُضَرَ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ وَنُخْبِرُ بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا، فَسَأَلُوا عَنِ الْأَشْرِبَةِ فَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ وَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ: أَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللهِ، قَالَ: «هَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللهِ؟» قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ - وَأَظُنُّ فِيهِ - صِيَامُ رَمَضَانَ، وَتُؤْتُوا مِنَ الْمَغَانِمِ الْخُمُسَ»، وَنَهَاهُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالْمُزَفَّتِ، وَالنَّقِيرِ. وَرُبَّمَا قَالَ: الْمُقَيَّرِ. قَالَ: «احْفَظُوهُنَّ وَأَبْلِغُوهُنَّ مَنْ وَرَاءَكُمْ». [راجع: ٥٣]

[7266] حضرت ابو جمرہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابن عباس ؓ مجھے خاص اپنے تخت پر بٹھا لیتے تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ قبیلۂ عبدالقیس کا وفد جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا: ''یہ کس قوم کا وفد ہے؟'' انھوں نے کہا: قبیلۂ ربیعہ (کی ایک شاخ) کا۔ آپ نے فرمایا: ''کسی قسم کی رسوائی یا شرمندگی اٹھائے بغیر اس وفد کو مبارک ہو۔'' انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر ہیں، لہٰذا آپ ہمیں ایسی باتیں بتائیں جن پر عمل کرنے سے ہم جنت میں داخل ہو جائیں اور اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو بھی ان سے آگاہ کریں۔ پھر انھوں نے مشروبات کے متعلق پوچھا تو آپ نے انھیں چار چیزوں سے منع فرمایا اور چار چیزوں کو بجا لانے کا حکم دیا۔ پہلے آپ نے اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا، پھر پوچھا: ''تمھیں علم ہے کہ ایمان باللہ کیا چیز ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ دینا۔'' نیز آپ نے انھیں کدو، سبز مٹکے، تارکول شدہ برتن اور لکڑی کے برتنوں سے منع کیا۔ آپ نے فرمایا: ''ان باتوں کو یاد رکھو اور انھیں پہنچا دو جو تمھارے پیچھے ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے انھیں جن برتنوں سے منع فرمایا، اس وقت ان میں شراب بنائی جاتی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے ان برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرما دیا، تاکہ انھیں دیکھ کر شراب نوشی کا جذبہ تازہ نہ ہو جائے اور ان میں شراب کے اثرات بھی ختم ہو جائیں، پھر آپ ﷺ نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی کیونکہ ان کے خطرات ختم ہو چکے تھے۔ ② امام بخاری ؒ نے اس سے خبر واحد کی حجیت کو ثابت فرمایا ہے۔ ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے پابند فرمایا کہ یہ احکام تم نے اپنی پیچھے رہنے والی قوم کو پہنچانے ہیں۔ یہ حکم عام ہے ایک آدمی بھی یہ باتیں دوسروں کو پہنچا سکتا ہے۔

(٦) بَابُ خَبَرِ الْمَرْأَةِ الْوَاحِدَةِ

٧٢٦٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ تَوْبَةَ الْعَنْبَرِيِّ قَالَ: قَالَ لِي الشَّعْبِيُّ: أَرَأَيْتَ حَدِيثَ الْحَسَنِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ؟ وَقَاعَدْتُ ابْنَ عُمَرَ قَرِيبًا مِّنْ سَنَتَيْنِ أَوْ سَنَةٍ وَّنِصْفٍ فَلَمْ أَسْمَعْهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ غَيْرَ هٰذَا. قَالَ: كَانَ نَاسٌ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فِيهِمْ سَعْدٌ فَذَهَبُوا يَأْكُلُونَ مِنْ لَّحْمٍ، فَنَادَتْهُمُ امْرَأَةٌ مِّنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ: إِنَّهُ لَحْمُ ضَبٍّ، فَأَمْسَكُوا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كُلُوا وَاطْعَمُوا فَإِنَّهُ حَلَالٌ - أَوْ قَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ، شَكَّ فِيهِ - وَلٰكِنَّهُ لَيْسَ مِنْ طَعَامِي».

باب:6- ایک عورت کی خبر کا بیان

[7267] حضرت توبہ عنبری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھ سے امام شعبی نے فرمایا: تم نے دیکھا حضرت حسن بصری نبی ﷺ سے کتنی احادیث بیان کرتے ہیں جبکہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تقریباً ڈیڑھ دو برس رہا ہوں لیکن میں نے انھیں نبی ﷺ سے سوائے ایک حدیث کے اور کوئی حدیث بیان کرتے نہیں سنا۔ انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کے صحابۂ کرام میں سے چند حضرات جن میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی تھے گوشت کھا رہے تھے کہ امہات المومنین میں سے ایک نے آگاہ کیا کہ یہ سانڈے کا گوشت ہے۔ (یہ سن کر) وہ کھانے سے رک گئے تو رسول اللہ نے ان سے فرمایا: ”کھاؤ کیونکہ یہ حلال ہے...... یا فرمایا: اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں...... لیکن میں اسے نہیں کھاتا کیونکہ میری یہ خوراک نہیں۔“

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما شدت احتیاط کی وجہ سے بہت کم احادیث بیان کرتے تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان سے کوئی ایسی بات ہو جائے جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد نہ فرمائی ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے خبر واحد کی حجیت کو بیان فرمایا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک عورت کے آگاہ کرنے سے اپنے ہاتھ روک لیے اور اس کی بات پر عمل کیا، اس لیے اگر خبر واحد ثقہ راوی سے مروی ہو تو اس کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ واللہ أعلم۔

اعتصام کے معنی و مطالب اور کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا بیان

اس پُرفتن دور میں مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی سخت ضرورت ہے، لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب عقیدہ و ایمان اور مسائل و احکام میں صرف کتاب و سنت کو مرکز و محور قرار دیا جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ ''تم اس (ہدایت) کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ (دوسرے) دوستوں کی پیروی نہ کرو۔ تم بہت کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔''[1]

بلاشبہ انسانی زندگی کے لیے جو قوانین اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں، ہم مسلمانوں کو صرف انھی کا اتباع کرنا چاہیے، غیر مسلم قائدین سے کسی طرح کے قواعد وضوابط درآمد کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن افسوس کہ آج مسلمانوں کی اکثریت دین و شریعت کے مسائل معلوم کرنے کے لیے خودساختہ آراء و قیاسات کا سہارا لینے پر مجبور ہے۔ زہد و رہبانیت کے لیے ہندی اور یونانی فلسفے کی محتاج ہے۔ اپنا معاشی نظام لینن (Lenin) اور کارل مارکس (Korl marx)، روس اور چین سے اور سیاسی نظام کے لیے امریکی جمہوریت اسلام میں گھسا لائی ہے، حالانکہ انسانی زندگی کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کتاب و سنت کافی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت یہی بات سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ دراصل آپ کا یہ عنوان درج ذیل آیت کریمہ سے ماخوذ ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ ''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔''[2]

آیت کریمہ میں اللہ کی رسی سے مراد دین اسلام یا کتاب و سنت کے احکام ہیں، فقہی آراء مقصود نہیں۔ کتاب و سنت کو اللہ کی رسی اس لیے کہا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے جو تمام اہل ایمان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوطی کے ساتھ جوڑے رکھتا ہے اور دوسری طرف اہل ایمان کو ایک دوسرے سے مربوط کرتا ہے۔ کتاب و سنت کے احکام پر سختی سے عمل پیرا ہونے سے اس بات کا امکان ہی نہیں رہتا کہ مسلمانوں میں کسی قسم کا اختلاف و انتشار یا عداوت پیدا ہوگی۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارا دستور حیات قرآن و سنت کی واضح شکل میں ہمیں میسر ہے جس کا تعلق وحی الٰہی سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازوال اور بے شمار برکتوں سے مالا مال ہے۔ لیکن ہمارے دشمنوں نے اس چشمۂ رشد و ہدایت سے ہمیں بدظن اور

---

1 الأعراف 3:7. 2 آل عمران 103:3.

دور کرنے اور اس کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مستشرقین نے جہاں براہ راست قرآن کریم کے اسلوب بیان، ترتیب وتدوین اور تصور وحی وتنزیل کو ہدف تنقید بنایا ہے وہاں ہمارے ہاں اشراق زدہ، روشن خیال متجددین نے آزادیٔ تحقیق کے نام پر دین کے ایک اہم مأخذ حدیث وسنت کے متعلق شکوک وشبہات بلکہ استہزاء واستخفاف کا رویہ اپنایا ہے، حالانکہ حدیث وسنت کی تدوین اپنے دامن میں ایسا استناد، اتصال اور تسلسل لیے ہوئے ہے جس کی مثال دنیا کے کسی مذہبی یا تاریخی لٹریچر میں نہیں پائی جاتی۔ ہمارے نزدیک حدیث وسنت کی محبت و ضرورت کا انکار دراصل رسالت سے انکار بلکہ دین اسلام کے انکار کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کا منصب ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ ''اور ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت سے بیان کر دیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں۔''[1]

ایک دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ منصب رسالت کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے: ﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ ''اور ہم نے آپ پر کتاب اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ اُس امر کی وضاحت کر دیں جس میں انھوں نے اختلاف کر رکھا ہے۔''[2]

ان آیات سے رسول اللہ ﷺ کے منصب کی وضاحت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی حیثیت ایک چٹھی رساں کی نہیں جو ایک بند لفافہ اس شخص تک پہنچا دیں جسے وہ خط لکھا گیا ہے بلکہ آپ ﷺ کا منصب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے عمل و کردار اور قول و گفتار سے اس آئینِ زندگی کی وضاحت کرنا ہے کیونکہ شاہی فرمان کا مطلب مصاحبِ خاص اور محرم راز سے زیادہ اور کوئی نہیں سمجھ سکتا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قرآنی مجملات کی تفصیل، مبہمات کی وضاحت، مشکلات کی تفسیر، کنایات کی تصریح اور اس کے ارشادات کی توضیح فرمائی ہے۔ اپنے عمل سے احکام الٰہی کی تفصیل کا طریقہ بتایا، پھر آپ ﷺ نے دین اسلام کے اوامر و نواہی پر مشتمل ایک مکمل نظام زندگی تشکیل دے کر ہمارے حوالے کر دیا۔ اب قرآن کریم اور اسوۂ رسول اللہ ﷺ میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان میں سے کسی کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں تمھارے پاس دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم انھیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے دنیا کی کوئی طاقت تمھیں گمراہ نہیں کر سکے گی۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت ہے۔ یہ دونوں الگ الگ نہیں کی جا سکتیں حتی

---

[1] النحل 44:16. [2] النحل 64:16.

کہ حوض کوثر کی تقسیم کے وقت یہ دونوں اکٹھی ہوں گی۔''[1]

جن لوگوں نے انھیں الگ کرنا چاہا ان کی نشاندہی ان الفاظ میں فرمائی: ''میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا ہو اور اس کے پاس میرا امر یا نہی آئے تو وہ کہے: ہم اسے نہیں جانتے، جو ہمیں کتاب اللہ میں ملے گا ہم تو اسی کی پیروی کریں گے۔''[2]

سنت کی ضرورت و اہمیت کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ''بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔''[3]

اس آیت کی رو سے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی قرآن کریم کی مجسم تفسیر ہے۔ اس آیت کے تناظر میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ پیغام دیا ہے کہ اس عملی تفسیر کی روشنی میں قرآن کریم کو سمجھا جائے اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے۔ یہی بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے جب ان سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا تھا تو انھوں نے فرمایا: ''یہ قرآن ہی رسول اللہ ﷺ کا خلق تھا۔''[4]

خلق میں اقوال و افکار، اعمال و افعال اور تقریرات سب کچھ آ جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قول یا عمل ایسا نہ تھا جو قرآن کریم سے باہر ہو۔ آپ ﷺ کے اسی ''خلق'' کو عالم (جہان والوں) کے لیے نمونہ بنایا گیا ہے۔ اسی خلق کا نام حدیث ہے اور اسی خُلُق کو سنت کہا جاتا ہے۔ اس خلق نبوی کے بغیر نہ قرآن سمجھا جا سکتا ہے اور نہ اس پر عمل ہی کیا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں نے خلق نبوی کے بغیر قرآن فہمی کی کوشش کی ہے انھوں نے گویا اندھیرے میں تیر چلائے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان کی ان الفاظ میں تشریح کی ہے:

''لفظ اعتصام، باب افتعال کا مصدر اور عصمة سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ﴾ ''تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو''[5] کی تعمیل ہے کیونکہ حبل اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونے سے مقصود اخروی ثواب حاصل کرنا ہے جیسا کہ رسی سے مقصود کنویں سے پانی کھینچنا ہوتا ہے۔ آخرت میں ثواب، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے جس کی محض تلاوت کرنا بھی عبادت ہے اور سنت سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور تقریرات ہیں۔ لغوی طور پر لفظ سنت، طریقے پر بولا جاتا ہے اور محدثین کی اصطلاح

1 المستدرك للحاكم: 93/1. 2 جامع الترمذي، العلم، حديث: 2663. 3 الأحزاب 21:33. 4 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1739 (746). 5 آل عمران 3: 103.

میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال اور تقریرات پر بولا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ تقریرات سے مراد ایسے کام ہیں جو آپ ﷺ کی موجودگی میں کیے گئے ہوں لیکن آپ ﷺ نے ان سے منع نہ کیا ہو بلکہ خاموشی اختیار کر کے انھیں ثابت رکھا ہو۔ شارح صحیح بخاری ابن بطال نے کہا ہے کہ غلطی سے محفوظ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے، پھر اجماع علماء جو قرآن و سنت کے مطابق ہو۔ اس کے علاوہ کوئی بھی غلطی سے محفوظ نہیں۔

بہرحال محدثین کے نزدیک شریعت کے اصل مأخذ دو ہیں: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں اپنے دین کو مکمل کر دیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ ''آج کے دن میں نے تمھارا دین تمھارے لیے مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور میں نے تمھارے لیے بحیثیت دین، اسلام کو پسند کیا ہے۔''[1]

دین سے مراد شریعت کے تمام اصول اور احکام و ہدایات ہیں اور ان احکام پر عمل پیرا ہونے کا وہ طریقہ بھی جو رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو زندگی گزارنے کے لیے کتاب و سنت کافی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی موقف کو ثابت کرنے کے لیے مذکورہ عنوان قائم کیا ہے۔ اس عنوان کے تحت ایک سو ستائیس (127) احادیث پیش کی ہیں جن میں چھبیس (26) معلق اور باقی موصول ہیں، نیز ان میں ایک سو دس (110) مکرر اور باقی خالص ہیں۔ سات (7) احادیث امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی بیان کی ہیں۔ مرفوع احادیث کے علاوہ تقریباً سولہ (16) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے آثار بھی پیش کیے ہیں۔ انھوں نے ان احادیث پر تقریباً اٹھائیس (28) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن کا بڑی باریک بینی اور دقت نظری سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ مسلمانوں کو شرعی احکام کے سلسلے میں سب سے پہلے واضح نصوص کا اتباع کرنا چاہیے، خواہ مخواہ قیاسات کی تلاش میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے اگر کہیں ضرورت محسوس ہو تو مقیس علیہ (جس پر قیاس کیا جائے) واضح اور معلوم ہو، یعنی علت حکم نمایاں ہو، چنانچہ آپ نے ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابُ مَنْ شَبَّهَ أَصْلًا مَعْلُومًا بِأَصْلٍ مُبَيَّنٍ، وَقَدْ بَيَّنَ النَّبِيُّ ﷺ حُكْمَهُمَا لِيُفْهِمَ السَّائِلَ] ''ایک معلوم امر کو دوسرے واضح امر سے تشبیہ دینا جبکہ ان دونوں کا حکم نبی ﷺ نے بیان فرما دیا ہو تاکہ سائل سمجھ جائے۔''

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیاس میں اصل اور علت کو واضح ہونا چاہیے، محض ظن و تخمین پر انحصار نہ کیا جائے، چنانچہ اس کی روک تھام کے لیے یوں عنوان قائم کیا ہے: [بَابُ مَا يُذْكَرُ مِنْ ذَمِّ الرَّأْيِ وَتَكَلُّفِ

---

[1] المآئدة 5:3.

الْقِيَاسِ] ''رائے زنی اور خواہ مخواہ قیاس کرنے کی مذمت کا بیان۔'' امام بخاری رحمہ اللہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کتاب و سنت میں کسی مسئلے کے متعلق کوئی دلیل نہ مل سکے تو بھی انسان کو فضول قسم کے قیاس اور رائے زنی سے بچتے ہوئے اس سے ملتے جلتے مسائل پر غور کر کے پیش آنے والے مسئلے کا حل تلاش کرنا چاہیے۔ فرضی قیاسات کو انھوں نے درج ذیل آیت کے مفہوم میں داخل فرمایا: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ ''اور ایسی بات کے پیچھے نہ پڑو جس کا تجھے علم نہیں کیونکہ ایسی بات کے متعلق کان، آنکھ اور دل سب سے باز پرس ہوگی۔''[1]

بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ نے محدثین کے مسلک کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے اعمال و افعال کی پیروی کرنے پر زور دیا ہے، چنانچہ آپ نے اس سلسلے میں دو عنوان قائم کیے ہیں: (ا) [بَابُ الْاِقْتِدَاءِ بِسُنَنِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ] ''رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کی پیروی کرنا۔'' (ب) [بَابُ الْاِقْتِدَاءِ بِأَفْعَالِ النَّبِيِّ ﷺ] ''رسول اللہ ﷺ کے اعمال کے مطابق عمل کرنا۔''

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ پیش کردہ احادیث کا بغور مطالعہ کریں اور اس سلسلے میں ہماری گزارشات کو بھی مدنظر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کتاب و سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین.

---

[1] بنيٓ إسرآئيل 17: 36.

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

96 - كِتَابُ الْاِعْتِصَامِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا بیان

٧٢٦٨ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مِسْعَرٍ وَغَيْرِهِ، عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْيَهُودِ لِعُمَرَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! لَوْ أَنَّ عَلَيْنَا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدة: ٣] لَاتَّخَذْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ عِيدًا. فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي لَأَعْلَمُ أَيَّ يَوْمٍ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ، نَزَلَتْ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ.

[7268] حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک یہودی آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر یہ آیت: ''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور اسلام کو بطور دین تمھارے لیے پسند کر لیا۔'' ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو بطور عید مناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: میں خوب جانتا ہوں یہ آیت کریمہ کس روز نازل ہوئی۔ یہ آیت عرفہ کے روز جمعے کے دن نازل ہوئی تھی۔

سَمِعَ سُفْيَانُ مِسْعَرًا، وَمِسْعَرٌ قَيْسًا، وَقَيْسٌ طَارِقًا. [راجع: ٤٥]

سفیان نے حضرت مسعر سے، انھوں نے قیس سے اور انھوں نے طارق سے مذکورہ حدیث سنی۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودی کے جواب میں جو ارشاد فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے لیے تو وہ دن عید ہی کا شمار ہوتا ہے، یعنی جمعے کے دن مسلمانوں کی ہفتہ وار عید ہوتی ہے۔ ② اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ تقریباً اسی (80) دن زندہ رہے۔ واقعی اس وقت دین اسلام کے اصول و ارکان مکمل ہو چکے تھے اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک آیت کا مدلول یہ ہے کہ اس امت مرحومہ نے کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اس آیت کریمہ کے ذریعے سے احسان فرمایا کہ ان کے دین کو کامل، ان پر اپنی نعمت کو پورا کرنے اور ان کے لیے دین اسلام کا انتخاب کرنے کے سبب ان سے رضامندی کا اظہار کیا ہے۔[1] ③ مذکورہ آیت کریمہ محرمات کے ذکر کے درمیان ایک جملہ

---

[1] عمدة القاري: 498/16.

معترضہ کے طور پر ہے جس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ ان محرمات کا استعمال فسق اور حرام ہے اور ان اشیاء کی حرمت، دین کامل کا ایک حصہ اور اتمام نعمت ہے۔ دین سے مراد شریعت کے تمام اصول اور احکام و ہدایات ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد مسلمانوں کو زندگی کے کسی بھی پہلو میں، خواہ وہ معاشرتی پہلو ہو یا معاشی یا سیاسی، باہر سے کوئی بھی اصول اسلام میں درآمد کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس اعتبار سے اسلام میں موجودہ مغربی جمہوریت، اشتراکیت، کمیونزم، سوشلزم یا کسی اور ازم کو داخل کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ یہی صورت حال بدعات و محدثات کی ہے۔ اس اعتبار سے مسلمانوں پر سب سے بڑی نعمت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی جامع ہدایات عطا فرما دی ہیں جن سے دنیا کی زندگی بھی کامیاب اور خوشگوار ہو جاتی ہے اور ان پر عمل پیرا ہونے سے اُخروی نجات بھی یقینی بن جاتی ہے۔ واللہ أعلم.

٧٢٦٩ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّهُ سَمِعَ عُمَرَ الْغَدَ حِينَ بَايَعَ الْمُسْلِمُونَ أَبَا بَكْرٍ وَّاسْتَوٰى عَلٰى مِنْبَرِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، تَشَهَّدَ قَبْلَ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ: أَمَّا بَعْدُ! فَاخْتَارَ اللّٰهُ لِرَسُولِهِ ﷺ الَّذِي عِنْدَهُ عَلَى الَّذِي عِنْدَكُمْ، وَهٰذَا الْكِتَابُ الَّذِي هَدَى اللّٰهُ بِهِ رَسُولَكُمْ، فَخُذُوا بِهِ تَهْتَدُوا، وَلِمَا هَدَى اللّٰهُ بِهِ رَسُولَهُ. [راجع: ٧٢١٩]

[7269] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عمر ؓ سے وہ خطبہ سنا جو انھوں نے وفات نبوی کے دوسرے دن پڑھا تھا، جس دن مسلمانوں نے حضرت ابوبکر ؓ کی بیعت کی تھی۔ حضرت عمر ؓ رسول اللہ ﷺ کے منبر پر چڑھے اور سیدنا ابوبکر ؓ سے پہلے خطبہ پڑھا اور فرمایا: امابعد! اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے جو تمھارے پاس تھی، یعنی دنیا کے بجائے وہ چیز پسند کی جو اس کے پاس ہے، یعنی آخرت۔ یہ کتاب جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے تمھارے رسول مقبول ﷺ کی رہنمائی فرمائی اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو تو ہدایت پر رہو گے، یعنی اسی راستے پر گامزن رہو گے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بتایا تھا۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں مزید وضاحت ہے کہ جس روز رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی، اس سے اگلے دن حضرت عمر ؓ نے خطبہ ارشاد فرمایا جبکہ حضرت ابوبکر ؓ خاموش تھے، کوئی گفتگو نہیں کرتے تھے، آپ نے فرمایا: ہم چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں زندہ رہتے اور آپ ﷺ ہمارے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ برحق ہے۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں تاہم آپ ﷺ کا لایا ہوا دین زندۂ جاوید ہے۔ وہ ایک ایسا نور ہے جس سے تم روشنی حاصل کر سکتے ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی بدولت ہدایت کا راستہ پایا تھا۔[1] ② اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا تو گمراہ ہو جائیں گے اور قرآن کا مطلب حدیث سے کھلتا اور واضح ہوتا ہے تو قرآن و حدیث اتنی

1 صحیح البخاري، الأحکام، حدیث: 7219.

دین کی اصل بنیاد ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑ لے اور ان کے مطابق عمل کرے۔ جس شخص کا اعتقاد یا عمل قرآن و حدیث کے مطابق نہیں ہوگا وہ کبھی راہ نجات سے ہمکنار نہیں ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث سے یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کتاب و سنت ہی دین کی اصل بنیاد ہیں، ایک مسلمان کو انھی کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے۔

٧٢٧٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: ضَمَّنِي إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ وَقَالَ: «اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ». [راجع: ٧٥]

[7270] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے نبی ﷺ نے اپنے سینۂ مبارک سے لگا کر یہ دعا فرمائی: ''اے اللہ! اسے کتاب کا علم سکھا۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بڑے خدمت گزار تھے، ایک دفعہ رسول اللہ رفع حاجت کے لیے گئے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پانی وغیرہ کا اہتمام کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب پانی دیکھا تو فرمایا: ''یہ کس نے رکھا ہے؟'' آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ اہتمام کیا ہے تو آپ ﷺ نے ڈھیروں دعائیں دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! اسے دین کے متعلق فقاہت عطا فرما۔''[1] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے سینۂ مبارک سے چمٹایا اور دعا دی: ''اے اللہ! اسے حکمت اور دانائی کی تعلیم دے۔''[2] مذکورہ حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ''حکمت'' کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے: ''اصابت رائے جو نبوت کے علاوہ ہو۔'' ② رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا اثر یہ ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس امت کے بہت بڑے عالم ''حبر الأمة'' ہوئے۔ خاص طور پر علم تفسیر میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں تھا۔ علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''دعائیں دینے سے مقصود یہ تھا کہ کتاب و سنت کو سیکھ کر اسے مضبوطی سے تھام لیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی مقصود ہے۔''[3]

٧٢٧١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَبَّاحٍ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ عَوْفًا: أَنَّ أَبَا الْمِنْهَالِ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا بَرْزَةَ قَالَ: إِنَّ اللهَ يُغْنِيكُمْ - أَوْ نَعَشَكُمْ - بِالْإِسْلَامِ وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ. [راجع: ٧١١٢].

[7271] حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمھیں اسلام اور حضرت محمد ﷺ (کی تعلیم) کے ذریعے سے غنی اور بلند کر دیا ہے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَعَ [هَا] هُنَا «يُغْنِيكُمْ» وَإِنَّمَا هُوَ «نَعَشَكُمْ». يُنْظَرُ فِي أَصْلِ كِتَابِ

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا: اس حدیث میں يُغْنِيكُمْ کے الفاظ ہیں جبکہ اصل الفاظ نَعَشَكُمْ ہیں۔

[1] صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 143. [2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حديث: 3756. [3] عمدة القاري: 499/16.

الْاِعْتِصَامِ.

حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے اصل کتاب "الاعتصام" دیکھی جائے۔

فوائد ومسائل: ① دراصل جب ابن زیاد اور مروان نے ملک شام کا کنٹرول سنبھال لیا اور عبداللہ بن زبیر ؓ نے مکے پر اور خوارج نے بصرے پر قبضہ کر لیا تو حضرت ابومنہال اپنے والد کے ہمراہ حضرت ابوبرزہ اسلمی ؓ کے پاس گئے اور انھیں صورت حال سے آگاہ کیا تو انھوں نے فرمایا: میں جو لوگوں سے ناراض ہوں تو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ہی مجھے اس کا اجر دے گا۔ عرب کے لوگو! تم جانتے ہو تمھارا کیا حال تھا کہ تم سب ذلت وقلت اور گمراہی میں گرفتار تھے، اللہ تعالیٰ نے اسلام اور حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے تمھیں عزت دی اور تمھیں اس بری حالت سے نکالا، پھر اس دنیا نے تمھیں خراب کر دیا۔ دیکھو! یہ شخص جو شام میں حاکم بن بیٹھا ہے وہ دنیا کے لیے لڑ رہا ہے۔ یہ لوگ جو تمھارے سامنے ہیں یہ بھی دنیا کے لیے لڑتے ہیں اور وہ جو مکے میں ہے اللہ کی قسم! وہ بھی حصول دنیا کی خاطر قتال میں مصروف ہے۔[1] ② مقصد یہ ہے کہ تم ذلیل وقلیل اور محتاج تھے۔ تمھیں کتاب وسنت پر عمل کرنے کے نتیجے میں دنیا کی عزت وکثرت اور دولت ملی ہے، اس لیے تم اسلام پر ہی کار بند رہنا، بصورت دیگر ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ③ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری ؒ نے الگ ایک کتاب "الاعتصام" لکھی تھی جس سے اپنی صحیح میں حدیثیں نقل کی ہیں۔ واللہ أعلم.

٧٢٧٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ كَتَبَ إِلَى عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَرْوَانَ يُبَايِعُهُ: وَأُقِرُّ بِذٰلِكَ بِالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ عَلَى سُنَّةِ اللهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ فِيمَا اسْتَطَعْتُ. [راجع: ٧٢٠٣]

[7272] حضرت عبداللہ بن دینار ؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر ؓ نے عبدالملک بن مروان کو خط لکھا کہ وہ اس کی بیعت کرتے ہیں، (نیز لکھا:) جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا تیرا حکم سنوں گا اور اسے تسلیم کروں گا بشرطیکہ وہ اللہ کی شریعت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری روایت میں وضاحت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان کی خلافت پر لوگوں کا اتفاق ہو گیا تو حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے انھیں خط لکھا جو حسب ذیل مضمون پر مشتمل تھا: "میں اللہ کے بندے، امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے لیے سمع واطاعت کا اقرار کرتا ہوں بشرطیکہ اس کے اوامر اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق ہوں۔ میں ان پر عمل پیرا رہوں گا جتنی میری طاقت ہو گی، اور میرے بیٹے بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔"[2] ② حضرت عبداللہ بن عمر ؓ گڑبڑ کے دوران میں کسی کی بیعت نہیں کرتے تھے، غالباً اسی وجہ سے انھوں نے حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ ؓ میں سے کسی کی بیعت نہیں کی۔ جب یزید بن معاویہ پر لوگوں کا اتفاق ہو گیا تو اس کی بیعت کر لی۔ اسی طرح جب عبداللہ بن زبیر ؓ اور مروان بن حکم کا باہمی اختلاف تھا تو ان سے الگ تھلگ رہے۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان کی خلافت پر اتفاق رائے ہو گیا تو

1 صحيح البخاري، الفتن، حديث: 7112. 2 صحيح البخاري، الأحكام، حديث: 7205.

آپ نے ان کی بیعت کی۔ اس میں کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کی شرط ہے، اس لیے امام بخاری ؒ نے یہ حدیث یہاں بیان کی ہے۔ واللہ أعلم۔

(١) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ»

باب: 1- نبی ﷺ کے فرمان: ''میں جامع کلمات کے ساتھ بھیجا گیا ہوں'' کا بیان

وضاحت: جوامع الکلم سے مراد وہ مختصر بات جس میں معانی کا سمندر موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خصوصیت کے ساتھ یہ ملکہ عطا فرمایا تھا۔ مقصد قرآن وحدیث کا علم ہے جو فراوانی کے ساتھ آپ ﷺ کو عطا ہوا تھا۔

٧٢٧٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِي يَدِي». قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقَدْ ذَهَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَنْتُمْ تَلْغَثُونَهَا، أَوْ تَرْغَثُونَهَا، أَوْ كَلِمَةً تُشْبِهُهَا. [راجع: ٢٩٧٧]

[7273] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں جامع کلمات کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور رعب کے ذریعے سے میری مدد کی گئی ہے۔ ایک دفعہ میں سو رہا تھا کہ خود کو خواب میں دیکھا، میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں۔'' حضرت ابوہریرہ ؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ تو دنیا سے تشریف لے گئے اور تم ان خزانوں کو نکال رہے ہو یا جمع کر رہے ہو یا اس سے ملتا جلتا کوئی کلمہ ارشاد فرمایا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابوہریرہ ؓ نے خزانوں کے متعلق مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں: [تَنْتَثِلُونَهَا] (حدیث: 2977) [تَنْتَقِلُونَهَا] (حدیث: 6998) ان تمام الفاظ کا مقصد ایک ہی ہے کہ تم ان خزانوں کو نکال کر استعمال کر رہے ہو۔ خزانوں سے مراد وہ فتوحات ہیں جو مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے بعد ملیں۔ بے شمار غنیمتیں ان کے ہاتھ آئیں اور سونے چاندی اور جواہرات کے خزانے ان کے ہاتھ لگے۔[1] ② امام بخاری ؒ نے جوامع الکلم کی تشریح ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ بہت سے امور جو رسول اللہ ﷺ سے پہلے کتابوں میں لکھے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک یا دو امور میں جمع کر دیا ہے۔[2]

٧٢٧٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ - أُومِنَ - أَوْ

[7274] حضرت ابوہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''انبیاء میں سے جو بھی نبی آیا ہے اسے کچھ ایسی نشانیاں دی گئیں جن کے مطابق اس پر ایمان لایا گیا، یا فرمایا: ان نشانیوں کے

1. فتح الباري: 304/13. 2. صحيح البخاري، التعبير، حديث: 7013.

آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ، فَأَرْجُو أَنِّي أَكْثَرُهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ». [راجع: ٤٩٨١]

سب لوگ ان پر ایمان لائے، اور مجھے جو بڑا معجزہ دیا گیا وہ قرآن مجید ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بذریعۂ وحی بھیجا ہے۔ اس بنا پر مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار تمام انبیاء ﷺ کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے۔"

فوائد و مسائل: ① قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے جو تمام معجزات سے بڑا اور قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ آج قرآن کریم کو نازل ہوئے تقریباً چودہ سو سال ہو چکے ہیں لیکن کوشش کے باوجود اس طرح کی ایک آیت بھی کسی سے نہ بن سکی۔ ② رسول اللہ ﷺ کا یہ عظیم تر معجزہ ہے۔ شارحین نے لکھا ہے کہ گزشتہ حدیث میں جوامع الکلم سے مراد قرآن کریم ہے۔ امام بخاری ؒ کے انداز اور اسلوب سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے لیکن ہمیں اس میں کچھ تامل ہے کیونکہ قرآن کریم تو جوامع الکلم ہے، اس میں کوئی شک نہیں لیکن کیا رسول اللہ ﷺ کے اقوال جوامع الکلم میں شامل نہیں ہیں؟ ہمارے رجحان کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے بعض اقوال ایسے ہیں جو الفاظ کے اعتبار سے انتہائی مختصر مگر معانی کے لحاظ سے سمندر کی طرح ہیں، مثلاً: (۱) مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ (۲) كُلُّ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ. (۳) وَ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ. ③ بہرحال جوامع الکلم قرآن مجید اور احادیث مبارکہ دونوں کو شامل ہیں۔ اعتصام بالکتاب والسنہ کا تقاضا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو جوامع الکلم میں شامل کیا جائے۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابُ الْاقْتِدَاءِ بِسُنَنِ رَسُولِ اللهِ ﷺ

باب: 2- رسول اللہ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنا

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ [الفرقان: ٧٤] قَالَ: أَئِمَّةً نَقْتَدِي بِمَنْ قَبْلَنَا وَيَقْتَدِي بِنَا مَنْ بَعْدَنَا.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "(اے ہمارے رب!) اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔" اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم پہلے لوگوں کی پیروی کریں اور بعد میں آنے والے ہماری پیروی کریں۔

وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ: ثَلَاثٌ أُحِبُّهُنَّ لِنَفْسِي وَلِإِخْوَانِي: هٰذِهِ السُّنَّةُ أَنْ يَتَعَلَّمُوهَا وَيَسْأَلُوا عَنْهَا، وَالْقُرْآنُ أَنْ يَتَفَهَّمُوهُ وَيَسْأَلُوا النَّاسَ عَنْهُ، وَيَدَعُوا النَّاسَ إِلَّا مِنْ خَيْرٍ.

ابن عون نے کہا: تین باتیں ایسی ہیں جو میں اپنے لیے اور اپنے ساتھیوں کے لیے پسند کرتا ہوں: ایک تو علم حدیث ہے، مسلمانوں کو اسے ضرور سیکھنا چاہیے اور اس کے متعلق دوسروں سے دریافت کرنا چاہیے۔ دوسرا قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھیں اور لوگوں سے اس کے مطالب و معارف کی تحقیق کرتے رہیں۔ تیسرا یہ کہ مسلمانوں کا ذکر ہمیشہ بھلائی کے ساتھ کریں، کسی کی برائی کا ذکر نہ کریں۔

وضاحت: رسول اللہ ﷺ کی سنن آپ کے اقوال وافعال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کریں اور آپ ﷺ کی سنن کی اقتدا کریں اور جو انسان آپ ﷺ کی مخالفت کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معتوب اور گمراہ ہے اور اس کے متعلق سخت وعید سنائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جو لوگ اللہ کے رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انھیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں یا انھیں کوئی المناک عذاب آ پہنچے۔“[1] جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرے گا وہی بعد میں آنے والے لوگوں کا امام ہوگا۔ ابن عون رضی اللہ عنہ نے جن تین خصلتوں کا ذکر کیا ہے ان میں اعتصام بالکتاب والسنۃ ہی کی تلقین کی ہے کہ پہلے انھیں سمجھا جائے، پھر ان پر عمل کیا جائے۔ واللہ أعلم.

٧٢٧٥ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ وَاصِلٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: جَلَسْتُ إِلَى شَيْبَةَ فِي هٰذَا الْمَسْجِدِ، قَالَ: جَلَسَ إِلَيَّ عُمَرُ فِي مَجْلِسِكَ هٰذَا فَقَالَ: هَمَمْتُ أَنْ لَّا أَدَعَ فِيهَا صَفْرَاءَ وَلَا بَيْضَاءَ إِلَّا قَسَمْتُهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ. قُلْتُ: مَا أَنْتَ بِفَاعِلٍ، قَالَ: لِمَ؟ قُلْتُ: لَمْ يَفْعَلْهُ صَاحِبَاكَ، قَالَ: هُمَا الْمَرْآنِ يُقْتَدٰى بِهِمَا. [راجع: ١٥٩٤]

[7275] حضرت ابووائل سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اس مسجد (حرام) میں شیبہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو انھوں نے کہا: جہاں تم بیٹھے ہو، وہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس بیٹھے تھے تو انھوں نے فرمایا تھا: میرا ارادہ ہے کہ کعبہ میں کوئی سونا یا چاندی نہ چھوڑوں مگر اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں۔ میں نے کہا: آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ انھوں نے فرمایا: کیوں؟ میں نے کہا: آپ کے دونوں ساتھیوں (رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے ایسا نہیں کیا تھا۔ انھوں نے فرمایا: وہ دونوں بزرگ ایسے تھے کہ ان کی پیروی کی جائے گی۔

فوائد ومسائل: ① حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کعبے کے اندر دروازے کے پاس کرسی پر بیٹھے تھے تو وہیں ان کے پاس ابووائل شقیق بن سلمہ آ کر بیٹھ گئے، پھر بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا تو آخر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان دونوں بزرگوں کی اقتدا کرتا ہوں۔[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے فعل اور ترک دونوں کی پیروی ضروری ہے۔ ② جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کعبے کا سونا چاندی مسلمانوں کے مصالح میں تقسیم کرنے کا ارادہ کیا تو دربان کعبہ حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حوالہ دیا کہ انھوں نے ایسا نہیں کیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی مخالفت کرنے کی گنجائش نہ رہی، گویا ان کے نزدیک ان بزرگوں کی اقتدا واجب تھی کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ بیت اللہ کی دیواریں زمین بوس ہو جائیں یا ان کی ترمیم کی ضرورت پڑے تو یہ مال اس ضرورت کے لیے خرچ کیا جا سکتا ہے لیکن اگر اسے مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ کر دیا جائے تو معین مال اس ضرورت پر خرچ نہیں ہو سکے گا جس کے لیے اسے رکھا گیا ہے، اس لیے کہ لوگوں کی ضروریات اور مصالح پر کعبے کا مال خرچ کرنا جائز نہیں۔

---

1. النور 24: 63. 2. صحيح البخاري، الحج، حديث: 1594.

٧٢٧٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: سَأَلْتُ الْأَعْمَشَ فَقَالَ: عَنْ زَيْدِ ابْنِ وَهْبٍ: سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ يَقُولُ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ، وَنَزَلَ الْقُرْآنُ، فَقَرَؤُوا الْقُرْآنَ وَعَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ». [راجع: ٦٤٩٧]

[7276] حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: ''آسمان سے امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں اتری اور قرآن مجید بھی نازل ہوا، پھر لوگوں نے قرآن مجید پڑھا اور سنت کا علم حاصل کیا۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت حذیفہ ؓ نے امانت کے نازل ہونے کے بعد اس کے اٹھائے جانے کی کیفیت بھی بیان فرمائی، چنانچہ امام بخاری ؒ نے کتاب الرقاق میں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابُ رَفْعِ الْأَمَانَةِ] ''امانت کے اٹھائے جانے کا بیان'' اس کی معلومات کے لیے حدیث: 6497 کا مطالعہ کیا جائے۔ ② امانت سے مراد ایمان اور اس کے احکام ہیں اور آدمیوں سے مراد اہل ایمان ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے فطرت کے اعتبار سے اہل ایمان کے دلوں میں امانت رکھ دی، پھر قرآن وحدیث کے نور سے فطری ایمانداری مکمل ہوگئی، اس لیے امانت کی حفاظت میں فطرت اور شریعت دونوں جمع ہیں۔ بہرحال اس حدیث سے قرآن وسنت کے اتباع کا اشارہ ملتا ہے اور امام بخاری ؒ کے قائم کردہ عنوان کا بھی یہی مقصد ہے۔ واللہ المستعان۔

٧٢٧٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ سَمِعْتُ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيَّ يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ، وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَإِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ. [راجع: ٦٠٩٨]

[7277] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: سب سے اچھی بات اللہ کی بات ہے۔ اور سب سے اچھا طریقہ حضرت محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور برے کام وہ ہیں جو دین میں نئے پیدا کردہ ہوں۔ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا اور تم اپنے رب سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں کتاب وسنت کی اہمیت اور انھیں عمل میں لانے کی ترغیب بیان کی گئی ہے جو عنوان کا مقصد ہے۔ مزید برآں بدعت کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ بدعت شرعی یہ ہے کہ کتاب وسنت میں جس کی کوئی بنیاد نہ ہو اور قرون ثلاثہ کے بعد اسے دین کا حصہ بنا دیا جائے۔ ایسا کرنا جرم ہے کیونکہ دین میں اصل توقیف ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی راہ نکالی جو اس (دین) سے نہیں وہ مردود ہے۔''[1] نیز فرمایا: ''جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق نہیں تو وہ بھی مردود ہے۔''[2] ② بدعت کی دو قسمیں ہیں: (۱) اقوال واعتقاد میں بدعت:

1 صحیح البخاري، الصلح، حدیث: 2697. 2 صحیح مسلم، الأقضیة، حدیث: 4493 (1718).

اس میں گمراہ فرقوں کے اقوال وعقائد شامل ہیں۔(ب) عبادات میں بدعت: اللہ تعالیٰ کی عبادت غیر شرعی طریقے سے کرنا۔ اس کی چند قسمیں ہیں: ○ نفس عبادت ہی بدعت ہو، مثلاً: کوئی ایسی عبادت ایجاد کر لی جائے جس کی شریعت میں کوئی بنیاد نہیں، جیسے عید میلاد۔ ○ مشروع عبادت میں اضافہ کر دیا جائے، مثلاً: ظہر یا عصر کی نماز میں پانچویں رکعت کا اضافہ کرنا۔ ○ عبادت مشروع ہو لیکن اس کی ادائیگی کا طریقہ غیر شرعی ہو، مثلاً: مشروع اذکار کو اجتماعی آواز سے پڑھنا۔ ○ مشروع عبادت کو ایک وقت کے ساتھ خاص کر دیا جائے، مثلاً: شعبان کی پندرھویں شب کو نماز کا اہتمام کرنا کیونکہ نماز تو مشروع ہے لیکن اسے کسی وقت کے ساتھ خاص کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔ بہرحال حدیث بالا کے مطابق دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی کا پیش خیمہ ہے۔

٧٢٧٨، ٧٢٧٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَا: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ». [راجع: ٢٣١٤، ٢٣١٥]

[7279,7278] حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کی خدمت میں موجود تھے کہ آپ نے فرمایا: ''میں تمھارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد ؓ کو خطاب کیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ایک مزدور کے والد اور جس نے اسے مزدوری پر رکھا تھا ان دونوں کو خطاب فرمایا ہے۔ اس مزدور نے مالک کی بیوی سے زنا کر لیا تو اس کے والد نے سو بکریاں اور ایک لونڈی فدیہ دے کر مالک سے صلح کر لی۔ جب مقدمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا کہ بکریاں اور لونڈی تمھیں واپس ہوں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال اسے جلا وطن رہنا ہوگا۔'' یہ ایک طویل حدیث ہے۔[1] ② کتاب اللہ سے مراد صرف قرآن کریم نہیں بلکہ قرآن وسنت دونوں ہیں۔ عنوان کا مدعا بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو عمل میں لایا جائے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ کا طریقہ بیان ہوا ہے۔

٧٢٨٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَمَنْ يَأْبَى قَالَ: «مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى».

[7280] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے مگر جو انکار کرے گا۔'' صحابۂ کرام نے پوچھا: اللہ کے رسول! وہ کون ہے جو انکار کرے گا؟ آپ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے یقیناً انکار کیا۔''

---

(1) صحیح البخاري، الصلح، حدیث: 2695، 2696.

فوائد و مسائل: ① جو شخص قبولِ دعوت اور فرماں برداری سے رُک گیا اس نے انکار کیا، اسلام کا انکار کرنے والا، ہمیشہ جہنم میں رہے گا، البتہ ایمان کے بعد اگر کسی سے کوئی کوتاہی ہوگی تو وہ اپنی سزا بھگت کر بالآخر جنت میں داخل ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے میری اطاعت کی، یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔“ [1] ② مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ایک مستند نمائندے ہیں، اس لیے ان کی اطاعت اور فرماں برداری ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جس نے رسول کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“ [2] بہرحال رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور پیروی انتہائی ضروری ہے۔ آپ ﷺ کی مخالفت پر سخت وعید بیان ہوئی ہے۔

٧٢٨١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَادَةَ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ: حَدَّثَنَا سَلِيمُ بْنُ حَيَّانَ - وَأَثْنَى عَلَيْهِ -: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ: حَدَّثَنَا - أَوْ سَمِعْتُ - جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: جَاءَتْ مَلَائِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: إِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هٰذَا مَثَلًا، قَالَ فَاضْرِبُوا لَهُ مَثَلًا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا وَجَعَلَ فِيهَا مَأْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِيًا، فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَأَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ، وَمَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ فَقَالُوا: أَوِّلُوهَا لَهُ يَفْقَهْهَا، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: فَالدَّارُ: الْجَنَّةُ، وَالدَّاعِي: مُحَمَّدٌ ﷺ، فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا

[7281] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: چند فرشتے نبی ﷺ کے پاس آئے جبکہ آپ محو استراحت تھے۔ بعض فرشتوں نے کہا: اس وقت آپ سو رہے ہیں اور بعض نے کہا: ان کی صرف آنکھ سوتی ہے مگر دل بیدار رہتا ہے۔ پھر انھوں نے کہا: تمھارے ان صاحب کی ایک مثال ہے، وہ مثال بیان کرو۔ کچھ فرشتوں نے کہا: وہ تو سو رہے ہیں۔ بعض نے کہا: نہیں صرف آنکھ سوتی ہے مگر دل بیدار رہتا ہے۔ پھر وہ کہنے لگے: ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک گھر تعمیر کیا، پھر لوگوں کی دعوت کے لیے کھانا تیار کیا، اب ایک شخص کو دعوت دینے کے لیے بھیجا تو جس شخص نے اس بلانے والے کی بات مان لی وہ مکان میں داخل ہوگا اور کھانا کھائے گا اور جس نے بلانے والے کی بات نہ مانی تو وہ مکان میں داخل ہوگا اور نہ کھانا کھا سکے گا، پھر انھوں نے کہا: اس مثال کی وضاحت کرو تاکہ وہ سمجھ لیں۔ بعض کہنے لگے: یہ سو رہے ہیں اور بعض نے کہا: صرف آنکھیں سوتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے۔ پھر کہنے لگے: وہ مکان جنت ہے اور بلانے والے حضرت محمد ﷺ ہیں، لہٰذا جس نے حضرت محمد ﷺ کی

1 صحيح البخاري، الأحكام، حديث: 7137. 2 النسآء 4:80.

ﷺ فَقَدْ عَصَى اللهَ، وَمُحَمَّدٌ ﷺ فَرَّقَ بَيْنَ النَّاسِ.

اطاعت کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی اور جس نے حضرت محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے گویا اللہ کی نافرمانی کی۔ حضرت محمد ﷺ لوگوں میں اچھے کو برے سے الگ کرنے والے ہیں۔

تَابَعَهُ قُتَيْبَةُ عَنْ لَيْثٍ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ جَابِرٍ: خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ.

قتیبہ نے اپنی سند کے ذریعے سے حضرت جابر ؓ سے روایت کرنے میں محمد بن عبادہ کی متابعت کی کہ نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔

فائدہ: اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث ہی دین کے اصل الاصول ہیں۔ امام، استاد اور بزرگ کی بات کو چھوڑا جا سکتا ہے مگر قرآن و حدیث کو کسی صورت میں نہیں چھوڑا جا سکتا، نیز اس حدیث کا آخری حصہ بڑا معنی خیز ہے کہ رسول اللہ ﷺ اچھے کو برے سے الگ کرنے والے ہیں، یعنی مومن اور کافر، نیک اور بد، سعادت مند اور بدبخت کے درمیان خط امتیاز کھینچنے والے ہیں۔ اس موضوع پر ہم کچھ تفصیل سے لکھنا چاہتے تھے لیکن اختصار کے پیش نظر صرف ایک مثال سے اس فرق کی وضاحت پیش خدمت ہے۔ حضرت حذیفہ ؓ نے ایک شخص کو دیکھا جو رکوع اور سجود کی صحیح ادائیگی کے بغیر نماز پڑھتا تھا، پوچھنے پر پتا چلا کہ وہ چالیس سال سے اس طرح نماز پڑھ رہا ہے تو آپ نے فرمایا: ''اگر تیری اسی حالت پر موت آ گئی تو وہ فطرت اسلام کے خلاف ہوگی۔''[1] کیونکہ اس کی نماز سنت کے خلاف تھی، اس لیے اس کی موت کو بھی فطرت اسلام کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سنت کے مطابق وضو کرے، پھر سنت کے مطابق صرف دو رکعت ادا کرے تو اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''[2] سنت پر عمل کرنے کی برکت سے صرف دو رکعت ادا کرنا سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ سنت اور غیر سنت پر عمل کرنے میں یہی فرق ہے جو مذکورہ بالا حدیث کے آخر میں بیان کیا گیا ہے۔

٧٢٨٢ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ! اسْتَقِيمُوا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيدًا، فَإِنْ أَخَذْتُمْ يَمِينًا وَشِمَالًا لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا.

[7282] حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اے قراء کی جماعت! سیدھی راہ اختیار کرو تو تم بہت آگے بڑھ جاؤ گے اور اگر تم دائیں بائیں راستہ لو گے تو بہت دور کی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔

فوائد و مسائل: ① قراء سے مراد کتاب و سنت کو جاننے والے ہیں۔ ابتدائے اسلام میں یہ اصطلاح علماء حضرات کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ حضرت حذیفہ ؓ نے علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تم صراط مستقیم کا اتباع کرو، دائیں بائیں مختلف طرق (راستوں) کی طرف قطعاً توجہ نہ دو بصورت دیگر تم صراط مستقیم سے دور چلے جاؤ گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 791. 2 صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 160.

”بے شک یہی میرا راستہ سیدھا ہے، لہٰذا تم اسی پر چلتے جاؤ اور دوسرے راستوں پر نہ چلو وہ تمھیں اللہ کے راستے سے جدا کر دیں گے۔“[1] ② اس حدیث میں صراط مستقیم پر چلتے رہنے کی تلقین کی گئی ہے اور وہ صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور پیروی میں منحصر ہے، اس کے علاوہ جتنے بھی راستے ہیں وہ سب ضلالت اور گمراہی کی طرف لے جانے والے ہیں۔

٧٢٨٣ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا فَقَالَ: يَا قَوْمِ! إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ، وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ، فَالنَّجَاءَ. فَأَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِّنْ قَوْمِهِ فَأَدْلَجُوا فَانْطَلَقُوا عَلَى مَهْلِهِمْ فَنَجَوْا، وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ فَأَصْبَحُوا مَكَانَهُمْ، فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ، فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ أَطَاعَنِي فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِهِ، وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِي وَكَذَّبَ بِمَا جِئْتُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ». [راجع: ٦٤٨٢]

[7283] حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”میری اور جس دعوت کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے اس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور اس سے کہا: اے قوم! میں نے ایک لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں واضح طور پر تمھیں ڈرانے والا ہوں، لہٰذا تم بچاؤ کی کوئی صورت اختیار کرو۔ اس قوم کے ایک گروہ نے اس کی بات مان لی اور رات کے شروع ہی میں وہاں سے نکل بھاگے اور حفاظت کی جگہ پر چلے گئے، اس لیے نجات پا گئے۔ ان میں سے دوسرے گروہ نے اسے جھٹلایا اور اپنی ہی جگہ پر موجود رہے تو لشکر نے صبح ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیا اور ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ یہ ہے مثال اس شخص کی جس نے میری اطاعت کی اور جو میں اللہ کی طرف سے لایا ہوں اس کی اتباع کی اور اس شخص کی مثال بھی ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جو حق لے کر میں آیا ہوں اسے جھوٹ قرار دیا۔“

فوائد و مسائل: ① عریان کے معنی ہیں: برہنہ۔ عرب کے ہاں یہ عادت تھی کہ جب کوئی شخص دشمن کو دیکھتا اور اپنی قوم کو اس سے خبردار کرنا چاہتا تو کپڑے اتار کر انھیں سر کے اوپر سے گھماتا اور چیختا چلاتا ہوا قوم کو مطلع کرتا تاکہ لوگوں کو دور ہی سے معلوم ہو جائے کہ حالات خطرناک ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اپنے کپڑے اتار کر جھنڈے کی طرح ایک لکڑی پر لگاتا اور چلاتا ہوا بھاگتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیروکار اور نافرمان لوگوں کو ایک مثال سے سمجھایا ہے۔ درحقیقت جو آپ ﷺ کے اطاعت گزار ہیں وہی آپ ﷺ کی سنتوں کی اقتدا اور پیروی کرنے والے ہیں۔ ② اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک اور مثال سے بھی لوگوں کو خبردار کیا ہے کہ میری مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے آگ روشن کی تو پروانے اس پر جمع ہو گئے اور آگ میں کودنے

1 الأنعام 6: 153.

کے لیے تیار ہو گئے جبکہ وہ انھیں آگ سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اس پر غالب آ جاتے ہیں۔ میں تمھاری کمر سے پکڑ پکڑ کر تمھیں جہنم سے دور کرتا ہوں لیکن تم لوگ ہو کہ اس میں گرتے جا رہے ہو۔[1] بہرحال رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت سے اس قدر محبت اور ہمدردی تھی کہ اتنی محبت اور ہمدردی ماں کو اپنے شیرخوار بچے سے بھی نہیں ہوتی...... ﷺ ......

٧٢٨٤، ٧٢٨٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، قَالَ عُمَرُ لِأَبِي بَكْرٍ: كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ؟» فَقَالَ: وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللهِ لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهِ. فَقَالَ عُمَرُ: فَوَاللهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ اللهَ قَدْ شَرَحَ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ.

[7285,7284] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب کیے گئے تو عرب کے کچھ لوگ کافر ہو گئے۔ (ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کرنا چاہی۔) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ لوگوں سے کس بنیاد پر جنگ کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں کافر لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں، لہٰذا جو شخص لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے گا تو میری طرف سے اس کا مال اور اس کی جان محفوظ ہے مگر حق اسلام باقی رہے گا اور ان کے اعمال کا حساب اللہ کے ذمے ہے؟" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ہر اس شخص سے ضرور جنگ کروں گا جس نے نماز اور زکاۃ میں فرق کیا کیونکہ زکاۃ دینا مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر انھوں نے مجھ سے ایک رسی بھی روکی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے اس کے انکار پر جنگ کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جب میں نے غور کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے جنگ کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے اور وہ جنگ کرنے کے سلسلے میں حق پر ہیں۔

قَالَ ابْنُ بُكَيْرٍ وَعَبْدُ اللهِ عَنِ اللَّيْثِ: عَنَاقًا، وَهُوَ أَصَحُّ. [راجع: ١٣٩٩، ١٤٠٠]

ابن بکیر اور عبداللہ بن صالح نے لیث سے عناقًا کا لفظ بیان کیا ہے جس کے معنی ہیں: بکری کا بچہ اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

[1] صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6483.

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد لوگ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: کچھ لوگ دین اسلام سے برگشتہ ہو کر (پھر کر) کفر کی طرف لوٹ گئے اور شرائع اسلام کا انکار کر کے بت پرستی اختیار کر لی۔ بعض لوگ ختم نبوت کے منکر ہو گئے اور انھوں نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کو بطور متنبی مان لیا۔ ان دونوں قسم کے لوگوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قتال کر کے ان کا خاتمہ کر دیا۔ ان سے جنگ کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ہمنوا تھے۔ ایک تیسرا گروہ بھی تھا جو نماز اور زکاۃ میں فرق کرتا تھا۔ ان کا موقف تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے جانشین کو زکاۃ دینا ضروری نہیں۔ ان کے خلاف قتال کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا جس کا مذکورہ حدیث میں ذکر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زکاۃ کو نماز پر قیاس کرتے ہوئے ان کے خلاف جنگ کرنے کا ارادہ کیا جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عموم حدیث سے استدلال کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حدیث میں بیان ہونے والے "حق اسلام" کے الفاظ سے بھی اپنے موقف کو مضبوط کیا۔ اس وضاحت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مطمئن ہو گئے۔ ② واضح رہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ شہادتین کا اقرار کر لیں، نماز پڑھیں اور زکاۃ ادا کریں۔ جب وہ، یہ کام کرنے لگیں گے تو انھوں نے مجھ سے اپنے مال اور جان کو محفوظ کر لیا سوائے حق اسلام کے، پھر ان کا (باطنی) حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو گا۔"[1] یہ حدیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یاد نہ تھی اگر یاد ہوتی تو وہ قیاس کے بجائے اسے پیش کرتے اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے سامنے تھی ورنہ وہ اس کے ہوتے ہوئے حدیث کے عموم سے فائدہ نہ اٹھاتے۔ عین ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جن سے یہ فیصلہ کن حدیث مروی ہے بحث وتکرار کے وقت وہاں موجود نہ ہوں کیونکہ اگر وہاں موجود ہوتے تو اسے پیش کر کے اس اختلاف کو فوراً ختم کیا جا سکتا تھا۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں عِقَالًا کے بجائے لفظ عَنَاقًا کو صحیح تر قرار دیا ہے کیونکہ زکاۃ میں بکری کا بچہ تو آ جاتا ہے مگر رسی زکاۃ میں نہیں دی جاتی۔ واللہ أعلم.

٧٢٨٦ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَ عُيَيْنَةُ بْنُ حِصْنِ بْنِ حُذَيْفَةَ بْنِ بَدْرٍ فَنَزَلَ عَلَى ابْنِ أَخِيهِ الْحُرِّ بْنِ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ - وَكَانَ مِنَ النَّفَرِ الَّذِينَ يُدْنِيهِمْ عُمَرُ، وَكَانَ الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَجْلِسِ عُمَرَ وَمُشَاوَرَتِهِ كُهُولًا كَانُوا أَوْ شُبَّانًا - فَقَالَ عُيَيْنَةُ لِابْنِ أَخِيهِ: يَا ابْنَ أَخِي! هَلْ لَكَ وَجْهٌ عِنْدَ

[7286] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر مدینہ طیبہ آیا اور اپنے بھتیجے حضرت حر بن قیس بن حصن کے ہاں قیام کیا...... حضرت حر بن قیس ان لوگوں میں سے تھے جنھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قریب رکھتے تھے۔ قرآن کریم کے علماء، خواہ بوڑھے ہوں یا جوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاورت میں شریک ہوا کرتے تھے...... پھر عیینہ نے اپنے بھتیجے حر سے کہا: اے میرے بھتیجے! کیا تمھیں امیر المومنین کے ہاں کچھ اثر ورسوخ حاصل ہے کہ تم میرے لیے ان کے پاس حاضری کی

[1] صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 25.

هٰذَا الْأَمِيرِ فَتَسْتَأْذِنَ لِي عَلَيْهِ؟ قَالَ: سَأَسْتَأْذِنُ لَكَ عَلَيْهِ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَاسْتَأْذَنَ لِعُيَيْنَةَ، فَلَمَّا دَخَلَ قَالَ: يَا ابْنَ الْخَطَّابِ! وَاللّٰهِ مَا تُعْطِينَا الْجَزْلَ وَلَا تَحْكُمُ بَيْنَنَا بِالْعَدْلِ، فَغَضِبَ عُمَرُ حَتّٰى هَمَّ بِأَنْ يَقَعَ بِهِ، فَقَالَ الْحُرُّ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ لِنَبِيِّهِ ﷺ: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ [الأعراف:١٩٩] وَإِنَّ هٰذَا مِنَ الْجَاهِلِينَ، فَوَاللّٰهِ مَا جَاوَزَهَا عُمَرُ حِينَ تَلَاهَا عَلَيْهِ، وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللّٰهِ. [راجع: ٤٦٤٢]

اجازت لے دو؟ انھوں نے کہا: میں آپ کے لیے اجازت مانگوں گا، حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: حضرت حر نے عیینہ کے لیے اجازت حاصل کی۔ جب وہ مجلس میں داخل ہوئے تو کہا: اے خطاب کے بیٹے! اللہ کی قسم! تم ہمیں زیادہ عطیے نہیں دیتے اور نہ ہمارے درمیان عدل و انصاف سے فیصلے ہی کرتے ہو۔ حضرت عمر ؓ غصے سے بھر گئے یہاں تک کہ آپ نے اسے (سخت) سزا دینے کا ارادہ کر لیا۔ تب حضرت حر نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے: ''درگزر اختیار کریں، بھلائی کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض کریں۔'' یہ شخص بھی جاہلوں میں سے ہے۔ اللہ کی قسم! جس وقت حضرت حر نے یہ آیت تلاوت کی تو حضرت عمر ؓ ٹھنڈے ہو گئے اور آپ کی یہ عادت مبارک تھی کہ اللہ کی کتاب پر فوراً عمل کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عمر فاروق ؓ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے پاس وقاف تھے، یعنی کتاب اللہ کے احکام پر فوراً عمل کیا کرتے تھے اور جو اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرنے والا ہو وہی رسول اللہ ﷺ کے طریقے کی اقتدا کرتا ہے۔ ② اس حدیث سے علم اور اہل علم کی قدر دانی کا پتا چلتا ہے کہ یہ اس وقت ہوتی ہے جب بادشاہ اور حکمران ان سے مشاورت کریں اور انھیں اپنے ہاں جگہ دیں۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ کے مشیر بھی علماء، قراء اور نیک سیرت عبادت گزار بوڑھے اور نوجوان تھے۔ علم ہی ایک ایسی چیز ہے جو بوڑھوں اور جوانوں میں افضلیت پیدا کرتی ہے۔ ③ حضرت عمر ؓ کی مجلس کے وقت کوئی دربان نہیں ہوتا تھا۔ ان کی مجلس میں داخل ہونے کے لیے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی، البتہ جب تنہا ہوتے اور آرام کا وقت ہوتا تو اس وقت ان کے پاس جانے کے لیے اجازت لینی پڑتی تھی، اس لیے عیینہ کو تنہائی میں آپ سے ملاقات کے لیے اجازت لینی پڑی لیکن اس نے آداب و احترام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آتے ہی ''اے خطاب کے بیٹے!'' سے بات شروع کی۔ یہ اس کی قساوت قلبی (سخت دلی) اور بڑوں کے مقام و مرتبے سے عدم معرفت تھی۔ اگر اسے علم ہوتا تو ایسی گستاخی اور بدتمیزی نہ کرتا اور بے ادبی کی بات منہ سے نہ نکالتا۔ حضرت حر بن قیس ؓ اگر مداخلت نہ کرتے تو اسے ایسی سزا ملتی کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا۔ ④ بہرحال امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے طریقوں کی اہمیت و افادیت کو ثابت کیا ہے جو اپنی جگہ ناقابل تردید حقیقت ہے۔ واللّٰہ أعلم۔

٧٢٨٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ،

[7287] حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے،

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ، عَنْ أَسْمَاءَ ابْنَةِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهَا قَالَتْ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ حِينَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ وَالنَّاسُ قِيَامٌ وَهِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي فَقُلْتُ: مَا لِلنَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ بِيَدِهَا نَحْوَ السَّمَاءِ فَقَالَتْ: سُبْحَانَ اللهِ. فَقُلْتُ: آيَةٌ؟ قَالَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ نَعَمْ، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: «مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ أَرَهُ إِلَّا وَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هٰذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، وَأُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ قَرِيبًا مِّنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ، فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ - أَوِ الْمُسْلِمُ، لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ - فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ فَأَجَبْنَاهُ وَآمَنَّا. فَيُقَالُ: نَمْ صَالِحًا، عَلِمْنَا أَنَّكَ مُوقِنٌ. وَأَمَّا الْمُنَافِقُ - أَوِ الْمُرْتَابُ، لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ - فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ». [راجع: ٨٦]

انھوں نے کہا: ایک دفعہ جب سورج گرہن ہوا تو میں حضرت عائشہ ؓ کے پاس آئی اور لوگ نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت عائشہ ؓ بھی کھڑی نماز پڑھ رہی تھیں۔ میں نے کہا: لوگوں کا کیا حال ہے (کہ بے وقت نماز پڑھ رہے ہیں؟) تو انھوں نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ فرمایا اور سبحان اللہ کہا۔ میں نے کہا: کوئی نشانی ہے؟ انھوں نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور فرمایا: ”کوئی چیز ایسی نہیں جسے میں نے (اب تک) نہیں دیکھا تھا مگر اس جگہ کھڑے ہوئے اسے دیکھا ہے۔ یہاں تک کہ میں نے جنت اور دوزخ بھی دیکھی ہے۔ میری طرف وحی کی گئی کہ تمھارا قبروں میں امتحان ہوگا جو دجال کے فتنے کے قریب قریب ہوگا۔ بہرحال مومن...... یا مسلمان، میں نہیں جانتی کہ حضرت اسماء ؓ نے ان میں سے کون سا لفظ کہا تھا...... وہ (قبر میں فرشتوں کے سوال پر) کہے گا: یہ محمد ﷺ، اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے پاس روشن نشانات لے کر آئے تھے۔ ہم نے ان کی دعوت کو قبول کیا اور ایمان لائے۔ اسے کہا جائے گا: آرام سے سو جاؤ۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم مومن ہو۔ پھر منافق...... یا شک کرنے والا، میں نہیں جانتی کہ اسماء ؓ نے کون سا لفظ کہا...... تو وہ کہے گا: میں نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں کو جو کہتے ہوئے سنا وہی میں نے بک دیا تھا۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ مومن انسان رسول اللہ ﷺ کے متعلق کہے گا: حضرت محمد ﷺ ہمارے پاس کھلی اور واضح نشانیاں لے کر آئے، ہم نے انھیں قبول کیا اور آپ ﷺ پر ایمان لائے، لہذا مومن وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہو اور اس طریقے کو اپنی زندگی کا حصہ بنائے، نیز اس حدیث سے زندگی گزارنے کے لیے ایک راستے اور منہج کی رہنمائی ہوتی ہے اور وہ ہے قرآن و حدیث کے دلائل کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، انھیں مان لینا اور ان کے مطابق عمل کرنا۔ یہ اہل ایمان کی علامت ہے اور اُخروی کامیابی کے لیے ایسا رویہ انتہائی ضروری ہے۔ ② اس کے برعکس

قرآن وحدیث کے دلائل دیکھ کر لوگوں کی باتوں کو ترجیح دینا، اقوال رجال کو ماننا اور بزرگوں کی باتوں کو قابل عمل ٹھہرانا ایک مومن کا طریقۂ کار نہیں ہو سکتا بلکہ ایسا رویہ وہ اختیار کرتا ہے جو شکوک وشبہات میں مبتلا ہو یا کفر ونفاق میں ڈوبا ہوا ہو۔ بہر حال ہمیں اس حدیث میں بیان کردہ طریقے اور منہج کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے اور منافق یا شک میں مبتلا شخص کے طریق کار کو خیر باد کہہ دینا چاہیے، اسی میں ہماری نجات اور اُخروی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اختیار کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

٧٢٨٨ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «دَعُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ سُؤَالُهُمْ وَاخْتِلَافُهُمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ».

[7288] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جب تک میں تم سے یکسو رہوں تم بھی مجھے چھوڑے رکھو (اور سوالات وغیرہ نہ کرو) کیونکہ تم سے پہلے لوگ زیادہ سوال کرنے اور اپنے انبیائے کرام سے اختلاف کرنے کے سبب ہلاک ہوئے، لہٰذا جب میں تمھیں کسی چیز سے منع کروں تو رک جاؤ اور جب میں تمھیں کسی چیز کی بجا آوری (تعمیل) کا حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق اسے بجالاؤ۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس چیز سے روک دیں، اس سے وہی شخص رکے گا جو رسول اللہ ﷺ کی اداؤں اور سنتوں کو اختیار کرنے والا ہوگا اور جس چیز کے بجالانے کا آپ ﷺ حکم دیں، اس پر بھی وہی شخص عمل کرے گا جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والا ہوگا۔ ② بلاشبہ یہ حدیث جوامع الکلم اور قواعد اسلام پر مشتمل ہے۔ اس میں بلاضرورت سوال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”ایمان والو! ایسی باتوں کے متعلق سوال نہ کیا کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمھیں ناگوار ہوں۔“ [1] یعنی رسول اللہ ﷺ سے ایسے سوال نہ کیا کرو جن میں تمھارا نہ کوئی دینی فائدہ ہو اور نہ کوئی دنیوی مفاد ہی وابستہ ہو کیونکہ خواہ مخواہ سوالات کرنے سے انسان کو نقصان ہی ہوتا ہے یا اس پر کوئی پابندی عائد ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں بنی اسرائیل کی واضح مثال ہے جب انھیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو انھوں نے بلاوجہ سوالات کر کے اپنے آپ پر پابندیاں لگوالیں، چنانچہ اگلے عنوان میں اس کی مزید وضاحت آئے گی۔ بإذن اللّٰه تعالیٰ۔

(٣) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ كَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَمِنْ تَكَلُّفِ مَا لَا يَعْنِيهِ

باب: 3- کثرت سوالات اور بے فائدہ تکلفات انتہائی ناپسندیدہ ہیں

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ [المائدة: ١٠١].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر وہ تمھارے لیے ظاہر کردی جائیں تو تمھیں بری لگیں۔“

① المآئدة 5:101.

وضاحت: بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اگر مگر کے ذریعے سے بال کی کھال اتارنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لیے جب تک کوئی مسئلہ پیش نہ آ جائے خواہ مخواہ فرضی سوالات کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔ ایسا کرنے سے نقصان کا اندیشہ ہے۔

٧٢٨٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِىءُ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ».

[7289] حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں میں سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق پوچھا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ حرام کر دی گئی۔''

فوائد و مسائل: ① مکلف انسان پر جو عبادات و اعمال فرض عین ہے، اس کے متعلق اسے ضرور پوچھنا چاہیے اور اس سے زائد سوالات کرنے کے متعلق لوگوں کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ وہ اپنے اندر بصیرت اور سمجھ بوجھ رکھتا ہے تو ایسے انسان کو سوال کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اسے چاہیے کہ معلومات میں اضافے کے لیے سوال کرے تاکہ اس کی علمی بصیرت میں اضافہ ہو۔ دوسرا وہ شخص جس میں فہم و بصیرت کی استعداد نہیں ہے، اسے چاہیے کہ خواہ مخواہ سوالات کے چکر میں نہ پڑے بلکہ اپنے اوقات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے۔ ② واضح رہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر تمھیں علم نہ ہو تو اہل علم سے سوال کرو۔''[1] یہ آیت مذکورہ حدیث کے منافی نہیں کیونکہ مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک حکم ثابت ہی نہیں تو اس کے متعلق سوال کرنا منع ہے اور آیت کریمہ میں ثابت شدہ حکم کے متعلق سوال کرنے کا جواز ہے کہ اس کی وضاحت طلب کی جا سکتی ہے یا اس کی نوعیت کیا ہے؟ وہ واجب ہے یا یہ کہ مستحب وغیرہ معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن غیر ثابت شدہ حکم کی حلت و حرمت کے بارے میں سوال کرنا حدیث کی رو سے منع ہے۔ واللّٰہ أعلم۔

٧٢٩٠ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ: سَمِعْتُ أَبَا النَّضْرِ يُحَدِّثُ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اتَّخَذَ حُجْرَةً فِي الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِيرٍ، فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِيهَا لَيَالِيَ حَتَّى اجْتَمَعَ إِلَيْهِ نَاسٌ، فَفَقَدُوا صَوْتَهُ لَيْلَةً فَظَنُّوا أَنَّهُ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَتَنَحْنَحُ لِيَخْرُجَ

[7290] حضرت زید بن ثابت ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مسجد میں چٹائی سے ایک حجرہ سا بنایا پھر رسول اللہ ﷺ نے چند راتیں اس میں نماز پڑھی حتی کہ بہت سے لوگ جمع ہو گئے (اور آپ کے ساتھ نماز ادا کرنے لگے)۔ ایک رات انھوں نے آپ ﷺ کی آواز نہ سنی تو انھوں نے سمجھا کہ آپ سو گئے ہیں، اس لیے کچھ صحابہ نے کھانسنا شروع کر دیا تاکہ آپ باہر تشریف لائیں۔ آپ نے فرمایا:

1 النحل 16: 43.

إِلَيْهِمْ فَقَالَ: «مَا زَالَ بِكُمُ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ صَنِيعِكُمْ حَتَّى خَشِيتُ أَنْ يُكْتَبَ عَلَيْكُمْ، وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَّا قُمْتُمْ بِهِ، فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُمْ فَإِنَّ أَفْضَلَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا [الصَّلَاةَ] الْمَكْتُوبَةَ». [راجع: ٧٣١]

"میں تم لوگوں کے کام سے واقف تھا لیکن اس ڈر سے باہر نہیں آیا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر یہ (نماز تراویح) فرض ہو جائے، پھر تم اسے قائم نہ رکھ سکو گے۔ اے لوگو! یہ نماز تم اپنے گھروں میں پڑھا کرو کیونکہ فرض نماز کے علاوہ انسان کی سب سے افضل نماز اس کے گھر میں ہے۔"

فوائد ومسائل: ① مذکورہ واقعہ رمضان المبارک میں نماز تراویح کے متعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں ایک جگہ چٹائی کا حجرہ بنایا تاکہ اس میں نماز پڑھیں اور لوگ آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکیں، لیکن لوگوں نے آپ ﷺ کی اقتدا میں تین دن تک نماز تراویح ادا کی۔ چونکہ نزول وحی کا زمانہ تھا اور اس کے فرض ہونے کا خطرہ تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد جماعت کا اہتمام ترک کر دیا۔ جب آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ اندیشہ ختم ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح کی جماعت کا اہتمام مسجد میں کر دیا۔ ② اس حدیث کا عنوان سے تعلق اس طرح ہے کہ لوگوں کو مسجد میں نماز تراویح ادا کرنے کا حکم نہیں ہوا تھا لیکن انھوں نے از خود اپنے آپ پر یہ پابندی عائد کر لی تو رسول اللہ ﷺ نے ان پر شفقت کرتے ہوئے انھیں اس سے باز رکھا۔ معلوم ہوا کہ سنت کی پیروی ہی میں نجات اور عزت ہے۔ خلاف سنت عبادت کے علاوہ سختی اٹھانا اور شرطیں لگانا اچھی بات نہیں۔ ③ واضح رہے کہ فرض نماز کے علاوہ نماز عید اور نماز گرہن وغیرہ مسجد میں ادا کی جاتی ہیں کیونکہ یہ نماز شعائر اسلام سے تعلق رکھتی ہیں، اس لیے ان کا حکم فرض نماز جیسا ہے۔ اسی طرح تحیۃ المسجد اور طواف کی دو رکعت بھی مسجد میں پڑھی جاتی ہیں تو یہ خارجی دلائل کی بنا پر حدیث میں مذکور عام حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ واللہ أعلم.

٧٢٩١ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ أَشْيَاءَ كَرِهَهَا، فَلَمَّا أَكْثَرُوا عَلَيْهِ الْمَسْأَلَةَ غَضِبَ وَقَالَ: «سَلُونِي»، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَنْ أَبِي؟ قَالَ: «أَبُوكَ حُذَافَةُ»، ثُمَّ قَامَ آخَرُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَنْ أَبِي؟ فَقَالَ: «أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ». فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ مَا بِوَجْهِ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنَ الْغَضَبِ قَالَ: إِنَّا نَتُوبُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ. [راجع: ٩٢]

[7291] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے چند اشیاء کے متعلق سوال کیا گیا جنھیں آپ نے پسند نہ فرمایا۔ جب لوگوں نے بہت زیادہ سوالات کرنا شروع کر دیے تو آپ ناراض ہوئے اور فرمایا: "مجھ سے جو پوچھنا ہے پوچھو۔" تب ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اللہ کے رسول! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: "تیرا باپ حذافہ ہے۔" پھر ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اور اس نے سوال کیا: "میرے والد کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "تمھارے والد شیبہ کے آزاد کردہ غلام سالم ہیں۔" جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور پر غصے کے آثار محسوس کیے تو

کہا: ہم اللہ عزوجل کے حضور (آپ کو غصہ دلانے سے) توبہ کرتے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کے وقت مسجد میں تشریف لائے، نماز سے فراغت کے بعد منبر پر چڑھے اور قیامت کا ذکر فرمایا، پھر آپ ﷺ نے سوالات کرنے کی اجازت دی تو لوگوں نے بے فائدہ قسم کے سوال پوچھنے شروع کر دیے، مثلاً: میری گم شدہ اونٹنی کہاں ہے؟ قیامت کب آئے گی؟ کیا حج ہر سال فرض ہے؟ کیا صفا پہاڑی سونا بن سکتی ہے؟ میرا باپ کون ہے؟ میرا انجام کیا ہوگا؟ تو رسول اللہ ﷺ کو اس قسم کے بلا مقصد سوالوں پر غصہ آیا۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کے مزاج شناس تھے، اس لیے انھوں نے معذرت کی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ ہم سے درگزر فرمائیں، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ راضی ہو گئے۔[1] ② ایک روایت میں ہے کہ جب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے بتایا: ''تیرا باپ حذافہ ہے۔'' وہ اپنے گھر آیا اور اپنی ماں سے اس کا ذکر کیا تو اس کی ماں اسے کہنے لگی: تجھے معلوم ہے کہ ہم نے دور جاہلیت گزارا ہے۔ شاید تو میری رسوائی کا باعث بن جاتا، اس نے جواب دیا: میں اپنے باپ کے متعلق جاننا چاہتا تھا، خواہ وہ کوئی ہوتا۔[2] ③ اس قسم کے سوالات پر پابندی لگانا ضروری تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ایمان والو! ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر انھیں ظاہر کر دیا جائے تو تمھیں ناگوار گزرے۔''[3] اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معذرت کی اور کہا: ہم اس قسم کے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔[4]

٧٢٩٢ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ قَالَ: كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةِ: اكْتُبْ إِلَيَّ مَا سَمِعْتَ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ. فَكَتَبَ إِلَيْهِ: إِنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ»، وَكَتَبَ إِلَيْهِ: إِنَّهُ كَانَ يَنْهٰى عَنْ: قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ، وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ: عُقُوقِ

[7292] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب وراد سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ سے تم نے جو سنا ہے وہ مجھے لکھ بھیجیں۔ تو انھوں نے ان کی طرف لکھا کہ نبی ﷺ ہر نماز کے بعد کہتے تھے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے بادشاہی اور تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔ اے اللہ! جس کو تو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے تو روک لے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا اور کسی بزرگ کو اس کی بزرگی تیرے مقابلے میں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی۔'' نیز لکھا کہ آپ ﷺ قیل و قال، کثرت سوال، مال کے ضیاع،

1 صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، حديث:7294، وفتح الباري:331/13. 2 مسند أحمد:503/2. 3 المآئدة 101:5. 4 فتح الباري:331/13.

الْأُمَّهَاتِ، وَوَأْدِ الْبَنَاتِ، وَمَنْعٍ وَّهَاتِ. [راجع: ٨٤٤]

ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرماتے تھے اور اپنا حق محفوظ رکھنے، دوسروں کا حق روکنے سے بھی روکتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت وراد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک وفد کے ساتھ گیا تو میں نے دیکھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو بکثرت یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے۔[1] ② اس حدیث میں کثرت سوال کی ممانعت ہے۔ کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ خواہ مخواہ سوالات کرنے کے عادی ہوتے ہیں، ان کا مقصد عملی زندگی سنوارنا نہیں بلکہ اپنی شیخی بگھارنا اور خودستائی کرنا ہوتا ہے۔ کچھ لوگ بال کی کھال اتارنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی کرنا ہے، بامقصد سوالات پوچھنے کی ممانعت نہیں کیونکہ قرآن کریم کا حکم ہے: ”اگر تمھیں علم نہیں تو اہل علم سے سوال کرو۔“[2]

٧٢٩٣ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ [قَالَ]: كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ: نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ.

[7293] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو آپ نے فرمایا: ہمیں تکلف اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، انھوں نے جو قمیص پہن رکھی تھی اس کی پشت پر چار پیوند لگے ہوئے تھے، اس دوران میں انھوں نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَفَاكِهَةً وَّ أَبًّا﴾ پھر فرمایا: ﴿فَاكِهَةً﴾ تو ہم جانتے ہیں لیکن ﴿أَبًّا﴾ کیا چیز ہے؟ پھر فرمایا: ہم کو تکلف سے منع کیا گیا ہے۔ ② ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خود کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”عمر! یہی تو تکلف ہے، اگر تجھے معلوم نہ ہو کہ ﴿أَبًّا﴾ کیا چیز ہے؟ تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟“[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس لفظ کی تفسیر کی کہ اس کے معنی حیوانات کا چارا ہے۔ ان تفسیری نکات کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ انھیں اپنے قریب جگہ دیتے تھے۔[4]

نوٹ: امام بخاری رحمہ اللہ کا اس سے مقصد یہ ہے کہ صحابی کا قول ”أُمِرْنَا اور نُهِينَا“ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے اگرچہ اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ذکر نہ ہو، اس لیے انھوں نے اس حدیث میں ”نُهِينَا عَنِ التَّكَلُّفِ“ پر اکتفا کیا اور باقی واقعہ حذف کر دیا۔[5] مقصد یہ ہے کہ بے فائدہ تکلفات کی شرعاً اجازت نہیں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے متعلق عنوان قائم کیا ہے۔

٧٢٩٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ

[7294] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

---

① صحيح البخاري، القدر، حديث: 6615. ② النحل 16:43. ③ فتح الباري: 332/13. ④ فتح الباري: 333/13.
⑤ فتح الباري: 333/13.

عَنِ الزُّهْرِيِّ. وَحَدَّثَنِي مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ، وَذَكَرَ أَنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا أُمُورًا عِظَامًا، ثُمَّ قَالَ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْ عَنْهُ، فَوَاللهِ لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ بِهِ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هٰذَا»، قَالَ أَنَسٌ: فَأَكْثَرَ الْأَنْصَارُ الْبُكَاءَ، وَأَكْثَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يَقُولَ: «سَلُونِي»، فَقَالَ أَنَسٌ: فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ: أَيْنَ مَدْخَلِي يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «النَّارُ»، فَقَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ: مَنْ أَبِي يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «أَبُوكَ حُذَافَةُ». قَالَ: ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ: «سَلُونِي سَلُونِي»، فَبَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ: رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ رَسُولًا، قَالَ: فَسَكَتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ قَالَ عُمَرُ ذٰلِكَ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَوْلَى، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَقَدْ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِي عُرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ وَأَنَا أُصَلِّي، فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ». [راجع: ٩٣]

کہ نبی ﷺ ایک دن زوال آفتاب کے بعد باہر تشریف لائے۔ ظہر کی نماز ادا کی اور سلام پھیرنے کے بعد آپ منبر پر کھڑے ہوئے تو قیامت کا ذکر کیا اور بیان فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات رونما ہوں گے، پھر فرمایا: ”تم میں سے جو شخص کسی چیز کے متعلق سوال کرنا چاہتا ہو تو اسے اجازت ہے۔ اللہ کی قسم! آج تم مجھ سے جو سوال بھی کرو گے میں تمھیں اس کا جواب دوں گا جب تک میں اس جگہ پر ہوں۔“ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انصار بہت زیادہ رونے لگے لیکن رسول اللہ ﷺ بار بار یہی فرماتے تھے: ”مجھ سے پوچھو۔“ چنانچہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور پوچھا: اللہ کے رسول! میرا ٹھکانا کہاں ہو گا؟ آپ نے فرمایا: ”تیرا ٹھکانا دوزخ ہے۔“ پھر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور پوچھا: اللہ کے رسول! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تمھارے والد حذافہ ہیں۔“ پھر آپ مسلسل یہی کہتے رہے: ”مجھ سے سوال کرو، مجھ سے پوچھو۔“ آخر کار حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہا: ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے رب ہونے کی حیثیت سے راضی ہیں، اسلام سے دین ہونے کے اعتبار سے خوش ہیں اور حضرت محمد ﷺ سے رسول ہونے کی حیثیت سے خوش ہیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تو رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے، پھر فرمایا: ”تم خوش ہوئے یا نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میرے سامنے ابھی ابھی اس دیوار کی جانب جنت اور دوزخ دونوں پیش کی گئیں جبکہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ میں نے آج کی طرح خیر و شر کو کبھی نہیں دیکھا۔“

٧٢٩٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: أَخْبَرَنِي

[7295] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک آدمی نے پوچھا: اللہ کے نبی! میرا باپ

مُوسَى بْنُ أَنَسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا نَبِيَّ اللهِ مَنْ أَبِي؟ قَالَ: «أَبُوكَ فُلَانٌ»، فَنَزَلَتْ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَسْـَٔلُوا۟ عَنْ أَشْيَآءَ﴾ اَلْآيَةَ [المائدة: ١٠١]. [راجع: ٩٣]

کون ہے؟ فرمایا: ''تیرا باپ فلاں ہے۔'' پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''اے ایمان والو! ایسی اشیاء کے متعلق مت سوال کرو (اگر انھیں ظاہر کر دیا جائے تو تمھیں برا لگے)۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت جو احادیث ذکر کی ہیں، ان کے پیش نظر تین مقاصد ہیں: * کثرت سوالات کی ممانعت بیان کرنا۔ * لایعنی اور بے فائدہ تکلفات سے بچنا۔ * سورۃ المائدہ کی آیت: 101 کا پس منظر بیان کرنا۔ ان دونوں احادیث میں آیت کریمہ کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ٹھکانے کے متعلق سوال کیا تھا وہ منافقین میں سے تھا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت سے پہلے ہولناک واقعات کے رونما ہونے کا ذکر کیا تھا، اس لیے انصار پر خوف طاری ہوا اور وہ بہت روئے۔ ② حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سوال کو بھی اچھا خیال نہیں کیا گیا کیونکہ خدانخواستہ اگر کسی کا باپ صحیح نہ ہو اور سوال کرنے پر رسول اللہ ﷺ اس حقیقت کو ظاہر کر دیں تو سوال کرنے والے کی کس قدر رسوائی ہوتی، اس لیے بے جا قسم کے سوالات پوچھنے سے منع کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ غیب دان نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے سے آپ ﷺ کو آگاہ کیا جاتا تھا۔ دعوائے غیب دانی کی نفی خود رسول اللہ ﷺ نے کی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے۔

٧٢٩٦ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ: حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَنْ يَبْرَحَ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ حَتَّى يَقُولُوا: هٰذَا اللهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ، فَمَنْ خَلَقَ اللهَ؟».

[7296] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ برابر سوالات کرتے رہیں گے حتی کہ یہ بھی کہہ دیں گے: یہ اللہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟''

فوائد و مسائل: ① بے جا تکلفات اور کثرت سوالات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ایسے سوالات پر دلیر ہو جاتا ہے جن سے اس کا ایمان تباہ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا غیر مخلوق ہونا ایک بدیہی امر ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا ڈھٹائی ہے۔ ② ایک حدیث میں ہے کہ انسان جب اس حد تک پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور اس خیال سے خود کو روک لے۔[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایسے شیطانی وسوسے کے وقت انسان کو چاہیے کہ اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے اور شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے۔[2] ایک روایت میں ہے کہ ''آمَنْتُ بِاللّٰہِ'' پڑھے۔[3] نسائی کی روایت میں ہے کہ اس وقت ''اَللّٰهُ أَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ''

---

1 صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3276. 2 سنن أبي داود، السنة، حديث: 4722. 3 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 347 (134)، وسنن أبي داود، السنة، حديث: 4721.

پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ تینوں صفات انسان کو متنبہ کرتی ہیں کہ اللہ مخلوق نہیں ہے۔[1]

٧٢٩٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَرْثٍ بِالْمَدِينَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِّنَ الْيَهُودِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا تَسْأَلُوهُ، لَا يُسْمِعَكُمْ مَّا تَكْرَهُونَ، فَقَامُوا إِلَيْهِ فَقَالُوا: يَا أَبَا الْقَاسِمِ! حَدِّثْنَا عَنِ الرُّوحِ، فَقَامَ سَاعَةً يَنْظُرُ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ، فَتَأَخَّرْتُ عَنْهُ حَتَّى صَعِدَ الْوَحْيُ ثُمَّ قَالَ: ﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى﴾ [الإسراء: ٨٥]. [راجع: ١٢٥]

[7297] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ کے کسی کھیت میں تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ کھجور کی ایک شاخ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اس دوران میں آپ یہودیوں کے گروہ کے پاس سے گزرے تو ان میں سے کسی نے کہا: ان سے روح کے متعلق سوال کرو؟ لیکن دوسروں نے کہا: ان سے کچھ نہ پوچھو، ایسا نہ ہو کہ وہ ایسی بات سنا دیں جو تمھیں ناگوار ہو۔ آخر وہ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے ابوالقاسم! ہمیں روح کے متعلق بتائیں۔ آپ ﷺ تھوڑی دیر کھڑے دیکھتے رہے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ میں تھوڑی دور ہٹ گیا یہاں تک کہ وحی کا نزول پورا ہو گیا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیں کہ روح میرے رب کا امر ہے۔''

فوائد ومسائل: ① یہودیوں نے باہمی مشورے سے یہ بات طے کی کہ نبی آخر الزمان (ﷺ) سے روح کے متعلق سوال کیا جائے، اگر روح کی حقیقت بیان کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دانشور اور حکیم ہیں پیغمبر نہیں ہیں کیونکہ کسی پیغمبر نے روح کی حقیقت بیان نہیں کی۔ اگر روح کی حقیقت بیان نہ کریں تو پیغمبر ہیں۔ کچھ یہودیوں نے کہا: ان سے یہ سوال نہ کیا جائے کیونکہ اگر انھوں نے روح کی حقیقت بیان نہ کی تو یہ ان کے رسول ہونے کا ایک اور ثبوت مل جائے گا جو تمھیں ناگوار گزرے گا۔ ② حقیقت یہ ہے کہ اس روح کی ماہیت کا علم کسی کو نہیں ہو سکا۔ مغربی دانشور اس کے متعلق تحقیق کر رہے ہیں لیکن ابھی تک انھیں کوئی سرا ہاتھ نہیں آ سکا، بس اتنا ہی کہتے ہیں کہ روح ایک ایسا لطیف جوہر ہے جو ذی روح کی شکل وصورت جیسا ہوتا ہے اور اس کا ہر جز جسم حیوانی کے ہر جز میں سما جاتا ہے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا راز ہے جس پر کوئی بھی مطلع نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ''کہہ دیجیے! روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمھیں تو بس تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔''[2] ③ امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ اس قسم کے سوالات محض تکلفات ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ انسان کی عملی زندگی ہی سے اس کا کوئی تعلق ہے، اس لیے ایسے سوالات پوچھنے سے بچنا چاہیے۔ واللہ أعلم.

[1] السنن الکبری للنسائي، حدیث: 10497، وفتح الباري: 334/13. [2] بنيٓ إسرآئيل 85:17.

(٤) بَابُ الْاِقْتِدَاءِ بِأَفْعَالِ النَّبِيِّ ﷺ

باب: 4- نبی ﷺ کے افعال کی پیروی کرنا

٧٢٩٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: اتَّخَذَ النَّبِيُّ ﷺ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنِّي اتَّخَذْتُ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ» فَنَبَذَهُ، وَقَالَ: «إِنِّي لَنْ أَلْبَسَهُ أَبَدًا»، فَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ. [راجع: ٥٨٦٥]

[7298] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی تو دوسرے لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "میں نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی۔" پھر آپ نے اسے پھینک دیا اور فرمایا: "میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا۔" تب دوسرے لوگوں نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

فوائد و مسائل: ① حضرت انس ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ایک دن چاندی کی انگوٹھی دیکھی اور لوگوں نے چاندی کی انگوٹھیاں بنوا کر پہن لیں تو رسول اللہ ﷺ نے اس انگوٹھی کو پھینک دیا۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر صحابہ نے اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔[1] ② اس روایت میں کسی (راوی کو وہم) ہوا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی پھینکی تھی، اس کے بعد چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی جسے آپ ﷺ زندگی بھر پہنتے رہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اسے حضرت ابوبکر ؓ نے، پھر حضرت عمر ؓ نے پہنا۔ اس کے بعد حضرت عثمان ؓ نے اسے استعمال کیا حتی کہ وہ ان سے اریس کے کنویں میں گر گئی۔[2] سونا مردوں کے لیے حرام تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اسے استعمال نہیں کیا۔ آپ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے صحابۂ کرام نے بھی اس کا استعمال چھوڑ دیا، البتہ عورتوں کے لیے اس کا استعمال جائز اور حلال ہے۔ ③ بہرحال ہر کام میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا ایمان کا جز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں ہمیشہ سے بہترین نمونہ ہے۔"[3] سیاق و سباق کے اعتبار سے اس آیت کا ایک خاص مفہوم ہے مگر معانی کے لحاظ سے عام ہے، یعنی زندگی کے ہر پہلو کے لیے رسول اللہ ﷺ واجب الاتباع نمونہ ہیں، لیکن اس نمونے کی پیروی اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جس میں تین صفات ہوں: ○ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو۔ ○ آخرت پر یقین ہو۔ ○ اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتا ہو۔ ان شرائط کی صراحت مذکورہ آیت کے آخر میں ہے۔ واللہ المستعان۔

(٥) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّعَمُّقِ وَالتَّنَازُعِ فِي الْعِلْمِ، وَالْغُلُوِّ فِي الدِّينِ وَالْبِدَعِ

باب: 5- کسی امر میں تشدد اور سختی کرنا مکروہ ہے اسی طرح علمی بات میں فضول جھگڑا کرنا، دین میں غلو کرنا اور بدعتیں ایجاد کرنا منع ہے

1 صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5868. 2 صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5866. 3 الأحزاب 33: 21.

لِقَوْلِهِ [تَعَالَى]: ﴿يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْحَقَّ﴾ [النساء: ١٧١]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور حق کے سوا اللہ پر کچھ نہ کہو۔"

وضاحت: غلو کے معنی حد سے تجاوز کرنا ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دینی معاملات میں غلو سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ذات باری تعالیٰ کے متعلق بحث وتمحیص کرتے وقت انسان اس حد سے تجاوز کر جائے کہ شیطان کو دخل اندازی کا موقع مل جائے۔ یہود ونصاریٰ نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق غلو سے کام لیا تھا۔ یہودیوں نے ان کی قدر ومنزلت کو اس حد تک گھٹا دیا کہ ان کی رسالت ہی سے انکار کر دیا اور نصاریٰ نے انھیں اس قدر بڑھایا کہ انھیں الٰہ بنا دیا یا انھیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دے دیا۔ ہمارے مسلمانوں میں بھی اس قسم کے غلو کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ دین اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

٧٢٩٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تُوَاصِلُوا»، قَالُوا: إِنَّكَ تُوَاصِلُ، قَالَ: «إِنِّي لَسْتُ مِثْلَكُمْ، إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي»، فَلَمْ يَنْتَهُوا عَنِ الْوِصَالِ، قَالَ: فَوَاصَلَ بِهِمُ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَيْنِ أَوْ لَيْلَتَيْنِ، ثُمَّ رَأَوُا الْهِلَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْ تَأَخَّرَ الْهِلَالُ لَزِدْتُكُمْ»، كَالْمُنَكِّي لَهُمْ. [راجع: ١٩٦٥]

[7299] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "تم پے در پے روزے نہ رکھا کرو۔" صحابۂ کرام نے کہا: آپ بھی تو پے در پے روزے رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "میں تمھارے جیسا نہیں ہوں۔ میں رات بسر کرتا ہوں میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔" لیکن لوگ پے در پے روزے رکھنے سے باز نہ آئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کے ساتھ پے در پے دو دن روزہ رکھا۔ پھر لوگوں نے چاند دیکھ لیا تو آپ نے فرمایا: "اگر چاند نظر نہ آتا تو میں تمھیں مزید روزے رکھاتا۔" آپ ﷺ کا مقصد انھیں سزا دینا تھا۔

فوائد ومسائل: ① اللہ تعالیٰ کے کھلانے پلانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ میں طاقت پیدا کرتا ہے یا جنت کا کھانا کھلاتا اور اس کا مشروب پلاتا ہے۔ جنت کے کھانے اور مشروب سے روزہ افطار نہیں ہوتا اور نہ وصال ہی کے منافی ہے۔ اگرچہ یہ روایت عنوان کے مطابق نہیں لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے حسب عادت عنوان میں ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے اس روایت کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو عنوان کے عین مطابق ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر اس مہینے کے دن مزید بڑھ جاتے تو میں اتنے دنوں تک پے در پے روزے رکھتا کہ اپنے آپ پر خود ساختہ سختی کرنے والے اس سختی سے باز آ جاتے۔"[1] ② معلوم ہوا کہ ہر ریاضت وعبادت اور دین کے سب کاموں میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور معمولات کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ ایسا کرنے میں زیادہ ثواب ہے اس کے برعکس کسی بات میں غلو کرنا یا حد سے گزر جانا اور

1 صحيح البخاري، التمني، حديث: 7241.

بے جاسختی سے کام لینا، مثلاً: ساری رات بیدار رہنا یا ہمیشہ روزے رکھنا شریعت میں پسندیدہ عمل نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

٧٣٠٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: خَطَبَنَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى مِنْبَرٍ مِنْ آجُرٍّ وَعَلَيْهِ سَيْفٌ فِيهِ صَحِيفَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَقَالَ: وَاللهِ مَا عِنْدَنَا مِنْ كِتَابٍ يُقْرَأُ إِلَّا كِتَابُ اللهِ، وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ، فَنَشَرَهَا فَإِذَا فِيهَا: أَسْنَانُ الْإِبِلِ، وَإِذَا فِيهَا: «اَلْمَدِينَةُ حَرَمٌ مِنْ عَيْرٍ إِلَى كَذَا، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا»، وَإِذَا فِيهِ: ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ، يَسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا». وَإِذَا فِيهَا: «مَنْ وَالٰى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا». [راجع: ١١١]

[7300] یزید بن شریک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اینٹوں سے بنے ہوئے منبر پر کھڑے ہو کر ہمیں خطبہ دیا۔ ان کے پاس ایک تلوار تھی جس کے ساتھ صحیفہ لٹکا ہوا تھا۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہمارے پاس کتاب اللہ کے علاوہ اور کوئی تحریر نہیں جسے پڑھا جاسکے مگر جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ پھر انھوں نے اسے کھولا تو اس میں دیت کے طور پر دیے جانے والے اونٹوں کی عمروں کا اندراج تھا۔ اور اس میں یہ بھی تھا: ''مدینہ طیبہ عیر پہاڑی سے لے کر فلاں پہاڑی تک حرم ہے۔ جس انسان نے اس میں کسی بدعت کو ایجاد کیا اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی فرض یا نفل عبادت قبول نہیں کرے گا۔'' اس میں یہ بھی تھا: ''مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے۔ اسے ادنیٰ شخص بھی پورا کرنے کی کوشش کرے۔ جس کسی نے مسلمان کا عہد توڑا اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کی کوئی فرض یا نفل عبادت قبول نہیں ہوگی۔'' اس میں یہ بھی تھا: ''جس نے اپنے آقاؤں کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے سے موالات کا تعلق قائم کیا اس پر بھی اللہ کی، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی فرض یا نفل عبادت قبول نہیں کرے گا۔''

فائدہ: دین میں غلو کی کئی صورتیں ہیں، جن میں بدعت کی اشاعت، یعنی بدعت پھیلانا اور اسے رواج دینا بھی ہے، چنانچہ عنوان میں بدعات کی ترویج و اشاعت کا بھی ذکر ہے، چنانچہ اس حدیث میں ہے کہ جس نے حرم مدینہ میں بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو جگہ دی اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس صحیفے میں یہ بھی تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی تعظیم کے لیے جانور ذبح کرے، اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔ جو کوئی زمین کے نشانات تبدیل کرے وہ بھی ملعون ہے۔ اور جو شخص اپنے باپ پر لعنت کرتا ہے۔ اس پر بھی اللہ کی لعنت ہے، بہر حال اس میں بدعت کی اشاعت اور بدعتی کو

اپنے ہاں جگہ دینے کی گندگی اور برائی کا بیان ہے، جو دین میں غلو اور حد سے گزر جانے کی ایک صورت ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔[1]

٧٣٠١ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: صَنَعَ النَّبِيُّ ﷺ شَيْئًا تَرَخَّصَ فِيهِ وَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَحَمِدَ اللهَ [وَأَثْنَى عَلَيْهِ] ثُمَّ قَالَ: «مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ؟ فَوَاللهِ إِنِّي أَعْلَمُهُمْ بِاللهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً». [راجع: ٦١٠١]

[7301] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے کوئی کام کیا جس میں لوگوں کے لیے رخصت کا پہلو تھا۔ اس کے باوجود کچھ لوگوں نے اس سے احتراز کیا۔ نبی ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا: ''ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو ایسی چیز سے پرہیز کرتے ہیں جو میں کرتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں ایسے تمام لوگوں سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ جانتا ہوں اور ان سے زیادہ اپنے اندر خشیت رکھتا ہوں۔''

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے جو کام کیا، اس سے پرہیز کرنا یا اسے خلاف تقویٰ خیال کرنا بہت بڑا گناہ بلکہ بے دینی اور الحاد ہے کیونکہ ایسے لوگوں کو تقویٰ کہاں سے معلوم ہوا؟ امت کو جو کچھ ملا ہے وہ تو رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہی سے ملا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی رضا کو اپنی رضا قرار دیا، مثلاً: رسول اللہ ﷺ نے شادیاں کی ہیں، اب اگر کوئی شخص شادی کو تقویٰ کے منافی سمجھتا ہے تو اس کا یہ خیال اور اس کی سوچ شریعت کے خلاف ہے۔ اس کا یہ اقدام کسی صورت میں مستحسن نہیں کسی نے خوب کہا ہے۔ خلاف پیغمبر کسے راہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

٧٣٠٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ: كَادَ الْخَيِّرَانِ أَنْ يَهْلِكَا: أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، لَمَّا قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَفْدُ بَنِي تَمِيمٍ أَشَارَ أَحَدُهُمَا بِالْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ التَّمِيمِيِّ الْحَنْظَلِيِّ أَخِي بَنِي مُجَاشِعٍ، وَأَشَارَ الْآخَرُ بِغَيْرِهِ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لِعُمَرَ: إِنَّمَا أَرَدْتَ خِلَافِي، فَقَالَ عُمَرُ: مَا أَرَدْتُ خِلَافَكَ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَزَلَتْ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا

[7302] حضرت ابن ابو ملیکہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: قریب تھا کہ دو بہترین آدمی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہلاک ہو جاتے۔ جس وقت نبی ﷺ کے پاس بنو تمیم کا وفد آیا تو ان میں سے ایک صاحب نے بنو مجاشع میں سے اقرع بن حابس تمیمی حنظلی کو ان کا امیر بنانے کا مشورہ دیا جبکہ دوسرے نے اس کے علاوہ کسی اور کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کا مقصد صرف میری مخالفت کرنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری خواہش آپ کی مخالفت کرنا نہیں، پھر نبی ﷺ کی موجودگی میں دونوں بزرگوں

[1] فتح الباري: 341/13.

تَرْفَعُوٓا۟ أَصْوَٰتَكُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿عَظِيمٌ﴾ [الحجرات: ٢، ٣]

کی آوازیں بلند ہو گئیں تو یہ آیت اتری: "اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو...... اجر عظیم ہے۔"

قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ: فَكَانَ عُمَرُ بَعْدُ - وَلَمْ يَذْكُرْ ذَلِكَ عَنْ أَبِيهِ، يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ - إِذَا حَدَّثَ النَّبِيَّ ﷺ بِحَدِيثٍ حَدَّثَهُ كَأَخِي السِّرَارِ، لَمْ يُسْمِعْهُ حَتَّى يَسْتَفْهِمَهُ. [راجع: ٤٣٦٧]

ابن ابوملیکہ نے بیان کیا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے تھے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس آیت کے بعد یہ انداز تھا کہ وہ نبی ﷺ سے کوئی بات کرتے تو اتنی آہستگی سے جیسے کوئی کان میں بات کرتا ہے۔ وہ آپ ﷺ کو نہ سنا سکتے حتی کہ آپ دوبارہ پوچھتے (کیا کہا ہے؟) لیکن ابن زبیر اپنے نانا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ بات بیان نہیں کرتے تھے۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کا قائم کیا ہوا عنوان کئی اجزا پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک "بلاوجہ جھگڑا کرنا" ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا حدیث میں مذکور جھگڑا اور اختلاف رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہوا جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اقرع بن حابس کو امیر بنانے کا مشورہ دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ قعقاع بن معبد کو امیر بنایا جائے۔ اس دوران میں ان دونوں بزرگوں کی آوازیں بلند ہوئیں تو فرشتۂ وحی خدمت میں آیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیات نازل ہوئیں کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کسی کو ازخود مشورہ دینے کی اجازت نہیں اور نہ آپ ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے گفتگو کرنا ہی درست ہے۔ بہرحال یہ حدیث اپنے عنوان سے اس طرح مطابقت رکھتی ہے کہ اس میں تنازع کا ذکر ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ اقرع بن حابس اور قعقاع بن معبد بن زرارہ میں سے کس کو امیر بنایا جائے۔

٧٣٠٣ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ فِي مَرَضِهِ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ»، قَالَتْ عَائِشَةُ: قُلْتُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ، فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ، فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُولِي: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ،

[7303] ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری میں فرمایا: "ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے جواب دیا: ابوبکر آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو (قراءت) نہیں سنا سکیں گے، لہٰذا آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: "ابوبکر سے کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے حضرت حفصہ سے کہا: تم کہو کہ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی جگہ کھڑے

فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ»، فَقَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ: مَا كُنْتُ لِأُصِيبَ مِنْكِ خَيْرًا.

[راجع: ۱۹۸]

ہوں گے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو (قراءت) نہیں سنا سکیں گے، اس لیے آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیں وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ تم حضرت یوسف علیہ السلام کو پھانسنے والی عورتیں معلوم ہوتی ہو۔ حضرت ابوبکر سے کہیں وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' بعد میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: میں نے تم سے کبھی بھلائی نہیں پائی۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے تنازع کی کراہت ثابت کی ہے کیونکہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بات سے اختلاف کر کے بار بار ایک ہی بات کو دہراتی رہیں، آخر کار حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہی بات کہلوائی تو رسول اللہ ﷺ کو مداخلت کی ضرورت پڑی اور آپ ﷺ نے فرمایا: تمھارا کردار حضرت یوسف علیہ السلام کو پھانسنے والی عورتوں سے مختلف نہیں۔ وہ بھی بظاہر عزیز مصر کی بیوی کو حضرت یوسف علیہ السلام سے دلی تعلق پر ملامت کرتی تھیں لیکن وہ خود ان سے تعلق قائم کرنے کے لیے بے قرار تھیں، اسی طرح تم بظاہر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گریہ وزاری کا بہانہ پیش کر کے انھیں امامت سے دور رکھنا چاہتی ہو لیکن تمھاری خواہش کچھ اور ہے۔ ② دراصل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چاہتی تھیں کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مصلے پر کھڑے ہوئے تو لوگ اسے بدشگونی سے تعبیر کریں گے۔ اس بات کا اظہار بھی انھوں نے کیا لیکن رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو اپنے مصلے پر کھڑا دیکھنا چاہتے تھے۔ بہرحال اس حدیث میں باہمی اختلاف اور آپس میں لڑنے جھگڑنے کی کراہت کو ثابت کیا گیا ہے۔ واللہ أعلم.

٧٣٠٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ: جَاءَ عُوَيْمِرٌ الْعَجْلَانِيُّ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ فَقَالَ: أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا فَيَقْتُلُهُ، أَتَقْتُلُونَهُ بِهِ؟ سَلْ لِي يَا عَاصِمُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَسَأَلَهُ فَكَرِهَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا، فَرَجَعَ عَاصِمٌ فَأَخْبَرَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَرِهَ الْمَسَائِلَ، فَقَالَ عُوَيْمِرٌ: وَاللهِ لَآتِيَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، فَجَاءَ وَقَدْ أَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى الْقُرْآنَ خَلْفَ عَاصِمٍ، فَقَالَ لَهُ: «قَدْ أَنْزَلَ اللهُ فِيكُمْ قُرْآنًا»،

[7304] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: سیدنا عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ سیدنا عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے مرد کو پائے اور اسے قتل کر دے، کیا آپ لوگ اس (مقتول) کے بدلے میں اسے قتل کر دیں گے؟ اے عاصم! آپ رسول اللہ ﷺ سے میرے لیے یہ مسئلہ دریافت کریں۔ انھوں نے آپ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو نبی ﷺ نے اس طرح کے سوالات کو ناپسند فرمایا اور معیوب خیال کیا۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر انھیں بتایا کہ نبی ﷺ نے اس طرح کے

فَدَعَا بِهِمَا فَتَقَدَّمَا فَتَلَاعَنَا، ثُمَّ قَالَ عُوَيْمِرٌ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا، فَفَارَقَهَا وَلَمْ يَأْمُرْهُ النَّبِيُّ ﷺ بِفِرَاقِهَا، فَجَرَتِ السُّنَّةُ فِي الْمُتَلَاعِنَيْنِ. وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «انْظُرُوهَا فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَحْمَرَ قَصِيرًا مِثْلَ وَحَرَةٍ فَلَا أُرَاهُ إِلَّا قَدْ كَذَبَ، وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَسْحَمَ أَعْيَنَ، ذَا أَلْيَتَيْنِ فَلَا أَحْسِبُ إِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيْهَا». فَجَاءَتْ بِهِ عَلَى الْأَمْرِ الْمَكْرُوهِ. [راجع: ٤٢٣]

سوالات کو ناپسند فرمایا ہے۔ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں خود نبی ﷺ کے پاس جاتا ہوں، پھر وہ آئے جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے واپس جانے کے بعد قرآن کی آیات آپ پر نازل کر دی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”تمھارے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا ہے۔“ پھر آپ نے دونوں (میاں بیوی) کو بلایا۔ وہ دونوں آئے اور لعان کیا۔ پھر عویمر نے کہا: اللہ کے رسول! اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو میں نے اس پر جھوٹ بولا ہوگا، اس لیے انھوں نے فوری طور پر اپنی بیوی کو جدا کر دیا جبکہ نبی ﷺ نے جدا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ پھر لعان کرنے والوں میں یہی طریقہ رائج ہو گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم دیکھتے رہو اگر اس عورت نے چھوٹے قد والا سرخ رنگ کا بچہ جنم دیا جیسے زمین کا کیڑا ہوتا ہے تو میں عویمر کو جھوٹا خیال کروں گا۔ اور اگر اس نے کالا، موٹی آنکھوں والا اور بھاری سرینوں والا بچہ جنا تو میں سمجھوں گا کہ عویمر سچا ہے۔“ پھر اس عورت نے مکروہ صورت کا بچہ جنم دیا، یعنی جس مرد سے بدنام ہوئی تھی اسی صورت کا بچہ پیدا ہوا۔

فوائد و مسائل: ① اس طرح کا ایک واقعہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ سے پیش آیا، جب انھوں نے اپنی بیوی کو شریک بن سحماء سے متہم کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ہلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”گواہ لاؤ بصورت دیگر تمھاری پشت پر حد قذف لگے گی۔“ آخر کار ان کے درمیان لعان ہوا۔ لعان کی تفصیل سورۂ نور آیت: 6 تا 9 میں بیان ہوئی ہے۔ ② لعان کے بعد مرد طلاق دے یا نہ دے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہمیشہ کے لیے جدائی خود بخود عمل میں آ جاتی ہے۔ مرد اپنی بیوی سے حق مہر یا دیگر اخراجات کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ لعان کے بعد دوران عدت میں عورت کا نان و نفقہ یا رہائش وغیرہ مرد کے ذمے نہیں ہوتی۔ پیدا ہونے والا بچہ ماں کی طرف منسوب ہوگا اور وہی اس کا وارث ہوگا، چنانچہ اس قسم کے مسائل اور سوالات کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بیان کیا ہے۔ واللہ أعلم.

٧٣٠٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ:

[7305] حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا

أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَوْسٍ النَّصْرِيُّ - وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ ذَكَرَ لِي ذِكْرًا مِّنْ ذٰلِكَ- فَدَخَلْتُ عَلٰى مَالِكٍ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: انْطَلَقْتُ حَتّٰى أَدْخُلَ عَلٰى عُمَرَ، أَتَاهُ حَاجِبُهُ يَرْفَأُ فَقَالَ: هَلْ لَّكَ فِي عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدٍ يَسْتَأْذِنُونَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَدَخَلُوا فَسَلَّمُوا وَجَلَسُوا. فَقَالَ: هَلْ لَّكَ فِي عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ؟ فَأَذِنَ لَهُمَا، قَالَ الْعَبَّاسُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ الظَّالِمِ - اسْتَبَّا - فَقَالَ الرَّهْطُ عُثْمَانُ وَأَصْحَابُهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! اقْضِ بَيْنَهُمَا وَأَرِحْ أَحَدَهُمَا مِنَ الْآخَرِ، فَقَالَ: اتَّئِدُوا، أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»، يُرِيدُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نَفْسَهُ؟ قَالَ الرَّهْطُ: [قَدْ] قَالَ ذٰلِكَ، فَأَقْبَلَ عُمَرُ عَلٰى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَقَالَ: أَنْشُدُكُمَا بِاللّٰهِ، هَلْ تَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ذٰلِكَ؟ قَالَا: نَعَمْ. قَالَ عُمَرُ: فَإِنِّي مُحَدِّثُكُمْ عَنْ هٰذَا الْأَمْرِ، إِنَّ اللّٰهَ كَانَ خَصَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي هٰذَا الْمَالِ بِشَيْءٍ لَّمْ يُعْطِهِ أَحَدًا غَيْرَهُ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ: ﴿مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ﴾ اَلْآيَةَ [الحشر:٦]، فَكَانَتْ هٰذِهِ خَالِصَةً لِّرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ. ثُمَّ وَاللّٰهِ مَا احْتَازَهَا دُونَكُمْ وَلَا اسْتَأْثَرَ بِهَا عَلَيْكُمْ، وَقَدْ أَعْطَاكُمُوهَا وَبَثَّهَا فِيكُمْ حَتّٰى بَقِيَ مِنْهَا هٰذَا الْمَالُ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُنْفِقُ

کہ اتنے میں ان کے دربان حضرت یرفا آئے اور کہا: حضرت عثمان، عبدالرحمٰن، زبیر اور سعد ؓ اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں کیا انھیں اجازت دی جائے؟ حضرت عمر ؓ نے فرمایا: ہاں، چنانچہ وہ سب لوگ اندر آ گئے، سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ پھر یرفا نے آ کر پوچھا: کیا حضرت عباس اور حضرت علی ؓ کو اندر آنے کی اجازت ہے؟ حضرت عمر ؓ نے دونوں کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ حضرت عباس ؓ نے کہا: امیر المومنین! میرے اور اس ظالم کے درمیان فیصلہ کر دیں، پھر وہ دونوں آپس میں الجھ گئے اور ایک دوسرے سے تو تکار کی۔ حضرت عثمان ؓ اور ان کے ساتھیوں نے کہا: امیر المومنین! ان کے درمیان فیصلہ کر کے ایک دوسرے سے راحت پہنچائیں۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا: تھوڑا صبر کرو۔ میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہے! کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس سے مراد خود اپنی ذات کریمہ لی تھی؟ ان حضرات نے کہا: واقعی آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا، پھر حضرت عمر ؓ حضرت عباس اور حضرت علی ؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں آپ لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ اس کے بعد حضرت عمر ؓ نے فرمایا: اب میں آپ لوگوں سے اس بارے میں گفتگو کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مال فے میں اپنے رسول کے لیے ایک حصہ خاص کیا تھا جو اس نے آپ کے سوا کسی اور کو نہیں دیا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جو مال فے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اپنے رسول کو دیا، اس پر تم نے اونٹ گھوڑے

عَلٰى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَتِهِمْ مِنْ هٰذَا الْمَالِ، ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مَالِ اللهِ، فَعَمِلَ النَّبِيُّ ﷺ بِذٰلِكَ حَيَاتَهُ. أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ، هَلْ تَعْلَمُونَ ذٰلِكَ؟ فَقَالُوا: نَعَمْ. ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ: أَنْشُدُكُمَا اللهَ، هَلْ تَعْلَمَانِ ذٰلِكَ؟ قَالَا: نَعَمْ.

نہیں دوڑائے...... آخر تک۔" اس آیت کریمہ کے مطابق یہ مال خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے اسے، آپ لوگوں کو نظرانداز کر کے، اپنے لیے جمع نہیں کیا اور نہ اسے اپنی ذاتی جائیداد ہی بنایا بلکہ آپ نے اسے تم لوگوں کو دیا اور سب میں تقسیم کر دیا یہاں تک کہ اس میں سے یہ مال باقی رہ گیا۔ نبی ﷺ اس میں سے اپنے اہل خانہ کا سالانہ خرچ دیتے تھے، پھر باقی اپنے قبضے میں لے لیتے اور اسے بیت المال میں رکھ کر عام مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے اپنی زندگی بھر یہی معمول بنائے رکھا۔ میں آپ حضرات کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمھیں اس کا علم ہے؟ صحابۂ کرام نے کہا: ہاں (ہم سب جانتے ہیں)۔ پھر آپ نے حضرت علی اور عباس ؓ سے کہا: میں آپ دونوں حضرات کو بھی اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ لوگ بھی اسے جانتے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں (ہمیں اس کا علم ہے)۔

ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ نَبِيَّهُ ﷺ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَبَضَهَا أَبُو بَكْرٍ فَعَمِلَ فِيهَا بِمَا عَمِلَ فِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَأَنْتُمَا حِينَئِذٍ - فَأَقْبَلَ عَلٰى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ، فَقَالَ: - تَزْعُمَانِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ فِيهَا كَذَا، وَاللهُ يَعْلَمُ أَنَّهُ فِيهَا صَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ، ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ: أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ، فَقَبَضْتُهَا سَنَتَيْنِ أَعْمَلُ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ جِئْتُمَانِي وَكَلِمَتُكُمَا عَلٰى كَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ، وَأَمْرُكُمَا جَمِيعٌ، جِئْتَنِي تَسْأَلُنِي نَصِيبَكَ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ،

(پھر آپ نے فرمایا:) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو وفات دی تو حضرت ابوبکر ؓ نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہوں۔ حضرت ابوبکر ؓ نے اس مال کو اپنے قبضے میں لے کر اس میں وہی عمل کیا جو رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا اور تم دونوں اس وقت موجود تھے۔ آپ نے حضرت علی اور حضرت عباس ؓ کی طرف متوجہ ہو کر یہ بات کہی۔ اور آپ حضرات کا خیال تھا کہ ابوبکر ؓ نے ان اموال میں ایسا ایسا کیا اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اس معاملے میں سچے، نیک اور سب سے زیادہ حق کی پیروی کرنے والے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر ؓ کو فوت کر لیا تو میں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر

وَأَتَانِي هٰذَا يَسْأَلُنِي نَصِيبَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا فَقُلْتُ: إِنْ شِئْتُمَا دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا عَلٰى أَنَّ عَلَيْكُمَا عَهْدَ اللّٰهِ وَمِيثَاقَهُ، تَعْمَلَانِ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَبِمَا عَمِلَ فِيهَا أَبُو بَكْرٍ، وَبِمَا عَمِلْتُ فِيهَا، مُنْذُ وَلِيتُهَا، وَإِلَّا فَلَا تُكَلِّمَانِي فِيهَا فَقُلْتُمَا: ادْفَعْهَا إِلَيْنَا بِذٰلِكَ، فَدَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذٰلِكَ، أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ، هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْهِمَا بِذٰلِكَ؟ قَالَ الرَّهْطُ: نَعَمْ، فَأَقْبَلَ عَلٰى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَقَالَ: أَنْشُدُكُمَا بِاللّٰهِ، هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذٰلِكَ؟ قَالَا: نَعَمْ، قَالَ: أَفَتَلْتَمِسَانِ مِنِّي قَضَاءً غَيْرَ ذٰلِكَ؟ فَوَالَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا أَقْضِي فِيهَا قَضَاءً غَيْرَ ذٰلِكَ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ، فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَادْفَعَاهَا إِلَيَّ فَأَنَا أَكْفِيكُمَاهَا. [راجع: ۲۹۰٤]

ﷺ کا ولی ہوں، اس طرح میں نے اس جائیداد کو اپنے قبضے میں دو سال تک رکھا اور اس میں رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے معمول کے مطابق عمل کرتا رہا۔ پھر آپ دونوں حضرات میرے پاس آئے اور آپ دونوں کا مطالبہ ایک تھا اور تمھارا کام بھی ایک ہی تھا، (اے عباس! آپ اپنے بھتیجے کی وراثت لینے آئے اور علی رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کی طرف سے اپنی میراث لینے آئے۔ میں نے تم سے کہا: یہ جائیداد تقسیم تو نہیں ہو سکتی لیکن اگر تم چاہتے ہو تو میں تمھیں یہ دے دیتا ہوں اور تم پر اللہ کا عہد اور وعدہ ہے کہ اس میں وہی عمل کرو گے جو رسول اللہ ﷺ نے کیا اور جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا اور میں نے کیا جب سے ولی بنا ہوں۔ اگر تمھیں یہ منظور نہ ہو تو پھر مجھ سے اس معاملے میں بات نہ کرو۔ اس وقت تم دونوں نے کہا تھا: ٹھیک ہے۔ اس شرط پر جائیداد ہمارے حوالے کر دیں۔ تب میں نے اس شرط پر وہ جائیداد تمھارے حوالے کر دی۔ اب میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا میں نے اسی شرط پر جائیداد ان دونوں کے حوالے کی تھی؟ اس گروہ نے کہا: جی ہاں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا میں نے اسی شرط پر جائیداد تمھارے حوالے کی تھی؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ حضرات مجھ سے اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ چاہتے ہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں! میں اس جائیداد میں اس کے علاوہ کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ قیامت آ جائے۔ اگر آپ حضرات اس کا انتظام نہیں کر سکتے تو اسے میرے حوالے کر دو، میں تمھارے لیے اس کا بھی انتظام کر لوں گا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عباس رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی چچا تھے اور بھتیجا بیٹے کی طرح ہوتا ہے، اس لیے اگر انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ظالم کہا ہے تو اس میں کوئی حرج والی بات نہیں کیونکہ باپ بیٹے کی تلخ کلامی ہو جاتی ہے، البتہ کسی دوسرے کے لیے ایسا کہنا جائز نہیں۔ ممکن ہے کہ اس لفظ سے اس کے حقیقی معنی مراد ہی نہ ہوں بلکہ اسے لغوی معنی میں استعمال کیا گیا ہو کہ ایک چیز کو اس کے محل کے علاوہ دوسری جگہ رکھ دینا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ کہنا محال ہے کہ وہ حقیقی طور پر ظالم ہوں۔ اس کی تاویل یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بطور ڈانٹ ڈپٹ کہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں موجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے برا خیال کر کے اس کا نوٹس نہیں لیا، حالانکہ آپ منکر اشیاء کو بہت برا خیال کرتے تھے۔ ② اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے سیدنا علی اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کے جھگڑے اور اختلاف کو اچھا خیال نہ کیا، اسی لیے یک زبان ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر کے انھیں آرام پہنچائیں۔ اس جھگڑے کی وجہ سے یہ لوگ سخت پریشان ہیں۔ ان حضرات کا بے جا جھگڑا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہی ثابت کیا ہے۔ دیگر مباحث پہلے گزر چکے ہیں، ہم انھیں دہرانا نہیں چاہتے۔

(٦) بَابُ إِثْمِ مَنْ آوَى مُحْدِثًا

باب: 6- اس شخص کا گناہ جو کسی بدعتی کو اپنے پاس ٹھہرائے

رَوَاهُ عَلِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے ایک حدیث بیان کی ہے۔

وضاحت: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے خود ہی متصل سند سے بیان کیا ہے کہ جو شخص حرم مدینہ میں کسی بدعت کو رائج کرے، اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔[1] اگرچہ اس حدیث میں اس وعید کا مدینے کے ساتھ خاص ہونے کا ذکر ہے، تاہم بدعت کا حکم ہر جگہ ایک ہے، البتہ مدینہ طیبہ میں اس کا ارتکاب مزید سنگینی کا باعث ہے۔ واللہ اعلم۔

٧٣٠٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: أَحَرَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ؟ قَالَ: نَعَمْ: «مَا بَيْنَ كَذَا إِلَى كَذَا، لَا يُقْطَعُ شَجَرُهَا، مَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ». [راجع: ١٨٦٧]

[7306] حضرت عاصم سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کو حرمت والا شہر قرار دیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ (آپ نے فرمایا:) "فلاں پہاڑی سے فلاں پہاڑی تک حرم ہے۔ اس علاقے کا درخت نہیں کاٹا جائے گا۔ جس نے اس کی حدود میں کسی بدعت کو رواج دیا تو اس

① صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، حديث: 7300.

پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔"

قَالَ عَاصِمٌ: فَأَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ: «أَوْ آوَى مُحْدِثًا».

(راویٔ حدیث) عاصم نے کہا: مجھے موسیٰ بن انس نے بتایا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا تھا: "یا کسی نے دین میں بدعت پیدا کرنے والے کو اپنے ہاں ٹھکانا دیا۔"

فوائد ومسائل: ① اگرچہ اہل معاصی کو اپنے ہاں جگہ دینا ان کے گناہ میں شرکت کرنا ہے کیونکہ جو انسان کسی کے عمل سے راضی ہوتا ہے وہ انھی سے شمار ہوتا ہے لیکن مدینہ طیبہ کو اس وعید کے ساتھ خاص کیا گیا کیونکہ یہ شہر وحی اترنے کی جگہ اور رسول اللہ ﷺ کا وطن مالوف ہے۔ یہیں سے دین پھیلا ہے، اس لیے مدینہ طیبہ کو دوسرے تمام شہروں سے برتری حاصل ہے۔ ② اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بدعت سے کس قدر نفرت تھی! آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی بدعتی کو اپنے ہاں جگہ دیتا ہے اس پر لعنت ہے، اس لیے ہمیں بدعت اور اہل بدعت سے دور ہی رہنا چاہیے۔ واللّٰہ المستعان.

(٧) بَابُ مَا يُذْكَرُ مِنْ ذَمِّ الرَّأْيِ وَتَكَلُّفِ الْقِيَاسِ

باب: 7- رائے زنی اور خواہ مخواہ قیاس کرنے کی مذمت کا بیان

﴿وَلَا تَقْفُ﴾: لَا تَقُلْ ﴿مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ [الإسراء: ٣٦].

ارشاد باری ہے: "ایسی بات نہ کہو جس کا تمھیں علم نہ ہو۔" ﴿لَا تَقْفُ﴾ کے معنی ہیں: لَاتَقُلْ، یعنی نہ کہو۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت رائے زنی اور تکلف قیاس کی مذمت کی ہے۔ رائے اور قیاس ایک ہی چیز ہیں۔ قیاس ایک ضرورت کی چیز ہے بشرطیکہ وہ ان اصول وضوابط کے مطابق ہو جو محدثین کرام اور فقہائے عظام نے اس کے معتبر ہونے کے لیے بنائے ہیں۔ قیاس کے چار ارکان ہیں: اصل، فرع، حکم اور علت۔ ان سب کا واضح ہونا ضروری ہے۔ پھر جو رائے اور قیاس مذموم ہے اس کی دو صورتیں ہیں: (ا) شرعی نصوص کے مقابلے میں نہ ہو۔ (ب) اس کے استعمال میں وسعت سے کام نہ لیا جائے۔ اختصار کے پیش نظر ہم ان دونوں صورتوں کی وضاحت کرتے ہیں۔ نص شرعی کے مقابلے میں قیاس کرنا: احناف کا کہنا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے ان کا پیشاب پلید ہے، انھوں نے اس سلسلے میں دوسرے حرام جانوروں کے پیشاب پر قیاس کیا، حالانکہ حدیث میں ہے کہ کچھ لوگ مدینہ طیبہ آئے لیکن انھیں وہاں کی آب وہوا موافق نہ آئی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا۔[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشاب نجس نہیں کیونکہ نجس میں شفا نہیں ہوتی۔ اس کے استعمال میں وسعت سے کام لینا، فقہائے احناف نے قیاس کے استعمال میں اس قدر وسعت سے کام لیا کہ فرضی مسائل کے ڈھیر لگا دیے جنھوں نے اسلامی شریعت کو غیر مسلموں کی نظر میں بدنام کر ڈالا۔ ہم صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں: (ا) اگر بکری اور کتے کے ملاپ سے ایسا بچہ پیدا ہو جس کا سر کتے کا اور باقی دھڑ بکرے کا ہو تو اس کے حلال و حرام ہونے کے متعلق فقہاء نے حسب ذیل وضاحت کی ہے: اس کے سامنے گوشت اور چارہ ڈالا جائے، اگر وہ گوشت کھائے تو اس

کا گوشت حرام ہے کیونکہ بنیادی طور پر وہ کتا ہے اور اگر وہ چارہ کھائے تو ذبح کرنے کے بعد اس کا سر پھینک دیا جائے اور باقی گوشت استعمال کر لیا جائے اور اگر وہ چارہ اور گوشت دونوں کو کھا جائے تو پھر اسے مارا جائے۔ اگر بھونکتا ہے تو اس کا گوشت استعمال کے قابل نہیں کیونکہ وہ کتا ہے اور اگر وہ ممیاتا ہے تو ذبح کر کے اس کا سر پھینک دیا جائے اور باقی حصہ کھا لیا جائے کیونکہ وہ بنیادی طور پر بکرا ہے۔ اگر مارنے سے دونوں قسم کی آوازیں برآمد ہوں تو اس کا پیٹ چاک کیا جائے۔ اگر اس سے اوجھڑی نکلے تو اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا جائے اور باقی حصہ قابل استعمال ہے اور اگر اوجھڑی کے بجائے انتڑیاں ہی برآمد ہوں تو وہ کتا ہے اور اسے استعمال نہ کیا جائے۔[1] اس قسم کی رائے زنی اور تکلف قیاس پر ہم کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے، صرف اتنا کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ دنیا میں کبھی ایسا ہوا ہے؟ کیا ایسا ہونا عادتاً ممکن ہے؟ (ب) اگر کوئی مخنث اپنے آپ سے خود ہی جنسی تعلق قائم کرے اور اس کے نتیجے میں بچہ پیدا ہو جائے تو کیا وہ بچہ اس مخنث کی وراثت اپنا باپ ہونے کی حیثیت سے پائے گا یا اپنی ماں ہونے کے لحاظ سے یا دونوں کے اعتبار سے؟ اور اگر اس کا ایک بیٹا اس کے پیٹ سے پیدا ہوا اور دوسرا پیٹھ سے، تو وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے کیونکہ وہ دونوں ایک پیٹ یا ایک پیٹھ میں جمع نہیں رہے۔[2] بڑے افسوس سے ہم اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے کتاب الحیل کے نام سے ایسی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں لوگوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ اگر وہ اسلامی احکام کی زد میں آ جائیں تو ان سے کیسے خلاصی حاصل کریں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قسم کے رائے زنی اور خواہ مخواہ قیاس کرنے کی مذمت کی ہے اور اس قسم کے فرضی قیاسات کو ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾[3] میں داخل فرمایا ہے۔ واللہ المستعان۔

٧٣٠٧ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ تَلِيدٍ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ شُرَيْحٍ وَغَيْرُهُ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ، عَنْ عُرْوَةَ قَالَ: «حَجَّ عَلَيْنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ اللهَ لَا يَنْزِعُ الْعِلْمَ بَعْدَ أَنْ أَعْطَاكُمُوهُ انْتِزَاعًا، وَلٰكِنْ يَنْتَزِعُهُ مِنْهُمْ مَعَ قَبْضِ الْعُلَمَاءِ بِعِلْمِهِمْ فَيَبْقَى نَاسٌ جُهَّالٌ يُسْتَفْتَوْنَ فَيُفْتُونَ بِرَأْيِهِمْ، فَيَضِلُّونَ وَيُضِلُّونَ».

[7307] حضرت عروہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما حج پر جاتے ہوئے ہمارے پاس سے گزرے تو میں نے انھیں یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "اللہ تعالیٰ تمھیں علم دے کر پھر اسے یونہی نہیں چھین لے گا بلکہ علم اس طرح اٹھائے گا کہ علماء حضرات فوت ہو جائیں گے۔ ان کے ساتھ ہی علم اٹھ جائے گا، پھر جاہل لوگ رہ جائیں گے۔ ان سے فتویٰ لیا جائے گا تو وہ محض اپنی رائے سے فتویٰ دے کر دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے خود بھی گمراہ ہوں گے۔"

فَحَدَّثْتُ بِهِ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ إِنَّ

عروہ کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث نبی ﷺ کی زوجۂ

1 صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 233. 2 فتاوىٰ قاضيخان بر حاشيه فتاوىٰ عالمگيري: 357/3. 3 بني إسرآئيل 36:17.

عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو حَجَّ بَعْدُ، فَقَالَتْ: يَا ابْنَ أُخْتِي! انْطَلِقْ إِلَى عَبْدِ اللهِ فَاسْتَثْبِتْ لِي مِنْهُ الَّذِي حَدَّثْتَنِي عَنْهُ، فَجِئْتُهُ فَسَأَلْتُهُ فَحَدَّثَنِي بِهِ كَنَحْوِ مَا حَدَّثَنِي، فَأَتَيْتُ عَائِشَةَ فَأَخْبَرْتُهَا فَعَجِبَتْ، فَقَالَتْ: وَاللهِ لَقَدْ حَفِظَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو. [راجع: ١٠٠]

محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ ؓ سے بیان کی۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ نے دوبارہ حج کیا تو ام المومنین ؓ نے مجھ سے کہا: اے میرے بھانجے! تم عبداللہ بن عمرو ؓ کے پاس جاؤ اور تم نے جو حدیث ان کے حوالے سے مجھے بیان کی تھی اس کی تحقیق کرو۔ میں ان کے پاس آیا اور ان سے پوچھا تو انھوں نے مجھ سے اسی طرح حدیث بیان کی جس طرح وہ پہلے بیان کر چکے تھے۔ پھر میں حضرت عائشہ ؓ کے پاس آیا اور انھیں اس کی خبر دی تو انھیں تعجب ہوا اور فرمایا: اللہ کی قسم! عبداللہ بن عمرو ؓ نے اس حدیث کو خوب یاد رکھا ہے۔

فوائد ومسائل: (1) اس حدیث میں اس قسم کے قیاس اور رائے کی مذمت کی گئی ہے جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔ ہماری فقہ میں سیکڑوں ایسے خود ساختہ مسائل موجود ہیں جو کتاب وسنت سے ٹکراتے ہیں اور واضح طور پر اس کے خلاف ہیں۔ اسی طرح رائے مذموم کے متعلق حضرت عمر ؓ نے فرمایا: اصحاب رائے سے بچا کرو کیونکہ وہ سنتوں کے دشمن ہیں۔ احادیث کو یاد رکھنے سے ان کی ہمتیں جواب دے گئیں تو انھوں نے رائے، عقل اور قیاس سے کام لینا شروع کر دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہی کے راستے پر لگا دیا۔[1] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں: علماء کے رخصت ہونے کے بعد قحط رجال کا دور ہوگا، پھر ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو دینی معاملات کو قیاس اور رائے سے حل کریں گے اس طرح وہ عمارت اسلام کو زمین بوس کرنے کا باعث ہوں گے۔[2] (2) بہرحال ان بزرگوں نے جس رائے اور قیاس کی مذمت کی ہے اس سے مراد وہ رائے ہے جو کتاب وسنت سے اخذ نہ کی گئی ہو۔ بلاشبہ نص کے ہوتے ہوئے رائے اور قیاس سے کام لینا بہت بڑی گمراہی ہے۔[3] بہرحال اگر کسی کو کتاب وسنت میں کسی مسئلے کے متعلق کوئی دلیل نہ مل سکے تو بھی انسان کو احتیاط کرنی چاہیے۔ رائے زنی سے بچتے ہوئے اس پیش آنے والے مسئلے جیسے دوسرے مسئلوں پر غور کرے اور ان کی روشنی میں پیش آنے والے مسئلے کا حل تلاش کرے۔ واللہ أعلم.

٧٣٠٨ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْزَةَ: سَمِعْتُ الْأَعْمَشَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ: هَلْ شَهِدْتَ صِفِّينَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَسَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ يَقُولُ؛ ح: وَحَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ

[7308] حضرت اعمش سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ابووائل سے پوچھا: کیا تم جنگ صفین میں شریک تھے؟ انھوں نے کہا: ہاں، پھر میں نے حضرت سہل بن حنیف ؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ دوسری سند سے مروی ہے کہ

1 شرح أصول اعتقاد أهل السنة: 138/1. 2 فتح المنان: 216/2. 3 فتح الباري: 354/13.

إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: قَالَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! اتَّهِمُوا رَأْيَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ وَلَوْ أَسْتَطِيعُ أَنْ أَرُدَّ أَمْرَ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَرَدَدْتُهُ، وَمَا وَضَعْنَا سُيُوفَنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا إِلَى أَمْرٍ يُفْظِعُنَا إِلَّا أَسْهَلْنَ بِنَا إِلَى أَمْرٍ نَعْرِفُهُ غَيْرَ هٰذَا الْأَمْرِ. قَالَ: وَقَالَ أَبُو وَائِلٍ: شَهِدْتُ صِفِّينَ، وَبِئْسَتْ صِفُّونَ. [راجع: ٣١٨١]

حضرت سہل بن حنیف فرماتے ہیں: اے لوگو! اپنے دین کے سلسلے میں اپنی رائے کو کمزور خیال کرو۔ بلاشبہ ابوجندل ؓ کے دن میں نے خود اپنے آپ کو دیکھا اگر مجھ میں طاقت ہوتی کہ میں رسول اللہ ﷺ کا حکم رد کرسکتا تو ضرور رد کر دیتا۔ ہم نے کسی مہم کو سر کرنے کے لیے جب اپنی تلواریں کندھوں پر رکھیں تو ان کی بدولت ہمیں آسانی مل جاتی جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے مگر اس مہم میں (ہم مشکل میں گرفتار رہے)۔ حضرت ابووائل نے کہا: میں صفین میں موجود تھا لیکن صفین کی لڑائی بہت بری تھی (جس میں مسلمان آپس میں کٹ مرے)۔

فوائد و مسائل: ① صفین، شام میں رقہ اور بالس کے درمیان دریائے فرات کی دائیں جانب ایک مقام کا نام ہے جہاں حضرت علی اور حضرت معاویہ ؓ کے درمیان بہت بڑی جنگ ہوئی تھی، جس میں ہزاروں صحابۂ کرام ؓ شہید ہوئے تھے۔ اور ابوجندل کے دن سے مراد صلح حدیبیہ کا دن ہے۔ ② لوگوں نے حضرت سہل بن حنیف ؓ کو جنگ صفین میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے کوتاہی کے ساتھ متہم کیا، ان پر یہ باتیں بہت گراں گزریں۔ انھوں نے کہا: میں نے اس جنگ میں شرکت سے کوتاہی نہیں کی اور نہ میری یہ عادت ہی ہے کہ ضرورت کے وقت کسی قسم کی کوتاہی کا ارتکاب کروں، جب حضرت ابوجندل ؓ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہو کر رسول اللہ کے پاس آئے اور آپ ﷺ نے صلح کی شرائط کے مطابق انھیں مشرکین کی طرف واپس کر دیا تو اس وقت بھی مجھ پر یہ چیز بہت گراں گزری تھی۔ ہم اس وقت اس پوزیشن میں تھے کہ اگر ہم ابوجندل کو واپس نہ کرتے تو مشرکین ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے لیکن ہم نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کو مقدم رکھا اور حضرت ابوجندل ؓ کے واپس ہونے کو برداشت کیا کیونکہ نبی ﷺ نے اسے واپس کرنے کا حکم دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کو مسترد کرنے کی ہم میں طاقت نہ تھی۔ اس مقام پر بھی میں کوتاہی کا مرتکب نہیں ہوں، اس لیے تم مجھے کوتاہی کا الزام دینے کے بجائے اپنے آپ پر غور کرو، چنانچہ امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ دینی معاملات میں محض رائے پر عمل کرنا مستحسن اقدام نہیں۔ ③ صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں ایک عبارت زائد پائی جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسئلے میں جب تک کتاب و سنت سے دلیل نہ ہو تو اپنی رائے سے اس مسئلے کو صحیح خیال نہ کرو اور رائے کے مطابق فتویٰ نہ دو بلکہ کتاب و سنت پر غور کر کے اس سے مسئلے کا حکم ثابت کرو۔ بہرحال محدثین کرام ؒ کے نزدیک مذموم رائے سے وہی رائے مراد ہے کہ انسان کتاب و سنت کو چھوڑ کر اس کے مطابق عمل کرے۔ واللہ المستعان.

(٨) بَابُ مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُسْأَلُ مِمَّا لَمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فَيَقُولُ: «لَا أَدْرِي»، أَوْ لَمْ يُجِبْ حَتَّى يُنْزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ، وَلَمْ يَقُلْ بِرَأْيٍ وَّلَا بِقِيَاسٍ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ﴾ [النساء: ١٠٥]

باب: 8- نبی ﷺ سے اس چیز کے متعلق پوچھا جاتا جس کے متعلق وحی نہ اتری ہوتی تو آپ فرماتے: ''میں نہیں جانتا۔'' یا وحی اترنے تک خاموش رہتے کچھ جواب نہ دیتے۔ اپنی رائے اور قیاس سے کچھ نہ کہتے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ کی عطا کردہ بصیرت کے مطابق (لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں)۔''

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الرُّوحِ فَسَكَتَ حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَةُ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ سے روح کے متعلق پوچھا گیا تو آپ خاموش رہے حتی کہ آیت نازل ہوئی۔

وضاحت: رائے اور قیاس ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جبکہ بعض اہل نظر نے ان دونوں کے درمیان کچھ فرق کیا ہے۔ ان کے نزدیک رائے وہ علم ہے جو فکر و نظر سے حاصل ہو اور قیاس کی تعریف یہ ہے کہ فرع کو حکم میں اصل کے ساتھ اس وجہ سے ملا لینا کہ ان دونوں کے درمیان علت مشترک ہو۔ اس قیاس کے ارکان، شرائط اور کچھ اقسام ہیں۔ تفصیل کے لیے کسی اصول فقہ پر مشتمل کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فکر و عقل کی بنیاد پر کلام نہ فرماتے تھے اور نہ قیاس کے ساتھ اجتہاد ہی کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ دینی معاملات میں جو فرماتے اس کی بنیاد وحی الٰہی ہوتی تھی، اس کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۂ نساء کی آیت: 105 سے استدلال کیا ہے، پھر مزید تائید کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک معلق روایت کا حوالہ دیا کہ جب رسول اللہ ﷺ سے روح کے متعلق سوال ہوا تو آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا حتی کہ اس کے متعلق وحی نازل ہوئی جو سورۃ الاسراء آیت: 85 ہے۔ بعض اوقات آپ ﷺ سوال کرنے والے سے فرماتے کہ میں نہیں جانتا جیسا کہ کئی احادیث میں یہ بات مذکور ہے۔ پھر جب فرشتہ اس کے متعلق وحی لے کر آتا تو آپ ﷺ سائل کو جواب دیتے۔ واللہ أعلم.

٧٣٠٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ الْمُنْكَدِرِ يَقُولُ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: مَرِضْتُ فَجَاءَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ يَعُودُنِي وَأَبُو بَكْرٍ، وَهُمَا مَاشِيَانِ، فَأَتَانِي وَقَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ صَبَّ وَضُوءَهُ عَلَيَّ فَأَفَقْتُ

[7309] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک دفعہ بیمار ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ یہ دونوں بزرگ پیدل چل کر آئے تھے۔ جب یہ حضرات میرے پاس پہنچے تو مجھ پر غشی طاری تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا، اس سے مجھے افاقہ

فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ - وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: فَقُلْتُ: أَيْ رَسُولَ اللهِ - كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي؟ كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي؟ قَالَ: فَمَا أَجَابَنِي بِشَيْءٍ حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ. [راجع: ۱۹٤]

ہوا تو میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! میں اپنے مال کے متعلق کس طرح فیصلہ کروں؟ میں اپنے مال کا کیا کروں؟ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا حتی کہ میراث کی آیت نازل ہوئی۔

فوائد و مسائل: (1) رسول اللہ ﷺ سے جب ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جاتا جس کے بارے میں وحی نہ اتری ہوتی تو آپ ﷺ خاموش رہتے یا فرماتے کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے، عقل و قیاس سے جواب نہ دیتے تھے۔ جب وحی آتی تو اس کا جواب دیتے۔ پھر وحی عام ہے کہ قرآن کی شکل میں آتی یا بیان کی صورت میں۔ بہرحال آپ ﷺ وحی کے بغیر دینی مسائل کا جواب نہ دیتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے، جو کہتے ہیں وہ نازل کی ہوئی وحی ہوتی ہے۔''[1] (2) صحابۂ کرام ؓ کا بھی یہی معمول تھا، چنانچہ حضرت ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں: جسے کسی چیز کے متعلق علم ہو اس کے مطابق جواب دے اور جسے علم نہ ہو وہ اللّٰہ اعلم کہہ دے۔ یہ کہہ دینا بھی اس کے عالم ہونے کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بھی تعلیم دی ہے، پھر انھوں نے سورۂ صٓ، آیت: 86 تلاوت کی۔[2] ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرنے کی مثال تو امام بخاری ؒ نے خود بیان کر دی ہے۔[3] اور لَا أَدرِي کہنے کی مثال رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے: ''مجھے معلوم نہیں ہے کہ حدود، گناہ کے مرتکب کے لیے کفارہ ہیں یا نہیں۔''[4] (3) واضح رہے کہ علم سے مراد وہ معلومات ہیں جو صحابۂ کرام ؓ کے ذریعے سے فراہم ہوں اور جو معلومات ان سے بالا بالا حاصل کی جائیں وہ شریعت کی نظر میں علم نہیں ہے۔ (4) سوالات کا جواب دینے میں سلف صالحین کی تین قسمیں ہیں: (ا) صرف قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ کی روشنی میں جواب دیتے۔ اگر ان کے پاس کوئی دلیل نہ ہوتی تو خاموشی اختیار کرتے۔ (ب) انھوں نے رائے اور قیاس کو استعمال کرتے ہوئے جوابات دیے، پھر فرضی مسائل کے ڈھیر لگا دیے۔ امام بخاری ؒ ایسے ہی لوگوں کی تردید کرتے ہیں۔ (ج) جب ان کے پاس قرآن و حدیث سے کوئی دلیل ہوتی تو اس کی روشنی میں جواب دیتے بصورت دیگر خاموشی اختیار کرنے کی بجائے عقل اور قیاس سے جواب دیتے۔ یہ آخری قابل ستائش اور لائق تعریف ہے۔[5]

(۹) بَابُ تَعْلِيمِ النَّبِيِّ ﷺ أُمَّتَهُ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ مِمَّا عَلَّمَهُ اللهُ، لَيْسَ بِرَأْيٍ وَلَا تَمْثِيلٍ

باب: 9- نبی ﷺ نے اپنی امت کے مردوں اور عورتوں کو وہی تعلیم دی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائی تھی وہ رائے یا تمثیل پر مبنی نہ تھی

وضاحت: تمثیل سے مراد قیاس ہے۔ رائے اور قیاس دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ کچھ لوگوں نے اس عنوان کے متعلق یہ

1 النجم 53:3-4. 2 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4809. 3 صحيح البخاري، العلم، حديث: 125. 4 المستدرك للحاكم: 450/2. 5 فتح الباري: 357/13.

موقف اختیار کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ قیاس کے قائل نہیں ہیں۔[1] یہ موقف صحیح نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ یہ نہیں کہتے کہ بالکل قیاس نہ کیا جائے بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ ایسا قیاس جو اصول شرعیہ کے خلاف ہو یا کسی دلیل پر مبنی نہ ہو بلکہ صرف ایک خیالی بات ہو وہ غلط ہے۔ اس بات پر تو اہل علم کا اتفاق ہے کہ نص کی موجودگی میں قیاس کرنا حرام ہے کیونکہ ایسا کام تو لعین ابلیس ہی کر سکتا ہے۔ اس نے نص کی موجودگی میں قیاس سے کام لے کر سجدے سے انکار کیا تھا۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ مطلق طور پر قیاس کے منکر نہیں ہیں جیسا کہ ہم آئندہ اس کے متعلق وضاحت کریں گے۔

٧٣١٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ذَكْوَانَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِيثِكَ، فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ نَفْسِكَ يَوْمًا نَأْتِيكَ فِيهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللهُ، فَقَالَ: «اجْتَمِعْنَ فِي يَوْمِ كَذَا وَكَذَا، فِي مَكَانِ كَذَا وَكَذَا»، فَاجْتَمَعْنَ، فَأَتَاهُنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَهُ اللهُ ثُمَّ قَالَ: «مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ بَيْنَ يَدَيْهَا مِنْ وَلَدِهَا ثَلَاثَةً إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ»، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ: يَا رَسُولَ اللهِ، اثْنَيْنِ؟ قَالَ: فَأَعَادَتْهَا مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: «وَاثْنَيْنِ وَاثْنَيْنِ وَاثْنَيْنِ». [راجع: ١٠١]

[7310] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اللہ کے رسول! آپ کی احادیث تو مرد حضرات ہی سنتے ہیں، آپ اپنی طرف سے ہمارے لیے بھی کوئی دن مقرر فرما دیں جس میں ہم آپ کے پاس آئیں اور آپ ہمیں وہ تعلیمات دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تم فلاں فلاں دن فلاں فلاں مقام پر جمع ہو جاؤ۔'' وہ عورتیں وہاں جمع ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لائے اور انھیں وہ تعلیمات دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائی تھیں، پھر آپ نے فرمایا: ''تم میں سے جو عورت اپنی زندگی میں اپنے تین بچے آگے بھیج دے گی تو وہ اس کے لیے دوزخ سے رکاوٹ بن جائیں گے۔ ان میں سے ایک خاتون نے کہا: اللہ کے رسول! دو بچوں کا بھی یہی حکم ہے؟ اس نے اس بات کو دو مرتبہ دہرایا۔ آپ نے فرمایا: ''دو بھی، دو بھی دو بھی (ان کا بھی یہی درجہ ہے)۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وحی الٰہی پر مبنی ہوتی تھی۔ آپ ﷺ نے کبھی رائے یا قیاس سے جواب نہیں دیا، چنانچہ اس حدیث میں ہے کہ تین بچے قیامت کے دن اپنی ماں کے لیے دوزخ سے آڑ ہوں گے۔ یہ ایسی بات ہے جس میں عقل یا قیاس نہیں چل سکتا۔ اس قسم کی بات وحی الٰہی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث میں سوال کرنے والی خاتون مبہم ہے۔ شاید وہ اسماء بنت یزید بن سکن ہوں۔[2] ② ہمیں چاہیے کہ دینی مسائل میں شرعی نصوص کا اتباع کریں، قیاس اور رائے کو بے دریغ استعمال کرنے سے پرہیز کریں۔ قیاس اور رائے کے استعمال سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

---

1 عمدة القاري: 531/16. 2 فتح الباري: 358/13.

کوسوں دور بھاگتے تھے۔ واللہ أعلم۔

(۱۰) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ يُقَاتِلُونَ».

باب: 10- نبی ﷺ کے فرمان: ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر ڈٹا رہے گا اور اس کا دفاع کرے گا'' کا بیان

وَهُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ.

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: اس سے مراد اہل علم کا گروہ ہے۔

وضاحت: حق سے مراد کتاب و سنت ہے۔ اس کے علاوہ تری ضلالت اور گمراہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''پھر حق کے بعد گمراہی کے علاوہ اور کیا (باقی رہ جاتا) ہے۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد علی بن مدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس گروہ سے مراد اہل حدیث ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے منقول ہے، انھوں نے فرمایا: اگر اس سے مراد اہل حدیث نہیں تو میں نہیں جانتا وہ کون ہوں گے۔[2]

٧٣١١ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ».

[راجع: ٣٦٤٠]

[7311] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی اور وہ غالب ہی رہیں گے۔''

فوائد و مسائل: ① اس غلبے سے مراد علمی، عملی اور اخلاقی غلبہ ہے۔ ضروری نہیں کہ ان کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہو، بہرحال یہ حقیقت ہے کہ دین حق کی سربلندی کے لیے ایک گروہ قیامت تک برسرپیکار رہے گا، اسے دوسروں کی مخالفت کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ وہ دین کا دفاع دلائل و براہین سے کرتے رہیں گے۔ ② ایک حدیث میں ہے: قیامت شرارتی لوگوں پر قائم ہوگی اور وہ لوگ جاہلیت کے کافروں سے زیادہ شرارتی ہوں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے جب کوئی دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اسے مسترد کر دے گا۔[3] یہ حدیث ذکر کردہ حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ بدترین اور شرارتی لوگ ایک مقام پر ہوں گے اور حق کا دفاع کرنے والا گروہ دوسرے مقام میں ہوگا کیونکہ ایک حدیث میں ان کے مقام کی نشاندہی کی گئی ہے کہ حق کا دفاع کرنے والے بیت المقدس اور اس کے نواحی علاقے میں ہوں گے۔[4] یہ بھی ممکن ہے کہ قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ حق کا دفاع کرنے والوں کو اٹھا لے، پھر قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہو جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب ایک ہوا چلے گی

1 یونس 10: 32. 2 معرفة علوم الحديث، رقم: 1، و فتح الباري: 13/359. 3 صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 4957 (1924). 4 مسند أحمد: 5/269.

جس سے ہر مومن کی روح قبض ہو جائے گی اور یہی بات زیادہ راجح ہے۔ واللّٰہ أعلم۔[1]

٧٣١٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي حُمَيْدٌ قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ يَخْطُبُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَيُعْطِي اللهُ، وَلَنْ يَزَالَ أَمْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ مُسْتَقِيمًا حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ أَوْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ». [راجع: ٧١]

[7312] حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے خطبہ دیتے ہوئے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر وبھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، عطا اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ اس امت کا معاملہ ہمیشہ درست رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے یا اللہ کا امر آ پہنچے۔''

فوائد و مسائل: ① ایک حدیث میں ہے: ''میری امت میں ایک گروہ ایسا رہے گا جو اللہ کے دین کو قائم رکھے گا۔ انھیں دوسروں کی مخالفت کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ وہ ہمیشہ حق کا دفاع کرتا رہے گا۔''[2] اس حدیث سے حجیت اجماع ثابت ہوتی ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مختلف احادیث میں اس گروہ کے مختلف اوصاف بیان ہوئے ہیں، ان سے پتا چلتا ہے کہ وہ گروہ اہل ایمان کی مختلف قسموں پر مشتمل ہوگا۔ ان میں میدان کارزار کے مجاہد، علمی میدان کے شہسوار محدث، فقیہ اور مفسر، اخلاقیات میں ہراول دستہ، عبادت گزار، شب بیدار، نیکی کی راہ دکھانے والے، برائی سے روکنے والے الغرض ہر قسم کے لوگ ہوں گے جو دین اسلام کی ہر پہلو سے خدمت کریں گے۔ ان کا ایک مقام پر اکٹھا ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ وہ زمین کے مختلف کونوں میں رہتے ہوئے بھی دین کا دفاع کرتے رہیں گے۔ ممکن ہے کہ قرب قیامت کے وقت وہ ختم ہوتے ہوتے ایک ہی مقام پر جمع ہو جائیں۔ جب وہ ختم ہو جائیں گے تو قیامت آ جائے گی۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ گروہ کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے والا ہوگا۔ وہ لوگوں کی رہنمائی صرف قرآن وحدیث سے کریں گے۔ قیاس اور رائے کا بے دریغ استعمال نہیں کریں گے۔ اور یہ گروہ محدثین کرام اور مجاہدین اسلام پر مشتمل ہوگا۔ واللّٰہ أعلم۔

(١١) بَابٌ: فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا﴾ [الأنعام: ٦٥]

باب: 11- ارشاد باری تعالیٰ: ''یا وہ تمھیں کئی فرقوں میں تقسیم کر دے'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ اس طرح ہے: ''کہہ دیجیے وہ (اللہ تعالیٰ) اس بات پر قادر ہے کہ تم پر تمھارے اوپر سے یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے کوئی عذاب بھیج دے، یا تمھیں فرقے فرقے بنا کر گتھم گتھا کر دے، یعنی ایک گروہ کو دوسرے سے لڑا دے اور تمھارے بعض کو بعض کی لڑائی (کا مزہ) چکھائے۔''[3] امام بخاری رحمہ اللہ کا اس عنوان سے یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ امت کا اتفاق

1 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 312 (117)، وفتح الباري: 13/360. 2 صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 4957 (1924).
3 الأنعام 6:65.

صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ وہ کتاب وسنت کے راستے پر نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ چلتی رہے۔ لوگ جب کتاب وسنت کے بجائے رائے اور قیاس سے مسائل حل کریں گے تو ان پر فرقہ بندی کا عذاب مسلط کر دیا جائے گا، پھر وہ آپس میں اور لڑائی جھگڑا کرتے رہیں گے جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ واللہ أعلم.

٧٣١٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: لَمَّا نَزَلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ: ﴿قُلْ هُوَ ٱلْقَادِرُ عَلَىٰٓ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ﴾، قَالَ: «أَعُوذُ بِوَجْهِكَ»، ﴿أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ﴾، قَالَ: «أَعُوذُ بِوَجْهِكَ»، فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ﴾، قَالَ: «هَاتَانِ أَهْوَنُ، أَوْ أَيْسَرُ». [راجع: ٤٦٢٨]

[7313] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی: "کہہ دیجیے وہی قادر ہے کہ تم پر تمھارے اوپر سے عذاب بھیج دے۔" تو آپ ﷺ نے دعا کی: "اے اللہ! میں تیرے باعظمت چہرے کی پناہ میں آتا ہوں۔" "یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے (عذاب آجائے)" تو اس مرتبہ، پھر آپ نے دعا کی: "اے اللہ! میں تیرے مبارک چہرے کی پناہ مانگتا ہوں۔" پھر جب یہ الفاظ نازل ہوئے: "یا تمھیں گروہوں میں تقسیم کر دے اور تمھارے بعض کو بعض کی لڑائی (کا مزہ) چکھائے۔" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ دونوں آسان اور سہل ہیں۔"

فوائد ومسائل: ① حدیث میں مذکور آیت کریمہ میں عذاب کی تین قسموں کا ذکر ہے۔ حضرت سعد ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں، دو قبول ہوئیں اور ایک (دعا کرنے) سے مجھے روک دیا گیا۔ میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ قحط عام کے ذریعے سے میری امت ہلاک نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کر لیا۔ میں نے دعا کی: میری امت غرق کے ذریعے سے ہلاک نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بھی قبول کر لیا۔ پھر میں نے دعا کی کہ آپس میں ان کی لڑائی اور اختلاف نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس سے مجھے روک دیا۔"[1] مسند احمد میں یہ الفاظ ہیں: "میری امت گمراہی پر اتفاق نہ کرے۔"[2] ② اس حدیث کے مطابق اس امت کے مختلف گروہ اور فرقے ہوں گے جو آپس میں جنگ و جدال کرتے رہیں گے۔ رسول اللہ نے اسے دونوں قسم کے عذاب کے مقابلے میں آسان اور سہل کہا ہے کیونکہ اس میں اہل ایمان کے لیے کفارہ ہے۔ بہرحال امت کے لیے نجات کا راستہ یہی ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق فیصلے کرے اور زندگی گزارنے کے لیے اسے محور ومرکز قرار دے۔ اگر ہم نے دائیں بائیں دیکھا تو افتراق واختلاف ہمارا مقدر ہوگا، پھر ہم باہمی لڑائی جھگڑے میں مصروف رہیں گے۔ واللہ المستعان.

[1] صحيح مسلم، الفتن، حديث: 7260 (2890). [2] مسند أحمد: 6/396.

(۱۲) بَابُ مَنْ شَبَّهَ أَصْلًا مَعْلُومًا بِأَصْلٍ مُبَيَّنٍ، وَقَدْ بَيَّنَ النَّبِيُّ ﷺ حُكْمَهُمَا لِيُفْهِمَ السَّائِلَ

باب: 12- ایک معلوم امر کو دوسرے واضح امر سے تشبیہ دینا جبکہ ان دونوں کا حکم نبی ﷺ نے بیان فرما دیا ہوتا کہ سائل سمجھ جائے

وضاحت: قیاس کے متعلق فقہائے کوفہ اور علمائے ظاہر دونوں افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ امام داود ظاہری اور امام ابن حزم نے حجیت قیاس کا سرے سے انکار کر دیا ہے جبکہ فقہائے احناف نے اسے بے اعتدالی سے استعمال کیا ہے، اس لیے اہل حق کے لیے ضروری تھا کہ قیاس کے متعلق افراط وتفریط پر پابندی لگائیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بتایا کہ ایک مسلمان کو سب سے پہلے واضح نصوص کا اتباع کرنا چاہیے، خواہ مخواہ قیاس کی ضرورت پیدا نہ کرے۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو مقیس علیہ واضح اور معلوم ہونا چاہیے، پھر علت حکم بھی واضح اور نمایاں ہو اور اس سے مقصود فرضی مسائل کا ڈھیر لگا کر سائل کو پریشان کرنا مقصود نہ ہو بلکہ اسے سمجھانے کے لیے اس قسم کا کڑوا گھونٹ بھرنا چاہیے۔ اب ہم قیاس کی افراط وتفریط کی ایک ایک مثال سے وضاحت کرتے ہیں تاکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مدعا سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ علمائے ظاہر کی تفریط: حدیث میں ہے کہ جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس میں جو کچھ ہے اسے بہا دیا جائے اور برتن کو دھویا جائے۔ امام ابن حزم نے اس حدیث سے مسائل اخذ کرتے ہوئے کہا ہے: اگر برتن سے کتا کوئی چیز کھا جائے اور اس میں منہ ڈال کر کچھ نہ پیے، یا اپنا منہ ڈالنے کے بجائے اپنا پاؤں یا دم ڈال دے، یا خود کو اس میں گرا دے تو اس سے برتن کے اندر والا مشروب بہانا ضروری نہیں اور نہ اسے دھونے کی ضرورت ہی ہے۔ وہ حلال اور پاک ہے۔ اسی طرح اگر برتن کے علاوہ زمین کے گڑھے میں منہ ڈال دے یا انسان کے ہاتھوں میں یا کسی ایسی چیز میں جسے برتن نہیں کہا جاتا تو اس سے بھی اس چیز کو دھونا ضروری نہیں اور نہ اس پانی کو بہا دینا واجب ہی ہے کیونکہ وُلُوغ صرف پینے کو کہتے ہیں۔[1] فقہائے کوفہ کا افراط: علمائے احناف نے قیاس کو جس بے دریغ طریقے سے استعمال کیا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جب نجاست جسم کے کسی حصے کو لگ جائے اور اسے زبان سے چاٹ لیا جائے یہاں تک کہ اس کے اثرات ختم ہو جائیں تو وہ حصہ پاک ہو جائے گا۔ اسی طرح چھری جب نجاست آلود ہو جائے تو اسے اگر زبان سے چاٹ لیا جائے یا اپنے تھوک سے اسے صاف کر دیا جائے حتی کہ اگر نجاست آلود کپڑے کو بھی زبان سے چاٹ کر اس کے اثرات ختم کر دیے جائیں تو وہ پاک ہو جائے گا۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان اسی قسم کی افراط وتفریط کے سد باب کے لیے قائم کیا ہے۔ ان کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیاس میں اصل اور علت کو واضح ہونا چاہیے، محض ظن وتخمین پر انحصار نہیں کرنا چاہیے، نیز اس سے مقصود سائل کو سمجھانا اور مطمئن کرنا ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ قیاس اور رائے کے مطلق طور پر منکر نہیں ہیں جیسا کہ علامہ عینی نے تاثر دینے کی کوشش کی ہے بلکہ انھوں نے اس رائے اور قیاس کی مذمت ضرور کی ہے جو فاسد ہو اور شرائط کے مطابق نہ ہو۔ ہاں اگر کوئی مسئلہ قرآن وحدیث میں نہ ملتا ہو اور وہاں صحیح شرائط کے ساتھ قیاس کو استعمال کیا جائے تو امام بخاری رحمہ اللہ قطعاً اس کے منکر نہیں۔

1 المحلّٰی لابن حزم: 109/1۔ 2 فتاویٰ عالمگیری: 45/1۔

٧٣١٤ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ، وَإِنِّي أَنْكَرْتُهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟»، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَمَا أَلْوَانُهَا؟»، قَالَ: حُمْرٌ قَالَ: «هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟»، قَالَ: إِنَّ فِيهَا لَوُرْقًا، قَالَ: «فَأَنَّى تُرَى ذٰلِكَ جَاءَهَا؟»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! عِرْقٌ نَزَعَهَا، [قَالَ: «وَلَعَلَّ هٰذَا عِرْقٌ نَزَعَهُ»]. وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُ فِي الِانْتِفَاءِ مِنْهُ.

[راجع: ٥٣٠٥]

[7314] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میری بیوی کے ہاں سیاہ لڑکا پیدا ہوا ہے۔ میں نے اس کا انکار کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ”کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟“ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: ”ان کے رنگ کیسے ہیں؟“ اس نے کہا: وہ سرخ رنگ کے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”ان میں کوئی بھورے رنگ کا بھی ہے؟“ اس نے کہا: جی ہاں، ان میں بھورے رنگ کے بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”تیرا کیا خیال ہے وہ رنگ کدھر سے آیا ہے؟“ اس نے کہا: اللہ کے رسول! کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ممکن ہے کہ اس (بچے) کا رنگ بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔“ آپ ﷺ نے اسے بچے کے انکار کرنے کی اجازت نہیں دی۔

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بچوں کو رنگ مختلف ہونے پر قیاس کیا ہے اور اس میں قیاس صحیح کی شرائط کا بھی پتا چلتا ہے کیونکہ اصل، یعنی اونٹوں کا رنگ مختلف ہونا واضح اور بین ہے جس کا اعرابی نے انکار نہیں کیا اور اس کی علت بھی نمایاں ہے جس کی خود اعرابی نے نشاندہی کی ہے۔ اس کا مقصود بھی اعرابی کو مطمئن کرنا تھا۔ اس کی فرع بچوں کی رنگت ہے اور حکم اس رنگت کا مختلف ہونا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن و حدیث سے حجیت قیاس پر متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ واللہ أعلم.

٧٣١٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَمَاتَتْ قَبْلَ أَنْ تَحُجَّ، أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ، حُجِّي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ، أَكُنْتِ قَاضِيَتَهُ؟»، قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: «فَاقْضُوا اللهَ الَّذِي لَهُ فَإِنَّ اللهَ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ». [راجع: ١٨٥٢]

[7315] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ایک خاتون نبی ﷺ کے پاس آئی اور کہا: میری والدہ نے حج کرنے کی نذر مانی تھی لیکن وہ ادائیگی سے پہلے ہی فوت ہو گئی ہے۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں تم ان کی طرف سے حج کر لو۔ تمھارا کیا خیال ہے اگر تمھاری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتیں؟“ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: ”پھر اس قرض کو بھی ادا کرو جو اللہ تعالیٰ کا ہے۔ بلاشبہ اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے محدثین کرام ؒ نے منکرین قیاس کے خلاف حجت قائم کی ہے، چنانچہ ابراہیم نظام، داود بن علی ظاہری، امام ابن حزم اور کچھ معتزلہ نے حجیت قیاس سے انکار کیا ہے لیکن امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صحیح شرائط کے ساتھ قیاس کیا جا سکتا ہے کیونکہ امت کو پیش آنے والے مسائل اس کے بغیر حل نہیں ہوتے، البتہ اس میں توسیع پسندی نہیں ہونی چاہیے جیسا کہ ہمارے فقہاء نے ایسے ایسے فرضی مسائل بیان کیے ہیں جنھیں صحیح ماننا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ افسوس کہ ان حضرات نے صحیح قیاس کے لیے جو حدود وشرائط تھیں ان میں سے کسی کا بھی خیال نہیں رکھا، پھر ایسے مسائل لکھ ڈالے کہ اغیار، شریعت اسلامیہ کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ. ② بہرحال اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے قرض کی ادائیگی کو بندوں کے قرض کی ادائیگی پر قیاس کیا جسے اس خاتون نے خود تسلیم کیا۔ رسول اللہ ﷺ کا مقصد اسے سمجھانا تھا۔ اگر ان شرائط اور مقاصد کو مدنظر رکھ کر قیاس کیا جائے تو اسے ماننے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ واللّٰه أعلم.

(۱۳) بَابُ مَا جَاءَ فِي اجْتِهَادِ الْقَضَاءِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى

باب: 13- اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایات کے مطابق فیصلہ کرنے میں اجتہاد کرنا

لِقَوْلِهِ: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ﴾ [المائدة: ٤٥].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔“

وَمَدَحَ النَّبِيُّ ﷺ صَاحِبَ الْحِكْمَةِ حِينَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا، وَلَا يَتَكَلَّفُ مِنْ قِبَلِهِ، وَمُشَاوَرَةِ الْخُلَفَاءِ وَسُؤَالِهِمْ أَهْلَ الْعِلْمِ.

نبی ﷺ نے اس صاحب حکمت انسان کی تعریف کی ہے جو حکمت کے مطابق فیصلے کرتا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے اور اپنی طرف سے کوئی تکلف نہیں کرتا، نیز خلفاء کا علماء سے مشورہ لینا اور ان سے دریافت کرنا۔

وضاحت: جو شخص مسلمانوں کے عہدۂ قضا پر فائز ہو اسے چاہیے کہ وہ علم وفضل اور صدق وتقویٰ جیسی صفات والا ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھنے والا، اس کے اکثر احکام جاننے والا، رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا عالم، عامل بلکہ حافظ ہو، اسی طرح وہ اقوال صحابہ کو بھی جاننے والا ہو۔ ہنگامی حالات میں کتاب اللہ کا اتباع کرے۔ اگر کتاب اللہ میں سے کسی مسئلے کا حل نہ پائے تو سنن نبویہ میں اس کا حل تلاش کرے۔ اہل علم سے مشورہ لینے کا عادی ہو۔ اپنی زبان کو حرام کلام اور پیٹ کو لقمۂ حرام اور شرمگاہ کو بدکاری سے محفوظ رکھنے والا ہو۔ اسی طرح مدمقابل کے کلام کو سمجھنے والا اور گہری بصیرت سے فیصلے کرنے والا ہو۔ امام بخاری ؒ نے اس عنوان میں اشارہ دیا ہے کہ قاضی حضرات کو اگر اجتہاد کی ضرورت پڑے تو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی تعلیمات کی روشنی میں ہی اجتہاد کریں، عقل وقیاس کو قانونی حیثیت دیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس صاحب حکمت انسان کی تعریف کی ہے جو اس کے مطابق فیصلے کرتا ہے، چنانچہ درج ذیل حدیث میں اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

۷۳۱٦ – حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ: حَدَّثَنَا

[7316] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے،

إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَآخَرُ آتَاهُ اللهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا». [راجع: ٧٣]

انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قابل رشک تو دو ہی آدمی ہیں: ایک وہ آدمی جسے اللہ نے مال دیا اور اسے راہ حق میں لٹانے کی توفیق بھی دی اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت دی ہو پھر وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔''

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے صاحب حکمت کو قابل رشک ٹھہرایا ہے اور حکمت سے قرآن وحدیث کا علم مراد ہے جسے ایک دوسری حدیث میں فقاہت قرار دیا گیا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر و برکت کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا کر دیتا ہے۔''[1] امام بخاری ؒ نے کتاب الاحکام میں اس حدیث پر ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے: [بَابُ أَجْرِ مَنْ قَضَى بِالْحِكْمَةِ] ''جو حکمت کے مطابق فیصلے کرے اس کے اجر وثواب کا بیان۔''[2] بہرحال حکمت کے مطابق فیصلے کرنے والا حاکم اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل تعریف ہے حتی کہ قابل رشک قرار دیا گیا ہے۔ واللہ أعلم۔

٧٣١٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: سَأَلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ إِمْلَاصِ الْمَرْأَةِ - وَهِيَ الَّتِي يُضْرَبُ بَطْنُهَا فَتُلْقِي جَنِينًا - فَقَالَ: أَيُّكُمْ سَمِعَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فِيهِ شَيْئًا؟ فَقُلْتُ: أَنَا، فَقَالَ: مَا هُوَ؟ قُلْتُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «فِيهِ غُرَّةٌ: عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ»، فَقَالَ: لَا تَبْرَحْ حَتَّى تَجِيئَنِي بِالْمَخْرَجِ فِيمَا قُلْتَ. [راجع: ٦٩٠٥]

[7317] حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عمر ؓ نے عورت کے املاص کے متعلق پوچھا...... اس سے مراد وہ عورت ہے جس کے پیٹ پر چوٹ لگا کر اس کا ناتمام بچہ ضائع کر دیا جائے...... انھوں نے فرمایا: کیا آپ لوگوں نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق کوئی حدیث سنی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ انھوں نے پوچھا: بتاؤ تم نے کیا سنا ہے؟ میں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے: ''ایسی صورت میں ایک غلام یا لونڈی بطور تاوان دینی ہوگی۔'' حضرت عمر ؓ نے فرمایا: تمھاری خلاصی نہیں ہوگی جب تک اس حدیث پر کوئی گواہ پیش نہ کرو۔

٧٣١٨ - فَخَرَجْتُ فَوَجَدْتُ مُحَمَّدَ بْنَ مَسْلَمَةَ فَجِئْتُ بِهِ فَشَهِدَ مَعِي أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «فِيهِ غُرَّةٌ: عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ».

[7318] حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں باہر نکلا تو حضرت محمد بن مسلمہ ؓ مل گئے۔ انھوں نے میرے ساتھ گواہی دی کہ انھوں نے بھی نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اس کی دیت لونڈی یا غلام ہے۔''

تَابَعَهُ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُرْوَةَ،

ابن ابو زناد نے اپنے باپ سے، انھوں نے حضرت

[1] صحيح البخاري، العلم، حديث: 71. [2] صحيح البخاري، الأحكام، حديث: 3.

عَنِ الْمُغِيرَةِ. [راجع: ٦٩٠٦]

عروہ سے، انھوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے میں ہشام بن عروہ کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد تھے اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں محدث اور ملہم بھی قرار دیا تھا، اس کے باوجود انھوں نے فیصلے کرتے ہوئے علماء سے مشورہ کیا، چنانچہ انھوں نے ایک مقدمے میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا کہ تم نے کوئی حدیث اس کے متعلق سنی ہے؟ انھوں نے مزید احتیاط کے پیش نظر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی بیان کی ہوئی حدیث پر گواہی طلب کی۔ بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں خبر واحد حجت تھی۔ ② اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ قاضی حضرات کو مقدمات کا فیصلہ کرتے ہوئے انتہائی دوراندیشی اور احتیاط کی ضرورت ہے، انھیں چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں بلکہ پوری چھان بین کرنے کے بعد کتاب وسنت کے مطابق فیصلے کریں۔ واللہ المستعان۔

(١٤) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ»

باب: 14- نبی ﷺ کے فرمان: ”تم پہلے لوگوں کے طریقوں کی ضرور پیروی کرو گے“ کا بیان

٧٣١٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَأْخُذَ أُمَّتِي بِأَخْذِ الْقُرُونِ قَبْلَهَا شِبْرًا بِشِبْرٍ، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ»، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَفَارِسَ وَالرُّومِ؟ فَقَالَ: «وَمَنِ النَّاسُ إِلَّا أُولَئِكَ؟».

[7319] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک میری امت بھی پہلی امتوں کی چال پر نہ چلے گی، بالشت کے ساتھ بالشت اور ہاتھ کے برابر ہاتھ کی پیروی کرے گی۔“ عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! پہلی امتوں سے کون مراد ہیں؟ پارسی اور رومی؟ آپ نے فرمایا: ”ان کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں؟“

٧٣٢٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: حَدَّثَنَا أَبُو عُمَرَ الصَّنْعَانِيُّ - مِنَ الْيَمَنِ - عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا، وَذِرَاعًا ذِرَاعًا، حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ»، قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! اَلْيَهُودُ وَالنَّصَارَى؟ قَالَ: «فَمَنْ؟». [راجع: ٣٤٥٦]

[7320] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”تم پہلے لوگوں کے طریقوں کی ایسے پیروی کرو گے جیسے بالشت، بالشت کے برابر ہے اور ہاتھ ہاتھ کے برابر ہے یہاں تک کہ اگر وہ سانڈے کی بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم اس میں بھی ان کا اتباع کرو گے۔“ ہم نے پوچھا: اللہ کے رسول! اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”اور کون مراد ہو سکتے ہیں؟“

فائدہ: رسول اللہ ﷺ جو شریعت لے کر آئے، اس کی اپنی تہذیب و ثقافت، طرز معاشرت اور کلچر ہے، لیکن افسوس کہ مسلمان اس تہذیب و ثقافت کو چھوڑ کر دوسروں کی تقلید کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ آج ہم سیاست و قیادت میں فارس و روم کے نقش قدم پر چلتے ہیں تو مذہبی ثقافت و کلچر میں ہم یہودیوں اور عیسائیوں کی پیروی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں حدیثوں میں دو قسم کے لوگوں کی نشاندہی کی ہے جنھیں آج نام نہاد مسلمانوں نے اپنا قبلہ قرار دے لیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث بیان کی تو اس وقت آس پاس دو ہی بڑی حکومتیں تھیں اور ان کی رعیت بھی بکثرت تھی اور دور دراز تک ان کا سکہ چلتا تھا۔ برصغیر میں جب مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی تو پہلے انھوں نے ایرانیوں کی چال ڈھال اور وضع قطع اختیار کی، اس کے بعد انگریزوں کا دور آیا تو اکثر سربراہان ان کی نقالی کرتے ہیں۔ آج ہمارے ہاں جو قانون نافذ ہے وہ انھی کا مرہون منت ہے، حتی کہ ہم کھانے پینے، لباس و معاشرت اور نشست و برخاست بلکہ تمام رسومات میں انھی کی پیروی کرتے ہیں۔ سانڈے کے بل میں گھسنے سے بھی یہی مراد ہے کہ انھی کی چال ڈھال اختیار کرو گے، خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔ آج مسلمانوں کی اجتہادی اور اختراعی قوت ختم ہو چکی ہے جیسے انگریز اور فرنگی کرتے ہیں، ہم بھی ان کی دیکھا دیکھی وہ کام شروع کر دیتے ہیں۔ اس بات پر بھی غور نہیں کیا جاتا کہ آیا یہ کام ہماری ملکی معاشرت اور طرز زندگی کے لحاظ سے قرین عقل بھی ہے یا نہیں۔

(١٥) بَابُ إِثْمِ مَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ، أَوْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً

باب: 15- اس شخص کا گناہ جو کسی گمراہی کی دعوت دے یا کوئی بری رسم قائم کرے

لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ اَلْآيَةَ [النحل: ٢٥]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وہ ان لوگوں کا بھی بوجھ اٹھائیں گے جن کو انھوں نے بے علمی کی وجہ سے گمراہ کیا.....“

وضاحت: عنوان میں بیان کی گئی آیت کا مکمل ترجمہ یہ ہے: ”قیامت کے دن وہ اپنے بوجھ تو پورے کے پورے اٹھائیں گے اور کچھ ان لوگوں کے بھی جنھیں وہ بغیر علم کے گمراہ کرتے رہے۔ دیکھو کیسا برا بوجھ ہے جو وہ اٹھائیں گے۔“[1] یعنی ایک تو وہ خود مجرم تھے، پھر دوسرے لوگوں کو گمراہ کیا، اس لیے انھوں نے دوسروں کی گمراہی کا بوجھ بھی اپنے اوپر لاد لیا۔ قیامت کے دن گناہوں کا یہ بوجھ مجسم شکل میں ان کی پشتوں پر لاد دیا جائے گا۔ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو احبار و رہبان کی تقلید کے بجائے صرف کتاب و سنت کی پیروی کرنی چاہیے۔ تقلید مذاہب نری ضلالت ہے۔ جو لوگ اس کی دعوت دیتے ہیں وہ قیامت کے دن اپنا اور دوسروں کا بوجھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہوں گے۔ العیاذ باللہ۔

٧٣٢١ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ:

[7321] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص بھی ظلم کے ساتھ قتل کیا جائے، اس کے قتل ناحق کا کچھ بوجھ حضرت آدم

[1] النحل 16: 25.

«لَيْسَ مِنْ نَّفْسٍ تُقْتَلُ ظُلْمًا إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْهَا - وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: مِنْ دَمِهَا - لِأَنَّهُ سَنَّ الْقَتْلَ أَوَّلًا». [راجع: ٣٣٣٥]

کے پہلے بیٹے پر بھی پڑے گا......" بعض اوقات سفیان نے اس طرح بیان کیا: "اس کے خون ناحق کا کچھ حصہ...... کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے سب سے پہلے قتل ناحق کا طریقہ جاری کیا۔"

فوائد ومسائل: ① حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے کا نام قابیل تھا جس نے اپنے بھائی ہابیل کو بلاوجہ قتل کیا تھا۔ زمین پر سب سے پہلے یہ قتل ناحق ہوا تھا، اس لیے قیامت تک جتنے بھی قتل ناحق ہوں گے ان کے گناہ کا ایک حصہ اس کے نامۂ اعمال میں بھی ڈالا جاتا رہے گا۔ ② اس عنوان کے مطابق صریح احادیث بھی ہیں مگر امام بخاری رحمہ اللہ اپنی شرط کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے وہ نہیں لا سکے، البتہ عنوان میں ان کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ وہ احادیث حسب ذیل ہیں: (ا) حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اسلام میں بری رسم ایجاد کرے، اس پر اس کا بوجھ اور عمل کرنے والوں کا بوجھ پڑتا رہے گا۔ عمل کرنے والوں کا بوجھ بھی کم نہیں ہوگا۔"[1] (ب) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص گمراہی کی دعوت دے گا، اس پر اس کا بوجھ اور اس پر عمل کرنے والوں کا بوجھ بھی لادا جائے گا۔ عمل کرنے والوں کا بوجھ کچھ کم نہیں ہوگا۔"[2]

(١٦) بَابُ مَا ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ وَحَضَّ عَلَى اتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَمَا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ الْحَرَمَانِ: مَكَّةُ وَالْمَدِينَةُ، وَمَا كَانَ بِهِمَا مِنْ مَشَاهِدِ النَّبِيِّ ﷺ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ، وَمُصَلَّى النَّبِيِّ ﷺ وَالْمِنْبَرِ وَالْقَبْرِ

باب: 16- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کے اتفاق کی جو ترغیب دی اور اس کا تذکرہ کیا، نیز علمائے حرمین، یعنی مکہ و مدینہ کے علماء کے اجماع کا بیان اور مکہ و مدینہ میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم، مہاجرین اور انصار کے متبرک مقامات ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ، منبر اور قبر کا بیان

وضاحت: شرعی احکام کے بنیادی ماخذ دو ہیں: ○ قرآن۔ ○ سنت۔ ان کے علاوہ ذیلی ماخذ (تو) ہیں، جن میں اجماع، اقوال صحابہ، قیاس اور عرف وغیرہ سرفہرست ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں اجماع کی حیثیت اور حجیت کے متعلق اشارہ کیا ہے۔ اصطلاحی اعتبار سے اجماع کی تعریف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام مجتہدین کا کسی دلیل کے ساتھ کسی شرعی حکم پر متفق ہو جانا۔ جمہور علماء کے نزدیک اجماع حجت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جس نے ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور مومنوں کے راستے کے علاوہ (کسی دوسرے) راستے کو اختیار کیا تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ خود پھر گیا۔"[3] سبیل المومنین سے اجماع مراد ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "میری امت

---

1 صحیح مسلم، الزکاۃ، حدیث: 2351 (1017). 2 صحیح مسلم، العلم، حدیث: 6804 (2674). 3 النسآء 4:115.

گمراہی اور ضلالت پر جمع نہیں ہوگی۔"[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔"[2] اجماع کی مثال یہ دی جاتی ہے کہ مفتوحہ اراضی کو فاتحین کے درمیان دیگر اموال غنیمت کی طرح تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے نزدیک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اجماع کا وقوع انتہائی مشکل ہے کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جن مجتہدین کا اجماع معتبر ہے وہ مختلف ممالک میں پھیل گئے اور ان کا آپس میں ملاقات کرنا مشکل ہو گیا، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کسی کا اجماع قابل حجت نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام کا یہ مقصد نہیں کہ اہل مکہ اور اہل مدینہ کا اجماع حجت ہے بلکہ آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اختلاف کے وقت اس پہلو کو ترجیح دی جائے گی جس پر مکے اور مدینے کے علماء اتفاق کر لیں۔[3] واضح رہے کہ کتب فقہ میں اکثر مسائل کے متعلق دعوائے اجماع محل نظر ہے۔ اسی طرح ائمۂ اربعہ کی تقلید جامد پر بھی اجماع کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں۔ شارح صحیح بخاری امام مہلب نے کہا ہے: اس باب کے انعقاد سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے معالم دین کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور یہ وحی کا مرکز اور فرشتوں کے اترنے کا مقام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک لگنے نے اس جگہ کو مقدس کیا اور آپ ﷺ کی سکونت کا اسے شرف حاصل ہوا، نیز اس میں رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک، منبر شریف اور ان دونوں کے درمیان جنت کا باغ ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے، مہاجرین اور انصار کے متبرک مقامات ہیں۔ یہ وہ امور ہیں جن کے باعث اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو شرف فضیلت سے نوازا ہے۔[4]

٧٣٢٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ السَّلَمِيِّ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى الْإِسْلَامِ، فَأَصَابَ الْأَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِينَةِ، فَجَاءَ الْأَعْرَابِيُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَقِلْنِي بَيْعَتِي، فَأَبَى رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ: أَقِلْنِي بَيْعَتِي، فَأَبَى، ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ: أَقِلْنِي بَيْعَتِي، فَأَبَى، فَخَرَجَ الْأَعْرَابِيُّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّمَا الْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا، وَيَنْصَعُ طِيبُهَا». [راجع: ١٨٨٣]

[7322] حضرت جابر بن عبداللہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ کی اسلام پر بیعت کی، پھر مدینہ طیبہ میں اس کو سخت بخار نے آ لیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اللہ کے رسول! میری بیعت واپس لے لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انکار کر دیا۔ وہ پھر آیا اور کہنے لگا: میری بیعت فسخ کر دیں۔ آپ ﷺ نے پھر انکار کر دیا وہ پھر (تیسری مرتبہ) آیا اور کہا: میری بیعت توڑ دیں۔ تو آپ نے اس دفعہ بھی بیعت توڑنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ دیہاتی مدینہ طیبہ سے نکل گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مدینہ طیبہ لوہار کی بھٹی کی طرح ہے جو میل کچیل کو دور کرتی ہے اور خالص لوہے کو رکھ لیتی ہے۔"

فوائد و مسائل: ① اس اعرابی کا خیال تھا کہ بیعت کے بعد مدینہ طیبہ میں اقامت ضروری ہے اگر بیعت نہ ہو تو مدینہ طیبہ سے باہر جا سکتا ہے، اس لیے وہ بیعت توڑنے کا بار بار اعادہ کر رہا تھا۔ وہ مرتد نہیں ہوا تھا جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے

---

[1] سنن ابن ماجه، الفتن، حديث: 3950، ومسند أحمد: 396/6، والصحيحة للألباني، حديث: 1331. [2] صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7459. [3] فتح الباري: 374/13. [4] عمدة القاري: 539/16.

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر ارتداد کا حکم جاری نہیں فرمایا، نیز اگر وہ مرتد ہوتا تو بار بار یا رسول اللہ! کے الفاظ استعمال نہ کرتا بلکہ وہ اسلام میں رہتے ہوئے مدینہ طیبہ سے رخصت چاہتا تھا اور بیعت سے واپسی کے الفاظ رخصت کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ ⓶ اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ جب مدینہ طیبہ تمام شہروں سے افضل ہوا تو وہاں کے علماء کا اجماع بھی قابل اعتبار ہوگا کیونکہ مدینہ طیبہ میں برے اور بدکار لوگ ٹھہر ہی نہیں سکتے، اس لیے وہاں کے علماء سب اچھے ہوں گے لیکن مدینہ طیبہ کے متعلق یہ حکم رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے ساتھ خاص تھا۔ آپ ﷺ کے بعد بہت سے اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ہمارے رجحان کے مطابق خلاف شرع امور میں اہل حرمین کا اجماع کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ طالب حق کو ہمیشہ دلیل کی پیروی کرنی چاہیے، گو اس کے قائل تعداد میں تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔ واللہ أعلم.

٧٣٢٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ أُقْرِئُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ فَلَمَّا كَانَ آخِرُ حَجَّةٍ حَجَّهَا عُمَرُ، فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بِمِنًى: لَوْ شَهِدْتَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَتَاهُ رَجُلٌ، قَالَ: إِنَّ فُلَانًا يَقُولُ: لَوْ مَاتَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ لَبَايَعْنَا فُلَانًا، فَقَالَ عُمَرُ: لَأَقُومَنَّ الْعَشِيَّةَ فَأُحَذِّرُ هٰؤُلَاءِ الرَّهْطَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَغْصِبُوهُمْ، قُلْتُ: لَا تَفْعَلْ، فَإِنَّ الْمَوْسِمَ يَجْمَعُ رَعَاعَ النَّاسِ يَغْلِبُونَ عَلٰى مَجْلِسِكَ، فَأَخَافُ أَنْ لَا يُنَزِّلُوهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَيُطِيرُ بِهَا كُلُّ مُطِيرٍ، فَأَمْهِلْ حَتّٰى تَقْدَمَ الْمَدِينَةَ دَارَ الْهِجْرَةِ وَدَارَ السُّنَّةِ، فَتَخْلُصَ بِأَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فَيَحْفَظُوا مَقَالَتَكَ وَيُنَزِّلُوهَا عَلٰى وَجْهِهَا، فَقَالَ: وَاللهِ لَأَقُومَنَّ بِهِ فِي أَوَّلِ مَقَامٍ أَقُومُهُ بِالْمَدِينَةِ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ بِالْحَقِّ، وَأَنْزَلَ

[7323] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو پڑھایا کرتا تھا۔ جب وہ آخری حج آیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں مجھ سے کہا: کاش تم امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو دیکھتے جب ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: فلاں شخص کہتا ہے: اگر امیر المومنین کا انتقال ہوگیا تو ہم فلاں آدمی کی بیعت کرلیں گے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آج شام کو خطبہ دوں گا اور ان لوگوں کو تنبیہ کروں گا جو مسلمانوں کا حق غصب کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا: آپ ایسا نہ کریں کیونکہ موسم حج میں ہر قسم کے جاہل اور رذیل لوگ جمع ہوتے ہیں، ایسے لوگ آپ کی مجلس میں جمع ہوں گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ آپ کے خطبے کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکیں گے اور اسے منہ در منہ اڑاتے پھریں گے، اس لیے ابھی آپ رک جائیں۔ جب آپ مدینہ طیبہ پہنچیں جو دار ہجرت اور دار سنت ہے تو وہاں آپ کے مخاطب رسول اللہ کے صحابۂ کرام مہاجرین اور انصار ہوں گے۔ وہ آپ کی بات کو یاد رکھیں گے اور اس کا مطلب بھی ٹھیک طور پر بیان کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں مدینہ طیبہ پہنچ کر سب سے پہلے یہی خطبہ دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: پھر

عَلَيْهِ الْكِتَابَ، فَكَانَ فِيمَا أُنْزِلَ آيَةُ الرَّجْمِ.
[راجع: ٢٤٦٢]

ہم مدینہ طیبہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو سچا رسول بنا کر حق کے ساتھ مبعوث کیا اور آپ پر قرآن نازل کیا، اس قرآن میں رجم کی آیت بھی تھی۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر مذکورہ حدیث انتہائی اختصار سے بیان کی ہے، مفصل حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے۔ (حدیث: 6830) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ امر خلافت کے متعلق رائے دینے کا حق تمام مسلمانوں کو ہے جسے مسلمان اختیار کر لیں اس کی بیعت کر لی جائے، اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ فلاں کی وفات کے بعد ہم فلاں کی بیعت کر لیں گے۔ خلیفے کا انتخاب کوئی بچوں کا کھیل نہیں بلکہ یہ مسلمانوں کا اجتماعی حق ہے۔ اس حدیث میں مدینہ طیبہ کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ وہ کتاب وسنت کا گھر ہے۔ ایک روایت میں اس وقت اہل مدینہ کی ان الفاظ میں تعریف بیان ہوئی ہے کہ وہاں زیرک، سمجھدار، دانا، صاحب بصیرت اور صاحب علم وفضل لوگ ہوں گے۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے کہ حرمین کے علماء کا اجماع دوسرے شہروں کے علماء کے اجماع کے مقابلے میں زیادہ معتبر ہوگا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اگر اہل مدینہ کسی مسئلے پر اتفاق کر لیں تو ان کی بات دوسروں کے مقابلے میں زیادہ وزنی ہوگی، ہاں اگر نص صریح کے خلاف اجماع ہوا تو اس کی کوئی حیثیت نہیں۔[2]

٧٣٢٤ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ، فَتَمَخَّطَ فَقَالَ: بَخٍ بَخٍ، أَبُو هُرَيْرَةَ يَتَمَخَّطُ فِي الْكَتَّانِ؟ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَأَخِرُّ فِيمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى حُجْرَةِ عَائِشَةَ مَغْشِيًّا عَلَيَّ، فَيَجِيءُ الْجَائِي فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى عُنُقِي وَيُرَى أَنِّي مَجْنُونٌ وَمَا بِي [مِنْ] جُنُونٍ، مَا بِي إِلَّا الْجُوعُ.

[7324] حضرت محمد بن سیرین سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے جبکہ انھوں نے کتان کے دو کپڑے پہن رکھے تھے جنھیں سرخ مٹی میں رنگا گیا تھا۔ انھوں نے ان کپڑوں میں ناک صاف کی اور کہا: تعجب ہے کہ ابو ہریرہ کتان کے کپڑوں میں ناک صاف کر رہا ہے، حالانکہ میں نے ایک وقت خود کو دیکھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے درمیان بے ہوش پڑا ہوتا تھا اور گزرنے والا آتا تو میری گردن پر اپنا پاؤں رکھتا اور گمان کرتا کہ میں مجنوں اور دیوانہ ہوں، حالانکہ مجھے جنون نہ تھا بلکہ بھوک کی وجہ سے دیوانہ وار گر پڑتا تھا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی سرگزشت بیان کرتے ہیں کہ کبھی ایسی تنگی میں تھا کہ کھانے کو روٹی کا ٹکڑا نہ ملتا تھا اور آج میں ریشمی کپڑوں سے ناک صاف کر رہا ہوں۔ ② اس حدیث میں منبر شریف کا ذکر ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا

(1) صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3928. 2 فتح الباري: 375/13.

حجرہ تو تاریخی حیثیت کا حامل ہے کیونکہ وہاں رسول اللہ ﷺ محو استراحت ہیں، عنوان میں متبرک مقامات کا ذکر تھا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث بیان کی ہے۔

٧٣٢٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ قَالَ: سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَشَهِدْتَ الْعِيدَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَلَوْلَا مَنْزِلَتِي مِنْهُ مَا شَهِدْتُهُ مِنَ الصِّغَرِ، فَأَتَى الْعَلَمَ الَّذِي عِنْدَ دَارِ كَثِيرِ بْنِ الصَّلْتِ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ - وَلَمْ يَذْكُرْ أَذَانًا وَلَا إِقَامَةً - ثُمَّ أَمَرَ بِالصَّدَقَةِ فَجَعَلَ النِّسَاءُ يُشِرْنَ إِلَى آذَانِهِنَّ وَحُلُوقِهِنَّ، فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَتَاهُنَّ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٩٨]

[7325] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، ان سے پوچھا گیا: کیا تم نبی ﷺ کے ہمراہ عید میں حاضر تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں میں اس وقت کم سن تھا۔ اگر میں آپ ﷺ کا تعلق دار نہ ہوتا تو بچپن کے باعث حاضر نہ ہو سکتا۔ آپ ﷺ گھر سے نکل کر اس نشان کے پاس آئے جو کثیر بن صلت کے مکان کے پاس ہے۔ وہاں آپ نے نماز عید پڑھائی، پھر خطبہ دیا..... انھوں نے اذان اور اقامت کا ذکر نہیں کیا..... پھر آپ نے صدقہ دینے کا حکم دیا تو عورتیں اپنے کانوں اور گریبانوں کی طرف ہاتھ بڑھانے لگیں۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال ؓ کو حکم دیا کہ وہ عورتوں کے پاس آئے۔ پھر وہ (ان سے صدقات لے کر) نبی ﷺ کے پاس واپس چلے گئے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں عیدگاہ کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس نشان کے پاس آئے جہاں آج کثیر بن صلت کا مکان ہے۔ وہ گھر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بنایا گیا تھا اور شہرت کی وجہ سے اس کی طرف منسوب ہو گیا۔ ② اس حدیث میں دور صحابہ کے چھوٹے بچوں کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ سے براہ راست علم حاصل کرتے تھے۔ یہ مرتبہ دوسرے شہر میں رہنے والوں کو نصیب نہیں تھا۔ لیکن اس حدیث سے اجماع اہل مدینہ کی حجیت ثابت کرنا محل نظر ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اختلاف کے وقت اہل مدینہ کے عمل اور اجماع کو وزنی قرار دیا جائے۔ واللہ أعلم.

٧٣٢٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْتِي قُبَاءَ مَاشِيًا وَرَاكِبًا. [راجع: ١١٩١]

[7326] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ قباء بستی میں پیدل اور سوار تشریف لاتے تھے۔

فائدہ: قباء، مدینہ طیبہ کے نزدیک وہ بستی ہے جہاں نبی ﷺ بوقت ہجرت کچھ دن ٹھہرے تھے۔ اس بستی کی مسجد بھی ایک تاریخی جگہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ بذات خود کبھی پیدل اور کبھی سوار ہو کر وہاں تشریف لے جاتے۔ یہ قدر و منزلت مدینہ طیبہ کے مقامات کے علاوہ کسی اور جگہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم.

٧٣٢٧ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ: اِدْفِنِّي مَعَ صَوَاحِبِي، وَلَا تَدْفِنِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْبَيْتِ، فَإِنِّي أَكْرَهُ أَنْ أُزَكَّى. [راجع: ١٣٩١]

[7327] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے کہا تھا: مجھے میری سہیلیوں کے ساتھ دفن کرنا۔ نبی ﷺ کے ہمراہ مجھے حجرے میں مت دفن کرنا کیونکہ میں یہ پسند نہیں کرتی کہ مجھے (دیگر ازواج مطہرات ؓ سے) زیادہ بلند مرتبہ خیال کیا جائے۔

٧٣٢٨ - وَعَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عُمَرَ أَرْسَلَ إِلَى عَائِشَةَ: ائْذَنِي لِي أَنْ أُدْفَنَ مَعَ صَاحِبَيَّ، فَقَالَتْ: إِي وَاللهِ، قَالَ: وَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا أَرْسَلَ إِلَيْهَا مِنَ الصَّحَابَةِ، قَالَتْ: لَا وَاللهِ، لَا أُوثِرُهُمْ بِأَحَدٍ أَبَدًا.

[7328] حضرت عروہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ نے سیدہ عائشہ ؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ مجھے اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت دیں، ام المومنین نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہاں میں ان کو اجازت دیتی ہوں۔ راوی حدیث کہتا ہے: پہلے جب کوئی صحابی ان سے وہاں دفن ہونے کی اجازت مانگتا تو فرماتیں: اللہ کی قسم! میں ان کے ساتھ کسی اور کو دفن نہیں ہونے دوں گی۔

فائدہ: حضرت عائشہ ؓ نے تواضع کے طور پر یہ پسند نہ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دفن ہوں اور لوگ گمان کریں کہ ان کا مقام، رسول اللہ ﷺ اور صاحبین کے بعد دوسرے صحابۂ کرام ؓ سے زیادہ ہے۔ ہارون الرشید نے امام مالک ؒ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ؓ کا مقام آپ ﷺ کے ہاں کیسا تھا؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انھیں جو مقام ملا وہی رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تھا۔ انھوں نے ظاہری قرب کو باطنی قرب کی وجہ قرار دیا کہ صاحبین ؓ تمام صحابۂ کرام ؓ سے زیادہ بلند مرتبہ اور قابل احترام تھے۔[1]

٧٣٢٩ - حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ فَيَأْتِي الْعَوَالِيَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ.

[7329] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز عصر ادا فرماتے، پھر عوالی مدینہ میں تشریف لاتے جبکہ سورج ابھی بلند ہوتا تھا۔

وَزَادَ اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ: وَبُعْدُ الْعَوَالِي أَرْبَعَةُ أَمْيَالٍ أَوْ ثَلَاثَةٌ. [راجع: ٥٤٨]

(راوی حدیث) لیث نے یونس سے بیان کیا کہ عوالی مدینہ طیبہ سے تین یا چار میل دور ہیں۔

---

1 فتح الباري: 377/13.

فائدہ: عَوَالي، عالية کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ دیہات ہیں جو مدینہ طیبہ سے بلندی کی طرف واقع ہیں۔ مدینے کے اطراف میں بڑے بڑے گاؤں تھے، وہاں رسول اللہ ﷺ تشریف لے جاتے، جہاں آپ ﷺ کے قدم مبارک پہنچ گئے ان مقامات کو تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی، یعنی عوالی مدینہ کو بھی تاریخی عظمت اور بزرگی حاصل ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا شہر ہیں۔ واللہ أعلم۔

٧٣٣٠ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ: حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ الْجُعَيْدِ: سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ: كَانَ الصَّاعُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ مُدًّا وَثُلُثًا بِمُدِّكُمُ الْيَوْمَ وَقَدْ زِيدَ فِيهِ.

سَمِعَ الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ الْجُعَيْدَ. [راجع: ١٨٥٩]

[7330] حضرت سائب بن یزید ؓ سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے: نبی ﷺ کے زمانے میں ایک صاع تمہارے رائج کردہ ایک مد اور تہائی مد کے برابر تھا جبکہ اب اس میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔

(امام بخاری فرماتے ہیں:) قاسم بن مالک نے جعید سے سنا ہے۔

٧٣٣١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مِكْيَالِهِمْ وَبَارِكْ لَهُمْ فِي صَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ»، يَعْنِي أَهْلَ الْمَدِينَةِ. [راجع: ٢١٣٠]

[7331] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! اہل مدینہ کے پیمانے میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ! ان کے صاع اور مد میں بھی برکت عنایت کر۔''

فوائد و مسائل: ① حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں نے مُدّ کی مقدار میں اضافہ کر دیا تھا لیکن احکام شرعیہ فطرانہ وغیرہ کی ادائیگی کے لیے صاع اور مُدّ کا اعتبار کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ اور اہل مدینہ کے ہاں رائج تھا۔ اس کے متعلق ہم ذرا تفصیل بیان کرتے ہیں: ایک صاع میں چار مُدّ ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں مُدّ کی مقدار $1\frac{1}{3}$ رطل تھی، اس اعتبار سے صاع نبوی کی مقدار $5\frac{1}{3}$ رطل بنتی ہے۔ بنو امیہ کے دور میں ہشام نے ایک دوسرا مد رائج کیا جو رسول اللہ ﷺ کے مد سے دو تہائی بڑا تھا لیکن حضرت عبداللہ بن عمر ؓ رسول اللہ ﷺ کے مد ہی سے فطرانہ ادا کرتے تھے۔[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے حضرت ہشام کے ایجاد کردہ مد کو درخور اعتناء نہ سمجھا بلکہ پہلے مد ہی کو استعمال کرتے تھے اور ہشام کا مد رسول اللہ ﷺ کے مد سے دو تہائی بڑا تھا، اس کے بعد مزید اضافہ ہوا جیسا کہ مذکورہ حدیث میں حضرت سائب بن یزید ؓ کے بیان سے واضح ہوتا ہے۔ ② اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حضرت سائب نے یہ حدیث بیان کی اس وقت مد میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا گیا تھا، یعنی اس وقت مد کی مقدار چار رطل تھی جس میں بقول حضرت سائب ایک تہائی بڑھانے سے $5\frac{1}{3}$ رطل بن

1 صحيح البخاري، كفارات الأيمان، حديث: 6713.

جاتا ہے جو صاع نبوی کی مقدار کے برابر ہے، یعنی اس میں تین گنا اضافہ کر دیا گیا تھا مد اور صاع کے ارتقائی مراحل پر نظر ڈالنے سے مندرجہ ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں: (ا) رسول اللہ ﷺ کے دور میں صاع کی مقدار 5⅓ رطل تھی۔ (ب) بنوامیہ کے دور میں مد کی مقدار 2 رطل اور صاع کی مقدار 8 رطل ہوگئی۔ (ج) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں مد کی مقدار چار رطل اور صاع کی مقدار سولہ رطل تھی۔ ③ عام طور پر رسول اللہ ﷺ کے صاع کو صاع حجازی اور بنوامیہ کے صاع کو صاع بغدادی یا عراقی کہا جاتا ہے اور صاع عراقی، صاع حجازی سے ایک تہائی بڑا ہے۔ ④ صاع نبوی میں برکت کا تقاضا یہ ہے کہ شرعی واجبات کی ادائیگی میں اہل مدینہ کا صاع پیش نظر رکھنا چاہیے کیونکہ ابتدائی طور پر قانون سازی میں اسی صاع نبوی کا اعتبار کیا گیا تھا۔ اس کی تفصیل ہم کتاب کفارات الأیمان، حدیث: 6713 کے تحت بیان کر آئے ہیں۔

٧٣٣٢ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ الْيَهُودَ جَاؤُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِرَجُلٍ وَامْرَأَةٍ زَنَيَا فَأَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا قَرِيبًا، حَيْثُ تُوضَعُ الْجَنَائِزُ عِنْدَ الْمَسْجِدِ. [راجع: ١٣٢٩]

[7332] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودی، نبی ﷺ کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کو لے کر آئے جنھوں نے آپس میں زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ آپ ﷺ نے انھیں رجم کر دینے کا حکم دیا تو انھیں مسجد کے پاس اس جگہ رجم کیا گیا جہاں جنازے رکھے جاتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث انتہائی اختصار سے بیان کی ہے۔ اس میں بہت سی تفصیلات ہیں۔ انھیں معلوم کرنے کے لیے کتاب الحدود، حدیث: 6841 کا مطالعہ کریں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جنازے کی نماز مسجد کے قریب مذکورہ مقام پر پڑھایا کرتے تھے، اس وجہ سے اسے تاریخی حیثیت حاصل ہے۔

٧٣٣٣ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ، فَقَالَ: «هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ، اَللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا».

[7333] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک دفعہ احد پہاڑ ظاہر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ طیبہ کے دونوں کناروں کی درمیانی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔''

تَابَعَهُ سَهْلٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي: «أُحُدٌ».

احد پہاڑ کے متعلق حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کرنے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی متابعت کی ہے۔

فائدہ: ہمارے نزدیک اُحد پہاڑ کا محبت کرنا مبنی بر حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں ادراک اور سوجھ بوجھ پیدا کرنے پر قادر ہے، جیسے اس ستون میں اللہ تعالیٰ نے ادراک پیدا کیا تھا جو رسول اللہ ﷺ کا فراق اور آپ ﷺ کی جدائی کا برداشت نہ کر سکا اور

اس نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے احد پہاڑ کو اپنا محبوب قرار دیا، اسی وجہ سے تمام مسلمان اس سے محبت کرتے ہیں اور اسے محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ احد پہاڑ کو اسی وجہ سے تاریخی حیثیت حاصل ہے۔

٧٣٣٤ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ أَنَّهُ كَانَ بَيْنَ جِدَارِ الْمَسْجِدِ مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ وَبَيْنَ الْمِنْبَرِ مَمَرُّ الشَّاةِ. [راجع: ٤٩٦]

[7334] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کی قبلے والی دیوار اور منبر کے درمیان ایک بکری گزرنے کی جگہ تھی۔

فائدہ: اس حدیث میں مسجد نبوی، اس کی دیوار قبلہ اور منبر شریف کا ذکر ہے، ان تمام مقامات کو جو عظمت حاصل ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ آنے کی وجہ سے ہے۔ اس سے وہاں کے باشندوں کی عظمت کا بھی پتا چلتا ہے جنھوں نے ان کی تاریخی عظمت کو محفوظ رکھا اور آگے امت کو اس سے آگاہ کیا۔

٧٣٣٥ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ خُبَيْبِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِي عَلٰى حَوْضِي». [راجع: ١١٩٦]

[7335] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے گھر اور میرے منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہوگا۔“

فائدہ: روضۂ مبارک، یعنی وہ بقعہ مقدسہ جو جنت کا باغیچہ ہے، اسی طرح جنت میں منتقل ہو جائے گا۔ ممکن ہے وہاں کوئی نیک عمل کرنا جنت میں جانے کا سبب ہو۔ بہرحال پہلے معنی زیادہ قرین قیاس ہیں۔ اس حدیث سے نبی ﷺ کے گھر سے منبر تک کی جگہ کی عظمت کا بھی پتا چلتا ہے کیونکہ اس جگہ کو مدینہ کے باقی مقامات پر فضیلت حاصل ہے تو دنیا کے باقی مقامات پر بطریق اولیٰ فضیلت و برتری حاصل ہوگی۔

٧٣٣٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَابَقَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ الْخَيْلِ فَأُرْسِلَتِ الَّتِي ضُمِّرَتْ مِنْهَا - وَأَمَدُهَا إِلَى الْحَفْيَاءِ - إِلَى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ، وَالَّتِي لَمْ تُضَمَّرْ - أَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ - إِلَى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ، وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ كَانَ فِيمَنْ

[7336] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے گھوڑوں کی دوڑ کرائی۔ جو گھوڑے مقابلے کے لیے تیار کردہ تھے انھیں دوڑ کے لیے چھوڑا گیا تو ان کے دوڑنے کا میدان مقام حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک تھا اور جو تیار شدہ نہ تھے ان کی دوڑ ثنیۃ الوداع سے مسجد بنو زریق تک تھی۔ اور حضرت عبداللہ ؓ بھی ان لوگوں میں

مَسَابَقَ. [راجع: ٤٢٠]

شامل تھے جنھوں نے اس مقابلے میں حصہ لیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① گھوڑوں کے تیار شدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں کچھ مدت کے لیے خوب چارہ کھلایا جاتا، پھر ان پر جھل وغیرہ ڈال کر ان کا چارہ آہستہ آہستہ کم کیا جاتا تاکہ ان کا موٹاپن ختم ہو جائے اور ان میں مضبوطی اور چستی آ جائے۔ اس قسم کے گھوڑے بہت دوڑتے ہیں، اس لیے ان کے دوڑنے کی مسافت زیادہ رکھی جاتی اور غیر تیار شدہ گھوڑوں کی مسافت کم ہوتی تھی۔ ② حَفیاء ایک مقام ہے جو ثنیۃ الوداع سے پانچ چھ میل پر واقع ہے اور ثنیۃ الوداع ایک گھاٹی ہے جہاں تک لوگ اپنے مہمانوں کو الوداع کہنے کے لیے جاتے تھے۔ مقام حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک کا میدان بھی تاریخی عظمت کا حامل ہے کیونکہ عہد رسالت میں وہاں گھوڑوں کی دوڑ کرائی جاتی تھی تاکہ وہ جہاد میں کام آئیں۔

٧٣٣٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ لَيْثٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ؛ ح: [وَ]حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عِيسَى وَابْنُ إِدْرِيسَ وَابْنُ أَبِي غَنِيَّةَ عَنْ أَبِي حَيَّانَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ عَلَى مِنْبَرِ النَّبِيِّ ﷺ.

[راجع: ٤٦١٩]

[7337] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کے منبر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو (خطبہ دیتے ہوئے) سنا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس منبر پر کھڑے ہو کر شراب کے متعلق خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا: لوگو! اللہ کی طرف سے شراب کی حرمت نازل ہوئی تھی جسے اس وقت پانچ چیزوں سے تیار کیا جاتا تھا، یعنی کھجور، انگور، شہد، گندم اور جو سے بنائی جاتی تھی اور خمر ہر وہ چیز ہے جو عقل پر پردہ ڈال دے۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف ان الفاظ کو بیان کرنے پر اکتفا کیا جن کی ضرورت تھی اور وہ منبر شریف کا تذکرہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اسی مقصد کے لیے استعمال کیا جس کے لیے رسول اللہ ﷺ اسے استعمال کرتے تھے۔

٧٣٣٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ: أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ خَطِيبًا عَلَى مِنْبَرِ النَّبِيِّ ﷺ.

[7338] حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کے منبر شریف پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں بھی منبر نبوی کی عظمت کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اہم کاموں کے لیے منبر استعمال کرتے اور اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تاکہ تمام لوگوں کو اس کا علم ہو جائے۔ اس میں یہ

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4619.

بھی اشارہ ہے کہ منبر نبوی حضرت عثمان ؓ کے دور تک بلا کم وکاست باقی رہا اور اس میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی تھی۔ بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ منبر نبوی حضرت عثمان ؓ کے بعد بھی دیر تک اپنی اصلی حالت پر قائم ودائم رہا۔[1] ② منبر نبوی کی عظمت کا کیا کہنا! مگر صد افسوس کہ دشمنان اسلام نے اس منبر کی عظمت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سیدنا عثمان ؓ کی توہین بھی اس منبر پر کی تھی۔ العیاذ باللّٰہ۔

٧٣٣٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ: أَنَّ هِشَامَ ابْنَ عُرْوَةَ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ يُوضَعُ لِي وَلِرَسُولِ اللهِ ﷺ هٰذَا الْمِرْكَنُ فَنَشْرَعُ فِيهِ جَمِيعًا. [راجع: ٢٥٠]

[7339] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میرے لیے اور رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ بڑا برتن رکھا جاتا تھا اور ہم دونوں اس میں سے اکٹھے غسل کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن میں غسل کرتے تھے جسے ''فرق'' کہا جاتا تھا۔[2] وہ لگن بھی تاریخی حیثیت کا حامل تھا جس میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت عائشہ ؓ اکٹھے غسل کرتے تھے۔ ② ابن بطال کہتے ہیں: اس سے پانی کی مقدار بیان کرنا مقصود ہے جو غسل کے وقت بیوی خاوند دونوں کو کافی ہو۔[3]

٧٣٤٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: حَالَفَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ الْأَنْصَارِ وَقُرَيْشٍ فِي دَارِي الَّتِي بِالْمَدِينَةِ. [راجع: ٢٢٩٤]

[7340] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے انصار اور قریش کے درمیان میرے گھر میں بھائی چارہ کرایا تھا جو مدینہ طیبہ میں ہے۔

٧٣٤١ - وَقَنَتَ شَهْرًا يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِّنْ بَنِي سُلَيْمٍ. [راجع: ١٠٠١]

[7341] اور آپ ﷺ نے قبائل بنو سلیم کے خلاف مہینہ بھر قنوت کی جس میں ان پر بددعا کی تھی۔

فوائد ومسائل: ① انصار اور قریش کے درمیان ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ تھا۔ اسلام میں اس عقد حلف کی ممانعت ہے جو قتل وغارت کے لیے ایک دوسرے کی موافقت پر ہو۔ اس حدیث میں بھائی چارے کا ذکر ہے جسے اسلام نے جائز قرار دیا ہے۔ ② امام بخاری ؒ اس سے اس گھر کی عظمت بیان کرنا چاہتے ہیں جس میں یہ معاہدہ ہوا تھا۔ دوسری حدیث میں قبائل بنو سُلیم پر بددعا کرنے کا ذکر ہے کیونکہ وہ بدباطن غدار تھے جنھوں نے چند قراء کو دھوکے سے اپنے پاس بلایا، پھر انھیں شہید کر ڈالا تھا۔ واضح رہے کہ ان کے درمیان بھی معاہدہ تھا لیکن انھوں نے عہد شکنی کی اور صحابۂ کرام ؓ کو شہید کیا۔[4]

---

1 فتح الباري: 380/13. 2 صحيح البخاري، الغسل، حديث: 250. 3 فتح الباري: 380/13. 4 صحيح البخاري، الوتر، حديث: 1002.

٧٣٤٢ - حَدَّثَنِي أَبُو كُرَيْبٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا بُرَيْدٌ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ: قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقِيَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ فَقَالَ لِي: اِنْطَلِقْ إِلَى الْمَنْزِلِ فَأَسْقِيَكَ فِي قَدَحٍ شَرِبَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَتُصَلِّي فِي مَسْجِدٍ صَلَّى فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ، فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ فَأَسْقَانِي سَوِيقًا، وَأَطْعَمَنِي تَمْرًا، وَصَلَّيْتُ فِي مَسْجِدِهِ. [راجع: ٣٨١٤]

[7342] حضرت ابوبردہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں مدینہ طیبہ آیا تو مجھے حضرت عبداللہ بن سلام ؓ ملے اور انھوں نے مجھے کہا: تم میرے گھر چلو میں تمھیں اس پیالے میں پانی پلاؤں گا جس میں رسول اللہ ﷺ نے پانی پیا تھا اور اس مسجد میں نماز پڑھو گے جس میں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی تھی۔ پھر میں ان کے ساتھ گیا تو انھوں نے مجھے ستو پلائے اور کھجوریں کھلائیں، نیز میں نے ان کی مسجد میں نماز بھی ادا کی۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عبداللہ بن سلام ؓ اہل کتاب میں سے ایک زبردست عالم تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں جنت کی بشارت دی تھی۔ ② اس حدیث میں اس پیالے کا ذکر ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے پانی پیا تھا اور اس مسجد کا بھی بیان ہے جہاں آپ ﷺ نے نماز ادا کی تھی۔ ان دونوں کو تاریخی عظمت حاصل ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسے تاریخی مقامات دیکھنے سے وہاں شکرانے کے طور پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

٧٣٤٣ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ: حَدَّثَنِي عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ قَالَ: حَدَّثَنِي النَّبِيُّ ﷺ قَالَ: «أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِّنْ رَّبِّي وَهُوَ بِالْعَقِيقِ أَنْ صَلِّ فِي هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ، وَقُلْ: عُمْرَةٌ وَّحَجَّةٌ».

[7343] حضرت عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھ سے نبی ﷺ نے بیان فرمایا: ''آج رات میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا جبکہ میں وادئ عقیق میں تھا۔ اس نے کہا: آپ اس بابرکت وادی میں نماز پڑھیں اور کہیں کہ میں عمرہ اور حج دونوں کی نیت کرتا ہوں۔''

وَقَالَ هَارُونُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: «عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ». [راجع: ١٥٣٤]

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: ''عمرہ حج میں داخل ہے۔''

فوائد ومسائل: ① وادئ عقیق مدینے کے عین مغرب سے گزرتی ہے۔ یہ وادی مدینے سے تقریباً 140 کلومیٹر جنوب میں جبال قدس اور حرۃ الحجاز سے پانی لیتی ہے۔ ذوالحلیفہ سے آگے یہ وادئ عقیق کہلاتی ہے۔ اس وادی اور مدینے کے درمیان حرۃ ابوبرہ حائل ہے۔ یہ شمال کی طرف وادی الحمض (اضم) سے جا ملتی ہے۔ مدینے کے جنوب میں کوہ عیر وادئ عقیق کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کے نویں سال حج کے لیے تشریف لے گئے تو اس میدان میں پہنچ کر آپ ﷺ نے یہ حدیث بیان کی۔ اس حدیث میں وادئ عقیق کے مبارک ہونے کا ذکر ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے اس میدان کی عظمت بیان کرنے کے لیے اسے یہاں بیان کیا ہے۔ اس کے متعلق جملہ تفاصیل کتاب الحج میں گزر چکی ہیں۔

٧٣٤٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: وَقَّتَ النَّبِيُّ ﷺ قَرْنًا لِأَهْلِ نَجْدٍ، وَالْجُحْفَةَ لِأَهْلِ الشَّامِ، وَذَا الْحُلَيْفَةِ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ، قَالَ: سَمِعْتُ هٰذَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ، وَبَلَغَنِي: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ»، وَذُكِرَ الْعِرَاقُ فَقَالَ: لَمْ يَكُنْ عِرَاقٌ يَوْمَئِذٍ.

[7344] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اہل نجد کے لیے مقام قرن، اہل شام کے لیے مقام حجفہ اور اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ کو میقات مقرر کیا۔ حضرت ابن عمر ؓ فرماتے ہیں: یہ تو میں نے خود نبی ﷺ سے سنا ہے، البتہ مجھے یہ بات بھی پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اہل یمن کے لیے یلملم میقات ہے۔“ ان کے سامنے عراق کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: اس وقت عراق نہیں تھا۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے دور میں عراق کسریٰ کے قبضے میں تھا۔ وہاں کے لوگ مسلمان نہیں تھے، اس لیے آپ ﷺ نے اہل عراق کے لیے کوئی میقات مقرر نہیں کیا۔ اس وقت شام وغیرہ کے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، اس لیے ان کے لیے مقام جحفہ میقات مقرر کیا۔ ② حدیث میں ہے کہ جب کوفہ اور بصرہ فتح ہوئے تو وہاں کے باشندے حضرت عمر ؓ کے پاس آئے، انھوں نے عرض کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجد کے لیے قرن المنازل کو میقات مقرر کیا ہے جو ہمارے راستے سے بہت دور پڑتا ہے تو حضرت عمر ؓ نے اس کے بالمقابل مقام ذات عرق کو اہل عراق کے لیے میقات مقرر فرمایا۔[1] بہرحال اس حدیث میں ان میقات کی عظمت کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری ؒ نے اسے یہاں بیان کیا ہے۔

٧٣٤٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ: حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ: حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ أُرِيَ وَهُوَ فِي مُعَرَّسِهِ بِذِي الْحُلَيْفَةِ فَقِيلَ لَهُ: إِنَّكَ بِبَطْحَاءَ مُبَارَكَةٍ. [راجع: ٤٨٣]

[7345] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ کو ایک خواب دکھایا گیا جبکہ آپ مقام ذوالحلیفہ میں محو استراحت تھے۔ آپ سے کہا گیا: بلاشبہ آپ بابرکت وادی میں ہیں۔

فائدہ: ذوالحلیفہ میں ایک مبارک وادی ہے جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس عنوان کے تحت جو احادیث بیان کی ہیں ان سے مدینہ طیبہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی فضیلت میں کوئی شک نہیں، وہاں وحی اترتی رہی۔

(١٧) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ [آل عمران: ١٢٨]

باب: 17- ارشاد باری تعالیٰ: ”(اے نبی!) آپ کا اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں“ کا بیان

وضاحت: غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے اگلے دو دانت ٹوٹ گئے اور سر بھی زخمی ہو گیا، آپ ﷺ اپنے چہرے سے خون صاف کرتے اور فرماتے: ”وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا سر زخمی کر دیا اور دانت توڑ دیے، حالانکہ وہ انھیں

1 صحیح البخاري، الحج، حدیث: 1531.

اللہ کی طرف دعوت دے رہا تھا؟"[1] تو اس موقع پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ اس موقع پر آپ ﷺ نے چند نامور مشرکین کے نام لے کر انھیں بددعا دی۔[2] چند روز ہی گزرے تھے کہ جن مشرکین کے خلاف آپ ﷺ نے بددعا کی تھی انھیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے قدموں میں لا ڈالا اور اسلام کے جاں باز سپاہی بنا دیا۔

٧٣٤٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ - وَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ - قَالَ: «اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ»، فِي الْأَخِيرَةِ، ثُمَّ قَالَ: «اللَّهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا». فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَىْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَٰلِمُونَ﴾ [آل عمران: ١٢٨].

[راجع: ٤٠٦٩]

[7346] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے سنا: آپ نماز فجر میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے: "اے اللہ! ہمارے رب! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں۔" یعنی آخری رکعت میں، پھر کہتے: "اے اللہ! فلاں اور فلاں کو اپنی رحمت سے دور کر دے۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "آپ کو اس معاملے میں کوئی اختیار نہیں، اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا انھیں عذاب دے۔ بلاشبہ وہ ظالم ہیں۔"

فوائد و مسائل: ① اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے معاملات اور ان کے متعلق فیصلے کرنا صرف میرے ہاتھ میں ہے۔ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ کافروں کو توبہ کی توفیق دوں یا انھیں دنیا میں قتل کی سزا دوں یا آخرت میں دردناک عذاب دوں، یہ سب میرے اختیار میں ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے اسے کتاب الاعتصام میں اس لیے پیش کیا ہے کہ اگر انھیں ایمان کا یقین ہوتا تو اس لعنت زدگی سے بچ جاتے۔ یہ آیت ایک دوسری آیت کے ہم معنی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "بلاشبہ آپ نہیں ہدایت دے سکتے جسے آپ چاہیں اور لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔"[3] اس کا مطلب ہے کہ کفار کو بالفعل ہدایت دینا آپ ﷺ کے ذمے نہیں، آپ ﷺ کے ذمے صرف ان کی رہنمائی کرنا ہے، یعنی مطلب کو واضح کر کے ان تک پہنچانا ہی آپ ﷺ کی ذمے داری ہے۔ واللہ اعلم۔

(١٨) بَابُ [قَوْلِهِ تَعَالَى] ﴿وَكَانَ ٱلْإِنسَٰنُ أَكْثَرَ شَىْءٍ جَدَلًا﴾ [الكهف: ٥٤]

باب: 18- ارشاد باری تعالیٰ: "انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے" کا بیان

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تُجَٰدِلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ إِلَّا بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ﴾ [العنكبوت: ٤٦].

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "اور تم اہل کتاب سے احسن انداز ہی سے بحث و تکرار کرو۔"

وضاحت: یہ عنوان دو آیات پر مشتمل ہے: ایک آیت میں انسان کے جھگڑالو پن کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں اہل

[1] صحيح مسلم، الجهاد، حديث: 4645 (1791). [2] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4070. [3] البقرة 2:272.

کتاب کے ساتھ اچھے طریقے سے مجادلہ کرنے کا بیان ہے، یعنی انھیں دین کی دعوت دی جائے اور اس کے انکار کرتے پر انھیں تنبیہ کی جائے، ان کے ایمان کی امید رکھی جائے اور اگر وہ کفر پر قائم رہیں تو ان کے خلاف تلوار اٹھائی جائے۔

٧٣٤٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ؛ ح: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا عَتَّابُ بْنُ بَشِيرٍ عَنْ إِسْحَاقَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ: أَنَّ حُسَيْنَ ابْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ - بِنْتَ رَسُولِ اللهِ ﷺ - فَقَالَ لَهُمْ: «أَلَا تُصَلُّونَ؟» فَقَالَ عَلِيٌّ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّمَا أَنْفُسُنَا بِيَدِ اللهِ، فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا، فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ قَالَ لَهُ ذٰلِكَ وَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيْهِ شَيْئًا، ثُمَّ سَمِعَهُ وَهُوَ مُدْبِرٌ يَضْرِبُ فَخِذَهُ وَهُوَ يَقُولُ: ﴿وَكَانَ ٱلْإِنسَٰنُ أَكْثَرَ شَىْءٍ جَدَلًا﴾.

[7347] حضرت علی بن ابی طالب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ رات کے وقت ان کے پاس اور سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لے گئے تو ان سے فرمایا: ”تم (رات کو) نماز کیوں نہیں پڑھتے؟“ حضرت علی ؓ کہتے ہیں: میں نے کہا: اللہ کے رسول! ہماری ارواح اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب ہمیں اٹھانا چاہتا ہے ہم اٹھتے ہیں۔ جس وقت حضرت علی ؓ نے یہ جواب دیا تو رسول اللہ ﷺ واپس چلے گئے اور انھیں کچھ جواب نہ دیا۔ پھر انھوں نے آپ کو سنا جب آپ اپنی پشت پھیر کر واپس جا رہے تھے اور اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہہ رہے تھے: ”انسان تمام چیزوں سے زیادہ جھگڑالو ہے۔“

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: يُقَالُ: مَا أَتَاكَ لَيْلًا فَهُوَ طَارِقٌ، وَيُقَالُ: الطَّارِقُ: النَّجْمُ، وَالثَّاقِبُ: الْمُضِيءُ. يُقَالُ: أَثْقِبْ نَارَكَ، لِلْمُوقِدِ.

[راجع: ١١٢٧]

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) نے کہا: جو رات کے وقت تیرے پاس آئے وہ طارق ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طارق ستارہ ہے۔ اور ثاقب کے معنی ہیں: روشنی کرنے والا۔ آگ سلگانے والے کو کہا جاتا ہے: آگ روشن کر دو۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کی عنوان کے پہلے جز سے مطابقت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز کی رغبت دلائی کہ اٹھ کر اپنے عزم وارادے سے نماز پڑھیں لیکن حضرت علی ؓ نے قضا وقدر کا سہارا لیا جیسا کہ عام طور پر کوئی عمل نہ کرنے کا بہانہ کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان کی برموقع بہانہ سازی سن کر تعجب کرتے ہوئے واپس ہو گئے، پھر نیند کا بھی غلبہ تھا۔ آپ ﷺ نے زیادہ سختی اس لیے نہیں کی کہ نماز تہجد فرض نہ تھی۔ اگر حضرت علی ؓ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر عمل کر کے نماز پڑھتے تو اچھا تھا۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قول یا فعل سے دفاع کرنا انسان کی فطرت ہے۔ بہر حال حضرت علی ؓ نے صرف غلبۂ نیند کے باعث ترک قیام سے عذر خواہی کی تھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو انسان نیکی کے کسی کام میں غفلت

کر رہا ہو اسے یاد دلانا مشروع ہے کیونکہ غفلت انسان کی گھٹی میں شامل ہے۔ ③ کتاب الاعتصام سے اس حدیث کا تعلق یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بہتر یہی تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بات پر عمل کر کے نماز پڑھنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ واللّٰہ أعلم.

٧٣٤٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ [قَالَ:] بَيْنَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «انْطَلِقُوا إِلَى يَهُودَ»، فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتَّى جِئْنَا بَيْتَ الْمِدْرَاسِ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَنَادَاهُمْ فَقَالَ: «يَا مَعْشَرَ يَهُودَ! أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا»، فَقَالُوا: بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ، قَالَ: فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ذٰلِكَ أُرِيدُ، أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا»، فَقَالُوا: قَدْ بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ذٰلِكَ أُرِيدُ»، ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: «اعْلَمُوا أَنَّمَا الْأَرْضُ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَأَنِّي أُرِيدُ أَنْ أُجْلِيَكُمْ مِنْ هٰذِهِ الْأَرْضِ فَمَنْ وَجَدَ مِنْكُمْ بِمَالِهِ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ، وَإِلَّا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا الْأَرْضُ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ».

[راجع: ٣١٦٧]

[7348] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ ہم مسجد میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''یہودیوں کے پاس چلیں۔'' تو ہم آپ ﷺ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جب ہم ان کے مدرسہ ''بیت المدراس'' پہنچے تو نبی ﷺ نے کھڑے ہو کر انھیں آواز دی اور فرمایا: ''اے یہودیوں کی جماعت! مسلمان ہو جاؤ تو سلامتی سے رہو گے۔'' انھوں نے کہا: ابوالقاسم! آپ نے تبلیغ کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: ''میں یہی چاہتا ہوں کہ تم مسلمان ہو جاؤ تو سلامتی سے رہو گے۔'' انھوں نے کہا: ابوالقاسم! آپ نے پیغام پہنچا دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''میں یہی چاہتا ہوں۔'' پھر آپ نے تیسری بار یہی بات کہی اور فرمایا: ''یقین کرو کہ ساری زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمھیں اس زمین سے جلا وطن کروں، لہٰذا تم میں سے اگر کوئی اپنی جائیداد کے عوض میں کوئی قیمت پاتا ہو تو اسے فروخت کر دے بصورت دیگر یقین کر لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔ (تمھیں یہ زمین چھوڑنی ہو گی)۔''

فوائد و مسائل: ① بیت المدراس یہودیوں کا دار العلوم تھا جہاں وہ تورات پڑھا پڑھایا کرتے تھے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے قائم کردہ عنوان کے دونوں اجزاء سے اس کی مطابقت کی ہے اور وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو تبلیغ فرمائی اور انھیں بار بار اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے صرف یہ جواب دیا کہ آپ نے اپنا پیغام پہنچا دیا ہے لیکن آپ ﷺ کی بات نہ مانی۔ اور آپ ﷺ کی اطاعت پر یقین نہ کیا۔ آپ ﷺ کا بار بار انھیں دعوت دینا، اچھا مجادلہ ہے جس کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے۔ بالآخر جب وہ ہٹ دھرمی پر اتر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا حکم نامہ جاری کر دیا اور وہاں سے انھیں جلا وطن کر دینے کا حکم دیا کیونکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے اچھے مجادلے کا جواب برے طریقے سے دیا تھا۔ واللّٰہ أعلم.

(١٩) بَابُ [قَوْلِهِ تَعَالٰى] ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ [البقرة: ١٤٣]، وَمَا أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِلُزُومِ الْجَمَاعَةِ وَهُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ

باب: 18- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور اسی طرح ہم نے تمھیں افضل امت بنایا ہے'' نیز نبی ﷺ نے جماعت کو لازم پکڑنے کا جو حکم دیا ہے تو اس سے مراد اہل علم کی جماعت ہے، کا بیان

وضاحت: جماعت سے مراد ہر زمانے میں اہل حل وعقد ہیں، یعنی صاحب اقتدار واختیار لوگوں کی ایسی جماعت جس میں اہل علم شامل ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مکلف انسان اس جماعت کی پیروی کرے جس پر مجتہدین کا اجماع ہو۔ اگر دنیا دار اور احکام شریعت سے عاری لوگ کسی بات پر اتفاق کر لیں تو اس کا ماننا ضروری نہیں جیسا کہ ہمارے ہاں اسمبلیوں کا حال ہے۔

٧٣٤٩ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يُجَاءُ بِنُوحٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ: هَلْ بَلَّغْتَ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ يَا رَبِّ، فَتُسْأَلُ أُمَّتُهُ: هَلْ بَلَّغَكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: مَا جَاءَنَا مِنْ نَذِيرٍ، فَيَقُولُ: مَنْ شُهُودُكَ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ، فَيُجَاءُ بِكُمْ فَتَشْهَدُونَ»، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ قَالَ: عَدْلًا، ﴿لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ [البقرة: ١٤٣].

[7349] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا: کیا تم نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے: ہاں، اے ہمارے رب! پھر ان کی امت سے سوال کیا جائے گا: کیا انھوں نے تمھیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا؟ تو وہ جواب دیں گے: ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: (اے نوح!) تمھارے گواہ کون ہیں؟ وہ کہیں گے: حضرت محمد ﷺ اور ان کی امت میرے گواہ ہیں، پھر تمھیں لایا جائے گا اور تم لوگ (ان کے حق میں) گواہی دو گے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اسی طرح ہم نے تمھیں افضل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر حق کی گواہی دو اور رسول تم پر گواہ بنے۔'' وسطاً سے مراد عدلاً ہے۔

وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَوْنٍ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهَٰذَا. [راجع: ٣٣٣٩]

جعفر بن عون نے حضرت اعمش سے، انھوں نے ابو صالح سے، انھوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

فوائد ومسائل: ﴿ہم لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام یا ان کی امت کو نہیں دیکھا مگر قیامت کے دن یقین کے ساتھ گواہی

دیں گے کہ حضرت نوح ؑ نے اپنی امت کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بتانے سے اس حقیقت کا پتا چلا ہے، جو بات تواتر کے ساتھ سنی جائے وہ دیکھی ہوئی چیز کی طرح ہوتی ہے اور اس کے متعلق گواہی بھی دی جا سکتی ہے، مثلاً: ایک شخص کا بیٹا ہے اور سب لوگوں کو اس کا علم ہو تو وہ اس کے متعلق گواہی دے سکتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا ہے، حالانکہ کسی نے اسے پیدا ہوتے ہوئے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ ② اس آیت کریمہ سے بعض حضرات نے حجیت اجماع کو ثابت کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو امت وَسَط، یعنی عدل پسند فرمایا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ ساری امت کا اجماع کسی باطل یا ناحق چیز پر ہو جائے، چنانچہ امام بخاری ؒ نے عنوان میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ آیت کریمہ میں اس امت مرحومہ کا وصف ''وَسَط'' بیان ہوا ہے۔ اس سے مراد ان کا عدل پسند ہونا ہے، اس لیے اہل جہالت اور اہل بدعت قطعاً اس وصف کے لائق نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ اس سے مراد حقیقی اہل سنت والجماعت کے لوگ (اہل حدیث) ہیں اور وہ حقیقی علم شرعی کے حاملین ہیں۔ ③ احادیث میں جماعت سے چمٹے رہنے کا حکم ہے۔ شارح صحیح بخاری ابن بطال نے کہا ہے کہ اس عنوان میں جماعت کو مضبوطی سے پکڑے رکھنے کی ترغیب ہے۔ واللّٰہ اعلم.[1]

(٢٠) بَابٌ: إِذَا اجْتَهَدَ الْعَامِلُ أَوِ الْحَاكِمُ فَأَخْطَأَ خِلَافَ الرَّسُولِ مِنْ غَيْرِ عِلْمٍ، فَحُكْمُهُ مَرْدُودٌ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»

باب: 20- جب کوئی کارندہ یا حاکم اجتہاد کرے اور لاعلمی میں حکم رسول کے خلاف کر جائے تو اس کا فیصلہ مردود ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جو کوئی ایسا عمل کرے جس کے متعلق ہمارا کوئی حکم نہیں تھا تو وہ عمل مردود ہے۔''

وضاحت: کچھ لوگ قاضی اور جج کے فیصلے کو ہر حال میں نافذ اور برحق قرار دیتے ہیں۔ امام بخاری ؒ نے اس موقف کی تردید کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ اگر اس کا فیصلہ حق کے خلاف ہے تو وہ مردود ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جو کوئی ایسا عمل کرے جس کے متعلق ہمارا کوئی حکم نہ تھا وہ مردود ہوگا۔''[2]

٧٣٥٠، ٧٣٥١ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَخِيهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ [بْنِ بِلَالٍ]، عَنْ عَبْدِ الْمَجِيدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ: أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يُحَدِّثُ: أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ وَأَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَاهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَ أَخَا بَنِي عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيِّ وَاسْتَعْمَلَهُ عَلَى

[7351,7350] حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ بنو عدی کے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا تو وہ بہت عمدہ قسم کی کھجوریں لے کر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا خیبر کی تمام کھجوریں اسی طرح کی ہیں؟'' اس نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! ہم اس قسم کی عمدہ

[1] فتح الباري: 387/13. [2] صحيح مسلم، الأقضية، حديث: 4492 (1718).

خَيْبَرَ، فَقَدِمَ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ كَذَا؟»، قَالَ: لَا، وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا لَنَشْتَرِي الصَّاعَ بِالصَّاعَيْنِ مِنَ الْجَمْعِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَفْعَلُوا، وَلٰكِنْ مِثْلًا بِمِثْلٍ، أَوْ بِيعُوا هٰذَا وَاشْتَرُوا بِثَمَنِهِ مِنْ هٰذَا، وَكَذٰلِكَ الْمِيزَانُ». [راجع: ۲۲۰۱، ۲۲۰۲]

کھجور کا ایک صاع ردی کھجور کے دو صاع کے عوض خرید لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو بلکہ برابر برابر میں خریدو، یا ردی کھجور نقد فروخت کرو، پھر یہ عمدہ کھجور اس قیمت کے عوض خرید کرو۔ تولی جانے والی دیگر اشیاء کی خرید و فروخت بھی اسی طرح کیا کرو۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الأحکام میں اس عنوان سے ملتا جلتا عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بابٌ: إِذَا قَضَى الحاكِمُ بِجَوْرٍ، أَوْ خِلَافِ أَهْلِ العِلْمِ فَهُوَ رَدٌّ] ''جب کوئی حاکم اہل علم کے خلاف یا ظلم پر مبنی فیصلہ کرے تو وہ مردود ہے۔''[1] یہ تکرار نہیں بلکہ پہلا عنوان اجماع کے خلاف اور مذکورہ عنوان سنت کے خلاف فیصلے کو رد کرنے سے متعلق ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی نے سنت کے خلاف فیصلہ کیا ہے، خواہ وہ جہالت یا غلطی کی وجہ سے ہو تو حق واضح ہونے کے بعد اس سے رجوع ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے کتنے فیصلے ایسے ہیں کہ حق معلوم ہونے کے بعد انھوں نے رجوع کیا اور اپنے غلط موقف کو چھوڑ دیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ صحابی نے اجتہاد کیا اور ردی کھجوریں دے کر مقدار میں کم، عمدہ کھجوریں لے لیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے فعل کو غلط قرار دیا اگرچہ اجتہاد کی وجہ سے اسے معذور خیال کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اوہ یہ تو عین سود ہے۔ اس طرح مت کرو۔'' ایسا کام آئندہ مت کرنا، یعنی آپ ﷺ نے اس کے کام کو برقرار نہیں رکھا بلکہ اسے غلط کہہ کر مسترد کر دیا۔[2]

(۲۱) بَابُ أَجْرِ الْحَاكِمِ إِذَا اجْتَهَدَ فَأَصَابَ أَوْ أَخْطَأَ

باب: 21- حاکم جب اجتہاد کرے، خواہ غلط ہو یا صحیح تو اس کے ثواب کا بیان

٧٣٥٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِئُ الْمَكِّيُّ: حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي قَيْسٍ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ

[7352] حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جب حاکم اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرے پھر وہ فیصلہ صحیح ہو تو اسے دوگنا ثواب ملتا ہے اور اگر فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کرے اور غلط کر جائے تو اسے صرف ایک اجر و ثواب

---

1 صحيح البخاري، الأحكام، باب: 35. 2 صحيح البخاري، الوكالة، حديث: 2312، و فتح الباري: 389/13.

أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ».

ہوتا ہے۔"

قَالَ: فَحَدَّثْتُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَقَالَ: هٰكَذَا حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

راوی کہتا ہے: میں نے یہ حدیث ابوبکر بن عمرو بن حزم سے بیان کی تو انھوں نے کہا: مجھ سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے ابوہریرہ ؓ کے واسطے سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

وَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُطَّلِبِ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ.

عبدالعزیز بن مطلب نے عبداللہ بن ابوبکر سے، انھوں نے ابوسلمہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے اسی طرح بیان کیا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حق ایک ہی ہوتا ہے۔ اسے تلاش کرنے میں اگر غلطی اور خطا ہو جائے تو تلاش حق کا ثواب ضائع نہیں ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب مجتہد تلاش حق کے وقت جان بوجھ کر نص صریح یا اجماع امت کی خلاف ورزی نہ کرے۔ اگر اس نے جان بوجھ کر خلاف ورزی کی تو گناہ گار بھی ہوگا اور اس کی عدالت بھی جاتی رہے گی۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قاضی کو مجتہد ہونا چاہیے، مقلد کی قضا جائز نہیں کیونکہ مقلد تو اپنے امام کے قول کو اختیار کرتا ہے، وہ اس خول سے باہر نہیں نکلتا، جبکہ دلیل معلوم ہو جانے کے بعد اس کی پیروی ضروری ہے، خواہ وہ اس کے امام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے مقلدین کی مذمت کی ہے جو حق اور دلیل معلوم ہو جانے کے بعد بھی آبائی تقلید پر جمے رہتے ہیں۔ ایسا کرنا صریح جہالت اور واضح ناانصافی ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٢) بَابُ الْحُجَّةِ عَلَى مَنْ قَالَ: إِنَّ أَحْكَامَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ ظَاهِرَةً وَمَا كَانَ يَغِيبُ بَعْضُهُمْ مِّنْ مَشَاهِدِ النَّبِيِّ ﷺ وَأُمُورِ الْإِسْلَامِ.

باب: 22- اس شخص کی تردید جو کہتا ہے کہ نبی ﷺ کے احکام ہر ایک کو معلوم تھے، نیز اس کا بیان کہ بعض صحابہ نبی ﷺ کی محافل اور امور اسلام (کی وضاحت کے وقت) سے غائب رہتے، اس لیے انھیں امور اسلام سے آگاہی نہ ہوتی تھی

وضاحت: کچھ حضرات کا موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے احکام وسنن اور نوافل متواتر نہیں ہیں اور جو نقل متواتر سے منقول نہ ہوں ان پر عمل واجب نہیں۔ امام بخاری ؒ نے اس عنوان سے ان کی تردید کی ہے کہ بہت سے صحابۂ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کی محفل ومجلس سے غائب ہوتے تھے۔ انھیں بے شمار مسائل کا علم نہیں ہوتا تھا جبکہ دوسرے صحابۂ کرام ؓ جو

رسول اللہ ﷺ کے پاس رہتے انھیں مسائل کا علم ہوتا اور دوسرے صحابہ ان سے احکام معلوم کرتے، پھر ان پر عمل کیا کرتے تھے۔

۷۳۵۳ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: حَدَّثَنِي عَطَاءٌ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ: اسْتَأْذَنَ أَبُو مُوسَى عَلَى عُمَرَ فَكَأَنَّهُ وَجَدَهُ مَشْغُولًا فَرَجَعَ فَقَالَ عُمَرُ: أَلَمْ أَسْمَعْ صَوْتَ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ؟ ائْذَنُوا لَهُ، فَدُعِيَ لَهُ فَقَالَ: مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ؟ فَقَالَ: إِنَّا كُنَّا نُؤْمَرُ بِهٰذَا، قَالَ: فَأْتِنِي عَلَى هٰذَا بِبَيِّنَةٍ، أَوْ لَأَفْعَلَنَّ بِكَ، فَانْطَلَقَ إِلَى مَجْلِسٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَقَالُوا: لَا يَشْهَدُ إِلَّا أَصَاغِرُنَا، فَقَامَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ فَقَالَ: قَدْ كُنَّا نُؤْمَرُ بِهٰذَا، فَقَالَ عُمَرُ: خَفِيَ عَلَيَّ هٰذَا مِنْ أَمْرِ النَّبِيِّ ﷺ، أَلْهَانِي الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ. [راجع: ۲۰٦۲]

[7353] حضرت عبید بن عمیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی کام میں مصروف پاکر آپ واپس چلے گئے۔ پھر (فراغت کے بعد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں نے ابھی عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی آواز نہیں سنی تھی؟ انھیں اجازت دے دو۔ جب انھیں بلایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ انھوں نے کہا: ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس پر کوئی گواہ پیش کرو بصورت دیگر میں تمھارے ساتھ ایسا ایسا کروں گا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ یہ سن کر انصار کی مجلس میں گئے تو انھوں نے کہا: اس کے لیے تو ہمارا چھوٹے سے چھوٹا شخص بھی گواہی دے سکتا ہے، پھر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اٹھے اور انھوں نے کہا: ہمیں یہی حکم دیا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھ سے نبی ﷺ کا یہ حکم مخفی رہا کیونکہ مجھے منڈیوں میں تجارت نے مشغول کر رکھا تھا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت جلیل القدر صحابی تھے۔ اس کے باوجود استیذان (اجازت طلب کرنے) کا حکم ان سے مخفی رہا، حتی کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے انھیں اس امر کا علم ہوا۔ جب انھیں پتا چلا تو فوراً تسلیم کر لیا۔ یہ کوئی عیب بھی نہیں ہے۔ ② ہر مومن کی یہی شان ہونی چاہیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث معلوم ہونے پر سر تسلیم خم کر دے، چنانچہ درج ذیل مثالوں سے اس امر کی وضاحت کی جاتی ہے: ○ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جدہ (دادی، نانی) کی میراث کا علم نہیں تھا۔ انھیں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بتایا۔ ○ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا کہ خاوند کی دیت سے بیوی حصہ پاتی ہے یا نہیں تو انھیں حدیث کے حوالے سے حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ نے آگاہ کیا۔ ○ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پتا نہیں تھا کہ خاوند کی وفات کے بعد بیوی عدت کہاں گزارے؟ انھیں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اطلاع دی اور حدیث کا حوالہ دیا۔ ○ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ تھا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو تو جو لمبی عدت ہو اسے وہ گزارنا ہوگی، انھیں سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے اپنا واقعہ بتا کر مسئلے سے آگاہ کیا۔ ○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے روزہ رکھنے کے قائل نہ تھے، انھیں حضرت ام سلمہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے خود اپنا معمول بتا کر اس موقف سے رجوع کرنے پر مجبور کیا۔ ③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ

انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے اپنے پڑوسی انصاری صحابی سے یہ طے کیا تھا کہ وہ باری باری رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں شرکت کریں گے، حاضری دینے والا دوسرے کو علمی مسائل سے آگاہ کرے گا۔[1] اس کے باوجود کچھ احادیث کا انھیں علم نہ ہوسکا، چنانچہ (ا) مجوس سے جزیہ لینے اور طاعون پھیلنے کے وقت دوسری جگہ منتقل نہ ہونے کے متعلق انھیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا۔ (ب) موزوں پر مسح کرنے کے متعلق انھیں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آگاہ کیا۔ (ج) ہاتھ کی تمام انگلیاں دیت کے اعتبار سے برابر ہیں، ان میں چھوٹی بڑی کا فرق نہیں کیا جائے گا۔ اس بات کا علم انھیں عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اس طرح متعدد مسائل ایسے ہیں جن کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم نہیں تھا۔[2]

نوٹ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے حدیث کی ثقاہت اور تائید کے لیے شہادت طلب کی تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خبر واحد کو قبول کرنے کے قائل نہ تھے کیونکہ ایک آدمی کی شہادت کے باوجود بھی وہ خبر واحد ہی رہتی ہے حد تواتر کو نہیں پہنچ پاتی۔ واللہ المستعان۔

٧٣٥٤ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ: أَنَّهُ سَمِعَ مِنَ الْأَعْرَجِ يَقُولُ: أَخْبَرَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ قَالَ: إِنَّكُمْ تَزْعُمُونَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يُكْثِرُ الْحَدِيثَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَاللهُ الْمَوْعِدُ، إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مِسْكِينًا أَلْزَمُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى مِلْءِ بَطْنِي، وَكَانَ الْمُهَاجِرُونَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ، وَكَانَتِ الْأَنْصَارُ يَشْغَلُهُمُ الْقِيَامُ عَلَى أَمْوَالِهِمْ، فَشَهِدْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ وَقَالَ: «مَنْ يَبْسُطْ رِدَاءَهُ حَتَّى أَقْضِيَ مَقَالَتِي ثُمَّ يَقْبِضْهُ فَلَمْ يَنْسَ شَيْئًا سَمِعَهُ مِنِّي»، فَبَسَطْتُ بُرْدَةً كَانَتْ عَلَيَّ، فَوَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا نَسِيتُ شَيْئًا سَمِعْتُهُ مِنْهُ.

[راجع: ١١٨]

[7354] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: تم خیال کرتے ہو کہ ابوہریرہ، رسول اللہ ﷺ کی بہت احادیث بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور سب نے جانا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں ایک مسکین شخص تھا اور پیٹ بھرنے کے بعد ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہا کرتا تھا جبکہ مہاجرین کو بازار کے کاروبار مشغول رکھتے اور انصار کو اپنی زمینوں کی دیکھ بھال مصروف رکھتی تھی۔ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے فرمایا: ''کون ہے جو اپنی چادر پھیلائے رکھے یہاں تک کہ میں اپنا کلام پورا کرلوں، پھر وہ اپنی چادر سمیٹ لے اور اس کے بعد کبھی مجھ سے سنی ہوئی کوئی بات نہ بھولے۔'' تو میں نے اپنے بدن کی چادر پھیلا دی۔ اللہ کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اس کے بعد میں نے آپ سے جو چیز بھی سنی اس کو نہیں بھولا ہوں۔

فوائد و مسائل: ① کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پانچ ہزار احادیث زبانی یاد تھیں۔ اس کثرت حدیث پر بعض لوگوں کو شک تھا۔ ان کے جواب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی۔ اس کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کی خبر دی جو رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے غائب رہنے کی

① صحيح البخاري، العلم، حديث: 89. 2 فتح الباري: 393/13.

بنا پر انھیں معلوم نہ تھے۔ اس حدیث سے ان لوگوں کی بھی تردید ہوتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر عمل کرنے کے لیے متواتر ہونے کی شرط لگاتے ہیں۔ ☆ واضح رہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو خصوصی عنایت کی وجہ سے اپنے حافظے پر بہت اعتماد تھا، چنانچہ ایک حدیث میں ہے: ''جب اللہ تعالیٰ جنت میں آخری آدمی کو اس کی خواہش کے مطابق جگہ الاٹ کرے گا تو پھر فرمائے گا: تجھے اس کے برابر مزید جگہ دی جاتی ہے۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث بیان کی تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس کے برابر جگہ کے بجائے دس گنا جگہ دینے کے متعلق کہا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے تو یہی یاد ہے اور میں نے ایسا ہی رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔[1]

(۲۳) بَابُ مَنْ رَأَى تَرْكَ النَّكِيرِ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ حُجَّةً، لَا مِنْ غَيْرِ الرَّسُولِ

باب: 23- نبی ﷺ کا کسی کام پر خاموش رہنا حجت ہے کسی دوسرے کا سکوت حجت نہیں ہے

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ عنوان تقریری سنت کے حجت ہونے کے لیے قائم کیا ہے۔ تقریری سنت سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو کوئی کام کرتے دیکھا ہو لیکن اس پر کوئی اعتراض نہ کیا ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں چند حبشی نوجوانوں کو جنگی مشق کرتے دیکھا اور اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔[2] اسی طرح آپ ﷺ نے عید کے روز چند بچیوں کو جنگی اشعار گاتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے ان پر کوئی اعتراض نہ کیا۔[3] تقریری سنت صرف رسول اللہ ﷺ کی حجت ہو سکتی ہے اور کسی کی نہیں۔ شاید امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے اجماع سکوتی کو محل نظر قرار دیا ہو۔ اجماع سکوتی سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ پیش کیا جائے تو چند اہل اجتہاد وعلماء تو اس پر متفق ہو جائیں لیکن دیگر مجتہدین اس پر خاموشی اختیار کریں اور اثباتاً یا نفیاً اس پر کوئی تبصرہ نہ کریں۔ اس قسم کا اجماع احناف کے نزدیک تو حجت ہے لیکن امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ اسے اجماع تسلیم ہی نہیں کرتے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ اجماع سکوتی کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ یہ منصب صرف رسول اللہ ﷺ کا ہے کہ کسی کام کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرنا بھی ایک قسم کی سنت ہے جسے محدثین نے تقریری سنت کا نام دیا ہے۔ واللہ أعلم.

٧٣٥٥ – حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ حُمَيْدٍ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ ابْنُ مُعَاذٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: رَأَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَحْلِفُ بِاللهِ أَنَّ ابْنَ الصَّيَّادِ الدَّجَّالُ، قُلْتُ: تَحْلِفُ بِاللهِ؟ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ عُمَرَ يَحْلِفُ عَلَى ذٰلِكَ عِنْدَ

[7355] محمد بن منکدر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ اللہ کی قسم اٹھا کر کہتے تھے کہ ابن صیاد دجال ہے۔ میں نے ان سے کہا: آپ اس بات پر اللہ کی قسم کیوں اٹھاتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ نبی ﷺ کے پاس اس بات پر قسم اٹھاتے تھے لیکن نبی ﷺ نے اس کا

---

1 صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6574. 2 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 455. 3 صحيح البخاري، العيدين، حديث: 949.

النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يُنْكِرْهُ النَّبِيُّ ﷺ.

انکار نہیں کیا تھا۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ معصوم اور خطا سے محفوظ تھے، اس لیے آپ ﷺ کا کسی کام کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرنا اس کے جواز کی دلیل ہے۔ اگر ابن صیاد دجال نہ ہوتا تو آپ ﷺ ضرور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر قسم اٹھانے سے منع کرتے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد وہ دجال نہیں جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قسم پر رسول اللہ ﷺ کا خاموش رہنا اس حقیقت کو ثابت کرتا ہے کہ ابن صیاد بھی ان دجالوں میں سے ایک دجال ہے جو قیامت سے پہلے ظاہر ہوں گے لیکن دجال اکبر کے متعلق آپ ﷺ کو یقین تھا کہ وہ علامات قیامت میں سے ہے اور قیامت کے قریب ہی ظاہر ہوگا۔ واللہ أعلم۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن اڑانا چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ وہی دجال ہے تو اس پر تم مسلط نہیں ہو سکتے اور اگر یہ وہ دجال نہیں تو اس کے قتل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔''[1] ② اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ابن صیاد کے متعلق شک تھا کہ وہ دجال ہے یا نہیں۔ ممکن ہے کہ پہلے آپ ﷺ کو یقین ہو لیکن آثار وقرائن سے بعد میں اس کے متعلق شک پڑ گیا ہو اور آپ ﷺ نے اس کی تحقیق کرنا ضروری خیال کیا۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا یقین تھا کہ وہ دجال اکبر نہیں اور اس بات کا بھی یقین تھا کہ وہ قیامت سے پہلے آنے والے تیس دجالوں میں سے ایک ہے۔ واللہ أعلم۔

(٢٤) بَابُ الْأَحْكَامِ الَّتِي تُعْرَفُ بِالدَّلَائِلِ، وَكَيْفَ مَعْنَى الدِّلَالَةِ وَتَفْسِيرُهَا؟

باب: 24- وہ احکام جو دلائل سے معلوم کیے جاتے ہیں، نیز دلالت کے معنی اور اس کی تفسیر کیا ہے؟

وَقَدْ أَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَمْرَ الْخَيْلِ وَغَيْرِهَا، ثُمَّ سُئِلَ عَنِ الْحُمُرِ فَدَلَّهُمْ عَلَى قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ [الزلزلة: ٧].

نبی ﷺ نے گھوڑوں وغیرہ کے احکام بیان کیے، پھر آپ سے گدھوں کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے اس آیت کریمہ کی طرف رہنمائی فرمائی: ''جو ذرہ برابر بھلائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔''

وَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الضَّبِّ فَقَالَ: «لَا آكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ». وَأُكِلَ عَلَى مَائِدَةِ النَّبِيِّ ﷺ الضَّبُّ. فَاسْتَدَلَّ ابْنُ عَبَّاسٍ بِأَنَّهُ لَيْسَ بِحَرَامٍ.

نبی ﷺ سے سانڈے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''میں خود اسے نہیں کھاتا لیکن اسے دوسروں کے لیے حرام بھی قرار نہیں دیتا۔'' نبی ﷺ کے دسترخوان پر سانڈا کھایا گیا، اس سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے استدلال کیا کہ وہ حرام نہیں۔

وضاحت: قرآن وحدیث کی نصوص سے احکام معلوم کرنے کے کئی ایک طریقے ہیں۔ فقہاء نے عام طور پر چار طریقوں

[1] صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1354.

کی نشاندہی کی ہے جن کی ہم تفصیل بیان کرتے ہیں: ○ نص کی عبارت ہی اس حکم کو بیان کرتی ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ''جھوٹی بات سے بچو۔''[1] اس نص کی عبارت ہی سے پتا چلتا ہے کہ جھوٹی گواہی دینا حرام ہے۔ اسے ''عبارة النص'' کہا جاتا ہے۔ ○ نص کے الفاظ میں کوئی اشارہ پایا جاتا ہو جس سے کوئی دوسرا حکم ثابت ہو جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ''آپ ان سے کام کے متعلق مشورہ کریں۔''[2] اس عبارت میں اشارہ ہے کہ امت میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو اس کی نمائندگی کرے تاکہ اس گروہ سے اہم معاملات میں مشورہ کیا جا سکے۔ اسے اشارۂ نص کہا جاتا ہے۔ ○ ایک مسئلے میں نص کا حکم کسی دوسرے حکم کی طرف ازخود رہنمائی کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''والدین کو اف تک نہ کہو۔''[3] اس حکم میں ایک دوسرے حکم کی طرف رہنمائی موجود ہے کہ والدین کو مارنا، پیٹنا بالاولی حرام ہے۔ اسے فقہی اصطلاح میں دلالت نص کہتے ہیں۔ ○ نص کے الفاظ کسی ایسے معنی کا تقاضا کریں کہ اسے تسلیم کیے بغیر نص کا مفہوم متعین نہ ہو سکے، مثلاً: قرآن میں ہے: ''تم پر تمھاری مائیں حرام ہیں۔''[4] اس تحریم سے مراد حرمت نکاح ہے۔ اسے تسلیم کیے بغیر نص کے معنی متعین نہیں ہوتے۔ اسے فقہی اصطلاح میں اقتضاء النص کہا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس عنوان سے ان احکام کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں جو دلالت نص سے ثابت ہوتے ہیں۔ دلالت کے معنی یہ ہیں کہ ایک حکم جس کے متعلق کوئی خاص نص نہیں اسے عمومی طور پر کسی منصوص چیز کے حکم میں داخل کرنا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے گدھوں کے بارے میں ارشاد فرمایا اور ایک آیت کا حوالہ دیا کہ ان کا حکم اس آیت کے عموم میں داخل ہے۔ پھر یہ دلالت کبھی شرعی ہوتی ہے اور کبھی عقلی جیسا کہ ہم آئندہ احادیث کے فوائد میں اسے بیان کریں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان سے دلالت کے معنی اور اس کی تفسیر کا ذکر کیا ہے۔ تفسیر کے معنی یہ ہیں کہ مکلف، مامور کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی تشریح کر دی جائے تاکہ وہ اس پر عمل کر سکے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث: 7357 میں لفظ توضئي کی وضاحت کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس عنوان سے پتا چلتا ہے کہ رائے کی دو قسمیں ہیں: ایک رائے مذموم جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور دوسری رائے محمود، اس سے وہ عقل و بصیرت مراد ہے جس کے ذریعے سے ہم رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال سے بذریعۂ عبارت و اشارہ احکام و مسائل ثابت کرتے ہیں۔ استنباط احکام کے اصول و ضوابط اسی کے تحت سرانجام پاتے ہیں۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ علمائے ظاہر کی حرفیت پسندی اور اسی پر جمود بہت خطرناک چیز ہے۔[5]

٧٣٥٦ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُ]: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «الْخَيْلُ لِثَلَاثَةٍ: لِرَجُلٍ أَجْرٌ، وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ، وَعَلَى رَجُلٍ وِزْرٌ. فَأَمَّا الَّذِي لَهُ أَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَأَطَالَ فِي مَرْجٍ أَوْ

[7356] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گھوڑے تین طرح کے لوگوں کے لیے ہیں: ایک شخص کے لیے ان کا رکھنا باعث ثواب ہے۔ دوسرے کے لیے پردہ پوشی کا سبب اور تیسرے کے لیے وبال جان ہیں۔ جس کے لیے وہ اجر کا باعث ہیں یہ وہ شخص ہے جس نے اسے اللہ کے راستے میں باندھے رکھا

1 الحج 22: 30. 2 آل عمران 3: 159. 3 بنيّ إسرائيل 17: 23. 4 النسآء 4: 23. 5 فتح الباري: 13/ 404.

رَوْضَةٍ، فَمَا أَصَابَتْ فِي طِيَلِهَا ذٰلِكَ الْمَرْجِ وَالرَّوْضَةِ كَانَ لَهُ حَسَنَاتٍ، وَلَوْ أَنَّهَا قَطَعَتْ طِيَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ آثَارُهَا وَأَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهُ، وَلَوْ أَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ أَنْ تُسْقَى بِهِ كَانَ ذٰلِكَ حَسَنَاتٍ لَهُ، وَهِيَ لِذٰلِكَ الرَّجُلِ أَجْرٌ. وَرَجُلٌ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَتَعَفُّفًا، وَلَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِي رِقَابِهَا وَلَا ظُهُورِهَا، فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ. وَرَجُلٌ رَبَطَهَا فَخْرًا وَرِيَاءً فَهِيَ عَلَى ذٰلِكَ وِزْرٌ»، وَسُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْحُمُرِ، قَالَ: «مَا أَنْزَلَ اللهُ عَلَيَّ فِيهَا إِلَّا هٰذِهِ الْآيَةَ الْفَاذَّةَ الْجَامِعَةَ: ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ [الزلزلة: ٧، ٨]». [راجع: ٢٣٧١].

اور اس کی رسی کو چراگاہ میں دراز کر دیا، وہ گھوڑا جس قدر چراگاہ میں گھوم پھر کر چارا کھائے گا وہ اس کے لیے نیکیاں ہوں گی۔ اور اگر اس کی رسی ٹوٹ جائے، وہ ایک یا دو بلندیاں دوڑ جائے تو اس کے قدموں کے نشانات اور اس کی لید بھی مالک کے لیے باعث اجر وثواب ہوگی۔ اور اگر وہ نہر کے پاس سے گزرے اور اس سے پانی پیے جبکہ مالک نے اسے پانی پلانے کا کوئی ارادہ بھی نہیں کیا تھا تب بھی مالک کے لیے اجر وثواب کا موجب ہوگا۔ اور جس نے اپنے گھوڑے کو اظہار بے نیازی یا اپنے بچاؤ کی غرض سے باندھا، پھر اس کی گردن اور پیٹھ کے متعلق اللہ کے حق کو بھی فراموش نہ کیا تو یہ گھوڑا اس کے لیے پردہ پوشی، یعنی اس کے لیے نہ ثواب اور نہ عذاب کا باعث ہوگا۔ تیسرا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کو فخر وریا کے لیے باندھتا ہے، وہ اس کے لیے گناہ کا سبب ہے۔" پھر رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس جامع اور نادر آیت کے علاوہ کچھ نازل نہیں فرمایا ہے: "جو کوئی ذرہ بھر بھلائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔"

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے ایک خاص چیز کے حکم کو عام کے تحت داخل فرمایا ہے۔ یہ بھی کتاب وسنت سے تمسک (دلیل پکڑنے) کی ہی ایک صورت ہے۔ ہر امر خیر کے لیے اس آیت کو بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا مطلب ہے کہ جو کوئی ان گدھوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں باندھے رکھے وہ خیر کا عامل ہے اور وہ قیامت کے دن اس خیر کی جزا دیکھ لے گا اور جو کوئی فخر وریاء اور مسلمانوں سے دشمنی کے لیے انھیں باندھتا ہے وہ شر کا عامل ہے اور اپنے اس شر کی سزا قیامت کے دن پا لے گا۔ بہرحال گدھوں کو اپنے کام کے لیے پالنا، پھر انھیں دوسروں کو بطور تعاون دینا باعث خیر وثواب ہے جیسا کہ آیت کریمہ کا تقاضا ہے۔ اسے دلالت شرعی کہا جاتا ہے۔

٧٣٥٧ - حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ صَفِيَّةَ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ

[7357] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ سے حیض کے متعلق سوال کیا کہ وہ اس

امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ. حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ - هُوَ ابْنُ عُقْبَةَ -: حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ النُّمَيْرِيُّ [الْبَصْرِيُّ] عَنْ مَنْصُورِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شَيْبَةَ: حَدَّثَتْنِي أُمِّي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتِ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْحَيْضِ، كَيْفَ تَغْتَسِلُ مِنْهُ؟ قَالَ: «تَأْخُذِينَ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَوَضَّئِينَ بِهَا»، قَالَتْ: كَيْفَ أَتَوَضَّأُ بِهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تَوَضَّئِي»، قَالَتْ: كَيْفَ أَتَوَضَّأُ بِهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تَوَضَّئِينَ بِهَا». قَالَتْ عَائِشَةُ، فَعَرَفْتُ الَّذِي يُرِيدُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَجَذَبْتُهَا إِلَيَّ فَعَلَّمْتُهَا. [راجع: ٣١٤]

سے (فراغت کے بعد) غسل کیسے کرے؟ آپ نے فرمایا: ''مشک لگا ہوا روئی کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے پاکی حاصل کر۔'' اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! اس سے کیسے پاکی حاصل کروں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس سے پاکی حاصل کر۔'' اس نے پھر عرض کی: اللہ کے رسول! میں اس سے پاکی کیسے حاصل کروں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس سے پاکی حاصل کر۔'' حضرت عائشہ ؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی منشا کو معلوم کر لیا، اس لیے میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اسے وہ طریقہ سکھا دیا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عائشہ ؓ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل و بصیرت سے رسول اللہ ﷺ کی غرض سمجھ گئیں کہ روئی کے ٹکڑے سے وضو تو نہیں ہوتا، لہٰذا اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ اسے اپنے بدن پر پھیر کر اس سے پاکی حاصل کر لے، چنانچہ ایک حدیث میں اس کی ان الفاظ میں وضاحت بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حیا کی وجہ سے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا تو حضرت عائشہ ؓ نے اسے بتایا کہ مشک (خوشبو) لگا ہوا روئی کا ٹکڑا لے کر جہاں جہاں خون کے نشانات ہیں وہاں لگا دو تاکہ ناگواری کے اثرات ختم ہو جائیں۔[1] ② سوال کرنے والی عورت کو اس بات کا علم نہ تھا کہ خون کے نشانات پر خوشبودار روئی کا ٹکڑا لگانا وضو کہلاتا ہے جبکہ اس کے ساتھ خون اور ناگواری کا ذکر ہو، رسول اللہ ﷺ نے حیاداری کی وجہ سے صراحت نہ فرمائی لیکن سیدہ عائشہ ؓ نے آپ ﷺ کی مراد کو سمجھ لیا اور اسے بتایا جس کی رسول اللہ ﷺ نے اپنی خاموشی سے تائید کر دی۔[2] اس قسم کی رہنمائی کو دلالت عقلی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ واللہ أعلم.

٧٣٥٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ أُمَّ حُفَيْدٍ بِنْتَ الْحَارِثِ بْنِ حَزْنٍ أَهْدَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ سَمْنًا وَأَقِطًا وَأَضُبًّا، فَدَعَا بِهِنَّ النَّبِيُّ ﷺ فَأُكِلْنَ عَلَى

[7358] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ام حفید بنت حارث بن حزن ؓ نے نبی ﷺ کو گھی، پنیر اور سانڈے بطور تحفہ پیش کیے۔ نبی ﷺ نے انھیں قبول فرما لیا۔ پھر آپ کے دستر خوان پر انھیں کھایا گیا لیکن نبی ﷺ نے سانڈے کو ہاتھ نہیں لگایا جیسے آپ کو وہ پسند نہ ہو۔ اگر وہ

---

1 صحيح البخاري، الحيض، حديث: 314. 2 فتح الباري: 405/13.

مَائِدَتِهِ، فَتَرَكَهُنَّ النَّبِيُّ ﷺ كَالْمُتَقَذِّرِ لَهُنَّ، وَلَوْ كُنَّ حَرَامًا مَا أُكِلْنَ عَلَى مَائِدَتِهِ، وَلَا أَمَرَ بِأَكْلِهِنَّ. [راجع: ٢٥٧٥]

حرام ہوتا تو آپ کے دسترخوان پر نہ کھایا جاتا اور نہ آپ کسی دوسرے کو کھانے کا حکم ہی دیتے۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے گھی اور پنیر تو کھایا لیکن سانڈے کو ناپسند کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔[1] ایک روایت میں ہے: ان ہدایا میں دودھ بھی تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے پی لیا، تو حضرت ابن عباس ؓ کہتے ہیں: اگر سانڈا حرام ہوتا تو آپ ﷺ کے دسترخوان پر رکھا بھی نہ جاتا۔[2] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سانڈے کے متعلق فرمایا: "میں اسے کھاتا نہیں ہوں اور نہ میں اسے حرام ہی قرار دیتا ہوں۔"[3] حضرت خالد بن ولید ؓ نے رسول اللہ ﷺ کے دسترخوان پر رکھے ہوئے سانڈے کھائے جبکہ رسول اللہ ﷺ انھیں دیکھ رہے تھے۔[4] حضرت ابن عباس ؓ نے ان قرائن و آثار سے اندازہ لگایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اگرچہ اسے طبعاً کھانا پسند نہیں فرمایا، البتہ آپ ﷺ کے سامنے کھایا گیا اور آپ ﷺ نے اس کے متعلق کچھ نہیں فرمایا، اگر یہ حرام ہوتا تو اسے رسول اللہ ﷺ کے دسترخوان پر رکھا بھی نہ جاتا، چہ جائیکہ آپ کے سامنے اسے کھایا جاتا۔ امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو دلالت شرعیہ کی مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔

٧٣٥٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا - أَوْ لِيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا - وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ». وَإِنَّهُ أُتِيَ بِبَدْرٍ - قَالَ ابْنُ وَهْبٍ: يَعْنِي طَبَقًا فِيهِ خَضِرَاتٌ مِّنْ بُقُولٍ - فَوَجَدَ لَهَا رِيحًا فَسَأَلَ عَنْهَا فَأُخْبِرَ بِمَا فِيهَا مِنَ الْبُقُولِ، فَقَالَ: «قَرِّبُوهَا»، فَقَرَّبُوهَا إِلَى بَعْضِ أَصْحَابِهِ كَانَ مَعَهُ، فَلَمَّا رَآهُ كَرِهَ أَكْلَهَا قَالَ: «كُلْ فَإِنِّي أُنَاجِي مَنْ لَّا تُنَاجِي».

[7359] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے علیحدہ رہے...... یا فرمایا: وہ ہماری مسجد سے الگ تھلگ رہے...... اور اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔" اس دوران میں آپ کے پاس ایک تھال لایا گیا جس میں ترکاریاں تھیں۔ آپ ﷺ نے اس سے بو محسوس کی تو ان کے متعلق پوچھا۔ آپ کو اس میں رکھی ہوئی سبزیوں کے متعلق بتایا گیا تو آپ نے فرمایا: "اسے صحابی کے قریب کرو جو آپ کے ہمراہ تھا، پھر وہ تھال اس کے قریب کیا گیا تو اس نے دیکھتے ہی انھیں کھانا پسند نہ کیا، جب رسول اللہ ﷺ نے اس کی ناگواری دیکھی تو فرمایا: "تم اسے کھالو کیونکہ میں جس سے سرگوشی کرتا ہوں تم اس سے نہیں کرتے۔"

وَقَالَ ابْنُ عُفَيْرٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ: بِقِدْرٍ فِيهِ

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک ہنڈیا

[1] صحيح البخاري، الهبة، حديث: 2575. [2] صحيح البخاري، الأطعمة، حديث: 5402. [3] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، حديث: 5536. [4] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، حديث: 5537.

خَضِرَاتٌ.

لائی گئی جس میں ترکاریاں تھیں۔

وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّيْثُ وَأَبُو صَفْوَانَ عَنْ يُونُسَ قِصَّةَ الْقِدْرِ، فَلَا أَدْرِي هُوَ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ أَوْ فِي الْحَدِيثِ. [راجع: ٨٥٤]

لیث اور ابوصفوان نے یونس سے (یہ روایت بیان کی لیکن) ہنڈیا کا قصہ بیان نہیں کیا۔ اب میں نہیں جانتا کہ ہنڈیا کا ذکر حدیث کا حصہ ہے یا امام زہری نے اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① لہسن اور پیاز کے حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کے کھانے اور پینے سے انسان کے منہ سے بو آئے۔ اس میں مولی، گندھنا، تمباکو، سگریٹ، تمباکو والا پان اور بیڑی وغیرہ شامل ہیں، نیز لہسن اور پیاز کچی حالت میں کھانا منع ہے، اگر انھیں پکا کر استعمال کیا جائے تو ان کی بو ختم ہو جاتی ہے، چنانچہ بعض روایات میں اس کی صراحت بیان ہوئی ہے۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بھی دلالت شرعی کے طور پر بیان کیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صحابی کو کھانے کا حکم دیا اور خود نہ کھانے کی وجہ بیان کر دی کہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے سرگوشی کرتا رہتا ہوں۔ انھیں ان کی بو سے ناگواری اور تکلیف پہنچتی ہے۔ کراماً کاتبین اس میں شامل نہیں، وہ تو ہر انسان کے ساتھ رہتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے۔ اگر یہ چیزیں حرام ہوتیں تو آپ ﷺ ان کے کھانے سے بالکل ہی منع فرما دیتے۔ واللہ أعلم.

٧٣٦٠ - حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبِي وَعَمِّي قَالَا: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ أَبِيهِ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرٍ: أَنَّ أَبَاهُ جُبَيْرَ بْنَ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ امْرَأَةً مِّنَ الْأَنْصَارِ أَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَكَلَّمَتْهُ فِي شَيْءٍ فَأَمَرَهَا بِأَمْرٍ فَقَالَتْ: أَرَأَيْتَ يَا رَسُولَ اللهِ! إِنْ لَّمْ أَجِدْكَ، قَالَ: «إِنْ لَّمْ تَجِدِينِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ».

[7360] حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ انصار قبیلے کی ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کسی چیز کے متعلق آپ سے گفتگو کی۔ آپ ﷺ نے اسے کوئی حکم دیا تو اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر میں آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ''اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ جانا۔''

زَادَ الْحُمَيْدِيُّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ: كَأَنَّهَا تَعْنِي الْمَوْتَ. [راجع: ٣٦٥٩]

حمیدی نے ابراہیم بن سعد سے یہ اضافہ بیان کیا ہے: اس خاتون کی مراد گویا آپ ﷺ کی وفات تھی۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو دوبارہ آنے کے متعلق کہا تو اس نے عرض کی: اگر آپ موجود نہ ہوں تو کیا کروں؟ گویا اس نے آپ ﷺ کے موجود نہ ہونے سے مراد آپ ﷺ کی وفات لی تھی۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو دلالت عقلی کی مثال کے طور پر پیش کیا ہے کہ جب اس نے یہ جواب دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے انداز گفتگو سے معلوم کر

---

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 854. 2 صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حديث: 3659.

لیا کہ وہ اس سے مراد میری موت لیتی ہے، اس لیے آپ ﷺ نے اسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنے کی تلقین فرمائی۔ اس میں اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے کی صراحت نہیں، البتہ زبردست قرینہ اور واضح اشارہ ضرور ہے، چنانچہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر استدلال کیا ہے۔[1] انھوں نے اس حدیث پر ''خلافت'' کا عنوان قائم کیا ہے۔ (2) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا، یہ اس اشارے کے خلاف نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے سے مراد ''نص صریح اور واضح نامزدگی'' ہے، البتہ اشارات بے شمار ہیں جن کی وضاحت ہم کتاب الأحکام میں بیان کر آئے ہیں۔ واللہ أعلم۔

(٢٥) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَا تَسْأَلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ»

باب: 25- نبی ﷺ کے فرمان: ''اہل کتاب سے دین کے متعلق کچھ نہ پوچھو'' کا بیان

وضاحت: مذکورہ عنوان حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کا حصہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک کتاب لے کر آئے جو انھیں اہل کتاب سے ہاتھ لگی تھی۔ انھوں نے جب اسے رسول اللہ ﷺ کو پڑھ کر سنایا تو آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا: ''میں تمھارے پاس ایک صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں، اس لیے تم اہل کتاب سے اپنے دین کے بارے کچھ نہ پوچھو، ممکن ہے کہ وہ صحیح بات بتائیں تم اس کی تکذیب کر دو یا وہ غلط بات بتائیں تو تم اس کی تصدیق کر دو۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر اس وقت موسیٰ (علیہ السلام) بھی آ جائیں تو وہ بھی میرا ہی اتباع کریں گے۔''[2] اگرچہ اس روایت میں کچھ ضعف ہے، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے عنوان میں رکھا ہے کہ اس کی دوسری احادیث سے تائید ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ ممانعت ان مسائل کے متعلق ہے جن کے بارے میں ہماری شریعت میں کوئی نص نہیں کیونکہ ہماری شریعت میں اس قدر وزن ہے کہ اگر نص موجود نہ ہو تو بھی غور و فکر کر کے مسئلے کا استنباط کیا جا سکتا ہے۔ اہل کتاب سے سوال کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں، ہاں ایسی باتیں جن سے ہماری شریعت کی تصدیق ہوتی ہو یا سابقہ امتوں کے متعلق معلومات کے متعلق ان سے سوال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[3] شاید امام بخاری رحمہ اللہ اس عنوان سے سابقہ شریعتوں کے احکام کے متعلق اپنا موقف بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ہاں ان کی چار قسمیں ہیں: ○ وہ احکام جن کا ذکر ہماری شریعت میں بھی ہے اور پہلی شریعتوں میں بھی وہ احکام مشروع تھے، ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان احکام پر عمل کرنا ضروری ہے جیسا کہ روزے کے متعلق ہے۔[4] ○ وہ احکام جنھیں ہماری شریعت میں بیان تو کیا گیا ہے لیکن اس وضاحت کے ساتھ کہ ہمارے لیے ان پر عمل کرنا جائز نہیں، مثلاً: سجدۂ تعظیمی اور حرمت مال غنیمت وغیرہ۔ ○ ایسے احکام جو ہماری شریعت میں نہیں، ان احکام پر بالاتفاق عمل کرنا جائز نہیں۔ ○ وہ احکام جو ہماری شریعت میں تو موجود ہیں لیکن یہ وضاحت نہیں ہے کہ ان پر عمل کرنا ہمارے لیے جائز ہے یا نہیں، مثلاً: قرآن میں ہے: ''ہم نے ان یہودیوں پر تورات میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے

1 صحيح البخاري، الأحكام، حديث: 7220. 2 مسند أحمد: 387/3. 3 فتح الباري: 408/13. 4 البقرة 2: 183.

ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور اسی طرح خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔"[1] اس کے متعلق ہمارا موقف ہے کہ ایسے احکام کی تائید ہماری شریعت سے ہو تو ان پر عمل کرنا مشروع ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کے جملہ احکام متعدد احادیث سے ثابت ہیں، اس لیے یہ احکام ہمارے لیے بھی مشروع ہیں، البتہ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان یہ ہے کہ اہل کتاب سے ہماری شریعت کے بارے میں معلومات لینے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں اور نہ سابقہ شریعتوں ہی سے دلچسپی رکھنی چاہیے۔ واللہ أعلم.

٧٣٦١ - وَقَالَ أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يُحَدِّثُ رَهْطًا مِنْ قُرَيْشٍ بِالْمَدِينَةِ، وَذَكَرَ كَعْبَ الْأَحْبَارِ فَقَالَ: إِنْ كَانَ مِنْ أَصْدَقِ هٰؤُلَاءِ الْمُحَدِّثِينَ الَّذِينَ يُحَدِّثُونَ عَنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، وَإِنْ كُنَّا - مَعَ ذٰلِكَ - لَنَبْلُو عَلَيْهِ الْكَذِبَ.

[7361] حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے، انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے سنا جبکہ وہ مدینہ طیبہ میں قریش کی ایک جماعت سے گفتگو کر رہے تھے، انھوں نے کعب احبار کا ذکر کیا اور فرمایا: وہ اہل کتاب کے محدثین میں سب سے زیادہ سچے تھے جو اہل کتاب سے روایت کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم ان کے کلام میں جھوٹ پاتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① حضرت کعب احبار اہل کتاب کے علماء اور فضلاء میں سے تھے۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمان ہوئے۔ فضلاء تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق کعب احبار اہل کتاب میں سب سے زیادہ سچے تھے لیکن اہل کتاب کے متعلق جب کوئی خبر دیتے تو بسا اوقات خطا کر جاتے تھے۔ چونکہ علمائے یہود نے تورات وغیرہ میں بہت تحریف کی ہے، اس لیے وہ تحریف شدہ خبریں دیتے تھے، اس لیے ان کی بیان کی ہوئی خبر جھوٹی ہوتی تھی۔ وہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا کرتے تھے۔ ایسے حالات میں اہل کتاب سے پوچھنے کا کیا فائدہ ہے۔ ② دور حاضر کے بعض روشن خیال مسلمان اس حدیث کو مانتے ہیں جس کی تصدیق فرنگی تہذیب، جدید سائنس یا انگریزی طب سے ہو جائے۔ ایسی تصدیق کا کیا فائدہ ہے؟ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ بات کو فوراً تسلیم کیا جائے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

٧٣٦٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ: أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَؤُونَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ، وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ، وَقُولُوا: ﴿ءَامَنَّا

[7362] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے اور مسلمانوں کے لیے عربی زبان میں اس کی تفسیر کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم نہ تو اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب ہی کرو بلکہ یوں کہو: "ہم اس چیز پر ایمان لائے جو ہم پر نازل کی گئی اور جو تم پر نازل کی گئی۔"

1 المآئدة 45:5.

بِالَّذِيٓ أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ﴾ اَلْآيَةَ».

[العنكبوت: ٤٦]. [راجع: ٤٤٨٥]

فوائد و مسائل: ① اہل کتاب کے بیان کیے ہوئے جن حقائق کی کتاب و سنت سے تائید ہوتی ہو ان کی تصدیق کرنی چاہیے اور جن کی قرآن و حدیث نے تکذیب کی ہے انھیں جھوٹا کہنا چاہیے۔ اس کے علاوہ دیگر باتوں کی تصدیق یا تکذیب نہیں کرنی چاہیے۔ ② اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اہل کتاب کی تصدیق اور تکذیب نہ کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے اس کا تقاضا ہے کہ ان سے کسی قسم کا سوال نہ کیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے: ''اگر آپ کو اس میں کچھ شک ہو جو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لیں جو آپ سے پہلے تورات پڑھتے تھے۔''[1] اس آیت سے مراد عقیدۂ توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت ہے۔ آپ ﷺ کے رسول ہونے کی بشارتیں تورات و انجیل میں موجود ہیں جو تحریف کے باوجود آج بھی مذہبی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا حکم مذکورہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔[2] واللہ أعلم.

٧٣٦٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ: أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ وَكِتَابُكُمُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ أَحْدَثُ؟ تَقْرَؤُونَهُ مَحْضًا لَمْ يُشَبْ، وَقَدْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ بَدَّلُوا كِتَابَ اللهِ وَغَيَّرُوهُ، وَكَتَبُوا بِأَيْدِيهِمُ الْكِتَابَ، وَقَالُوا: هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ، لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا، أَلَا يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ مَسْأَلَتِهِمْ؟ لَا وَاللهِ مَا رَأَيْنَا مِنْهُمْ رَجُلًا يَسْأَلُكُمْ عَنِ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ. [راجع: ٢٦٨٥]

[7363] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: تم اہل کتاب سے کسی چیز کے متعلق کیوں پوچھتے ہو، حالانکہ تمھاری کتاب جسے تم پڑھتے ہو وہ رسول اللہ ﷺ پر تازہ تازہ نازل ہوئی ہے؟ نیز یہ خالص ہے، اس میں کوئی ملاوٹ نہیں کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں بتایا ہے کہ اہل کتاب نے کتاب الٰہی کو بدل دیا ہے اور اس میں تغیر کر دیا ہے۔ انھوں نے از خود اپنے ہاتھوں سے لکھا اور کہہ دیا: یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعے سے دنیا کا تھوڑا سا مال کما لیں۔ تمھارے پاس جو علم آیا ہے وہ تمھیں ان سے پوچھنے سے منع نہیں کرتا؟ اللہ کی قسم! میں نے نہیں دیکھا کہ اہل کتاب میں سے کوئی تم سے اس کے متعلق سوال کرتا ہو جو تم پر نازل کیا گیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت ابن عباس ؓ کا مقصد یہ ہے کہ اہل کتاب تو تمھارے دین کے بارے میں تم سے نہیں پوچھتے، پھر تمھیں کیا مصیبت پڑی ہے کہ تم ان سے پوچھتے پھرتے ہو۔ تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کا سچا اور سُچا کلام قرآن کی شکل میں موجود ہے، پھر اس کی شرح حدیث کی صورت میں تمھارے پاس ہے، پھر بڑی شرم کی بات ہے کہ تم ان سے پوچھو۔ ② بہت

[1] یونس 10: 94. [2] فتح الباري: 13/408.

سے علماء نے اس حدیث کے پیش نظر تورات و انجیل اور دیگر مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنا مکروہ قرار دیا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کمزور ایمان والے لوگوں کا عقیدہ مزید خراب ہو جائے کیونکہ ان میں تحریف اور تبدیلی ہوئی ہے۔ لیکن جس شخص کو یہ خطرہ نہ ہو اور اہل کتاب سے بحث مباحثہ کرنا چاہے اور اسلام پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کا جواب دینا مقصود ہو تو اس کے لیے بائبل کا مطالعہ کرنا مکروہ نہیں بلکہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں باعث اجر وثواب ہوگا۔ واللہ أعلم.

(٢٦) بَابُ كَرَاهِيَةِ الْاِخْتِلَافِ

باب: 26- (احکام شرع میں) اختلاف اور جھگڑا کرنے کی کراہت کا بیان

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں باہمی اتحاد و اتفاق کی دعوت دی ہے۔ اسے ثابت کرنے کے لیے انھوں نے ٹھوس اور خاموش دلائل کے انبار لگا دیے ہیں۔ قرآن و حدیث میں مختلف انداز سے اتحاد امت کی منفعت کو بیان کیا گیا ہے اور اختلاف و افتراق کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ کسی بھی قوم کا دنیا میں باوقار زندگی گزارنے کے لیے متحد و متفق ہونا انتہائی ضروری ہے، مگر افسوس کہ اسلام کی واضح تعلیمات کے باوجود یہ امت مسلمہ مختلف فرقوں میں بٹ گئی اور ہر فرقے نے اپنے اپنے انفرادی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے پوری کوششیں صرف کر دیں، پھر مختلف گروہوں میں محاذ آرائی شروع ہوگئی۔ اس اختلاف کو برقرار رکھنے کے لیے ایک حدیث کا سہارا لیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت کا اختلاف باعث رحمت ہے۔“ اس خود ساختہ حدیث کی سند تلاش بسیار کے باوجود ہمیں نہیں مل سکی۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں: مجھے اس حدیث کی صحیح ضعیف یا موضوع کسی قسم کی کوئی سند نہیں مل سکی۔[1] علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے۔[2] پھر یہ حدیث بے اصل ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کے بھی مخالف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔“[3] مزید فرمایا: ”ان مشرکین کی طرح مت ہو جاؤ جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ گروہوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے۔“[4] ④ اللہ تعالیٰ نے پیش گوئی کے طور پر فرمایا: ”وہ لوگ اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ لوگ جن پر تیرے رب نے رحم کیا (وہ اس سے محفوظ رہیں گے۔“)[5] جب قرآن کی وضاحت کے مطابق وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا ہے اختلاف نہیں کرتے بلکہ اختلاف اہل باطل کرتے ہیں تو پھر یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس امت کا اختلاف باعث رحمت ہے؟ اس مذہبی اختلاف کا یہ نتیجہ نکلا کہ مرکز اسلام بیت اللہ کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، چنانچہ نویں صدی ہجری کے اوائل میں فرج بن برقوق نامی حاکم نے وہاں چار مصلے قائم کر دیے جہاں چاروں مذاہب کے امام باری باری نماز پڑھاتے تھے۔ یہ نادیدنی صورت حال مسلسل باقی اور قائم رہی یہاں تک کہ سعودی حکومت نے اس بدترین بدعت کا خاتمہ کیا۔ الحمد للہ رب العالمین۔ افسوس کہ بعض مقلدین نے اس مسلکی اختلاف کو اس سے بھی زیادہ سنگین بنا دیا، جب حنفی فقہاء نے یہ فتویٰ دیا کہ حنفی عورت کا شافعی مرد سے شادی کرنا جائز نہیں، البتہ شافعی عورت سے

---

1 فيض القدير للمناوي: 1/309. 2 سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، رقم: 57. 3 الأنفال 8: 46. 4 الروم 30: 31، 32. 5 هود 11: 118، 119.

حنفی مرد شادی کر سکتا ہے۔[1] اس جواز کی علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ شافعی عورت اہل کتاب کی عورتوں کی طرح ہے۔[2] مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ کتاب و سنت کو فیصلہ کن اتھارٹی قرار دیتا ہے لیکن مسلکی اختلاف نے اس کے برعکس کیا اور تقلیدی مذہب کو اصل اور کتاب و سنت کو قانونی حیثیت دی جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے واضح ہے۔ خریدنے اور بیچنے والے کے لیے خیار مجلس ایک مشہور مسئلہ ہے۔ امام شافعی اور محدثین کرام ؒ خیار مجلس کے قائل ہیں لیکن حنفی مسلک کے ایک ترجمان نے لکھا ہے: حق و انصاف کا تقاضا ہے کہ اس مسئلے میں امام شافعی کے مسلک کو ترجیح حاصل ہے لیکن ہم مقلد ہیں، اس لیے ہم پر اپنے امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب ہے۔[3] اسے کہتے ہیں۔ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ واللہ المستعان. قرآن کریم کے تین مقامات پر یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ شیر خوار بچوں کو دو سال تک دودھ پلایا جائے لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی تفسیر عثمانی میں لکھتے ہیں: دودھ چھڑانے کی مدت جو یہاں دو سال بیان ہوئی باعتبار غالب اور اکثری عادت کے ہے۔ امام ابو حنیفہ جو اکثر مدت ڈھائی سال بتاتے ہیں ان کے پاس کوئی اور دلیل ہوگی۔ جمہور کے نزدیک دو ہی سال ہیں۔[4] واللہ اعلم۔ وہ دلیل کہاں ہے جو قرآن کے خلاف پائی جاتی ہے؟ ابھی تک وہ ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی۔ واللہ المستعان. شیخ احمد سرہندی نے خواجہ محمد پارسا کی فصول ستہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد امام اعظم ؒ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے۔[5] کاش! ہم کتاب و سنت پر عمل کرنے کا عہد کر لیں اور اس اختلاف و انتشار کو بالائے طاق رکھ دیں۔

٧٣٦٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سَلَّامِ بْنِ أَبِي مُطِيعٍ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اقْرَؤُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوبُكُمْ، فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ».

[7364] حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تک تمھارے دل ملے رہیں قرآن کریم پڑھو اور جب تم میں اختلاف ہو جائے تو اس سے اٹھ کھڑے ہو۔“

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: سَمِعَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ سَلَّامًا. [راجع: ٥٠٦٠]

ابو عبداللہ (امام بخاری ؒ) نے فرمایا: عبدالرحمٰن نے (راوی حدیث) سلام بن ابو مطیع سے سنا ہے۔

٧٣٦٥ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ عَنْ جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اقْرَؤُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ، فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ».

[7365] حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قرآن پڑھتے رہو جب تک تمھارے دل اس پر لگے رہیں اور جب اختلاف ہو جائے تو اس سے کھڑے ہو جاؤ۔“

---

1 فتاویٰ بزازیہ برحاشیہ عالمگیری: 112/3. 2 البحر الرائق شرح كنز الدقائق 3 تقرير ترمذي، ص: 36. 4 تفسير عثماني، ص: 548. سورۂ لقمان آیت: 14 حاشیہ: 10. 5 مکتوبات اردو، ص: 585. مکتوبات: 282.

قَالَ أَبُو عَبْدِاللهِ: وَقَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ هَارُونَ الْأَعْوَرِ: حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ، عَنْ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٥٠٦٠]

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) نے کہا: یزید بن ہارون واسطی نے ہارون اعور سے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہم سے ابوعمران نے حضرت جندب ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں ہمیں اختلاف سے ڈرایا گیا ہے اور اس کی نحوست سے آگاہ کیا گیا ہے کہ اس کی موجودگی میں قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی خیر وبرکت سے محرومی ہو سکتی ہے کہ جب کوئی شبہ پیدا ہو اور کسی اختلاف کا خطرہ ہو تو اس وقت قراءت ختم کر کے قرآن سے علیحدہ ہو جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ کی مراد اختلاف سے ڈرانا ہے۔ قراءت سے منع کرنا مقصود نہیں کیونکہ قرآن مجید پڑھنے پر امت کا اجماع ہے، خواہ اسے سمجھے یا نہ سمجھے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اختلاف کے وقت قرآن پڑھنا حرام ہے۔ آپ ﷺ نے قرآن کریم کے ساتھ محبت کا حکم دیا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس کے سامنے جھک جائے اور اسے اپنی زندگی کا محور قرار دے لے، نیز آپ ﷺ نے اختلاف سے ڈرایا ہے کیونکہ یہ تباہی اور ہلاکت کا راستہ ہے۔

٧٣٦٦ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمَّا حُضِرَ النَّبِيُّ ﷺ، قَالَ: وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيهِمْ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ، قَالَ: «هَلُمَّ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ»، قَالَ عُمَرُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ غَلَبَهُ الْوَجَعُ، وَعِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ، فَحَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ. وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْبَيْتِ اخْتَصَمُوا، فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ: قَرِّبُوا يَكْتُبْ لَكُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ مَا قَالَ عُمَرُ، فَلَمَّا أَكْثَرُوا اللَّغَطَ وَالِاخْتِلَافَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «قُومُوا عَنِّي».

[7366] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا تو گھر میں بہت سے صحابۂ کرام موجود تھے۔ ان میں حضرت عمر بن خطاب ؓ بھی تھے۔ (اس وقت) آپ ﷺ نے فرمایا: ''آؤ، میں تمھارے لیے ایک تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔'' حضرت عمر ؓ نے کہا: نبی ﷺ اس وقت تکلیف میں مبتلا ہیں، تمھارے پاس قرآن موجود ہے اور ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔ گھر کے لوگوں میں بھی اختلاف ہو گیا اور وہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ کچھ کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ کے قریب (لکھنے کا سامان) کر دو، وہ تمھارے لیے ایسی تحریر لکھ دیں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے اور کچھ حضرات نے وہی بات کہی جو حضرت عمر ؓ کہہ چکے تھے۔ جب نبی ﷺ کے پاس شور وغل اور اختلاف زیادہ ہو گیا تو آپ نے فرمایا: ''میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔''

قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ: إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللهِ ﷺ

حضرت ابن عباس ؓ کہا کرتے تھے: سب سے بھاری مصیبت تو یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ اور اس نوشت لکھوانے

وَبَيْنَ أَنْ يَكْتُبَ لَهُمْ ذٰلِكَ الْكِتَابَ مِنِ اخْتِلَافِهِمْ وَلَغَطِهِمْ. [راجع: ١١٤]

کے درمیان اختلاف اور جھگڑا حائل ہوا۔

فائدہ: جب لوگ بار بار اصرار کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے چھوڑ دو، میں جس حالت میں ہوں، اس حالت سے بہتر ہوں جس کی تم مجھے دعوت دیتے ہو۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ نبی ﷺ کے پاس اختلاف اور جھگڑا کرنا اچھا نہیں۔“ یہ جمعرات کے دن کا واقعہ ہے۔[1] آپ ﷺ کی وفات پیر کے دن ہوئی۔ آپ ﷺ چھ دن اس واقعے کے بعد زندہ رہے بلکہ آپ ﷺ نے اس وقت جزیرۂ عرب سے مشرکین کو نکال دینے کا حکم دیا اور باہر سے آنے والے مہمانوں کی خاطر و مدارات کرنے کا حکم بھی جاری فرمایا۔[2] اگر تحریر کا معاملہ اتنا ہی اہم اور ضروری ہوتا تو آپ ﷺ اسے لکھوا سکتے تھے لیکن آپ ﷺ نے دوبارہ اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ دراصل رسول اللہ ﷺ نے اس وقت جھگڑے، شور و غل اور باہمی اختلاف کو دیکھ کر اپنا ارادہ بدل دیا جو عین منشائے الٰہی کے مطابق ہوا۔ اس کے بعد امر خلافت کے متعلق جو کچھ ہوا وہ بھی عین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے مطابق ہوا۔ آثار و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق کچھ تحریر کرانا تھا۔ واللّٰہ أعلم. حدیث اور عنوان میں مطابقت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپس میں اختلاف اور جھگڑے کو پسند نہیں فرمایا۔

(٢٧) بَابُ نَهْيِ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى التَّحْرِيمِ إِلَّا مَا تُعْرَفُ إِبَاحَتُهُ وَكَذٰلِكَ أَمْرُهُ نَحْوَ قَوْلِهِ، حِينَ أَحَلُّوا: «أَصِيبُوا مِنَ النِّسَاءِ»

باب: 27- نبی ﷺ کسی کام سے منع کر دیں تو وہ حرام ہوگا مگر جس کا حلال اور جائز ہونا دوسرے دلائل سے معلوم ہو جائے، اسی طرح آپ جس کام کے کرنے کا حکم دیں (اسے کرنا ضروری ہوتا ہے مگر جب قرینہ اس کے خلاف ہو) جیسے (حجۃ الوداع کے موقع پر) صحابۂ کرام نے جب احرام کھول ڈالے تھے، آپ ﷺ کا انھیں فرمانا: ”تم اپنی بیویوں کے پاس جاؤ“

وَقَالَ جَابِرٌ: وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْهِمْ، وَلٰكِنْ أَحَلَّهُنَّ لَهُمْ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ ﷺ نے اپنے صحابہ پر اس کا کرنا ضروری قرار نہیں دیا تھا بلکہ اسے صرف حلال کیا تھا۔

وَقَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ: نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ،

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہمیں جنازے کے

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4431. 2 صحيح البخاري، الجزية والموادعة، حديث: 3168.

وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْنَا. ساتھ جانے سے منع کیا گیا تھا لیکن اس سلسلے میں ہم پر سختی نہیں کی گئی۔

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ اصل میں امر وجوب کے لیے اور نہی تحریم کے لیے ہے مگر جہاں قرائن اور دوسرے دلائل سے معلوم ہو جائے کہ وجوب یا تحریم مقصود نہیں تو وہاں امر اباحت کے لیے اور نہی کراہت کے لیے ہو سکتی ہے۔ احرام کی پابندی سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''تم اپنی عورتوں سے صحبت کرو۔'' آثار و قرآئن سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ صرف اباحت کے لیے تھا، اسی طرح عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے کی نہی بھی تحریم کے لیے نہیں بلکہ کراہت کے لیے تھی۔ دراصل عربی زبان میں امر کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اگرچہ اس کی اصل وضع اور بناوٹ وجوب کے لیے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ ''نماز قائم کرو۔''[1] یہ امر وجوب کے لیے ہے، تاہم اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو اس کے اصل معنی سے پھیرا جا سکتا ہے، مثلاً: ○ جواز کے لیے: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا﴾ ''(سحری کرتے وقت) کھاؤ اور پیو۔''[2] ○ استحباب کے لیے: ﴿إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾ ''اور جب تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔''[3] ○ تہدید کے لیے: ﴿اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ﴾ ''جو چاہو کرو۔''[4] ○ بے بسی ظاہر کرنے کے لیے: ﴿فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾ ''اس جیسی ایک سورت لے آؤ۔''[5] ○ دعا کے لیے: ﴿أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا﴾ ''اے ہمارے رب! ہمیں صبر کی توفیق دے۔''[6] اسی طرح اگر صیغۂ نہی مطلق طور پر آئے تو تحریم کے لیے ہے، جیسے: ﴿وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ﴾ ''تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔''[7] اسے کسی قرینے کے وقت تحریم سے پھیرا بھی جا سکتا ہے، مثلاً: ○ کراہت کے لیے: ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ ''اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر انھیں ظاہر کر دیا جائے تو وہ تمھیں رنجیدہ کریں۔''[8] ○ دعا کے لیے: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا﴾ ''اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرما۔''[9] سب سے واضح قرینہ جس سے پتا چلتا ہے کہ امر کے صیغے کے ساتھ آنے والا حکم جواز کے لیے ہے کہ وہ اس وقت آئے جب اس سے پہلے ممانعت آ رہی ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ ''جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو۔''[10] رسول اللہ کے اوامر ونواہی کے متعلق مندرجہ ذیل آیت کریمہ بنیادی حیثیت رکھتی ہے: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ''جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انھیں اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں یا انھیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے۔''[11] یہ آیت امر اور نہی دونوں کو شامل ہے اور مذکورہ وعید حرمت کے لیے ہے، یعنی امر اور نہی دونوں کے لیے یہ وعید ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں دو واقعات کا حوالہ دیا ہے: ایک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا جو امتناعی حکم سے پہلے جواز تھا۔ یہ قرینہ ہے کہ نہی کے اختتام پر جواز کے لیے ہوگا لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواز کے معنی کی تاکید کی ہے اور حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے واقعے میں اباحت کے بعد نہی آئی ہے جو بظاہر تحریم کے لیے ہے لیکن

---

[1] البقرة 2:43. [2] البقرة 2:187. [3] البقرة 2:282. [4] حٰم السجدة 41:40. [5] البقرة 2:23. [6] الأعراف 7:126.
[7] البقرة 2:221. [8] المائدة 5:101. [9] آل عمران 3:8. [10] المائدة 5:2. [11] النور 24:63.

ام عطیہ ؓ نے اس کی وضاحت فرما دی کہ یہ نہی تحریم کے لیے نہ تھی اور صحابی ہی اپنے رسول ﷺ کی مراد کو خوب جانتا ہے۔[1]

٧٣٦٧ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: قَالَ عَطَاءٌ: وَقَالَ جَابِرٌ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ فِي أُنَاسٍ مَعَهُ قَالَ: أَهْلَلْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الْحَجِّ خَالِصًا، لَيْسَ مَعَهُ عُمْرَةٌ. قَالَ عَطَاءٌ: قَالَ جَابِرٌ: فَقَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ صُبْحَ رَابِعَةٍ مَضَتْ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ، فَلَمَّا قَدِمْنَا أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نَحِلَّ، وَقَالَ: «أَحِلُّوا وَأَصِيبُوا مِنَ النِّسَاءِ».

[7367] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام نے صرف حج کا احرام باندھا، اس کے ساتھ عمرے کی نیت نہ تھی۔ نبی ﷺ ذوالحجہ کی چار تاریخ کو مکہ مکرمہ تشریف لائے تو ہمیں آپ نے حکم دیا کہ ہم حج کا احرام کھول دیں اور فرمایا: ”تم حج کا احرام کھول دو اور اپنی بیویوں کے پاس جاؤ۔“

قَالَ عَطَاءٌ: قَالَ جَابِرٌ: وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْهِمْ، وَلٰكِنْ أَحَلَّهُنَّ لَهُمْ، فَبَلَغَهُ أَنَّا نَقُولُ: لَمَّا لَمْ يَكُنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَرَفَةَ إِلَّا خَمْسٌ أَمَرَنَا أَنْ نَحِلَّ إِلٰى نِسَائِنَا فَنَأْتِيَ عَرَفَةَ تَقْطُرُ مَذَاكِيرُنَا الْمَذْيَ؟ قَالَ: وَيَقُولُ جَابِرٌ بِيَدِهِ هٰكَذَا، وَحَرَّكَهَا، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «قَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي أَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَصْدَقُكُمْ وَأَبَرُّكُمْ، وَلَوْلَا هَدْيِي لَحَلَلْتُ كَمَا تَحِلُّونَ، فَحِلُّوا، فَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا أَهْدَيْتُ». فَحَلَلْنَا وَسَمِعْنَا وَأَطَعْنَا. [راجع: ١٥٥٧]

حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ حضرت جابر ؓ نے فرمایا: آپ نے بیویوں سے جماع کرنا ان پر واجب نہیں کیا تھا، صرف عورتوں کو ان پر حلال کیا تھا، پھر آپ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ ہم لوگ کہتے ہیں: جب ہمارے اور عرفہ کے درمیان صرف پانچ دن باقی رہ گئے ہیں تو آپ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنی عورتوں کے پاس جائیں، اس حالت میں جب ہم عرفہ جائیں گے تو ہماری شرمگاہوں سے منی ٹپک رہی ہوگی۔ حضرت جابر ؓ اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کرتے تھے اور اسے حرکت دیتے تھے۔ تب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ”تمھیں معلوم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ سچا اور نیک ہوں۔ اگر میرے پاس قربانی نہ ہوتی تو میں بھی احرام کھول دیتا جیسا کہ تم نے کھول دیے ہیں، لہٰذا تم مکمل طور پر حلال ہو جاؤ۔ اگر مجھے وہ بات پہلے معلوم ہو جاتی جو

[1] فتح الباري: 413/13.

بعد میں معلوم ہوئی ہے تو میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا۔"
پھر ہم احرام کھول کر (پوری طرح) حلال ہو گئے، ہم نے
آپ کی بات سنی اور آپ کی اطاعت کی۔

فائدہ : اس حدیث کی عنوان سے مناسبت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کو بیویوں کے پاس جانے کا حکم دینا وجوب کے لیے نہ تھا جیسا کہ حضرت جابر ؓ خود کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم ہم پر واجب نہیں کیا تھا، البتہ عورتوں کو ان کے شوہروں کے لیے حلال کیا تھا کہ وہ اگر اپنی بیویوں سے جماع کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ یہ ان پر حرام نہیں کیونکہ یہ پابندی صرف احرام کی وجہ سے تھی، جب احرام کھول دیا گیا تو پابندی بھی ختم ہو گئی اور یہ حکم پہلی حالت پر آ گیا، یعنی جس طرح احرام سے پہلے بیویوں سے ہم بستری کرنا جائز تھا، اسی طرح احرام کھول دینے کے بعد بھی حکم جواز کا ہی رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو بیویوں کے پاس جانے کا حکم دیا تھا اس سے صرف حلال ہونے میں مبالغہ مقصود تھا کیونکہ بیویوں سے جماع کرنا حج کو خراب کر دیتا ہے جبکہ احرام کی دوسری پابندیاں حج کو خراب نہیں کرتیں، اس لیے آپ ﷺ نے اسے پرزور انداز میں بیان فرمایا۔

٧٣٦٨ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ الْمُزَنِيُّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ»، قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: «لِمَنْ شَاءَ» خَشْيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً». [راجع: ١١٨٣]

[7368] حضرت عبداللہ مزنی ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "نماز مغرب سے پہلے نماز پڑھو۔" تیسری مرتبہ فرمایا: "یہ اس کے لیے جو پڑھنا چاہے۔" کیونکہ آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ لوگ اسے لازمی سنت بنا لیں۔

فوائد و مسائل: ① دراصل امر کا صیغہ وجوب کے لیے ہوتا ہے بشرطیکہ کوئی ایسا قرینہ حائل نہ ہو جو اسے وجوب سے پھیر دے۔ اگر وہاں کوئی قرینہ صارفہ پایا گیا تو اس وقت اپنی وضع اور بناوٹ سے ہٹ کر وجوب کے لیے نہیں رہتا جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ حکم دیا کہ نماز مغرب سے پہلے نماز پڑھو، تیسری مرتبہ جو پڑھنا چاہے، فرمایا۔ یہ الفاظ ایک ایسا قرینہ ہے جو اس حکم کو وجوب سے پھیر رہا ہے۔ اس میں کھلا اشارہ ہے کہ مغرب سے پہلے دو نفل ادا کرنا ضروری نہیں، لیکن اس کے باوجود لوگ بکثرت پڑھتے تھے، چنانچہ حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ مدینہ طیبہ میں جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا تو ہم سب لوگ ستونوں کی طرف دوڑتے اور دو رکعت پڑھتے۔ لوگ اس کثرت سے دو رکعت پڑھتے کہ اجنبی انسان گمان کرتا کہ مغرب کی جماعت ہو چکی ہے۔[1] حضرت مرثد بن عبداللہ، حضرت عقبہ ؓ کے پاس آئے اور کہا: یہ عجیب بات نہیں کہ ابوتمیم مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھتے ہیں؟ حضرت عقبہ ؓ نے فرمایا: ہم بھی رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں پڑھتے تھے۔ اس نے پوچھا: اب کیوں نہیں پڑھتے؟ فرمایا: مصروفیت کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتے۔[2] حضرت انس ؓ ہی سے مروی ہے کہ ہم غروب آفتاب کے بعد دو رکعت ادا کرتے اور رسول اللہ ﷺ ہمیں دیکھ رہے ہوتے، نہ تو آپ ﷺ ہمیں اس کا

1 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1939 (837)، 2 صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1184.

حکم دیتے اور نہ اس سے منع ہی کرتے تھے۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ اصل میں امر وجوب کے لیے ہوتا ہے لیکن اگر امر سے پھیرنے والا کوئی قرینہ آ جائے تو وجوب سے ہٹ جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے [لِمَنْ شَاءَ] فرما کر اس وجوب کو ختم کیا۔ واللہ أعلم.

(۲۸) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ [الشورى: ٣٨] ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ [آل عمران: ١٥٩]

باب: 28- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور ان (مسلمانوں) کا کام آپس میں مشورہ کرنا ہے'' نیز: ''آپ معاملات میں ان (صحابہ) سے مشورہ کرلیا کریں'' کا بیان

وَإِنَّ الْمُشَاوَرَةَ قَبْلَ الْعَزْمِ وَالتَّبَيُّنِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ [آل عمران: ١٥٩] فَإِذَا عَزَمَ الرَّسُولُ ﷺ لَمْ يَكُنْ لِبَشَرٍ التَّقَدُّمُ عَلَى اللهِ وَرَسُولِهِ.

مشورہ کسی کام کے پختہ ارادے اور اس کے طے کرنے سے پہلے لینا چاہیے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جب آپ عزم کرلیں تو پھر اللہ پر توکل کریں۔'' جب رسول اللہ ﷺ کسی کام کا پختہ ارادہ کرلیں تو کسی بندۂ بشر کو حق حاصل نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھے۔

وَشَاوَرَ النَّبِيُّ أَصْحَابَهُ يَوْمَ أُحُدٍ فِي الْمُقَامِ وَالْخُرُوجِ، فَرَأَوْا لَهُ الْخُرُوجَ، فَلَمَّا لَبِسَ لَأْمَتَهُ وَعَزَمَ قَالُوا: أَقِمْ، فَلَمْ يَمِلْ إِلَيْهِمْ بَعْدَ الْعَزْمِ وَقَالَ: «لَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ يَلْبَسُ لَأْمَتَهُ فَيَضَعُهَا حَتَّى يَحْكُمَ اللهُ».

اور نبی ﷺ نے جنگ اُحد کے دن اپنے اصحاب سے مشورہ لیا کہ مدینہ طیبہ میں رہ کر لڑیں یا باہر نکل کر جنگ کریں تو انھوں نے باہر نکل کر لڑائی کا مشورہ دیا، پھر جب آپ نے زرہ پہن لی اور باہر نکل کر لڑنا طے کرلیا تو کچھ صحابہ نے کہا: مدینہ ہی میں رہنا اچھا ہے۔ آپ نے ان کی بات کو قابل توجہ خیال نہ کیا کیونکہ آپ ایک بات طے کر چکے تھے، آپ نے فرمایا: ''جب پیغمبر تیار ہو کر زرہ پہن لے تو اب اللہ کے فیصلے کے بغیر اسے اتار نہیں سکتا۔''

وَشَاوَرَ عَلِيًّا وَأُسَامَةَ فِيمَا رَمَى بِهِ أَهْلُ الْإِفْكِ عَائِشَةَ، فَسَمِعَ مِنْهُمَا حَتَّى نَزَلَ الْقُرْآنُ فَجَلَدَ الرَّامِينَ، وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَى تَنَازُعِهِمْ وَلَٰكِنْ حَكَمَ بِمَا أَمَرَهُ اللهُ.

اور آپ ﷺ نے اس بہتان کے متعلق جو صدیقہ کائنات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگایا گیا تھا حضرت علی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا اور ان کی رائے سنی یہاں تک کہ صدیقہ کائنات کی براءت میں قرآن نازل ہوا تو

---

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1938 (838).

بہتان لگانے والوں کو کوڑے مارے۔ حضرت علی اور حضرت اسامہ ؓ میں جو اختلاف رائے تھا اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی بلکہ آپ نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

وَكَانَتِ الْأَئِمَّةُ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَشِيرُونَ الْأُمَنَاءَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْأُمُورِ الْمُبَاحَةِ لِيَأْخُذُوا بِأَسْهَلِهَا، فَإِذَا وَضَحَ الْكِتَابُ أَوِ السُّنَّةُ لَمْ يَتَعَدَّوْهُ إِلَى غَيْرِهِ اقْتِدَاءً بِالنَّبِيِّ ﷺ.

نبی ﷺ کی وفات کے بعد تمام حکمران جائز کاموں میں دیانت دار اہل علم سے مشورہ لیا کرتے تھے تاکہ جو کام آسان ہو اس کو اختیار کریں، پھر جب ان کو قرآن وحدیث سے کوئی حکم مل جاتا تو اس کے خلاف کسی کی نہ سنتے تھے کیونکہ نبی ﷺ کی پیروی سب پر مقدم ہے۔

وَرَأَى أَبُو بَكْرٍ قِتَالَ مَنْ مَنَعَ الزَّكَاةَ، فَقَالَ عُمَرُ: كَيْفَ تُقَاتِلُ؟ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَإِذَا قَالُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا»، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ مَا جَمَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ تَابَعَهُ بَعْدُ عُمَرُ، فَلَمْ يَلْتَفِتْ أَبُو بَكْرٍ إِلَى مَشُورَةٍ إِذْ كَانَ عِنْدَهُ حُكْمُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي الَّذِينَ فَرَّقُوا بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، وَأَرَادُوا تَبْدِيلَ الدِّينِ وَأَحْكَامِهِ. وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ».

حضرت ابوبکر ؓ نے زکاۃ نہ دینے والوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر ؓ نے کہا: آپ ان لوگوں سے کیونکر جنگ کریں گے؟ جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں۔ جب انھوں نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا تو انھوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو مجھ سے بچا لیا سوائے حقوق اسلام کے۔'' حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے ضرور جنگ کروں گا جنھوں نے اس امر میں تفریق کی جس کو رسول اللہ ﷺ نے جمع کیا ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت عمر ؓ کی رائے بھی ان کے موافق ہو گئی، چنانچہ حضرت ابوبکر ؓ نے حضرت عمر کے مشورے کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی کیونکہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا حکم موجود تھا کہ جو لوگ نماز اور زکاۃ میں فرق کریں اور دین کے احکام وارکان کو بدل ڈالیں ان سے لڑنا چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اسے قتل کر دو۔''

وَكَانَ الْقُرَّاءُ أَصْحَابَ مَشُورَةِ عُمَرَ كُهُولًا كَانُوا أَوْ شُبَّانًا، وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللهِ

حضرت عمر ؓ کی مجلس مشاورت میں وہ لوگ شامل تھے جو قرآن کریم کے قاری اور عالم تھے، خواہ وہ جوان ہوں

عَزَّ وَجَلَّ.

یا بوڑھے لیکن حضرت عمر جہاں اللہ کا حکم سنتے وہاں ٹھہر جاتے (اس کے مطابق عمل کرتے، اس کے خلاف کسی کا مشورہ نہ سنتے)۔

وضاحت: امام بخاری نے کتاب الاعتصام کے آخر میں مشاورت کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کیا ہے۔ انھوں نے اس سلسلے میں چند رہنما اصول بیان کیے ہیں جنھیں ہم اختصار سے بیان کرتے ہیں: ○ مشورہ صرف ایسے کاموں میں کیا جائے جن کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق کتاب وسنت میں کوئی واضح حکم نہ ہو کیونکہ قرآن وحدیث کی صریح نصوص میں مشورے کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہمارے پارلیمانی نظام میں یہی خرابی ہے کہ شراب کی حرمت کا آرڈیننس اس وقت جاری ہوگا جب پارلیمنٹ اسے پاس کرے گی، پھر صدر محترم اس کی اجازت دے گا، جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے ان کے محتاج نہیں ہیں۔ ○ انسان کو دینی اور دنیاوی کاموں میں اپنی انفرادی رائے پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایسا کرنا تباہی کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے، لہٰذا ہر کام میں صاحب بصیرت علماء اور تجربہ کار فضلاء سے مشورہ لینا چاہیے۔ ○ بعض آدمی مشورہ لیتے لیتے اپنی قوت فیصلہ ختم کر بیٹھتے ہیں۔ ایسے آدمیوں کو چاہیے کہ وہ کسی کام کا عزم اور مقصود کی وضاحت سے پہلے مشورہ کریں، پھر جب ایک کام کرنے کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اسے کر گزرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عزم وارادے پر توکل اور بھروسے کو مرتب کیا ہے۔ ○ جب مشورہ کرنے کے بعد کوئی کام طے ہو جائے تو پھر کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ اس کے خلاف کوئی بات کرے یا مشورہ دے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن اپنے صحابۂ کرام ﷺ سے مشورہ لیا، جب باہر نکل کر جنگ کرنے کا عزم اور پختہ ارادہ کر لیا گیا اور آپ ﷺ نے سامان حرب ساتھ لے لیا تو کچھ صحابۂ کرام نے مدینے میں رہنے کا مشورہ دیا تو آپ ﷺ نے ان کی بات نہ مانی اور ان کی رائے مسترد کر دی۔ ○ مسلمانوں سے رائے لینے کے بعد بھی حاکم اس بات کا مجاز ہے کہ وہ ان کی بات مسترد کر دے کیونکہ مشورہ کرنے سے کسی کام کو آسانی سے سرانجام دینے کا راستہ کھل جاتا ہے۔ وقت کا حکمران مجلس مشاورت کا پابند نہیں بلکہ اسے اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرنے کا پورا پورا حق رہتا ہے۔ ○ مجلس مشاورت میں صرف ان لوگوں کو شامل کیا جائے جو امت کی اصلاح کے لیے دھڑکتا ہوا دل رکھتے ہوں، صاحب علم اور تجربہ کار ہوں۔ گہری بصیرت کے حامل اور سوچ بچار کی صلاحیت رکھنے والے ہوں، اس میں عمر وغیرہ کا کوئی اعتبار نہیں ہونا چاہیے۔ بہرحال امام بخاری نے اس سلسلے میں راہنما اصول بتائے ہیں اور اس سلسلے میں انھوں نے جتنی روایات کا حوالہ دیا ہے وہ سب متصل سند سے مروی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر عمل کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین.

٧٣٦٩ - حَدَّثَنَا الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ وَابْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدُ اللهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا حِينَ قَالَ لَهَا

[7369] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ جب تہمت لگانے والوں نے ان پر تہمت لگائی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت اسامہ بن زید ؓ کو بلایا۔ اس وقت واقعۂ افک کے متعلق کوئی وحی نہیں آئی

أَهْلُ الْإِفْكِ قَالَتْ: وَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلِيَّ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ وَّأُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمَا حِينَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ يَسْأَلُهُمَا وَهُوَ يَسْتَشِيرُهُمَا فِي فِرَاقِ أَهْلِهِ، فَأَمَّا أُسَامَةُ فَأَشَارَ بِالَّذِي يَعْلَمُ مِنْ بَرَاءَةِ أَهْلِهِ، وَأَمَّا عَلِيٌّ فَقَالَ: لَمْ يُضَيِّقِ اللهُ عَلَيْكَ، وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيرٌ، وَسَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ، فَقَالَ: «هَلْ رَّأَيْتِ مِنْ شَيْءٍ يَّرِيبُكِ؟» قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ أَمْرًا أَكْثَرَ مِنْ أَنَّهَا جَارِيَةٌ حَدِيثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنْ عَجِينِ أَهْلِهَا، فَتَأْتِي الدَّاجِنُ فَتَأْكُلُهُ، فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: «يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! مَنْ يَّعْذِرُنِي مِنْ رَّجُلٍ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِي؟ وَاللهِ مَا عَلِمْتُ عَلَى أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا»، فَذَكَرَ بَرَاءَةَ عَائِشَةَ. وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ. [راجع: ٢٥٩٣]

تھی۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سے پوچھا اور اپنے اہل خانہ کو جدا کرنے کے سلسلے میں ان حضرات سے مشورہ لینا چاہا تو حضرت اسامہ ؓ نے وہی مشورہ دیا جو انھیں معلوم تھا کہ آپ ﷺ کی اہلیہ اس تہمت سے بری ہیں، لیکن حضرت علی ؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی پابندی تو عائد نہیں کی۔ ان کے علاوہ عورتیں بہت ہیں۔ آپ اس سلسلے میں لونڈی (بریرہ ؓ) سے دریافت کر لیں وہ آپ سے سچی بات کرے گی۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تو نے کوئی ایسی بات دیکھی ہے جس سے تجھے کوئی شبہ پیدا ہوتا ہو؟'' اس (بریرہ) نے کہا: میں نے اس سے زیادہ کوئی شے نہیں دیکھی کہ وہ ایک کم عمر لڑکی ہے، اپنے گھر والوں کا آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے تو بکری آ کر کھا جاتی ہے، یعنی کم عمری کی وجہ سے مزاج میں بے پروائی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''اے مسلمانو! وہ کون ہے جو مجھے اس شخص کو سزا دینے میں معذور خیال کرے جس نے مجھے میری بیوی کے بارے میں تکلیف پہنچائی ہے؟ اللہ کی قسم! مجھے اپنی اہلیہ محترمہ کے متعلق خیر کے علاوہ کچھ معلوم نہیں۔'' پھر آپ نے ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کی براءت ذکر فرمائی۔ اس واقعے کو ابو اسامہ نے ہشام بن عروہ سے بیان کیا ہے۔

٧٣٧٠ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي زَكَرِيَّا الْغَسَّانِيُّ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، وَقَالَ: «مَا تُشِيرُونَ عَلَيَّ فِي قَوْمٍ يَّسُبُّونَ أَهْلِي؟ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُوءٍ قَطُّ».

[7370] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے خطاب کیا اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''تم مجھے ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو جو میرے اہل خانہ کو بدنام کرتے ہیں، حالانکہ مجھے ان کے متعلق کبھی کوئی بری بات معلوم نہیں ہوئی۔''

وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ: لَمَّا أُخْبِرَتْ عَائِشَةُ بِالْأَمْرِ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَنْطَلِقَ إِلَى أَهْلِي؟ فَأَذِنَ لَهَا وَأَرْسَلَ مَعَهَا الْغُلَامَ، وَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ: سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا، سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ. [راجع: ٢٥٩٣]

حضرت عروہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب سیدہ عائشہ ؓ کو اس واقعے کا علم ہوا تو انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے میکے چلی جاؤں؟ تو آپ نے انھیں اجازت دے دی اور ان کے ہمراہ ایک غلام بھیجا۔ انصار میں سے ایک صاحب نے کہا: ''اے اللہ تیری ذات پاک ہے، ہمارے لیے زیبا نہیں کہ ہم ایسی باتیں زبان پر لائیں۔ تیری ذات پاک ہے۔ یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس مقام پر حدیث افک کو دو طریق سے بیان کیا ہے اور صرف اتنا حصہ بیان فرمایا جس سے مشورہ کرنے کی اہمیت پر روشنی پڑتی کیونکہ یہاں واقعے کی تفصیلات بیان کرنا نہیں بلکہ صرف مشورے کی افادیت بتانا مقصود ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ کے متعلق حضرت اسامہ اور حضرت علی ؓ کا انتخاب کیا۔ ان میں ایک آپ ﷺ کے لاڈلے محبوب اور دوسرے آپ ﷺ کی دختر کے شوہر نامدار تھے۔ حضرت اسامہ ؓ نے کہا: ہم تو خیر کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ انھوں نے بھی حضرت علی ؓ کی طرح علیحدگی کا مشورہ نہیں دیا، البتہ رسول اللہ ﷺ کی پریشانی دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر تنگی نہیں کی۔ حضرت عائشہ کے علاوہ عورتیں بہت ہیں۔ انھوں نے مزید یہ کہا کہ سیدہ بریرہ ؓ سے پوچھ لیں وہ زیادہ بہتر بتا سکیں گی۔ مقصود یہ تھا کہ علیحدگی اختیار نہ کریں، مزید تحقیق کر لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ کی اس بات پر عمل کیا، لیکن علیحدگی کے اشارے پر توجہ نہ دی کیونکہ حضرت اسامہ ؓ کا اشارہ بھی عدم مفارقت کی طرف تھا، البتہ حالات کی سازگاری تک کے لیے حضرت عائشہ ؓ کو میکے جانے کی اجازت دے دی، پھر جب وحی کے ذریعے سے اصل راز کھلا تو اس سلسلے میں بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام ؓ سے مشورہ لیا کہ اب تہمت لگانے والوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ تو سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ؓ نے اشارہ دیا کہ آپ اس سلسلے میں جو مناسب سمجھیں کر گزریں، ہم آپ کے قول و فعل میں پورے پورے ہم نوا ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش ؓ پر حد قذف جاری فرمائی۔ ② بہرحال ان روایات سے مشورے کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے متعلق میمون بن مہران بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ؓ کو جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو اس کا حل اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تلاش کرتے۔ اگر اس میں کوئی آیت مل جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے بصورت دیگر سنت رسول اللہ ﷺ پر نظر کرتے اور اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت نہ ملتی تو باہر نکل کر دوسرے مسلمانوں سے سنت کے متعلق سوال کرتے۔ اگر کہیں سے کوئی سراغ نہ ملتا تو اہل اسلام کو دعوت دیتے۔ برسر عام اہل علم سے مشورہ کرتے۔ مشورہ کے بعد کوئی فیصلہ کرتے۔ حضرت عمر ؓ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ ان کی مجلس مشاورت کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، چنانچہ انھوں نے شراب کی حد کے متعلق مشورہ لیا جیسا کہ کتاب الحدود میں بیان ہوا ہے۔ عورت کا حمل ضائع ہو جائے تو اس جنین کی دیت کے متعلق صحابۂ کرام ؓ سے رائے لی جیسا کہ کتاب الدیات

میں اس کی صراحت ہے۔ اسی طرح اہل فارس سے جنگ کرنے کے متعلق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کا مشورہ کتاب الجہاد میں بیان ہوا ہے۔ جب آپ شام کے علاقے میں گئے تو وہاں پہنچنے سے پہلے پتا چلا کہ طاعون کی وبا پھیلی ہے تو آپ نے مہاجرین و انصار اور سرکردہ قریش سے وہاں جانے کے متعلق مشورہ لیا، جس کی تفصیل کتاب الطب میں بیان ہو چکی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو ان کے پاس پہلا مقدمہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پیش ہوا کیونکہ انھوں نے جذبات میں آ کر ہرمزان کو قتل کر دیا تھا۔ انھیں گمان تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت میں ہرمزان کا پورا پورا ہاتھ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ اس کی تفصیل طبقات ابن سعد میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح انھوں نے مصاحف لکھنے میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اعتماد میں لیا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف لکھواتے میں ہم سے بھرپور مشاورت کی۔[1] الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد روایات سے مشورے کی افادیت اور اہمیت بیان کی ہے جو دراصل کتاب الاعتصام ہی کا ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین.

[1] فتح الباري: 13/418، 419.

توحید کے معنی و مطالب اور اس کی وضاحت

دین اسلام میں سب سے زیادہ اہم فرض عقائد کی درستی ہے۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے لوگوں کو سب سے پہلے اصلاح عقیدہ کی دعوت دی۔ اس کے بعد عبادات و احکام اور فرائض و واجبات کی بجا آوری، اس کے بعد معاملات، پھر ظاہری اور باطنی اخلاق کی اصلاح کا درجہ ہے۔ مذکورہ شعبہ جات کو اپنے اپنے مقام پر رکھنا بہت ضروری ہے، چنانچہ اصول وعقائد اور فرائض و واجبات میں سے کسی ایک کا انکار انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، البتہ اخلاق میں گراوٹ اور عمل میں کوتاہی سے کوئی شخص ملتِ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

لغوی طور پر لفظ توحید مصدر ہے۔ اس کے معنی کسی ذات کے متعلق یکتا اور منفرد ہونے کا یقین کرنا ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اس بات کا اقرار و یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات، الوہیت و ربوبیت، عبودیت وحاکمیت اور تمام اختیارات میں یکتا و یگانہ ہے، اسے توحید کہتے ہیں۔ اس توحید کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک انتہائی اہم قسم توحید اسماء وصفات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت، اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کے افعال کا ذکر دیگر احکام کے ذکر سے کہیں زیادہ ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''بندے کی تمام تر سعادت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت کے ساتھ قائم ہے جبکہ اسماء وصفات سے جہالت، شقاوت و بدبختی کی بنیاد ہے۔''[1]

توحید اسماء وصفات کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ انسان کے لیے اس وقت تک مکمل طریقے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت ممکن نہیں جب تک اسے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا علم نہ ہو۔ اس معرفت کی بدولت وہ بڑی بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ ہی کے نام سب سے اچھے ہیں۔ انھی ناموں سے اسے پکارو اور ایسے لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں سیدھے راستے سے ہٹتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں جلد ہی انھیں اس کا بدلہ مل جائے گا۔''[2]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ساتھ دعا کرنے کا حکم ہے۔ اس دعا سے مراد دعائے مسئلہ اور دعائے عبادت دونوں ہیں۔ دعائے مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی ضرورت و حاجت پیش کریں تو ایسے

---

1 مفتاح دار السعادۃ: 86/1۔ 2 الأعراف 7: 180۔

ناموں کا واسطہ دیں جو ہماری حاجت اور ضرورت کے مناسب ہوں جبکہ دعائے عبادت یہ ہے کہ ہم ان اسماء وصفات کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس ذات کی بندگی بجالا سکیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو اس کے ناموں میں کج روی اور بے دینی کا شکار ہیں۔ اس کج روی کو الحاد کہا جاتا ہے۔ اس کی کچھ قسمیں حسب ذیل ہیں:

- جو صفات اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں انھیں کسی مخلوق میں تسلیم کرنا، جیسے: وہ داتا، روزی رساں، حاجت روا، مشکل کشا اور کارساز ہے۔ ان صفات کا حامل کسی مخلوق کو قرار دینا بدترین قسم کا الحاد ہے۔
- ان ناموں سے استدلال کر کے باطل چیزوں کے امکان پر بحث کرنا، مثلاً: اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، لہٰذا وہ جادو کا علم بھی رکھتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، لہٰذا وہ جھوٹ بولنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ العیاذ باللہ۔
- ان صفات میں فلسفیانہ موشگافیاں پیدا کرنا، جیسے: اللہ تعالیٰ کی صفات حادث ہیں یا قدیم؟ کلام کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، یہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟
- اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اور ہر شخص کی شہ رگ سے بھی قریب ہے تو وہ عرش پر کیسے مستوی ہو سکتا ہے؟
- اللہ تعالیٰ کی صفات کا سرے سے انکار کر دینا جیسا کہ جہم بن صفوان نے تشبیہ کے خود ساختہ مفروضے سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کر دیا اور کہا: اللہ تعالیٰ کوئی چیز نہیں ہے۔ اس انکار کو تعطیل کہتے ہیں۔ اس عقیدے کے حاملین کو مُعَطِّلَہ اور جَہمِیَّہ کہا جاتا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات جیسی قرار دینا، حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''[1] اس عقیدے کا بانی مقاتل بن سلیمان ہے۔ اس کے پیروکار مُشَبِّہہ کہلاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مشابہ قرار دیتے تھے۔
- اللہ تعالیٰ کی صفات کو جوں کا توں ماننے کے بجائے ان کے متعلق تاویلات کا سہارا لینا، اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق تاویل کا فتنہ تعطیل سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس کے تسلیم کر لینے سے قرآن و حدیث کے ظاہری مفہوم سے انحراف لازم آتا ہے جو بدترین تحریف ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد کی ان تمام صورتوں نے سلف صالحین کو حیرت میں مبتلا کر دیا، چنانچہ انھوں نے ان ملحدین و بے دین لوگوں کے اقوال کو یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے اقوال سے بھی زیادہ خطرناک قرار دیا ہے، پھر وہ ان مزعومہ عقائد ونظریات کی تردید کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ اس تردید کی بنیاد درج ذیل فرمان نبوی ہے: ''جس نے

[1] الشوریٰ 42:11.

ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی وہ تردید کے قابل ہے۔"[1]

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الایمان میں مرجیہ، کتاب القدر میں تقدیر کے منکرین قدریہ، کتاب الفتن اور کتاب الاحکام میں خوارج و روافض اور آخر میں جہمیہ، مشبہ اور تمام اہل تاویل کی تردید کے لیے کتاب التوحید کا عنوان قائم کیا۔ کتاب التوحید میں امام بخاری رحمہ اللہ کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے وہ قرآنی آیت کا حوالہ دیتے ہیں، پھر وہ احادیث بیان کرتے ہیں جن میں صفات باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ انھوں نے یہ اسلوب اس لیے اختیار کیا کہ کچھ لوگ عقائد کے باب میں خبر واحد کو حجت خیال نہیں کرتے۔ ان کی تردید مقصود ہے کہ اس قسم کی اخبار آحاد قرآنی آیات کے ذیل میں آتی ہیں، جو شخص عقائد میں ان کی حجت سے انکار کرتا ہے وہ گویا قرآن و سنت دونوں کا انکار کرتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت چند ایک مسائل ذکر کیے ہیں جن کی تفاصیل حسب ذیل ہیں:

① پہلے توحید باری تعالیٰ کو ثابت کیا ہے کیونکہ کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کر کے وَحْدَةُ الْوُجُود کا نظریہ پیش کیا اور کہا کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ نظریہ پیش کرنے والے ابن عربی اور حسین بن منصور حلاج ہیں۔

② اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کا اثبات، صفات باری تعالیٰ کی چار قسمیں ہیں: ❀ صفات ذاتیہ عقلیہ، مثلاً: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع اور بصر وغیرہ ❀ صفات فعلیہ عقلیہ، مثلاً: پیدا کرنا، رزق دینا، زندہ کرنا، مارنا، معاف کرنا اور سزا دینا وغیرہ۔ ❀ صفات ذاتیہ سمعیہ، مثلاً: وجہ، ید، عین، نفس اور شخص وغیرہ۔ ❀ صفات فعلیہ سمعیہ، مثلاً: اتیان، مجیٔ اور نزول وغیرہ۔

③ مسئلہ علو اور اِسْتِوَاء عَلَى الْعَرْش۔ ④ رؤیت باری تعالیٰ۔ ⑤ مسئلہ تکوین۔ ⑥ تلاوت اور متلو میں فرق۔ ⑦ خلق افعال العباد۔ ⑧ صفت کلام۔ اسے آخر میں بیان کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں 245 مرفوع احادیث پیش کی ہیں جن میں 55 معلق اور 190 موصول ہیں۔ ان میں (71) مکرر ہیں جن کی تعداد 234 ہے۔ باقی صرف 11 احادیث خالص ہیں۔ چار (4) احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔ باقی 241 احادیث بیان کرنے میں امام بخاری رحمہ اللہ منفرد ہیں۔ مرفوع احادیث کے علاوہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے 36 آثار بھی بیان کیے ہیں، پھر ان احادیث و آثار پر اٹھاون (58) عنوانات قائم کیے ہیں جن کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔ بإذن اللہ تعالیٰ۔

اسماء و صفات کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ کتاب و سنت میں جو اسماء و صفات وارد ہیں ان پر ایمان

---

1 صحيح البخاري، الصلح، حديث: 2697.

لانا واجب ہے اور انھیں بلا تکییف و تمثیل اور بلا تعطیل و تحریف، اللہ تعالیٰ کے شایان شان مبنی بر حقیقت تسلیم کیا جائے۔ یہ اقرار و ایمان کسی قسم کی بے جا تاویل کے بغیر ہو۔ اس انداز اتباع سے آپ نے ہمیں یہ پیغام دیا ہے کہ قرآن و حدیث میں کسی قسم کی غلطی کا امکان نہیں، دونوں وضاحت کے ساتھ حق بیان کرتی ہیں۔ اس حق سے وہی دور ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے لیے اسلام کا راستہ چھوڑ کر ایک نئی راہ کا انتخاب کیا ہے جو ان کی گمراہی کا باعث ہے، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان دونوں کو مضبوطی سے تھام لے اور اس کے خلاف ہر چیز کو چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف اپنا نمائندہ بھیجا، جس نے ہر چیز کو کھول کر بیان کر دیا، ہم اس کے بعد کسی چیز کے محتاج نہیں ہیں اگر ہم نے اس سے روگردانی کی تو شیاطین ہمیں گہری کھائیوں میں پھینک دیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جو شخص رحمٰن کے ذکر سے آنکھیں بند کر لیتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے اور ایسے شیطان انھیں سیدھی راہ سے روک دیتے ہیں جبکہ وہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔“[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ٹھیک ٹھیک اسلاف کی ترجمانی کی ہے لیکن شارحین نے اس سلسلے میں حق ادا نہیں کیا بلکہ انھوں نے اجماع امت کی آڑ میں صفات باری تعالیٰ کا انکار کیا یا انھیں مبنی بر حقیقت تسلیم کرنے کی بجائے دور از کار تاویلات کا سہارا لیا، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک عنوان ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: [بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: لَا شَخْصَ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ] ”کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند نہیں۔“[2]

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ لفظ ”شخص“ کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر ہو سکتا ہے، لیکن شارحین کی اکثریت اشعری مکتب فکر سے متعلق ہے، اس لیے ان کی تشریحات ملاحظہ فرمائیں:

- شارح صحیح بخاری ابن بطال لکھتے ہیں کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے حق میں نہیں بولا جا سکتا کیونکہ حدیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے۔[3]
- شارح صحیح بخاری علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ شخص کا اطلاق صحیح نہیں کیونکہ شخص وہ ہے جو مرکب جسم رکھتا ہو۔ اس طرح کی صفت اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ جن احادیث میں یہ لفظ وارد ہے وہ راویوں کی تصحیف کا نتیجہ ہے۔[4]
- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ چونکہ حافظ الدنیا ہیں، اس لیے کثرتِ روایات کے پیش نظر اس اطلاق کا انکار تو نہیں کرتے، البتہ انھوں نے اس سلسلے میں دور از کار تاویل کا سہارا لیا ہے۔[5]

---

1 الزخرف 43:36. 2 صحيح البخاري، الصلح، حديث : 20. 3 شرح ابن بطال : 442/10. 4 إعلام الحديث : 2344/4. 5 فتح الباري : 491/13.

○ علامہ عینی رحمہ اللہ نے متقدمین کے اقوال نقل کرنے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ پر اعتراض کرنے کے علاوہ اپنی طرف سے اس صفت کے اثبات یا نفی میں کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ [1]

اللہ تعالیٰ استاذ محترم الشیخ عبداللہ بن محمد الغنیمان رحمہ اللہ کو اجر عظیم عطا فرمائے! انھوں نے کتاب التوحید کی شرح کا حق ادا کیا۔ ہم آئندہ احادیث کے فوائد اسی شرح سے مرتب کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر شروحات سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔ واللّٰہ أعلم.

واضح رہے کہ برصغیر میں تاویل صفات کے جمود کو توڑنے میں استاذ محترم، شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ انھوں نے ''توحید خالص'' نامی کتاب لکھ کر توحید اسماء و صفات کا حق ادا کیا۔

الغرض توحید اسماء و صفات کے متعلق عافیت کا راستہ یہی ہے کہ کتاب و سنت میں اللہ تعالیٰ کے متعلق جو صفات وارد ہیں انھیں بلاتکییف و تمثیل اس کی شان کے لائق مبنی بر حقیقت تسلیم کیا جائے۔ انھیں ظاہر معنی پر محمول کرتے ہوئے ان کے متعلق کسی بھی قسم کی تاویل سے گریز کیا جائے۔ اس کے علاوہ الحاد کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب کفر و شرک اور گمراہی کی طرف لے جانے والی ہیں، لہٰذا ایک مسلمان کو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کو زیر بحث لا کر ان کی تہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ انسانی بساط سے باہر ہے۔ پھر یہ اعتقادی بیماریاں ایک تو آگے منتقل ہوتی جاتی ہیں، دوسرے زندگی کا رخ غلط راہوں پر ڈال دیتی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سلسلے میں صراط مستقیم پر گامزن رکھے۔ آمین.

[1] عمدة القاري: 15/612.

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

97 - كِتَابُ التَّوْحِيدِ

توحید سے متعلق احکام ومسائل

(١) بَابُ مَا جَاءَ فِي دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ أُمَّتَهُ إِلَى تَوْحِيدِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى

باب: 1 - نبی ﷺ کا اپنی امت کو توحید باری تعالیٰ کی دعوت دینا

وضاحت: رسول اللہ ﷺ کی اولیں دعوت، دعوتِ توحید ہے۔ آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاء ﷺ تشریف لائے انھوں نے سب سے پہلے دعوتِ توحید پیش کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا، اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ بے شک حقیقت یہ ہے میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، لہٰذا تم صرف میری عبادت کرو۔''[1] واضح رہے کہ عنوان میں امت سے مراد امتِ دعوت ہے جنھیں دعوتِ توحید پیش کی گئی۔

٧٣٧١ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحَاقَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ، عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ. [راجع: ١٣٩٥]

[7371] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ ؓ کو یمن روانہ کیا۔

٧٣٧٢ - وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ ابْنَ

[7372] حضرت ابن عباس ؓ ہی سے روایت ہے انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو اہل یمن کی طرف بھیجا تو انھیں فرمایا: ''تم اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس جا رہے ہو، اس لیے سب سے پہلے

[1] الأنبیاء 21:25.

عَبَّاسٍ [يَقُولُ]: لَمَّا بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ مُعَاذًا إِلٰى نَحْوِ أَهْلِ الْيَمَنِ قَالَ لَهُ: «إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلٰى قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلٰى أَنْ يُوَحِّدُوا اللّٰهَ تَعَالٰى، فَإِذَا عَرَفُوا ذٰلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ، فَإِذَا صَلَّوْا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ غَنِيِّهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فَقِيرِهِمْ، فَإِذَا أَقَرُّوا بِذٰلِكَ فَخُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ». [راجع: ١٣٩٥]

انھیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ اللہ کو ایک مانیں، یعنی توحید کا اقرار کرلیں۔ جب وہ اس عقیدۂ توحید کو سمجھ جائیں تو پھر انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ نماز پڑھنے لگیں تو انھیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال میں ان پر زکاۃ فرض کی ہے جو ان کے امیروں سے وصول کی جائے گی اور ان کے غریب لوگوں پر خرچ کی جائے گی۔ پھر جب وہ اس کا بھی اقرار کرلیں تو ان سے زکاۃ وصول کرنا لیکن زکاۃ وصول کرتے وقت لوگوں کے عمدہ مال لینے سے اجتناب کرنا۔"

فوائد و مسائل: ① اہل کلام کے نزدیک انسان پر پہلا واجب یہ ہے کہ وہ وجود باری تعالیٰ کے متعلق غور و فکر کرے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے وہ اس سلسلے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو، پھر وہ اس کے متعلق غور و خوض کرے جبکہ ہمارے اسلاف کے نزدیک انسان پر پہلا واجب عقیدۂ توحید کو مضبوط کرنا ہے جیسا کہ امام بخاری ؒ کے قائم کردہ عنوان اور پیش کردہ حدیث سے واضح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ (لوگو!) تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (کی عبادت) سے بچو۔"[1] حضرت حارث بن حارث العائذی ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں زمانۂ جاہلیت میں مکہ مکرمہ آیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لوگ اکٹھے ہیں۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا: یہ لوگ یہاں کیوں اکٹھے ہوئے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: یہ لوگ ایک صابی کے گرد جمع ہیں۔ جب میں نے قریب جا کر دیکھا تو رسول اللہ ﷺ انھیں توحید اور ایمان کی دعوت دے رہے تھے۔[2] ایک روایت میں ہے: نبی ﷺ نے جب حضرت معاذ ؓ کو یمن بھیجا تو انھیں حکم دیا کہ انھیں شہادتین کے اقرار اور اس پر ایمان کی دعوت دیں۔[3] لا الہ الا اللہ کی گواہی کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔ اس کی صراحت بھی ایک روایت میں ہے۔[4] اور محمد رسول اللہ ﷺ کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ وہ عبادت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقۂ عبادت کے علاوہ دوسرے تمام طریقوں سے دست بردار ہو جائیں۔ ② واضح رہے کہ ان شہادتین کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ ایک کے بغیر دوسری کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا لیکن رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو نہیں مانتا وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔ اسی طرح اگر

1 النحل 16: 36. 2 التاريخ الكبير: 262/13. 3 صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1395. 4 صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1458.

کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا یا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے دوسروں کو شریک کرتا ہے تو ایسا شخص بھی ایمان سے خارج ہے، اس لیے ایک بندۂ مسلم کے لیے ان دونوں شہادتوں کا اقرار اور ان کے مطابق ایمان انتہائی ضروری ہے۔[1] اللہ تعالیٰ کی معرفت دین اسلام کا ماحصل ہے اور عقیدۂ توحید اس معرفت کی اساس ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس معرفت کے اصول وضوابط خوب وضاحت سے بیان فرما دیے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کے متعلق کوئی اشتباہ یا شک باقی نہیں چھوڑا۔ اس بنا پر عقائد کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع ہی کافی ہے۔ کسی منطقی کی رائے، فلسفی کی عقل یا کسی تاویل کرنے والے کی تاویل کے ہم محتاج نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی توحید بیان کرنا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ اس فرض کو پوری ذمہ داری سے ادا کر کے اپنے تمام صحابۂ کرام ؓ کو اس پر گواہ بنایا۔ اب اس سے انحراف کرنے والوں کے لیے کوئی عذر نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے منطق کی قیل وقال یا فلسفے کی موشگافیوں کا سہارا لیں۔ ③ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع سے پہلے اپنے ہمسائے ملک یمن میں دعوتِ توحید اور اشاعتِ اسلام کے لیے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کا انتخاب کیا کہ وہ دونوں وہاں کے رہنے والے اہل کتاب کو توحید کی دعوت دیں اور انھیں اللہ تعالیٰ کی پہچان کرائیں۔ جب وہ اس سے آگاہ ہو جائیں تو پھر دیگر شعائر اسلام کی انھیں تعلیم دیں۔ ④ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ انسان پر پہلا واجب اپنے رب کی معرفت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اس امر کو بیان کیا ہے اور اس عقیدۂ توحید کی دعوت دی ہے، اب اس کی وضاحت کے بعد لوگوں کے خود ساختہ اصول وضوابط کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے اتباع ہی کو حرزِ جان بنانا چاہیے۔ اس کے علاوہ دیگر اہل کلام کے اقوال کو نہیں دیکھنا چاہیے۔[2]

٧٣٧٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ وَالْأَشْعَثِ ابْنِ سُلَيْمٍ: سَمِعَا الْأَسْوَدَ بْنَ هِلَالٍ عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا مُعَاذُ! أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ؟»، قَالَ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، أَتَدْرِي مَا حَقُّهُمْ عَلَيْهِ؟»، قَالَ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ». [راجع: ٢٨٥٦]

[7373] حضرت معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ”اے معاذ! تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟“ حضرت معاذ ؓ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”(بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ) وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ تو جانتا ہے کہ ان بندوں کے حق اللہ کے ذمے کیا ہیں؟“ انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”یہ کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے۔“

فوائد ومسائل: ① اس مقام پر یہ حدیث اختصار کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ حضرت معاذ

[1] شرح كتاب التوحيد للشيخ عبدالله بن محمد الغنيمان: 39/1. [2] شرح كتاب التوحيد الغنيمان: 42/1.

بن جبل ؓ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے عُفَیر نامی گدھے پر سوار تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں تین دفعہ آواز دے کر اپنی طرف متوجہ کیا، پھر فرمایا: ''تم جانتے ہو کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟'' انھوں نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا اپنے بندوں پر حق ہے کہ وہ خالص اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔'' آگے چل کر پھر آپ ﷺ نے انھیں آواز دے کر متوجہ کیا اور فرمایا: ''کیا تمھیں علم ہے کہ جب اس کے بندے اللہ کا حق ادا کریں تو بندوں کا اللہ کے ذمے کیا حق ہے؟'' عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں تو وہ انھیں عذاب نہ دے۔''[1] ﴿ اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کے اس حق کی وضاحت مقصود ہے جو اس کے بندوں پر عائد ہوتا ہے اور وہ ہے شرک سے دور رہتے ہوئے اس کی عبادت کرنا۔ (اس عبادت سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو۔ دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور اس کے منع کردہ کاموں سے بچنا اس کی عبادت ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ کسی ذاتی غرض اور دنیوی فائدے کے پیش نظر اپنے خالق حقیقی کی مخالفت نہ کرے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حقوق کی وضاحت کر دی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ان سے بال برابر بھی انحراف نہ کرے۔ ﴿ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذمے بندوں کے حقوق بندوں کی بجا آوری کا عوض نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے انھیں اپنے ذمے لیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تمھارے رب نے اپنے آپ پر رحمت کرنا لازم کر لیا ہے۔''[2] نیز فرمایا: ''اہل ایمان کی مدد کرنا ہمارے ذمے ہے۔''[3] حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''میرے بندو! میں نے خود پر ظلم حرام قرار دیا ہے اور تمھارے درمیان بھی اسے حرام کرتا ہوں، لہٰذا تم کسی پر ظلم نہ کیا کرو۔''[4] عبادت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا توحید الوہیت ہے۔ مشرکین اس سے انکار کرتے تھے۔ افسوس کہ دور حاضر میں مسلمانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ بزرگوں کی بندگی بھی کرتے ہیں۔ ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں بلکہ بعض نام نہاد مسلمان تو قبروں کو سجدہ بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توحید الوہیت کی سمجھ عطا فرمائے اور اس پر گامزن رکھے۔ یہی وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب قرار دیا ہے۔ جب بندے اس کی بجا آوری کریں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں جہنم سے بری کر کے جنت میں داخل فرمائے گا۔

٧٣٧٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ رَجُلًا سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ يُرَدِّدُهَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ جَاءَ إِلَى

[7374] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو بار بار ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھتے سنا۔ پھر جب صبح ہوئی تو وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ واقعہ آپ کے سامنے اس طرح سے بیان کیا گویا وہ آدمی اسے بہت کم شمار کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے

---

1 صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2856. 2 الأنعام 6:54. 3 الروم 30:47. 4 صحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 6572 (2577).

النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ لَهُ ذٰلِكَ، فَكَأَنَّ الرَّجُلَ يَتَقَالُّهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ».

فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔“

زَادَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ: أَخْبَرَنِي أَخِي قَتَادَةُ بْنُ النُّعْمَانِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

[راجع: ٥٠١٣]

اسماعیل بن جعفر نے امام مالک سے یہ اضافہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے میرے بھائی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے یہ حدیث بیان کی۔

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے بھائی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں صبح تک ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾، یعنی سورۂ اخلاص پڑھتا رہا، اس پر کچھ زیادہ نہ پڑھا۔ جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ اس کے بعد پوری حدیث بیان کی۔[1] اس حدیث میں سورۂ اخلاص کو تہائی قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ اس کی مختلف توجیہات بیان کی جاتی ہیں: ○ ایک تہائی احکام ومسائل پر مشتمل ہے۔ اس میں حلال وحرام کا بیان ہے اور اس ایک تہائی میں جزا وسزا اور وعدہ وعید کا ذکر ہے۔ تیسری تہائی اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے اسماء کے لیے ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات کا بیان ہے، اس لیے اسے تہائی قرآن کہا گیا ہے۔ ○ مضامین قرآن کے تین حصے ہیں: ایک حصے میں توحید الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کی صفات کا بیان ہے۔ دوسرے حصے میں قصص وواقعات بیان ہوئے ہیں اور تیسرا حصہ احکام شریعت پر مشتمل ہے۔ چونکہ اس سورت میں توحید خالص اور اس کی صفات کا بیان ہے، اس لیے اسے تہائی قرآن کہا گیا ہے۔ ○ قرآن مجید میں بنیادی طور پر تین قسم کے عقائد بیان ہوئے ہیں، یعنی توحید، رسالت اور آخرت، اس سورت میں عقیدۂ توحید کو بڑے جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے، اس لیے اسے قرآن کے ایک تہائی کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ ② معتزلہ اور جہمیہ کا خیال ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ تمام تر اللہ کی صفات پر مشتمل ہے، لہٰذا کلام اللہ میں تفاضل اور برتری جائز نہیں۔ یہ عقیدہ جہالت پر مبنی ہے کیونکہ کلام اللہ میں وہ خبر جو اس کی حمد وثنا پر مشتمل ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ہے اس خبر سے کہیں بڑھ کر ہے جس میں ابلیس، فرعون، ابولہب اور ھامان وغیرہ کا ذکر ہے اگرچہ ان سب کو کلام اللہ ہی کہا جاتا ہے، تاہم ان میں سے ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿تَبَّتْ يَدَاۤ اَبِيْ لَهَبٍ﴾ دونوں اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں، اس اعتبار سے دونوں برابر ہیں لیکن ان میں جس چیز کی خبر دی گئی ہے اس اعتبار سے دونوں میں بہت فرق ہے۔ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ ایک ایسا کلام ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق خبر دی ہے اور ﴿تَبَّتْ يَدَاۤ اَبِيْ لَهَبٍ﴾ میں اپنی مخلوق میں سے ایک بدتر انسان کی خبر دی ہے۔ اس اعتبار سے ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہے۔[2] حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مشرکین نے کہا: اے محمد! اپنے رب کا

---

[1] صحيح البخاري، فضائل قرآن، حديث: 5013. [2] مجموع الفتاوٰى: 57/17.

نسب بیان کریں تو اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔[1] الغرض اس سورت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ وہی اکیلا کائنات کا خالق و مالک ہے۔ پوری کائنات کا نظام اس اکیلے کے پاس ہے۔ وہی مارتا اور وہی زندہ کرتا ہے۔ وہی اکیلا قادر مطلق، مددگار حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ وہی دعائیں سنتا اور مرادیں پوری کرتا ہے۔ اس سورت کو مسئلۂ توحید میں جامع مانع قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں اس کی فضیلت اسی وجہ سے بیان ہوئی ہے۔

٧٣٧٥ - [حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ]: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنِ ابْنِ أَبِي هِلَالٍ: أَنَّ أَبَا الرِّجَالِ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَهُ عَنْ أُمِّهِ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ - وَكَانَتْ فِي حَجْرِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ - عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ رَجُلًا عَلَى سَرِيَّةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِأَصْحَابِهِ فِي صَلَاتِهِ فَيَخْتِمُ بِـ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾، فَلَمَّا رَجَعُوا ذَكَرُوا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «سَلُوهُ لِأَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ؟»، فَسَأَلُوهُ فَقَالَ: لِأَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ، وَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَقْرَأَ بِهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَخْبِرُوهُ أَنَّ اللهَ يُحِبُّهُ».

[7375] ام المومنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو کسی لشکر کا سردار بنا کر روانہ فرمایا۔ وہ اپنی فوج کو نماز پڑھاتا تو اپنی قراءت ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پر ختم کرتا۔ جب یہ لوگ لوٹ کر آئے تو انھوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا تھا؟“ لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس سورت میں رحمٰن کی صفات ہیں جنھیں تلاوت کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا: ”اسے بتا دو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں دو چیزوں کا اثبات ہے: (ا) اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جیسا کہ اس حدیث میں صراحت ہے بلکہ سورۂ اخلاص تو صفات باری تعالیٰ ہی پر مشتمل ہے۔ (ب) اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے صفت محبت کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس صفت کو بلا تاویل مبنی بر حقیقت تسلیم کرنا چاہیے۔ اسے نفس ثواب یا ارادۂ ثواب پر محمول نہ کیا جائے کیونکہ صفات کے متعلق تاویل کا موقف ہمارے اسلاف کے موقف کے خلاف ہے۔ اس حدیث کے مطابق سورۃ الاخلاص خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل ہے اگرچہ سارا قرآن ہی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ وہ اس کا کلام ہے اور کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے لیکن اس سورت کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں اوصاف الرحمٰن کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ مدینہ طیبہ کے چند یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ اپنے رب کی صفات بیان کریں تو رسول اللہ ﷺ نے یہ سورت تلاوت کی اور فرمایا: ”یہ میرے رب کی صفات ہیں۔“[2] ② اس سورت میں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں اور اس کے نام کسی نہ کسی صفت پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر نام اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے اور اس صفت کی بھی رہنمائی کرتا ہے جو اس نام کے ضمن میں ہے،

1 المستدرك للحاكم: 540/2. 2 الأسماء والصفات للبيهقي، ص: 279.

نیز اگر نام متعدی ہے تو اس کے اثرات کی بھی نشاندہی کرتا ہے، مثلاً: الرحمٰن اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اس پر ایمان لانے اور اسے تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے: ○ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ ○ یہ پیارا نام اللہ تعالیٰ کی ایک پیاری صفت الرحمۃ پر مشتمل ہے۔ ○ اس صفت کا اثر مرتب ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اپنے بندے پر جب چاہے رحمت فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اعلیٰ درجے کی ہیں اور کمال و مدح پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کامل و اکمل ہے اسی طرح اس کی ہر صفت بھی کامل و اکمل ہے۔ جو صفت کسی اعتبار سے نقص وعیب پر مشتمل ہو وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ممتنع ہے، جیسے: موت، جہالت اور عجز وغیرہ، اسی طرح صاحب اولاد ہونا، بیوی رکھنا، یہ اوصاف نقائص وعیوب پر مشتمل ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے تمام عیوب سے پاک ومبرا ہے۔ سورۂ اخلاص سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسموں پر مشتمل ہیں: ○ صفات ثبوتیہ: اس سے مراد وہ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے ثابت فرمائی ہیں، مثلاً: صفت الحیاۃ، القدرۃ اور العلم وغیرہ۔ انھیں صفات اکرام کہا جاتا ہے۔ ○ صفات سلبیہ: اس سے مراد وہ صفات ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے نفی کی ہے، مثلاً: صاحب اولاد یا مولود ہونا۔ انھیں صفات جلال کہا جاتا ہے۔ ان دونوں صفات کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''آپ کا رب جو بڑی بزرگی اور عزت وشان والا ہے، اس کا نام بھی بہت برکت والا ہے۔''[1] اللہ تعالیٰ کی تمام صفات حقیقی ہیں۔ ان کی کیفیت بیان کرنا جائز نہیں کیونکہ انسانی عقل کے لیے ان صفات کی کیفیت کا ادراک ممکن نہیں ہے، نیز اس کی صفات مخلوق کی صفات کے مماثل ومشابہ نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔''[2] نیز اللہ تعالیٰ اس کمال کا مستحق ہے جو ہر کمال سے بڑھ کر ہے، لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ اس کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ ہوں کیونکہ مخلوق تو ہر اعتبار سے ناقص ہے۔ الغرض سورۂ اخلاص دونوں قسم کی صفات پر مشتمل ہے۔ اس میں صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ دونوں موجود ہیں۔ ⓑ کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کیا ہے۔ یہ حدیث ان کے خلاف ایک زبردست حجت ہے۔ یہ حدیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ایسی آیات کی تلاوت مستحب ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل ہیں جبکہ کچھ بدعتی حضرات کا خیال ہے کہ عام لوگوں کے سامنے ایسی آیات کی تلاوت مکروہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل ہوں۔ اس حدیث میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انداز کو پسند کرتا ہے اور اسے بھی پسند کرتا ہے جو یہ انداز اختیار کرتا ہے۔[3]

(٢) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾ [الإسراء: ١١٠]

باب: 2- ارشاد باری تعالیٰ: ''آپ (ان سے) کہہ دیں کہ (اللہ تعالیٰ کو) اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی تم پکارو گے، اسی کے لیے سب اچھے نام ہیں'' کا بیان

وضاحت: خالق کائنات کا ذاتی نام اللہ ہے۔ اللہ کے بعد رحمٰن بھی دوسرے نمبر پر ذاتی نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی مخلوق

---

[1] الرحمٰن 55: 78. [2] الشورىٰ 42: 11. [3] شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 73/1.

کا جس طرح اللہ نام یا اس کی صفت نہیں ہو سکتی، اسی طرح رحمٰن بھی کسی مخلوق کا نام یا صفت نہیں ہوتی، لیکن عربوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ نام معروف نہ تھا، اس لیے انھیں اس نام سے چڑ تھی، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جب انھیں کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں: ''رحمٰن'' کیا چیز ہے؟''[1] انھیں بتایا گیا ہے کہ اللہ اور رحمٰن دو معبود نہیں بلکہ ایک ہی ذات کے دو نام ہیں جس نام سے چاہو پکار سکتے ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے تو اور بھی بہت سے صفاتی نام ہیں، تم ان سے بھی اللہ تعالیٰ کو پکار سکتے ہو۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے صلح نامہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوایا تو اس پر قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو نے یہ اعتراض کر دیا کہ یہ رحمٰن کون ہے؟ ہم اسے نہیں جانتے۔ جب یہ جھگڑا بڑھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جملہ مٹا کر قریش کے دستور کے مطابق بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھ دیا جائے۔''[2] چنانچہ ایسا ہی کر دیا گیا۔

٧٣٧٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ وَأَبِي ظَبْيَانَ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ».

[راجع: ٦٠١٣]

[7376] حضرت جریر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو دوسرے لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔''

٧٣٧٧ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ جَاءَهُ رَسُولُ إِحْدَى بَنَاتِهِ يَدْعُوهُ إِلَى ابْنِهَا فِي الْمَوْتِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «ارْجِعْ فَأَخْبِرْهَا أَنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَمُرْهَا فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ». فَأَعَادَتِ الرَّسُولَ أَنَّهَا أَقْسَمَتْ لَتَأْتِيَنَّهَا، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَامَ مَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، فَدُفِعَ الصَّبِيُّ إِلَيْهِ وَنَفْسُهُ تَقَعْقَعُ كَأَنَّهَا فِي شَنٍّ، فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ: يَا رَسُولَ اللهِ مَا هٰذَا؟ قَالَ: «هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ، وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ

[7377] حضرت اسامہ بن زید ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم نبی ﷺ کے پاس تھے کہ اس دوران میں آپ کی ایک صاحبزادی کا قاصد حاضر خدمت ہوا کہ ان کا بیٹا نزع کی حالت میں ہے اور وہ آپ کو بلا رہی ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''واپس جا کر اسے کہو: اللہ ہی کا سب کچھ ہے جو چاہے لے لے اور جو چاہے دے دے اور اس کی بارگاہ میں ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے، اسے کہو کہ صبر کرے اور اللہ کے ہاں ثواب کی امید رکھے۔'' صاحبزادی نے دوبارہ قاصد بھیجا کہ وہ آپ کو قسم دیتی ہے آپ ضرور تشریف لائیں۔ تب نبی ﷺ اٹھے اور آپ کے ہمراہ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت معاذ بن جبل ؓ بھی کھڑے ہوئے۔ (پھر جب صاحبزادی کے گھر پہنچے تو) بچہ آپ کو دے دیا گیا۔ اس کا سانس اکھڑ رہا تھا، گویا وہ پرانے

1 الفرقان 25:60. 2 صحیح البخاري، الشروط، حدیث: 2731، 2732.

مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ». [راجع: ١٢٨٤]

سکیزے میں ہے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہوئیں تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! یہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ رحمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالا ہے اور اللہ بھی اپنے انھی بندوں پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم دل ہوتے ہیں۔"

فوائد و مسائل: ① بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بچے پر حالت نزع طاری تھی وہ آپ ﷺ کی نواسی تھی۔ ممکن ہے کہ دو الگ الگ واقعات ہوں۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ کا ان دونوں احادیث کو کتاب التوحید میں لانے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض صفات ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور بندوں میں مشترک ہیں۔ ان میں صرف لفظی اشتراک ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے ان میں بہت فرق ہے۔ ان میں سے ایک صفت رحم ہے۔ اللہ تعالیٰ رحیم ہے اور بندے کے لیے بھی اس صفت کا اطلاق ہوا ہے جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لفظی اشتراک کی وجہ سے ایسی صفات کا انکار نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے تشبیہ لازم آتی ہے بلکہ ایسی صفات کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ان صفات کو ثابت کیا جائے اور بندوں کی حالت کے مطابق بندوں کے لیے انھیں برقرار رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات "حسنیٰ" ہیں اور ہر اعتبار سے کامل ہیں جبکہ بندے کی صفات حسنیٰ نہیں ہیں اور نہ کامل ہی ہیں بلکہ ان میں نقص اور عجز پایا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے نام اور صفات کے ساتھ حسنیٰ کی صفت ہے جو قرآن مجید میں متعدد مقام پر بیان ہوئی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی صفات میں کوئی عیب یا نقص نہیں ہے انھیں اللہ تعالیٰ کے شایان شان ثابت کیا جائے۔[2] ③ دراصل اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ دو قسموں پر مشتمل ہیں: ○ صفات ذاتیہ: اس سے اللہ تعالیٰ کی وہ صفات مراد ہیں جن سے وہ ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لیے متصف ہے، جیسے صفت سمع اور بصر وغیرہ۔ ○ صفات فعلیہ: اس سے مراد وہ صفات ہیں جن کا صدور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو اسے انجام دے اور چاہے تو نہ دے جیسا کہ صفت استواء علی العرش وغیرہ۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت ذاتی اور فعلی دونوں طرح سے ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے صفت کلام کے ساتھ متصف ہے اور ہمیشہ رہے گا، اگر کلام کرنے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو صفت فعلی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا اس کی مشیت پر موقوف ہے، چنانچہ وہ جب چاہے اور جو چاہے کلام فرماتا ہے۔ اس کی صفات فعلیہ دو طرح سے ہیں: ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں اور دوسری وہ جو بندوں میں بھی پائی جاتی ہیں، مگر ان کی حقیقت و کیفیت میں بڑا فرق ہے جیسا کہ صفت رحم ہے۔ بندے کی یہ صفت ناقص ہے اور اپنی تکمیل میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحم میں کوئی نقص نہیں بلکہ وہ کامل و اکمل ہے اور نہ کسی کی محتاج ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے۔"[3] مماثلت کی نفی کے ساتھ صفت سمع اور بصر کو اپنے لیے ثابت کیا ہے، حالانکہ سمیع اور بصیر بندے کے لیے بھی بولا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ہم نے انسان کو سمیع اور بصیر بنایا ہے۔"[4] لیکن

---

[1] عمدة القاري: 680/16۔ [2] شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 75/1۔ [3] الشورىٰ 11:42۔ [4] الدهر 2:76۔

انسان کا سمیع اور بصیر ہونا ذرائع اور وسائل کا محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے جو کسی ذریعے اور وسیلے کا محتاج نہیں، یہ اشتراک محض لفظی ہے حقیقی نہیں۔ واللہ أعلم. ﴿ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی تالیف "القواعد المثلى في الأسماء والصفات" کا مطالعہ مفید رہے گا جس کا اردو ترجمہ ''توحید اسماء وصفات'' کے نام سے بازار میں دستیاب ہے۔

(۳) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلْقُوَّةِ ٱلْمَتِينُ﴾ [الذاريات: ٥٨]

باب:3- ارشاد باری تعالیٰ: ''بے شک اللہ ہی رزاق، قوت والا (اور) نہایت طاقتور ہے'' کا بیان

وضاحت: کتاب التوحید میں امام بخاری رحمہ اللہ کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ایسی احادیث کا انتخاب کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل ہیں۔ اس سے متعلقہ عنوان قائم کر کے اس میں کوئی آیت پیش کرتے ہیں۔ اس انداز سے ان کا اشارہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ان صفات کا انکار کرتا ہے وہ قرآن و احادیث کی مخالفت کرتا ہے۔[1] عنوان میں ذکر کردہ آیت ماقبل آیات سے متعلق ہے، چنانچہ قبل ازیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں، میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ ہی چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بے شک اللہ تو خود ہی رزاق ہے، بڑی قوت والا (اور) نہایت طاقتور ہے۔''[2] اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ایک اہم نکتہ معلوم ہوتا ہے کہ معبود حقیقی رزق دیتا ہے لیتا نہیں، جبکہ دوسرے، یعنی باطل معبود اپنے عبادت گزاروں سے رزق اور پیسے لیتے ہیں۔ اگر عبادت گزار اور مرید حضرات اپنے نذرانے اور نیازیں وغیرہ دینا بند کر دیں تو ان باطل معبودوں کی الوہیت ایک دن بھی نہ چل سکے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی عبادت کا حکم اس لیے نہیں دیا کہ وہ اس کا محتاج ہے۔ بلکہ وہ اس سے بے نیاز ہے۔ کسی کے عبادت کرنے یا نہ کرنے سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا اور نہ سنورتا ہے بلکہ اس کی عبادت کرنے میں اور خالق کا حق پہچاننے میں بندوں کا اپنا ہی بھلا ہے جیسا کہ بہت سی آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٧٣٧٨ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلَى أَذًى سَمِعَهُ مِنَ اللهِ، يَدَّعُونَ لَهُ الْوَلَدَ ثُمَّ يُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ». [راجع: ٦٠٩٩]

[7378] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''اذیت ناک اور تکلیف دہ بات سن کر اللہ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں۔ وہ (مشرکین) اس کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں اور وہ اس کے باوجود انھیں عافیت دیتا اور رزق عطا کرتا ہے۔''

---

1 فتح الباري: 440/13. 2 الذاريات 51:56-58.

فوائد و مسائل: ① صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں آیت اس طرح ہے: ''میں ہی رزاق، بڑی قوت والا (اور) نہایت طاقتور ہوں'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی طرح پڑھا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح پڑھایا تھا۔[1] ② یہ آیت اور اس طرح کی دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑی عالی صفات سے متصف ہے اور اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ''القوة'' اس کی صفت ہے اور ''الرزاق'' اس کا نام ہے۔ ہم پہلے بھی بیان کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر نام ایک صفت کو متضمن ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان آیات سے منکرین صفات باری تعالیٰ کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے حلم، اس کی بردباری اور حوصلے کو بیان کیا گیا ہے حتی کہ وہ کافر جو اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد اور شراکت کو منسوب کرتا ہے اسے بھی صحت و عافیت دیتا ہے اور اسے رزق وافر عطا کرتا ہے۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفت صبر کو بیان کیا گیا ہے جو اپنے معنی میں مبنی برحقیقت ہے۔ صبر یہ ہے کہ قوت انتقام کے باوجود درگزر سے کام لینا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت صبر اور حلم کا اندازہ درج ذیل آیات سے لگایا جا سکتا ہے: ''اللہ تعالیٰ ہی یقیناً آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ کہیں سرک نہ جائیں اور اگر وہ سرک جائیں تو اس کے بعد انھیں کوئی بھی اپنی جگہ پر برقرار نہیں رکھ سکتا۔ بلاشبہ وہ بڑا بردبار، بے حد معاف کرنے والا ہے۔''[2] یعنی وہ ہستی اس قدر قوت اور اختیار رکھنے کے باوجود بردبار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ شرک کرنے والوں کو فوراً تباہ نہیں کر دیتا بلکہ اپنے باغیوں، منکرین اور نافرمانوں سے درگزر کیے جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بعض لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن کی اولاد ہے۔ یہ تو اتنی بری بات تم گھڑ لائے ہو جس سے ابھی آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھڑام سے گر پڑیں اس بات پر کہ انھوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا، حالانکہ رحمٰن کی شان کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔''[3] یعنی یہ محض اللہ تعالیٰ کی بردباری ہے کہ ایسی بے ہودہ بات سن کر بھی دنیا کو یکدم تباہ نہیں کرتا۔ ③ اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ عنوان میں دو صفات کا ذکر ہے: ایک مخلوق کو رزق فراہم کرنا، دوسرے زبردست قوت کا مالک ہونا جو اس کی قدرت کاملہ سے عبارت ہے۔ رزق دینے کا ذکر تو حدیث میں موجود ہے اور قوت کا ثبوت اس طرح ہے کہ تکلیف دہ باتیں سن کر صبر کرنا اس کی قوت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ بشری طبیعت تو ایسی تکلیف دہ اور اذیت ناک باتیں سن کر انتقام لینے کے لیے بھڑک اٹھتی ہے۔ انسان ایسے حالات میں فوراً بدلہ لینے میں جلدی کرتا ہے تاکہ موقع ضائع نہ ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی زبردست طاقت کے باوجود انتقام نہیں لیتا اور یہ کسی عجز یا بے بسی کی وجہ سے نہیں بلکہ صبر، بردباری اور حوصلے کی وجہ سے ہے جو اس کی قوت و طاقت کی علامت ہے۔[4] ④ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خوبصورت ناموں اور بلند پایہ صفات کو مبنی برحقیقت تسلیم کیا جائے جیسا کہ مذکورہ الفاظ سے ان کا مفہوم فوراً ذہن میں آتا ہے۔ اس کے متعلق کسی قسم کی تاویل نہ کی جائے اور نہ انھیں سمجھنے کے لیے منطقی اصطلاح یا کسی فلسفی کی موشگافی ہی کی ضرورت ہے۔[5]

---

[1] فتح الباري: 440/13، ومسند أحمد: 394/1. [2] فاطر 35:41. [3] مريم 19: 88-92. [4] فتح الباري: 441/13.
[5] شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 102/1.

(٤) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿عَـٰلِمُ ٱلْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِۦٓ أَحَدًا﴾ [الجن: ٢٦] وَ ﴿إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ﴾ [لقمان: ٣٤]، وَ ﴿أَنزَلَهُۥ بِعِلْمِهِۦ﴾ [النساء: ١٦٦] وَ ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِۦ﴾ [فاطر: ١١] ﴿إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ﴾ [فصلت: ٤٧]

باب: 4- ارشادات باری تعالیٰ: ”وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔“ اور ”بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔“ اور ”اس نے جو کچھ آپ کی طرف اتارا ہے اپنے علم کی بنا پر اتارا ہے۔“ ”اور جو بھی مادہ حاملہ ہوتی ہے یا بچہ جنتی ہے تو اللہ کو اس کا علم ہوتا ہے۔“ ”قیامت کا علم اسی (اللہ ہی) کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔“ کا بیان

قَالَ يَحْيَى: اَلظَّاهِرُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا، وَالْبَاطِنُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا.

یحییٰ بن زیاد نے کہا: وہ ہر چیز پر علم کے اعتبار سے ظاہر ہے اور باعتبار علم ہر چیز سے گہرا ہے۔

وضاحت: یحییٰ بن زیاد بہت بڑے ادیب ہیں اور فراء نحوی کے نام سے مشہور ہیں۔ انھیں فراء اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کلام کی بہت تحقیق کیا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب ”معانی القرآن“ میں هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ کی تفسیر کرتے ہوئے یہ معنی بیان کیے ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ اشیاء کے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے۔[1] دوسرے الفاظ میں عالم الغیب والشہادۃ سے بھی اس کی تفسیر کی جا سکتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ سے اس کی تفسیر مروی ہے۔ آپ ﷺ ایک دعا پڑھتے تھے جس کے الفاظ یہ ہیں: ”أَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ“ ”تو ظاہر ہے تجھ سے اوپر کوئی چیز نہیں، یعنی تجھ سے زیادہ نمایاں کوئی چیز نہیں اور تو باطن ہے تجھ سے گہری کوئی چیز نہیں، یعنی تجھ سے زیادہ پوشیدہ کوئی چیز نہیں۔“[2] اللہ تعالیٰ ظاہر اس اعتبار سے ہے کہ ہر چیز کا وجود اور ظہور اس کے وجود کی وجہ سے ہے اور باطن اس لحاظ سے ہے کہ حواس خمسہ سے اس کا ادراک تو درکنار، ہم عقل سے اس کی ذات یا صفات کے متعلق کوئی تصور بھی قائم نہیں کر سکتے۔ واللہ أعلم۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان آیات سے اللہ تعالیٰ کی ایک ذاتی صفت ”علم“ کو ثابت کیا ہے جو اس کی ذات کو لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے سوا ہر چیز اس کی مخلوق ہے۔ ہر فعل کو اپنے ارادے اور اختیار سے کیا جاتا ہے، اس انداز سے فعل کا صدور عالم اور زندہ ہستی سے ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ کا علم حادث نہیں جیسا کہ بعض گمراہ لوگوں کا خیال ہے کیونکہ حدوث کی تین صورتیں ممکن ہیں: ○ حدوث ذاتی: وہ یہ ہے کہ کوئی مسبوق بالعدم ہو، یعنی گزشتہ وقت میں اس کا وجود غیر پر منحصر ہو۔ ○ حدوث زمانی: وہ یہ ہے کہ کوئی شے مسبوق بالعدم، یعنی پہلے اس کا وجود نہ ہو۔ ○ حدوث اضافی: گزشتہ وقت اس کا وجود دوسرے سے کم تر ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ان تینوں صورتوں سے پاک ومبرا ہے، اس بنا پر علم اللہ تعالیٰ کا ذاتی وصف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس وصف سے متصف ہونے پر اس قدر دلائل ہیں کہ اس کا انکار گمراہ یا معاند ہی کر سکتا ہے، چنانچہ پیش کی گئی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ

1 عمدة القاري: 582/16. 2 صحيح مسلم، الذكر والدعاء، حديث: 6889 (2713).

نے خود اپنی تعریف کی ہے کہ وہ غیب کو جاننے والا ہے اور اس پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ غیب کا علم اس کے سوا کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ غیب کی تعریف یہ ہے کہ جو حواس خمسہ، عقل اور دیگر ذرائع سے بالا ہو۔ مخلوق کا علم ان ذرائع و وسائل کا محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم ان ذرائع و وسائل کا محتاج نہیں۔ بہر حال عالم الغیب ہونا ایک ایسا وصف ہے جس میں کوئی دوسرا اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں۔[1]

٧٣٧٩ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللهُ: لَا يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ إِلَّا اللهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ إِلَّا اللهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَتَى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلَّا اللهُ، وَلَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِلَّا اللهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللهُ».

[راجع: ١٠٣٩]

[7379] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''غیب کی چابیاں پانچ ہیں، جنھیں اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا: رحم مادر میں جو کمی بیشی ہوتی ہے وہ اللہ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔ اللہ کے سوا کسی کو پتا نہیں کہ کل کیا ہوگا؟ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی، اللہ کے سوا کسی شخص کو علم نہیں کہ وہ کس زمین میں فوت ہوگا۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔''

فوائد و مسائل: ① ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''غیب کی چابیاں اسی کے پاس ہیں انھیں اس کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔''[2] رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ غیب کے سب علوم ایک مخصوص مقام پر خزانوں کی صورت میں سربمہر بند ہیں، پھر انھیں مقفل کر دیا گیا ہے۔ ان تالوں کی چابیاں صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں، ان خزانوں پر مطلع ہونا تو درکنار ان چابیوں کا علم بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔ جہاں یہ خزانے سربمہر ہیں وہاں ہر چیز کی مقادیر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے لکھ رکھی ہیں۔ اسی مقام کو قرآن مجید میں لوح محفوظ، ام الکتاب، امام مبین، کتاب مکنون اور کتاب مبین کہا گیا ہے۔ یہی مقادیر تمام مخلوقات کا مبدأ یا نقطۂ آغاز ہیں۔ ان خزانوں تک ان خزانوں کے مالک کے علاوہ اور کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ ان خزانوں کی وسعت کو عام لوگوں کے ذہن نشین کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بحر و بر (خشکی اور تری) میں جو کچھ ہے اسے وہی جانتا ہے، کوئی پتا (بھی) نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے، نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ایسا ہے جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ تر اور خشک جو کچھ بھی ہے سب کتاب مبین میں موجود ہے۔''[3] ② کائنات میں جو کچھ ہو چکا ہے اور آئندہ جو کچھ ہونے والا ہے ان تمام باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ تفصیلی علم رکھتا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر پانچ چیزوں کے متعلق اس طرح وضاحت کی ہے: ''بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہی بارش برساتا ہے اور وہی (یقینی طور پر) جانتا ہے جو کچھ رحموں (ماؤں کے پیٹوں) میں ہے۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائی کرے گا اور کوئی شخص

① شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 107/1. ② الأنعام 59:6. ③ الأنعام 59:6.

نہیں جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہے جو سب کچھ جاننے والا پوری خبر رکھنے والا ہے۔"[1] مذکورہ امور غیب ایسے ہیں جن کا علم کسی انسان کو نہیں ہو سکتا۔ ان پانچ چیزوں میں گویا سارے جہان سمٹ آئے ہیں۔ قیامت سے مراد امور آخرت ہیں۔ ان میں سے صرف قیامت کا ذکر کیا ہے جو دنیا کے زیادہ قریب ہے۔ اس قیامت کے متعلق کسی کو علم نہیں کہ وہ کب آئے گی، چہ جائیکہ اس کے بعد واقع ہونے والے واقعات کا کسی کو علم ہو۔ نفع والی بارش کے متعلق بھی کسی کو علم نہیں، اس سے عالم بالا کی طرف اشارہ کیا ہے، ان میں سے بارش کا ذکر کیا ہے کیونکہ اس سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں لیکن اس کے باوجود قطعی علم کسی کو نہیں ہے۔ محکمۂ موسمیات کی پیش گوئیاں بھی ظن و تخمین اور اندازوں پر مبنی ہوتی ہیں۔ ماں کے پیٹ میں کیا کچھ ہے؟ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ جب جنین میں روح ڈالی جاتی ہے تو ساتھ ہی فرشتہ اس کی عمر، اس کی روزی، خوشحال ہوگا یا تنگ دست، نیز یہ کہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت، یہ تمام باتیں رحم مادر کے مراحل میں شامل ہیں۔ اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ہر مادہ جو کچھ اپنے پیٹ میں اٹھائے ہوئے ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے اور جو کچھ ان کے پیٹوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔"[2] اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں کہ رحم مادہ میں نطفے پر کیا کچھ تغیرات واقع ہوتے ہیں اور اس سے شکل و صورت کیسے بنتی ہے۔ چوتھی بات کہ وہ کل کیا کرے گا، اس سے زمانے کے انواع اور اس میں ہونے والے حوادث کی طرف اشارہ ہے۔ ان میں "آئندہ کل" کا ذکر کیا ہے جو انسان کے بہت قریب ہے۔ جو مستقبل قریب میں ہونے والے حادثات کو نہیں جانتا وہ مستقبل بعید کے واقعات کو کیسے معلوم کر سکتا ہے، یعنی انسان کو کوئی پتا نہیں ہے کہ اسے توبہ کی توفیق نصیب ہوگی یا نہیں بلکہ اسے کل تک جینا بھی نصیب ہوگا یا نہیں۔ آخری بات یہ کہ اس نے کب اور کہاں مرنا ہے؟ اس سے عالم زیریں کی طرف اشارہ ہے، ان میں صرف کسی سرزمین میں مرنے کا ذکر کیا ہے کیونکہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ انسان جہاں رہتا ہے اسے وہیں موت آتی ہے لیکن اس کے باوجود موت کے وقت قدرت اسے کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ موت آنے کے بعد بھی پتا نہیں ہوتا کہ اس نے دفن ہونا ہے یا نہیں، اگر ہونا ہے تو کفن میں یا اس کے بغیر اور کس جگہ پر یا بے گور و کفن درندوں اور پرندوں کی خوراک بننا ہے۔ یہ سب معاملات اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہ پانچ امور ایسے ہیں جن سے ہر انسان کو دلچسپی ہوتی ہے، اس لیے خاص طور پر ان کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ اور بہت سے ایسے امور ہیں جو غیب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان تک کسی انسان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ③ واضح رہے کہ غیب کی دو قسمیں ہیں: ○ ایک قسم کا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کی صفات کے حقائق سے ہے۔ ○ دوسری قسم کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے ہے۔ ان تمام حقائق کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا ہے اپنے انبیاء ؑ کو اس پر مطلع کر دیتا ہے اور جس کی اطلاع کر دے وہ غیب نہیں رہتا کیونکہ وہ وحی کے ذریعے سے معلوم ہو جاتا ہے۔[3]

٧٣٨٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَأَى رَبَّهُ فَقَدْ كَذَبَ،

[7380] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اگر کوئی تم سے یہ کہے کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "نظریں اسے نہیں دیکھ سکتیں" اور جو تجھے یہ کہے کہ

1 لقمان 31:34. 2 الرعد 13:8. 3 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 1/112، 113.

وَهُوَ يَقُولُ: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ [الأنعام: ١٠٣] وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ، وَهُوَ يَقُولُ: لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللهُ.

آپ ﷺ غیب جانتے تھے تو اس نے بھی غلط کہا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

[راجع: ٣٢٣٤]

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کا سبب ورود یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کعب احبار سے ملے تو آپ نے ان سے فرمایا: ہم بنو ہاشم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ یہ بات سن کر کعب احبار نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا شرف و دیدار اور اعزاز گفتگو حضرت موسیٰ اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ دو دفعہ ہم کلام ہوا ہے اور حضرت محمد ﷺ نے دو دفعہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ حضرت مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور عرض کی: کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو انھوں نے مذکورہ حدیث بیان فرمائی۔ [1] ② امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا انکار کسی مرفوع حدیث کی بنیاد پر نہیں کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے صرف اجتہاد پر اکتفا کیا ہے جبکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کے خلاف موقف منقول ہے۔ جب کوئی صحابی بات کہے اور دوسرا مخالفت کرے تو بالاتفاق حجت نہیں ہوتی۔ امام نووی رحمہ اللہ پر تعجب ہوتا ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایسی بات کیوں کہی، حالانکہ صحیح مسلم میں صراحت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سن کر حضرت مسروق نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور اس نے اسے روشن افق پر دیکھا ہے۔" [2] نیز فرمایا: "ایک مرتبہ اور بھی اس نے اسے دیکھا۔" [3] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ [4] صحیح مسلم کی سند کے ساتھ ابن مردویہ نے مزید نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے سب سے پہلے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، میں نے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو اترتے ہوئے دیکھا۔" [5] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: "وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔" [6] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے یہ آیت پڑھی: "آپ نے جو دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہیں کی۔" [7] مزید فرمایا: "رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی آنکھ سے دیکھا تھا۔" [8] ہمارے رجحان کے مطابق سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس صراحت کے بعد وجہ اختلاف از خود ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف ہی مبنی بر حقیقت معلوم ہوتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں یہ وضاحت ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو (اس دنیا میں) ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا، البتہ عالم

---

(1) جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3278. 2 التكوير 23:81. 3 النجم 13:53. 4 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 439(177). (5) شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 116/1. 6 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 443(178). 7 النجم 11:53. (8) جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3281.

آخرت میں اہل جنت اپنے رب کے دیدار سے ضرور فیض یاب ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "قیامت کے دن بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔"[1] احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے۔ آمین، یارب العالمین۔ ③ اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے، اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں حتی کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی ایسا علم حاصل نہیں۔ قرآن مجید میں اس بات کی صراحت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "(اے محمد!) آپ ان سے کہہ دیں: میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں ہی جانتا ہوں۔"[2] نیز فرمایا: "اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔"[3] ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم نہیں تھا، البتہ اگر بذریعہ وحی کچھ غیب کی باتیں آپ ﷺ کو بتادی گئی ہوں تو وہ اس موضوع سے خارج ہیں۔ اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وہ غیب دان ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے ایسے رسول کے جسے وہ (کوئی غیب کی بات بتانا) پسند کرے، پھر وہ اس (وحی) کے آگے اور پیچھے محافظ لگا دیتا ہے۔"[4] علامات قیامت، امور آخرت، حشر نشر، حساب کتاب اور جنت دوزخ سے متعلقہ حقائق غیب سے تعلق رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی اپنے رسول ﷺ کو بتا دیے اور انھوں نے ان کو امت تک پہنچا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے انھیں نہ تو آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم کو ان کا علم تھا۔"[5] اس بات پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم نہیں تھا مگر جو بات اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بتا دیتا وہ معلوم ہو جاتی، چنانچہ ابن اسحاق نے اپنی تالیف "مغازی" میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی تو ابن صلیت کہنے لگا کہ محمد ﷺ خود کو پیغمبر کہتے ہیں اور آسمان کے حالات تم سے بیان کرتے ہیں لیکن انھیں اپنی اونٹنی کے متعلق معلومات نہیں ہیں کہ وہ کہاں ہے؟ یہ بات جب رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "فلاں شخص ایسی ایسی بات کہتا ہے، اللہ کی قسم! میں تو وہی بات جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے بتلا دیتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹنی کے متعلق بتا دیا ہے کہ وہ فلاں گھاٹی میں ایک درخت سے اٹکی ہوئی ہے۔" آخر کار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وہاں گئے اور آپ ﷺ کی نشاندہی سے اسے لے آئے۔[6] ④ ہمارے ہاں کچھ غالی قسم کے عقیدت مند ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کا علم تھا۔ ایسا عقیدہ سراسر غلط اور قرآن وسنت کے بالکل ہی خلاف ہے۔ اسی طرح کچھ شعبدہ باز اور مداری قسم کے لوگ بھی علم غیب رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کچھ کشف والہام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس قسم کے دعووں کی کیا حقیقت ہے؟ مثلاً: ایک نجومی، جوتشی جوفٹ پاتھ پر بیٹھ کر لوگوں کی قسمت کا حال بتاتا ہے اور مختلف طریقوں سے لوگوں کو غیب کی خبریں دیتا ہے اگر وہ یہ علم جانتا ہوتا تو کیا اس کم بخت کی یہ حالت زار ہو سکتی تھی؟ کیا وہ چند دنوں میں امیر کبیر نہ بن سکتا تھا؟ کچھ صوفی حضرات کشف قبور کے قائل ہیں اور کچھ استخارے کے ذریعے سے چوری وغیرہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ شریعت میں ایسے کاموں کی کوئی گنجائش نہیں۔ بہرحال غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور جو اس کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔

---

1 القيامة 23,75:. 2 الأنعام 50:6. 3 الأعراف 188:7. 4 الجن 27,26:72. 5 هود 49:11. 6 فتح الباري: 445/13.

(٥) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿ٱلسَّلَٰمُ ٱلْمُؤْمِنُ﴾ [الحشر: ٢٣]

٧٣٨١ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا مُغِيرَةُ: حَدَّثَنَا شَقِيقُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: كُنَّا نُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَقُولُ: السَّلَامُ عَلَى اللهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، وَلٰكِنْ قُولُوا: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ».

[راجع: ٨٣١]

باب: 5- ارشاد باری تعالیٰ: ''وہ سراسر سلامتی والا، امن دینے والا ہے'' کا بیان

[7381] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم (ابتدائے اسلام میں) نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تو اس طرح کہتے: اللہ پر سلام۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہے (اسے تمھاری دعائے سلامتی کی ضرورت نہیں)، البتہ اس طرح کہا کرو: تمام عبادتیں، نمازیں اور پاکیزہ کلمات اللہ کے لیے ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلامتی ہو۔ آپ پر اللہ کی رحمت اور برکت نازل ہو۔ سلام ہو ہم پر بھی اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ ہم اس طرح کہتے تھے: اللہ کے بندوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کو سلام، فلاں کو سلام اور فلاں کو سلام۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ نہ کہو کہ اللہ پر سلام ہو کیونکہ وہ تو خود سلام ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے تشہد کی تعلیم دی اور فرمایا: ''جب تم اس طرح کہو گے تو آسمان میں یا آسمان و زمین کے درمیان جتنے بھی (نیک) بندے ہیں تمھارا سلام ان سب کو پہنچ جائے گا۔''[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان کے لیے سورۂ حشر کی ایک آیت کا کچھ حصہ منتخب کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے لیے ''سلام'' اور ''مؤمن'' بطور صفاتی نام استعمال کیا گیا ہے۔ سلام کے معنی ظاہری اور باطنی آفات سے پاک اور محفوظ رہنا ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے۔ اس اعتبار سے یہ صفات سلبیہ سے ہے۔ اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ وہ دوسروں کو سلامتی عطا کرنے والا ہے۔ اس لحاظ سے یہ صفت اثباتی اور فعلی ہے، نیز اللہ تعالیٰ کی جنت میں بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہوگی کہ وہ اپنے بندوں کو خود سلام کہے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے حد مہربان رب کی طرف سے کہا جائے گا: (تم پر) سلام ہو۔''[2] اس اعتبار سے یہ صفت کلامی ہے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس عنوان سے یہ مقصود معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کی تشبیہ سے پاک قرار دیا جائے اور نام یا کسی معنی میں مخلوق کے ساتھ اشتراک سے قطعاً تشبیہ مراد نہیں ہے، مثلاً: ہاتھ، پاؤں، آنکھ یا اس طرح کی دیگر صفات جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے یا اس کے رسول ﷺ نے

[1] صحیح البخاری، الأذان، حدیث: 835. [2] یٰسٓ 36: 58.

اپنے پروردگار کے لیے ثابت کیا ہے وہ اس کے شایان شان ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مذکورہ صفت کی وجہ سے ہر قسم کے عیب اور نقص سے پاک اور سالم ہے۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات میں غور کرتے ہیں تو سلامتی کی صفت ہر مقام پر نمایاں ہے، مثلاً: ○ اس کا زندہ ہونا، موت، نیند اور اونگھ سے سلامتی ہے۔ ○ اس کا قیوم ہونا، حاجت، تھکاوٹ وغیرہ سے محفوظ ہونا ہے۔ ○ اس کا علم، نسیان، بھول چوک یا غور وفکر سے سالم ہے۔ ○ اس کے کلمات، جھوٹ، وعدہ خلافی سے محفوظ ہیں۔ ○ اس کی الوہیت، شراکت وغیرہ سے حفاظت میں ہے۔ ○ اس کی بادشاہت، ہر قسم کے شریک و معاون سے محفوظ ہے۔ ○ اس کا عذاب، انتقام اور ظلم سے محفوظ ہے بلکہ سراسر عدل اور حکمت پر مبنی ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی تمام صفات، تعطیل، تشبیہ اور تاویل سے پاک اور محفوظ ہیں۔ اس حدیث میں اسی سلامتی کی صفت کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کیا گیا ہے، اس لیے یہ حدیث قائم کردہ عنوان کے عین مطابق ہے۔ ④ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ''مؤمن'' بھی ہے اور امن کے معنی ہیں: خوف و خطر سے محفوظ ہونا۔ اس بنا پر ''مؤمن'' کے معنی ہیں: دوسروں کو امان دینے والا اور امن عطا کرنے والا، یعنی اللہ تعالیٰ ایسا قانون دینے والا ہے جس سے فساد فی الارض کے بجائے امن و امان قائم ہو، نیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس کی طرف سے ہر قسم کی حق تلفی، زیادتی یا ظلم کے خوف سے مکمل طور پر امن میں رہے۔ ''مؤمن'' کے دوسرے معنی تصدیق کرنے والا بھی ہیں، یعنی اپنی اور اپنے رسولوں کی زبانی اور عملی طور پر تصدیق کرنے والا یا اہل ایمان کے ایمان پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے مومن کے چھ معنی ذکر کیے ہیں اور پھر ان معانی کا انطباق ذات باری پر کیا ہے۔ یہ بحث بھی قابل مطالعہ ہے۔[1] ہم لوگ جو ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سلام، اللہ کے اسماء میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کے استعمال کے لیے وضع کیا ہے، لہٰذا تم اسے آپس میں ملاقات کے وقت بکثرت استعمال کیا کرو۔''[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابٌ: السَّلَامُ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تعالى ......] ''سلام، اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔''[3] پھر آپ نے مذکورہ حدیث بطور دلیل پیش کی ہے۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ملاقات کے وقت جب لوگ لفظ ''سلام'' استعمال کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔[4] ہمارا رجحان یہ ہے کہ ''سلام'' کے لفظ کا اطلاق مخلوق کے لیے نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔[5] واللہ اعلم۔

(٦) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى : ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾

باب:6- ارشاد باری تعالیٰ: ''لوگوں کا بادشاہ'' کا بیان

فِيهِ ابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت بیان کی ہے۔

---

[1] زاد المسير: 225/8. [2] الأدب المفرد، ص: 343. [3] صحيح البخاري، الاستئذان، باب: 3. [4] معالم السنن: 23/1.
[5] شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 122/1.

وضاحت: حضرت ابن عمر ؓ کی معلق روایت کو امام بخاری ؒ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو مٹھی میں بند کرے گا اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے، پھر کہے گا: ''میں بادشاہ ہوں۔''[1] ''ملک'' اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ ○ یہ صفات ذاتیہ میں سے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لیے اس صفت سے متصف ہے، اس صورت میں قدرت کے معنی ہے۔ ○ اس سے صفت فعلیہ مراد ہے، یعنی اس کا ظہور اس کی مشیت و ارادے پر موقوف ہے اس صورت میں قہر کے معنی دیتا ہے اور لوگوں کے ارادوں کو اپنے ارادے کی طرف پھیرنا مراد ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق ''مَلِك'' صفات فعلیہ میں سے ہے، یعنی اپنی مشیت و ارادے سے کائنات میں اس طرح تصرف کرے کہ اس کے حکم کو رد کرنے والا کوئی بھی نہ ہو اور نہ اس کے فیصلے پر کوئی نظرثانی ہی کرنے والا ہو۔ لوگوں کا بادشاہ اس معنی میں ہے کہ انسانوں پر پورا اقتدار اور اختیار بھی رکھتا ہے اور ظاہری اسباب پر بھی اس کا پورا کنٹرول ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ پوری کائنات کا بادشاہ ہے اور اس میں اپنے احکام کو بزور نافذ کرنے والا ہے۔ جب کسی چیز کو پیدا کرنے یا تباہ کرنے کا ارادہ کرے تو اسے روکنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔

٧٣٨٢ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَقْبِضُ اللهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟».

[7382] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں لے گا اور تمام آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں۔ آج دنیا کے بادشاہ کہاں ہیں؟''

وَقَالَ شُعَيْبٌ، وَالزُّبَيْدِيُّ، وَابْنُ مُسَافِرٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ يَحْيَى عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ. [راجع: ٤٨١٢]

شعیب، زبیدی، ابن مسافر اور اسحاق بن یحییٰ نے امام زہری سے، انھوں نے ابوسلمہ سے یہ روایت بیان کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور پوری کائنات پر کلی تصرف کا یہ عالم ہوگا کہ قیامت کے دن کائنات کی ہر چیز اس کے ہاتھ میں بالکل بے بس ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔''[2] رسول اللہ ﷺ سے اس ہولناک منظر کی مزید وضاحت منقول ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا اور فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں۔ کہاں ہیں جبار؟ اور کہاں ہیں متکبرین؟ پھر بائیں ہاتھ میں زمینوں کو لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں۔ جبار کہاں ہیں؟ متکبرین کہاں ہیں؟''[3] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جس دن سب لوگ کھلے میدان میں ہوں گے اور ان کی کوئی بھی چیز اللہ سے چھپی نہ رہے گی، (کہا جائے گا:) آج حکومت کس کی ہے؟ (پھر اللہ تعالیٰ خود ہی فرمائے گا:) اللہ اکیلے ہی کی جو بہت دبدبے والا

[1] صحیح البخاري، التوحید، حدیث: 7412. [2] الزمر 39:67. [3] صحیح مسلم، صفات المنافقین، حدیث: 7051 (2788).

ہے۔''[1] قیامت کے دن ایک وقت ایسا آئے گا، جب ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ سب قیامت کی ہولناکیوں سے دہشت زدہ ہوں گے۔ کسی کو کلام کرنے کی جرأت و فرصت نہ ہوگی۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے بادشاہوں کو مخاطب کر کے پوچھے گا: آج دنیا کے بادشاہ کہاں ہیں؟ جابر اور متکبر حکمران کہاں ہیں؟ آج کس کی بادشاہی ہے؟ کسی طرف سے کوئی جواب نہیں آئے گا، پھر خود ہی اس کا جواب دے گا کہ آج بادشاہی صرف ایک اللہ کی ہے جو ہر چیز کو دبا کر رکھے ہوئے ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ جب اس کی منظر کشی کر رہے تھے تو آپ ﷺ پر طاری کیفیت کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پرجوش بیان کے وقت منبر نچلے حصے سے (لے کر اوپر کے حصے تک) حرکت کر رہا تھا حتی کہ میں نے کہا: کیا وہ (منبر) رسول اللہ ﷺ کو لے کر گر پڑے گا؟[2] ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس عنوان اور پیش کی گئی حدیث سے یہ مقصود ہے کہ ''الملک'' اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اگرچہ اس کا اطلاق مخلوق کے لیے بھی ہوتا ہے لیکن اس میں کسی بھی پہلو سے تشبیہ کا شائبہ نہیں کہ اس کا انکار یا تاویل کی جائے۔ اللہ تعالیٰ مالک الملک، اس کی بادشاہت مکمل اور مطلق، نیز اس میں کوئی بھی شریک نہیں اور نہ وہ اس کے لیے کسی کا محتاج ہی ہے جبکہ بندوں کی بادشاہت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے، بندے اسے قائم رکھنے کے لیے دوسروں کے محتاج ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''آپ کہہ دیں: اے اللہ! اے مالک بادشاہی کے! جسے تو چاہے حکومت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہے حکومت چھین لیتا ہے۔ تو ہی جسے چاہے عزت دیتا اور جسے چاہے ذلیل کر دیتا ہے۔ ہر قسم کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یقیناً تو ہی ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔''[3] ④ حدیث اور عنوان میں مطابقت اس طرح ہے کہ لوگوں میں ایسے بادشاہ اور جابر حکمران موجود ہیں جن کے لیے ان کی رعایا عاجزی کے ساتھ آداب و احترام بجا لاتی ہے۔ بعض اوقات لوگ ایسے آداب بجا لاتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہوتے ہیں۔ یہ سب ملوک و سلاطین اللہ تعالیٰ کے ماتحت اور اس کے دباؤ میں ہیں۔ وہ ان میں جیسے چاہے تصرف کرتا ہے۔ یہ تصرف قیامت کے دن نمایاں حیثیت اختیار کرے گا جبکہ اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا اور آسمانوں کو اپنے ہاتھ میں لپیٹ کر شانِ بے نیازی سے کہے گا: آج میں بادشاہ ہوں، دنیا کے بادشاہ کہاں ہیں؟ اس وقت ان بادشاہوں کا راز فاش ہوگا جب ذلت و رسوائی نے انھیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہوگا۔[4]

(٧) بَاب قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ﴾ [الروم: ٢٧] ﴿سُبْحَٰنَ رَبِّكَ رَبِّ ٱلْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ [الصافات: ١٨٠] ﴿وَلِلَّهِ ٱلْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِۦ﴾ [المنافقون: ٨] وَمَنْ حَلَفَ بِعِزَّةِ اللهِ وَصِفَاتِهِ

باب: 7- ارشادات باری تعالیٰ: ''اور وہی سب پر غالب کمال حکمت والا ہے۔'' ''آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔'' تمام تر عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے ہے۔'' کا بیان، نیز اللہ کی عزت اور اس کی صفات کی قسم اٹھانے کا حکم

---

1 المؤمن 40: 16. 2 صحیح مسلم، صفات المنافقین، حدیث: 7052 (2788). 3 آل عمران 3: 26. 4 شرح کتاب التوحید للغنیمان: 1/114.

وَقَالَ أَنَسٌ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تَقُولُ جَهَنَّمُ قَطْ قَطْ وَعِزَّتِكَ».

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دوزخ کہے گی: قط، قط تیری عزت کی قسم!''

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «يَبْقَى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَهُوَ آخِرُ أَهْلِ النَّارِ دُخُولًا الْجَنَّةَ، فَيَقُولُ: رَبِّ! اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ، لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهَا».

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت اور دوزخ کے درمیان ایک آدمی باقی رہ جائے گا جو سب سے آخر میں جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوگا۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! میرا چہرہ دوزخ سے ایک طرف کر دے۔ مجھے تیری عزت کی قسم! میں اس کے علاوہ تجھ سے کوئی سوال نہیں کروں گا۔''

قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: لَكَ ذٰلِكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ».

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: تیرے لیے جنت کا یہ مقام اور اس سے دس گنا مزید ہے۔''

وَقَالَ أَيُّوبُ: «وَعِزَّتِكَ لَا غِنٰى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ».

حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: ''اے اللہ! مجھے تیری عزت کی قسم! میں تیری برکت سے بے نیاز نہیں ہوں۔''

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے لیے صفت عزت کو ثابت کیا ہے کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ عزت کے بغیر عزیز ہے جس طرح علم کے بغیر علیم ہے، اس عنوان سے ان کی تردید مقصود ہے۔[1] عزیز اس ذات کا نام ہے جو عزت تام اور قوتِ کامل کی مالک ہو جسے کوئی چیز عاجز نہ کر سکے۔ کائنات کی ہر چیز پر غالب ہو اور کسی وقت بھی مغلوب نہ ہو۔ صفت عزت میں قوت کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عزیز وہ ہے جو ہمیشہ غالب رہے، کسی وقت بھی مغلوب نہ ہو اور جو عزت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ حقیقی، قابل تعریف اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ بعض اوقات عزت کا لفظ قومی حمیت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس وقت کافر اور فاسق کے لیے اس کا اطلاق ہوتا ہے جو کسی صورت میں قابل تعریف نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ﴾ ''اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈر تو اس کا تکبر اور گھمنڈ اسے گناہ پر ابھارتا ہے۔''[2] نیز فرمانِ الٰہی ہے: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا﴾ ''جو شخص عزت چاہتا ہے تو عزت تو تمام تر اللہ ہی کے لیے ہے۔''[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ عزت تو صرف اسے ملے گی جو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو کیونکہ تمام تر عزت کا سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے رسول علیہ السلام اور اہل ایمان کے لیے ثابت کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ ''(تمام تر) عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور اہل ایمان کے لیے ہے۔''[4] بعض اوقات لفظ عزت گراں اور صعوبت کے معنی میں

(1) فتح الباري: 452/13. (2) البقرة 206:2. (3) الفاطر 10:35. (4) المنافقون 8:63.

بھی استعمال ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ ''اگر تمھیں تکلیف پہنچے تو رسول پر بڑی گراں گزرتی ہے۔''[1] یہ غلبے کے معنی میں بھی مستعمل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ﴾ ''اور گفتگو میں بھی اس نے مجھے دبا لیا ہے۔''[2] بعض اوقات قلت کے معنی بھی دیتا ہے۔[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں تین آیات کا حوالہ دیا ہے۔ پہلی آیت میں العزیز صفت عزت کو مشتمل ہے۔ یہ صفت ذات ہے جس کے معنی ہیں: قدرت اور عظمت۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ اس صفت سے متصف ہے اور مخلوق کے اعتبار سے یہ صفت فعل ہے جب چاہے وہ اپنی مخلوق کو عزت اور غلبہ دے۔ دوسری آیت میں عزت کو رب کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں: قہر اور غلبہ۔ ممکن ہے کہ رب مالک اور صاحب کے معنی میں ہو، اس صورت میں صفت ذات ہے، یعنی وہ ہمیشہ عزت والا ہے۔ تیسری آیت میں لفظ عزت غلبے کے معنی میں ہے کیونکہ اس کا پس منظر اس شخص کے دعوے کی تردید ہے جس نے کہا تھا کہ وہ بہت عزت والا ہے اور اس کا مخالف ذلیل تر ہے، اس کی اس طرح تردید فرمائی کہ عزت اور غلبہ تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور اہل ایمان کے لیے ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں عزیز ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے کہ ضرور بالضرور میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑا زور آور سب پر غالب ہے۔''[4] امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الأیمان والنذور میں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابُ الْحَلِفِ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَصِفَاتِهِ وَكَلَامِهِ] ''اللہ کی عزت اور اس کی صفات کی قسم اٹھانا''[5] دراصل اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم اٹھانا دو طرح سے ہے: (ا) اگر اس سے مراد صفت ذات ہے تو قسم درست ہوگی اور قسم توڑنے کی صورت میں، قسم توڑنے والا حانث، یعنی گناہ گار ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی قسم اٹھانا جائز ہے۔ (ب) اگر اس سے مراد صفت فعل ہے جو مخلوق میں پیدا کی جاتی ہے تو اس کی قسم اٹھانا جائز نہیں۔ لیکن جب قسم اٹھانے والا مطلق طور پر اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم اٹھائے تو اس سے مراد صفت ذات کی قسم ہوتی ہے بشرطیکہ اس کا خلاف مقصود نہ ہو۔[6]

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کتاب الأیمان والنذور میں متصل سند سے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جہنم کا کلام نقل کیا ہے جب اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھے گا تو وہ کہے گی: اے اللہ! مجھے تیری عزت کی قسم! بس بس اب میں بھر گئی ہوں۔[7] ہمارے نزدیک جہنم خود کلام کرے گی اور اس وقت اللہ تعالیٰ اس میں بولنے کی قوت پیدا کر دے گا۔ اس کی وضاحت آئندہ بیان ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[8] اس حدیث میں ہے کہ وہ آدمی اللہ کی عزت کی قسم اٹھائے گا۔ مذکورہ حدیث بیان کرنے میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موافقت کی ہے لیکن دس گنا کا اضافہ صرف حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔[9] آخر میں حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم کا بیان ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں صحت دی اور سونے کی ٹڈیاں برسیں تو انھیں اکٹھی کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا میں نے تجھے غنی نہیں کیا؟'' اس پر حضرت ایوب علیہ السلام نے مذکورہ جواب دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[10]

---

1 التوبة 9:128. 2 صٓ 38:23. 3 فتح الباري: 13/452. 4 المجادلة 58:21. 5 صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب رقم: 12. 6 عمدة القاري: 16/595. 7 صحيح البخاري، الأيمان والنذور، حديث: 6661. 8 صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6573. 9 صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6574. 10 صحيح البخاري، الغسل، حديث: 279.

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وعزت اور دیگر صفات کی قسم اٹھانا اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانے کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق نہیں ہیں کیونکہ مخلوق کی قسم اٹھانا شرعاً ناجائز ہے، نیز امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود صفات باری تعالیٰ کو ثابت کرنا اور معتزلہ کی تردید کرنا ہے جو صفات کا انکار یا تاویل کرتے ہیں۔[1]

٧٣٨٣ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْمُعَلِّمُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ: «أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الَّذِي لَا يَمُوتُ، وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ يَمُوتُونَ».

[7383] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کہا کرتے تھے: ”اے اللہ! میں تیری عزت کی پناہ چاہتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ تجھے موت نہیں آئے گی جبکہ جن وانس مر جائیں گے۔“

فوائد ومسائل: ① خوفناک چیز سے بھاگ کر کسی بچانے والے کی پناہ میں آنے کو ”عوذ“ کہا جاتا ہے جبکہ خیر کی تلاش میں تگ ودو کرنے کو ”لوذ“ کہتے ہیں۔ استعاذے کی یہی حقیقت ہے کہ ہر شرارتی کی شرارت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی اکثر عادت مبارک تھی کہ وہ رب العزت کی پناہ مانگتے تھے اور پناہ لیتے وقت اللہ تعالیٰ کی صفت عزت کا حوالہ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے حوالے سے پناہ مانگنا عبادت بلکہ بہترین عبادت ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے درج ذیل حکم کی تعمیل ہوتی ہے: ”اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، لہٰذا تم اسے انھیں ناموں سے پکارا کرو۔“[2] ② اللہ تعالیٰ کی صفات کی پناہ لینا بھی اس کی قسم اٹھانے کی طرح ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اللہ تعالیٰ کی صفت عزت کو ثابت کرنا ہے۔ اس حدیث میں اس کا واضح ثبوت ہے۔

٧٣٨٤ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ: حَدَّثَنَا حَرَمِيٌّ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يُلْقَى فِي النَّارِ».

[7384] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”لوگوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔“

وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ. وَعَنْ مُعْتَمِرٍ: سَمِعْتُ أَبِي عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَزَالُ يُلْقَى فِيهَا وَتَقُولُ: هَلْ مِنْ مَزِيدٍ، حَتَّى يَضَعَ فِيهَا رَبُّ الْعَالَمِينَ

دوسری سند سے اس روایت کے یہ الفاظ ہیں: ”لوگوں کو مسلسل دوزخ میں ڈالا جائے گا اور جہنم کہتی رہے گی: (میرے اندر ڈالنے کے لیے) کچھ اور ہے؟ یہاں تک کہ اللہ رب العالمین اس میں اپنا قدم رکھے گا تو اس کا ایک حصہ دوسرے سے مل جائے گا، اس وقت وہ کہے گی: تیری

[1] شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 150/1۔ [2] الأعراف 7: 180۔

قَدَمَهُ فَيَنْزَوِي بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ ثُمَّ تَقُولُ: قَدْ قَدْ، بِعِزَّتِكَ وَكَرَمِكَ، وَلَا تَزَالُ الْجَنَّةُ تَفْضُلُ حَتَّى يُنْشِئَ اللّٰهُ لَهَا خَلْقًا فَيُسْكِنَهُمْ فَضْلَ الْجَنَّةِ». [راجع: ٤٨٤٨]

عزت اور تیرے کرم کی قسم! بس، بس۔ اور جنت میں بھی جگہ بچ جائے گی یہاں تک اللہ تعالیٰ اس کے لیے (اس وقت) کوئی مخلوق پیدا کرے گا جس سے جنت کے باقی ماندہ حصے کو بھرا جائے گا۔"

فوائد ومسائل: ① ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جس دن ہم جہنم سے کہیں گے: کیا تو بھر گئی ہے؟ اور وہ کہے گی: کیا کچھ اور بھی ہے؟"[1] مذکورہ حدیث اس آیت مبارکہ کی تشریح ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ جب اللہ رب العالمین اپنا قدم جہنم میں رکھے گا تو جہنم اللہ تعالیٰ کی عزت اور اس کے کرم کی قسم اٹھا کر کہے گی: "بس، بس میں بھر گئی ہوں۔" امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے صفت عزت کو ثابت کرنے کے لیے یہ حدیث پیش کی ہے اور خود رسول اللہ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے یہ واقعہ بیان ہوا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے اس صفت باری تعالیٰ کو برقرار رکھا ہے، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق نہیں ہیں کیونکہ مخلوق کی قسم اٹھانا جائز نہیں۔ ③ واضح رہے کہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین کا قدم ہے جسے وہ جہنم میں رکھیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے سلسلے میں صرف اسی صفت کا اظہار ہوگا جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیان کیا ہو یا رسول اللہ ﷺ نے اس کی نشاندہی کی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت کے اثبات کے لیے قرآن و حدیث میں تین صورتیں ممکن ہیں: ○ اللہ تعالیٰ کی صفت قرآن و حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان ہو، مثلاً: العزة اور قدم وغیرہ۔ ○ اللہ تعالیٰ کے اسماء قرآن و حدیث میں مذکورہ ہوں۔ ان اسماء کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہوتی ہے، مثلاً: السمیع اللہ تعالیٰ کا نام ہے، اس کے ضمن میں صفت سمع ہے۔ ○ اللہ تعالیٰ کا کوئی وصف صراحت کے ساتھ قرآن و حدیث میں مذکور ہو، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا، آسمان دنیا کی طرف نزول فرمانا۔ ④ ان صفات کے سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان صفات کو ظاہر پر محمول کیا جائے اور کسی قسم کی تحریف سے کام نہ لیا جائے اور نہ ان کی بے جا تاویلات ہی کی جائیں۔ اور ظاہر سے مراد اس کے وہ معنی ہیں جو لفظ کے سامنے آتے ہی فوراً ذہن میں آ جائیں، بعض اوقات کسی لفظ کے معنی سیاق کلام یا اضافت کی مناسبت سے معلوم ہوتے ہیں۔ الفاظ کے ظاہری معنی وہی مراد ہوں گے جو ذات باری تعالیٰ کے شایانِ شان ہوں جیسا کہ مذکورہ حدیث میں قدم کا اثبات ہے۔ اس لفظ سے مراد وہی معنی ہیں جو لفظ کے سنتے ہی ذہن میں آتے ہیں جسے ہم اپنی زبان میں پاؤں کہتے ہیں لیکن اس قدم سے مراد وہ قدم نہیں جو مخلوق کے لائق ہے بلکہ وہ قدم ہے جو اللہ رب العالمین کے لائقِ شان ہو۔ ⑤ صفات کے متعلق تین اعتقادی گناہوں سے بچنا ضروری ہے۔ ✱ تمثیل: اس سے مراد یہ اعتقاد ہے کہ جو صفات ثابت ہیں وہ مخلوق کی صفات کے مماثل ہیں۔ یہ عقیدہ باطل ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اس جیسی کوئی چیز نہیں۔"[2] ✱ تکییف: اس سے مراد صفات باری تعالیٰ کی کیفیت بیان کرنا ہے، یعنی بندے کا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت اس طرح اور اس طرح ہے۔ یہ عقیدہ بھی باطل ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وہ (لوگ اپنے) علم

---

1 قٓ 50:30. 2 الشورٰی 42:11.

سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔"[1] نیز فرمایا: "جس چیز کا آپ کو کوئی علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑیں۔"[2] اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی صفات کی اطلاع دی ہے، ان کی کیفیت سے ہمیں آگاہ نہیں کیا، لہٰذا اپنی طرف سے ان صفات کی کیفیت بیان کرنا ایسی بے مقصد گفتگو ہے جس کا نہ تو ہمیں علم ہے اور نہ ہمارے لیے اس کا احاطہ ہی ممکن ہے۔ * تاویل: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات کے ایسے معنی بیان کرنا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مراد کے خلاف ہوں اور لغت عرب میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہ ہو۔ "قدم" کے متعلق درج ذیل تاویلات کی گئی ہیں: ○ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مستحق عذاب ہوں گے، جہنم کے مطالبے پر انھیں جھونک دیا جائے گا۔ اس تاویل کی تردید خود حدیث کے الفاظ سے ہوتی ہے۔ ○ اس سے مراد ایسی مخلوق ہے جس کا نام قدم ہو گا۔ اس کے متعلق کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے، محض ایک گپ ہے جسے ہانک دیا گیا ہے۔ ○ اس سے مراد زجر و توبیخ ہے اور جہنم کو خاموش کرانا مقصود ہے جیسا کہ کسی چیز کو مٹانے کا ارادہ ہو تو کہا جاتا ہے کہ میں نے اسے قدموں تلے روند ڈالا ہے۔ لغت عرب میں اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔ ⑥ ہمارے رجحان کے مطابق صفت قدم کو حقیقت پر محمول کرتے ہوئے اس کے ظاہر معنی لیے جائیں اور اس کی کوئی تاویل نہ کی جائے، نیز اس سلسلے میں تمثیل و تکییف سے بچا جائے۔ واللہ أعلم.

(٨) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَهُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ بِٱلْحَقِّ﴾ [الأنعام: ٧٣]

باب: 8- ارشاد باری تعالیٰ: "اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا" کا بیان

وضاحت: زمین و آسمان کو حق کے ساتھ پیدا کرنے کے کئی ایک معنی ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ زمین و آسمان کی پیدائش کھیل، تماشے اور شغل کے طور پر نہیں بلکہ ان سے تعمیری نتائج حاصل کرنا مقصود ہے۔ ○ زمین و آسمان کی پیدائش کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ انتہائی دانش مندی اور منصوبہ بندی کے ساتھ انھیں پیدا کیا گیا ہے۔ ○ زمین و آسمان کو کلمۂ کُنْ سے پیدا کیا ہے۔ یہ حکم "کُنْ" حق ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ قَوْلُهُ الْحَقُّ﴾ "جس دن وہ کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گی۔ اس کی بات ہی سچی ہے۔"[3] امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک آخری معنی راجح معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے اشارہ کیا ہے کہ آیت کریمہ میں حق سے مراد کلمۂ حق ہے جسے کُنْ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[4] واضح رہے کہ الحق اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے جس کے معنی ہیں: حکمت کے تقاضے کے مطابق اشیاء کو وجود بخشنے والا جسے نہ زوال ہے اور نہ تغیر، وہ ہمیشہ سے ہمیشہ تک قائم رہے گا۔

٧٣٨٥ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ

[7385] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ رات کے وقت اکثر یہ دعا پڑھا کرتے تھے: "اے اللہ! تیرے ہی لیے تعریف ہے۔ تو آسمانوں اور

[1] طٰہٰ 20: 110. [2] بنی إسرآئيل 17: 36. [3] الأنعام 6: 73. [4] فتح الباري: 454/13.

يَدْعُو مِنَ اللَّيْلِ: «اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، قَوْلُكَ الْحَقُّ، وَوَعْدُكَ الْحَقُّ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ. اَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَأَسْرَرْتُ وَأَعْلَنْتُ، أَنْتَ إِلٰهِي لَا إِلٰهَ لِي غَيْرُكَ».

زمین کا مالک ہے۔ حمد وثنا تیرے ہی لیے ہے۔ تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے، ان سب کو قائم کرنے والا ہے۔ تعریف تجھے ہی سزاوار ہے۔ تو آسمانوں وزمین کا نور ہے۔ تیرا قول برحق، تیرا وعدہ مبنی برحقیقت ہے، تیری ملاقات برحق، جنت سچ اور جہنم برحق، نیز روز قیامت بھی حق ہے۔ اے اللہ! میں نے تیرے حضور اپنا سر جھکا دیا۔ میں تجھی پر ایمان لایا۔ میں نے تجھی پر بھروسا کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا۔ میں تیری ہی مدد سے باطل کے خلاف برسرپیکار ہوں اور تجھی سے انصاف کا طلب گار ہوں۔ میرے ان تمام گناہوں کو معاف کر دے جو میں پہلے کر چکا ہوں اور جو بعد میں مجھ سے صادر ہوں۔ وہ گناہ بھی معاف کر دے جو میں نے پوشیدہ طور پر کیے ہیں اور جو میں نے علانیہ کیے ہیں، تو ہی میرا معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں۔"

حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهٰذَا، وَقَالَ: «أَنْتَ الْحَقُّ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ». [راجع: ١١٢٠]

ثابت بن محمد کہتے ہیں کہ سفیان ثوری نے ہم سے یہ الفاظ بیان کیے تھے: "تو حق ہے اور تیرا کلام سچ ہے۔"

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ اس امر کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں "حق" سے مراد کلمۂ "کُنْ" ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے، کیونکہ جو چیز کلمۂ کُنْ سے پیدا ہوگی وہ مخلوق اور کلمۂ کُنْ غیر مخلوق ہے۔ جس کلمے سے مخلوق کو پیدا کیا ہے وہ کسی صورت میں مخلوق کے مماثل نہیں ہو سکتا، اس لیے اللہ تعالیٰ کے قول اور اس کی مخلوق کے درمیان فرق کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام، اس کی صفت ہے اور جو چیز اس کے باعث معرض وجود میں آئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ ② اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا محل استشہاد "قَوْلُكَ الْحَقُّ" ہے۔ آپ نے مسئلۂ کلام اللہ میں فرقہ جہمیہ اور اشاعرہ کا رد کیا ہے۔ کلام اللہ کے متعلق جہمیہ کا نظریہ یہ ہے کہ کلام، اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہوا میں پیدا کیا ہے یا جس جگہ سے کلام سنائی دیتا ہے وہاں پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت اضافت خلق ہے جیسا کہ ناقۃ اللہ یا اضافت تشریف ہے جیسا کہ بیت اللہ۔ اس کے متعلق اشاعرہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا اس کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے لیکن اس کی مشیت سے متعلق نہیں۔ سنے جانے والے حروف و الفاظ اور آوازیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جو اس نے اپنی ذاتی صفت کلام کی تعبیر کے لیے پیدا فرمائے ہیں۔ ان دونوں فرقوں کے موقف

کا جائزہ ہم آئندہ پیش کریں گے۔ اس سلسلے میں ہمارا رجحان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام کو بلا تحریف وتعطیل اور بلا تکییف وتمثیل ثابت کیا جائے اور اسے حقیقت تسلیم کیا جائے جیسا کہ اس کی ذات کے لائق ہے اور اس کا کلام فرمانا اس کی مشیت کے تابع ہے اور وہ حروف اور سنی جانے والی آواز کے ساتھ کلام فرماتا ہے۔ اس موقف پر سلف صالحین کا اتفاق ہے۔ واللہ أعلم. ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے حوالے سے کچھ زائد الفاظ بیان کیے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی حدیث قبیصہ نے جب یہ حدیث سفیان ثوری رحمہ اللہ سے بیان کی ہے تو اس [قَوْلُكَ الْحَقُّ] سے پہلے [أَنْتَ الْحَقُّ] کے الفاظ ساقط ہو گئے جبکہ ثابت بن محمد نے حضرت سفیان سے ان الفاظ کو بیان کیا ہے۔ یہ الفاظ مکمل سیاق کے ساتھ آگے بیان ہوں گے۔[1]

(٩) بَابُ [قَوْلِ اللهِ تَعَالَى] ﴿وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ [النساء: ١٣٤]

باب: 9- ارشاد باری تعالیٰ: ”اللہ تعالیٰ سننے والا خوب دیکھنے والا ہے“ کا بیان

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت اللہ تعالیٰ کی دو صفات ”سمع اور بصر“ کو ثابت کیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تمام صفات بھی کاملہ ہیں۔ ان میں کسی قسم کا کوئی نقص یا عیب نہیں ہے۔ ان صفات کاملہ میں سے ایک صفت سمع اور دوسری بصر ہے، اس بنا پر اس کے صفاتی نام سمیع اور بصیر قرآنی آیات میں آئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غیر اللہ کے معبود ہونے کا ابطال اس دلیل سے کیا کہ وہ سمع اور بصر سے محروم ہیں، چنانچہ آپ علیہ السلام نے اپنے باپ کو مخاطب کر کے فرمایا: ”اے میرے باپ! تو ان چیز کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنتی ہے اور نہ دیکھتی ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ ہی پہنچا سکتی ہے۔“[2] اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی ذات کا سمع اور بصر سے محروم ہونا اس کے عجز اور نقص پر دلالت کرتا ہے۔ اگر مخلوق میں کچھ صفات کمال ہیں تو محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اس میں مخلوق کی ذاتی کوشش کو کوئی دخل نہیں۔ بہرحال سمع اور بصر اللہ تعالیٰ کے لیے اعلیٰ درجے کی صفات ہیں جو مبنی بر حقیقت اور کمال و مدح پر مشتمل ہیں۔ اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ نے صفات باری کے متعلق دو غالی فرقوں کی تردید کی ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمع کے بغیر سمیع اور بصر کے بغیر بصیر ہے کیونکہ سمع کان کی جھلی سے آواز کی لہروں کے ٹکرا جانے کا نام ہے اور بصر، آنکھ کی شعاع کا بالمقابل چیز پر پڑنے کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی چیزوں کا ثابت کرنا اس کی شان کے خلاف ہے۔ کچھ لوگوں نے ان صفات کی تاویل کی ہے کہ وہ جاننے والا ہے، یعنی سننے اور دیکھنے سے مراد اشیاء کے بارے میں معلومات رکھنا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان دونوں گروہوں کی تردید فرمائی ہے۔ معتزلہ کی تردید اس طرح ہے کہ کان کی جھلی سے آواز کے ٹکرانے سے صفت سمع کا پیدا ہونا اور آنکھ کی شعاع کا سامنے کی چیز پر پڑنے سے صفت بصر کا وجود میں آنا یہ مخلوق کے لیے ہے کہ وہ ان صفات کے لیے اسباب اور ذرائع کی محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ آواز کے ٹکرانے اور شعاعوں کے نکلنے سے پاک ہے۔ وہ ان کے بغیر سنتا اور دیکھتا ہے۔ اسی طرح دوسرے گروہ

[1] صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7442. [2] مريم 19: 42.

کے مطابق لازم آتا ہے کہ نابینا اور بہرہ رب العالمین کے مساوی ہو کیونکہ نابینا جانتا ہے کہ آسمان نیلا ہے، حالانکہ وہ دیکھتا نہیں ہے اور بہرہ جانتا ہے کہ کائنات میں آوازیں ہیں، حالانکہ وہ انھیں سنتا نہیں، اس بنا پر یہ عقیدہ ظاہر البطلان ہے، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ سمیع اور بصیر کے عالم ہونے کے علاوہ ایک زائد معنی کو ثابت کیا جائے اور وہ سمع اور بصر ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سمیع وہ ہوتا ہے جو کان کے ذریعے سے مسموعات کو سنے اور بصیر وہ ہوتا ہے جو آنکھ کے ذریعے سے کسی مرئی چیز کو دیکھے۔ یہ دونوں صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے [كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا] پڑھا اور اپنے انگوٹھے کو کان پر اور ساتھ والی انگلی کو اپنی آنکھ پر رکھا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے دیکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اپنی انگلیاں کان اور آنکھ پر رکھی تھیں۔[1] اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے، نیز اللہ تعالیٰ کی آنکھیں اور کان ہیں، ان صفات کے معنی "جاننے والا" نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ثابت کرنے کے لیے دل کی طرف اشارہ کرتے جو علم کا محل ہے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا ہے۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے متصل سند سے ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کے کانوں نے ہر قسم کی آوازوں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ایک جھگڑنے والی (حضرت خولہ رضی اللہ عنہا) آئی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معاملے میں جھگڑنے لگی۔ میں گھر کے ایک کونے میں موجود تھی لیکن مجھے اس کی بات سنائی نہ دیتی تھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کو سن کر یہ آیت نازل فرمائی۔[3] اس حدیث میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت "سمع" ثابت ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں صفت بصر کی بھی صراحت ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے حجاب نور ہیں۔ اگر وہ انھیں دور کر دے تو اس کے چہرے کی کرنیں اس کی حد بصر تک مخلوق کی ہر چیز کو جلا کر راکھ بنا دیں۔"[4] ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم صفات باری تعالیٰ کے سلسلے میں نصوص کے ظاہری معنی پر ایمان لائے، انھوں نے ان کی کوئی تاویل نہیں کی اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھی یہی ہے کہ انھیں مبنی برحقیقت تسلیم کیا جائے کیونکہ اگر اس سلسلے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف غلط ہوتا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول انھیں ضرور متنبہ کرتے اور انھیں صحیح راستہ اختیار کرنے کے متعلق کہا جاتا لیکن کسی صحیح یا ضعیف حدیث میں ان کے متعلق کوئی تاویل منقول نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صفات کے متعلق تاویل کا سہارا لینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہج نہیں اور نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین عظام رحمہم اللہ ہی نے اسے اختیار کیا ہے۔[5]

وَقَالَ الْأَعْمَشُ عَنْ تَمِيمٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَسِعَ سَمْعُهُ الْأَصْوَاتَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى النَّبِيِّ ﷺ: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا﴾

امام اعمش، حضرت تمیم سے، وہ عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کے کان ہر قسم کی آواز کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت

---

1 سنن أبي دود، السنة، حديث: 4728. 2 فتح الباري: 456/13. 3 مسند أحمد: 46/6. 4 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 445 (179). 5 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 189/1.

[المجادلة: 1].

نازل فرمائی: ''یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے متعلق آپ سے جھگڑ رہی تھی۔''

٧٣٨٦ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَكُنَّا إِذَا عَلَوْنَا كَبَّرْنَا فَقَالَ: «ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا قَرِيبًا». ثُمَّ أَتَى عَلَيَّ وَأَنَا أَقُولُ فِي نَفْسِي: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، فَقَالَ لِي: «يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ! قُلْ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ»، أَوْ قَالَ: «أَلَا أَدُلُّكَ؟» بِهِ. [راجع: ٢٩٩٢]

[7386] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے، جب ہم کسی پہاڑ کی بلندی پر چڑھتے تو بآواز بلند ''اللہ اکبر'' کہتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! اپنے آپ پر رحم کھاؤ! تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے بلکہ تم سب کچھ سننے والے، خوب دیکھنے والے اور بہت زیادہ قریب رہنے والے کو بلا رہے ہو۔'' پھر آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے جبکہ میں اپنے دل میں ''لاحول ولا قوة إلا باللہ'' کہہ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اے عبداللہ بن قیس! تم لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔'' یا آپ نے فرمایا: ''کیا میں تمھاری (جنت کے خزانے کی طرف) رہنمائی نہ کروں؟''

فوائد و مسائل: ① اللہ تعالیٰ غائب نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر جگہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر آواز کو سن رہا ہے۔ وہ اس قدر دور نہیں کہ اسے بآواز بلند پکارنے کی ضرورت پیش آئے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''(اے نبی!) جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو (انھیں کہہ دو کہ) میں قریب ہوں۔ پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں وہ جب بھی مجھے پکارے۔''[1] آواز کیا چیز ہے وہ تو دل کی بات اور آنکھ کی خیانت کو جانتا ہے، اسی لیے فرمایا: تم سب کچھ سننے والے، دیکھنے والے اور انتہائی قریب رہنے والے کو پکارتے ہو۔ بندہ بھی ان صفات سے متصف ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم نے اسے (انسان کو) خوب سننے والا خوب دیکھنے والا بنایا ہے۔''[2] لیکن بندے کے سمع اور بصر ناقص ہیں جو دور سے سن نہیں سکتا بلکہ قریب بھی اگر پردہ یا اوٹ حائل ہو تو اس کی سماعت و بصارت کام نہیں آتی لیکن اللہ تعالیٰ کامل طور پر ان صفات سے متصف ہے۔ اس کی سمع سے کوئی حرکت فوت نہیں ہوتی، خواہ وہ کتنی پوشیدہ ہو۔ وہ رات کے اندھیرے میں سفید پتھر پر چلنے والی چیونٹی کے قدموں کی آہٹ کو سنتا ہے بلکہ اس سے بھی مخفی چیزوں کو سنتا ہے۔ سانس کی آمدورفت سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ اسے بھی سنتا ہے جبکہ خود انسان اسے نہیں سن سکتا۔ اس کی بصر کائنات کی تمام حرکات و سکنات کو دیکھتی ہے۔ اتنا انسان کسی انسان کے قریب نہیں جتنا اللہ تعالیٰ اس کے قریب ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم تو اس کی شاہ رگ (رگِ جان) سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔''[3] ② واضح رہے کہ یہ قرب علم اور قدرت کے اعتبار سے ہے ورنہ ذات باری تعالیٰ مستوی علی العرش ہے۔ بعض جہلاء نے

① البقرة 186:2. ② الدھر 2:76. ③ ق 16:50.

اس قسم کی آیات سے یہ فلسفہ کشید کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ بذات خود موجود ہے، پھر انھوں نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود جیسی ناپاک اصطلاحات بنا ڈالیں۔ کچھ لوگوں نے ایک قدم آگے بڑھا دیا کہ حضرات انبیاء ﷺ، خود رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی بلکہ حضرت علی ؓ بھی ہر جگہ موجود ہیں اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں، حتی کہ بعض لوگوں نے اپنے پیروں اور مرشدوں کے ہر جگہ ہونے کی صراحت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق ہم آئندہ تفصیل سے بحث کریں گے۔ ③ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی مذکورہ صفات کے پیش نظر اپنے صحابۂ کرام ؓ سے فرمایا: تم اپنے آپ پر رحم کرو اور ترس کھاؤ۔ نعرۂ تکبیر کہتے وقت اپنی آوازوں کو اس قدر اونچا کرنے کا تکلف نہ کرو۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جس ذات کی تم کبریائی اور تسبیح بیان کرتے ہو وہ سمیع اور بصیر ہے۔ وہ اللہ پوشیدہ آواز کو بھی اسی طرح سنتا ہے جس طرح اونچی آواز کو سنتا ہے اور مخفی اشیاء کو اس طرح دیکھتا ہے جس طرح سر عام پڑی چیز کو دیکھتا ہے۔ اس پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔[1]

٧٣٨٧، ٧٣٨٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ: سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: يَا رَسُولَ اللهِ! عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي، قَالَ: «قُلِ: اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا، وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِي مِنْ عِنْدِكَ مَغْفِرَةً، إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ». [راجع: ٨٣٤]

[7388,7387] حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے ایسی دعا سکھائیں جسے میں اپنی نماز میں پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا: ”یہ دعا پڑھا کرو: اے اللہ! میں نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا ہے۔ تیرے سوا کوئی بھی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں۔ مجھے اپنے پاس سے مغفرت عطا فرما، یقیناً تو ہی بہت زیادہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔“

فوائد و مسائل: ① کچھ شارحین نے کہا ہے کہ مذکورہ حدیث عنوان کے مطابق نہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سمیع اور بصیر ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب علامہ کرمانی ؒ نے دیا ہے کہ کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جنھیں دیکھا یا سنا جاتا ہے، اس دعا کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان گناہوں کو دیکھتا اور سنتا ہے، پھر بندے کی دعا کے مطابق اس کی مغفرت عمل میں آتی ہے۔[2] ② اس مقام پر حدیث سے مقصود یہ ہے کہ جس ذات کو پکارنے والا پکارتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سمیع ہو، تاکہ پکارنے والے کی پکار کو ہر آن سنے اور وہ بصیر ہو، تاکہ اس کی حالت کو دیکھ کر اپنی قدرت کاملہ سے اس کے مطلوب کو اس تک پہنچائے، اگر وہ ایسا نہیں ہوگا تو دعا کرنے والے کی پکار ضائع اور بے کار ہے۔ بندے کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرف قبولیت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سمیع، بصیر، قادر، زندہ اور جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے معبودانِ باطلہ کی بے بسی بایں الفاظ میں بیان کی

---

1 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 191/1. 2 فتح الباري: 459/13.

ہے جو سنتے یا دیکھتے نہیں ہیں: ''اور اس شخص سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہو سکتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر انھیں پکارے جو قیامت تک اس کی دعا قبول نہیں کریں گے، اور وہ (اس قسم کے معبودانِ باطلہ تو) ان کی دعا و پکار ہی سے بے خبر ہیں۔''[1] نیز جس سے دعا کی جائے اس کے چند ایک لوازمات حسب ذیل ہیں: ○ ''وجود'' کیونکہ جو موجود نہ ہو اس سے دعا نہیں کی جاتی۔ ○ ''غنی'' کیونکہ فقیر و محتاج سے کوئی نہیں مانگتا۔ ○ ''سمیع'' کیونکہ بہرے کو کوئی نہیں پکارتا۔ ○ ''کریم'' کیونکہ بخیل سے کوئی سوال نہیں کرتا۔ ○ ''رحیم'' کیونکہ سنگدل سے کوئی التجا نہیں کرتا۔ ○ ''قادر'' کیونکہ عاجز اور بے بس کو کوئی نہیں پکارتا۔[2] ③ ان حقائق کی بنا پر مذکورہ حدیث عنوان کے عین مطابق ہے کیونکہ اس دعا میں انسان اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر عرض کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہونا اسی وقت صحیح ہوگا جب وہ سنتا، دیکھتا اور حاضر ہو، بصورت دیگر غائب کو کون مخاطب کرتا ہے۔ واللہ أعلم.

٧٣٨٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَادَانِي، قَالَ: إِنَّ اللهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ». [راجع: ٣٢٣١]

[7389] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا، نبی ﷺ نے فرمایا: ''حضرت جبریل نے مجھے آواز دے کر کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی بات سن لی ہے اور جو کچھ انھوں نے آپ کو جواب دیا ہے اسے بھی سن لیا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے یہ حدیث انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کی ہے، اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا احد کے دن سے زیادہ گراں اور تکلیف دہ دن بھی کبھی آپ پر آیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ''ہاں، تمھاری قوم سے مجھے جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ان میں سب سے سنگین مصیبت اور شدید تکلیف وہ تھی جو مجھے عقبہ کے دن پہنچی، جب میں نے اپنے آپ کو عبد یالیل بن عبد کلال کے صاحبزادے پر پیش کیا، مگر اس نے میری بات قبول نہ کی، میں غم و الم سے نڈھال اپنے رخ پر چل پڑا۔ مجھے قرن ثعالب پہنچ کر کچھ افاقہ ہوا۔ وہاں میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے۔ میں نے بغور دیکھا تو اس میں حضرت جبرئیل ؑ تھے۔ انھوں نے مجھے آواز دیتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا کلام اور ان کا جواب سن لیا ہے۔ اب اس لیے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ ان کے متعلق اسے جو حکم دیں اس کی تعمیل ہوگی۔ اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی اور سلام کرنے کے بعد کہا: اے محمد! بات یہی ہے، اب آپ جو چاہیں میں کرنے کے لیے حاضر ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو میں انھیں دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گی۔''[3] ② اس حدیث میں واضح طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتیں سنتا ہے اور انھیں دیکھتا ہے۔

1 الأحقاف 46: 5. 2 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 196/1. 3 صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3231.

اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ سمع اور بصر اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات ہیں جس کے متعلق ہم ابھی بیان کر آئے ہیں۔ جو شخص ان صفات کا انکار کرتا ہے، اسے ان سے آگاہ کیا جائے۔ اور دلائل و براہین سے اسے قائل کیا جائے اگر وہ اپنے انکار پر جما رہے اور حق کی وضاحت کے باوجود اسے قبول نہ کرے تو اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ اس نے ایک ایسی چیز کا انکار کیا ہے جو تمام انبیاء ﷺ کے اجماع سے ثابت ہے۔[1] حافظ ابن حجر ﷫ نے کرمانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان احادیث سے اللہ تعالیٰ کی دو ذاتی صفات سمع اور بصر کا ثبوت ملتا ہے۔ جب کوئی سنائی اور دکھائی دینے والی چیز وجود میں آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذاتی قدیم صفات کا تعلق ان سے قائم ہو جاتا ہے جبکہ معتزلہ ان صفات کو حادث کہتے ہیں۔ قرآنی آیات اور احادیث ان کے موقف کی تردید کرتی ہیں۔ بہرحال اس سلسلے میں اسلاف کا موقف ہی صحیح اور درست ہے۔[2] واللہ المستعان۔

(۱۰) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ﴾ [الأنعام: ٦٥]	باب: 10- ارشاد باری تعالیٰ: ''کہہ دیجیے! وہی (اللہ) قدرت والا ہے'' کا بیان

وضاحت: امام بخاری ﷫ نے اس عنوان کے تحت اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت کو ثابت کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔ اہل اسلام اور دیگر اہل مذاہب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے لیکن بعض لوگوں نے اس صفت میں بھی کج روی کا پہلو اختیار کیا ہے، مثلاً: ○ امکان کذب باری تعالیٰ، یعنی کیا اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہے، العیاذ باللہ، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بری صفات کی نسبت کرنا صریح کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کوئی نہیں اور وہ تمام بری صفات سے پاک ہے۔ ○ کیا اللہ تعالیٰ خود کو ختم کرنے پر قادر ہے، ایسا کہنا بھی کفر ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی توہین لازم آتی ہے۔ اس نے خود اپنے بارے میں فرمایا: ''اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔''[3] ○ کیا اللہ تعالیٰ ظلم کرنے پر قادر ہے، ایسا کلمہ اللہ تعالیٰ کی توہین پر مبنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سبھی صفات ہی اچھی ہیں اور کمال مدح پر مبنی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔''[4] اللہ کی طرف ظلم کی نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کی توہین ہے۔ ○ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ کسی کو ایک ہی وقت میں مارے اور زندہ کرے، یعنی وہ بیک وقت مرا ہوا اور زندہ بھی ہو تو اس طرح کی فضولیات بکنا بھی کفر ہے بلکہ ذہن میں بھی اس قسم کا تصور نہیں لایا جا سکتا کیونکہ اس طرح کی چیز کا وجود ہی نہیں اور نہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے۔ دراصل اللہ کی قدرت کا تعلق اس کی مشیت سے ہے۔ وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جسے نہیں چاہتا نہیں ہوتا اور ہر چیز اس کی قدرت کا کرشمہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور وہی جب چاہے انھیں اکٹھا کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔''[5] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قدرت کو اپنی مشیت پر موقوف رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات میں الحاد اور کج روی کے عام طور پر تین اسباب ہیں: ✱ ایسا انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق علم نہیں رکھتا بلکہ جہالت

1 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 1/199. 2 فتح الباري: 13/459. 3 القصص 28:88. 4 الكهف 18:49.
5 الشوریٰ 42:29.

کی وجہ سے خلاف حق موقف اختیار کرتا ہے۔ ٭ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق شکوک و شبہات کا شکار ہوتا ہے۔ ٭ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے عداوت اور دشمنی رکھتے ہوئے ان کے عقائد خراب کرنا چاہتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں متعدد مقام پر اپنی قدرت کو بیان فرمایا ہے اور جملہ اہل اسلام اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو ثابت کرتے ہیں۔

٧٣٩٠ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِي قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْمُنْكَدِرِ يُحَدِّثُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الْحَسَنِ يَقُولُ: أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ السَّلَمِيُّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُعَلِّمُ أَصْحَابَهُ الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا، كَمَا يُعَلِّمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ، يَقُولُ: «إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لْيَقُلِ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ. اَللّٰهُمَّ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ هٰذَا الْأَمْرَ، ثُمَّ يُسَمِّيهِ بِعَيْنِهِ، خَيْرًا لِّي فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ، قَالَ: أَوْ فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي، فَاقْدُرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي، ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ. اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّهُ شَرٌّ لِّي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ». [راجع: ١١٦٢]

[7390] حضرت جابر بن عبداللہ سلمی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تمام (جائز) کاموں میں استخارہ کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ جس طرح آپ انھیں قرآن کی کوئی سورت سکھاتے تھے، آپ فرماتے: ”جب تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ فرض کے علاوہ دو رکعت نفل پڑھے، پھر یوں کہے: ”اے اللہ! میں تیرے علم کے طفیل اس کام میں خیریت طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے طفیل اس کام میں طاقت مانگتا ہوں اور تیرے فضل کا طلبگار ہوں کیونکہ تجھے قدرت ہے مجھے نہیں، تو جانتا ہے میں نہیں جانتا، تو غیوں کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (یہاں اس کام کا بعینہ نام لے) میرے لیے دنیا و آخرت میں...... یا اس طرح فرمایا کہ میرے دین، میری زندگی اور میرے ہر انجام کے اعتبار سے...... بہتر ہے تو مجھے اس کی قدرت دے اور میرے لیے اسے آسان کر دے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (یہاں اس کام کا بعینہ نام لے) میرے لیے دنیا و آخرت میں...... یا اس طرح فرمایا کہ میرے دین، میری زندگی اور میرے ہر انجام کے اعتبار سے...... برا ہے تو مجھے اس کام سے دور رکھ اور میرے لیے بھلائی مقدر کر دے جہاں بھی وہ ہو، پھر مجھے اس پر راضی اور خوش کر دے۔“

فوائد و مسائل: ① اسلام سے پہلے مستقبل میں قسمت آزمائی کے متعلق مختلف طریقے رائج تھے، مثلاً: ○ تیروں اور پانسوں سے قسمت آزمائی اور کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ○ قیافہ شناسی کو بھی بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اسے

بطور پیشہ اختیار کیا جاتا تھا۔ ○ پرندوں کو اڑا کر پیش آنے والے امور کے متعلق فیصلہ کیا جاتا کہ وہ کس طرف جاتا ہے۔ ○ اس سلسلے میں کاہنوں اور نجومیوں کا کام بھی عروج پر تھا۔ اسلام نے ان طریقوں کو غلط ٹھہرا کر امت مسلمہ کے لیے صرف استخارے کو جائز ٹھہرایا۔ اس میں انسان اپنی عاجزی اور بے بسی کا اظہار کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور علم وقوت کے ذریعے سے پیش آنے والے مسائل کے متعلق رہنمائی کا سوال کرتا ہے۔ اس کے آداب وشرائط اور فوائد بھی احادیث میں بیان ہوئے ہیں لیکن بعض اوقات انسان اس مسنون عمل کے بجائے خود ساختہ طریقے اختیار کر لیتا ہے جن کا کتاب وسنت میں کوئی ثبوت نہیں۔ اس مسنون عمل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے عقیدے کی اصلاح ہوتی ہے کیونکہ اس میں توحید الوہیت کا اظہار اور صرف اپنے اللہ پر توکل کرنا ہوتا ہے، نیز استخارہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ② استخارہ کن کاموں میں جائز اور کن امور میں ناجائز ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ وہ معاملات جن پر عمل کرنا واجب اور ضروری ہے، ایسے امور میں استخارہ کرنا جائز نہیں۔ ○ جن امور سے بچنا ضروری ہے، ان میں بھی استخارہ کرنا صحیح نہیں۔ ○ جو کام شریعت کی نظر میں پسندیدہ ہیں، ان میں استخارہ کرنا درست نہیں۔ ○ جن امور کے کرنے یا نہ کرنے کا انسان کو اختیار دیا گیا ہے، یعنی جو کام مباح اور جائز وحلال کے دائرے میں ہیں ایسے کاموں میں استخارہ درست اور فائدہ مند ہے۔ ③ شادی جیسے اہم معاملے میں بھی استخارہ کرنا چاہیے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو استخارے کا حکم دیا تھا۔[1] ④ واضح رہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خواب آنا ضروری نہیں کہ اس میں انسان کو وہ کام کرنے یا نہ کرنے کا اشارہ ملے بلکہ قلبی رجحان اور طبعی میلان جس طرف ہو جائے اس پر عمل کیا جائے۔ استخارے میں انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کے حوالے سے اپنی بے بسی اور عاجزی کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتا ہے: اے اللہ! تو ہی قدرت کاملہ کا سزاوار ہے، میں تو بے بس اور لاچار ہوں تو اپنی قدرت کاملہ سے مجھے وہ چیز مہیا کر جسے میں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے تمام اسباب ووسائل پیدا کر دے، تو ہی معاملات کے نتائج وانجام کو پوری طرح جاننے والا ہے۔ اے اللہ! تجھ پر ماضی، حال اور مستقبل کا کوئی واقعہ مخفی نہیں ہے، تیرا علم ہر چیز پر حاوی ہے جبکہ میں اس سلسلے میں بالکل تہی دست ہوں۔ میں تو وہی کچھ جانتا ہوں جس سے تو نے مجھے آگاہ کیا ہے۔ ⑤ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت کو ثابت کیا ہے اور اس کی قدرت ہر مقدور کو شامل ہے۔ اس سے معتزلہ قدریہ کی تردید مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو نہیں مانتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اپنے خود ساختہ اصولوں میں مقید کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت کریمہ میں اتنا حصہ ہی ذکر کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہے۔ جو چیز بھی ذاتی طور پر ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، جس چیز کا ارادہ کر لیتا ہے اس کے متعلق ہونے کا فیصلہ کر دیتا ہے، اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں اور نہ کسی کو اس کے فیصلے میں رخنہ اندازی کی ہمت ہی ہے۔

(۱۱) بَابٌ : مُقَلِّبُ الْقُلُوبِ

باب: 11 - دلوں کو پھیرنے والی ذات

وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور ہم ان کے دل اور ان کی

---

[1] المستدرك للحاكم : 314/1.

وَأَبْصَـٰرَهُمْ﴾ [الأنعام: ١١٠]. آنکھیں پھیر دیں گے۔"

وضاحت: دلوں کو پھیرنے کے معنی ان کا ایک رائے سے دوسری رائے کی طرف پھیر دینا ہیں۔ اس سے دل کو الٹا کر دینا مراد نہیں۔ پوری آیت کریمہ اس طرح ہے: "اور ہم ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو ایسے ہی پھیر دیں گے جیسے وہ پہلی بار بھی اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائے اور ہم انھیں ان کی سرکشی ہی میں بھٹکتے چھوڑ دیں گے۔" اس آیت کریمہ میں دلوں کو پھیرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے جبکہ قدریہ کا کہنا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ بندہ ہی اپنے ارادے اور قدرت میں مستقل ہے۔ ان کے برعکس جبریہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال و اعمال میں مجبور محض ہے۔ اسے کوئی اختیار نہیں ہوتا، لیکن اہل سنت کا موقف اعتدال پر مبنی ہے کہ بندہ چونکہ اپنے افعال و اعمال کو اپنے اختیار و ارادے سے سرانجام دیتا ہے، اس لیے قیامت کے دن اسی اختیار کی بنا پر اس سے باز پرس ہوگی، لیکن اللہ تعالیٰ بندے کے افعال کا خالق ہے، اس لیے بندے کے افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی جاتی ہے، چنانچہ پیش کردہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی گمراہی کی نسبت اپنی طرف کی ہے کہ ہم انھیں ان کی سرکشی میں بھٹکتا چھوڑ دیں گے۔ چونکہ اسباب اختیار کرنا انسان کے اپنے بس میں ہے اور اسی اختیار پر انسان کا مؤاخذہ ہوگا، رہے ان اسباب کے نتائج تو نتائج پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، لہٰذا نتائج کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور عمل کرنے والے کی طرف بھی جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جب انھوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔"[1] امام بخاری رحمہ اللہ کا اس عنوان سے یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی اپنی مخلوق میں تصرف کا مالک و مختار ہے حتی کہ بندوں کے دل جو ان کی نیتوں اور مختلف آراء پر مشتمل ہوتے ہیں، ان میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کا اختیار چلتا ہے۔ وہی ان میں تصرف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بعد ہی انھیں قدرت حاصل ہوتی ہے، گویا یہ عنوان سابق عنوان کا تکملہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کیا گیا تھا۔ واللّٰہ أعلم.

٧٣٩١ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: أَكْثَرُ مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَحْلِفُ: «لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ». [راجع: ٦٦١٧]

[7391] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ بکثرت یہ قسم اٹھایا کرتے تھے: "دلوں کو پھیرنے والے کی قسم!"

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بکثرت اس طرح قسم اٹھاتے تھے: [لَا وَمُصَرِّفِ الْقُلُوبِ] "دلوں میں تصرف کرنے والے کی قسم!"[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قلب کے جتنے اعمال ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، مثلاً: دل کا ارادہ کرنا، اس میں کسی خواہش کا پیدا ہونا، نیز ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھرنا وغیرہ۔[3] ② قلب کو قلب، اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بکثرت ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھرتا رہتا ہے، اگرچہ دل کا پھرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "بنو آدم کے تمام دل اللہ کی دو

① الصف 61: 5. ② سنن ابن ماجه، الكفارات، حديث: 2092. ③ فتح الباري: 642/11.

انگلیوں کے درمیان ہیں۔ گویا وہ ایک دل کی طرح ہیں اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے انھیں پھیرتا رہتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ یوں کہتے: ''اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔''[1] ③ دلوں کو پھیرنے کی صفت فعلی ہے جس کا مرجع قدرت ہے۔ فعلی صفات نوعیت کے لحاظ سے قدیم ہیں، لیکن بندے سے تعلق کے اعتبار سے حادث ہیں، اللہ تعالیٰ ازل ہی سے اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے خالق ہے، اس کے سوا ہر چیز مخلوق ہے۔ اس کی صفات میں کوئی صفت مخلوق یا حادث نہیں ہے، البتہ فعلی صفات کا بندے سے تعلق حادث ہوتا ہے۔ صفات فعلی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہوتی ہیں۔ بہرحال مذکورہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کے دلوں کا مالک ہے، انھیں جب چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے پھیرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ کوئی بھی اس صفت میں اس کا شریک نہیں۔ کائنات میں کوئی چیز اس کے ارادے کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہوتی۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ بندہ ہر آن اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اگر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور توفیقِ ہدایت نہ ملے تو دنیا میں بھی ذلیل وخوار اور آخرت میں سخت ترین عذاب میں گرفتار ہوگا، اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ بندہ بااختیار اور مکلّف ہے اور اسی ارادے واختیار پر قیامت کے دن جزا وسزا مرتب ہوگی۔[2]

(١٢) بَابٌ: إِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ اسْمٍ إِلَّا وَاحِدَةً

باب: 12- اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿ذُو الْجَلَالِ﴾ [الرحمن: ٢٧]: اَلْعَظَمَةِ. ﴿الْبَرُّ﴾ [الطور: ٢٨]: اَللَّطِيفُ.

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: ذوالجلال کے معنی ہیں: عظمت والا۔ اور البر کے معنی ہیں: لطیف اور باریک بین۔

وضاحت: حضرت ابن عباس ؓ کی تفسیر کو ابن ابی حاتم نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[3]

٧٣٩٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا، مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ». [راجع: ٢٧٣٦]

[7392] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، یعنی سو سے ایک کم۔ جو کوئی انھیں یاد کر لے وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

أَحْصَيْنَاهُ: حَفِظْنَاهُ.

أَحْصَيْنَاهُ کے معنی ہیں: حَفِظْنَاه، یعنی ہم نے اسے محفوظ کیا۔

فوائد ومسائل: ① اس عنوان کی غرض اللہ تعالیٰ کے اسماء کو ثابت کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے منقول ہیں۔ یہ نام اس توحید کا حصہ ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا اور اپنی امت کو اسے اختیار کرنے کی

---

1 صحیح مسلم، القدر، حدیث: 6750 (2654). 2 شرح کتاب التوحید للغنیمان: 214/1. 3 فتح الباري: 766/8.

دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کے جتنے بھی نام ہیں وہ اس کی جلالت وعظمت پر دلالت کرتے ہیں اسی لیے انھیں حُسنیٰ کہا جاتا ہے، مثلاً: ○ العلیم: اس ذات کو کہتے ہیں جس کا علم تمام کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہو اور زمین وآسمان میں ایک ذرہ بھی اس سے اوجھل نہ ہو۔ ○ القدیر: اس ہستی کو کہا جاتا ہے جو ایسی زبردست طاقت کی مالک ہو جسے کوئی عاجز نہ کر سکے۔ ○ الرحیم: کا لفظ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم الشان رحمت پر دلالت کرتا ہے جو ہر چیز سے وسیع ہے۔ ④ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے اسماء کو ننانوے میں منحصر کرنے کی دلیل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام اس تعداد سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ننانوے نام ایسے ہیں جنھیں یاد کر لینے سے جنت کا پروانہ مل جاتا ہے جیسا کہ کوئی شخص کہے: میرے پاس سو کتابیں ہیں جو میں نے غریب طلباء میں تقسیم کرنی ہیں، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس کے پاس سو سے زیادہ کتابیں نہیں ہیں۔ ان میں سے کچھ نام ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو آگاہ کیا ہے اور بعض ایسے ہیں جنھیں علم غیب میں رکھا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي عَبْدُكَ، ابْنُ عَبْدِكَ، ابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ، سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيعَ قَلْبِي، وَنُورَ صَدْرِي، وَجِلَاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي] "جو شخص کسی مصیبت یا پریشانی میں مبتلا ہو تو وہ درج ذیل دعا پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے رنج والم دور کر دے گا اور اس کے بدلے اسے خوشی عطا فرمائے گا: "اے اللہ! بے شک میں تیرا بندہ ہوں۔ تیرے بندے کا فرزند ہوں۔ تیری بندی کا لخت جگر ہوں۔ میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے۔ تیرا حکم مجھ پر جاری ہے۔ میرے متعلق تیرا فیصلہ عدل وانصاف پر مبنی ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے طفیل سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنے لیے رکھا ہے یا وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے یا اسے تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اسے اپنے پاس علم غیب میں ہی رکھ لیا ہے۔ تو قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے غم کا مداوا اور میری پریشانی کا علاج بنا دے۔"[1] ⑤ اس حدیث میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ نام ایسے ہیں جو اس نے اپنی مخلوق کو سکھائے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جنھیں اپنے پاس علم غیب میں رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کی تعداد بیان کرنے کے متعلق کوئی حدیث ثابت نہیں، جامع ترمذی میں ایک روایت میں ننانوے (99) نام بیان ہوئے ہیں۔[2] لیکن یہ روایت ولید بن مسلم کی تدلیس کی بنا پر ضعیف ہے، البتہ بعض علماء نے اجتہاد سے کتاب وسنت سے ننانوے نام بیان کیے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ وہی نام ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے یا اس کے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کیا ہے۔ یہ نام اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق تکییف وتمثیل اور تحریف وتعطیل کے بغیر ثابت کیے جائیں۔ ان کے متعلق کوئی تاویل کرنے کی بجائے انھیں مبنی برحقیقت تسلیم کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔"[3] اللہ تعالیٰ کے یہ نام حسن کے بلند ترین اور اعلیٰ ترین مقام پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام کے علاوہ باقی نام مشتق ہیں جو اس کی صفات پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً: عزیز، عزت پر اور حکیم، حکمت پر۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کوئی نام جامد نہیں اسی لیے "الدھر" اللہ تعالیٰ کا نام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

---

1 مسند أحمد: 391/1. 2 جامع الترمذي، الدعوات، حديث: 3507. 3 الشورٰى 11:42.

شمار	نام	معنی	دلیل
1	الله	ذاتی نام	البقرۃ 20:2
2	الآخر	آخر	الحدید 3:57
3	الأحد	ایک	الإخلاص 1:112
4	الأعلى	بہت بلند	النمل 51:27
5	الأكرم	زیادہ کرم کرنے والا	العلق 3:113
6	الإله	معبود برحق	النحل 51:16
7	الأول	پہلا	الحدید 3:57
8	البارئ	پیدا کرنے والا	الحشر 24:59
9	الباطن	باطن	الحشر 3:59
10	البر	بڑا محسن	الطور 28:52
11	البصير	دیکھنے والا	الشوریٰ 11:42
12	التواب	توبہ قبول کرنے والا	الحجرات 12:49
13	الجبار	تلافی کرنے والا	الحشر 23:59
14	الجميل	خوبصورت	صحیح مسلم: 147
15	الحافظ	نگہبان	یوسف 64:12
16	الحسيب	حساب لینے والا	النساء 5:4
17	الحفيظ	حفاظت کرنے والا	ھود 57:11
18	الحق	برحق	الحج 62:22
19	الحكم	فیصلہ کرنے والا	أبوداؤد: 4955
20	الحكيم	حکمت والا	الحشر 1:59
21	الحليم	بردبار	البقرۃ 225:2
22	الحميد	تعریف کے لائق	الشوریٰ 28:42
23	الحي	زندۂ جاوید	المؤمن 65:40
24	الحيي	حیا کرنے والا	أبوداؤد: 4012

شمار	نام	معنی	دلیل
51	العليم	بہت علم والا	المجادلة 2:58
52	العلي	بلند	الشوریٰ 51:42
53	الغالب	غالب	یوسف 21:12
54	الغفار	گناہ معاف کرنے والا	نوح 10:71
55	الغفور	بخشنے والا	الزمر 53:39
56	الغني	غنی	محمد 38:47
57	الفتاح	در رحمت کھولنے والا	سبا 26:34
58	القادر	قدرت والا	الأنعام 65:6
59	القاهر	غالب	الأنعام 18:6
60	القدوس	عیوب سے پاک	الجمعة 1:62
61	القدير	قدرت والا	الملك 1:67
62	القريب	قریب	البقرة 186:2
63	القهار	دبا کر رکھنے والا	إبراهيم 48:14
64	القوي	زیادہ قوت والا	الشوریٰ 19:42
65	القيوم	بذات خود قائم و دائم	البقرة 225:2
66	الكبير	سب سے بڑا	الحج 62:22
67	الكريم	کرم پیشہ	الانفطار 6:82
68	الكفيل	ضامن	النحل 91:16
69	اللطيف	باریک بین	الملك 14:67
70	المبين	واضح کرنے والا	النور 25:24
71	المتعال	بہت بلند	الرعد 9:13
72	المتكبر	کبریائی والا	الحشر 23:59
73	المتين	مضبوط، طاقتور	الذاريات 58:57
74	المجيب	جواب دینے والا	ھود 61:11

شمار	نام	معنی	دلیل
25	الخالق	پیدا کرنے والا	الحشر 24:59
26	الخبير	خبر رکھنے والا	التحريم 3:66
27	الخلاق	بہترین پیدا کرنے والا	الحجر 86:15
28	الديان	بدلہ دینے والا	مستدرك حاكم 438/2
29	الرب	پروردگار	يس 58:36
30	الرحمٰن	بہت رحم کرنے والا	الفاتحة 2:1
31	الرحيم	انتہائی مہربان	البقرة 163:2
32	الرزاق	رزق دینے والا	الذاريات 58:51
33	الرفيق	نرمی کرنے والا	صحيح بخاري 6927
34	الرقيب	محافظ	الأحزاب 52:33
35	الرؤوف	بہت مہربان	النحل 7:16
36	سبوح	ہر عیب سے پاک	صحيح مسلم 487
37	الستير	پردہ پوش	أبوداود: 4012
38	السلام	سلامتی والا	الحشر 23:59
39	السميع	سننے والا	المجادلة 1:58
40	السيد	سردار	أبوداود: 4806
41	الشافي	شفا دینے والا	صحيح بخاري 5742
42	الشاكر	قدردان	النساء 147:4
43	شكور	بہت قدردان	فاطر 34:35
44	الشهيد	گواہ	حم السجدة 53:41
45	الصمد	بے نیاز	الإخلاص 2:112
46	الطيب	پاک	صحيح مسلم 1015
47	الظاهر	غالب	الحديد 3:57
48	العزيز	زبردست	الحشر 24:59

شمار	نام	معنی	دلیل
75	المجيد	بزرگی والا	هود 73:11
76	المحسن	احسان کرنے والا	صحيح الجامع 1819
77	المحيط	احاطہ کرنے والا	حم السجدة 54:41
78	المصور	تصویر بنانے والا	الحشر 24:59
79	المعطي	عطا کرنے والا	صحيح بخاري 3116
80	المقتدر	قدرت رکھنے والا	الكهف 45:18
81	المقدم	آگے لانے والا	صحيح بخاري 1120
82	المقيت	خوراک دینے والا	النساء 75:4
83	الملك	بادشاہ	الحشر 23:59
84	المليك	بادشاہ	القمر 55:54
85	المنان	احسان کرنے والا	ابوداود: 495
86	المهيمن	نگہبان	الحشر 23:59
87	المؤخر	پیچھے ہٹانے والا	صحيح بخاري 1120
88	المولى	کارساز	الأنفال 40:8
89	المؤمن	امن دینے والا	الحشر 23:59
90	النصير	مددگار	النساء 45:4
91	الهادي	ہدایت دینے والا	الفرقان 31:25
92	الواحد	اکیلا	الرعد 16:13
93	الوارث	وارث	الحجر 23:15
94	الواسع	وسعتوں والا	البقرة 115:2
95	الوتر	ایک	صحيح بخاري 6410
96	الودود	محبت کرنے والا	البروج 14:85
97	الوكيل	معاش کا ضامن	آل عمران 173:3
98	الولي	مددگار	الشورى 9:42

شمار	نام	معنی	دلیل
49	العظیم	بہت عظمت والا	البقرة 2:255
50	عفوٌّ	بہت معاف کرنے والا	المجادلة 58:2
99	الوھّاب	عطا کرنے والا	آل عمران 3:8

واضح رہے کہ بعض نام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں، مخلوق کے لیے ان کا استعمال صحیح نہیں، مثلاً: رحمٰن، رزاق، الصمد اور خالق وغیرہ اور بعض نام ایسے ہیں جن کا مخلوق پر بھی اطلاق ہوتا ہے، مثلاً: رؤف رحیم اللہ تعالیٰ کے لیے بھی اور رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی ان کا استعمال ہوا ہے۔[1] اسی طرح سمیع بصیر اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ہیں اور انسان کے لیے بھی بولے جاتے ہیں۔[2] یہ صرف لفظی اشتراک ہے۔ معنوی اعتبار سے خالق، مخلوق کے مشابہ نہیں اور نہ مخلوق اپنے خالق کے مشابہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ناموں کے ساتھ موسوم اور اس نے اپنا کوئی نام ایسا نہیں رکھا جس کے ساتھ وہ پہلے سے موسوم نہ ہو، اسی طرح اپنی صفات کے ساتھ ہمیشہ سے ہمیشہ تک موصوف ہے۔ اس کی بعض صفات ذاتی ہیں جو ازل سے ابد تک اس کے ساتھ قائم ہیں، مثلاً: الوجہ، الید، السمع، البصر وغیرہ اور بعض صفات فعلی ہیں جو مشیت اور ارادے سے متعلق ہیں، جیسے الخلق، الرزق، النزول وغیرہ۔ ان صفات کی نوعیت قدیم لیکن ان کا نفاذ جدید ہے۔ واللہ المستعان. امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں مناسبت کی بنا پر ایک قرآنی لفظ کی لغوی تشریح فرمائی ہے۔ اس سے بعض شارحین نے یہ نکتہ کشید کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد ان اسمائے حسنیٰ کو زبانی یاد کرنا ہے، حالانکہ زبانی طور پر بعض اوقات منافقین بھی انھیں پڑھتے ہیں جیسا کہ خوارج کے متعلق حدیث میں ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ہمارے نزدیک احصاء کی دو صورتیں ہیں: ○ عملی: اسمائے حسنیٰ کے معانی کے مطابق انسان خود کو ڈھالے، مثلاً: الرحیم، رحم کرنے والا، الکریم سخاوت کرنے والا، العَفُوّ معاف کرنے والا، انسان کو چاہیے کہ وہ دوسروں پر رحم کرے، سخاوت کرے اور درگزر سے کام لے۔ ○ قولی: انھیں یاد کرے، ورد کے طور پر پڑھے، ان کے طفیل اللہ تعالیٰ سے سوال کرے۔ اس میں مومن کے علاوہ دوسرے بھی شریک ہیں، تاہم اہل ایمان، ان کے مطابق عقیدہ رکھنے اور عمل کرنے میں دوسروں سے ممتاز ہیں۔[3]

(۱۳) بَابُ السُّؤَالِ بِأَسْمَاءِ اللهِ تَعَالٰى وَالْاِسْتِعَاذَةِ بِهَا

باب: 13- اللہ کے ناموں کے طفیل سوال کرنا اور ان کے ذریعے سے پناہ مانگنا

وضاحت: شارح صحیح بخاری ابن بطال نے کہا: اس عنوان سے مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ اسم، عین مسمّی ہے اور مسمّی کی طرح غیر مخلوق ہے جبکہ جہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مخلوق ہیں کیونکہ اسم، مسمّی کا غیر ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تھا اور اسماء کا وجود نہ تھا، پھر اس نے انھیں پیدا کیا اور انھیں اپنا نام بتایا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے ذریعے سے جہمیہ کی تردید کی ہے کہ اگر اسم مخلوق ہوتا اور مسمّی کا غیر ہوتا تو غیر اللہ کے ذریعے سے پناہ مانگنا جائز ہوتا، حالانکہ اللہ کے سوا کسی مخلوق کے ذریعے

1 التوبة 9:128. 2 الدهر 76:2. 3 فتح الباري:13/462.

سے پناہ مانگنا جائز نہیں۔[1] ہمارے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ کا اس عنوان سے قطعاً یہ مقصود نہیں ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا انداز اور اسلوب اس طرح کی بے سود کلامی مباحث سے بالاتر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کو پکارنے اور اس کی عبادت کرنے کا طریقہ بتایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور سب سے اچھے نام اللہ تعالیٰ کے ہیں، لہٰذا تم اسے انھی ناموں سے پکارا کرو۔''[2] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اسے اسمائے حُسنیٰ کے ذریعے سے پکارا جائے اور ان کے حوالے سے اس کی عبادت کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے معمولات اور فرمودات سے اسی بات کی وضاحت فرمائی ہے جیسا کہ اس عنوان کے تحت پیش کی جانے والی احادیث میں اس کا بیان ہے۔ البتہ یہ مسئلہ کہ اسم، مسمّی کا عین ہے یا غیر، اس کے متعلق ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی حماقت آمیز اور مضحکہ خیز باتیں بعد کی پیداوار ہیں۔ احادیث و آثار میں اس کے متعلق کوئی نشان نہیں ملتا اور نہ ائمۂ ہُدیٰ نے اس کے متعلق کچھ کہا ہے۔ اس کے متعلق بحث کرنا فضول ہے اور خاموشی ہی باعث خیر و برکت ہے۔ اسلام میں اس طرح کے مباحث جہمیہ جیسے گمراہ فرقوں کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔[3] اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے دعا کرنے کا حکم دیا ہے۔ دعا کی دو قسمیں حسب ذیل ہیں: ○ دعائے عبادت۔ ○ دعائے سوال۔ قرآن کریم میں دعا کے یہ دونوں معانی وارد ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی تعریف اس کے اچھے ناموں اور بلند پایہ صفات کے ذریعے سے کی جائے۔ اس طرح ہر مطلوب انھی کے طفیل مانگا جائے۔[4]

٧٣٩٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى فِرَاشِهِ فَلْيَنْفُضْهُ بِصَنِفَةِ ثَوْبِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَلْيَقُلْ: بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي، وَبِكَ أَرْفَعُهُ، إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَاغْفِرْ لَهَا، وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ».

[7393] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے بستر پر آئے تو اسے چاہیے کہ اپنے کپڑے کے کنارے سے اسے تین مرتبہ جھاڑے اور یہ دعا پڑھے: ''اے اللہ! تیرے نام سے میں نے اپنا پہلو رکھا اور تیری ہی رحمت سے میں اسے اٹھاؤں گا۔ اگر تو نے میری روح کو روک لیا تو اسے معاف کرنا اور اگر اسے چھوڑ دیا تو اس کی حفاظت کرنا جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔''

تَابَعَهُ يَحْيَى وَبِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَزَادَ زُهَيْرٌ وَأَبُو ضَمْرَةَ وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

یحییٰ اور بشر بن مفضل نے عبیداللہ سے، اس نے سعید سے، اس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے (اسی طرح) بیان کیا ہے، نیز زہیر، ابوضمرہ اور اسماعیل بن زکریا نے عبیداللہ سے یہ اضافہ نقل کیا ہے: ان سے سعید نے، ان سے ان کے والد نے، ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے۔

---

1. فتح الباري: 464/13. 2. الأعراف 7:180. 3. شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 223/1. 4. بدائع الفوائد: 164/1.

ان سے نبی ﷺ نے فرمایا۔

وَرَوَاهُ ابْنُ عَجْلَانَ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٦٣٢٠]

ابن عجلان نے بھی سعید سے، انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① ابن بطال نے کہا ہے کہ اس روایت میں وضع کی نسبت اسم کی طرف اور رفع کی نسبت ذات کی طرف ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم سے مراد ذات ہے۔ وضع اور رفع میں ذات سے استعانت کی جاتی ہے لفظ سے نہیں۔[1] ② ابن بطال نے اپنے انداز سے اس حدیث سے مناسبت کشید کی ہے جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا قطعاً یہ مقصد نہیں۔ ہمارے رجحان کے مطابق بندۂ مخلص ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، زندگی کے تمام معاملات اپنے رب کی مرضی کے مطابق بجا لاتا ہے، اپنے گھر سے نکلتے وقت، اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت، اپنے کھانے پینے، نیند و بیداری اور لوگوں سے میل جول رکھنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب رہتا ہے۔ ③ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے نیند کے وقت اور اس سے بیدار ہوتے وقت عبادت کرنے کی رہنمائی کی ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کے نام کے ذریعے سے اپنا پہلو بستر پر رکھے اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کے حوالے سے اس سے سوال کرے۔ درحقیقت، نیند موت ہی کی ایک قسم ہے، بعض اوقات انسان نیند کی حالت میں فوت ہو جاتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس سے التجا کی جائے۔ اگر موت آ جائے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے اور اگر اپنی قدرت کاملہ سے بدن میں اسے واپس کر دے تو شیطان اور دیگر موذی چیزوں سے اس کی حفاظت کرے۔ اس حدیث کے مطابق نیند کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مشروع ہے تاکہ انسان کی چھوٹی موت، یعنی نیند اللہ تعالیٰ کے نام پر ہو اور اس آیت کی زندہ تصویر بن جائے: ''کہہ دیجیے! میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے۔''[2] اس انداز سے انسان خود کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے اور اس کی طرف اپنی عاجزی، بے بسی اور محتاجی کا اظہار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے ہر چیز کا سوال کرتا ہے جس سے وہ بے نیاز نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ناموں کے طفیل اسے پکارنا ہے، گویا اس آیت کی تفسیر ہے: ''سب سے اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے نام ہیں، لہٰذا تم اسے انھی ناموں سے پکارا کرو۔''[3] اس مناسبت کی بنا پر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو یہاں بیان کیا ہے۔

٧٣٩٤ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ: «اللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَحْيَا وَأَمُوتُ»، وَإِذَا أَصْبَحَ قَالَ: «الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَمَا أَمَاتَنَا، وَإِلَيْهِ النُّشُورُ». [راجع: ٦٣١٢]

[7394] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ اپنے بستر پر تشریف لاتے تو دعا کرتے: ''اے اللہ! میں تیرے نام کے طفیل زندہ ہوں اور اسی کے ساتھ فوت ہوں گا۔'' اور جب صبح ہوتی تو یہ دعا کرتے: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں فوت کرنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

1 فتح الباري: 464/13. 2 الأنعام 162:6. 3 الأعراف 180:7.

٧٣٩٥ - حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ خَرَشَةَ ابْنِ الْحُرِّ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ: «بِاسْمِكَ نَمُوتُ وَنَحْيَا»، فَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: «الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا، وَإِلَيْهِ النُّشُورُ». [راجع: ٦٣٢٥]

[7395] حضرت ابوذر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ جب رات کے وقت اپنے بستر پر جاتے تو دعا کرتے: ''ہم تیرے ہی نام سے فوت ہوتے ہیں اور اسی سے زندہ ہوں گے۔'' اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے: ''تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا ہے اور اسی کی طرف جمع ہونا ہے۔''

فوائد ومسائل: ⓵ ان احادیث میں بھی اللہ تعالیٰ کے ناموں کے طفیل دعا کرنے کا طریقہ بیان ہوا ہے کہ انسان نیند اور بیداری کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتا ہے کہ میں حالت بیداری میں تیرا ہی نام یاد کرتا ہوں۔ اس نام ہی سے مجھے اطمینان حاصل ہوتا ہے اور میرا دل اس نام ہی سے آرام حاصل کرتا ہے۔ اسی کی بدولت مجھے نفع بخش زندگی میسر ہوگی۔ اسی طرح حالت نیند میں تیرا ہی نام لیتا ہوں، اس کی بدولت مجھے ہر حالت میں سکون و اطمینان مہیا فرما۔ آپ ﷺ سونے کے وقت یہ دعا فرمایا کرتے تھے، اس لیے کہ نیند، موت کی ایک قسم ہے اور اس کے مقابلے میں بیداری ایک زندگی ہے اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ⓶ بعض اوقات ممکن ہے کہ نیند کی حالت میں روح واپس نہ آئے، لیکن جب نیند کے بعد زندگی ملتی ہے تو نشاط وقوت واپس آجاتی ہے، ان حالات میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے مذکورہ دعا پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر نیند کو موت قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو نہ مرا ہو اس کی روح بھی نیند کی حالت میں قبض کرتا ہے، پھر جس کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہو اس کی روح کو روک لیتا ہے اور دوسری روحیں ایک مقررہ وقت تک کے لیے واپس بھیج دیتا ہے۔ غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔''[1]

٧٣٩٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ فَقَالَ: بِاسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَإِنَّهُ إِنْ يُقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا». [راجع: ١٤١]

[7396] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھ لے: ''شروع اللہ کے نام سے، اے اللہ! ہمیں شیطان سے دور رکھنا اور جو کچھ تو ہمیں عطا کرے اس سے بھی شیطان کو دور رکھنا۔ اگر اس صحبت میں کوئی بچہ ان دونوں کے نصیب میں ہوا تو شیطان اسے کبھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

[1] الزمر 42:39.

فائدہ: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کو اس کے ناموں کے وسیلے سے پکارنے اور اس سے دعا کرنے کی ایک دوسری قسم بیان ہوئی ہے کہ انسان جب اپنی جنسی پیاس بجھانے کے لیے بیوی کے پاس جاتا ہے تو اگر اس وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے اور اس ذکر سے اس کی عبادت کرے، نیز اللہ تعالیٰ کے نام کے ذریعے سے شیطان مردود سے پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کا مطلوب عطا کرتا ہے۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور یقین، نیز اس کے رسول کی صداقت پر ایمان ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کو شیطان کے بہکاوے سے محفوظ رکھتا ہے۔ بہرحال اس حدیث میں ایک دوسرے انداز سے اس آیت کی تفسیر بیان ہوئی ہے: ''سب سے اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، لہٰذا تم اسے انھی ناموں سے پکارا کرو۔'' [1]

٧٣٩٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا فُضَيْلٌ، عَنْ مَّنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ قُلْتُ: أُرْسِلُ كِلَابِي الْمُعَلَّمَةَ؟ قَالَ: «إِذَا أَرْسَلْتَ كِلَابَكَ الْمُعَلَّمَةَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللهِ فَأَمْسَكْنَ فَكُلْ، وَإِذَا رَمَيْتَ بِالْمِعْرَاضِ فَخَزَقَ فَكُلْ». [راجع: ١٧٥]

[7397] حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: میں شکار پر اپنے سکھائے ہوئے کتے چھوڑتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم سدھائے ہوئے کتے چھوڑو اور چھوڑتے وقت اللہ کا نام بھی لو، پھر اگر وہ شکار پکڑ کر اسے روک لیں، اس سے خود نہ کھائیں تو تم اسے کھا سکتے ہو، اسی طرح اگر تم بے پرو پیکان تیر پھینکو اور وہ جانور کا گوشت چیر دے تو ایسا شکار بھی کھا سکتے ہو۔''

فوائد و مسائل: ① معراض اس تیر کو کہتے ہیں جس کے آگے پھل نہ ہو۔ اگر وہ جانور وغیرہ کے عرض کے بل لگے جس سے اس کا گوشت دب جائے اور خون وغیرہ نکلے بغیر مر جائے تو ایسا جانور کھانا جائز نہیں، ہاں اگر زخم کے بعد اسے زندہ پکڑ لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اسے ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے۔ اگر وہ نوک کے بل لگے جس سے گوشت پھٹ جائے اور اس سے خون نکل آئے تو اگر اسے پھینکتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا تھا تو اس صورت میں اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے اس قسم کا شکار حلال ہے۔ ② اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ناموں کے طفیل اس کی عبادت کرنے کا ایک اور انداز بیان ہوا ہے کہ اگر شکاری کتے کو چھوڑتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا تھا اور وہ شکاری کتا جانور سے خود نہ کھائے بلکہ اسے مکمل طور پر روک لے تو ذبح کے بغیر اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت ہے۔ ③ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کتا چھوڑتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا تو ایسا جانور استعمال میں لانا جائز نہیں، خواہ کتا اس سے خود نہ بھی کھائے۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرنا ہے: ''سب سے اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، لہٰذا تم اسے انھی ناموں سے پکارا کرو۔'' [2] اسے پکارنے کی ایک صورت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ واللہ المستعان.

٧٣٩٨ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبُو

[7398] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے

---

[1] الأعراف 180:7. [2] الأعراف 180:7.

خَالِدٍ الْأَحْمَرُ قَالَ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ هُنَا أَقْوَامًا حَدِيثًا عَهْدُهُمْ بِشِرْكٍ، يَأْتُونَا بِلُحْمَانٍ لَا نَدْرِي يَذْكُرُونَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا أَمْ لَا، قَالَ: «اذْكُرُوا أَنْتُمُ اسْمَ اللهِ وَكُلُوا».

کہا: لوگوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! یہاں کچھ لوگ ہیں جن کا زمانہ شرک کے قریب ہے۔ وہ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا تھا یا نہیں؟ (تو کیا ہم اسے کھا سکتے ہیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم اللہ کا نام لے کر اسے کھا لیا کرو۔“

تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَعَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ مُحَمَّدٍ، وَأُسَامَةُ بْنُ حَفْصٍ. [راجع: ٢٠٥٧]

یہ روایت بیان کرنے میں محمد بن عبدالرحمٰن، عبدالعزیز بن محمد دراوردی اور اسامہ بن حفص نے ابوخالد کی متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① صحابۂ کرام ؓ کے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور ابھی ذبح وغیرہ کے احکام سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں، ممکن ہے کہ وہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیتے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسلمانوں کے متعلق اچھا گمان کرنا چاہیے کہ وہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہوں گے، تاہم استعمال کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اسے کھا لے۔“ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ بسم اللہ پڑھ کر کھا لینا جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو اسے مت کھاؤ۔“[1] ② اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ناموں کے طفیل اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا ایک اور انداز بیان ہوا ہے کہ ذبح کرتے اور کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا چاہیے، اس میں خیر و برکت کی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے۔ امام بخاری ؒ نے اسی مقصد کے لیے مذکورہ حدیث بیان کی ہے، احکام ذبح بیان کرنا مقصود نہیں ہیں۔

٧٣٩٩ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: ضَحَّى النَّبِيُّ ﷺ بِكَبْشَيْنِ، يُسَمِّي وَيُكَبِّرُ. [راجع: ٥٥٥٣]

[7399] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے دو مینڈھوں کی قربانی دی۔ آپ نے ذبح کرتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہا۔

٧٤٠٠ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ جُنْدُبٍ: أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ صَلَّى ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ: «مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا

[7400] حضرت جندب ؓ سے روایت ہے کہ وہ قربانی کے دن نبی ﷺ کے پاس موجود تھے، آپ نے نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا اور فرمایا: ”جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کر دی وہ اس کی جگہ اور قربانی کرے اور جس نے

[1] الأنعام 6:121.

أُخْرٰى، وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللهِ». [راجع: ٩٨٥]

ابھی تک قربانی ذبح نہ کی ہو تو وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرے۔"

فوائد ومسائل: ① اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قربانی ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اس کے متعلق حکم ہے کہ اسے ذبح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے تاکہ یہ عبادت اور قربانی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے شمار ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ عبادت کرتے وقت کسی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ کیا جائے۔ قربانی کے متعلق خاص حکم ہے: "کہہ دیجیے! میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی بات کا حکم ملا ہے۔"[1] نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: "آپ صرف اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔"[2] ② امام بخاری رحمہ اللہ کا ان احادیث کو بیان کرنے سے یہی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے وقت اس کے نام کا واسطہ دیا جائے اور اس کے نام سے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کی جائے۔ جب اللہ تعالیٰ کا نام اس قدر بابرکت ہے تو خود اللہ تبارک وتعالیٰ کس قدر خیر وبرکت کا سرچشمہ ہوگا۔ یہ بات امام بخاری رحمہ اللہ کے مزاج کے خلاف ہے کہ ایک فضول بات ثابت کرنے کے لیے احادیث ذکر کریں کہ اسم مسمی کا عین ہے یا اس کا غیر۔ ہمارے نزدیک نام اور مسمی الگ الگ دو حقیقتیں ہیں تاکہ اس کے متعلق کسی قسم کا ابہام پیدا نہ ہو۔ اس تفصیل کے باوجود یہاں نام سے مراد مسمی ہے۔ واللّٰہ أعلم۔

٧٤٠١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، وَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ».

[7401] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "اپنے باپ دادا کی قسم نہ کھاؤ۔ جو کوئی قسم اٹھانا چاہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائے۔"

فوائد ومسائل: ① دور جاہلیت میں لوگ بکثرت اپنے باپ دادا کی قسم اٹھایا کرتے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے باپ دادا کی قسم اٹھانے سے منع کر دیا کیونکہ جس کی قسم اٹھائی جائے، اس سے مقصود اس کی عظمت بجا لانا ہے اور عظمت تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صرف اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھایا کرو۔" حدیث میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی قسم کھانے کی سخت ممانعت ہے، فرمان نبوی ہے: "جس نے اللہ کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھائی اس نے اللہ کے ساتھ کفر یا شرک کیا۔"[3] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ کسی بات کی تاکید کے لیے اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کی کسی صفت کا حوالہ دینا شریعت میں مشروع اور جائز ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام یا اس کی صفت کے حوالے سے ہو سکتا ہے۔ گویا ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے ناموں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کو پکارنے کے باب سے ہے۔ اس حدیث میں ایک دوسرے انداز سے اللہ تعالیٰ کا نام پکارنے اور اس ذریعے سے اس کی عبادت کرنے کا ذکر ہے۔ قسم اٹھاتے وقت یہ آیت پیش نظر ہونی چاہیے: "سب سے اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، لہٰذا تم اسے انھی ناموں سے پکارا کرو۔"[4]

1 الأنعام 6:162، 163. 2 الکوثر 108:2. 3 مسند أحمد 125/2. 4 الأعراف 180:7.

(١٤) بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الذَّاتِ وَالنُّعُوتِ وَأَسَامِي اللهِ عَزَّوَجَلَّ

باب: 14- اللہ عزوجل کی ذات وصفات اور اللہ کے اسماء کے متعلق جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے

وَقَالَ خُبَيْبٌ: وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ، فَذَكَرَ الذَّاتَ بِاسْمِهِ تَعَالٰى.

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے مرتے وقت کہا: یہ سب تکلیف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لیے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ذات کا لفظ استعمال کیا۔

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے نام منسوب ہوتے ہیں اسی طرح اس کی صفات بھی منسوب کی جاتی ہیں، مثلاً: عزة الله، قدرة الله، علم الله، خلق الله وغیرہ، نیز لفظ ذات کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح ہے جیسا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس استعمال کو برقرار رکھا، اگر غلط ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تصحیح فرما دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کرنا اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ لغوی اعتبار سے ذات کا لفظ ذو کی تانیث ہے اور یہ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: * ذات بمعنی صاحبہ جیسے ذاتُ علم کے معنی ہوں گے صاحب علم و معرفت * ذات کا لفظ اسم موصول "التي" کے معنی، جیسے عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ، چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لفظ ذات، ذو کی تانیث ہے اور یہ لفظ مضاف کے طور پر استعمال ہوتا ہے، مثلاً: فلان ذو علم، فلان ذو قدرة یا پھر بغیر اضافت کے رب تعالیٰ کے لیے بولا جاتا ہے جو علم و قدرت والا ہے اور اس صورت میں یہ الف لام کے ساتھ استعمال ہوگا، جیسے "الذات" اور یہ الف لام اضافت کے قائم مقام ہوگا۔ قرآن و حدیث میں لفظ ذو یا ذات اضافت کے ساتھ ہی استعمال ہوا جیسا کہ "عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا قول وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ۔ متکلمین کے ہاں بھی یہ لفظ اضافت کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ذات قدرة وعلم، پھر انھوں نے اسے اضافت سے منقطع کر دیا اور اب وہ اسے معرفہ کے طور پر "الذات" کہتے ہیں۔ چونکہ ذات کے متعلق یہ انداز اہل عرب کے ہاں معروف نہیں، اس لیے بعض اہل علم نے اس کا انکار کیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ واقعی یہ لفظ اہل علم کے ہاں معروف نہیں بلکہ اسے لفظ موجود، ماہیت اور کیفیت کی طرح عربی زبان میں داخل کیا گیا ہے۔ لفظ ذات، صفات کا تقاضا کرتا ہے جن کی طرف اسے مضاف کیا جائے، مثلاً: ذات علم، ذات قدرة، ذات کلام وغیرہ کیونکہ ایسی چیز کا وجود ممکن نہیں جو خارج میں خود بخود قائم ہو اور اس کے ساتھ کسی صفت کو استعمال نہ کیا گیا ہو، اس لیے لفظ ذات کے ساتھ کسی صفت کا استعمال ضروری ہے۔[1] بہرحال لفظ ذات کا استعمال باری تعالیٰ کے لیے جائز ہے جیسا کہ دیگر آثار و روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے جس کی تفصیل آئندہ متصل حدیث میں ذکر کرتے ہیں۔

٧٤٠٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ

[7402] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد، بنو زہرہ قبیلے

[1] مجموع الفتاویٰ: 98/6.

عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي سُفْيَانَ بْنِ أَسِيدِ بْنِ جَارِيَةَ الثَّقَفِيُّ - حَلِيفٌ لِبَنِي زُهْرَةَ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ أَبِي هُرَيْرَةَ -: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَشَرَةً مِنْهُمْ خُبَيْبٌ الْأَنْصَارِيُّ، فَأَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عِيَاضٍ: أَنَّ ابْنَةَ الْحَارِثِ أَخْبَرَتْهُ: أَنَّهُمْ حِينَ اجْتَمَعُوا اسْتَعَارَ مِنْهَا مُوسَى يَسْتَحِدُّ بِهَا، فَلَمَّا خَرَجُوا مِنَ الْحَرَمِ لِيَقْتُلُوهُ قَالَ خُبَيْبٌ الْأَنْصَارِيُّ:

بنو زہرہ کے حلیف حضرت اسید بن جاریہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے دس صحابۂ کرام کو کسی مہم پر روانہ کیا۔ ان میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حارث کی بیٹی نے بتایا کہ جب حارث کے بیٹوں نے انھیں قتل کرنے کا پروگرام بنایا تو حضرت خبیب نے مجھ سے استرا مانگا تاکہ اپنے زیرناف بال صاف کریں۔ جب وہ انھیں قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر لے گئے تو حضرت خبیب انصاری رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھے:

وَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلَى أَيِّ شِقٍّ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي
وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَشَأْ
يُبَارِكْ عَلَى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

جب مسلمان بن کے دنیا سے چلوں مجھ کو کیا ڈر ہے کس کروٹ گروں
میرا مرنا ہے اللہ کی ذات میں وہ اگر چاہے نہ ہوں گا میں زبوں
تن جو ٹکڑے ٹکڑے اب ہو جائے گا ان کے ٹکڑوں پر وہ برکت دے فزوں

فَقَتَلَهُ ابْنُ الْحَارِثِ، فَأَخْبَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَصْحَابَهُ خَبَرَهُمْ يَوْمَ أُصِيبُوا. [راجع: ۳۰۴۵]

پھر حارث کے بیٹے (عقبہ) نے اسے قتل کر دیا۔ نبی ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اُسی دن اطلاع کر دی جس دن یہ حضرات شہید کیے گئے تھے۔

فوائد و مسائل: ① بنولحیان نے ان دس جاں نثاروں کو اپنے گھیرے میں لے کر سات کو شہید کر دیا اور تین کو قید کر کے لے گئے۔ ان قیدیوں میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بھی تھے جنھیں بنوحارث نے خرید لیا اور ایک مدت تک انھیں قید رکھنے کے بعد شہید کیا۔ اس واقعے کی تفصیل خود امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المغازی میں بیان کی ہے۔[1] ② اس حدیث میں لفظ ذات اللہ کے اسم مبارک کے ساتھ بطور مضاف استعمال ہوا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اسے برقرار رکھا، اگر غلط ہوتا تو آپ ﷺ اس کا انکار کر دیتے۔ اسی طرح احادیث میں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زندگی میں صرف تین دفعہ خلاف واقعہ بات کی، ان میں سے دو مرتبہ تو اللہ کی ذات کے متعلق تھی۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہر چیز کی حقیقت تک پہنچنے کے لیے غور و فکر کرو لیکن اللہ کی ذات کے متعلق اس انداز سے غور و خوض نہ کرو۔ اس کی سند بھی جید ہے۔[3] سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل اسلام اس مومن کا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں اور افضل جہاد اس شخص کا ہے مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي ذَاتِ اللّٰهِ "جس نے اللہ کی

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4086. 2 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3358. 3 الأسماء والصفات للبيهقي، ص: 420، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 346/4.

ذات کے بارے میں اپنے نفس سے جہاد کیا......."[1] ⑤ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذات کا لفظ اس چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کی صفات ہوں، پھر اسے ان صفات کی طرف مضاف کیا جاتا ہے۔ نحوی حضرات نے اگرچہ یہ اعتراض کیا ہے کہ لفظ ذات معرفہ استعمال نہیں ہوتا، تاہم اسے کسی چیز کی حقیقت بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جائے تو اسے معرفہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ متکلمین کی اپنی اصطلاح ہے جس کا لغت سے کوئی تعلق نہیں۔[2] بہرحال لفظ ذات کا استعمال باری تعالیٰ کے لیے جائز ہے اور اس سے مراد نفس شے کا بیان ہے، یعنی بذات خود کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے ذات اور صفات کو الگ الگ بیان کیا ہے۔[3]

(١٥) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى : ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾ [آل عمران: ٢٨]: وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾ [المائدة: ١١٦]	باب: 15- ارشاد باری: "اللہ تمہیں اپنے نفس سے ڈراتا ہے، نیز فرمان الٰہی: "جو میرے نفس میں ہے وہ تو جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے میں نہیں جانتا" کا بیان

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ثابت کیا ہے کہ ذات باری تعالیٰ پر نفس کا اطلاق ہو سکتا ہے جیسا کہ پیش کی گئی آیات میں اس کی صراحت ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہے۔ اگرچہ اضافت، مغایرت کا تقاضا کرتی ہے لیکن معنی کے اعتبار سے دونوں سے مراد ایک ذات ہے کیونکہ وہ دوئی سے پاک اور منزہ ہے، اس سے مراد ایسی ذات ہے جو صفات علیا، یعنی اونچی کمال والی صفات سے متصف ہو۔ صرف ذات جو صفات کے بغیر یا ذات کی صفت قطعاً مراد نہیں ہے۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کے لیے نفس کا اطلاق کرتے ہیں تو اس سے مراد مخلوق جیسا نفس نہیں کیونکہ وہ تمثیل سے بالاتر ہے اور نہ اسے نفس کے بغیر محض معدوم خیال کرتے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے جس حقیقت کو ثابت کیا ہے ہم اسے مبنی بر حقیقت تسلیم کرتے ہوئے بلا تمثیل و تکییف ظاہر معنی پر محمول کرتے ہیں اور اس کی کسی قسم کی قطعاً کوئی تاویل نہیں کرتے ہیں۔ آخری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "جو تیرے نفس میں ہے اسے میں نہیں جانتا۔" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے متعلق تین اقوال ذکر کیے ہیں: ○ میں تیری ذات کی حقیقت نہیں جانتا۔ ○ میں تیرے غیب کے خزانوں کو نہیں جانتا۔ ○ جو کچھ تیرے پاس ہے میں اس سے ناواقف ہوں۔ ابن بطال نے کہا ہے کہ ان آیات میں اللہ رب العزت کے لیے نفس کا اثبات ہے، لغوی اعتبار سے اس کے کئی ایک معانی ہیں، لیکن اس مقام پر اس سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے جو صفات علیا سے متصف ہے، اس سے کوئی اور چیز مراد نہیں ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ وہی ہو۔[3] امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ آیت کریمہ میں نفس سے مراد ذات مقدسہ ہے۔[4]

٧٤٠٣ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ : [7403] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

[1] بدائع الفوائد: 7/2. [2] شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 243/1. [3] فتح الباري: 470/13. [4] مجموع الفتاوى: 196/14.

حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ، مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ، وَمَا أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللهِ». [راجع: ٤٦٣٤]

وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی بھی غیرت مند نہیں، اسی لیے اس نے فواحش کو حرام قرار دیا ہے، نیز اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو مدح و تعریف پسند نہیں۔"

فوائد و مسائل: ① آدمی کے لیے یہ عیب اور نقص ہے کہ وہ اپنی تعریف خود کرے یا کسی دوسرے سے اپنی تعریف پسند کرے لیکن اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ عیب نہیں کیونکہ وہ تعریف کے لائق ہے۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی کماحقہ اس کی تعریف نہیں کر سکتا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! میں تیری اس طرح تعریف نہیں کر سکتا جس قدر تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔"[1] ② اس حدیث کی عنوان سے اس طرح مطابقت ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جسے انھوں نے کتاب التفسیر میں بیان کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں: "اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود کی ہے۔"[2] اس روایت میں نفس کا اطلاق پروردگار پر ہوا ہے۔ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت پر غور نہیں کیا بلکہ وہ اسے بھول گئے ہیں، اس لیے انھوں نے مطابقت ان الفاظ میں بیان کی کہ اس روایت میں "أحد" کا لفظ نفس کی طرح ہے۔[3] کتاب التفسیر میں مروی روایت میں ذات باری تعالیٰ کے لیے لفظ نفس کا استعمال ہوا ہے، اس سے مراد ذات مقدسہ ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی صفات کے بغیر صرف ذات مراد لی ہے یا ان کے نزدیک اس سے مراد صرف صفت باری تعالیٰ ہے، یہ دونوں باتیں حقیقت کے خلاف ہیں۔[4]

٧٤٠٤ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهِ - وَهُوَ يَكْتُبُ عَلَى نَفْسِهِ، وَهُوَ وَضْعٌ عِنْدَهُ عَلَى الْعَرْشِ -: إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي». [راجع: ٣١٩٤]

[7404] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی تو اپنی کتاب میں لکھا: میں نے اپنے نفس پر لازم قرار دیا کہ میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے۔ یہ نوشتہ اس نے اپنے پاس عرش پر رکھا ہوا ہے۔"

فائدہ: صحیح مسلم میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں لکھا اور وہ تحریر اس کے پاس عرش پر ہے: "میری رحمت، میرے غضب پر غالب ہے۔"[5] اس حدیث میں بھی ذات مقدسہ کے لیے لفظ نفس استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد ذات عالی صفات کے سمیت ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لکھا: "میری رحمت، میرے غضب پر

---

[1] جامع الترمذي، الدعوات، حديث: 3566. [2] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4634. [3] فتح الباري: 470/13.
[4] مجموع الفتاوى: 292/9. [5] صحيح مسلم، التوبة، حديث: 6969 (2751).

غالب ہے۔" ارشاد باری تعالیٰ ہے: "تمھارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لکھ لیا ہے، یعنی اسے لازم کر لیا ہے۔"[1] اس کتابت کے تین معنی ہیں: ○ اسے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اسے خود تحریر کیا، چنانچہ فرمان نبوی ہے: "جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنے ہاتھ سے نوشتۂ تقدیر لکھا۔"[2] ○ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو لکھنے کا حکم دیا ہو اور اس کی بھی حدیث میں صراحت ہے۔ ○ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ "کن" سے ایسا کیا ہو، یعنی کن کہا اور نوشتہ تحریر ہو گیا۔ یہ تینوں معانی صحیح ہیں اور کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔

٧٤٠٥ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَقُولُ اللهُ تَعَالَى: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ شِبْرًا إِلَيَّ تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً». [انظر: ٧٥٠٥، ٧٥٣٧]

[7405] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں جو وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ مجھے بھری محفل میں یاد کرے تو میں اسے اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف ایک بالشت آئے تو میں اس کی جانب ایک گز نزدیک ہوتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک گز مجھ سے قریب ہو تو میں دو گز اس سے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چلتا ہوا آئے تو میں دوڑتا ہوا اس کے پاس آتا ہوں۔"

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرا بندہ میرے متعلق یہ گمان رکھتا ہے کہ میں اس کے گناہ معاف کر دوں تو اس کے گمان کے مطابق بندے کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہوں اور اگر میرے متعلق اس کے برعکس یہ گمان رکھتا ہے کہ میں اسے سزا دوں تو میں اسے سزا دیتا ہوں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ خوف کی بجائے امید کا پہلو غالب رہنا چاہیے۔[3] ② اس حدیث میں بھی لفظ نفس کو ذات باری تعالیٰ کے لیے ثابت کیا گیا ہے۔ اس حدیث کے مطابق اگر بندہ پوشیدہ طور پر اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا ہے کہ کسی کو خبر تک نہیں ہوتی اور اگر بندہ علانیہ طور پر بھری مجلس میں اسے یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس مجلس سے اعلیٰ اور افضل مجلس میں اس کا تذکرہ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے معزز فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی لحہ بھر بھی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ وہی کچھ کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے۔ بندے کی طرف سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اپنے آپ کو بڑا اونچا خیال کرے اور اپنے رب کو فراموش کر دے، اس کے برعکس جب بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو کر خود کو گرا دیتا ہے تو اس سجدے کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے بہت قریب ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث

1 الأنعام 6:54. 2 سنن ابن ماجه، الزهد، حديث: 4285. 3 فتح الباري: 13/472.

میں اس کی صراحت ہے، جس قدر بندہ اپنے رب کی طرف رجوع کرے گا اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوگا۔ اگرچہ اس کا بدن زمین پر ہوتا ہے لیکن اس کا دل اللہ تعالیٰ کے قرب و جوار میں پہنچ جاتا ہے۔ ایک دوسرے کے قریب ہونے کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ دونوں اپنے بدن سے حرکت کریں بلکہ ایک کا دوسرے کے قریب ہونا اس بات کو لازم ہے کہ دوسرا بھی اس کے قریب ہو جائے جیسا کہ انسان جب مکے کے قریب پہنچ جاتا ہے تو یوں کہا جاتا ہے کہ مکہ اس کے بالکل قریب آ گیا ہے۔ بہرحال اس قسم کے قرب کے لیے دونوں جانب سے حرکت ضروری نہیں۔[1] ③ مختلف احادیث کے پیش نظر بندے سے اللہ تعالیٰ کے قرب کی دو قسمیں ہیں: ○ اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان کے دلوں کے قریب ہونا اور اہل ایمان کے دلوں کا اللہ تعالیٰ کے قریب ہونا۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دلوں میں جس قدر ایمان، معرفت الٰہیہ اور اللہ تعالیٰ کی خشیت ہوگی اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی منازل طے کریں گے۔ ○ اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کا ایک خاص قرب معلوم ہوتا ہے جس طرح عرفہ کے دن اور ہر رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب ہوتا ہے۔ یہ ایسا قرب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر مستوی رہتے ہوئے بندوں کے قریب ہو جاتا ہے، جہمیہ، معتزلہ اور اشاعرہ اس قرب خاص کا انکار کرتے ہیں اور ان کے انکار کی کوئی علمی بنیاد نہیں ہے۔[2]

(١٦) بَابُ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ [القصص: ٨٨]	باب: 16- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ کے چہرے کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے'' کا بیان

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت اللہ تعالیٰ کے لیے ''وجہ'' کا اثبات کیا ہے، چنانچہ آیت کریمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہنے والا، یعنی زندۂ جاوید ہے جسے موت نہیں آئے گی جبکہ دنیا کی ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ازل سے ابد تک، یعنی ہمیشہ سے ہمیشہ تک کے لیے بقا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ ''اس زمین پر موجود ہر چیز فنا ہونے والی ہے، صرف آپ کے رب کا چہرہ ہی باقی رہ جائے گا جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔''[3] اللہ تعالیٰ نے ذات کے بجائے ''وجہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ ذات وجہ کے تابع ہے۔ متعدد احادیث میں اس ''وجہ'' کا ذات باری کے لیے اثبات ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۂ قصص کی تفسیر میں ''وجہ'' سے مراد اس کا ملک لیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تأویل صحیح نہیں کیونکہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملک ہے۔ اس تاویل کے پیش نظر اس آیت کے یہ معنی ہوں گے: ''ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے مگر ہر چیز'' یہ معنی کسی طرح بھی درست نہیں ہیں، البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر، یعنی کتاب التوحید میں جو اسلوب اختیار کیا وہ سلف صالحین کے موقف کے عین مطابق ہے۔[4] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام بیہقی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرآن مجید اور سنت صحیحہ میں ''وجہ'' کا لفظ متعدد مرتبہ آیا ہے۔

---

1 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 269/1. 2 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 270/1. 3 الرحمٰن 55: 27، 28.
4 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 276/1.

بعض مقامات پر صفت ذات کے طور پر ہے، مثلاً: حدیث میں ہے کہ کبریائی کی چادر اس کے چہرے پر ہے جبکہ کچھ مقامات پر أَجْلِ (کی خاطر) کے معنی دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ﴾ "ہم تمھیں صرف اللہ کی ذات کے لیے کھلاتے ہیں۔"[1] یہ لفظ رضا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿لِوَجْهِ اللَّهِ﴾ "وہ اللہ کی رضا کے طلبگار ہیں۔"[2] علامہ کرمانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آیت اور حدیث میں "وجہ" سے مراد ذات یا وجود یا یہ لفظ زائد ہے کیونکہ وجہ کے معروف معنی پر محمول کرنا محال ہے، اس لیے تاویل کرنا ہوگی یا اسے اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا ہوگا، یعنی اللہ تعالیٰ ہی اس کی مراد جانتا ہے۔[3] ہمارے اسلاف نے اللہ تعالیٰ کے لیے "وجہ" کا اثبات کیا ہے اور اسے حقیقت پر محمول کرتے ہوئے اس کے متبادر معنی مراد لیے ہیں، تاویل یا تفویض کا موقف محل نظر ہے جس کی آئندہ وضاحت ہوگی۔ بإذن اللہ تعالیٰ۔

٧٤٠٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰٓ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ﴾، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَعُوذُ بِوَجْهِكَ»، فَقَالَ: ﴿أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ﴾ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَعُوذُ بِوَجْهِكَ»، قَالَ: ﴿أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا﴾ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هٰذَا أَيْسَرُ». [راجع: ٤٦٢٨]

[7406] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: "کہہ دیجیے! اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تم پر تمھارے اوپر سے کوئی عذاب نازل کرے" تو نبی ﷺ نے فرمایا: "میں تیرے چہرے کی پناہ چاہتا ہوں۔" پھر یہ الفاظ نازل ہوئے: "یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے (عذاب) آ جائے" تو نبی ﷺ نے پھر دعا کی: "اے اللہ! میں تیرے چہرے کی پناہ چاہتا ہوں۔" اس کے بعد یہ الفاظ نازل ہوئے: "یا تمھیں فرقہ بندی میں مبتلا کر دے" تو نبی ﷺ نے فرمایا: "یہ (پہلے دونوں کی نسبت) آسان ہے۔"

فوائد و مسائل: ① اس آیت میں عذاب کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں: * سماوی عذاب: مثلاً: طوفان، بارش، کڑک بجلی کا گرنا، تیز آندھی آنا اور پتھروں کی بارش وغیرہ۔ * ارضی عذاب: مثلاً: دریاؤں کا سیلاب، آتش فشاں پہاڑوں کا پھٹنا، زلزلے اور زمین میں دھنس جانا وغیرہ۔ * فرقہ بازی: خواہ یہ مذہبی قسم کی ہو یا سیاسی یا قبائلی، یہ تینوں قسم کے عذاب پہلی امتوں پر آتے رہے ہیں، البتہ اس امت کے لیے پہلی دو قسم کے عذابوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی جو قبول ہو گئی اور پہلی دو قسم کا عذاب اس امت کو مکمل طور پر ختم کرنے کے لیے نہیں آئے گا، البتہ جزوی طور پر آ سکتا ہے۔ ② تیسری قسم کا عذاب امت میں موجود ہے جس نے ملت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے مسلمانوں کو مغلوب قوم بنا رکھا ہے اور یہ عذاب سرکشی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کا نتیجہ ہے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ذات باری تعالیٰ کے لیے "وجہ" کا اثبات کیا ہے لیکن اس کا چہرہ لوگوں کے چہرے جیسا نہیں۔ ایک حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے اس کے چہرے پر کبریائی کی چادر رکاوٹ ہے۔"[4] اگر اللہ تعالیٰ کبریائی کی چادر کو ہٹا دے تو اس کے چہرے کی کرنیں حد نگاہ تک ہر چیز کو جلا کر

① الدھر 76:9. ② الکھف 18:28. ③ فتح الباري: 13/477. ④ صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 448 (180).

راکھ کر دیں۔[1] خود رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے محترم چہرے کے طفیل اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ قرآنی آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کے چہرے کا اثبات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت ''الوجہ'' ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، اس بنا پر صفت ''الوجہ'' کو بلاتحریف، بلاتعطیل، بلاتکییف اور بلاتمثیل ثابت کرنا ضروری ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی چہرہ ہے جو اس ذات باری تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ اس صفت کو تسلیم کرنا، اس پر ایمان لانا گویا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔[2]

(١٧) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيٓ﴾ [طه: ٣٩] تُغَذّٰى، وَقَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا﴾ [القمر: ١٤]

باب: 17- ارشاد باری تعالیٰ: ''تاکہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے، یعنی تیری غذا وغیرہ کا اہتمام کیا جائے، نیز ارشاد باری تعالیٰ: ''وہ (نوح علیہ السلام کی) کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے تیر رہی تھی'' کا بیان

وضاحت: اس عنوان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے لیے صفت عین کا ثابت کرنا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ''اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔''[3] تو انھوں نے اپنا انگوٹھا کان پر اور ساتھ والی انگلی آنکھوں پر رکھی، پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کرتے ہوئے اپنی انگلیاں اسی طرح رکھی تھیں۔[4] راوی حدیث عبداللہ بن یزید المقری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سمیع بصیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کان اور آنکھیں ہیں۔[5] امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے لیے سمع اور بصر کا اثبات اور اس کے محل کی وضاحت کرنا ہے۔[6] امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تائید میں حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: ''ہمارا رب سمیع بصیر ہے اور آپ ﷺ نے اپنی دونوں آنکھوں کی طرف اشارہ فرمایا۔''[7] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔[8] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت کی: ''وہ (کشتی) ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔''[9] پھر انھوں نے اپنے ہاتھ سے دونوں آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔[10] امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے رب کی آنکھیں ہیں جن سے ساتوں زمینوں کی تہ کے نیچے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اسے دیکھتا ہے، اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ سمندر کے تھپیڑوں اور اس کی موجوں میں سب کچھ اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح اس عرش کو دیکھتا ہے جس پر وہ مستوی ہے۔[11] بہرحال اللہ تعالیٰ کی آنکھیں ہیں لیکن مخلوق کی آنکھوں جیسی نہیں بلکہ ایسی جو

---

1 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 445(179). 2 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 280/1. 3 النسآء 4: 58. 4 سنن أبي داود، السنة، حديث: 4728. 5 سنن أبي داود، السنة، حديث: 4728. 6 الأسماء و الصفات للبيهقي، ص: 179. 7 المعجم الكبير للطبراني: 282/17. 8 فتح الباري: 456/13. 9 القمر 54: 14. 10 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 187/1. 11 كتاب التوحيد لابن خزيمة، ص: 50.

اس کے شایان شان ہیں۔

٧٤٠٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: ذُكِرَ الدَّجَّالُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «إِنَّ اللهَ لَا يَخْفَى عَلَيْكُمْ، إِنَّ اللهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ - وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى عَيْنِهِ - وَإِنَّ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ أَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنَى، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ». [راجع: ٣٠٥٧]

[7407] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے پاس دجال کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی تم پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کانا نہیں ...... اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اپنی آنکھ کی طرف اشارہ فرمایا...... اور بلاشبہ مسیح دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا جیسے اس کی آنکھ پر ایک ابھرا ہوا انگور کا دانہ ہو۔“

٧٤٠٨ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: أَخْبَرَنَا قَتَادَةُ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا بَعَثَ اللهُ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَنْذَرَ قَوْمَهُ الْأَعْوَرَ الْكَذَّابَ، إِنَّهُ أَعْوَرُ، وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ». [راجع: ٧١٣١]

[7408] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی نبی بھیجے ہیں ان سب نے اپنی قوم کو کانے کذاب سے ضرور خبردار کیا ہے۔ وہ (دجال) کانا ہے اور تمھارا رب کانا نہیں۔ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا۔“

فائدہ: دجال اپنے رب ہونے کا دعویٰ کرے گا، اس کے رب ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا۔ یہ ایک ایسی محسوس علامت ہے جس کو عوام الناس بھی محسوس کر سکتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت بیان کی گئی ہے کہ اس کے شایان شان بے عیب آنکھیں ہیں۔ اسے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے مبنی برحقیقت تسلیم کیا جائے گا، جس کی اور کوئی تاویل نہیں ہو سکتی اور نہ اسے مخلوق سے تشبیہ ہی دی جا سکتی ہے۔ اس صفت کا انکار کرنا کفر ہے۔ امام بخاری ؒ نے رب العالمین کے لیے صفت عین ثابت کرنے کے لیے دو آیات اور دو احادیث پیش کی ہیں۔ آیات سے مفرد اور جمع کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں۔ مفرد لفظ میں صفت عین کو ثابت کیا گیا ہے جبکہ جمع میں ضمیر جمع کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ احادیث میں کذاب دجال کی علامت بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک آنکھ سے کانا ہوگا۔ عنوان کو اسی جملے سے ثابت کیا گیا ہے کیونکہ عربی زبان میں ”عور“ یہ ہے کہ دونوں آنکھوں میں سے ایک کی بینائی ختم ہو جائے، اس بنا پر دونوں احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں ہیں جو مخلوق کی آنکھوں سے مشابہ نہیں ہیں بلکہ جس طرح اللہ رب العزت کے شایان شان ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر اس امر کی مزید وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی دونوں آنکھیں صحیح سالم، تندرست اور ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک ہیں۔[1] امام ابن خزیمہ ؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رب العالمین کے متعلق وضاحت فرمائی ہے کہ اس کی دو آنکھیں ہیں، اور آپ ﷺ کا یہ بیان قرآن کریم کی صراحت کے عین مطابق ہے، پھر

1 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 285/1.

انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے، انھوں نے یہ آیت تلاوت کی: ''اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''[1] پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کرتے وقت اپنا انگوٹھا کان پر اور ساتھ والی انگلی اپنی آنکھ پر رکھی تھی۔[2]

(١٨) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿هُوَ ٱللَّهُ ٱلْخَٰلِقُ ٱلْبَارِئُ ٱلْمُصَوِّرُ﴾ [الحشر: ٢٤]

باب: 18- ارشاد باری تعالیٰ: ''وہ اللہ ہی ہے جو پیدا کرنے والا، سب کا موجد اور صورتیں عطا کرنے والا ہے'' کا بیان

وضاحت: آیت کریمہ میں تینوں صفات ہم معنی نہیں، بلکہ ان کے الگ الگ معانی ہیں: ○ الخالق: یہ لفظ خلق سے مشتق ہے اور تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے: * کسی چیز کو بنانے کے لیے اس کا اندازہ لگانا یا خاکہ تیار کرنا۔ * کسی نمونے کے بغیر کسی چیز کو پہلی بار بنانا اور انوکھی شے تیار کرنا۔ * ایک چیز سے دوسری چیز تیار کرنا، یعنی پہلے مادہ موجود ہو اس سے کوئی چیز بنانا۔ ○ الباری: براء سے ہے۔ اس کے معنی ہیں: کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا، جامۂ خلقت پہنانا، بغیر مادہ کے تخلیق کرنا۔ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ○ المصور: تصویر بنانے والا۔ اس کے کئی پہلو ہیں، مثلاً: رحم مادر میں نطفے پر نقش و نگار بناتا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہر جاندار کی شکل و صورت الگ الگ ہے۔ تیسرا پہلو نباتات اور مختلف قسم کے پھولوں کی شکل و صورت ہے۔ الغرض ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے ایک صورت عطا فرمائی اور وہ بڑی اچھی صورت گری کرنے والا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات سے ازل سے متصف ہے۔ وہ مخلوق کے وجود سے پہلے ہی خالق، ایجاد کی گئی اشیاء سے پہلے ہی باری اور تصویروں کے وجود سے پہلے ہی مصور ہے۔ خلق، اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا وصف ہے جو غیر مخلوق ہے، البتہ اس کا نتیجہ مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک، یعنی ہمیشہ سے ہمیشہ تک اپنی صفات کے ساتھ متصف ہے۔

٧٤٠٩ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا عَفَّانُ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا مُوسَى - هُوَ ابْنُ عُقْبَةَ -: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ: أَنَّهُمْ أَصَابُوا سَبَايَا فَأَرَادُوا أَنْ يَسْتَمْتِعُوا بِهِنَّ وَلَا يَحْمِلْنَ، فَسَأَلُوا النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ: «مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا فَإِنَّ اللهَ قَدْ كَتَبَ مَنْ هُوَ خَالِقٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ».

[7409] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھیں غزوۂ بنو مصطلق میں کچھ لونڈیاں بطور غنیمت ملیں۔ صحابۂ کرام نے چاہا کہ ان سے ہم بستری کریں لیکن انھیں حمل نہ ٹھہرے، اس لیے انھوں نے نبی ﷺ سے عزل کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''اگر تم عزل نہ بھی کرو تو کوئی قباحت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وہ لکھ دیا ہے جو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔''

---

1 النسآء 4:134۔ 2 کتاب التوحید لابن خزیمۃ، ص: 42، 43.

وَقَالَ مُجَاهِدٌ عَنْ قَزَعَةَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ فَقَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَيْسَتْ نَفْسٌ مَخْلُوقَةٌ إِلَّا اللهُ خَالِقُهَا». [راجع: ٢٢٢٩]

مجاہد نے قزعہ سے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابوسعید ؓ سے سنا، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "کوئی بھی جان جس کا پیدا ہونا مقدر ہے اللہ اسے ضرور پیدا کر کے رہے گا۔"

فوائد ومسائل: ① عزل کے معنی ہیں: بیوی سے صحبت کرتے وقت اندام نہانی سے باہر انزال کرنا۔ بعض حالات میں اس کی اجازت ہے لیکن خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کے لیے اسے بنیاد قرار دینا نری حماقت ہے کیونکہ عزل، بیوی خاوند کا ایک پرائیوٹ معاملہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ بعض اوقات اسے خفیہ طور پر زندہ درگور کرنا قرار دیا ہے۔ ② مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے انداز بیان ہی سے اس عمل کی کراہت معلوم ہوتی ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں صراحت ہے کہ اگر تم عزل نہ کرو تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جس مخلوق کے پیدا کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے وہ پیدا ہو کر رہے گی۔[1] حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم عزل کرو گے تو حرج ہوگا یہ مطلب نہیں کہ عزل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر یہ مقصد ہوتا تو صاف کہہ دیا جاتا کہ عزل کر لیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔[2] ③ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے عزل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس نفس کو وجود میں لانے کا فیصلہ کر لیا ہے وہ وجود میں آ کر رہے گا، خواہ عزل کیا جائے یا نہ کیا جائے اور جس کا پیدا کرنا مقدر نہیں وہ کسی صورت میں پیدا نہیں ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے بیوی سے مباشرت کے نتیجے میں کسی بچے کی پیدائش کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ ہو کر رہے گا، خواہ اس کے روکنے کے لیے کتنے ہی ذرائع و وسائل استعمال کر لیے جائیں، اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر کوئی غالب آنے والا نہیں۔ وہ اکیلا ہی خالق و مالک ہے۔ امام بخاری ؒ نے بھی اس بات کو ثابت کیا ہے کہ وہ اللہ اکیلا ہی خالق، موجد اور تصویر بنانے والا ہے۔ میاں بیوی کو اس میں ذرہ بھر بھی اختیار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کو پیدا کرنے کا فیصلہ کرنے والا ہے، اس میں لوگوں کے چاہنے یا نہ چاہنے کا کوئی عمل دخل نہیں۔ وہی اسے عدم سے وجود میں لانے والا، پھر شکم مادر (ماں کے پیٹ) میں اس کی صورت بنانے والا ہے۔ دنیا کے تمام ماہرین اکٹھے ہو جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کے نقشے میں سرمو فرق نہیں لا سکتے۔[3] تبارك الله أحسن الخالقين. ④ حافظ ابن تیمیہ ؒ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فعل خلق، غیر مخلوق ہے جبکہ اس کا نتیجہ مخلوق ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے پروردگار کے افعال اور اس کی صفات کے طفیل پناہ طلب کرتے تھے جیسا کہ آپ ﷺ سے ایک دعا مروی ہے: "اے اللہ! میں تیری رضا کے طفیل تیرے غصے سے پناہ مانگتا ہوں۔" اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رضا جو اس کی صفت ہے، اس کی بدولت اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے پناہ مانگی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا غیر مخلوق ہے کیونکہ اس کے طفیل پناہ طلب کی ہے۔ اگر یہ فعل مخلوق ہوتا تو اس کے ذریعے سے پناہ نہ طلب کی جاتی کیونکہ مخلوق کے طفیل پناہ مانگنا جائز نہیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام بھی غیر مخلوق ہے۔[4] ابن بطال

---

[1] صحيح مسلم، النكاح، حديث: 3544 (1438). [2] فتح الباري: 381/9. [3] شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 295/1.
[4] مجموع الفتاوى: 229/6.

نے کہا ہے کہ اس حدیث کے مطابق خالق کے معنی ہیں: مخلوق کو از سر نو پیدا کرنے والا اور اشیاء کو عدم سے وجود میں لانے والا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ ایک ایسی صفت ہے جس میں اور کوئی مخلوق شریک نہیں۔[1]

باب: 19 - ارشاد باری تعالیٰ: "جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا" کا بیان	(١٩) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ [ص: ٧٥]

وضاحت: پوری آیت کریمہ اس طرح ہے: "اللہ تعالیٰ نے (ابلیس سے) فرمایا: جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا اسے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟ کیا تو نے تکبر کیا یا تو تھا ہی اونچے لوگوں میں سے؟"[2] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑی صراحت سے فرمایا ہے کہ میں نے آدم کے پتلے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا، امام بخاری ؒ کا یہ آیت پیش کرنے کا مقصد ذات باری تعالیٰ کے لیے دو ہاتھوں کا اثبات ہے اور یہ ظاہری الفاظ کے اعتبار سے مبنی بر حقیقت ہیں۔ انھیں تشبیہ وتمثیل اور تکییف وتاویل کے بغیر تسلیم کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں وغیرہ ہونے کے یکسر منکر ہیں یا قدرت اور نعمت سے ان ہاتھوں کی تاویل کرتے ہیں۔ ان کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں کیسے ہو سکتے ہیں، لہٰذا ایسی آیات اور ایسے الفاظ کی تاویل کرنا ضروری ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں کا ذکر صراحت سے کیا ہے تو دوسرا کون اس سے بڑھ کر اس کی تنزیہ اور پاکیزگی کر سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کے ہاتھ کیسے ہیں؟ تو یہ بات سمجھنے کے نہ تو ہم مکلّف ہیں اور نہ سمجھ ہی سکتے ہیں۔ ہماری عافیت اسی میں ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا اسے جوں کا توں تسلیم کر لیا جائے۔ امام بخاری ؒ نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے اس آیت کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو اس صفت باری تعالیٰ کی تاویل قدرت یا نعمت سے کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے حضرت آدم ؑ کی ابلیس لعین کے مقابلے میں برتری ثابت کی ہے کہ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے۔ اگر ان سے مراد قدرت لی جائے تو پھر اس میں ابلیس بھی شریک ہے کیونکہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ حضرت آدم ؑ کو ہاتھوں سے بنانے میں ان کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے جو ابلیس کے لیے نہیں ہے۔ بہرحال کتاب وسنت اور اجماع سلف سے اللہ تعالیٰ کے لیے صفت "الیدین" یعنی دو ہاتھ ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ "بلکہ اس (اللہ تعالیٰ) کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔"[3] حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ دن رات مسلسل خرچ کرنے کے باوجود اس میں کمی نہیں آتی۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں قبض کرنا، یعنی رزق کو روکنا اور پھیلانا ہے۔ وہ اسے اونچا کرتا ہے اور نیچے جھکاتا ہے۔"[4] فرقہ معطلہ نے اس کے معنی نعمت اور قدرت کیے ہیں لیکن یہ قول ظاہر نصوص کے خلاف ہے اور طریقۂ سلف سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا اور نہ کسی صحیح دلیل ہی سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔ آیت کا سیاق بھی اس معنی کا انکار کرتا ہے کیونکہ سیاق آیت واضح طور پر تثنیہ ہے۔ اس تثنیہ کے پیش نظر یہ معنی صحیح نہیں

---

(1) فتح الباري: 481/13. (2) ص 75:38. (3) المآئدة 64:5. (4) صحيح مسلم، الزكاة، حديث: 2309 (993).

ورنہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کی دو قدرتیں ہیں۔ قرآن کریم میں یہ صفت تین طرح سے استعمال ہوتی ہے: ○ مفرد: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ "بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے۔"[1] ○ تثنیہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ "بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔"[2] ○ جمع: فرمان الٰہی ہے: ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا﴾ "کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہیں ان میں سے ان کے لیے چوپائے بھی پیدا کیے ہیں۔"[3] ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ اصل تثنیہ، یعنی اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں، مفرد کا لفظ ہر ہاتھ کو شامل ہے۔ اور جمع تعظیم کے لیے ہے، اس لیے ان مختلف صیغوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

٧٤١٠ - حَدَّثَنِي مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «يُجْمَعُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذٰلِكَ فَيَقُولُونَ: لَوِ اسْتَشْفَعْنَا إِلَى رَبِّنَا حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هٰذَا، فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: يَا آدَمُ، أَمَا تَرَى النَّاسَ؟ خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ، وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ، وَعَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ، اِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هٰذَا، فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكَ، وَيَذْكُرُ لَهُمْ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ، وَلٰكِنِ ائْتُوا نُوحًا فَإِنَّهُ أَوَّلُ رَسُولٍ بَعَثَهُ اللهُ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ، فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكَ، وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَهَا، وَلٰكِنِ ائْتُوا إِبْرَاهِيمَ خَلِيلَ الرَّحْمٰنِ. فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَيَذْكُرُ لَهُمْ خَطَايَاهُ الَّتِي أَصَابَهَا، وَلٰكِنِ ائْتُوا مُوسَى عَبْدًا آتَاهُ اللهُ التَّوْرَاةَ وَكَلَّمَهُ تَكْلِيمًا، فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَيَذْكُرُ لَهُمْ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَهَا، وَلٰكِنِ ائْتُوا عِيسَى عَبْدَ اللهِ وَرَسُولَهُ وَكَلِمَتَهُ وَرُوحَهُ، فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُ: لَسْتُ

[7410] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن تمام اہل ایمان کو اکٹھا کیا جائے گا تو وہ کہیں گے: کاش! ہم کسی کی سفارش اللہ کے حضور لے جائیں تاکہ ہمیں وہ اس حالت سے آرام دے، چنانچہ وہ سب مل کر حضرت آدم ؑ کے پاس آئیں گے اور ان سے عرض کریں گے: اے آدم! آپ لوگوں کی حالت کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس بلا میں گرفتار ہیں؟ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا، پھر فرشتوں سے سجدہ کرایا اور تمام اشیاء کے نام آپ کو سکھائے، آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کریں تاکہ وہ ہمیں اس حالت سے نجات دے۔ حضرت آدم ؑ کہیں گے: میں اس منصب کے لائق نہیں ہوں۔ اور وہ ان کے سامنے اس غلطی کا ذکر کریں گے جو ان سے سرزد ہوئی تھی، لیکن تم نوح ؑ کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ کی طرف سے پہلے رسول ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا تھا۔ پھر سب لوگ حضرت نوح ؑ کے پاس آئیں گے تو وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں اور وہ اپنی اس غلطی کو یاد کریں گے جو ان سے سرزد ہوئی تھی۔ وہ کہیں گے: تم ابراہیم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ سب حضرت

---

(1) الملك 67: 1. (2) المائدة 5: 64. (3) يٰس 36: 71.

هُنَاكُمْ، وَلٰكِنِ ائْتُوا مُحَمَّدًا ﷺ عَبْدًا غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ. فَيَأْتُونَنِي فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّي، فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ، فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي وَقَعْتُ لَهُ سَاجِدًا، فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يُقَالُ لِي: اِرْفَعْ مُحَمَّدُ، قُلْ يُسْمَعْ، وَسَلْ تُعْطَهْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَحْمَدُ رَبِّي بِمَحَامِدَ عَلَّمَنِيهَا، ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ، ثُمَّ أَرْجِعُ فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي وَقَعْتُ سَاجِدًا، فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يُقَالُ: اِرْفَعْ مُحَمَّدُ، وَقُلْ يُسْمَعْ، وَسَلْ تُعْطَهْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَحْمَدُ رَبِّي بِمَحَامِدَ عَلَّمَنِيهَا، ثُمَّ أَشْفَعُ، فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ، ثُمَّ أَرْجِعُ فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يُقَالُ: اِرْفَعْ مُحَمَّدُ، قُلْ يُسْمَعْ، وَسَلْ تُعْطَهْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَحْمَدُ رَبِّي بِمَحَامِدَ عَلَّمَنِيهَا، ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ، ثُمَّ أَرْجِعُ فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ، وَوَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ.

ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی فرمائیں گے: میں اس لائق نہیں ہوں اور اپنی وہ خطائیں یاد کریں گے جو ان سے سرزد ہوئیں تھیں، ہاں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ کے بندے ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ نے تورات دی اور بلاواسطہ ان سے کلام کیا۔ یہ سن کر وہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی کہیں گے: میں اس لائق نہیں ہوں اور اپنی اس خطا کو یاد کریں گے جو ان سے دنیا میں سرزد ہوئی تھی، ہاں تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کا حکم اور خاص روح ہیں، چنانچہ وہ سب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی یہی کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں لیکن تم سب حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کی اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر وہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے، میں چل پڑوں گا اور اللہ کے حضور حاضر ہونے کی اجازت مانگوں گا تو مجھے اجازت دی جائے گی۔ اپنے رب کو دیکھتے ہی میں سجدے میں گر جاؤں گا اور جب تک اسے منظور ہوگا وہ مجھے سجدے ہی میں پڑا رہنے دے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہوگا: اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ، تم جو کہو گے اسے سنا جائے گا، جو سوال کرو گے تمھیں دیا جائے گا اور جو سفارش کرو گے اسے قبول کیا جائے گا۔ میں اس وقت اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریفیں کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے سکھائے گا، پھر سفارش کروں گا تو میرے لیے مخصوص لوگوں کی حد مقرر کی جائے گی۔ میں انھیں جنت میں لے جاؤں گا، پھر لوٹ کر اپنے رب کے حضور آؤں گا۔ اسے دیکھتے ہی سجدے میں گر جاؤں گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا مجھے سجدے میں پڑا رہنے دے گا۔ اس کے بعد مجھے کہا جائے گا: اے

محمد! اپنا سر اٹھاؤ۔ تم جو کہو گے اسے سنا جائے گا، جو سوال کرو گے وہ پورا کیا جائے گا اور جو سفارش کرو گے اسے قبول کیا جائے گا۔ پھر میں اپنے رب کی ایسی تعریفیں کروں گا جو اس وقت وہ مجھے الہام کرے گا، اس کے بعد میں سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں انھیں بہشت میں لے جاؤں گا، پھر لوٹ کر اپنے رب کے پاس حاضر ہوں گا تو اسے دیکھتے ہی سجدے میں گر جاؤں گا، جب تک اللہ چاہے گا مجھے سجدے میں پڑا رہنے دے گا۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ۔ تم جو کہو گے سنا جائے گا، جو سوال کرو گے پورا کیا جائے گا اور جو سفارش کرو گے قبول کی جائے گی۔ میں اپنے رب کی ایسی تعریفیں کروں گا جو اس وقت وہ مجھے الہام کرے گا۔ اس کے بعد میں سفارش کروں گا تو میرے لیے حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں انھیں جنت میں لے جاؤں گا، پھر لوٹ کر آؤں گا تو عرض کروں گا: اے میرے رب! اب دوزخ میں وہی لوگ باقی رہ گئے ہیں جنھیں قرآن نے روک رکھا ہے اور ان پر جہنم میں ہمیشہ کے لیے ٹھہرنا واجب ہو چکا ہے۔"

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيرَةً. ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ بُرَّةً، ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَكَانَ فِي قَلْبِهِ مَا يَزِنُ مِنَ الْخَيْرِ ذَرَّةً». [راجع: ٤٤]

نبی ﷺ نے فرمایا: "آخر کار دوزخ سے وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے جنھوں نے لا الہ الا اللہ پڑھا ہو گا اور ان کے دل میں ایک جو کے برابر ایمان ہو گا۔ پھر وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے جنھوں نے دنیا میں لا الہ الا اللہ پڑھا ہو گا اور ان کے دل میں گندم کے دانے کے برابر ایمان ہو گا۔ بالآخر وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے جنھوں نے لا الہ الا اللہ پڑھا ہو گا اور ان کے دلوں میں ذرہ برابر ایمان ہو گا۔"

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث "حدیث سفارش" کے نام سے مشہور ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے متعدد مقامات پر تفصیل اور اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلے یہ حدیث کتاب التفسیر رقم: 4476 میں گزر چکی ہے۔ اس مقام پر یہ حدیث اللہ

تعالیٰ کی صفت ید ثابت کرنے کے لیے لائی گئی ہے، چنانچہ اس میں اللہ تعالیٰ کا حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنانے کا ذکر ہے اور اسے حضرت آدم علیہ السلام کا امتیاز شمار کیا گیا ہے۔ ② اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ید کا ظاہری مفہوم مبنی برحقیقت مراد ہے۔ اگر یہاں قدرت کے مجازی معنی مراد لیے جائیں تو حضرت آدم علیہ السلام کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا کیونکہ دیگر تمام مخلوق کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے بعض اشعری ائمہ کے اقوال نقل کیے ہیں اور لغت سے اس لفظ کے تقریباً پچیس معانی ذکر کیے ہیں، لیکن اس سلسلے میں جو نصوص وارد ہیں ان کے پیش نظر اس کی تاویل کی ہے اور وہ صفت ید سے مراد نعمت اور قدرت لیتے ہیں، لیکن صفت ید کے یہ معنی ائمہ سلف سے ثابت نہیں۔[1] ④ واضح رہے کہ صفات باری تعالیٰ کے متعلق اہل تاویل کا مذہب باطل ہے اور صفات میں سب سے زیادہ تاویلیں اشاعرہ کی ہیں جو خود کو ابوالحسن اشعری کے پیروکار خیال کرتے ہیں، لیکن افسوس کہ متاخرین اشاعرہ صحیح معنی میں اپنے امام کی پیروی کا حق ادا نہ کر سکے، چنانچہ عقیدے کے متعلق ابوالحسن اشعری کی زندگی تین مراحل پر مشتمل ہے: ○ پہلا مرحلہ اعتزال کا ہے۔ انھوں نے چالیس سال تک اعتزال (معتزلہ) کا موقف اختیار کیے رکھا۔ اس کے اثبات کے لیے مناظرے کرتے اور اسے بڑی شد و مد سے پیش کرتے تھے۔ ○ انھوں نے مذہب معتزلہ سے رجوع کر کے خالص اعتزال اور خالص سنت کے درمیان درمیان موقف اختیار کیا۔ یہ ابومحمد بن عبداللہ بن سعید بن کلاب کا منہج تھا اور وہ اس کے پیروکار بن گئے۔ ○ تیسرا اور آخری مرحلہ یہ ہے کہ انھوں نے ان تمام مذاہب سے رجوع کر کے خالص کتاب وسنت پر مبنی مسلک اختیار کیا اور اس سلسلے میں ایک معیاری کتاب "الإبانة في أصول الديانة" تالیف کر کے اپنا موقف پیش کیا۔ افسوس کہ متاخرین اشاعرہ نے ان کے اختیار کردہ دوسرے مرحلے کو اپنایا اور بیشتر صفات میں تاویل کی روش کو تھام لیا۔ اس سلسلے میں وہ سات صفات کو تاویل کے بغیر مانتے ہیں: وہ صفت حیات، علم، قدرت، کلام، ارادہ، سمع اور بصر ہے۔ ان صفات کے اثبات میں بھی اہل سنت سے کچھ انحراف پایا جاتا ہے۔ ⑤ شارحین صحیح بخاری کی اکثریت اشاعرہ سے متعلق ہے، اس لیے وہ صفات کے متعلق تاویل کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ صفت ید کے متعلق بھی تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد قدرت اور نعمت ہے، جبکہ اس سے مراد حقیقی ہاتھ ہیں جن کی انگلیاں بھی ہیں، البتہ یہ ہاتھ مخلوق کے ہاتھوں جیسے نہیں ہیں۔

٧٤١١ – حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَدُ اللهِ مَلْأَى لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ».

[7411] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ رات اور دن کا خرچ کرنا اسے کم نہیں کرتا۔"

وَقَالَ: «أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ؟ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَدِهِ».

اور فرمایا: "کیا تم نے دیکھا کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے اب تک وہ کتنا خرچ کر چکا ہے؟ لیکن اس

1 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 1/305.

(سخاوت) نے جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اسے کم نہیں کیا۔"

وَقَالَ: «عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، وَبِيَدِهِ الْأُخْرَى الْمِيزَانُ، يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ». [راجع: ٤٦٨٤]

نیز آپ نے فرمایا: "اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ترازو ہے جسے وہ نیچے اور اوپر کرتا رہتا ہے۔ (کسی کو پست کر دیتا ہے کسی کو بلند)۔"

فوائد و مسائل: ① یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق بکواس کی تھی کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ بندھے ہوئے تو ان کے اپنے ہاتھ ہیں اور اس بکواس کی وجہ سے ان پر پھٹکار پڑ گئی بلکہ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔[1] مذکورہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔ اس حدیث اور ذکر کی گئی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت ید کا اثبات ہے جس کی تاویل کرنا درست نہیں، چنانچہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں یَدُ اللّٰہِ کے بجائے یَمِینُ اللّٰہِ کے الفاظ ہیں۔[2] ② ان الفاظ پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس لفظ سے ان لوگوں کا خوب تعاقب ہو سکتا ہے جو صفتِ ید کی تفسیر "نعمت" سے کرتے ہیں اور وہ لوگ تو بہت دور کی کوڑی لائے ہیں جو اس کی تفسیر "خزائن" سے کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خزائن میں تصرف ہاتھ کرتا ہے، اس لیے صفت ید کا اطلاق خزائن پر کیا گیا ہے۔[3] ③ لیکن ان کی یہ دلیل درست نہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اشعری ہونے کے باوجود صفت ید کے متعلق تاویل کرنے والوں کی تردید کی ہے جیسا کہ مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔[4] "اللہ کے ہاتھ بھرپور ہیں" اس سے حقیقی ہاتھ مراد ہیں۔ اس کی تفسیر قدرت سے کرنا صحیح نہیں جیسا کہ قدریہ کا موقف ہے کیونکہ اس حدیث میں دوسرے ہاتھ کا بھی ذکر ہے کہ اس میں ترازو ہے۔ ہاتھ کو قدرت کے معنی تسلیم کرنے کی صورت میں دو قدرتوں کا اثبات لازم آتا ہے، لہٰذا "ید" کے معنی حقیقی ہاتھ ہی ہیں۔ اسی طرح اس کے معنی نعمت کرنا بھی صحیح نہیں۔ چونکہ تمام نعمتیں مخلوق ہیں اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ایک مخلوق نے اسی طرح کی مخلوق کو پیدا کیا ہے اور جس نے اس کے معنی خزائن کیے ہیں وہ تو بہت دور جا بھٹکا ہے۔

٧٤١٢ - حَدَّثَنَا مُقَدَّمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمِّي الْقَاسِمُ بْنُ يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ: أَنَّهُ قَالَ: «إِنَّ اللهَ يَقْبِضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْأَرْضَ، وَتَكُونُ السَّمٰوَاتُ بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ».

[7412] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں لے گا جبکہ آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے، پھر کہے گا: میں ہی بادشاہ ہوں۔"

رَوَاهُ سَعِيدٌ عَنْ مَالِكٍ.

یہ حدیث سعید نے امام مالک رحمہ اللہ سے بیان کی ہے۔

1 المآئدة 5:64. 2 صحیح البخاري، التوحید، حدیث: 7419. 3 فتح الباري: 13/484. 4 عمدة القاري: 16/608.

٧٤١٣ - وَقَالَ عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ: سَمِعْتُ سَالِمًا سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهٰذَا.

[7413] عمر بن حمزہ نے کہا: میں نے حضرت سالم رحمہ اللہ سے سنا، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، انھوں نے نبی ﷺ سے یہی حدیث بیان کی۔

وَقَالَ أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَقْبِضُ اللهُ الْأَرْضَ». [راجع: ٤٨١٢]

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا۔''

فوائد و مسائل: ① ان احادیث میں لفظ قبض ہے جس کے معنی ہیں: کسی چیز کو مٹھی میں لینا۔ یہ مٹھی ہاتھ کی ہوتی ہے جبکہ اس حدیث میں دائیں ہاتھ کا بھی صراحت کے ساتھ ذکر آیا ہے۔ صحیح مسلم میں مزید وضاحت ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ لے گا اور کہے گا: آج میں بادشاہ ہوں۔ ظلم و تشدد کرنے والے کہاں ہیں؟ فخر و غرور کرنے والے کہاں ہیں؟ پھر زمینوں کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ میں لے گا اور کہے گا: آج میں بادشاہ ہوں۔ ظلم و تشدد کرنے والے کہاں ہیں؟ فخر و غرور کرنے والے کہاں ہیں؟''[1] ایک دوسری حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لے گا اور فرمائے گا: میں اللہ ہوں...... رسول اللہ ﷺ اس منظر کشی کے وقت اپنی انگلیوں کو بند کرتے اور کبھی انھیں کھول دیتے...... میں بادشاہ ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت پرجوش انداز میں یہ حدیث بیان کر رہے تھے حتی کہ آپ ﷺ کا منبر نیچے سے (لے کر اوپر تک) حرکت کرتا نظر آیا، یہاں تک کہ میں نے کہا: کیا وہ (منبر) رسول اللہ ﷺ کو لے کر گر جائے گا؟[2] ② ایک طویل حدیث میں مرحلہ وار حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے۔ اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر کے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: ان دونوں میں سے ایک کو اختیار کر لو۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دائیں مٹھی کو اختیار کیا۔ میرے رب کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں اور خیر و برکت سے بھرپور ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس مٹھی کو کھولا تو اس میں آدم علیہ السلام کی تمام اولاد تھی۔[3] ان احادیث میں اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں کا ذکر ہے بلکہ بائیں ہاتھ کی بھی صراحت ہے، البتہ خیر و برکت کے اعتبار سے دونوں ہاتھ ایک جیسے ہیں اور دونوں ہی خیر و برکت سے بھرپور ہیں۔ جس روایت میں اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں کو دایاں کہا گیا ہے، وہ خیر و برکت کے اعتبار سے ہے۔ مخلوق کا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ سے کمزور ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا بایاں ہاتھ ایسا نہیں ہوگا، بلکہ قوت و طاقت اور خیر و برکت میں دائیں ہاتھ جیسا ہے۔ احادیث میں ہاتھوں کو پھیلانے، کھولنے، سمیٹنے اور ان کے دائیں، بائیں دو ہونے کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے، یہ تمام حقائق اس سے مراد قدرت یا نعمت ہونے کی پرزور تردید کرتے ہیں۔

---

1 صحيح مسلم، صفات المنافقين، حديث: 7051 (2788). 2 صحيح مسلم، صفات المنافقين، حديث: 7052 (2788). 3 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3368.

٧٤١٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: سَمِعَ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ وَسُلَيْمَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ يَهُودِيًّا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ اللهَ يُمْسِكُ السَّمٰوَاتِ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْأَرَضِينَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْجِبَالَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالشَّجَرَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْخَلَائِقَ عَلَى إِصْبَعٍ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾.

[7414] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے محمد! یقیناً اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر روک لے گا، تمام زمینوں کو دوسری انگلی پر، پہاڑوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر اور دیگر مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کی ڈاڑھیں دکھائی دینے لگیں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔''

قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: وَزَادَ فِيهِ فُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ: فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ تَعَجُّبًا وَتَصْدِيقًا لَهُ. [راجع: ٤٨١١]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ یہودی کی بات پر تعجب کرتے ہوئے اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے ہنس پڑے تھے۔

٧٤١٥ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: سَمِعْتُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: سَمِعْتُ عَلْقَمَةَ يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَقَالَ: يَا أَبَا الْقَاسِمِ! إِنَّ اللهَ يُمْسِكُ السَّمٰوَاتِ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْأَرَضِينَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالشَّجَرَ وَالثَّرَى عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْخَلَائِقَ عَلَى إِصْبَعٍ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَنَا الْمَلِكُ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ، ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾. [راجع: ٤٨١١]

[7415] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اہل کتاب میں سے ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ابوالقاسم! اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر رکھے گا، تمام زمینوں کو ایک انگلی پر، درخت اور گیلی مٹی ایک انگلی پر اور دیگر تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپ ہنس دیے حتی کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''انھوں نے اللہ کی قدر کرنے کا حق ادا نہیں کیا۔''

فوائد ومسائل: ① مذکورہ عنوان اور پیش کردہ احادیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں اور ہاتھوں کی انگلیاں ہیں جن کی صراحت ان احادیث میں بیان ہوئی ہے لیکن علامہ خطابی فرماتے ہیں: انگلیوں کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اور نہ کسی قطعی الثبوت حدیث ہی میں ان کی وضاحت ہے، علاوہ ازیں ہاتھ سے مراد بھی عضو نہیں کہ اس کے ثابت ہونے

سے انگلیوں کا ثبوت فراہم ہو۔ مذکورہ احادیث میں انگلیوں کا ذکر یہودی عالم کی کارستانی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا اس کی بات پر ہنسنا یہ انکار کے طور پر تھا۔ راوی کا یہ اپنا گمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کی تصدیق کرتے ہوئے ہنسے تھے۔ اس گمان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ [1] ② ہمیں علامہ خطابی رحمہ اللہ جیسے محدث سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ صفات باری تعالیٰ کے متعلق تاویل کرنے والوں کی ہمنوائی میں اس حد تک تجاوز کر جائیں گے۔ ہمارے نزدیک انگلیوں کا ذکر بایں طور قرآن مجید میں ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جو چیز تمھیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے منع کر دے اس سے رُک جاؤ۔'' [2] چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انگلیوں، ہتھیلی، دائیں ہاتھ اور مٹھی وغیرہ کا ذکر کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں بلکہ قرآن مجید ہے: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر آیات بھی پیش کی جا سکتی ہیں، پھر مذکورہ قطعی الثبوت احادیث میں انگلیوں کا ذکر ہے۔ جب صحیح احادیث میں کسی بات کا ذکر ہو تو اس کا قبول کرنا ضروری ہے، خواہ اس کا تعلق اعمال سے ہو یا عقائد سے، لیکن اہل بدعت کا کہنا ہے کہ صفات باری تعالیٰ کا ذکر قرآن میں یا متواتر احادیث میں ہونا ضروری ہے۔ ان کا یہ قاعدہ خود ساختہ اور محدثین کے اصولوں کے خلاف ہے۔ ③ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے جب ان صفات کا ذکر کیا ہے تو آپ ﷺ کے مخاطب وہی تھے جو عربی زبان سمجھتے اور اس کے ظاہری مفہوم کے مطابق عمل کرنے والے تھے۔ کسی ضعیف حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے مخاطبین کو نصوص کے ظاہری مفہوم کے مطابق عمل نہ کرنے کی تلقین کی ہو۔ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے متعلق یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ بندوں سے ایسا خطاب کریں جس کا ظاہری مفہوم کفر ہو؟ جیسا کہ تاویل کرنے والوں کا کہنا ہے۔ عافیت اسی میں ہے کہ ہم تسلیم و رضا پر عمل کرتے ہوئے ان نصوص کے ظاہری مفہوم کے مطابق عقیدہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے دو حقیقی ہاتھ ہیں جو اس کے شایان شان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ہاتھوں کی انگلیوں پر قیامت کے دن زمین و آسمان اور دیگر مخلوقات کو رکھ کر انھیں جھٹکا دے کر اپنی بادشاہت کا اعلان کرے گا۔ ④ رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے ایک طویل اور غلط بات بیان کی جائے اور آپ ﷺ اس کی تکذیب کرنے کے بجائے اس پر ہنس دیں۔ ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا یہودی عالم کی بات سن کر ہنس دینا آپ ﷺ کی رضا اور اسے تسلیم کرنے کی علامت ہے، چنانچہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا نبی اس بات سے بلند و بالا ہے کہ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی صفت بیان کی جائے جو اس کے شایانِ شان نہ ہو، پھر آپ ﷺ اس کی تردید کرنے کی بجائے وہاں ہنس دیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ منصب ہرگز نہیں ہے۔ [4] رسول اللہ ﷺ کا یہودی عالم سے یہ بیان سن کر ہنسنا انکار کے طور پر نہیں بلکہ اس بیان کی تصدیق تھا جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی صراحت کی ہے۔ جلیل القدر صحابی کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا اپنا گمان ہے، بہت دلیری اور جسارت ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیان کی تصدیق کرتے ہوئے درج ذیل آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ''ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا۔ قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے، وہ ان باتوں سے پاک اور بالاتر ہے جو یہ لوگ اس کے شریک ٹھہراتے ہیں۔'' [5] گویا مشرکین کے تمام معبودانِ باطلہ بھی اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ہوں گے جنھیں آج یہ اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرا رہے

---

1 إعلام الحديث: 1903/3. 2 الحشر 7:59. 3 كتاب التوحيد، ص: 76. 4 الزمر 67:39.

ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی انگلیوں کا ذکر دیگر احادیث میں بھی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اولادِ آدم کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جیسا کہ ایک ہی دل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا پڑھی: [اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ! اصْرِفْ قُلُوبَنَا إِلٰى طَاعَتِكَ] ''اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔''[1] ⑤ حافظ ابن قیم ؒ لکھتے ہیں: قرآن مجید، احادیث نبویہ اور صحابہ و تابعین کے اقوال میں لفظ ''ید'' سو مرتبہ سے زیادہ ذات باری تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے، ان کی صفات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد حقیقی ہاتھ ہے، مثلاً: پکڑنا، لپیٹنا، پھیلانا، سکیڑنا، مصافحہ کرنا، خمیر گوندھنا، لکھنا اس کا دایاں بایاں ہونا۔ ان کا خیر و برکت سے بھرپور ہونا اور جنت عدن میں درخت لگانا، وغیرہ۔ ان تمام اعمال صفات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کے حقیقی دو ہاتھ ہیں جن کی اور کوئی تاویل نہیں ہوسکتی اور یہ ہاتھ مخلوق کے ہاتھوں سے قطعاً مشابہت نہیں رکھتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان انھیں تسلیم کرنا اور ان پر یقین کرنا ضروری ہے۔[2]

(٢٠) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَا شَخْصَ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ»

باب: 20- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: ''اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی شخص نہیں'' کا بیان

وضاحت: امام بخاری ؒ کا مقصود یہ ہے کہ لفظ شخص کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر صحیح ہے کیونکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس صفت کو اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کیا ہے اور آپ ﷺ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور کسی کو نہیں۔ لغوی اعتبار سے جو ذات اونچی، غالب اور بلند ہو اسے شخص کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کائنات میں سب سے زیادہ اونچا، بڑا، بلند اور غالب ہے، لہٰذا اس صفت کے اطلاق سے شرعی طور پر کوئی امر مانع نہیں۔[3]

٧٤١٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ التَّبُوذَكِيُّ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ، عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ: قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ: لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفَحٍ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «أَتَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ؟ وَاللهِ لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ، وَاللهُ أَغْيَرُ مِنِّي، وَمِنْ أَجْلِ غَيْرَةِ اللهِ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ

[7416] حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ حضرت سعد بن عبادہ ؓ نے کہا: اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ہمراہ دیکھوں تو سیدھی تلوار سے اسے قتل کر دوں۔ رسول اللہ ﷺ کو ان جذبات کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: ''تم سعد کی غیرت پر اظہار تعجب کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! یقیناً میں ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیرت ہی کی وجہ سے بے حیائی کی ظاہر اور پوشیدہ باتوں کو حرام قرار دیا ہے۔ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ

1 مسند أحمد: 168/2۔ 2 مختصر الصواعق، ص: 348۔ 3 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 338/1۔

اللهِ، وَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ بَعَثَ الْمُنْذِرِينَ وَالْمُبَشِّرِينَ، وَلَا أَحَدَ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللهِ، وَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ وَعَدَ اللهُ الْجَنَّةَ». [راجع: ٦٨٤٦]

عذر خواہی محبوب نہیں، اس لیے اس نے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اپنے رسول بھیجے ہیں، نیز کسی کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ مدح وثنا محبوب نہیں۔ اسی وجہ سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے (تاکہ لوگ اس کی تعریف کر کے اسے حاصل کریں)۔"

وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ: «لَا شَخْصَ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ».

(راویٔ حدیث) عبیداللہ بن عمرو نے عبدالملک کے حوالے سے یہ الفاظ بیان کیے ہیں: "اللہ سے زیادہ غیرت مند کوئی شخص نہیں۔"

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ کی پیش کردہ متصل روایت میں ذات باری تعالیٰ کے لیے شخص کا اطلاق نہیں ہوا بلکہ انھوں نے عبیداللہ بن عمرو کے حوالے سے یہ لفظ نقل کیا ہے۔ امام مسلم ؒ نے اپنی بیان کردہ اس روایت میں تین مرتبہ یہ لفظ بیان کیا ہے۔[1] امام احمد بن حنبل ؒ نے یہ روایت بیان کرنے کے بعد راویٔ حدیث عبیداللہ القواریری کے حوالے سے لکھا ہے کہ انھوں نے کہا: فرقۂ جہمیہ پر اس حدیث سے زیادہ شدید اور سخت ترین حدیث اور کوئی نہیں کیونکہ اس میں لفظ شخص کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر کیا گیا ہے جبکہ یہ فرقہ اسے تسلیم نہیں کرتا۔[2] ② ہمیں شارحین سے شکوہ ہے کہ انھوں نے کتاب التوحید کی تشریح کرتے ہوئے صحیح بخاری کا حق ادا نہیں کیا ہے، چنانچہ ابن بطال مالکی اشاعرہ کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس لفظ کا اطلاق ذات باری تعالیٰ کے لیے صحیح نہیں کیونکہ حدیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے۔[3] ابن بطال کا یہ صرف دعویٰ ہے کیونکہ اس اجماع کی امت کے متقدمین اور سابقہ اہل علم میں سے کسی نے بھی صراحت نہیں کی، البتہ جو حضرات اہل کلام سے متأثر ہیں انھوں نے ضرور اس طرح کی باتیں کی ہیں، چنانچہ ایک دوسرے شارح صحیح بخاری علامہ خطابی نے لکھا ہے: اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ شخص کا اطلاق صحیح نہیں کیونکہ شخص وہ ہے جو مرکب جسم رکھتا ہو، لہٰذا اس طرح کی صفت اللہ کے شایان شان نہیں ہے۔ جن احادیث میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے وارد ہے وہ راویوں کی تصحیف کا نتیجہ ہے۔[4] ③ واضح رہے کہ جب علمی قواعد کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ کوئی بات ثابت ہو جائے تو اسے قبول کرنا ضروری ہے، خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال سے۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ لفظ ذات باری تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے جیسا کہ اس سے پہلے وضاحت ہو چکی ہے۔ ایسے حالات میں اجماع کے خود ساختہ دعوے کی آڑ میں اس کا انکار کرنا یا اسے راویوں کی تصحیف قرار دینا مومن کی شان کے خلاف ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ امام بخاری ؒ نے جزم و وثوق کے ساتھ اس لفظ کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر برقرار نہیں رکھا بلکہ احتمال کے طور پر اسے بیان کیا ہے جبکہ لفظ شے کے متعلق صراحت کی ہے کہ ذات باری تعالیٰ پر اس کا اطلاق صحیح ہے جیسا کہ آئندہ باب میں آئے گا۔[5] حافظ ابن حجر ؒ کے اس موقف سے ہمیں اتفاق نہیں کیونکہ

1 صحيح مسلم، اللعان، حديث: 3764(1499). 2 مسند أحمد: 248/4. 3 شرح صحيح البخاري لابن بطال: 442/10. 4 إعلام الحديث: 2344/4. 5 فتح الباري: 492/13.

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے انداز اور اسلوب کے مطابق لکھا ہے۔ اس کی صحیح احادیث سے تائید ہوتی ہے۔ واللہ أعلم

(٢١) بَابٌ: ﴿قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ﴾ [الأنعام: ١٩]

باب: 21- ارشاد باری تعالیٰ: ”آپ (ان سے) کہیں کہ کون سی چیز شہادت کے اعتبار سے سب سے بڑی ہے؟ آپ خود ہی کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ“ کا بیان

فَسَمَّى اللهُ تَعَالَى نَفْسَهُ شَيْئًا، وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ الْقُرْآنَ شَيْئًا، وَهُوَ صِفَةٌ مِنْ صِفَاتِ اللهِ، وَقَالَ: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ [القصص: ٨٨]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کو شے سے تعبیر کیا ہے اور نبی ﷺ نے قرآن کریم کو شے کہا ہے جبکہ قرآن کریم اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اللہ کی ذات کے سوا ہر شے فنا ہونے والی ہے۔“

وضاحت: اس عنوان سے غرض یہ ہے کہ لفظ ”شے“ کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر جائز ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ قرآن کریم غیر مخلوق ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جزم و وثوق کے ساتھ اس اطلاق کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس سلسلے میں مضبوط دلائل موجود ہیں۔ کچھ اہل کلام لفظ ”شے“ کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناجائز کہتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے متکلمین کے موقف کی تردید فرمائی ہے۔ آپ کا قطعاً یہ موقف نہیں ہے کہ لفظ ”شے“ ذات باری تعالیٰ کا نام ہے بلکہ شے سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد لی جا سکتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر بھی شے کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ شے موجود کے مترادف اور ہم معنی ہے اور عرب کا محاورہ ہے کہ فلاں کوئی شے نہیں۔ اس سے مراد مبالغے کی حد تک اس کی مذمت کرنا ہے، گویا وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔[1] بشر مریسی نے امام عبدالعزیز الکنانی سے سوال کیا کہ قرآن شے ہے یا شے نہیں ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس سے مراد قرآن کے وجود کو ثابت کرنا اور اس کے معدوم ہونے کی نفی کرنا ہے تو قرآن شے ہے اور اگر اس سے مراد قرآن کا نام شے ہے تو اس صورت میں شے کا اطلاق قرآن پر صحیح نہیں۔[2]

٧٤١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِرَجُلٍ: «أَمَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ؟»، قَالَ: نَعَمْ، سُورَةُ كَذَا، وَسُورَةُ كَذَا، لِسُوَرٍ سَمَّاهَا. [راجع: ٢٣١٠]

[7417] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا تھا: ”کیا تیرے پاس قرآن سے کوئی شے ہے؟“ اس نے کہا: ہاں، فلاں فلاں سورت یاد ہے اور اس نے ان سورتوں کے نام بھی لیے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے دعویٰ کے اثبات میں دو آیات اور ایک حدیث پیش کی ہے۔ پہلی آیت

1 فتح الباري: 13/496. 2 كتاب الحيدة، ص: 24.

کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کریمہ کو شے کہا ہے۔ اس سے مراد اپنے وجود کو ثابت کرنا اور عدم کی نفی کرنا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کو شے کہا جا سکتا ہے کہ وہ موجود ہے۔ دوسری آیت کریمہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔ عربی قواعد کے اعتبار سے مستثنیٰ متصل ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی شے میں داخل ہے، پھر حرف استثناء کے ذریعے سے اسے خارج کیا گیا ہے۔ حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کو شے کہا ہے اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی صفات ذات میں سے ایک صفت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ② شارح صحیح بخاری ابن بطال فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیات و آثار سے مراد اس شخص کی تردید ہے جو ذات باری تعالیٰ پر شے کا اطلاق جائز خیال نہیں کرتا جیسا کہ عبداللہ الناشئ کا نظریہ ہے، اسی طرح اس شخص کی بھی تردید مقصود ہے جو معدوم کو شے کہتا ہے کیونکہ لفظ شے سے کسی کا موجود ہونا مراد ہے اور لا شے سے موجود کی نفی کی جاتی ہے، ہاں اگر مذمت کرنا ہو تو موجود کو لا شے کہا جا سکتا ہے۔ [1] مذکورہ حدیث انتہائی اختصار کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف اتنا حصہ ذکر کیا ہے جسے بطور دلیل پیش کرنا تھا۔ اس حدیث سے متعلقہ دیگر مباحث کتاب النکاح سے متعلق ہیں۔

(۲۲) بَابٌ: ﴿وَكَانَ عَرْشُهُۥ عَلَى ٱلْمَآءِ﴾ [هود: ۷] ﴿وَهُوَ رَبُّ ٱلْعَرْشِ ٱلْعَظِيمِ﴾ [التوبة: ۱۲۹]

باب: 22- ارشاد باری تعالیٰ: ”اس کا عرش پانی پر تھا۔“ ”اور وہ عرش عظیم کا رب ہے“ کا بیان

قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: ﴿ٱسْتَوَىٰٓ إِلَى ٱلسَّمَآءِ﴾ [فصلت: ۱۱]: اِرْتَفَعَ، ﴿فَسَوَّىٰ﴾: خَلَقَ.

ابو عالیہ نے کہا: ﴿استوی إلی السماء﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ آسمان کی طرف بلند ہوا اور ﴿فسوّی﴾ کے معنی ہیں: اس نے پیدا کیا۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿ٱسْتَوَىٰ﴾ عَلَا ﴿عَلَى ٱلْعَرْشِ﴾ [الأعراف: ٥٤].

مجاہد نے کہا: ﴿استوی علی العرش﴾ کے معنی ہیں: وہ عرش پر بلند ہوا۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿ٱلْمَجِيدُ﴾ [البروج: ۱۵]: الْكَرِيمُ وَ﴿ٱلْوَدُودُ﴾ [البروج: ۱٤]: الْحَبِيبُ، يُقَالُ: حَمِيدٌ مَجِيدٌ كَأَنَّهُ فَعِيلٌ مِنْ مَاجِدٍ، مَحْمُودٌ مِنْ حَمِدَ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿ذو العرش المجید﴾ میں مجید کے معنی ہیں: کریم۔ اور الودود کے معنی ہیں: حبیب، جیسے حمید مجید کہا جاتا ہے، گویا مجید ماجد سے ہے اور حمید بمعنی محمود، حمد سے ہے۔

وضاحت: اس عنوان سے مقصود عرش باری تعالیٰ کا اثبات ہے، اور اللہ تعالیٰ کا اس پر مستوی ہونا، پھر استواء کے معنی بیان کرنا ہے، نیز اس امر کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ عرش بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تیسرا مسئلہ، یعنی استواء

1 فتح الباري: 13/498.

اور علو باری تعالیٰ کو بیان کیا ہے۔ اس مسئلے کے لیے یکے بعد دیگرے دو عنوان قائم کیے ہیں۔ اس عنوان کے تحت استواء علی العرش اور اس کے بعد ذات باری کی طرف عروج الملائکہ بیان ہوگا۔ اس مقام پر دو آیات کو بطور عنوان منتخب کیا ہے۔ اس انتخاب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے دقت فہم اور قوت استنباط کو ملحوظ رکھا ہے کیونکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش بھی قدیم اور خالق ہے۔ دوسری آیت کریمہ سے پتا چلتا ہے کہ عرش مربوب، یعنی مخلوق ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عرش خالق نہیں اور نہ قدیم ہی ہے بلکہ عرش اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ استواء کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی استیلاء، یعنی قہر اور غلبے کے ہیں لیکن یہ قول درست نہیں کیونکہ جب کوئی پہلے غالب نہ ہو، پھر اسے غلبہ مل جائے تو اس وقت استیلاء کا لفظ بولا جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ معنی درست نہیں کیونکہ وہ تو ازل سے ابد تک غالب ہے۔ اس لفظ کے معنی کے متعلق حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: عربی زبان میں لفظ استواء دو طرح سے مستعمل ہے: * مطلق۔ * مقید۔ مطلق یہ ہے کہ اس کا استعمال کسی قسم کے حرف کے ساتھ نہیں ہے، مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى﴾ [1] "اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچے اور پورے توانا ہو گئے۔" اس کے معنی پورا اور مکمل ہونا ہیں۔ مقید یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے حرف کو استعمال کیا گیا ہو، اس کی دو قسمیں ہیں: ○ حرف إِلٰی کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، مثلاً: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَآءِ﴾ [2] اس کے معنی بلند ہونا ہیں۔ اس معنی پر سلف کا اجماع ہے۔ ○ عَلٰی کے ساتھ اسے استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً: ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ [3] "رحمٰن نے عرش پر قرار پکڑا" اس کے معنی بلند ہونا، قرار پکڑنا ہیں۔ استولی، یعنی قہر اور غلبے کے معنی میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہے، چنانچہ ابن الاعرابی سے سوال ہوا کہ استوی کے معنی استولی، یعنی غلبہ آتے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: عرب اس معنی کو نہیں جانتے۔ [4] ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ مجھ سے احمد بن ابوداود نے مطالبہ کیا کہ لغت عرب میں استوی، یعنی استولی تلاش کروں۔ میں نے انھیں جواب دیا: اللہ کی قسم! مجھے یہ لفظ اس معنی میں نہیں ملا۔ [5] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الصواعق المرسلۃ" میں ثابت کیا ہے کہ استوی کے معنی استولی نہیں ہیں۔ اس کے بطلان پر انھوں نے بیالیس وجوہات ذکر کی ہیں۔ انھوں نے علامہ خطابی کے حوالے سے لکھا ہے: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس جگہ استواء کے معنی استیلاء، یعنی غلبہ ہیں۔ اس معنی کے لیے ایک غیر معروف شاعر کا شعر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر اس مقام پر استوی کے معنی غلبہ ہوں تو کلام بالکل بے فائدہ بن جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت ہر چیز کو محیط ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تعریف میں ہے تو صرف عرش پر اس کے استیلاء اور غلبے کے کیا معنی؟ استیلاء کے معنی تو یہ ہیں کہ کسی کو ایک چیز سے روکا جا رہا ہے اور وہ اس پر بزور غالب آ جائے اور قبضہ کر لے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے لیے کون سا امر مانع ہے کہ اسے استیلاء سے موصوف کیا جائے؟ [6] بہر حال استوی علی العرش کے معنی ہیں کہ اس نے عرش پر قرار پکڑا، جبکہ بعض عقل پرست اس کے معنی "عرش پر متمکن ہو گیا، یا کائنات کے نظام پر غالب آ گیا یا اس نے زمام اقتدار سنبھال لی" وغیرہ کرتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک استوی کے معنی استولی ہیں۔ اس کے متعلق امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنے قصیدہ نونیہ میں لکھا ہے: [نُونُ الْيَهُودِ وَلَامُ الْجَهْمِيِّ هُمَا فِي وَحْيِ رَبِّ الْعَرْشِ

---

1 القصص 14:28. 2 البقرة 29:2. 3 طٰهٰ 5:20. 4 مختصر الصواعق، ص: 320. 5 فتح الباري: 500/13.
6 الصواعق المرسلة.

زَائِدَتَانِ] ''یہودیوں کا نون، یعنی حِطَّةٌ کے بجائے حِنطَةٌ کہنا اور فرقہ جہمیہ کا لام، یعنی استوی کے بجائے استولی خیال کرنا دونوں باتیں وحی الٰہی سے زائد ہیں۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے آخر میں عرش باری تعالیٰ کی عظمت و رفعت بیان کرنے کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اثر پیش کیا ہے جسے ابن ابی حاتم نے متصل سند سے بیان کیا ہے، اس میں عرش مقدس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، یعنی عرش کی عظمت اس بنا پر ہے کہ خصوصیت کے ساتھ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجید کے معنی کریم کیے ہیں۔ عرش باری تعالیٰ کا یہ وصف ایک دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے، فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بہت بلند شان والا ہے۔ وہی حقیقی بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہی عرش کریم کا مالک ہے۔''[1] عرش کے کریم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ بلند پایہ تمام کائنات سے وسیع تر ہے۔[2]

٧٤١٨ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ صَفْوَانَ ابْنِ مُحْرِزٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: إِنِّي عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ جَاءَهُ قَوْمٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ فَقَالَ: «اقْبَلُوا الْبُشْرٰى يَا بَنِي تَمِيمٍ»، قَالُوا: بَشَّرْتَنَا فَأَعْطِنَا، فَدَخَلَ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ: «اقْبَلُوا الْبُشْرٰى يَا أَهْلَ الْيَمَنِ! إِذْ لَمْ يَقْبَلْهَا بَنُو تَمِيمٍ»، قَالُوا: قَبِلْنَا، جِئْنَاكَ لِنَتَفَقَّهَ فِي الدِّينِ، وَلِنَسْأَلَكَ عَنْ أَوَّلِ هٰذَا الْأَمْرِ مَا كَانَ، قَالَ: «كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهُ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، ثُمَّ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ».

[7418] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں ایک مرتبہ نبی ﷺ کے پاس تھا کہ اتنے میں آپ کے پاس قبیلۂ بنو تمیم کے چند لوگ آئے۔ آپ ﷺ نے (ان سے) فرمایا: ''اے بنو تمیم! تم بشارت قبول کرو۔'' انھوں نے کہا: آپ نے ہمیں بشارت تو دی ہے، کچھ (دنیا کا) مال بھی دیں۔ پھر آپ کے پاس یمن کے کچھ لوگ آئے تو آپ نے فرمایا: ''اے اہل یمن! تم خوشخبری قبول کرو، بنو تمیم نے اسے قبول نہیں کیا۔'' انھوں نے کہا: ہم نے اسے قبول کیا۔ ہم تو آپ کے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ دین کے متعلق سمجھ بوجھ حاصل کریں اور آپ سے اس دنیا کے آغاز کے متعلق پوچھیں کہ اس کی ابتدا کیسے ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل تھا اور کچھ نہیں تھا، البتہ اللہ کا عرش پانی پر تھا، پھر اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں ہر چیز لکھ دی۔''

ثُمَّ أَتَانِي رَجُلٌ فَقَالَ: يَا عِمْرَانُ! أَدْرِكْ نَاقَتَكَ فَقَدْ ذَهَبَتْ، فَانْطَلَقْتُ أَطْلُبُهَا فَإِذَا السَّرَابُ يَنْقَطِعُ دُونَهَا، وَايْمُ اللّٰهِ! لَوَدِدْتُ أَنَّهَا قَدْ ذَهَبَتْ وَلَمْ أَقُمْ. [راجع: ٣١٩٠]

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اتنے میں ایک آدمی نے آ کر مجھ سے کہا: اے عمران! اپنی اونٹنی کی خبر لو وہ بھاگ گئی ہے۔ میں اس کی تلاش میں نکلا۔ میں نے دیکھا کہ میرے اور اس کے درمیان سراب حائل ہے۔ اللہ کی قسم! اب میں

---

1 المؤمنون 23: 116. 2 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 371/1.

چاہتا ہوں کہ اگر اونٹنی جاتی تھی تو چلی جاتی مگر میں آپ کی مجلس سے نہ اٹھا ہوتا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں "هٰذَا الْأَمْرِ" سے مراد کائنات کی ہر وہ چیز ہے جس کا روزمرہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں، یعنی اہل یمن نے مشاہدات کائنات کے متعلق سوال کیا تھا کہ اس کا مبدأ کیا ہے؟ سوال کے ظاہری مفہوم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔[1] اگرچہ انھوں نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ جنس مخلوقات میں سے پہلی مخلوق کے متعلق سوال تھا لیکن جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ احتمال بہت بعید ہے کیونکہ اس حدیث میں زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر ہے، حالانکہ ایک حدیث کے مطابق پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اسے لکھنے کا حکم دیا۔ اس نے عرض کی: کیا لکھوں؟ حکم ہوا: قیامت تک پیدا ہونے والی ہر چیز کی تقدیر لکھ دے۔[2] نیز ایک دوسری حدیث میں اس امر کی بھی صراحت ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تقدیر لکھ دی تھی اور اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔[3] اللہ تعالیٰ کا عرش اور پانی دونوں اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں جو تقدیریں لکھتے وقت موجود تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔"[4] ② اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی تخلیق زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے ہو چکی تھی اور زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر موجود تھا۔ تخلیق کے بعد یہ عرش ساتوں آسمانوں اور کرسی کے بھی اوپر ہے۔ زمین و آسمان کی پیدائش کا مادہ دھواں تھا جو اس وقت موجود پانی سے بخارات کی شکل میں جمع تھا۔ اس کا اشارہ سورۂ حٰمٓ السجدۃ، آیت: 11 میں ہے، پھر اس دھوئیں کو پھاڑ کر اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان، سورج، چاند اور ستارے وغیرہ بنائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "بے شک تمام آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے تو ہم نے انھیں پھاڑ کر الگ الگ کیا۔"[5] ③ اس حدیث سے مقصود اللہ تعالیٰ کے عرش کی عظمت اور رفعت و بلندیٔ شان کو بیان کرنا ہے کہ اس کی قدر و منزلت زمین و آسمان کی قدر و منزلت سے کہیں بڑھ کر ہے اور اس کا وجود زمین و آسمان کے وجود سے بہت پہلے کا ہے۔ واللّٰہ أعلم۔

٧٤١٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ: حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ يَمِينَ اللهِ مَلْأَى لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ؟ فَإِنَّهُ لَمْ يَنْقُصْ مَا فِي يَمِينِهِ، وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، وَبِيَدِهِ

[7419] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، اس میں سے خرچ کرنا کسی قسم کی کمی نہیں لاتا۔ وہ دن رات سخاوت کرتا رہتا ہے۔ تمھیں کیا معلوم کہ جب سے زمین و آسمان کو اس نے پیدا کیا ہے کتنا خرچ کر دیا ہے؟ اس سخاوت نے اس میں کمی نہیں کی جو اس کے

---

1 فتح الباري: 346/6. 2 سنن أبي داود، السنة، حديث: 4700. 3 صحيح مسلم، القدر، حديث: 6748 (2653).
4 هود 11: 7. 5 الأنبياء 21: 30.

الْأُخْرَى الْفَيْضُ - أَوِ الْقَبْضُ - يَرْفَعُ وَيَخْفِضُ». [راجع: ٤٦٨٤]

دائیں ہاتھ میں ہے۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں فیض یا قبض ہے جسے وہ اونچا اور نیچا کرتا رہتا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① اس روایت میں اللہ تعالیٰ کے عرش کا بیان ہے کہ وہ پانی پر تھا۔ قرآن کریم میں ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت بھی اس کا عرش پانی پر تھا۔ یہ پانی کہاں تھا؟ کیا یہ پانی وہی معروف ہے یا کوئی اور مائع قسم کا مادہ تھا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں اور انھیں سمجھنے کے ہم مکلف بھی نہیں، البتہ یہ بات یقینی ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ عرش، اس تخت کو کہتے ہیں جس پر بادشاہ فروکش ہوتا ہے جیسا کہ ملکۂ سبا کے متعلق قرآن میں ہے: "اس کا تخت عظیم الشان تھا۔"[1] ② عربی زبان میں گھر کی چھت کے لیے بھی لفظ عرش استعمال ہوا ہے، قرآن مجید میں ہے: ﴿وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا﴾ "وہ بستی اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی۔"[2] گویا عربی لغت میں عرش کے معنی ہیں: * بادشاہ کا تخت جس پر وہ فروکش ہوتا ہے۔ * گھر کی چھت۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے عرش کے دو مفہوم ہیں: ○ وہ اللہ ذوالجلال کا محلِ استوا ہے جس کی کیفیت ہم نہیں جانتے۔ ○ وہ تمام مخلوقات کے لیے چھت ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا عرش بھی دوسری مخلوقات کی طرح اس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس کے پائے ہیں۔ اسے خاص فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ قیامت کے دن آٹھ فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ یہ عرش سب آسمانوں کے اوپر ہے اور ساتوں آسمانوں کو قبے کی طرح گھیرے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا محتاج نہیں بلکہ خود عرش اپنے پروردگار کا محتاج ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور ہر مخلوق اپنے خالق کی محتاج ہے اور اس سے کسی صورت میں بے نیاز نہیں ہو سکتی۔

٧٤٢٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: جَاءَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ يَشْكُو، فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: «اتَّقِ اللهَ وَأَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ»، قَالَ أَنَسٌ: لَوْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، كَاتِمًا شَيْئًا لَكَتَمَ هٰذِهِ، قَالَ: فَكَانَتْ زَيْنَبُ تَفْخَرُ عَلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ. تَقُولُ: «زَوَّجَكُنَّ أَهَالِيكُنَّ وَزَوَّجَنِي اللهُ تَعَالَى مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ».

[7420] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (اپنی بیوی کی) شکایت کرتے ہوئے آئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر رسول اللہ ﷺ کوئی بات (لوگوں سے) چھپانے والے ہوتے تو اسے ضرور چھپاتے۔ (راوی حدیث کہتے ہیں:) ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی دیگر ازواج مطہرات کو بطور فخر کہا کرتی تھیں: تمھارے نکاح تمھارے گھر والوں نے کیے ہیں جبکہ میری شادی اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے کی ہے۔

وَعَنْ ثَابِتٍ: ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللهُ

حضرت ثابت کہتے ہیں کہ آیت ﴿وَتُخْفِي فِي

1 النمل 27:23۔ 2 البقرۃ 2:259۔

مُبْدِيهِ وَتَخْشَى ٱلنَّاسَ﴾ [الأحزاب:٣٧] نَزَلَتْ فِي شَأْنِ زَيْنَبَ وَزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ. [راجع: ٤٧٨٧]

نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ﴾ ”اور آپ اپنے دل میں جو بات چھپا رہے تھے اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے والا تھا۔ اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے۔“ حضرت زینب اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

٧٤٢١ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا عِيسَى ابْنُ طَهْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: نَزَلَتْ آيَةُ الْحِجَابِ فِي زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ، وَأَطْعَمَ عَلَيْهَا يَوْمَئِذٍ خُبْزًا وَلَحْمًا، وَكَانَتْ تَفْخَرُ عَلَى نِسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ، وَكَانَتْ تَقُولُ: إِنَّ اللهَ أَنْكَحَنِي فِي السَّمَاءِ. [راجع: ٤٧٩١]

[7421] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: آیت حجاب ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس دن ولیمے میں روٹی اور گوشت سے دعوت فرمائی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تمام ازواج مطہرات پر فخر کیا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں: بلاشبہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی زبان میں کچھ تیزی تھی جس کا ان کے شوہر نامدار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو شکوہ تھا، اس بنا پر انھیں طلاق دینے کا ارادہ کیا لیکن رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ وہ اسے طلاق نہ دیں بلکہ اسے بیوی کے طور پر اپنے پاس رکھیں۔ اس واقعے کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ”اور جب آپ اس شخص کو جس پر اللہ تعالیٰ نے بھی احسان کیا اور آپ نے بھی، یہ کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی اپنے پاس روکے رکھ اور اللہ سے ڈر اور اس وقت آپ ایک ایسی بات اپنے دل میں چھپا رہے تھے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا۔ آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ (اس بات کا) زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ پھر جب زید نے اس عورت سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے آپ سے اس عورت کا نکاح کر دیا تاکہ اہل ایمان پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم ہو کر رہنے والا ہے۔“[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو علو ذات باری تعالیٰ کے ثبوت کے لیے پیش کیا ہے کہ رب العزت آسمانوں کے اوپر ہے جیسا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے صراحت کی ہے کہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر کیا ہے۔ یہ بات تمام اہل اسلام بلکہ تمام مخلوق کے ہاں ثابت شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت علو ثابت ہے اور وہ ہم سے بلند و بالا ہے۔ اس بات کی شہادت نقل و عقل اور فطرت سے ملتی ہے، لیکن جن لوگوں کی فطرت مسخ ہو چکی ہے ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر نہیں بلکہ ہر چیز میں حلول کیے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا شرعی دلائل سے ثابت ہے لیکن علو باری تعالیٰ کے لیے صرف شرعی دلائل ہی نہیں بلکہ انسانی فطرت بھی اس کی گواہی دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے

---

1 الأحزاب 33:37.

لیے صفتِ علو ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان علو ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور وہ بلندتر سب سے عظمت والا ہے۔"[1] رسول اللہ ﷺ بحالت سجدہ پڑھا کرتے تھے: [سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى] "پاک ہے میرا رب جو سب سے بلند ہے۔"[2] اس بنا پر اللہ تعالیٰ کے لیے صفتِ علو کو بلا تحریف و تعطیل اور بلا تکییف و تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ○ علوِ صفت: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات بلند پایہ اور اعلیٰ ہیں۔ ان میں کسی بھی طرح کا کوئی نقص یا عیب نہیں ہے۔ ○ علوِ ذات: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام مخلوقات سے اوپر ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾ "کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے۔"[3] اللہ تعالیٰ کے آسمانوں میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کے اوپر ہے۔ آیت کریمہ میں "فِي" عَلٰى کے معنی میں ہے کیونکہ آسمان ذات باری تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتے یا پھر السماء سے مراد آسمان نہیں بلکہ مطلق بلندی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ بلندی میں ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لونڈی سے اللہ تعالیٰ کے متعلق سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ آسمان میں ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے آزاد کر دو یہ مومنہ ہے۔"[4] لیکن معطلہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہتِ علو کا انکار کرتے ہیں۔ وہ اس کے معنی کرتے ہیں کہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکومت زمین میں بھی ہے، پھر آسمان کی تخصیص کا کیا مطلب؟ اس کے متعلق تفصیلی گفتگو ہم آئندہ کریں گے۔

٧٤٢٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللهَ لَمَّا قَضَى الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ: إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي».

[7422] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کر لی تو اپنے عرش کے اوپر اپنے پاس لکھ دیا: بے شک میری رحمت میرے غصے سے سبقت لے گئی ہے۔"

٧٤٢٣ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي: حَدَّثَنِي هِلَالٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَرَسُولِهِ، وَأَقَامَ الصَّلَاةَ، وَصَامَ رَمَضَانَ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، هَاجَرَ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ!

[7423] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ کے ذمے ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے، خواہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرے یا اسی زمین میں مقیم رہے جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔" صحابۂ کرام نے کہا: اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو اس سے مطلع نہ کریں؟ آپ ﷺ

1 البقرة 2:255. 2 صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1814 (772). 3 الملك 67:16. 4 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1199 (537).

أَفَلَا نُنَبِّئُ النَّاسَ بِذٰلِكَ: قَالَ: «إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِهِ، كُلُّ دَرَجَتَيْنِ مَا بَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَسَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ، وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ، وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ». [راجع: ۲۷۹۰]

نے فرمایا: ”جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے، اس لیے جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت فردوس کا سوال کیا کرو کیونکہ یہ جنت کا اعلیٰ اور بلند ترین درجہ ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔“

فوائد و مسائل: ① ان احادیث میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک دوسرے انداز سے ذات باری تعالیٰ کے لیے صفت علو ثابت کی ہے۔ وہ اس طرح کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے لیے فوقیت کا اثبات ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلق کے اوپر ہے اور ان سے جدا اور الگ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ ”وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔“[1] نیز فرمایا: ﴿يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ ”اللہ کے بندے اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور انھیں جو حکم دیا جائے اسے بجا لاتے ہیں۔“[2] ② اس سلسلے میں فرعون نے اپنے درباریوں کو الو بنانے کے لیے ایک اسکیم تیار کی۔ وہ کہنے لگا: ”اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا تا کہ میں ان راستوں تک پہنچ سکوں جو آسمانوں کے راستے ہیں، پھر موسیٰ کے الٰہ کی طرف جھانک کر دیکھوں اور بے شک میں تو اسے یقیناً جھوٹا ہی خیال کرتا ہوں۔“[3] یعنی موسیٰ جس الٰہ کی بات کرتا ہے میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کہاں اور کتنی بلندی پر ہے؟ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ذات باری تعالیٰ کے متعلق یہی عقیدہ پیش کیا تھا کہ وہ آسمانوں کے اوپر ہے، نیز جو اس کا انکار کرتا ہے وہ فرعون کا اتباع کرتا ہے، چنانچہ علامہ طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جہمیہ میں سے جس نے علو باری تعالیٰ کی نفی کی وہ فرعونی ہے اور جس نے علو کو ثابت کیا وہ موسوی اور محمدی ہے۔[4] ③ علامہ طحاوی رحمہ اللہ نے بیسیوں دلائل سے ذات باری تعالیٰ کے لیے صفت علو ثابت کی بلکہ فطرت کا تقاضا ہے کہ اس کے علو کو تسلیم کیا جائے کیونکہ انسان دعا کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو اوپر کی طرف اٹھاتا ہے اور نہایت عاجزی کے ساتھ جہت علو کا قصد کرتا ہے۔ اس سے مقصود یہ نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ پیچھے ہے بلکہ اس سے مقصود اللہ کے حضور خود کو ذلیل کرنا اور نیچا دکھانا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ایسی گھٹیا باتوں سے پاک ہے۔[5] پہلی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر اپنے پاس لکھا: ”میری رحمت میرے غصے سے سبقت لے گئی ہے۔“ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے اس کے معنی لکھے ہیں کہ اس کے پاس کائنات کا علم ہے جسے نہ وہ بھولے گا اور نہ اس میں تبدیلی ہی کرے گا۔[6] اہل علم اس تاویل کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کتاب خاص کو مبنی برحقیقت تسلیم کرتے ہیں جسے اس نے اپنے پاس عرش پر رکھا ہے۔ یہ اس بات کے منافی نہیں کہ لوح محفوظ میں اسے الگ طور پر

---

[1] الأنعام 6:61. [2] النحل 16:50. [3] المؤمن 40:37. [4] شرح العقيدة الطحاوية: 259/1. [5] شرح العقيدة الطحاوية: 372/1. [6] فتح الباري: 509/13.

لکھا گیا ہے۔ بہرحال یہ کتاب حقیقت پر مبنی ہے اور عرش پر ہونا بھی حقیقت پر مبنی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عرش کے اوپر ہونا بھی حقیقی ہے۔ (اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا ہے اور اس کا عرش تمام مخلوقات سے اوپر اور ان سے الگ ہے۔[1]

٧٤٢٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ - هُوَ التَّيْمِيُّ - عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ جَالِسٌ فَلَمَّا غَرَبَتِ الشَّمْسُ قَالَ: «يَا أَبَا ذَرٍّ! هَلْ تَدْرِي أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ؟» قَالَ: قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «فَإِنَّهَا تَذْهَبُ تَسْتَأْذِنُ فِي السُّجُودِ، فَيُؤْذَنُ لَهَا، وَكَأَنَّهَا قَدْ قِيلَ لَهَا: ارْجِعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ، فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا» ثُمَّ قَرَأَ: (ذٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا)، فِي قِرَاءَةِ عَبْدِ اللهِ. [راجع: ٣١٩٩]

[7424] حضرت ابو ذر ؓ سے روایت ہے کہ میں (ایک مرتبہ) مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف فرما تھے۔ جب سورج غروب ہوا تو آپ نے فرمایا: ”اے ابوذر! کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ (سورج) کہاں جاتا ہے؟“ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”یہ جاتا ہے اور سجدے کی اجازت چاہتا ہے، پھر اسے اجازت دی جاتی ہے۔ گویا (ایک وقت آئے گا کہ) اسے کہا جائے گا: واپس وہاں جاؤ جہاں سے آئے ہو، تو وہ مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”یہ اس کی گزرگاہ ہے۔“ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی قراءت اسی طرح ہے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے: ”سورج جاتا ہے اور عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے، پھر اجازت طلب کرتا ہے تو اسے طلوع ہونے کی اجازت دی جاتی ہے، قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے لیکن اس کا سجدہ قبول نہ کیا جائے اور وہ طلوع کی اجازت مانگے تو اسے اجازت نہ دی جائے اور اسے کہا جائے جہاں سے آئے ہو وہاں واپس چلے جاؤ۔ اس وقت وہ مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ (یٰسٓ 38:36) ”اور سورج اپنی مقررہ گزرگاہ پر چل رہا ہے۔ یہی زبردست علیم ہستی کا مقرر کردہ اندازہ ہے۔“[2] ② ایک روایت میں ہے: ”سورج کی گزرگاہ عرش کے نیچے ہے۔“[3] اس حدیث سے دو باتوں کا پتا چلتا ہے: ○ سائنس دانوں کا نظریہ ہے کہ سورج اور دوسرے سیاروں کی گردش کشش ثقل ((Gravitation) وہ قوت ہے جس سے زمین تمام اجسام کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔) اور مرکز گریز قوت ((Centrifugal Force) ایسی قوت ہے جو گردش سے پیدا ہوتی ہے اور ہر گھومتے ہوئے جسم کو محسوس ہوتی ہے اور یہ گردش کے مرکز کی مخالف سمت میں ہوتی ہے۔) کا نتیجہ ہے جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاروں کی گردش میں تصادم کا نہ ہونا اس بنا پر ہے کہ اس نظام پر اللہ حکیم وخبیر کا زبردست کنٹرول ہے۔ یہ سب اجرام فلکی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت گردش کر رہے ہیں اور ان کی مقررہ گردش میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ ○ قیامت سے پہلے ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب ان سیاروں کی گردش کا نظام تہ وبالا ہو جائے گا اور سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ اس کے بعد کائنات کا نظام ایک دھماکے سے دوچار ہو جائے گا اور

[1] شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 397/1. [2] صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3199.

زمین و آسمان ٹکرا کر تباہ ہو جائیں گے۔ اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کے عرش کی عظمت و رفعت اور وسعت کا پتا چلتا ہے کہ ایک سورج کی کیا بات ہے بلکہ کائنات کی ایک ایک چیز اس کے عرش تلے ہے اور اس کے نیچے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہے، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد کردہ خدمت سرانجام دینے پر لگی ہوئی ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث صحیح بخاری ذرا تفصیل سے آئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے؟'' صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے ٹھہرنے کی جگہ پر عرش کے نیچے آتا ہے، وہاں سجدے میں گر پڑتا ہے، پھر اسی حال میں رہتا ہے حتی کہ اسے اٹھنے کا حکم ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا۔ وہ لوٹ جاتا ہے اور اپنے نکلنے کی جگہ سے طلوع ہوتا ہے، پھر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے ٹھہرنے کی جگہ پر عرش کے نیچے آتا ہے اور سجدہ کرتا ہے، پھر اسی حالت میں رہتا ہے یہاں تک کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ اٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا۔ وہ حسب معمول مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ لوگ اس کی چال میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے یہاں تک ایک ایسا دن آئے گا کہ وہ عرش کے نیچے اپنے ٹھہرنے کی جگہ پر آئے گا تو اس سے کہا جائے گا کہ اٹھ جا اور مغرب کی طرف سے طلوع ہو، پھر وہ مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم جانتے ہو ایسا کب ہوگا؟ یہ اس وقت ہوگا جب کسی کو، جو پہلے ایمان نہ لایا ہوگا، اس کا ایمان لانا فائدہ نہ دے گا اور جس نے اپنے ایمان کے زمانے میں اس سے پہلے نیک عمل نہ کیے ہوں گے تو اس وقت نیک عمل کرنا بھی فائدہ مند نہ ہوگا۔''[1] قرآن کریم میں سورج کے علاوہ چاند، تاروں، پہاڑوں اور دوسری چیزوں کے سجدہ کرنے کا بھی ذکر ہے۔ اس سجدے کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے ہمیں اس پر صرف ایمان لانا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

٧٤٢٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى عَنْ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ السَّبَّاقِ: أَنَّ زَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ. وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ السَّبَّاقِ: أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَهُ قَالَ: أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ، لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ﴾ حَتَّى خَاتِمَةِ بَرَاءَةَ. [راجع: ٢٨٠٧]

[7425] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میری طرف پیغام بھیجا، پھر میں نے قرآن جمع کرنے کے لیے اس کی تلاش شروع کی تو سورۂ توبہ کی آخری آیات ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پائیں۔ یہ آیات مجھے کسی دوسرے کے پاس نہیں ملی تھیں۔ وہ آیات یہ تھیں: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ......﴾ سورۂ براءت کے آخر تک۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ

ایک دوسری روایت یونس سے مروی ہے، وہ بھی انھی

1 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 399 (159).

يُونُسَ بِهٰذَا، وَقَالَ: مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الأَنْصَارِيِّ. الفاظ سے ہے۔

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ بعض روایات میں سورۂ توبہ کی دو آیات کا ذکر ہے۔ وہ یہ ہیں: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝﴾[1] یعنی اگر یہ لوگ آپ کی شخصیت، حد درجہ شفقت اور خیر خواہی کی قدر نہیں کرتے تو انھیں نظر انداز کر دیں۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے، اسی پر بھروسا کریں جو کائنات کی ایک ایک چیز حتی کہ عرش عظیم کا بھی مالک ہے۔ ﴿2﴾ امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت کے آخری حصے سے عنوان ثابت کیا ہے کہ اس میں عرش کی عظمت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش کی متعدد صفات ذکر کی ہیں۔ اس مقام پر اس کی عظمت و وسعت کا بیان ہے کہ وہ بہت وسیع و عریض ہے۔ کائنات میں وہ سب سے بڑی مخلوق ہے۔ جملہ مخلوقات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: اس کا عرش کریم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ﴾ ''اللہ تعالیٰ بہت بلند شان والا ہے۔ وہی حقیقی بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہی عرش کریم کا مالک ہے۔''[2] قرآن کریم میں اس کی خوبصورتی اور اس کے حسن و جمال کا بیان ہے۔ کائنات میں سب سے زیادہ خوبصورت اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ سورۂ بروج کی آیت ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾ کا معروف قراءت کے مطابق ترجمہ یہ ہے: ''عرش کا مالک اونچی شان والا ہے۔'' جبکہ ایک دوسری قراءت ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدِ﴾ بھی ہے۔ اس قراءت کے مطابق معنی یہ ہوئے کہ اللہ کا عرش مجید ہے،[3] یعنی وہ عرش بڑی شان و شوکت اور بزرگی والا ہے۔ ان ظاہری اور باطنی صفات کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ چونکہ وہ مخلوقات میں سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب بلکہ ذات باری تعالیٰ کا محل استواء ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چیز کا رب ہے لیکن عرش کی عظمت و وسعت کے پیش نظر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نسبت ہے۔ عرش کے مالک سے مراد پوری کائنات کا مالک ہے کیونکہ اس کا عرش پوری کائنات کو محیط ہے۔

٧٤٢٦ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ عِنْدَ الْكَرْبِ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْعَلِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ، وَرَبُّ الْأَرْضِ، وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ». [راجع: ٦٣٤٥]

[7426] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ پریشانی کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں جو آسمانوں کا مالک، زمین کا رب اور عرش کریم کا مالک ہے۔''

---

1 التوبة 9: 128، 129، صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4679. 2 المؤمنون 23: 116. 3 البروج 85: 15.

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الدعوات میں اس حدیث پر ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ الْكَرْبِ] "پریشانی کے وقت کی دعا" یہ دعا تکلیفیں، مصیبتیں اور پریشانیاں دور کرنے کے لیے اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس میں توحید کی تینوں قسموں کا ذکر ہے، یعنی یہ دعا توحید الوہیت، توحید ربوبیت اور توحید الاسماء والصفات پر مشتمل ہے۔ اس دعا میں اللہ تعالیٰ کے عرش کی دو صفات ہیں: ایک یہ کہ وہ عظیم ہے جو اس کے بڑے اور وسیع ہونے کی علامت ہے اور دوسری صفت کریم ہے جو اس کے حسین وجمیل اور خوبصورت ہونے سے عبارت ہے، یعنی مقدار اور معیار کے اعتبار سے قابل تعریف ہے۔ عرش کے عظیم وکریم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے۔ یہ نسبت اس کی خصوصیت وامتیاز پر دلالت کرتی ہے۔ وہ خصوصیت اور امتیاز یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ کے لیے محل استواء ہے۔ ② واضح رہے کہ لغت عرب میں بادشاہ کے لیے مخصوص تخت کو عرش کہا جاتا ہے جیسا کہ ملکۂ سبا کے متعلق قرآن میں ہے کہ اس کا ایک عظیم الشان تخت تھا۔[1] جبکہ شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ عظیم تخت ہے جس پر اللہ تعالیٰ مستوی ہے اور یہ عرش تمام مخلوقات سے اوپر اور تمام مخلوقات سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تین صفات بیان کی ہیں: * عظیم وہ بہت بڑا ہے۔ * کریم، وہ عزت والا ہے۔ * مجید، وہ از حد بزرگی والا ہے۔ اور کرسی عرش کے علاوہ ہے۔ قرآن کریم کے بیان کے مطابق کرسی زمین اور آسمانوں سے بڑی ہے۔[2] اللہ تعالیٰ کا عرش کرسی سے کہیں زیادہ بڑا اور بزرگی والا ہے، اللہ تعالیٰ اس عرش عظیم کا مالک ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ عرش کی عظمت ووسعت بیان کرنے کے لیے یہ حدیث لائے ہیں۔

٧٤٢٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يُصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ». [راجع ٢٤١٢]

[7427] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ (سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔) میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے کھڑے ہوں گے۔"

٧٤٢٨ - وَقَالَ الْمَاجِشُونُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْفَضْلِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ بُعِثَ فَإِذَا مُوسَى آخِذٌ بِالْعَرْشِ». [راجع: ٢٤١١]

[7428] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "قیامت کے دن میں سب سے پہلے اٹھنے والا ہوں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ تھامے ہوئے ہیں۔"

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اب میں نہیں جانتا کہ وہ پہلے صور پر بے ہوش ہی نہیں ہوئے یا دوسرے صور پر مجھ سے پہلے ہوش میں آ جائیں گے (کیونکہ وہ دنیا میں ایک دفعہ بے ہوش ہو چکے تھے)۔"[3] قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دفعہ صور میں پھونکا جائے گا: ○ پہلی مرتبہ صور میں پھونکے جانے پر گھبراہٹ واقع ہوگی۔ ○ دوسری

[1] النمل 23:27. [2] البقرة 255:2. [3] صحيح البخاري، الخصومات، حديث: 2411.

مرتبہ لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور مر جائیں گے۔ ○ تیسری مرتبہ صور میں پھونکے جانے پر سب انسان زندہ ہو کر اپنے پروردگار کے حضور پیش ہوں گے۔[1] بعض نے پہلی اور دوسری مرتبہ کو ایک ہی شمار کیا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے عرش کے بارے میں جو احادیث پیش کی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش دوسری مخلوقات کے مقابلے میں خصوصیات و امتیازات کا حامل ہے کیونکہ ○ وہ اللہ تعالیٰ کا محلِ استواء ہے۔ ○ وہ تمام مخلوقات کے اوپر ہے۔ ○ اسے فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے۔ ○ قیامت کے دن خصوصی طور پر آٹھ فرشتے اسے اٹھائیں گے۔ ○ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔ ○ زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے وہ پانی پر موجود تھا۔ ○ اس کے پائے ہیں، یعنی وہ کروی (گول) شکل کا نہیں ہے۔ ○ اللہ تعالیٰ نے اسے عظیم، کریم اور مجید کہا ہے۔ ○ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کی ہے کہ وہ عرش کا مالک ہے۔ ○ وہ انتہائی وزنی ہے۔[2] ○ فردوسِ اعلیٰ کی چھت عرشِ الٰہی کی ہے۔ ③ عرش کے حوالے سے دو باتوں کا ذکر انتہائی ضروری ہے۔ ذات باری تعالیٰ کے متعلق لوگوں کے مختلف نظریات ہیں، مثلاً: (ا) اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے اندر تھے، اسی لیے فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ (ب) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی صورت میں ظہور کیا۔ (ج) اللہ تعالیٰ ہر نوع انسان کی صورت میں موجود ہے۔ (د) اللہ تعالیٰ ہر نوع کی مخلوق میں موجود ہے۔ یہ مختلف نظریات لوگوں کی تصانیف میں موجود ہیں اور اس قدر مشہور ہیں کہ ان کے حوالہ جات کی ضرورت نہیں لیکن یہ جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا تعارف اس طور پر کر دیا ہے کہ وہ اپنی ذات و صفات اور افعال میں یکتا ہے۔ آسمانوں کے اوپر عرش پر مستوی ہے اور جملہ کائنات سے الگ، کسی میں حلول نہیں ہے، البتہ اپنے علم اور قدرت کے اعتبار سے تمام کائنات کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔ کتاب و سنت کے نصوص کا خلاصہ یہی ہے۔ ④ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ معراج کی رات عرش پر گئے تو جوتے اتارنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ تم جوتے سمیت آجاؤ۔ یہ حکایت گپ ہے۔ اس کا کہیں بھی ثبوت نہیں بلکہ قرآنی آیات اس کی تکذیب کرتی ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''آپ ان سے کہیں کہ اگر اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتے جیسا کہ مشرک کہتے ہیں تو وہ اللہ صاحب عرش تک پہنچنے کے لیے ضرور کوئی راہ نکالتے۔''[3] اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور وہاں کوئی نہیں پہنچ سکتا، نیز وہ اپنی مخلوق سے الگ ہے چہ جائیکہ وہ ہر چیز کا جز ہو یا ہر چیز میں سرایت کیے ہوئے ہو جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے۔ اس سے بھی مذکورہ حکایت کے جھوٹ ہونے کا پتا چلتا ہے، چنانچہ امام نجم الدین اپنے رسالۂ معراج میں لکھتے ہیں: سوال میں رسول اللہ ﷺ کے جوتوں سمیت عرش پر چڑھنے کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خود ساختہ قصہ بیان کرنے والے کو مارے وہ کس قدر بے حیا اور بے ادب ہے۔[4]

(٢٣) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿تَعْرُجُ الْمَلَٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ﴾ [المعارج: ٤] وَقَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾ [فاطر: ١٠]

باب: 23- ارشاد باری تعالیٰ: ''اسی کی طرف روح اور فرشتے چڑھتے ہیں'' اور فرمانِ الٰہی: ''پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں'' کا بیان

---

① الزمر 39: 68، والکھف 18: 99. ② صحیح مسلم، الذکر والدعاء، حدیث: 6913 (2726). ③ بنيِ إسرآئيل 17: 42.

④ توحید خالص از شیخ بدیع الدین، ص: 35.

وَقَالَ أَبُو جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: بَلَغَ أَبَا ذَرٍّ مَبْعَثُ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لِأَخِيهِ: اعْلَمْ لِي عِلْمَ هَذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ أَنَّهُ يَأْتِيهِ الْخَبَرُ مِنَ السَّمَاءِ.

ابو جمرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے کہا: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کے مبعوث ہونے کی خبر ملی تو انھوں نے اپنے بھائی سے کہا: جاؤ اس آدمی کی خبر لاؤ جو کہتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ﴾ [فاطر:١٠] يَرْفَعُ الْكَلِمَ الطَّيِّبَ يُقَالُ: ﴿ذِي الْمَعَارِجِ﴾ [المعارج:٣]: الْمَلَائِكَةُ تَعْرُجُ إِلَى اللهِ.

امام مجاہد نے کہا: نیک اعمال، پاکیزہ کلمات کو اٹھا لیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ "ذي المعارج" سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے ذات باری تعالیٰ کے لیے صفتِ علو ثابت کرنے کے لیے یہ دوسرا باب قائم کیا ہے۔ انھوں نے اس میں دو آیات کا انتخاب کیا ہے جن میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف فرشتے اور روح (جبریل علیہ السلام) عروج کرتے ہیں اور پاکیزہ کلمات صعود سے متصف ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں عروج اور صعود اوپر چڑھنے کو کہا جاتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کی صفت ہے کہ اس کی طرف فرشتے اور پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صِفَتِ عُلُوّ سے متصف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں سلف کے مذہب کو ثابت کیا ہے کہ کسی قسم کی کیفیت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے لیے صفت علو ثابت ہے۔ آیات کا سیاق وسباق اس طرح ہے: * "کسی طلب کرنے والے نے اس عذاب کا مطالبہ کیا جو واقع ہو کر رہے گا۔ جسے کافروں سے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ یہ عذاب اللہ کی طرف سے آئے گا جو بلندیوں کا مالک ہے۔ جس کی طرف فرشتے اور روح ایک دن میں چڑھتے ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔"[1] عروج میں دو باتیں بنیادی طور پر پائی جاتی ہیں: جھکاؤ اور بلندی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے فرشتے اس کیفیت کے ساتھ چڑھتے ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفت ذی المعارج بیان ہوئی ہے۔ اس کے معنی ہیں: وہ بلند وبالا ذات ہے جس کے سامنے سب بلندیاں ہیچ ہیں، یعنی بلند سے بلند مقام کا مالک، گویا کافروں پر نہ ٹلنے والا عذاب اس ذات کبریاء کی طرف سے آئے گا جو تمام بلندیوں سے بالا ہے اور جس کی طرف فرشتے پچاس ہزار سال کی مدت میں چڑھتے ہیں۔ بہرحال اس آیت کریمہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے صفت علو کو ثابت کرنا ہے جو اظہر من الشمس، یعنی سورج سے بھی زیادہ روشن ہے۔ * "پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک اعمال انھیں اوپر اٹھاتے ہیں۔"[2] پاکیزہ کلمات اور نیک اعمال دونوں لازم ملزوم ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ پاکیزہ کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف اس وقت چڑھتے ہیں جب ان کی تائید نیک اعمال سے ہو۔ اسی طرح اعمال صالحہ بھی اسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں جب ان کی بنیاد پاکیزہ اقوال یا درست عقیدہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عمل، پاکیزہ اقوال کے خلاف ہو یا اعمال، پاکیزہ اقوال کے مطابق نہ ہوں تو وہ اوپر نہیں چڑھیں گے اور نہ اللہ تعالیٰ کے حضور مقبولیت کا درجہ ہی حاصل کر سکیں گے۔ اس آیت کریمہ سے بھی ذات

---

[1] المعارج 70:1-4. [2] فاطر 35:10.

باری کے لیے صفت علو ثابت ہوتی ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس سلسلے میں ایک معلق حدیث کا حوالہ دیا ہے جسے خود ہی پہلے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] اس حدیث میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر ہے۔ وہاں سے وحی کی خبریں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور صحابۂ کرام ؓ کا اللہ تعالیٰ کے متعلق اوپر ہونے کا ہی عقیدہ تھا۔ اس سے مقصود ذات باری تعالیٰ کے لیے صفت علو ثابت کرنا ہے کیونکہ یہ ایک واضح بات ہے کہ خبر، کسی خبر دینے والے کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے جو اپنے اوامر ونواہی بھیجتا ہے اور فرشتوں کے ذریعے سے اپنے رسولوں تک پہنچاتا ہے۔ اس حدیث کے مطابق جملہ خبریں آسمان سے آتی ہیں اور ان کے بھیجنے والا بھی آسمانوں کے اوپر اپنی مخلوق سے جدا ہے، چنانچہ جملہ اہل حدیث کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت فوق ہے اور اللہ تعالیٰ کو اوپر سمجھنا یہ انسانی فطرت میں داخل ہے، جاہل سے جاہل انسان بھی جب مصیبت کے وقت فریاد کرتا ہے تو وہ اپنا منہ اوپر اٹھا کر فریاد کرتا ہے، البتہ جہم کے پیروکار عقل وفطرت اور شریعت کے خلاف اللہ تعالیٰ کے لیے جہت فوق کا انکار کرتے ہیں۔ منقول ہے کہ جہم نماز میں بھی سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کے بجائے سبحان ربي الأسفل کہا کرتا تھا۔

٧٤٢٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ وَصَلَاةِ الْفَجْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ، وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ، فَيَقُولُ: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ». [راجع: ٥٥٥]

[7429] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رات اور دن کے فرشتے تمھارے پاس باری باری آتے ہیں اور عصر و فجر کی نمازوں میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر جن فرشتوں نے تمھارے پاس رات گزاری ہوتی ہے وہ اوپر چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ اسے تمھاری خوب خبر ہوتی ہے، وہ پوچھتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں: جب ہم نے انھیں چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تو بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے ذات باری تعالیٰ کے لیے صفت علو اور جہت فوق کو ثابت کیا ہے کیونکہ اس میں ہے کہ فرشتے اوپر چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرتا ہے اور ان سے براہ راست خطاب کرتا ہے۔ حدیث کی ظاہری عبارت کا یہی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے وحی کے واسطے کے بغیر دریافت کرتا ہے۔ فرشتوں کے لیے لفظ عروج استعمال ہوا ہے۔ عربی لغت کے اعتبار سے اس کے معنی ہیں: نیچے سے اوپر چڑھنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ﴾ ''اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول بھی دیتے جس میں وہ اوپر چڑھنے لگ جاتے۔''[2] ② ذات باری تعالیٰ کے علو کی دو قسمیں ہیں: ○ علو ذات۔ ○ علو صفات۔ علو ذات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر

---

1 صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3522، 3523. 2 الحجر 15: 14.

چیز کے اوپر ہے۔ کوئی چیز بھی اس کے اوپر تو کجا اس کے برابر بھی نہیں ہو سکتی۔ علو صفات کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تمام صفات بلند پایہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ﴾ "اللہ تعالیٰ کے لیے سب سے اونچی اور بلند مثال ہے۔"[1] اس سلسلے میں اہل سنت کا موقف ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے تمام مخلوقات سے اوپر ہے اور اس کی بلندی ذاتی، ازلی اور ابدی صفات کی وجہ سے ہے۔ دو گروہوں نے اہل سنت کی مخالفت کی ہے۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔ اس عقیدے سے اللہ تعالیٰ کی توہین لازم آتی ہے کیونکہ کائنات میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں انسان خود ٹھہرنا گوارا نہیں کرتا، چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ ان مقامات میں بھی ہے۔ دوسرا گروہ ان کے برعکس کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کے اوپر ہے نہ نیچے، نہ جہان کے اندر ہے نہ باہر، نہ دائیں ہے نہ بائیں، نہ کائنات سے متصل (ملا ہوا) ہے اور نہ اس سے منفصل (الگ)۔ واضح رہے کہ ہم عدم کے سوا کسی ایسی چیز سے واقف نہیں جو کائنات کے اوپر ہو نہ نیچے، نہ دائیں نہ بائیں، نہ متصل نہ منفصل۔ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اور توہین کیا ہو سکتی ہے۔ ③ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، صحابہ اور تابعین کے اقوال سے کوئی نص یا واضح بات ایسی نہیں جو ثابت کرے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر یا آسمانوں کے اوپر نہیں بلکہ ان کی تمام باتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر ہے۔ بہرحال ذات باری تعالیٰ کے لیے صفت علو کا ثابت ہونا قرآن، حدیث، اجماع، عقل اور فطرت سے ثابت ہے، اس کے خلاف عقیدہ رکھنا سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ، آمین۔

٧٤٣٠ - وَقَالَ خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ، وَلَا يَصْعَدُ إِلَى اللهِ إِلَّا الطَّيِّبُ، فَإِنَّ اللهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتَّى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ».

[7430] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے اپنی پاکیزہ کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کیا جبکہ اللہ تعالیٰ تک پاکیزہ خیرات ہی پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول کرتا ہے۔ پھر وہ اسے صدقہ کرنے والے کے لیے اس طرح بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی گھوڑی کے بچے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ کھجور پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔"

وَرَوَاهُ وَرْقَاءُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «وَلَا يَصْعَدُ إِلَى اللهِ إِلَّا الطَّيِّبُ». [راجع: ١٤١٠]

یہ حدیث ورقاء نے عبداللہ بن دینار سے، انھوں نے سعید بن یسار سے، انھوں نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کی ہے: "اللہ تعالیٰ کی طرف وہی خیرات چڑھتی ہے جو حلال کمائی سے ہو۔"

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث پہلے بھی بیان ہو چکی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ چیز کو قبول کرتا

① النحل 16:60.

ہے۔"[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ اپنے ہاں شرف قبولیت سے نوازتا ہے وہی اوپر چڑھتی ہے۔ اس کی وجہ سے اس میں برکت دی جاتی ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے اسی جملے سے اپنا مدعا ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر ہے اور صفت علو سے متصف ہے کیونکہ علو صفت کمال ہے، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ معنوی طور پر یہ صفت اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام صفات کمال سے متصف ہے۔ عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ عقلی اعتبار سے تین ہی صورتیں ممکن ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اوپر ہوگا یا نیچے یا برابر۔ نیچے اور برابر ہونا ممتنع ہے کیونکہ نیچے ہونے میں معنوی نقص ہے اور اللہ تعالیٰ تمام نقائص سے پاک ہے اور برابر ہونے سے مخلوق کے ساتھ مماثلت لازم آتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مماثلت کی نفی کی ہے۔ اب صرف صفت علو باقی ہے جو ذات باری تعالیٰ کے لیے ثابت ہے۔ ③ فطرت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر ہے کیونکہ جو بھی انسان زبان سے "اے میرے رب!" کہتا ہے اس کے دل میں اوپر کا تصور موجود ہوتا ہے۔ محمد طاہر مقدسی بیان کرتے ہیں کہ شیخ ابوجعفر ہمدانی، امام الحرمین ابوالمعالی الجوینی کی مجلس میں حاضر ہوئے جو ان کے استاد بھی ہیں جبکہ امام الحرمین صفت علو کی نفی میں دلائل دے رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تھا جب عرش و مکان پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ وہیں ہے جہاں کون و مکان اور عرش وفرش کی پیدائش سے پہلے تھا۔ اس پر شیخ ابوجعفر نے اعتراض کیا کہ آپ ہمیں بتائیں ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ایک داعیہ اور خواہش ہوتی ہے، جب بھی کوئی عارف اور زاہد "یا اللہ" کہتا ہے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی جانب ایک خواہش موجود ہوتی ہے، وہ دائیں بائیں نہیں جھانکتا بلکہ اس کی توجہ اوپر کی طرف ہوتی ہے، ہم کبھی بھی اس داعیے اور خواہش کو ختم نہیں کر سکتے۔ امام الحرمین نے جب ابوجعفر ہمدانی کی یہ بات سنی تو اپنا سر پیٹتے ہوئے چیخنے لگے اور یہ کہتے ہوئے منبر سے نیچے اتر آئے کہ آج مجھے ہمدانی نے حیران کر دیا ہے، یعنی ہمدانی کی بات فطرت کے عین مطابق ہے۔[2] بہرحال قرآن کریم، احادیث، عقل اور فطرت سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر ہے اور صفت علو سے متصف ہے۔ واللہ المستعان۔

٧٤٣١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو بِهِنَّ عِنْدَ الْكَرْبِ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ». [راجع: ٦٣٤٥]

[7431] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ مصیبت اور پریشانی کے وقت درج ذیل کلمات کے ساتھ دعا فرمایا کرتے تھے: "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہی صاحب عظمت اور بردبار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہی آسمانوں اور عرش کریم کا مالک ہے۔"

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق عرش کے متعلق صراحت ہے کہ وہ عظیم اور کریم ہے۔ ہم اس سے پہلے بھی بیان

1 صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1410. 2 شرح العقيدة الطحاوية، ص: 370.

کر چکے ہیں کہ عرش عظیم تمام مخلوقات کے لیے بطور چھت ہے اور قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ ② اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ذات باری تعالیٰ کے لیے صفت علو کو ثابت کیا ہے، لیکن شارح صحیح بخاری علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کیے ہوئے عنوان کے مطابق نہیں ہے۔ اس کا تعلق گزشتہ عنوان سے ہے۔ شاید کاتب نے غلطی سے اس حدیث کو یہاں بیان کر دیا ہے۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن منیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت کی نفی کو اس حدیث سے ثابت کیا ہے۔[2] ③ ہمارے نزدیک علامہ عینی اور ابن منیر کا موقف محل نظر ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ کی بات سے ان لوگوں کو تقویت پہنچ سکتی ہے جن کا دعویٰ ہے کہ صحیح بخاری ایک زیر تالیف کتاب تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ اسے مکمل نہ کر پائے تھے کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا، حالانکہ یہ ایک بے بنیاد مفروضہ ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے سولہ سال کی مدت میں چھ لاکھ احادیث سے منتخب کر کے صحیح بخاری کو مرتب کیا، پھر اسے امام احمد بن حنبل، امام علی بن مدینی اور امام یحییٰ بن معین رحمہم اللہ کے سامنے پیش کیا، ان سب شیوخ نے اس مبارک مجموعے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور اس کی صحت کے متعلق شہادت دی۔ اس کے بعد نوے (90) ہزار تلامذہ نے صحیح بخاری کو امام بخاری رحمہ اللہ سے براہ راست سنا، ایسے حالات میں یہ ناممکن ہے کہ مذکورہ حدیث کا تعلق گزشتہ عنوان سے ہے کسی کاتب نے غلطی سے اسے یہاں بیان کر دیا ہے۔ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ کی باریک بینی اور دقت فہم کا ادراک علامہ عینی نہیں کر سکے، چنانچہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ذات باری تعالیٰ کے لیے صفت علو ثابت کرنے کے لیے یکے بعد دیگرے دو عنوان قائم کیے ہیں۔ پہلے باب میں استواء علی العرش بیان کیا تھا جو علو ذات باری تعالیٰ کے لیے واضح دلیل ہے اور مذکورہ عنوان میں ایک دوسری حیثیت سے اسے ثابت کیا ہے کہ ذات باری کی طرف عروج ملائکہ اور صعود کلمات ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں علو باری تعالیٰ کی واضح دلیل ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے صعود کلمات طیبات کو ثابت کیا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کرنے کے لیے تم جو تسبیح و تہلیل کرتے ہو تو یہ کلمات اللہ کے عرش کے پاس پہنچ کر اس کے گرد گھومتے ہیں اور شہد کی مکھیوں کی طرح ان کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے، وہ اللہ کے حضور کہنے والے کا ذکر کرتے ہیں۔''[3] رسول اللہ ﷺ جب پریشانی کے وقت مذکورہ کلمات کہتے تو یہ کلمات بھی اللہ تعالیٰ کے عرش کا طواف کرتے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے صعود کلمات (کلمات کا اوپر کی طرف چڑھنا) ثابت کیا ہے جو علو باری تعالیٰ کی دلیل ہے۔ ④ شارح صحیح بخاری ابن منیر کے متعلق تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ قائل کے قول کی ایسی تشریح کی جائے جسے وہ خود پسند نہیں کرتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت فوق ثابت کرنے کے لیے مستقل دو عنوان قائم کیے ہیں، لیکن ابن منیر لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت کی نفی کو ثابت کیا ہے۔ دراصل جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی جہت کا انکار کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کو جہت کے ساتھ موصوف کر دیا تو اللہ تعالیٰ کا جسم لازم آئے گا اور تمام جسم تو باہم ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اس سے تمثیل لازم آئے گی۔ اس وجہ سے ہم اللہ تعالیٰ کے لیے جہت کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جہتِ فوق کہنے والوں کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے کہ اس جسم سے وہ چیز مراد ہے جو مختلف چیزوں سے مل کر وجود میں آتی ہے اور ان اجزا کے بغیر وہ چیز قائم نہیں رہ سکتی؟ اللہ تعالیٰ کے لیے اس قسم کا جسم

---

1 عمدة القاري: 627/16. 2 فتح الباري: 516/13. 3 سنن ابن ماجه، الأدب، حديث: 3809.

کوئی بھی ثابت نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت علو کے اثبات سے ایسا جسم ثابت ہوتا ہے جو بذات خود قائم ہے اور اپنے شایانِ شان صفات سے متصف ہے۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ابن منیر کا دعویٰ ثبوت کے بغیر ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً ایک ذات ہے جو بذات خود قائم اور باکمال صفات سے متصف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی بات کو ثابت کیا ہے۔

٧٤٣٢ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ - أَوْ أَبِي نُعْمٍ، شَكَّ قَبِيصَةُ - عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: بُعِثَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِذُهَيْبَةٍ فَقَسَمَهَا بَيْنَ أَرْبَعَةٍ.

[7432] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کو کچھ سونا بھیجا گیا تو آپ نے وہ چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔

وَحَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: بَعَثَ عَلِيٌّ - وَهُوَ فِي الْيَمَنِ - إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِذُهَيْبَةٍ فِي تُرْبَتِهَا فَقَسَمَهَا بَيْنَ الْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ الْحَنْظَلِيِّ ثُمَّ أَحَدِ بَنِي مُجَاشِعٍ، وَبَيْنَ عُيَيْنَةَ بْنِ بَدْرٍ الْفَزَارِيِّ، وَبَيْنَ عَلْقَمَةَ بْنِ عُلَاثَةَ الْعَامِرِيِّ، ثُمَّ أَحَدِ بَنِي كِلَابٍ، وَبَيْنَ زَيْدِ الْخَيْلِ الطَّائِيِّ، ثُمَّ أَحَدِ بَنِي نَبْهَانَ، فَتَغَيَّظَتْ قُرَيْشٌ وَالْأَنْصَارُ فَقَالُوا: يُعْطِيهِ صَنَادِيدَ أَهْلِ نَجْدٍ وَيَدَعُنَا؟ قَالَ: «إِنَّمَا أَتَأَلَّفُهُمْ»، فَأَقْبَلَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ، نَاتِئُ الْجَبِينِ، كَثُّ اللِّحْيَةِ، مُشْرِفُ الْوَجْنَتَيْنِ، مَحْلُوقُ الرَّأْسِ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! اتَّقِ اللهَ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «فَمَنْ يُطِيعُ اللهَ إِذَا عَصَيْتُهُ؟ فَيَأْمَنُنِي عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَلَا تَأْمَنُونِي؟»، فَسَأَلَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ قَتْلَهُ - أُرَاهُ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ - فَمَنَعَهُ النَّبِيُّ ﷺ. فَلَمَّا وَلَّى قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هٰذَا قَوْمًا يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ، لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ

ایک دوسری سند سے حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب یمن میں تھے تو انھوں نے نبی ﷺ کو کچھ سونا بھیجا جو مٹی سے جدا نہ تھا۔ آپ ﷺ نے اسے اقرع بن حابس حنظلی مجاشعی، عیینہ بن بدر فزاری، علقمہ بن علاثہ عامری کلابی اور بنو نبہان کے زید الخیل طائی کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اس پر قریش اور انصار کو غصہ آیا تو انھوں نے کہا: آپ ﷺ رؤسائے نجد کو تو مال دیتے ہیں اور ہمیں نظر انداز کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: ”میں ان کی تالیفِ قلب کرتا ہوں۔“ اس دوران میں ایک آدمی آیا جس کی دونوں آنکھیں اندر دھنسی ہوئیں، پیشانی ابھری ہوئی، ڈاڑھی گھنی، دونوں رخسار پھولے ہوئے اور سر منڈا ہوا تھا، اس نے کہا: یا محمد! اللہ سے ڈر۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب میں نے ہی اس کی نافرمانی کی تو اس کی اطاعت کون کرے گا؟ اس نے تو مجھے اہل زمین کے لیے امین بنا کر بھیجا ہے لیکن تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟“ پھر حاضرین میں سے ایک شخص نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی ...... میرا خیال ہے وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے...... تو نبی ﷺ نے انھیں منع کر دیا۔ پھر جب وہ پیٹھ پھیر کر جانے لگا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”یقیناً اس شخص کی نسل

مِنَ الْإِسْلَامِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ، وَيَدَعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ، لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ». [راجع: ٣٣٤٤]

سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے جبکہ وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار ہو جاتا ہے۔ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر میں نے ان کا دور پایا تو ضرور انھیں قوم عاد کی طرح قتل کروں گا۔"

فوائد و مسائل: ① ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم مجھے امین خیال نہیں کرتے، حالانکہ میں اس ذات بابرکات کا امین ہوں جو آسمان میں ہے۔ میرے پاس صبح و شام آسمان سے خبریں آتی ہیں۔"[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مذکورہ روایت کے الفاظ سے عنوان ثابت ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ وہ عنوان کے تحت ایک ایسی حدیث لاتے ہیں جس کے الفاظ عنوان کے مطابق نہیں ہوتے لیکن وہ عنوان سے اس حدیث کی بعض روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کے الفاظ عنوان کے مطابق ہوتے ہیں تاکہ طالب علم کے ذہن میں تیزی اور اس کے استحضار کی قوت بیدار ہو۔[2] اہل عرب بعض اوقات "علی" کی جگہ "في" استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ﴾[3] اس کے معنی عَلَى الْأَرْضِ ہیں، یعنی تم زمین پر گھوم پھر لو۔ اسی طرح قرآن میں ہے: ﴿وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ﴾[4] اس کے معنی بھی عَلَى جُذُوعِ النَّخْلِ ہیں، یعنی میں تمھیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھاؤں گا، چنانچہ اس حدیث میں فِي السَّمَاءِ کے معنی عَلَى السَّمَاءِ ہیں، یعنی وہ اللہ آسمان پر عرش کے اوپر ہے۔ دوسری تاویل یہ بھی ہے کہ السماء سے مراد آسمان نہیں بلکہ اس سے مراد اوپر کی جہت ہے۔ واللہ اعلم۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہت فوق اور صفت علو ثابت کی ہے۔ انھوں نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانتے ہیں۔ ہر جگہ ماننے والوں نے درج ذیل آیت سے اس موقف کو ثابت کیا ہے: "نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین (آدمیوں) کی مگر وہ (اللہ) ان کا چوتھا ہوتا ہے، اور نہ پانچ آدمیوں کی مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے، اس سے کم ہوں یا زیادہ وہ (اللہ) ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں۔"[5] حالانکہ آیت کریمہ میں معیت سے مراد کسی جگہ میں حلول کر جانا نہیں، چنانچہ عرب کہتے ہیں: اَلْقَمَرُ مَعَنَا، یعنی چاند ہمارے ساتھ ہے، حالانکہ چاند آسمان پر ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک فوجی افسر اپنی فوج سے کہتا ہے: تم میدان جنگ میں جاؤ میں تمھارے ساتھ ہوں، حالانکہ وہ فوج کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اس اعتبار سے معیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ساتھ والا آدمی ہمیشہ ساتھ کی جگہ میں ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کو گندگی والی جگہوں سے پاک خیال نہیں کرتے کیونکہ ہم بعض اوقات لیٹرین میں ہوتے ہیں تو کیا اس وقت اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر ہمارے ساتھ ہوتا ہے؟ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی گستاخی اور کیا ہو سکتی ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4351. [2] فتح الباري: 516/13. [3] التوبة 2:9. [4] طٰه 71:20. [5] المجادلة 7:58.

٧٤٣٣ - حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ قَوْلِهِ: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ [يس:٣٨] قَالَ: «مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ». [راجع: ٣١٩٩]

[7433] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے (اللہ تعالیٰ کے) اس فرمان کے متعلق سوال کیا: ''اور سورج اپنی مقررہ گزرگاہ پر چل رہا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی گزرگاہ عرش کے نیچے ہے۔''

فوائد ومسائل: ① یہ زمین جس پر ہم آباد ہیں، سورج اس سے کروڑوں میل کی بلندی پر ہے۔ اس قدر بلند ہونے کے باوجود بھی یہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے ہے۔ اور عرش عظیم تمام مخلوقات کے لیے چھت ہے۔ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے جیسا کہ قرآن وحدیث میں اس کی صراحت ہے۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ذات باری تعالیٰ کے لیے علو ثابت کیا ہے۔ یہ علو کیسا ہے؟ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے مگر اس استواء کی کیفیت کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: لفظ استواء سے اللہ تعالیٰ کے عرش پر قرار پکڑنے یا بلند ہونے کے معنی تو واضح ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت کے متعلق ہمیں شارع علیہ السلام کی طرف سے کچھ نہیں بتایا گیا، اس لیے اللہ تعالیٰ کے مستوی علی العرش ہونے پر ایمان لانا تو واجب ہے جبکہ اس کی کیفیت کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔[1] ② بہرحال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر ہے لیکن شارح صحیح بخاری ابن منیر پر تعجب ہے کہ انھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف کے خلاف یہ کہا کہ اس عنوان سے ابطال جہت مقصود ہے۔ اگر امام بخاری رحمہ اللہ کی یہی غرض ہوتی تو عروج ملائکہ اور صعود کلمات طیبات پر مشتمل آیات اور ذات باری تعالیٰ کے لیے صفت علو ثابت کرنے والی احادیث اس عنوان کے تحت کیوں لائے؟ ③ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ کے علو اور اس کے مستوی علی العرش ہونے کے متعلق لوگوں کی چار قسمیں ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ اللہ تعالیٰ نہ عالم سے خارج ہے اور نہ اس میں داخل ہے، اس کے لیے کوئی جہت اوپر یا نیچے نہیں۔ ○ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہے۔ وحدت الوجود کی بنیاد بھی یہی ہے۔ ○ وہ عرش کے اوپر بھی ہے اور ذات کے اعتبار سے ہر جگہ موجود بھی ہے۔ ○ کتاب وسنت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لیے وہی چیز ثابت کی جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ثابت کی ہے یا اس کے رسول ﷺ نے اس کے متعلق نشاندہی کی ہے۔ اس میں کوئی تحریف وتاویل نہ کی جائے اور نہ مخلوق کے مماثل ہی قرار دیا جائے۔ اس عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے عرش پر بلند ہے، آسمانوں کے اوپر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے۔[2] ④ برصغیر میں بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہے اور وہ وحدت الوجود کو صحیح اور برحق قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ عقیدہ سراسر باطل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔ وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے اور جہاں کہیں بھی تم ہو، وہ تمھارے ساتھ ہے۔''[3] اس آیت کریمہ میں

---

1. فتح الباري: 500/13. 2. مجموع الفتاوى: 229/5. 3. الحديد 57: 4.

دونوں مسئلے ثابت ہوئے کہ وہ اللہ ذات کے اعتبار سے اپنے عرش پر بلند ہے اور علم کے اعتبار سے ہر جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت سے مراد اس کی ہمہ گیر نگرانی ہے اور وہ صرف روئے زمین سے متعلق نہیں بلکہ کائنات میں ہر جگہ موجود رہتی ہے۔ انسانوں کے تمام اقوال و افعال اور ان کی تمام حرکات و سکنات اس کے علم میں ہیں۔ نہ کوئی اللہ تعالیٰ سے چھپ سکتا ہے اور نہ اپنے افعال و اعمال ہی اس سے چھپا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ معیت اس کی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کی قدرت اور اس کے علم کے لحاظ سے ہوتی ہے، چنانچہ امام ابن جریر طبری مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اے لوگو! وہ اللہ تم پر گواہ ہے، تم جہاں بھی ہو وہ تمھیں جانتا ہے۔ وہ تمھارے اعمال، تمھارا ٹھکانا اور نقل و حرکت جانتا ہے اور وہ ساتوں آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔ [1] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کی معیت کے متعلق سوال ہوا تو انھوں نے فرمایا: اس سے اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہے۔ وہ عالم الغیب ہے، ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ وہ شاہد ہے، علام الغیوب ہے۔ وہ غیب جانتا ہے اور ہمارا رب تکییف کے بغیر عرش پر ہے لیکن ہم اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتے۔ [2] بہرحال اس بات پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے۔ [3]

باب: 24- ارشاد باری تعالیٰ: ''اس دن کئی چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے'' کا بیان	(٢٤) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ [القيامة: ٢٢، ٢٣]

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے صفات کے متعلق چوتھا مسئلہ ثابت کرنے کے لیے یہ عنوان قائم کیا ہے۔ وہ مسئلہ اہل ایمان کے لیے قیامت کے دن رؤیت باری تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا) ہے۔ سلف صالحین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار صرف اہل ایمان کو نصیب ہوگا جبکہ کفار اس سعادت سے محروم ہوں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہرگز نہیں، بلاشبہ وہ (کافر) اس دن اپنے رب (کے دیدار) سے یقیناً اوٹ میں رکھے (روکے) جائیں گے۔'' [4] فاجر قسم کے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہاں نیک لوگ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے شرف یاب ہوں گے بصورت دیگر فریقین میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم قیامت کے دن اپنے رب کو کھلی آنکھ سے دیکھو گے۔'' [5] واضح رہے کہ اہل ایمان کو دیدار الٰہی کی یہ سعادت قیامت کے مختلف مراحل اور جنت میں داخلے کے بعد حاصل ہو گی، نیز اہل ایمان کا اپنے رب کریم کو دیکھنا حقیقی ہوگا، البتہ ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق جیسے اللہ تعالیٰ چاہے گا اس کے مطابق ہوگا۔ کچھ لوگ، یعنی معطلہ اور معتزلہ اس دیدار حقیقی کے منکر ہیں۔ وہ اس رؤیت سے اللہ تعالیٰ کے

[1] تفسير طبري: 125/27. [2] شرح حديث النزول، ص: 74. [3] سير أعلام النبلاء: 650/17. [4] المطففين 83: 15.
[5] صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7435.

ثواب کی رؤیت مراد لیتے ہیں یا یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد رؤیت علم ویقین ہے، حالانکہ یہ قول کتاب وسنت کی ظاہر نصوص کے خلاف ہے، نیز علم ویقین تو نیک لوگوں کو دنیا ہی میں حاصل ہے اور کفار کو بھی حاصل ہو جائے گا۔ واللہ أعلم.

٧٤٣٤ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ أَوْ هُشَيْمٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ جَرِيرٍ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، قَالَ: «إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلٰى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَصَلَاةٍ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ فَافْعَلُوا». [راجع: ٥٥٤]

[7434] حضرت جریر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک آپ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا: ”تم لوگ اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تمھیں اس کے دیکھنے میں کوئی دھکم پیل یا مشقت نہیں ہوگی۔ اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے نمازوں میں سستی نہ کرو تو ایسا کر لو۔“

٧٤٣٥ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسٰى: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ يُوسُفَ الْيَرْبُوعِيُّ: حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ ابْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا». [راجع: ٥٥٤]

[7435] حضرت جریر بن عبداللہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ”بے شک تم اپنے رب کو صاف صاف علانیہ کھلی آنکھ سے ضرور دیکھو گے۔“

٧٤٣٦ - حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ عَنْ زَائِدَةَ: حَدَّثَنَا بَيَانُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: «إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا، لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ». [راجع: ٥٥٤]

[7436] حضرت جریر ؓ سے ایک اور روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ چودھویں کی رات ہمارے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: ”تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جیسے تم چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے میں تمھیں کوئی مزاحمت ورکاوٹ نہ ہوگی اور نہ کوئی مشقت ہی اٹھانا پڑے گی۔“

فوائد ومسائل: ① مذکورہ بالا تینوں احادیث حضرت جریر بن عبداللہ ؓ سے مختلف طرق سے مروی ایک ہی حدیث ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے ازخود بیان فرمایا: تم قیامت کے دن اپنے رب سے محو دیدار ہو گے جبکہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری ؓ سے مروی احادیث سے پتا چلتا ہے کہ صحابۂ کرام ؓ نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مختلف واقعات ہیں۔ کبھی آپ ﷺ نے انھیں ازخود بتایا اور کبھی آپ ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ کے سوال کرنے

پر اس سے ہمیں مطلع فرمایا کہ اہل ایمان کو قیامت کے دن دیدار الٰہی نصیب ہوگا، چنانچہ ایک حدیث میں صراحت ہے: ''تم میں سے کوئی بھی موت سے پہلے اپنے رب عز وجل کو نہیں دیکھ سکے گا۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث سے ثابت کیا ہے کہ آیت کریمہ میں اپنے رب کریم کو کھلی آنکھ سے دیکھنے کا بیان ہے۔ ② اگرچہ لغوی اعتبار سے لفظ نظر چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ○ غور وفکر کرنا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾ ''کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا۔''[2] ○ انتظار کرنا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً﴾ ''وہ صرف ایک زوردار چیخ کا انتظار کر رہے ہیں۔''[3] ○ رحم وکرم کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا ہے: ﴿وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''قیامت کے دن اللہ ان کی طرف نہیں دیکھے گا، یعنی ان پر رحم وکرم نہیں کرے گا۔''[4] ○ کھلی آنکھ سے دیکھنا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾ ''وہ آپ کی طرف اس شخص کی طرح دیکھیں گے جس پر موت کی غشی ڈالی گئی ہو۔''[5] ③ واضح رہے کہ مذکورہ احادیث میں تشبیہ باعتبار رؤیت کے ہے، یعنی چاند کے دیکھنے کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ تشبیہ باعتبار مرئی کے نہیں ہے، یعنی چاند کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مشابہ کوئی چیز نہیں۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رؤیت باری کے متعلق احادیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔[6] ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم یقیناً اپنے رب کو دیکھو گے اس رؤیت میں کوئی شک وشبہ یا تعجب و مشقت نہ ہوگی۔ اور نہ اسے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ ہی سامنے ہوگی بلکہ ہر اہل ایمان کھلی آنکھ سے اپنے رب کو اس طرح دیکھے گا جس طرح چودھویں رات کا چاند دیکھا جاتا ہے۔ اگرچہ رؤیت کے لیے ایک دوسرے کے سامنے ہونا اور آنکھ سے شعاعوں کا نکلنا جو مرئی (دیکھی جانے والی چیز) پر پھیل جائیں اور دیکھنے والے کی آنکھ میں مرئی (دیکھی جانے والی چیز) کی صورت کا منقش ہونا ضروری ہے، تاہم یہ تمام شرائط عام اشیاء کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے بالاتر ہے اور اس کے لیے ایسی شرائط کا ثابت کرنا محال ہے۔ شارحین صحیح بخاری نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ رؤیت جہت کے بغیر ہوگی کیونکہ وہ جہت سے پاک ہے۔ اس کلام کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت علو ثابت ہے۔ دراصل یہ فلاسفہ اور متکلمین کے خیالات ہیں جنھیں ہمارے بعض شارحین نے اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمودات نہیں ہیں۔ ہم ایسی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ خود ساختہ اور من گھڑت ہیں۔ واللہ أعلم.

٧٤٣٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّاسَ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ

[7437] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، لوگوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمھیں چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کوئی دقت محسوس ہوتی

① صحيح مسلم، الفتن، حديث: 7356 (2931). ② الغاشية 88:17. ③ يٰس 36:49. ④ آل عمران 3:77. ⑤ محمد 47:20. ⑥ فتح الباري: 13/536.

الْقِيَامَةِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هَلْ تُضَارُّونَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ؟»، قَالُوا: لَا، يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «فَهَلْ تُضَارُّونَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ؟»، قَالُوا: لَا، يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذَلِكَ، يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ، فَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الشَّمْسَ الشَّمْسَ، وَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الْقَمَرَ الْقَمَرَ، وَيَتَّبِعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الطَّوَاغِيتَ الطَّوَاغِيتَ، وَتَبْقَى هٰذِهِ الْأُمَّةُ فِيهَا شَافِعُوهَا - أَوْ مُنَافِقُوهَا، شَكَّ إِبْرَاهِيمُ - فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: هٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا، فَإِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ.

ہے؟" لوگوں نے کہا: نہیں، اللہ کے رسول! پھر آپ نے پوچھا: "جب بادل نہ ہوں تو تمھیں سورج دیکھنے میں کوئی دشواری ہوتی ہے؟" لوگوں نے کہا: نہیں، اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: "یقیناً تم اسی طرح اپنے رب کو دیکھو گے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو اکٹھا کرے گا اور فرمائے گا: جو کوئی جس کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پیچھے لگ جائے، چنانچہ جو لوگ سورج کی عبادت کرتے تھے وہ سورج کے پیچھے ہو جائیں گے اور چاند کی پوجا کرنے والے چاند کے پیچھے لگ جائیں گے، نیز جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ بتوں کے پیچھے لگ جائیں گے۔ پھر یہ امت باقی رہ جائے گی۔ اس میں سفارش کرنے والے یا نفاق رکھنے والے بھی ہوں گے...... (راویٔ حدیث) ابراہیم کو (الفاظ بیان کرنے میں) شک ہوا ہے...... پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس آئے گا اور فرمائے گا: میں تمھارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے: ہم یہیں رہیں گے یہاں تک کہ ہمارا رب ہمارے پاس آجائے۔ جب ہمارا رب آجائے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔

فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فِي صُورَتِهِ الَّتِي يَعْرِفُونَ فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: أَنْتَ رَبُّنَا، فَيَتَّبِعُونَهُ، وَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ، فَأَكُونُ أَنَا وَأُمَّتِي أَوَّلَ مَنْ يُجِيزُهَا، وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا الرُّسُلُ، وَدَعْوَى الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ: اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ، وَفِي جَهَنَّمَ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ، هَلْ رَأَيْتُمُ السَّعْدَانَ؟» قَالُوا: نَعَمْ، يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا إِلَّا اللهُ، تَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ، فَمِنْهُمُ الْمُوبَقُ

پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا: جسے وہ پہچانتے ہوں گے اور فرمائے گا: میں تمھارا رب ہوں۔ وہ اقرار کریں گے کہ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ پھر وہ اس کے پیچھے ہو جائیں گے۔ اس کے بعد دوزخ کی پشت پر پل صراط نصب کر دیا جائے گا تو میں اور میری امت اس پر سب سے پہلے گزریں گے۔ اس دن انبیاء ﷺ کے علاوہ کوئی شخص گفتگو کرنے کی ہمت نہیں رکھے گا۔ اس روز رسولوں کی زبان پر ہو گا: اے اللہ! سلامتی سے رکھ۔ اے اللہ! سلامتی سے رکھ۔ دوزخ میں سعدان کے کانٹوں کی طرح آنکڑے ہوں گے۔ کیا تم نے سعدان درخت دیکھا

[بَقِيَ] بِعَمَلِهِ [أَوِ الْمُوثَقُ بِعَمَلِهِ] وَمِنْهُمُ الْمُخَرْدَلُ أَوِ الْمُجَازَى أَوْ نَحْوُهُ.

ہے؟" لوگوں نے کہا: ہاں، اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: "وہ آنکڑے سعدان کے کانٹوں کی طرح ہوں گے، البتہ ان کی لمبائی، چوڑائی اور موٹائی کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اچک لیں گے۔ ان میں سے کچھ تباہ ہونے والے ہوں گے یا اپنے اعمال سے جکڑے ہوئے ہوں گے اور کچھ ایسے ہوں گے جو ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے یا انھیں بدلہ دیا جائے گا یا اس طرح کے الفاظ ذکر کیے۔

ثُمَّ يَتَجَلَّى حَتَّى إِذَا فَرَغَ اللهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ، وَأَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ بِرَحْمَتِهِ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا، مِمَّنْ أَرَادَ اللهُ أَنْ يَرْحَمَهُ مِمَّنْ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَيَعْرِفُونَهُمْ فِي النَّارِ بِأَثَرِ السُّجُودِ، تَأْكُلُ النَّارُ ابْنَ آدَمَ إِلَّا أَثَرَ السُّجُودِ، حَرَّمَ اللهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَ السُّجُودِ، فَيَخْرُجُونَ مِنَ النَّارِ قَدِ امْتُحِشُوا، فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُونَ تَحْتَهُ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ، ثُمَّ يَفْرُغُ اللهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ الْعِبَادِ، وَيَبْقَى رَجُلٌ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهِ عَلَى النَّارِ، هُوَ آخِرُ أَهْلِ النَّارِ دُخُولًا الْجَنَّةَ، فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ! اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ فَإِنَّهُ قَدْ قَشَبَنِي رِيحُهَا، وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا، فَيَدْعُو اللهَ بِمَا شَاءَ أَنْ يَدْعُوَهُ، ثُمَّ يَقُولُ اللهُ: هَلْ عَسَيْتَ إِنْ أُعْطِيتَ ذٰلِكَ أَنْ تَسْأَلَنِي غَيْرَهُ؟ فَيَقُولُ: لَا، وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ. وَيُعْطِي رَبَّهُ مِنْ عُهُودٍ وَمَوَاثِيقَ

پھر اللہ تعالیٰ تجلی فرمائے گا حتی کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کر کے فارغ ہوگا اور اہل جہنم میں سے کسی کو اپنی رحمت سے باہر نکالنا چاہے گا تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے انھیں دوزخ سے باہر نکال لو۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ اپنا رحم و کرم کرنا چاہے گا اور انھوں نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا ہوگا۔ وہ (فرشتے) ایسے لوگوں کو سجدوں کے نشانات سے پہچان لیں گے۔ دوزخ، سجدوں کے نشانات کے علاوہ ابن آدم کے ہر عضو کو جلا کر بھسم کر دے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر حرام کیا ہے کہ سجدوں کے نشانات کو جلائے، چنانچہ یہ لوگ دوزخ سے اس حال میں نکالے جائیں گے کہ وہ جل بھن چکے ہوں گے۔ پھر ان پر آب حیات ڈالا جائے گا۔ وہ اس کے نیچے سے اس طرح نکلیں گے جیسے دانہ سیلاب کے خس و خاشاک کے نیچے سے اگتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلے سے فارغ ہوگا، صرف ایک شخص باقی رہ جائے گا جس کا چہرہ دوزخ کی طرف ہوگا۔ وہ اہل جہنم میں سے آخری شخص ہوگا جسے سب کے بعد جنت میں داخل کیا جائے گا۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میرا چہرا دوزخ سے پھیر دے کیونکہ اس کی گرم ہوا نے مجھے ہلاک

مَا شَاءَ، فَيَصْرِفُ اللهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ، فَإِذَا
أَقْبَلَ عَلَى الْجَنَّةِ وَرَآهَا سَكَتَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ
يَسْكُتَ ثُمَّ يَقُولُ: أَيْ رَبِّ! قَدِّمْنِي إِلَى بَابِ
الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ اللهُ لَهُ: أَلَسْتَ قَدْ أَعْطَيْتَ
عُهُودَكَ وَمَوَاثِيقَكَ أَنْ لَا تَسْأَلَنِي غَيْرَ الَّذِي
أُعْطِيتَ أَبَدًا؟ وَيْلَكَ يَا ابْنَ آدَمَ! مَا أَغْدَرَكَ!
فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ! وَيَدْعُو اللهَ حَتَّى يَقُولَ: هَلْ
عَسَيْتَ إِنْ أُعْطِيتَ ذٰلِكَ أَنْ تَسْأَلَ غَيْرَهُ؟
فَيَقُولُ: لَا، وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ، وَيُعْطِي
مَا شَاءَ مِنْ عُهُودٍ وَمَوَاثِيقَ، فَيُقَدِّمُهُ إِلَى بَابِ
الْجَنَّةِ، فَإِذَا قَامَ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ انْفَهَقَتْ لَهُ
الْجَنَّةُ فَرَأَى مَا فِيهَا مِنَ الْحَبْرَةِ وَالسُّرُورِ،
فَيَسْكُتُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَسْكُتَ ثُمَّ يَقُولُ: أَيْ
رَبِّ! أَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ، فَيَقُولُ اللهُ: أَلَسْتَ قَدْ
أَعْطَيْتَ عُهُودَكَ وَمَوَاثِيقَكَ أَنْ لَا تَسْأَلَ غَيْرَ مَا
أُعْطِيتَ؟ فَيَقُولُ: وَيْلَكَ يَا ابْنَ آدَمَ، مَا
أَغْدَرَكَ! [فَيَقُولُ:] أَيْ رَبِّ! لَا أَكُونُ أَشْقَى
خَلْقِكَ، فَلَا يَزَالُ يَدْعُو حَتَّى يَضْحَكَ اللهُ مِنْهُ،
فَإِذَا ضَحِكَ مِنْهُ قَالَ لَهُ: ادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَإِذَا
دَخَلَهَا قَالَ اللهُ لَهُ: تَمَنَّهْ، فَسَأَلَ رَبَّهُ وَتَمَنَّى
حَتَّى إِنَّ اللهَ لَيُذَكِّرُهُ، يَقُولُ: كَذَا وَكَذَا، حَتَّى
انْقَطَعَتْ بِهِ الْأَمَانِيُّ، قَالَ اللهُ: ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ
مَعَهُ[1]. [راجع: ٨٠٦]

کر دیا ہے اور اس کے شعلوں نے مجھے جلا دیا ہے۔ پھر وہ
اللہ تعالیٰ سے اس وقت تک دعا کرتا رہے گا جب تک اللہ
تعالیٰ چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اگر تجھے یہ دے دیا
جائے تو کیا تو اس کے علاوہ کچھ اور مانگے گا؟ وہ عرض کرے
گا: تیری عزت کی قسم! میں کوئی اور سوال نہیں کروں گا اور وہ
اللہ تعالیٰ سے عہد و پیماں کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کا
چہرہ دوزخ سے پھیر دے گا، پھر جب وہ جنت کی طرف
رُخ کرے گا اور اسے دیکھے گا تو جتنا عرصہ اللہ کو منظور ہوگا
خاموش رہے گا، پھر وہ عرض کرے گا: اے میرے رب!
مجھے صرف جنت کے دروازے تک پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ
فرمائے گا: کیا تو نے عہد و پیماں نہیں کیے تھے کہ جو کچھ میں
نے تجھے دیا ہے، اس کے علاوہ تو مجھ سے کبھی کچھ نہیں مانگے
گا؟ افسوس اے ابن آدم! تو کس قدر عہد شکن ہے؟ پھر وہ
کہے گا: اے میرے رب! نیز اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرے گا،
حتی کہ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: اگر میں نے تیرا یہ سوال
پورا کر دیا تو کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی مانگے گا؟ وہ عرض
کرے گا: تیری عزت کی قسم! اس کے سوا کچھ اور نہیں مانگوں
گا اور اللہ جو چاہے گا عہد و پیماں کرے گا، چنانچہ اسے جنت
کے دروازے تک پہنچا دیا جائے گا۔ پھر جب وہ جنت کے
دروازے پر کھڑا ہوگا تو جنت اسے سامنے نظر آئے گی اور وہ
دیکھے گا کہ اس کے اندر کس قدر فرحت و مسرت کا سامان
ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ جتنی دیر چاہے گا وہ خاموش
رہے گا، پھر عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے جنت میں
پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نے عہد و پیماں نہیں
کیے تھے کہ میں نے جو کچھ دیا ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں
مانگے گا؟ اللہ تعالیٰ مزید فرمائے گا: ابن آدم! افسوس تو کس
قدر وعدہ خلاف ہے۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب!

میں تیری مخلوق میں زیادہ بدبخت نہیں ہوں۔ وہ ہمیشہ اللہ کو پکارتا رہے گا اور مسلسل دعائیں کرتا رہے گا یہاں تک اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں پر ہنس دے گا۔ جب ہنس دے گا تو فرمائے گا: تو جنت میں داخل ہو جا۔ جب وہ جنت میں داخل ہو جائے گا تو اس سے فرمائے گا کہ اپنی تمنائیں بیان کر۔ تب وہ اپنی تمام خواہشات بیان کرے گا اور اللہ سے مانگے گا حتی کہ اللہ تعالیٰ اسے یاد دلائے گا: اور فرمائے گا فلاں فلاں چیز کی تمنا کر یہاں تک کہ اس کی تمام آرزوئیں ختم ہو جائیں گی۔ (اس کے بعد) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تیرے لیے یہ ہے اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی ہے۔"

٧٤٣٨ - قَالَ عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ وَأَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا يَرُدُّ عَلَيْهِ مِنْ حَدِيثِهِ شَيْئًا، حَتَّى إِذَا حَدَّثَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ: «ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ»، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ: «وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ مَعَهُ» يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: مَا حَفِظْتُ إِلَّا قَوْلَهُ: «ذٰلِكَ لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ». قَالَ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ: أَشْهَدُ أَنِّي حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَوْلَهُ: ذٰلِكَ لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ».

[7438] حضرت عطاء بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور ان کی بیان کردہ حدیث کا کوئی حصہ رد نہیں کرتے تھے، البتہ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے حوالے سے یہ بیان کیا کہ "تیرے لیے یہ ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل اور بھی ہے" تو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوہریرہ! یہ اور اس کے ساتھ دس گنا اور۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے یہی فرمان یاد کیا ہے: "تیرے لیے یہ ہے اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی ہے۔" اس پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی یاد رکھا ہے کہ تیرے لیے یہ ہے اور اس کے ساتھ دس گنا اور بھی ہے۔"

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَذٰلِكَ الرَّجُلُ آخِرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةَ. [راجع: ٢٢]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ شخص جنت میں سب سے آخر میں داخل ہوگا۔

فوائد و مسائل: ① [illegible]

رسول اللہ ﷺ نے کئی بار یہ حدیث بیان کی ہوگی۔ ہر صحابی نے اپنی اپنی ساعت کے مطابق اسے بیان کیا ہے۔ اتفاق کی صورت یوں ہوسکتی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک مثل کی خبر دی جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، پھر اپنے فضل و کرم اور احسان کے طور پر اس میں دس گنا اضافہ کر دیا جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت میں ہے کہ اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث سے اہل ایمان کے لیے دیدار الٰہی کو ثابت کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار جنت کی تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہوگا اور اس دیدار میں کچھ ایسا سرور اور کیف ہوگا کہ جب تک اللہ تعالیٰ اہل جنت کو اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا جنتی کسی اور نعمت کی طرف نہیں دیکھیں گے بلکہ ٹکٹکی باندھے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف دیکھتے رہیں گے، چنانچہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اعلان فرمائے گا: میں تمھیں ان نعمتوں سے بڑھ کر کچھ اور بھی دینے والا ہوں۔ اہل جنت کہیں گے: اے اللہ! کیا تو نے ہمارے چہرے روشن نہیں کیے، کیا تو نے ہمیں جہنم سے نجات دے کر جنت میں داخل نہیں کر دیا، یعنی اب کونسی کمی رہ گئی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنا حجاب ہٹا دے گا اور اپنے دیدار سے مشرف کرے گا۔ اہل جنت کو جو کچھ بھی ملا ہوگا ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنا ہوگا۔''[2] ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (یونس 26:10) ''جن لوگوں نے اچھے کام کیے ان کے لیے بہترین بدلہ ہوگا اور اس سے مزید بھی ملے گا۔''[3] ③ جہمیہ اور معتزلہ نے دیدار الٰہی سے متعلق آیات و احادیث کی تاویل کی ہے، ان [illegible] اس طرح دیدار الٰہی کے وقت اللہ تعالیٰ کے لیے ایک مخصوص جہت متعین کرنا پڑے گی جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات جہات و حدود سے پاک ہے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ تمھیں صفات الٰہی کو اپنی عقل کے مطابق کرنے کا کس نے پابند کیا ہے؟ یہ بات تمھارے بس میں نہیں۔ [illegible]، لہٰذا اس میں بے جا مداخلت نہ کی جائے۔ درست اور صحیح راستہ یہی ہے کہ جو بات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمائی ہے اسے جوں کا توں تسلیم کیا جائے۔ صفا[illegible] قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس سب سے بڑی نعمت سے ضرور سرفراز فرمائیں گے۔ ④ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کلام کیا تو اس کلام میں اتنی لذت تھی کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان لمحات کو طویل تر کرنے کی کوشش کی، دیدار الٰہی میں تو بہرحال سماعت سے بہت زیادہ لذت ہونا یقینی ہے، البتہ فاسق اور فاجر لوگ اس نعمت سے محروم ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفت ''اتیان'' یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا بندوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لیے آنا بھی ثابت ہے۔ اس صفت کے اثبات پر بھی سلف صالحین کا اجماع ہے لیکن اہل بدعت نے اس صفت کی دور از کار تاویلات کی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ان صفات کو بلا تحریف و تعطیل اور بلا تکییف و تمثیل ثابت کریں۔ ہم اس کی حرکت کو مخلوق کی حرکت سے تشبیہ نہ دیں بلکہ اس سے مراد حقیقی آنا تسلیم کریں جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اسی طرح اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی صفت ''ضحك'' بھی

---

1 صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 451 (182). 2 صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 449 (181). 3 صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 450 (181).

ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہنسا بھی برحق ہے جس کی تاویل کرنا غلط ہے، چنانچہ مُعطّلہ نے اس کی تاویل ثواب دینے سے کی ہے، لیکن ایسی تاویلات ظاہر نصوص کے خلاف ہیں، لہٰذا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی ہنسا ہے جو اس ذات باری تعالیٰ کے لائق ہے۔ سلف صالحین کا موقف ہے کہ ایسی صفات کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے بلاچون وچرا تسلیم کیا جائے اور اس کے متعلق کوئی تاویل نہ کی جائے۔ واللہ المستعان۔

٧٤٣٩ – حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ابْنُ سَعْدٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ زَيْدٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: «هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ إِذَا كَانَتْ صَحْوًا؟» قُلْنَا: لَا، قَالَ: «فَإِنَّكُمْ لَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ يَوْمَئِذٍ، إِلَّا كَمَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَتِهِمَا»، ثُمَّ قَالَ: «يُنَادِي مُنَادٍ: لِيَذْهَبْ كُلُّ قَوْمٍ إِلَى مَا كَانُوا يَعْبُدُونَ، فَيَذْهَبُ أَصْحَابُ الصَّلِيبِ مَعَ صَلِيبِهِمْ، وَأَصْحَابُ الْأَوْثَانِ مَعَ أَوْثَانِهِمْ، وَأَصْحَابُ كُلِّ آلِهَةٍ مَعَ آلِهَتِهِمْ، حَتَّى يَبْقَى مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ مِنْ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ، وَغُبَّرَاتٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، ثُمَّ يُؤْتَى بِجَهَنَّمَ تُعْرَضُ كَأَنَّهَا سَرَابٌ، فَيُقَالُ لِلْيَهُودِ: مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ؟ قَالُوا: كُنَّا نَعْبُدُ عُزَيْرًا ابْنَ اللهِ، فَيُقَالُ: كَذَبْتُمْ، لَمْ يَكُنْ لِلَّهِ صَاحِبَةٌ وَلَا وَلَدٌ، فَمَا تُرِيدُونَ؟ قَالُوا: نُرِيدُ أَنْ تَسْقِيَنَا، فَيُقَالُ: اشْرَبُوا، فَيَتَسَاقَطُونَ فِي جَهَنَّمَ، ثُمَّ يُقَالُ لِلنَّصَارَى: مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ؟ فَيَقُولُونَ: كُنَّا نَعْبُدُ الْمَسِيحَ ابْنَ اللهِ، فَيُقَالُ: كَذَبْتُمْ، لَمْ يَكُنْ لِلَّهِ صَاحِبَةٌ وَلَا وَلَدٌ، فَمَا تُرِيدُونَ؟ فَيَقُولُونَ:

[7439] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: "مطلع صاف ہونے کی صورت میں کیا تمھیں سورج اور چاند دیکھنے میں کوئی دقت محسوس ہوتی ہے؟" ہم نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: "پھر یقیناً تمھیں اپنے رب کے دیدار میں کوئی تکلیف پیش نہیں آئے گی جیسے تمھیں سورج اور چاند دیکھنے میں کوئی مشقت نہیں ہوتی۔" پھر فرمایا: "ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا: ہر قوم اس کے ساتھ جائے جس کی وہ پوجا کیا کرتی تھی۔ تب صلیب کے پجاری اپنی صلیب کے ساتھ، بتوں کے پجاری اپنے بتوں کے ساتھ اور تمام معبودان باطلہ کی پوجا پاٹ کرنے والے اپنے معبودوں کے ساتھ چلے جائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے نیک و بد اور بچے کھچے اہل کتاب باقی رہ جائیں گے۔ اس کے بعد جہنم ان کے سامنے لائی جائے گی جو سراب کی طرح ہوگی۔ پھر یہود سے پوچھا جائے گا: تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ جواب دیں گے: ہم اللہ کے بیٹے عزیر کی پوجا کرتے تھے۔ انھیں کہا جائے گا: تم جھوٹے ہو، اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے نہ اولاد۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہم پانی پینا چاہتے ہیں کہ ہمیں اس سے سیراب کیا جائے۔ ان سے کہا جائے گا: جاؤ پانی پیو، تو وہ دوزخ میں گر پڑیں گے۔ پھر نصاریٰ سے پوچھا جائے گا: تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ جواب دیں گے: ہم اللہ کے بیٹے مسیح

نُرِيدُ أَنْ تَسْقِيَنَا، فَيُقَالُ: اشْرَبُوا، فَيَتَسَاقَطُونَ حَتَّى يَبْقَى مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ مِنْ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ، فَيُقَالُ: مَا يُجْلِسُكُمْ وَقَدْ ذَهَبَ النَّاسُ؟ فَيَقُولُونَ: فَارَقْنَاهُمْ وَنَحْنُ أَحْوَجُ مِنَّا إِلَيْهِ الْيَوْمَ، وَإِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي: لِيَلْحَقْ كُلُّ قَوْمٍ بِمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ، وَإِنَّمَا نَنْتَظِرُ رَبَّنَا.

کی پوجا کرتے تھے۔ ان سے کہا جائے گا: تم جھوٹے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اس کی اولاد ہی ہے۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ جواب دیں گے: ہم پانی سے سیراب ہونا چاہتے ہیں۔ ان سے کہا جائے گا: جاؤ پیو، تو وہ بھی دوزخ میں گر پڑیں گے یہاں تک کہ اللہ کی عبادت کرنے والے نیک و بد باقی رہ جائیں گے۔ ان سے کہا جائے گا: تمھیں یہاں کس چیز نے روک رکھا ہے جبکہ باقی سب لوگ اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ جا چکے ہیں؟ وہ کہیں گے: ہم دنیا میں ان سے ایسے وقت جدا ہو گئے تھے کہ ہمیں ان کی زیادہ ضرورت تھی، یعنی ہم دنیا میں ان کے ساتھی نہ تھے اور آخرت میں بھی ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے۔ بلاشبہ ہم نے ایک اعلان کرنے والے کو اعلان کرتے ہوئے سنا: ہر شخص اس کے ساتھ چلا جائے جس کی وہ عبادت کرتا تھا۔ (ہم تو اپنے رب کی عبادت کرتے تھے) اس لیے ہم اپنے رب کے منتظر ہیں۔‘‘

قَالَ: فَيَأْتِيهِمُ [illegible] الَّتِي رَأَوْهُ فِيهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ، فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: أَنْتَ رَبُّنَا، فَلَا يُكَلِّمُهُ إِلَّا الْأَنْبِيَاءُ فَيَقُولُ: هَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ آيَةٌ تَعْرِفُونَهُ؟ فَيَقُولُونَ: السَّاقُ، فَيَكْشِفُ عَنْ سَاقِهِ فَيَسْجُدُ لَهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ، وَيَبْقَى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ لِلّٰهِ رِيَاءً وَسُمْعَةً، فَيَذْهَبُ كَيْمَا يَسْجُدَ فَيَعُودُ ظَهْرُهُ طَبَقًا وَاحِدًا، ثُمَّ يُؤْتَى بِالْجَسْرِ فَيُجْعَلُ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ، قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَمَا الْجَسْرُ؟ قَالَ: «مَدْحَضَةٌ مَزِلَّةٌ عَلَيْهِ خَطَاطِيفُ وَكَلَالِيبُ، وَحَسَكَةٌ مُفَلْطَحَةٌ لَهَا شَوْكَةٌ عَقِيفَةٌ، تَكُونُ بِنَجْدٍ، يُقَالُ لَهَا: السَّعْدَانُ، الْمُؤْمِنُ عَلَيْهَا

آپ ﷺ نے فرمایا: ’’پھر اللہ جبار ان کے سامنے اس صورت کے علاوہ دوسری صورت میں آئے گا جس میں انھوں نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا ہوگا۔ وہ کہے گا: میں تمھارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے: واقعی تو ہمارا رب ہے اور اس دن حضرات انبیاء ﷺ کے علاوہ اور کوئی اللہ سے گفتگو نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تمھیں اپنے رب کی کوئی نشانی معلوم ہے جس کے ذریعے سے تم اسے پہچان سکو؟ وہ کہیں گے: پنڈلی ذریعۂ شناخت ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھول دے گا تو ہر مومن اس کے حضور سجدہ ریز ہو جائے گا، صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو محض ریاکاری اور شہرت کے لیے اسے سجدہ کرتے تھے۔ وہ بھی سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی پشت ایک تختے کی طرح ہو جائے گی،

كَالطَّرْفِ وَكَالْبَرْقِ وَكَالرِّيحِ وَكَأَجَاوِيدِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ، فَنَاجٍ مُسَلَّمٌ، وَنَاجٍ مَخْدُوشٌ، وَمَكْدُوسٌ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، حَتَّى يَمُرَّ آخِرُهُمْ يُسْحَبُ سَحْبًا، فَمَا أَنْتُمْ بِأَشَدَّ لِي مُنَاشَدَةً فِي الْحَقِّ - قَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ - مِنَ الْمُؤْمِنِ يَوْمَئِذٍ لِلْجَبَّارِ، وَإِذَا رَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ نَجَوْا فِي إِخْوَانِهِمْ يَقُولُونَ: رَبَّنَا إِخْوَانُنَا كَانُوا يُصَلُّونَ مَعَنَا وَيَصُومُونَ مَعَنَا وَيَعْمَلُونَ مَعَنَا، فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى: اذْهَبُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ دِينَارٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجُوهُ، وَيُحَرِّمُ اللهُ صُوَرَهُمْ عَلَى النَّارِ، فَيَأْتُونَهُمْ وَبَعْضُهُمْ قَدْ غَابَ فِي النَّارِ إِلَى قَدَمِهِ وَإِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ، فَيُخْرِجُونَ مَنْ عَرَفُوا، ثُمَّ يَعُودُونَ فَيَقُولُ: اذْهَبُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ نِصْفِ دِينَارٍ فَأَخْرِجُوهُ، فَيُخْرِجُونَ مَنْ عَرَفُوا، ثُمَّ يَعُودُونَ فَيَقُولُ: اذْهَبُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجُوهُ، فَيُخْرِجُونَ مَنْ عَرَفُوا».

پھر پل صراط لایا جائے گا اور اسے جہنم کی پشت پر رکھ دیا جائے گا۔" ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! پل صراط کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: "وہ گرنے اور پھسلنے کا مقام ہے اور اس پر لوہے کے نوک دار آنکڑے اور کانٹے ہوں گے۔ وہ لوہے کے کنڈے سعدان نامی جھاڑی کے کانٹوں کی طرح ہوں گے جو نجد میں پائی جاتی ہے، اس پر سے اہل ایمان پلک جھپکنے میں، بجلی کی مانند، ہوا کی مانند، تیز رفتار گھوڑوں اور تیز اونٹوں کی طرح گزر جائیں گے۔ ان میں سے کچھ صحیح سالم نجات پانے والے ہوں گے جبکہ کچھ زخمی ہوکر بالآخر اسے عبور کر جائیں گے اور کچھ جھلس کر آگ میں گرنے والے ہوں گے حتی کہ آخری شخص خود کو گھسیٹ کر اسے پار کرے گا۔ تم لوگ آج کے دن اپنا حق لینے کے لیے جتنا تقاضا اور مطالبہ مجھ سے کرتے ہو اس سے کہیں زیادہ اس وقت مسلمان جبار (اللہ تعالیٰ) سے تقاضا کریں گے جب وہ دیکھیں گے کہ اپنے بھائیوں میں سے صرف انھیں نجات ملی ہے۔ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہمارے بھائی ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ نیک عمل کیا کرتے تھے، انھیں دوزخ سے نجات عطا فرما۔ تو اللہ تعالیٰ (ان سے) کہے گا: جاؤ، جس کے دل میں ایک دینار کے برابر ایمان پاؤ، اسے دوزخ سے نکال لاؤ، اور اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو آگ پر حرام کر دے گا، تو وہ آئیں گے اور دیکھیں گے کہ کچھ تو قدموں تک آگ میں غائب ہوں گے اور کچھ نصف پنڈلی تک دوزخ میں ہوں گے۔ وہ جنھیں پہچان لیں گے انھیں وہاں سے نکال لائیں گے۔ پھر واپس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: جاؤ اور جس کے دل میں نصف دینار کے برابر ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ، چنانچہ وہ جن کو

پہچانتے ہوں گے ان کو وہاں سے نکال لائیں گے۔ پھر جب واپس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ۔ وہ جنھیں پہچانیں گے انھیں وہاں سے نکال لائیں گے۔"

قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: فَإِنْ لَمْ تُصَدِّقُوا فَاقْرَؤُا: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَٰعِفْهَا﴾ [النساء:٤٠] «فَيَشْفَعُ النَّبِيُّونَ وَالْمَلَائِكَةُ وَالْمُؤْمِنُونَ فَيَقُولُ الْجَبَّارُ: بَقِيَتْ شَفَاعَتِي، فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ أَقْوَامًا قَدِ امْتُحِشُوا، فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرٍ بِأَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهُ: مَاءُ الْحَيَاةِ، فَيَنْبُتُونَ فِي حَافَّتَيْهِ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ، قَدْ رَأَيْتُمُوهَا إِلَى جَانِبِ الصَّخْرَةِ، إِلَى جَانِبِ الشَّجَرَةِ، فَمَا كَانَ إِلَى الشَّمْسِ مِنْهَا كَانَ أَخْضَرَ، وَمَا كَانَ مِنْهَا إِلَى الظِّلِّ كَانَ أَبْيَضَ، فَيَخْرُجُونَ كَأَنَّهُمُ اللُّؤْلُؤُ فَيُجْعَلُ فِي رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِيمُ، فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فَيَقُولُ أَهْلُ الْجَنَّةِ: هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ الرَّحْمٰنِ، أَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوهُ، وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوهُ، فَيُقَالُ لَهُمْ: لَكُمْ مَا رَأَيْتُمْ وَمِثْلُهُ مَعَهُ». [راجع: ١٨٣]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم میری تصدیق نہیں کرتے تو یہ آیت کریمہ پڑھو: "بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر (بھی) ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو وہ اسے دگنا کر دے گا۔" پھر انبیاء، اہل ایمان اور فرشتے شفاعت کریں گے۔ اس کے بعد جبار (اللہ تعالیٰ) کا ارشاد ہوگا: اب خاص میری شفاعت باقی رہ گئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ دوزخ سے ایک مٹھی بھرے گا اور ایسے لوگوں کو نکالے گا جو جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔ پھر وہ جنت کے ایک کنارے پر واقع نہر میں ڈال دیے جائیں گے جسے آب حیات کہا جاتا ہے تو وہ نہر کے کنارے پر ایسے ابھریں گے جس طرح دانہ سیلاب کے خس و خاشاک (کوڑے کرکٹ) میں اُگتا ہے۔ تم نے یہ منظر کسی چٹان یا کسی درخت کے پاس دیکھا ہوگا۔ جس پر دھوپ پڑتی رہتی ہے، وہ سبز ابھرتا ہے اور جس پر سایہ ہوتا ہے وہ سفید ابھرتا ہے۔ وہ آب حیات سے اس طرح نکلیں گے جس طرح موتی چمکتا ہے۔ اس کے بعد ان کی گردنوں پر مہر لگا دی جائے گی (کہ یہ لوگ خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں)۔ پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے تو اہل جنت انھیں "عتقاء الرحمٰن" کے نام سے یاد کریں گے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے اچھا عمل یا بھلا کام کیے بغیر جنت میں داخل کیا ہے۔ ان سے کہا جائے گا: تمھیں وہ سب کچھ ملے گا جو تم دیکھتے ہو اور اتنا ہی مزید دیا جائے گا۔"

فوائد ومسائل: ﴿1﴾ اس حدیث کے آغاز ہی سے قیامت کے دن دیدار الٰہی کا ثبوت ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے صحابۂ

کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ قیامت کے دن ہم اپنے رب کا دیدار کر سکیں گے تو آپ ﷺ نے بڑی وضاحت سے مثال دے کر فرمایا کہ کسی قسم کی دقت یا رکاوٹ کے بغیر تم اپنے رب کو دیکھو گے جبکہ معتزلہ نے اس دیدار کا انکار کیا ہے اور قرآن وحدیث کی ظاہر نصوص کے متعلق تاویل کا سہارا لیا ہے۔ 2 ہمارے نزدیک قیامت کے دن اہل ایمان اپنی آنکھوں سے اپنے رب کا دیدار کریں گے اور اہل جنت کے لیے دیدار الٰہی سب سے بڑی نعمت ہو گی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب اہل جنت، جنت میں نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے تو اچانک ان کے سامنے ایک عظیم روشنی ظاہر ہو گی۔ وہ اپنے سر اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ ان کے اوپر اللہ رب العزت جلوہ افروز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے جنت میں رہنے والو! السلام علیکم۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے: ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ ''مہربان رب کی طرف سے سلام کہا جائے گا۔'' [1] پھر اللہ تعالیٰ اہل جنت کی طرف دیکھے گا اور اہل جنت اپنے رب سے محو دیدار ہوں گے۔ اہل جنت اللہ تعالیٰ کے دیدار میں اس قدر ڈوب چکے ہوں گے کہ وہ کسی اور نعمت کی طرف توجہ ہی نہیں کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے ہٹ جائے گا، البتہ اس نور کے اثرات اور برکات ان پر ان کے گھروں میں باقی رہیں گے۔'' [2] 3 حضرت ابورزین عقیلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا ہم سب قیامت کے دن الگ الگ اپنے رب کو دیکھ سکیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں!'' میں نے دریافت کیا: مخلوق میں اس کی کوئی علامت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابورزین! کیا تم چودھویں رات کے چاند کو تنہائی میں نہیں دیکھتے ہو؟'' ابورزین نے عرض کی: کیوں نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ چاند تو اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ تو بہت بلند اور عظمت والا ہے۔'' [3] 4 اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کا بھی ذکر ہے جسے دیکھ کر اہل ایمان اپنے رب کو پہچان لیں گے، گویا یہ پنڈلی ایک شناختی علامت ہے۔ اسے ہم ظاہر پر محمول کرتے ہوئے مبنی برحقیقت تسلیم کرتے ہیں۔ اس حدیث میں درج ذیل آیت کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور انھیں سجدے کی طرف بلایا جائے گا تو وہ طاقت نہیں رکھیں گے۔'' [4] 5 بعض حضرات نے اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے: ''جس دن حقائق سے پردہ اٹھا دیا جائے گا'' اگرچہ اہل عرب ان الفاظ کو محاورے کے طور پر اس معنی میں استعمال کرتے ہیں لیکن ارشاد نبوی کے مقابلے میں ایسے محاورے کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی پنڈلی کیسی ہے؟ کیا یہ انسانوں کی پنڈلی کی طرح ہے یا اس کی کوئی اور صورت ہے؟ تو ہم ایسی باتوں کو معلوم کرنے کے مکلف نہیں ہیں۔ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے پنڈلی کا ذکر کیا ہے تو ہمیں اسے مبنی برحقیقت تسلیم کرنا چاہیے۔ اس کے آگے اس پنڈلی کی کیفیت معلوم کرنا یہ ہمارے بس کی بات نہیں اور نہ ہم اس کے پابند ہی ہیں۔ اس حدیث میں پل صراط کا بھی ذکر ہے کہ اس پر آنکڑے، چوڑے چوڑے کانٹے ہوں گے۔ ایک حدیث میں ہے: ''وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہو گا۔'' [5] سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب لوگ دوزخ پر پہنچیں گے،

پھر اپنے اپنے اعمال کے لحاظ سے واپس ہوں گے۔ پہلا گروہ بجلی کی چمک کی طرح نکل جائے گا، دوسرا ہوا کی طرح، تیسرا گھوڑ سوار کی طرح، چوتھا اونٹ سوار کی طرح، پانچواں دوڑنے والے کی طرح اور چھٹا جیسے پیدل آدمی چلتا ہو۔"[1] البتہ صحیح بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پل صراط کے اوپر سے گزرنے والوں کی چار قسمیں ہوں گی: ○ وہاں سے صحیح سالم گزرنے والے، پھر یہ لوگ تیزی سے گزرنے کے اعتبار سے چند قسموں پر مشتمل ہوں گے: ○ زخمی حالت میں اسے عبور کرنے والے۔ بعض کو ہلکے زخم آئیں گے اور کچھ چھل چھلا کر اسے پار کریں گے۔ ○ کچھ لوگ زخموں کی تاب نہ لا کر جہنم میں گر پڑیں گے، بعد میں انھیں ایمانی درجات کے پیش نظر نکالا جائے گا۔ ○ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جنھیں ان کے اعمال اٹھا نہیں سکیں گے بلکہ وہ گھسٹ گھسٹ کر اسے عبور کریں گے۔[2]

٧٤٤٠ - وَقَالَ حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامُ ابْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «يُحْبَسُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُهَمُّوا بِذٰلِكَ فَيَقُولُونَ: لَوِ اسْتَشْفَعْنَا إِلَى رَبِّنَا فَيُرِيحُنَا مِنْ مَكَانِنَا، فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ آدَمُ أَبُو النَّاسِ، خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ، وَأَسْكَنَكَ جَنَّتَهُ، وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ، وَعَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ، لِتَشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هٰذَا، قَالَ: فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، قَالَ: وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ: أَكْلَهُ مِنَ الشَّجَرَةِ، وَقَدْ نُهِيَ عَنْهَا، وَلٰكِنِ ائْتُوا نُوحًا أَوَّلَ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللهُ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ، فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ: سُؤَالَهُ رَبَّهُ بِغَيْرِ عِلْمٍ، وَلٰكِنِ ائْتُوا إِبْرَاهِيمَ خَلِيلَ الرَّحْمٰنِ. قَالَ: فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُ: إِنِّي لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَيَذْكُرُ ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ كَذَبَهُنَّ، وَلٰكِنِ ائْتُوا مُوسَى عَبْدًا آتَاهُ اللهُ التَّوْرَاةَ، وَكَلَّمَهُ

[7440] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن اہل ایمان کو ایک مقام پر روک لیا جائے گا جس کے باعث وہ غمگین اور پریشان ہوں گے اور کہیں گے: کاش! ہم اپنے رب کے حضور کوئی سفارش پیش کریں تاکہ وہ ہمیں اس پریشانی سے نجات دے، چنانچہ وہ حضرت آدم ؑ کے پاس آئیں گے اور ان سے عرض کریں گے: آپ حضرت آدم ہیں۔ تمام لوگوں کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، پھر جنت میں ٹھہرایا۔ آپ کے لیے اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو تمام اشیاء کے نام سکھائے، آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کریں کہ وہ ہمیں اس پریشانی سے نجات دے۔ وہ جواب دیں گے: میں تمھاری سفارش کرنے والا نہیں ہوں۔ وہ اپنی خطا یاد کریں گے جو انھوں نے درخت کا پھل کھانے سے متعلق کی تھی، حالانکہ انھیں اس سے منع کیا گیا تھا۔ وہ کہیں گے: تم نوح ؑ کے پاس جاؤ، وہ پہلے نبی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا تھا تو لوگ حضرت نوح ؑ کے پاس آئیں گے۔ وہ کہیں گے: میں تمھاری سفارش کرنے کے قابل نہیں ہوں اور وہ اپنی اس

1 جامع الترمذي، التفسير، حديث: 3159. 2 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 2/126.

وَقَرَّبَهُ نَجِيًّا. قَالَ: فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُ: إِنِّي لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ: قَتْلَهُ النَّفْسَ، وَلَكِنِ ائْتُوا عِيسَى عَبْدَ اللهِ وَرَسُولَهُ، وَرُوحَ اللهِ وَكَلِمَتَهُ، قَالَ: فَيَأْتُونَ عِيسَى فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ وَلَكِنِ ائْتُوا مُحَمَّدًا ﷺ عَبْدًا غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، فَيَأْتُونِي فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فِي دَارِهِ، فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ، فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا، فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَدَعَنِي، فَيَقُولُ: ارْفَعْ مُحَمَّدُ، وَقُلْ يُسْمَعْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، وَسَلْ تُعْطَ، قَالَ: فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأُثْنِي عَلَى رَبِّي بِثَنَاءٍ وَتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ، ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأَخْرُجُ فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ».

غلطی کو یاد کریں گے جو انھوں نے علم کے بغیر اللہ رب العزت سے سوال کر کے کی تھی۔ وہ کہیں گے: تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جو رحمٰن کے خلیل ہیں، چنانچہ سب لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ کہیں گے: میں بھی تمھاری سفارش کے اہل نہیں ہوں۔ وہ ان تین باتوں کو یاد کریں گے جو انھوں نے بظاہر خلاف واقعہ کی تھیں، اور کہیں گے: تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ ایسے بندے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے تورات دی، ان سے گفتگو فرمائی اور انھیں اپنے قریب کر کے ان سے راز و نیاز کی باتیں کیں، چنانچہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی کہیں گے: میں اس لائق نہیں ہوں۔ وہ اپنی اس غلطی کو یاد کریں گے جو انھوں نے ایک آدمی کو قتل کر کے کی تھی۔ وہ کہیں گے: تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا حکم ہیں، چنانچہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ فرمائیں گے: میں اس لائق نہیں ہوں، تم لوگ حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ، وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں جن کے اگلے پچھلے سب گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیے ہیں، چنانچہ لوگ میرے پاس آئیں گے اور میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مانگوں گا۔ مجھے اس کی اجازت دی جائے گی۔ پھر میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہی اس کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے اسی حالت میں رہنے دے گا، پھر فرمائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ۔ بات کہو اسے سنا جائے گا۔ سفارش کرو تو قبول کی جائے گی اور سوال کرو وہ تمھیں دیا جائے گا، تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ کی ایسی تعریف و توصیف کروں گا جو اس وقت اللہ تعالیٰ مجھے سکھائے گا۔ پھر میں سفارش کروں گا جس کے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی

اور میں اس کے مطابق لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔“

قَالَ قَتَادَةُ: وَسَمِعْتُهُ أَيْضًا يَقُولُ: «فَأَخْرُجُ فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ، ثُمَّ أَعُودُ فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فِي دَارِهِ فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ، فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا، فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يَقُولُ: ارْفَعْ مُحَمَّدُ، وَقُلْ يُسْمَعْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، وَسَلْ تُعْطَ، قَالَ: فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأُثْنِي عَلَى رَبِّي بِثَنَاءٍ وَتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ، قَالَ: ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا، فَأَخْرُجُ فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ.

حضرت قتادہ نے (حضرت انس کے حوالے سے) بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر میں نکلوں گا اور انھیں جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچاؤں گا۔ پھر میں لوٹ آؤں گا۔ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کروں گا اور مجھے اجازت دی جائے گی۔ جب میں وہاں اپنے رب کو دیکھوں گا تو پہلے کی طرح سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر جب تک اللہ چاہے گا مجھے سجدے میں پڑا رہنے دے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہوگا: محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور بات کہو اسے سنا جائے گا۔ سفارش کرو تمھاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ جو سوال کرو گے وہ پورا ہوگا۔ تب میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف کروں گا جو اس وقت اللہ تعالیٰ مجھے تعلیم دے گا۔ پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی تو میں اس کے مطابق لوگوں کو وہاں سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔“

قَالَ قَتَادَةُ: وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: فَأَخْرُجُ فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ، ثُمَّ أَعُودُ الثَّالِثَةَ فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فِي دَارِهِ، فَيُؤْذَنُ لِي عَلَيْهِ، فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يَقُولُ: ارْفَعْ مُحَمَّدُ، وَقُلْ يُسْمَعْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، وَسَلْ تُعْطَهْ، قَالَ: فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأُثْنِي عَلَى رَبِّي بِثَنَاءٍ وَتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ، قَالَ: ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأَخْرُجُ فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ - قَالَ قَتَادَةُ: وَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: - فَأَخْرُجُ فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ

حضرت قتادہ نے (حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے) بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں خود وہاں سے نکل کر لوگوں کو جہنم سے نکالوں گا اور انھیں جنت میں داخل کروں گا۔ پھر میں تیسری مرتبہ وہاں سے لوٹ کر آؤں گا اور اپنے رب سے اس کی بارگاہ میں حاضری کے لیے اجازت چاہوں گا تو مجھے اجازت دی جائے گی اور اپنے رب العزت کو دیکھتے ہی سجدہ میں گر جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدے میں پڑا رہنے دے گا، پھر ارشاد ہوگا: اے محمد! سر اٹھاؤ۔ بات کہو، اسے سنا جائے گا۔ شفاعت کرو اسے قبول کیا جائے گا۔ سوال کرو تمھیں دیا جائے گا۔ پھر میں اپنا

الْجَنَّةَ، حَتَّى مَا يَبْقَى فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ، أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ». قَالَ: ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ [الإسراء:٧٩] قَالَ: وَهٰذَا الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ الَّذِي وُعِدَهُ نَبِيُّكُمْ ﷺ. [راجع: ٤٤]

سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی ایسی حمد وثنا کروں گا جو اس وقت وہ مجھے سکھائے گا۔ اس کے بعد میں سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں اس کے مطابق لوگوں کو نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔ حضرت قتادہ نے (حضرت انس ؓ کے حوالے سے) بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر میں وہاں سے نکل کر لوگوں کو جہنم سے نکالوں گا اور انھیں جنت میں داخل کروں گا حتی کہ دوزخ میں وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جنھوں نے قرآن کے مطابق جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کر دے۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''یہی وہ مقام محمود ہے جس کے متعلق تمھارے نبی ﷺ سے وعدہ کیا گیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے جیسا کہ خود نبی ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے، چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے مقام محمود کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے مراد مقام شفاعت ہے۔''[1] مجموعی طور پر اس سے مراد ایسا مرتبہ ہے کہ سب لوگ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنے لگیں گے، چنانچہ سفارش کے وقت بھی رسول اللہ ﷺ کی تعریف جاری ہو جائے گی۔ ② مقام محمود کی اور بھی توجیہات ہیں، مثلاً: نبی ﷺ کے آخری ایام میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہ مقام عطا فرما دیا تھا کہ لوگ آپ ﷺ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے۔ دوسری یہ کہ جنت میں ایک بلند مقام ہے جس کا نام ہی مقام محمود ہے، وہ آپ ﷺ کو عطا کیا جائے گا۔ اس شفاعت سے مراد شفاعت عظمیٰ ہے جو صرف رسول اللہ ﷺ کا خاصہ ہے۔ ③ اگرچہ اختصار کی وجہ سے اس حدیث میں شفاعت کا ذکر نہیں ہے، چنانچہ بعض محدثین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کے آغاز اور اختتام میں مطابقت ناپید ہے کیونکہ ابتدا میں ہے کہ لوگ میدان محشر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں گے اور شفاعت کے طالب ہوں گے کہ ہمارا حساب کر دیا جائے ہم سخت تکلیف میں مبتلا ہیں اور اختتام میں جہنم سے لوگوں کو نکالنے کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے بھی اسے قوی اشکال قرار دیا ہے۔[2] شرح عقیدہ طحاویہ کے مصنف نے بھی اس پر اظہار تعجب کیا ہے کہ ائمۂ کرام اس حدیث کو مختلف طرق سے ذکر کرتے ہیں لیکن شفاعت عظمیٰ اور باری تعالیٰ کے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے آنے کا ذکر نہیں کرتے، حالانکہ اس حدیث سے مقصود شفاعت عظمیٰ اور اس کی تفصیل بیان کرنا ہے۔ دراصل ائمۂ کرام کا مقصود معتزلہ اور خوارج کی تردید تھا جو کہتے ہیں کہ اہل کبائر دوزخ سے نہیں نکل پائیں گے، اس لیے انھوں نے صرف اسی مضمون پر اکتفا کیا ہے۔[3] اس شفاعت کی تفصیل ''حدیث صور'' میں ہے جسے امام ابن

1 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3137. 2 فتح الباري: 437/11. 3 شرح العقيدة الطحاوية، ص: 255.

أَنْتَ». [راجع: ١١٢٠]

بعد میں کروں گا اور وہ گناہ بھی جو چھپ کر کیے، نیز وہ بھی جو علانیہ کیے اور وہ گناہ بھی بخش دے جنھیں تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔"

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: قَالَ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ وَأَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ طَاوُسٍ: قَيَّامٌ.

قیس بن سعد اور ابوزبیر نے امام طاؤس کے حوالے سے (قَیِّم کے بجائے) قَیَّام بیان کیا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: اَلْقَيُّومُ: اَلْقَائِمُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، وَقَرَأَ عُمَرُ: اَلْقَيَّامُ، وَكِلَاهُمَا مَدْحٌ.

امام مجاہد نے کہا: قیوم وہ ہے جو ہر چیز کی نگرانی کرنے والا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیام پڑھا ہے۔ قیوم اور قیام دونوں مدح کے لیے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① ان احادیث میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا ذکر ہے جو قیامت کے دن ہوگی۔ اس ملاقات سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے جو برحق ہے اور اس کا انکار کرنے والے گمراہ اور بے دین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیس سے زیادہ آیات میں اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ اہل سنت نے ان آیات سے دیدار الٰہی کو ثابت کیا ہے۔ حدیث میں ہے: "قیامت کے دن تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے ملاقات کرے گا۔ اس کے اور رب کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔"[1] اللہ تعالیٰ نے اس ملاقات سے انکار اور تکذیب کو کفر قرار دیا ہے۔ اس انکار کی موجودگی میں کوئی عمل کارگر نہیں ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور جن لوگوں نے اللہ کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا وہ میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔"[2] ایسے لوگوں کو رحمت الٰہی کی امید کیسے ہو سکتی ہے جبکہ وہ اس ملاقات کے قائل ہی نہیں ہیں، لہٰذا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم اور مایوس ہی رہیں گے جبکہ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کی توقع رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا وقت جلد ہی آنے والا ہے۔"[3] یعنی موت کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت انھیں اپنی آغوش میں لے لے گی۔ یہ دونوں طرح کی آیات ایک دوسرے کا عکس ہیں۔ ② بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے دیدار الٰہی ثابت کیا ہے جو مبنی برحقیقت ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: "اور اللہ اہل ایمان پر بڑا مہربان ہے۔ جس دن وہ اس (اللہ) سے ملاقات کریں گے، ان کی دعا، سلام ہوگی۔"[4] اہل لغت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ملاقات سے مراد روبرو ہونا اور ایک دوسرے کو کھلی آنکھ سے دیکھنا ہے۔[5] ③ واضح رہے کہ ملاقات میں دو چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے: ایک تو چل کر دوسرے کی طرف جانا اور دوسرا اسے کھلی آنکھ سے دیکھنا جبکہ بعض اہل کلام نے اس ملاقات کی تاویل کی ہے کہ اس سے مراد اعمال کی جزا دینا ہے۔ یہ تاویل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے موقف کے خلاف ہے کیونکہ قرآنی آیات سے ملاقات اور جزا کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جس دن وہ اس (اللہ) سے ملاقات کریں گے، ان کی دعا،

1 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7443. 2 العنكبوت 29:23. 3 العنكبوت 29:5. 4 الأحزاب 33:43، 44.
5 فتاوىٰ ابن تيمية: 6/488.

سلام ہوگی اور اس نے ان کے لیے عمدہ اجر تیار کر رکھا ہے۔"[1] اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ملاقات اور اجر کریم دو الگ الگ نعمتیں ہیں، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ تیرا وعدہ برحق، تیری ملاقات بھی برحقیقت اور جنت و دوزخ بھی سچ ہیں۔ اس حدیث میں ملاقات اور جنت و دوزخ کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے، اگر ملاقات سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزا و سزا ہو تو اس کے بعد جنت و دوزخ کو الگ بیان کرنے کا کیا مطلب؟ کیونکہ جنت فرمانبردار لوگوں کی جزا اور جہنم نافرمانوں کے لیے بطور سزا ہے۔ بہرحال ان احادیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے دیدار الٰہی پر استدلال کیا ہے جو آپ کی دقت فہم اور قوت استنباط کی واضح دلیل ہے۔ ④ واضح رہے کہ قیس بن سعد کی روایت کو امام مسلم (حدیث: 769) اور ابوداود رحمہ اللہ (حدیث: 771) نے، نیز ابوالزبیر کی روایت کو امام مالک رحمہ اللہ نے موطأ (حدیث: 511) میں متصل سند سے بیان کیا ہے۔[2] غزوۂ حنین کے موقع پر مال غنیمت کی تقسیم پر کچھ انصار کو ملال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں تسلی دی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث (7241) میں اس تسلی کا بیان ہے۔ ⑤ رسول اللہ ﷺ کو قیامت کے دن دو حوض ملیں گے: ایک میدان محشر میں ہوگا جہاں سے فرشتے بعض مرتدین کو پانی پینے سے روک دیں گے اور دوسرا حوض جنت میں ہوگا، جبکہ معتزلہ نے حوض کا انکار کیا ہے۔ واللہ أعلم۔

٧٤٤٣ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنِي الْأَعْمَشُ عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ، لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ وَلَا حِجَابٌ يَحْجُبُهُ». [راجع: ١٤١٣]

[7443] حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جس سے اس کا رب کلام نہ کرے۔ کلام کرتے وقت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا اور نہ کوئی حجاب ہی ہوگا جو اسے پردے میں رکھے۔"

فوائد ومسائل: ① مذکورہ حدیث ایک طویل روایت کا ٹکڑا ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اختصار سے بیان کیا ہے۔ اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: "تم میں سے ایک، ملاقات کے وقت اپنے رب کے روبرو کھڑا ہوگا۔ اللہ اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا جو ترجمانی کے فرائض سرانجام دے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: کیا میں نے تجھے اپنے احکام پہنچانے کے لیے تیری طرف رسول نہیں بھیجا تھا؟ بندہ جواب دے گا: کیوں نہیں، اے میرے رب! پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور تجھ پر اپنی رحمت کا فیضان نہیں کیا تھا؟ بندہ کہے گا: کیوں نہیں، اس کے بعد بندہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو جہنم کے سوا اسے کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، اسی طرح بائیں جانب دیکھے گا تو جہنم کے علاوہ اسے کچھ دکھائی نہیں دے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے آخر میں فرمایا: "آگ سے بچو، خواہ تمھیں کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کرنا پڑے۔ اگر کوئی شخص کھجور کا ٹکڑا نہ پائے تو بھلی بات سے دوسرے کی رہنمائی کر دے۔"[3] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے دن حساب کے وقت اہل ایمان اپنے رب کو دیکھیں گے اور اس کا کلام سنیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے پردے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنی مخلوق سے حجاب اور پردے میں ہے لیکن اہل بدعت ان پردوں کا انکار کرتے ہیں۔ حافظ ابن

---

1 الأحزاب 33:44. 2 فتح الباري: 13/531. 3 صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3595.

حجر رحمہ اللہ نے ابن بطال سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد آنکھوں کی وہ آفت ہے جو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے سے مانع ہے اور رفع حجاب کے معنی یہ ہیں کہ اہل ایمان کی آنکھوں سے وہ آفت دور ہو جائے گی۔[1] جبکہ متعدد احادیث سے اللہ تعالیٰ کے لیے پردوں کا ثبوت ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے لیے نور کے پردے ہیں۔ اگر وہ انھیں دور کر دے تو اس کے چہرے کی کرنیں انتہائے نظر تک ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دیں۔''[2] امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''نقض تأسيس الجهمية'' میں ان دلائل کی خوب تردید کی ہے جو منکرین حضرات اس سلسلے میں پیش کرتے ہیں۔ وہ لائق مطالعہ ہے۔ ان نورانی پردوں کا وہی لوگ انکار یا تاویل کرتے ہیں جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہے۔ أَعَاذَنَا اللهُ مِنْهُمْ.

٧٤٤٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ أَنْ يَنْظُرُوا إِلَى رَبِّهِمْ إِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلَى وَجْهِهِ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ». [راجع: ٤٨٧٨]

[7444] حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''دو جنتیں ایسی ہوں گی جو خود، ان کے برتن اور ان کا تمام ساز و سامان چاندی کا ہوگا اور دو جنتیں ایسی ہوں گی کہ وہ خود، ان کے برتن اور ان کا تمام ساز و سامان سونے کا ہوگا۔ اور جنت عدن میں اہل جنت اور اللہ کے دیدار کے درمیان صرف کبریائی کی چادر حائل ہوگی جو ذات باری تعالیٰ کے چہرے پر ہوگی۔''

فوائد و مسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اللہ کے رسول! ہمیں جنت کے متعلق بتائیں وہ کس چیز سے بنائی گئی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی کچھ اینٹیں سونے کی اور کچھ چاندی کی ہیں۔ ان کا گارا بہترین کستوری کا، اس کی کنکریاں قیمتی جواہرات اور اس کی مٹی زعفران کی ہے۔''[3] یہ حدیث پیش کردہ حدیث کے بظاہر معارض ہے۔ اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ پہلی حدیث میں جنت کے برتنوں وغیرہ کا ذکر ہے جبکہ دوسری حدیث میں اس کی تعمیر اور دیواروں کا بیان ہے۔[4] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے چہرے کے آگے کبریائی کی چادر ہے۔ وہ جب چاہے گا کہ اپنے بندوں کو دیدار سے مشرف کرے اس چادر کو منہ سے ہٹا دے گا، پھر اہل جنت اپنے رب سے محو دیدار ہوں گے، جبکہ بعض عقل پرست حضرات ان نورانی پردوں کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کبریائی کی چادر متشابہات میں سے ہے کیونکہ درحقیقت وہاں نہ کوئی چادر ہے اور نہ کوئی چہرہ ہی، اس لیے اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے یا وجہ کی تاویل ذات سے کی جائے اور رِدَاء یعنی چادر اس ذات کی صفت ہے جو مخلوقات کی مشابہت سے پاک صاف ہے۔[5] لیکن یہ تفویض یا تاویل ظاہر نصوص کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ تمام اہل عرب سے زیادہ فصیح تھے۔ آپ ﷺ کے کلام کو ظاہر مفہوم سے پھیر کر

1 فتح الباري: 531/13. 2 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 445 (179). 3 جامع الترمذي، صفة الجنة، حديث: 2526. 4 فتح الباري: 533/13. 5 فتح الباري: 534/13.

کوئی دوسرا معنی مراد لینا فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ پھر ظاہر مفہوم سے ہٹ کر کوئی دوسرا مفہوم مراد لینے کی دلیل چاہیے، جبکہ ہمارے اسلاف نے اسے ظاہر معنی پر ہی محمول کیا ہے اور اسے مبنی بر حقیقت تسلیم کیا ہے۔[1] واضح رہے کہ جنت عدن میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بہت قریب سے ہوگا۔ صرف نورانی پردے ہٹانے سے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکے گا۔ واللّٰہ أعلم۔

٧٤٤٥ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَعْيَنَ وَجَامِعُ بْنُ أَبِي رَاشِدٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنِ اقْتَطَعَ مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينٍ كَاذِبَةٍ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ». قَالَ عَبْدُ اللهِ: ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِصْدَاقَهُ مِنْ كِتَابِ اللهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ﴾ الْآيَةَ [آل عمران: ٧٧]. [راجع: ٢٣٥٦]

[7445] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جھوٹی قسم اٹھا کر کسی مسلمان کا مال ہتھیا لیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہو گا۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے کہا: اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تصدیق کے طور پر درج ذیل آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ''بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض فروخت کر دیتے ہیں تو ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے کلام نہیں کرے گا......''

٧٤٤٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ: رَجُلٌ حَلَفَ عَلَى سِلْعَةٍ لَقَدْ أَعْطَى بِهَا أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَى وَهُوَ كَاذِبٌ، وَرَجُلٌ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ كَاذِبَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، وَرَجُلٌ مَنَعَ فَضْلَ مَاءٍ فَيَقُولُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الْيَوْمَ أَمْنَعُكَ فَضْلِي كَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَا لَمْ تَعْمَلْ يَدَاكَ». [راجع: ٢٣٥٨]

[7446] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا: ایک وہ جس نے کسی سامان کے متعلق قسم اٹھائی کہ اس نے اسے اتنے میں خریدا ہے، حالانکہ وہ جھوٹا ہے۔ دوسرا وہ جس نے عصر کے بعد جھوٹی قسم اس لیے کھائی کہ کسی مسلمان کا مال غصب کر سکے، تیسرا وہ شخص جس نے ضرورت سے زائد پانی، مانگنے والوں کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: آج میں تجھ سے اپنا فضل روک لیتا ہوں جس طرح تو نے ضرورت سے زائد چیز سے دوسروں کو روکا تھا جسے تیرے ہاتھوں نے بنایا بھی نہیں تھا۔''

[1] شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 161/2.

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں کسی کے مال پر ناجائز قبضہ کرنے کی سنگینی بیان ہوئی ہے اگرچہ وہ مقدار میں تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ ایک حدیث میں ہے: ''جو شخص جھوٹی قسم اٹھا کر کسی کا مال غصب کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام اور جہنم کو واجب کر دیا ہے۔'' لوگوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگرچہ وہ معمولی چیز ہو؟ آپ نے فرمایا: ''اگرچہ وہ مسواک ہی ہو۔''[1] مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگرچہ وہ مسواک ہو، اگرچہ وہ مسواک ہو۔''[2] ② دوسری حدیث کے مطابق زائد پانی کو روکنا بھی سخت جرم ہے۔ اس سے مراد وہ پانی ہے جو لوگوں کی کوشش اور ان کے اختیار سے حاصل نہ ہوا ہو جیسا کہ چشموں اور سیلاب کا پانی ہوتا ہے۔ کنوؤں اور نہروں کا پانی مراد نہیں کیونکہ یہ پانی لوگوں کی کوشش سے حاصل ہوتا ہے، اس کے روکنے میں کوئی حرج نہیں۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث سے قیامت کے دن دیدار الٰہی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ ان کے مطابق کسی کے مال پر ناجائز قبضہ جمانے والا جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔ یہ ملاقات دیکھنے اور روبرو ہونے کو متضمن ہے۔ ہمارے اسلاف نے ملاقات کے لفظ سے دیدار الٰہی کے لیے دلیل لی ہے جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ حدیث میں مذکورہ آیت کریمہ سے اس حدیث کی تفسیر بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اس سے ہم کلام ہونے اور اسے دیکھنے سے رکاوٹ کا باعث ہے اور اس کی رضامندی اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے اور اس کے دیدار کا ذریعہ ہے۔ اس بنا پر ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ایسے اسباب کو عمل میں لائے جو اس کی رضا اور خوشی کا باعث ہوں اور ایسے اعمال سے گریز کرے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہوں۔ ④ آیت کریمہ میں جس دیکھنے کی نفی ہے اس سے مراد نظر رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان اور فیضان کا تقاضا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایسے لوگوں سے ہم کلام نہ ہونا اور انھیں نظر رحمت سے نہ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے جرائم پیشہ لوگوں کو سوال اور حساب کتاب کے بغیر ہی جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ان سے منہ پھیر لینا اس پر مستزاد ہوگا۔ قبل ازیں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں بیان ہوا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ براہ راست گفتگو کرے گا اور درمیان میں کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ لیکن مذکورہ احادیث میں بیان شدہ مجرم حدیث عدی سے مستثنیٰ ہوں گے۔ ان سے کلام نہیں کیا جائے گا اور نہ اللہ تعالیٰ انھیں دیکھنا ہی پسند کرے گا۔

٧٤٤٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي

[7447] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''زمانہ اپنی اس قدیم حالت پر گھوم کر آ گیا ہے جس روز سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ماہ کا ہوتا ہے جن میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ تین مسلسل، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم، ایک مضر قبیلے کا رجب جو جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان میں آتا ہے۔ اور یہ کون سا

---

1 صحیح مسلم، التوبة، حدیث: 353 (137)، والمعجم الكبير للطبراني: 192/2. 2 المستدرك للحاكم: 295/4.

بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ، أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟»، قُلْنَا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: «أَلَيْسَ ذَا الْحَجَّةِ؟»، قُلْنَا: بَلٰى، قَالَ: «أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟»، قُلْنَا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: «أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ؟»، قُلْنَا: بَلٰى، قَالَ: «فَأَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟» قُلْنَا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، قَالَ: «أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟» قُلْنَا: بَلٰى، قَالَ: «فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ - قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ:- وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ، أَلَا فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ، أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ يُبَلَّغُهُ أَنْ يَكُونَ أَوْعٰى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهُ».

مہینہ ہے؟" ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے لیکن آپ نے فرمایا: "یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟" ہم نے کہا: کیوں نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا: "یہ کون سا شہر ہے؟" ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ پھر آپ خاموش رہے حتی کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے لیکن آپ نے فرمایا: "کیا بلدۂ طیبہ (مکہ) نہیں ہے؟" ہم نے کہا: کیوں نہیں؟ پھر فرمایا: "یہ کون سا دن ہے؟" ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، پھر آپ خاموش رہے حتی کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، لیکن آپ نے فرمایا: "کیا یہ قربانی کا دن نہیں؟" ہم نے کہا: کیوں نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: "بے شک تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس دن کی حرمت اس مہینے میں اور اس شہر میں ہے۔ اور عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے اور وہ تمھارے اعمال کے متعلق تم سے پوچھے گا۔ دیکھنا تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ خبردار! جو شخص حاضر ہے وہ غائب کو یہ پیغام پہنچا دے۔ ممکن ہے جن کو پیغام پہنچایا جائے وہ براہ راست سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں۔"

فَكَانَ مُحَمَّدٌ إِذَا ذَكَرَهُ قَالَ: صَدَقَ النَّبِيُّ ﷺ، - ثُمَّ قَالَ: «أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟». [راجع: ٦٧]

چنانچہ راوی محمد بن سیرین جب اس کا ذکر کرتے تو کہتے: نبی ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: "خبردار! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے؟ کیا میں نے پہنچا دیا؟"

فوائد و مسائل: ① مشرکین مکہ اپنی مرضی سے مہینوں کو آگے پیچھے کر لیتے تھے، اسی طرح حرمت والے مہینے کو اپنے لیے حلال اور اس کی جگہ کسی دوسرے مہینے کو حرمت والا قرار دے لیتے، اس عمل کو نسیء قرار دیا گیا۔ قرآن کریم نے اس عمل کو کفر

میں زیادتی کہا ہے، حتی کہ انھوں نے حرمت والے مہینوں کی تخصیص بھی ختم کر دی تھی۔ وہ سال کے مطلق چار مہینوں کو حرام قرار دے لیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حج کیا تو اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ حرام مہینے اپنے اصل حال پر لوٹ آئے تھے اور حج ذوالحجہ کے مہینے ہی میں ہوا تھا۔ حدیث کے آغاز میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، نیز رجب کو قبیلۂ مضر کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ یہ قبیلہ اس مہینے کا بہت احترام کرتا تھا۔ ② چونکہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ سے ملنے کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے دیدار الٰہی کو ثابت کیا ہے۔ انھوں نے ان احادیث سے مختلف انداز میں رؤیت باری تعالیٰ کو ثابت فرمایا ہے جبکہ معتزلہ نے اپنی عقل کے بل بوتے پر اس کا انکار کیا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ آیات بھی پیش کی جاتی ہیں جن سے وہ اپنے خیال کے مطابق اپنا مدعا ثابت کرتے ہیں اور اپنے انکار کے لیے جواز مہیا کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''نگاہیں اسے نہیں پا سکتیں جبکہ وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے۔''[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر اس آیت کو اسی مقصد کے لیے پیش کیا تھا۔[2] بلاشبہ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان دنیا میں ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا، البتہ قیامت کے دن اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے ضرور محو دیدار ہوں گے جیسا کہ کئی احادیث سے ثابت ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، نیز اس آیت میں ''ادراک'' کی نفی ہے جس کے معنی کسی چیز کی حقیقت معلوم کرنا ہیں، البتہ رؤیت اور چیز ہے۔ ③ منکرین رؤیت ایک دوسری آیت بھی اپنی مقصد برآری کے لیے پیش کرتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باری تعالیٰ کو دیکھنے کی خواہش کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔''[3] لیکن اس آیت سے بھی مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ واقعی اس فانی دنیا میں ان فانی آنکھوں سے اس زندۂ جاوید ہستی کا دیدار ناممکن ہے لیکن جب یہ فانی دنیا تبدیل ہو جائے گی اور انسانی ساخت بالخصوص اس کی آنکھوں میں تبدیلی لائی جائے گی تو وہ دیدار الٰہی کی متحمل ہو سکیں گی، چنانچہ اُخروی زندگی میں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہونا بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ ④ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے رؤیت باری تعالیٰ سے متعلق بیس (20) سے زیادہ احادیث جمع کی ہیں، پھر امام ابن قیم رحمہ اللہ نے حادی الارواح میں ان کی پیروی کرتے ہوئے تیس (30) احادیث جمع کی ہیں۔ ان میں سے اکثر کی سندیں جید ہیں۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، انھوں نے فرمایا: رؤیت باری تعالیٰ سے متعلق میرے پاس سترہ (17) صحیح احادیث موجود ہیں۔[4] حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک مسلمان کے لیے یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اہل ایمان قیامت کے دن میدان محشر میں اپنے رب کو ضرور دیکھیں گے، پھر جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی دیدار الٰہی نصیب ہوگا جیسا کہ متعدد متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا کہ ہم قیامت کے دن اپنے رب کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہیں یا سورج کو دوپہر کے وقت دیکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں کوئی دقت یا مشقت محسوس نہیں ہوگی۔[5] استاد محترم شیخ عبداللہ بن محمد الغنیمان نے منکرین رؤیت کے عقلی اور نقلی دلائل ذکر کیے ہیں، پھر ان کا شافی جواب دیا ہے۔ خوف طوالت سے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

---

1 الأنعام 103:6. 2 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3068. 3 الأعراف 143:7. 4 فتح الباري: 536/13.
5 مجموع الفتاوى: 485/6.

(٢٥) بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ [الأعراف: ٥٦]

باب: 25- ارشاد باری تعالیٰ: ''یقیناً اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے'' کا بیان

وضاحت: صفات باری تعالیٰ کی دو قسمیں ہیں: ○ صفات ذاتیہ۔ ○ صفات فعلیہ۔ صفات ذاتیہ سے مراد وہ صفات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا، جیسے: العلم، القدرة، السمع، البصر، العلو اور العظمة وغیرہ۔ صفات فعلیہ سے مراد وہ صفات ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے سے ہے۔ وہ چاہے تو کرے، چاہے تو نہ کرے جیسا کہ آسمان دنیا پر نزول فرمانا۔ صفت رحمت کی بھی دو قسمیں ہیں: صفت ذات جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔''[1] صفت فعل، یہ صفت ذاتی رحمت کا نتیجہ ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جب کوئی تکلیف پہنچنے کے بعد ہم انھیں اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو پھر ہماری نشانیوں میں چالبازیاں شروع کر دیتے ہیں۔ کہہ دیجیے! اللہ تعالیٰ چال چلنے میں سب سے زیادہ تیز ہے۔''[2] مذکورہ آیت کریمہ میں رحمت کا اطلاق مخلوق پر ہوتا ہے۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاں رحمت سے مراد جنت ہے جو نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔ واللہ أعلم۔

٧٤٤٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أُسَامَةَ قَالَ: كَانَ ابْنٌ لِبَعْضِ بَنَاتِ النَّبِيِّ ﷺ يَقْضِي، فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ أَنْ يَأْتِيَهَا، فَأَرْسَلَ: «إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ، وَلِلَّهِ مَا أَعْطَى، وَكُلٌّ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ»، فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ فَأَقْسَمَتْ عَلَيْهِ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقُمْتُ وَمَعَهُ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَعُبَادَةُ ابْنُ الصَّامِتِ، فَلَمَّا دَخَلْنَا نَاوَلُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ الصَّبِيَّ، وَنَفْسُهُ تَقَلْقَلُ فِي صَدْرِهِ - حَسِبْتُهُ قَالَ: - كَأَنَّهَا شَنَّةٌ، فَبَكَى رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَقَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ: أَتَبْكِي؟ فَقَالَ: «إِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ». [راجع: ١٢٨٤]

[7448] حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کی ایک صاحبزادی کا بیٹا فوت ہو رہا تھا تو انھوں نے آپ ﷺ کو تشریف لانے کے لیے پیغام بھیجا۔ آپ ﷺ نے جواب بھیجا: ''اللہ ہی کا تھا جو اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر شے ایک مقرر حد تک کے لیے ہے۔ انھیں چاہیے کہ صبر کریں اور ثواب کی امید رکھیں۔'' صاحبزادی نے دوبارہ پیغام بھیجا اور آپ کو قسم دی کہ ضرور تشریف لائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اٹھے اور میں بھی آپ کے ساتھ چلا۔ حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم بھی ساتھ روانہ ہوئے۔ جب ہم صاحبزادی کے گھر داخل ہوئے تو اہل خانہ نے بچے کو رسول اللہ ﷺ کی گود میں دے دیا۔ اس وقت بچے کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ وہ پرانی مشک کی طرح تھا، رسول

1 الأعراف 7:156۔ 2 یونس 10:21۔

اللہ ﷺ بچے کی حالت دیکھ کر رو پڑے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ رو رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بس اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے اپنے رحم کرنے والے بندوں پر۔"

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس امر کو بیان کرنا ہے کہ بعض اوقات رحمت کا اطلاق مخلوق پر ہوتا ہے اور یہ اس رحمت کا نتیجہ ہوتا ہے جو رحمت صفتِ باری تعالیٰ ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا: "یہ اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہے جسے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اپنے انھی بندوں پر رحم کرتا ہے جو رحم دل ہوتے ہیں۔"[1] اگرچہ مذکورالفاظ پیش کردہ حدیث میں نہیں ہیں، تاہم امام بخاری رحمہ اللہ نے حسب عادت اس حدیث کی طرف مذکورہ حدیث سے اشارہ کیا ہے۔ بلاشبہ رحمت الٰہی مخلوق بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کا نتیجہ ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: "وہی تو ہے جس نے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے والی بنا کر بھیجا۔"[2] نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "اللہ تعالیٰ نے ایک سو رحمت پیدا کی ہے، صرف ایک رحمت کو اپنی مخلوق میں رکھا باقی ننانوے (99) رحمتیں اپنے پاس محفوظ رکھی ہیں۔"[3] ② حدیث میں جنت کو بھی رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ وہ جنت اہل ایمان سے بہت قریب ہے۔ جنت اور ان کے درمیان صرف موت حائل ہے۔ جونہی ان کی ارواح، اجسام سے پرواز کریں گی ان کا مقام اور ٹھکانا جنت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو جنت الفردوس اور جنت عدن نصیب کرے۔ آمین، یارب العالمین۔

٧٤٤٩ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اخْتَصَمَتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ إِلَى رَبِّهِمَا، فَقَالَتِ الْجَنَّةُ: يَا رَبِّ! مَا لَهَا لَا يَدْخُلُهَا إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ؟ وَقَالَتِ النَّارُ - يَعْنِي -: أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِينَ، فَقَالَ اللهُ تَعَالَى لِلْجَنَّةِ: أَنْتِ رَحْمَتِي، وَقَالَ لِلنَّارِ: أَنْتِ عَذَابِي أُصِيبُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ، وَلِكُلٍّ وَاحِدَةٍ مِنْكُمَا مِلْؤُهَا، قَالَ: فَأَمَّا الْجَنَّةُ فَإِنَّ اللهَ لَا يَظْلِمُ مِنْ خَلْقِهِ أَحَدًا، وَإِنَّهُ يُنْشِئُ لِلنَّارِ مَنْ

[7449] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جنت اور دوزخ نے اپنے رب کے پاس جھگڑا کیا۔ جنت نے کہا: اے میرے رب! اس کا کیا حال ہے کہ اس میں صرف کمزور لوگ اور گرے پڑے فقیر ہی داخل ہوں گے؟ دوزخ نے کہا: اے میرے رب! میں تو متکبرین کے لیے خاص کی گئی ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے۔ دوزخ سے فرمایا: تو میرا عذاب ہے۔ تیرے ذریعے سے میں جسے چاہوں گا عذاب دوں گا۔ تم دونوں میں سے ہر ایک کو بھرنا ہے۔ جہاں تک جنت کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور دوزخ

[1] صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7377. [2] الفرقان 25:48. [3] صحيح مسلم، التوبة، حديث: 6973 (2752).

يَشَاءُ فَيُلْقَوْنَ فِيهَا فَتَقُولُ: هَلْ مِنْ مَزِيدٍ؟ ثَلَاثًا، حَتَّى يَضَعَ فِيهَا قَدَمَهُ فَتَمْتَلِئُ، وَيُرَدُّ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ وَتَقُولُ: قَطْ، قَطْ، قَطْ». [راجع: ٤٨٤٩]

کے لیے جو چاہے گا (موقع پر) پیدا کر دے گا پھر انھیں دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ اس کے بعد بھی دوزخ کہے گی: ابھی اور بھی گنجائش ہے۔ تین بار ایسا ہوگا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں اس میں رکھ دے گا تو وہ بھر جائے گی، اس کے کچھ حصے دوسروں سے مل جائیں گے اور وہ کہے گی: بس، بس اور بس (میں اب بھر گئی ہوں)۔"

فوائد ومسائل: (1) اللہ تعالیٰ کے حضور جنت اور دوزخ کا جھگڑنا حقیقت پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان میں شعور، تمیز اور قوت گویائی پیدا فرمائے گا۔ ایسا کرنا صرف جنت یا دوزخ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ پہاڑ بھی حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی صراحت ہے بلکہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے لیکن ہم اس تسبیح کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ساتوں آسمان، زمین اور جو (مخلوق) بھی ان میں ہے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں بلکہ کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔''[1] (2) امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ بعض اوقات رحمت کا اطلاق مخلوق پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: ''تو میری رحمت ہے'' اور جنت اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے اور یہ اس رحمت کا نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور جنت اللہ تعالیٰ کے مخلص اور نیکوکار بندوں کے بہت قریب ہے۔ ایک روایت میں ہے: جنت میں بے شمار مخلوق کو داخل کرنے کے بعد بھی اس کی بہت سی جگہ بچ رہے گی تو اسے بھرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اس وقت کوئی مخلوق پیدا فرمائے گا اور اسے جنت کے باقی ماندہ حصے میں ٹھہرائے گا۔[2] نیز صحیح مسلم میں ہے: ''اللہ تعالیٰ جنت کو بھرنے کے لیے وہاں کوئی مخلوق پیدا کرے گا۔''[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر میں بھی انھی الفاظ سے اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کو بھرنے کے لیے وہاں کوئی مخلوق پیدا کرے گا۔[4] لیکن پیش کردہ روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو بھرنے کے لیے کسی مخلوق کو پیدا کرے گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم بھرنے کا قاعدہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''حق بات یہ ہے اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں کہ میں جہنم کو تجھ سے اور ان سب لوگوں سے بھر دوں گا جو تیری پیروی کریں گے۔''[5] (3) اس آیت کریمہ کے پیش نظر علمائے امت نے مذکورہ حدیث صحیح بخاری کے متعلق دو مختلف موقف اختیار کیے ہیں: علامہ کرمانی رحمہ اللہ صحیح بخاری کی اس حدیث کا دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جو شخص گناہ گار نہ ہو اسے عذاب دینے میں کچھ حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر اسے عذاب دے تو عدل کے منافی نہیں، وہ جو چاہے کر سکتا ہے، لیکن ہمیں اس موقف سے اختلاف ہے کیونکہ ایسا کرنا اس کی شان کریمی کے خلاف ہے۔ اس نے خود پر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔[6] اور دوسرے مقام پر فرمایا: ''اور تیرا رب کسی پر (ذرہ بھر بھی) ظلم نہیں کرے گا۔''[7] البتہ انعام کی کچھ اور بات ہے، وہ نافرمان پر کیا جا سکتا ہے لیکن بے گناہ کو عذاب دینا کرم الٰہی کے لائق نہیں۔ دوسرا موقف ہے کہ حدیث کے راویوں سے خطا ہوئی ہے۔ انھوں نے معاملہ الٹ کر

---

1 بني إسرائيل 17:44. 2 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7384. 3 صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، حديث: 7175 (2846). 4 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4850. 5 صٓ 38:84، 85. 6 الأنعام 6:54. 7 الكهف 18:49.

کے بیان کیا ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جنت کو بھرنے کے لیے موقع پر اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو پیدا کرے گا، لیکن راویوں نے سہواً جنت کے بجائے جہنم کا ذکر کر دیا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ کا دفاع کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں متعدد مقامات پر یہ حدیث بیان کی ہے کہ جنت کے لیے اپنی مخلوق پیدا کرے گا، جبکہ مذکورہ روایت اس کے برعکس ہے کہ جہنم کے لیے موقع پر کوئی مخلوق پیدا کرے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد راویوں کے وہم کی نشاندہی کرنا ہے جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ جب کسی راوی سے غلط بیانی ہو جائے تو صحیح روایات کو بیان کر کے اس کی غلطی کو واضح کرتے ہیں، اس مقام پر بھی ایسا ہوا ہے۔[2] ④ ہمارا رجحان بھی یہی ہے کہ مذکورہ روایت میں قلب واقع ہوا ہے کیونکہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی طرف رسول بھیج کر اتمام حجت کرتا ہے، پھر اصرار و انکار پر قیامت کے دن انھیں عذاب دے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیا کرتے جب تک اپنا رسول نہ بھیج لیں۔''[3] نیز فرمایا: ''جب جہنم میں کوئی گروہ پھینکا جائے گا تو دوزخ کے محافظ ان سے پوچھیں گے: کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! یقیناً ڈرانے والا تو ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے اسے جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے کچھ نہیں اتارا، تم ہی بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔''[4] بہرحال راویوں کی طرف وہم کی نسبت کرنا اس موقف سے کہیں آسان ہے کہ اسے اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کی شان کریمی پر حرف آئے۔ واللہ أعلم.

٧٤٥٠ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَيُصِيبَنَّ أَقْوَامًا سَفْعٌ مِنَ النَّارِ بِذُنُوبٍ أَصَابُوهَا عُقُوبَةً، ثُمَّ يُدْخِلُهُمُ اللهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ، يُقَالُ لَهُمْ: الْجَهَنَّمِيُّونَ».

[راجع: ٦٥٥٩]

[7450] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کچھ لوگ ان گناہوں کی پاداش میں جو انھوں نے کیے ہوں گے آگ سے جھلس جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے فضل سے انھیں جنت میں داخل کرے گا۔ ایسے لوگوں کو جہنمی کہا جائے گا۔''

وَقَالَ هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ہمام نے کہا: ہمیں قتادہ نے خبر دی، انھوں نے کہا: مجھ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے حوالے سے بیان کیا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ایسے اہل ایمان دوزخ میں جائیں گے کہ جب انھیں اللہ تعالیٰ جہنم سے محض اپنے فضل و کرم سے نکالے گا تو شعلوں کی لپیٹ سے ان کے رنگ سیاہ ہو چکے ہوں گے، پھر بطور علامت ان کی گردنوں میں علامت رہنے دی جائے گی اور اس وجہ سے اہل جنت انھیں جہنمی کہیں گے۔ بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ بالآخر ان کے اصرار پر اس علامت کو ختم کر دیا جائے گا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ وہ لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے تو جنت کا استحقاق نہیں رکھیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ انھیں محض اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل فرمائے گا۔ ان کے گزرد

1 حادي الأرواح، ص: 295. 2 منهاج السنة: 3/25. 3 بني إسرائيل 17: 15. 4 الملك 67: 8، 9.

ایمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے قریب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ انھیں وہاں سے نکال لے گا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت اس کی قدیمی صفت ہے، البتہ اس رحمت کا تعلق ایسے لوگوں سے حادث ہوگا۔ واللہ أعلم۔ ③ واضح رہے کہ مذکورہ روایت میں قتادہ راوی مدلس ہے اور اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے "عن" سے روایت بیان کی ہے۔ اس سے تدلیس کا شبہ ہوسکتا تھا، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں ایک تعلیق بیان کر کے اس شبہ کو دور فرمایا ہے کیونکہ اس روایت میں قتادہ نے تحدیث کی صراحت کی ہے۔ اس معلق روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

(٢٦) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ يُمْسِكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ أَن تَزُولَا﴾ [فاطر: ٤١]

باب: 26- ارشاد باری تعالیٰ: "یقیناً اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ کہیں سرک (اپنی جگہ سے ہٹ) (نہ) جائیں" کا بیان

وضاحت: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے الفاظ سے پورا نظام کائنات مراد لیا ہے اور یہ اس قدر پیچیدہ ہے کہ سائنس کے آئے دن انکشافات کے باوجود انسان کے لیے محیر العقول بنا ہوا ہے، یعنی نظام شمسی کے تمام سیارے فضا میں پوری قوت کے ساتھ گھومنے کے باوجود ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں ہیں اور نہ ان کی رفتار ہی میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ یہ باتیں انسان کو یہ اعتراف کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں کہ اس نظام کو بنانے والی، جاری رکھنے والی اور کنٹرول کرنے والی ہستی انتہا درجے کی دانشور، مدبر اور صاحب اختیار و اقتدار ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس عنوان سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح صفات ذات سے متصف ہے اسی طرح صفات افعال سے بھی متصف ہے اور وہ اپنے افعال میں بااختیار ہے، اگر چاہے تو کرے اور اگر چاہے تو نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال دو طرح کے ہیں: * متعدی، مثلاً: رزق دینا، زندہ کرنا، مارنا اور پیدا کرنا وغیرہ۔ * لازم، مثلاً: آنا، اترنا، قرار پکڑنا، وغیرہ۔ اس عنوان سے مقصود جنس افعال کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرنا ہے جیسا کہ اس آیت میں ﴿إمساك﴾ کی صراحت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال بھی غیر مخلوق ہیں، البتہ اس کا مخلوق سے تعلق حادث ہوتا ہے جبکہ معتزلہ اور جہمیہ کا موقف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال بھی مخلوق ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ۔

٧٤٥١ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: جَاءَ حَبْرٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ اللهَ يَضَعُ السَّمَاءَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْأَرْضَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالْجِبَالَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَالشَّجَرَ وَالْأَنْهَارَ عَلَى إِصْبَعٍ، وَسَائِرَ الْخَلْقِ

[7451] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک یہودی عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے محمد! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمین کو ایک انگلی پر، پہاڑوں کو ایک انگلی پر، درخت اور نہریں ایک انگلی پر اور دیگر تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھے گا، پھر اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہے گا: میں ہی

[1] صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6559.

عَلٰى إِصْبَعٍ، ثُمَّ يَقُولُ بِيَدِهِ: أَنَا الْمَلِكُ. فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَالَ: «﴿وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ [الزمر:٦٧]». [راجع: ٤٨١١]

بادشاہ ہوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس دیے اور (بطور تصدیق) یہ آیت پڑھی: ''اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔''

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی عنوان سے مطابقت ان الفاظ میں بیان کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی سے روک لے گا اور زمینوں کو دوسری انگلی پر...''[1] یعنی آیت اور حدیث میں آسمانوں اور زمین کو روک لینے کا ذکر ہے۔[2] ② ہمارے نزدیک امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ایسی ہیں جن سے باری تعالیٰ ازل سے ابد تک متصف ہے جیسا کہ سمع، بصر اور علم وغیرہ اور بعض صفات ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے پر موقوف ہیں۔ ان میں سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک صفت کا ذکر کیا ہے کہ وہ زمین و آسمان کو تھامے ہوئے ہے، پھر ایک وقت آئے گا کہ انھیں اپنی انگلیوں پر رکھ کر جھٹکا دے گا اور کہے گا: میں ہی بادشاہ ہوں۔ آج متکبر و جبار اور بادشاہ کہاں ہیں؟ ③ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان برسرعام کرتے تھے اور سامعین کو سمجھانے کے لیے عملی مظاہرہ بھی کرتے تھے جبکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ صفات کا بیان عام لوگوں کے سامنے نہ کیا جائے، حالانکہ یہ موقف سیرت نبوی کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے آیت کریمہ یہودی عالم کے بیان کی تصدیق کے لیے تلاوت فرمائی کیونکہ اس آیت میں قیامت کے دن زمین و آسمان کی وہی کیفیت بیان ہوئی ہے جسے یہودی عالم نے اپنے انداز سے بیان کیا تھا۔[3]

(٢٧) بَابُ مَا جَاءَ فِي تَخْلِيقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْخَلَائِقِ

باب: 27- آسمان و زمین اور ان کے علاوہ دیگر مخلوقات کی پیدائش کا بیان

وَهُوَ فِعْلُ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَأَمْرُهُ، فَالرَّبُّ بِصِفَاتِهِ وَفِعْلِهِ وَأَمْرِهِ، وَهُوَ الْخَالِقُ هُوَ الْمُكَوِّنُ غَيْرُ مَخْلُوقٍ، وَمَا كَانَ بِفِعْلِهِ وَأَمْرِهِ وَتَخْلِيقِهِ وَتَكْوِينِهِ فَهُوَ مَفْعُولٌ وَمَخْلُوقٌ وَمُكَوَّنٌ.

یہ تخلیق اللہ تعالیٰ کا فعل اور اس کا امر ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنی صفات، فعل اور امر سمیت خالق اور مکوّن ہے، مخلوق نہیں۔ اور جو کچھ اس کے فعل، امر، تخلیق اور تکوین کے سبب پیدا ہوا وہ مفعول، مخلوق اور مکوّن ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت کتاب التوحید کا پانچواں مسئلہ بیان کیا ہے جو اہل کلام کے ہاں مسئلۂ تکوین کے نام سے مشہور ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شارح صحیح بخاری علامہ ابن بطال کے حوالے سے اس عنوان کا مقصد ان

1 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7414. 2 فتح الباري: 541/13. 3 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 202/2.

الفاظ میں بیان کیا ہے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے کیونکہ ان کا محکم انتظام کرنا اور انھیں روزی پہنچانا ایسے امور ہیں جو ان کے حادث ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور عقلاً بھی یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں۔ اور یہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ یہ کہنا سراسر بے بنیاد ہے کہ اس عالم کا خالق سات افلاک، ظلمت و نور یا عرش یا فطرت ہے۔ کچھ لوگ اس کائنات کو محض اتفاق پر محمول کرتے ہیں۔ یہ سب گمراہ کن باتیں ہیں کیونکہ پیدا کرنے والے کے بغیر کسی چیز کا پیدا ہونا محال ہے جیسا کہ ضارب کے بغیر ضرب اور مضروب کا وجود محال ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں جیسا کہ قرآن کریم سے اس کی تائید میں متعدد آیات پیش کی جا سکتی ہیں،[1] جبکہ عنوان کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس عنوان سے کچھ اور بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے رجحان کے مطابق تخلیق اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور کلمۂ کن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اس کی صفات بھی قدیم ہیں، نیز اس کے افعال بھی قدیم ہیں اگرچہ مخلوق کے ساتھ اس کا تعلق حادث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ، جب مخلوق نہ تھی تو بھی خالق تھا۔ کچھ اہل کلام کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال حادث ہیں کیونکہ اگر یہ قدیم ہوں تو اس سے مخلوق کا قدیم ہونا لازم آتا ہے۔ علمائے سلف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ تکوین، یعنی اللہ تعالیٰ کے افعال قدیم ہیں لیکن ان کا مخلوق سے تعلق حادث ہے، چنانچہ ازل میں اللہ تعالیٰ کی صفت خلق تھی لیکن مخلوق کا وجود نہ تھا اللہ تعالیٰ صفت رزق سے متصف تھا لیکن کوئی مرزوق نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے جملہ افعال، اس کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے علاوہ دیگر سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے اہل سنت کا مذہب ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات، خواہ ذاتی ہوں، جیسے: علم، قدرت یا فعلی ہوں، جیسے: خلق اور نزول وغیرہ، یہ سب غیر مخلوق ہیں اور ان افعال کے نتیجے میں جو اشیاء معرض وجود میں آئیں گی وہ مفعول اور مخلوق ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کلمۂ کن بھی غیر مخلوق ہے اور اس کلمے کے نتیجے میں جو کائنات پیدا ہوگی وہ مخلوق ہے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی دو قسمیں ہیں: ○ لازم۔ ○ متعدی۔ لازم سے مراد وہ افعال ہیں جن کا تعلق صرف باری تعالیٰ سے ہے، مثلاً: نزول اور آنا وغیرہ۔ متعدی سے مراد وہ افعال ہیں جن کا تعلق ذات باری کے علاوہ کسی اور سے بھی ہوتا ہے، مثلاً: خلق اس کا تعلق مخلوق سے اور رزق کا تعلق مرزوق سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال، خواہ لازم ہوں یا متعدی، وہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے اس کی صفات بھی قدیم ہیں، البتہ متعدی افعال کا تعلق جب مخلوق سے ہوتا ہے تو وہ تعلق حادث ہے۔ واللہ اعلم۔

٧٤٥٢ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: أَخْبَرَنِي شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ ابْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ:

[7452] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک رات حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رہا جبکہ اس رات نبی ﷺ بھی ان کے پاس موجود تھے۔ وہاں رات

1 فتح الباري: 13/544,543.

بِتُّ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ لَيْلَةً وَالنَّبِيُّ ﷺ عِنْدَهَا، لِأَنْظُرَ كَيْفَ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ ﷺ [بِاللَّيْلِ]، فَتَحَدَّثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَعَ أَهْلِهِ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ، فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْأَخِيرُ أَوْ بَعْضُهُ قَعَدَ فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَرَأَ: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ [آل عمران: ١٩٠] ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ وَاسْتَنَّ، ثُمَّ صَلَّى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى لِلنَّاسِ الصُّبْحَ. [راجع: ١١٧]

گزارنے کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز دیکھنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کچھ وقت تو اپنی زوجۂ محترمہ سے محو گفتگو رہے، پھر سو گئے۔ جب رات کا آخری تہائی حصہ یا کچھ حصہ باقی رہ گیا تو آپ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی: ''بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (رات اور دن کے باری باری آنے جانے میں) اہل عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔'' پھر اٹھ کر آپ نے وضو فرمایا اور مسواک کی، اس کے بعد گیارہ رکعتیں پڑھیں۔ پھر حضرت بلال ؓ نے نماز کے لیے اذان دی تو آپ ﷺ نے دو رکعت (سنت فجر) پڑھیں، پھر باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ جب نماز تہجد کے لیے اٹھے تو آپ ﷺ نے زمین و آسمان کی تخلیق اور ان میں غور و فکر کرنے سے متعلق آیات تلاوت فرمائیں۔ امام بخاری ؒ نے انھی آیات سے اپنا عنوان ثابت کیا ہے جبکہ مادہ پرست حضرات کا خیال ہے کہ مادے کے اجزا آپس میں ملتے گئے اور کائنات کی ایک ایک چیز وجود میں آتی گئی۔ ان کا کوئی خالق نہیں۔ ہائیڈروجن کے ذرات ملنے سے سورج بن گیا اور وہ خود بخود گھومنے لگا، پھر اس سے ایک حصہ کٹ کر علیحدہ ہوا تو وہ زمین بن گئی، دیر تک یہ حصہ پڑا رہنے سے جب ٹھنڈا ہوا تو استعمال کے قابل زمین بن گئی۔ جب زمین نے گھومنا شروع کیا تو اس کا ایک حصہ کٹ کر علیحدہ ہوا تو وہ چاند بن گیا اور اسی طرح دوسرے سیارے وجود میں آتے گئے۔ اس طرح محض اتفاق سے کائنات کی ایک ایک چیز بن گئی، پھر اتفاق سے یہ کائنات تباہ ہو جائے گی اور تباہی کے بعد پھر اجزا ملنے شروع ہو جائیں گے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا جبکہ امام بخاری ؒ کو اس موقف سے اتفاق نہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے فعل خلق کا ذکر ہے اور اس فعل کا نتیجہ آسمانوں اور زمین کا پیدا ہونا ہے جو مخلوق ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے اور خلق اس کا فعل ہے جس سے وہ ازل سے متصف ہے اور اس فعل کا تعلق آسمانوں اور زمین سے حادث ہے۔ ② ان آیات میں ہے کہ عقل مند لوگ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ بچار کرتے ہیں اور پکار کر عرض کرتے ہیں: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا﴾ ''اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔''[1] بہر حال کائنات، کائنات کا خالق اور اس کائنات میں انسان کا مقام یہ تینوں ایسی چیزیں ہیں جن میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اگر ہم نے وحی الٰہی سے بے نیاز ہو کر ان کے متعلق سوچ بچار کی تو جگہ جگہ ٹھوکریں کھانے کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ وحی الٰہی سے پتا چلتا ہے کہ کائنات کا کوئی خالق ہے جو اسے مستحکم اور ٹھوس بنیادوں پر چلا رہا ہے اور

[1] آل عمران 3:191.

یہ ہے مقصد نہیں بلکہ ایک اہم مقصد کے لیے اسے وجود میں لایا گیا اور وہ ہے انسان کی خدمت۔ اور انسان کو پیدا کرنے کا مقصد اللہ کی عبادت ہے اور عبادت کا مفہوم اس قدر وسیع اور جامع ہے کہ اس میں ہر طرح کے شرک کا رد، توحید کی اہمیت، قانونِ سزا و جزا جنت و دوزخ بلکہ پوری کی پوری شریعت اس میں آ جاتی ہے۔

(٢٨) بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ﴾ [الصافات: ١٧١]

باب: 28- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور بلاشبہ یقیناً ہمارے بھیجے ہوئے بندوں (رسولوں) کے لیے ہماری بات پہلے سے ہو چکی'' کا بیان

وضاحت: مضمون سے متعلقہ آیات حسب ذیل ہیں: ''اور ہمارے بندے جو رسول ہیں ان کے حق میں پہلے ہی ہماری بات صادر ہو چکی ہے کہ بے شک وہ، یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور بے شک ہمارا لشکر، یقیناً وہی غالب رہے گا۔''[1] اس غلبے سے مراد صرف سیاسی غلبہ ہی نہیں بلکہ اس سے مراد اخلاقی اقدار اور دین کی اصولی باتوں کا غلبہ ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن قوموں نے حق کی مخالفت کی وہ بلآخر تباہ ہو گئیں مگر جن حقائق کو ہزارہا برس سے اللہ تعالیٰ کے انبیاء ﷺ پیش کرتے رہے وہ پہلے بھی اٹل تھے اور آج بھی اٹل ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کلام ہے جو غیر مخلوق ہے اور اس صفت کا تعلق ذات سے بھی ہے اور افعال سے بھی۔ جب اس کا تعلق افعال سے ہوگا تب بھی یہ صفت قدیم ہو گی، البتہ مخلوق سے اس کا تعلق حادث ہوگا، چنانچہ مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور کلام زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے کے ہیں جیسا کہ آئندہ احادیث سے اس امر کی مزید وضاحت ہوگی۔ دراصل محدثین کی تائید میں امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ موقف ہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے۔ یہ اور آئندہ ابواب بطور تمہید کے قائم کیے ہیں۔ واللہ أعلم.

٧٤٥٣ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَمَّا قَضَى اللهُ الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ: إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي». [راجع: ٣١٩٤]

[7453] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر لیا تو عرش کے اوپر اپنے پاس یہ لکھا: میری رحمت میرے غضب سے آگے بڑھ گئی ہے۔''

فوائد و مسائل: [1] امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ تحریر جو اللہ تعالیٰ نے کائنات کے پیدا کرنے سے پہلے لکھی تھی، اس میں یہ لکھا تھا کہ ہمارے بندے جو رسول ہیں (اخلاقی اعتبار سے) ضرور غالب رہیں گے۔ یہ تحریر انبیاء ﷺ اور ان کی قوموں سے پہلے لکھی گئی تھی، اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ، یعنی اس کا کلام غیر مخلوق ہے، البتہ اس کا تعلق بندوں سے حادث ہے۔ [2] اللہ تعالیٰ کا اپنے

1 الصافات 37: 171-173.

بندوں کی مدد کرنا اس رحمت کا نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رحمت اور غضب قدیم صفات ہیں اور دونوں صفات فعل سے ہیں صفاتِ ذات سے نہیں اور دونوں فعلوں میں سے ایک کی دوسرے پر سبقت جائز ہے کیونکہ رحمت کا تقاضا ہے کہ دوسروں کو خیر و بھلائی سے نوازا جائے جبکہ غضب بندے کی نافرمانی کے باعث وجود میں آتا ہے، لہٰذا یہ دونوں صفات فعل ہونے کے باوجود ایک کا دوسرے سے سبقت کرنا جائز ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٧٤٥٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ: «إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا وَأَرْبَعِينَ لَيْلَةً، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَهُ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَهُ. ثُمَّ يُبْعَثُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيُؤْذَنُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، فَيَكْتُبُ: رِزْقَهُ، وَأَجَلَهُ، وَعَمَلَهُ، وَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ. ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى لَا يَكُونُ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُ النَّارَ، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا». [راجع: ٣٢٠٨]

[7454] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا جو صادق و مصدوق ہیں: ''تم میں سے ہر ایک کی پیدائش اس طرح ہے کہ اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن اور چالیس رات نطفہ جمع رہتا ہے، پھر وہ اسی طرح جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اتنے ہی دنوں میں گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔ پھر اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے اور اسے چار چیزوں کا حکم ہوتا ہے۔ وہ اس کا رزق، اس کی موت، اس کا عمل اور اس کا نیک یا بد ہونا لکھ لیتا ہے۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ بے شک تم میں سے ایک اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس کی تقدیر غالب آ جاتی ہے اور وہ اہل جہنم کے سے عمل کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص اہل جہنم کے سے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو تقدیر غالب آ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ اہل جنت کے سے عمل کرنے لگتا ہے، پھر وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① انسان اپنی پیدائش سے پہلے جن مراحل سے گزرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی بیان کیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا، پھر ہم نے اسے محفوظ مقام (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا، پھر نطفے کو لوتھڑا (جما ہوا خون) بنایا، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا، پھر بوٹی کو ہڈیاں بنایا، پھر ہم نے ہڈیوں پر کچھ گوشت چڑھایا،

پھر ہم نے اسے ایک اور ہی صورت میں پیدا کر دیا، پس بڑا بابرکت ہے اللہ جو سب بنانے والوں سے بہتر بنانے والا ہے۔"[1] ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے اعمال وکردار سے اس کی تقدیر لکھ دی جاتی ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت بہت وسیع ہے اور اس نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے اور وہ اشیء کی حقیقت ان کی پیدائش سے پہلے جانتا ہے، نیز اس نے ہر چیز کو اپنے ہاں لکھ رکھا ہے۔ آئندہ وقوع پذیر ہونے والے حوادث اس تقدیر کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں جس تقدیر کے لکھنے کا ذکر ہے یہ اس لکھی ہوئی تقدیر سے علیحدہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کائنات سے پہلے لکھ رکھا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "کوئی بھی مصیبت جو زمین میں آتی ہے یا خود تمھارے نفوس کو پہنچتی ہے وہ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ہی ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔"[2] ④ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے کائنات میں ہونے والے واقعات تحریر کر لیے تھے۔"[3] اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور واقعات کی تحریر انسان کے ارادے اور اختیار کے منافی نہیں۔ بہرحال اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ اہل سعادت کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ کی رحمت نے انھیں اپنے گھیرے میں لے لیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اندازہ ٹھہرا لیا اور اسے اپنے پاس لکھ لیا، پھر عمل کی توفیق دی اور اس کے لیے اسباب اور ذرائع پیدا کیے، گویا یہ تمام مراحل درج ذیل آیت کا حصہ ہیں جسے امام بخاری ؒ نے بطور عنوان منتخب کیا ہے: "اور ہمارے بندے جو رسول ہیں ان کے حق میں پہلے ہی ہماری بات صادر ہو چکی ہے کہ یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور بے شک ہمارا لشکر، یقیناً وہی غالب رہے گا۔"

٧٤٥٥ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا عُمَرُ ابْنُ ذَرٍّ: سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَا جِبْرِيلُ! مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزُورَنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُورُنَا؟» فَنَزَلَتْ: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ [مريم:٦٤]، قَالَ: كَانَ هٰذَا الْجَوَابَ لِمُحَمَّدٍ ﷺ. [راجع: ٣٢١٨]

[7455] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اے جبرئیل! آپ کو ہمارے پاس اس سے زیادہ مرتبہ آنے میں کیا رکاوٹ ہے جتنا آپ پہلے آتے رہتے ہیں؟" تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: "ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتے۔ اسی کا ہے وہ سب کچھ جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے۔" آیت کریمہ میں مذکورہ جواب حضرت محمد ﷺ کے لیے نازل ہوا۔

فوائد و مسائل: ① ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو حالات وظروف کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام کی شدید ضرورت تھی۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام کافی دیر بعد متعلقہ ہدایات لے کر آتے تو آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا: تم ہمارے پاس جیسے آیا کرتے ہو اس سے زیادہ دفعہ کیوں نہیں آتے؟ تو اس وقت انھوں نے وضاحت فرمائی کہ ہم کوئی بااختیار مخلوق نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بندے ہیں۔ جب ہمیں حکم ملتا ہے حاضر ہو جاتے ہیں۔ اس دیر میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصلحتیں

1 المؤمنون 23:12-14. 2 الحديد 57:22. 3 صحيح مسلم، القدر، حديث: 6748 (2653).

ہوتی ہیں۔ ② حدیث میں رب کے حکم سے مراد اس کا اذن ہے جسے کلام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور یہ کلام باعتبار اصل صفت ذاتیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متکلم ہے اور ہمیشہ متکلم رہے گا لیکن باعتبار متعلق صفت فعلیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا اس کی مشیت کے تابع ہے، جب چاہے جو چاہے کلام کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اتنا ہی کہتا ہے کہ ''ہو جا'' تو وہ (اسی وقت) ہو جاتی ہے۔''[1] اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے، البتہ تعلق کے اعتبار سے حادث ہے کیونکہ فرشتوں کو وقتاً فوقتاً ارشادات واحکام صادر ہوتے رہتے ہیں جیسا کہ آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ جب حضرت جبرئیل امین کو زمین پر اترنے کا حکم دیتا ہے تو وہ اتر پڑتے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا رسول اللہ ﷺ کی طرف اترنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و برکت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ یہی وہ فیصلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان کے لیے پہلے سے کیا ہوا ہے۔ واللہ أعلم.

٧٤٥٦ - حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي حَرْثٍ بِالْمَدِينَةِ وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلَى عَسِيبٍ، فَمَرَّ بِقَوْمٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا تَسْأَلُوهُ، فَسَأَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ، فَقَامَ مُتَوَكِّئًا عَلَى الْعَسِيبِ وَأَنَا خَلْفَهُ فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يُوحٰى إِلَيْهِ، فَقَالَ: «﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ ۖ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾» [الإسراء: ٨٥]، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: قَدْ قُلْنَا لَكُمْ لَا تَسْأَلُوهُ.

[راجع: ١٢٥]

[7456] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ کے ایک کھیت میں جا رہا تھا جبکہ آپ ﷺ کھجور کی ایک چھڑی کے سہارے چل رہے تھے۔ آپ چند یہودیوں کے پاس سے گزرے تو انھوں نے ایک دوسرے سے کہا: ان سے روح کے متعلق دریافت کرو۔ ایک نے کہا: ان سے روح کے متعلق مت پوچھو۔ آخر انھوں نے آپ سے روح کے متعلق پوچھ ہی لیا تو آپ چھڑی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے جبکہ میں آپ کے پیچھے تھا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''اور لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ ان سے فرما دیں کہ روح تو میرے رب کا امر ہے اور تمھیں بہت کم علم دیا گیا ہے۔'' پھر ان یہودیوں نے ایک دوسرے سے کہا: ہم نے تمھیں خبردار کر دیا تھا کہ ان سے کچھ نہ پوچھو۔

فوائد و مسائل: ① یہود نے رسول اللہ ﷺ سے جس روح کے متعلق سوال کیا تھا اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق علمائے امت میں اختلاف ہے۔ مفسرین میں سے اکثریت کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ارواح بنی آدم ہیں۔ جب وہ (روح) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اسے عذاب کیوں ہوتا ہے؟ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ بعض مفسرین کے خیال کے مطابق اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کی جسامت تمام مخلوق کے برابر ہے۔ ہمارے نزدیک اس سے مراد

1 یٰسٓ 82:36.

وہ جان ہے جو ہر جاندار کے جسم میں ہوتی ہے اور جب تک وہ جسم میں موجود رہے جاندار زندہ رہتا ہے اور اس کے نکلنے سے وہ مر جاتا ہے۔ انسان نے اس کے متعلق بہت تحقیق کی ہے، تاہم ابھی تک اس کی حقیقت جاننے سے قاصر ہی رہا ہے۔ ② واضح رہے کہ قرآن نے اسے نفس سے تعبیر کیا ہے۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ روح پر لفظ نفس کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب وہ بدن میں موجود ہو اور جب نکل جائے تو اسے روح کہا جاتا ہے۔ آیت کریمہ میں "امر" سے مراد مامور ہے۔ لغت عرب میں یہ استعمال عام ہے۔ ③ اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ روح، اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پائی گئی ہے۔ امر اللہ، روح نہیں بلکہ روح اس کی مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم روح سے پہلے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کا تعلق اللہ کی صفات سے ہے جو قدیم ہیں، البتہ روح سے اس کا تعلق حادث ہے اور روح اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور امر اللہ کے علاوہ ہے۔ واللہ أعلم۔

٧٤٥٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «تَكَفَّلَ اللهُ لِمَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِهِ، لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ وَتَصْدِيقُ كَلِمَاتِهِ، بِأَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرْجِعَهُ إِلَى مَسْكَنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ مَعَ مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ». [راجع: ٣٦]

[7457] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس شخص کا ضامن ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے جبکہ اس کو اللہ کی راہ میں جہاد اور اس کے کلمات کی تصدیق نے نکالا ہو۔ (اللہ ضامن ہے کہ) وہ اسے جنت میں داخل کرے گا یا ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ اسی گھر میں واپس لوٹائے گا جہاں سے وہ نکلا تھا۔"

فوائد ومسائل: ① اللہ تعالیٰ کی ضمانت یہ ہے کہ شہادت کی صورت میں اسے جنت میں داخل کرے گا اور سلامتی سے واپسی کی صورت میں اجر وغنیمت دے کر واپس کرے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا محض احسان وکرم ہے کہ مجاہد شہادت یا سلامتی سے خالی نہیں۔ اگر شہید ہو گیا تو جنت کا حق دار، اگر سلامتی سے واپس ہوا تو ثواب یا غنیمت یا دونوں کا مستحق۔ بہرحال کسی صورت میں اللہ تعالیٰ کے اعزاز واحترام سے محروم نہیں ہوگا بشرطیکہ اس کے گھر سے نکلنے کا مقصد جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کی تصدیق ہو۔ ② واضح رہے کہ جہاد کی تین قسمیں ہیں: ✱ کفار ومشرکین سے جہاد۔ ✱ شیطان سے جہاد۔ ✱ اپنے نفس سے جہاد۔ درج ذیل آیت کریمہ جہاد کی تینوں قسموں کو شامل ہے: "اور اللہ (کی راہ میں) جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔"[1] اللہ تعالیٰ کے کلمات کی تصدیق سے مراد شرعی احکام پر ایمان لانا اور ان کے مطابق عمل کرنا ہے، نیز تقدیر کے معاملات پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے انھی الفاظ سے اپنا مقصود ثابت کیا ہے کہ کلمات کونیہ قدریہ جن کا وجود کائنات کے وجود سے پہلے ہے اور یہ کلمات قرآن کریم کے علاوہ ہیں اور اللہ تعالیٰ قرآن کے علاوہ بھی کلام کرتا ہے اور ان کلمات کا کائنات سے تعلق حادث ہوتا ہے۔ واللہ أعلم۔

1 الحج 22: 78.

٧٤٥٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: الرَّجُلُ يُقَاتِلُ حَمِيَّةً، وَيُقَاتِلُ شَجَاعَةً، وَيُقَاتِلُ رِيَاءً، فَأَيُّ ذٰلِكَ فِي سَبِيلِ اللهِ؟ قَالَ: «مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ».

[راجع: ١٢٣]

[7458] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: کوئی شخص خاندانی حمیت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے، کوئی بہادری دکھانے کے لیے میدان جنگ میں کود پڑتا ہے اور کوئی محض ریاکاری اور شہرت کے لیے لڑتا ہے تو ان میں سے کون اللہ کے راستے میں ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جو اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کے غلبے کے لیے لڑتا ہے تو وہ لڑنا اللہ کی راہ میں ہے۔''

فائدہ: جس لڑائی کا مقصد کفر و شرک کو نیچا دکھانا اور توحید و سنت کو بلند کرنا ہو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا ہے۔ اس کے علاوہ جنگ و قتال کی تمام قسمیں تخریب کاری اور دہشت گردی ہے جو اللہ تعالیٰ کی شریعت میں انتہائی ناپسندیدہ حرکت ہے۔ اسی طرح مال و دولت اور اقتدار کے حصول کے لیے لڑائی کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ نہیں۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا ذکر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے انھی الفاظ سے عنوان کو ثابت کیا ہے، یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے کلمات کی سربلندی اور انھیں غالب کرنے کے لیے لڑائی کرتا ہے وہ اللہ کی راہ میں لڑتا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا پہلے سے طے شدہ فیصلہ ہے: ''بے شک وہ، یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور بے شک ہمارا لشکر، یقیناً وہی غالب رہے گا۔''[1]

(٢٩) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَآ أَرَدْنَٰهُ﴾ [النحل: ٤٠]

باب: 29- ارشاد باری تعالیٰ: ''ہم جب کسی چیز کا ارادہ کر لیں تو اس کے لیے ہمارا کہنا صرف یہ ہوتا ہے کہ......'' کا بیان

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کو ثابت فرمایا ہے، نیز اشارہ کیا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے کیونکہ کسی چیز کو پیدا کرنے سے پہلے ''کُنْ'' کہا جاتا ہے، اس لیے کُن اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ اگر یہ کلمہ بھی مخلوق ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کو مخلوق سے پیدا کیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کر لینا ہی اس کا حکم دینا ہے، اسے اپنی زبان سے کُنْ کا لفظ ادا کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بس اس کا حکم، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے (یہ ہوتا ہے) کہ اسے کہتا ہے: ''ہو جا'' تو وہ ہو جاتی ہے۔''[2] اس سے معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ ہی حکم کا درجہ رکھتا ہے اور جب وہ ارادہ کرتا ہے تو اس کی تکمیل کے لیے اسباب و ذرائع از خود ہی مہیا ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور وہ کام ہو کے رہتا ہے، کوئی بھی چیز اس میں رکاوٹ نہیں بن سکتی اور جتنے عرصے میں اللہ تعالیٰ اسے وجود

[1] الصافات 37: 173,172، وشرح كتاب التوحيد للغنيمان: 231/2. [2] یٰس 36: 82.

میں لانا چاہتا ہے اتنے ہی عرصے میں وہ وجود میں آ جاتی ہے، نیز معلوم ہوا کہ قول اور امر دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہے۔

٧٤٥٩ - حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي قَوْمٌ ظَاهِرِينَ عَلَى النَّاسِ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ». [راجع: ٣٦٤٠]

[7459] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میری امت میں سے ایک گروہ دوسرے لوگوں پر غالب رہے گا یہاں تک کہ ان کے پاس اللہ کا امر، یعنی قیامت آ جائے گی۔''

٧٤٦٠ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ: حَدَّثَنِي عُمَيْرُ بْنُ هَانِئٍ: أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ كَذَّبَهُمْ وَلَا مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ عَلَى ذٰلِكَ». [راجع: ٧١]

[7460] حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، اسے جھٹلانے والے اور دیگر مخالفین کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا امر، یعنی قیامت آ جائے گی اور وہ اسی حال میں ہوں گے۔''

فَقَالَ مَالِكُ بْنُ يُخَامِرَ: سَمِعْتُ مُعَاذًا يَقُولُ: وَهُمْ بِالشَّامِ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: هٰذَا مَالِكٌ يَزْعُمُ أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاذًا يَقُولُ: وَهُمْ بِالشَّامِ.

مالک بن یخامر نے کہا: میں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ یہ گروہ شام میں ہوگا، اس پر حضرت معاویہ نے کہا: یہ مالک بن یخامر، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتا ہے کہ وہ گروہ شام میں ہوگا۔

فوائد ومسائل: ① مذکورہ احادیث میں حق پر قائم رہنے والے جس گروہ کا ذکر ہے دیگر احادیث میں ان کے دستور العمل کی وضاحت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ وہ میرے اور میرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے پر چلنے والے ہوں گے۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان ثابت کرنے کے لیے ''یہاں تک کہ اللہ کا امر آ جائے گا'' کو دلیل بنایا ہے۔ اس سے مراد وہ کونی اور قدری امر ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے فیصلہ کیا جیسا کہ صحیح مسلم کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے، پھر اس تقدیر کے فیصلے کو اپنے رسول ﷺ کی طرف وحی فرمایا تاکہ آپ ﷺ اپنی امت کو اس کی تعلیم دیں۔ جب اس کا وقت آ پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ کلمۂ کن سے اسے برپا کر دے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ امر اس کی صفات میں سے ہے اور غیر مخلوق ہے۔ یہ امر اور اللہ تعالیٰ کا قول دونوں ایک ہی چیزیں ہیں اور قیامت اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جو کلمۂ کن کے اثرات سے قائم ہوگی۔ علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد معتزلہ کی تردید کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ امر مخلوق ہے، ان کا موقف علمائے سلف کے خلاف ہے۔[2] واللّٰه أعلم.

1 جامع الترمذي، الإيمان، حديث: 2641. 2 فتح الباري: 649/13.

٧٤٦١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ: حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: وَقَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى مُسَيْلِمَةَ فِي أَصْحَابِهِ فَقَالَ: «لَوْ سَأَلْتَنِي هٰذِهِ الْقِطْعَةَ مَا أَعْطَيْتُكَهَا، وَلَنْ تَعْدُوَ أَمْرَ اللهِ فِيكَ، وَلَئِنْ أَدْبَرْتَ لَيَعْقِرَنَّكَ اللهُ». [راجع: ٣٦٢٠]

[7461] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ مسیلمہ کذاب کے پاس رکے جبکہ وہ اپنے حامیوں کے ہمراہ تھا، آپ نے اس سے فرمایا: ''اگر تو مجھ سے یہ (لکڑی کا) ٹکڑا بھی مانگے تو میں تجھے یہ بھی نہ دوں گا۔ اور تیرے متعلق اللہ کا جو حکم ہے تو اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور اگر تو نے (اسلام سے) روگردانی کی تو اللہ تجھے تباہ و برباد کر دے گا۔''

فوائد و مسائل: ① مسیلمہ کذاب نے یمامہ کے علاقے میں نبوت کا دعویٰ کیا اور یہ انتہائی شعبدہ باز انسان تھا۔ بہت سے لوگ اس سے متاثر ہو کر اس کے پیروکار ہو گئے۔ وہ بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ آیا اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ اگر آپ مجھے اپنے بعد خلیفہ نامزد کر دیں تو میں اپنے ساتھیوں سمیت آپ پر ایمان لے آتا ہوں۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں اس وقت کھجور کی چھڑی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خلافت تو بڑی چیز ہے، میں تجھے چھڑی کا یہ ٹکڑا بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔''[1] آخر کار مسیلمہ کذاب اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس یمامہ چلا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے دور خلافت میں اس کے خلاف لشکر کشی کی جس میں مسلمان غالب آئے اور اسے حضرت وحشی ؓ نے قتل کر کے جہنم پہنچایا۔[2] اس حدیث میں ہے کہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کر رکھا ہے تو اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔'' امام بخاری ؒ نے اس جملے سے عنوان ثابت کیا ہے، یعنی تیرے وجود سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیری بدبختی اور شقاوت کا جو فیصلہ کیا ہے تو اس سے سرمو انحراف نہیں کرے گا۔ اس مقام پر امر اللہ سے مراد اس کا کونی اور قدری امر ہے، شرعی اور تکلیفی امر مراد نہیں ہے۔[3] دراصل امام بخاری ؒ اس عنوان اور پیش کردہ احادیث سے معتزلہ کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امر جو اللہ تعالیٰ کے کلام سے عبارت ہے وہ اس کا پیدا کیا ہوا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے پیش کردہ آیت کریمہ میں اس امر اور قول سے خود کو موصوف کیا ہے، تاہم یہ اسلوب اور انداز سراسر مجاز ہے حقیقت پر مبنی نہیں، جبکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام جس سے ذات باری تعالیٰ متصف ہے وہ غیر مخلوق ہے، تاہم اس کا تعلق مخلوق سے حادث ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے پر موقوف ہے۔[4]

٧٤٦٢ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: بَيْنَا أَنَا أَمْشِي

[7462] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک دفعہ مدینہ طیبہ کے ایک کھیت میں نبی ﷺ کے ہمراہ چل رہا تھا اور آپ اپنے ہاتھ میں پکڑی

1. صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4373. 2. صحيح البخاري، المغازي، حديث: 3620. 3. شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 242/2. 4. عمدة القاري: 656/16.

مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي بَعْضِ حَرْثِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ مَعَهُ، فَمَرَرْنَا عَلَى نَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا تَسْأَلُوهُ، أَنْ يَجِيءَ فِيهِ بِشَيْءٍ تَكْرَهُونَهُ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَنَسْأَلَنَّهُ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَالَ: يَا أَبَا الْقَاسِمِ! مَا الرُّوحُ؟ فَسَكَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ، فَقَالَ: «وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ، قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتُوا مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا».

ہوئی ایک چھڑی کا سہارا لیے جا رہے تھے۔ اتنے میں ہم یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو انھوں نے آپس میں کہا: ان سے روح کے متعلق پوچھو۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا: ان سے نہ پوچھو، مبادا ایسا جواب دیں جو تمھیں ناگوار ہو، اس کے باوجود کچھ یہودیوں نے کہا: ہم ضرور پوچھیں گے، چنانچہ ان میں سے ایک آدمی نے اٹھ کر کہا: اے ابوالقاسم! روح کیا چیز ہے؟ نبی ﷺ اس (کو جواب دینے) سے خاموش رہے تو مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ”وہ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے روح میرے رب کا امر ہے اور تمھیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔“

قَالَ الْأَعْمَشُ: هَكَذَا فِي قِرَاءَتِنَا. [راجع: ١٢٥]

اعمش نے کہا: ہماری قراءت میں اسی طرح ہے، یعنی أُوتُوا۔

فوائد و مسائل: ① مشہور قراءت میں وَمَا أُوتِيتُم ہے، یعنی تمھیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے، البتہ امام اعمش کی قراءت میں وَمَا أُوتُوا، یعنی ماضی غائب کا صیغہ ہے اور یہ قراءت شاذ ہے۔ ② روح کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ فلاسفہ نے اس کے متعلق جو کہا ہے وہ سب تخمینی باتیں ہیں۔ موجودہ سائنس دانوں کو سخت محنت کے باوجود اس کے متعلق کوئی حقیقی علم نہیں ہو سکا۔ اس وقت کے یہودی اس معقول جواب کو سن کر بالکل خاموش ہو گئے کیونکہ اس جواب نے قیل و قال کا دروازہ ہی بند کر دیا۔ آیت کریمہ میں روح کی حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ وہ ایک امر رب ہے۔ جب تک وہ کسی حیوان میں ہے اس کی قدر و قیمت ہے اور جب وہ اس سے الگ ہو جاتی ہے تو وہی حیوان بے قدر اور بے قیمت ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہودیوں کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا امتحان لیا جائے کیونکہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ روح کی حقیقت کوئی شخص نہیں جانتا، اگر یہ حضرت اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو روح کی حقیقت بیان نہیں کریں گے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث میں ذکر کردہ آیت کریمہ سے اپنا مدعا ثابت کیا ہے کہ روح کا وجود اللہ تعالیٰ کے امر کے مرہون منت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا امر ایک الگ حقیقت ہے جو غیر مخلوق ہے اور روح جو اس کی وجہ سے معرض وجود میں آئی ہے وہ مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کا امر اس روح کی تخلیق سے پہلے موجود تھا، البتہ اس امر کا تعلق اس روح سے حادث ہے۔ اس روح کو اللہ تعالیٰ نے کلمہ کن سے ہی پیدا کیا ہے۔ یہی بات عنوان میں بیان کی گئی ہے۔

(۳۰) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿قُل لَّوْ كَانَ ٱلْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَٰتِ رَبِّى﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِۦ مَدَدًا﴾ [الكهف: ۱۰۹]، وَقَوْلِهِ: ﴿وَلَوْ أَنَّمَا فِى ٱلْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَٰمٌ وَٱلْبَحْرُ يَمُدُّهُۥ مِنۢ بَعْدِهِۦ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَٰتُ ٱللَّهِ﴾ [لقمان: ۲۷] ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ فِى سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ ٱسْتَوَىٰ عَلَى ٱلْعَرْشِ يُغْشِى ٱلَّيْلَ ٱلنَّهَارَ﴾ [الأعراف: ٥٤]

باب: 30- ارشاد باری تعالیٰ: ''آپ کہہ دیں کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے ...... اگرچہ ہم مدد کے لیے اس جیسا اور لے آئیں'' نیز: ''زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے، پھر اس کے بعد سات مزید سمندر بھی ہوں تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔'' نیز: ''یقیناً تمھارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر اپنے عرش پر مستوی ہوا، وہ رات سے دن کو ڈھانپتا ہے'' کا بیان

سَخَّرَ: ذَلَّلَ.

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سخر کے معنی ہیں: اس نے کام میں لگا دیا ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت بھی اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام ثابت کی ہے، نیز بتایا ہے کہ کلام الٰہی غیر مخلوق ہے۔ اس سلسلے میں تین آیات کا حوالہ دیا ہے۔ پہلی دو آیات کی شان نزول یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تمھیں بہت کم علم دیا گیا ہے'' تو یہودیوں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے، حالانکہ ہمیں تورات دی گئی ہے، اس میں ہر شے کا علم ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں کہ اگر تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور درخت قلم بن جائیں اور اللہ کے کلمات لکھنے کے لیے تمام لوگ بیٹھ جائیں تو اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ یہ ذات الٰہی کی صفت ہیں۔ جس طرح اس کی ذات غیر متناہی ہے، اسی طرح اس کی صفات کی انتہا بھی ناممکن ہے۔ سمندر یا سمندروں کا پانی، خواہ کتنا ہی کثیر مقدار میں ہو بہرحال اس کی ایک حد ہے اور ایک محدود چیز کا لامحدود چیز سے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر سمندروں کی سیاہی تو ختم ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہو سکتے۔ پہلی دو آیات سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ مخلوق کی کوئی انتہا ہوتی ہے وہاں جا کر وہ ختم ہو جاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے کلمات کی کوئی انتہا نہیں اور انھوں نے ختم نہیں ہونا۔ اسی طرح تیسری آیت میں خلق اور امر کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلام، خلق کے علاوہ ہے کیونکہ عربی قاعدے کے مطابق معطوف اور معطوف علیہ ایک دوسرے کے غیر ہوتے ہیں۔ اس سے مقصود معتزلہ کی تردید ہے جو کلام اللہ کو مخلوق کہتے ہیں۔ آئندہ ابواب میں اسی مسئلے کو بیان کیا جائے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو اپنے رسالے خلق افعال العباد میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

٧٤٦٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «تَكَفَّلَ اللهُ لِمَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِهِ، لَا يُخْرِجُهُ مِنْ بَيْتِهِ إِلَّا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ وَتَصْدِيقُ كَلِمَتِهِ، أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ يَرُدَّهُ إِلَى مَسْكَنِهِ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ». [راجع: ٣٦]

[7463] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کا ضامن ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ وہ شخص اپنے گھر سے اس لیے نکلتا ہے کہ خالص اللہ کے راستے میں جہاد کرے اور اس کے کلمۂ توحید کی تصدیق کرے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا یا ثواب و غنیمت کے ساتھ اس کو گھر واپس کرے گا۔''

فوائد و مسائل: ﴿ اس حدیث میں کلمے سے مراد کلمۂ طیبہ ہے جس کی تصدیق کرنا ایمان کی اولین بنیاد ہے۔ دل سے تصدیق کرنا، زبان سے اقرار کرنا اور عمل سے اس کا ثبوت دینا انتہائی ضروری ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام ثابت کی ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات غیر محدود اور غیر مخلوق ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا ایسے ہی اس کے کلمات اور اس کی صفات کا احاطہ کرنا بھی ناممکن ہے۔ اس کے کلمات، خواہ وہ شرعیہ ہوں یا کونیہ قدریہ ہوں دونوں قسمیں ہی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور غیر مخلوق ہیں۔ ﴿ امام بخاری ؒ فرماتے ہیں: کائنات کی ہر چیز مخلوق ہے لیکن قرآن کریم مخلوق نہیں۔ اللہ کا کلام اس کی مخلوق سے کہیں بڑھ کر عظیم القدر ہے کیونکہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے تو کلمۂ کن کہنے سے چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ جس چیز سے کوئی چیز وجود میں آئے وہ یقیناً بہت بڑی اور عظیم الشان ہوگی اور قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس لیے وہ بھی غیر مخلوق ہے۔[1] بہرحال امام بخاری ؒ نے مذکورہ آیات اور پیش کردہ احادیث سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات غیر محدود اور لامتناہی ہیں اور کلام الٰہی غیر مخلوق ہے کیونکہ ان کلمات سے مخلوق کو معرض وجود میں لایا جاتا ہے۔ اگر یہ بھی مخلوق ہوں تو مخلوق سے مخلوق کو پیدا کرنا لازم آتا ہے۔ واللّٰه أعلم.

(٣١) بَابٌ: فِي الْمَشِيئَةِ وَالْإِرَادَةِ

باب: 31- اللہ کی مشیت اور اس کے ارادے کا بیان

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى: ﴿تُؤْتِي الْمُلْكَ مَن تَشَاءُ﴾ [آل عمران: ٢٦] ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾ [التكوير: ٢٩] ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ﴾ [الكهف: ٢٣، ٢٤] ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ [القصص: ٥٦]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تو جسے چاہے بادشاہی دیتا ہے۔'' ''اور تم وہی کچھ چاہ سکتے ہو جو اللہ چاہے۔'' ''کسی چیز کے متعلق کبھی یہ نہ کہنا کہ میں کل یہ ضرور کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔'' ''(اے نبی!) بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ چاہیں بلکہ اللہ ہی ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے۔''

[1] خلق أفعال العباد، ص: 34.

قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ: نَزَلَتْ فِي أَبِي طَالِبٍ ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرة: ١٨٥].

حضرت سعید بن مسیب اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ ''اللہ تمھارے ساتھ نرمی چاہتا ہے سختی کا برتاؤ نہیں چاہتا۔''

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام کے اثبات کے دوران میں ہی مشیت و ارادے کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صفت ارادہ کو اپنی صفت کلام کے ساتھ بیان کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم جب کسی چیز کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اسے بس اتنا ہی کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔''[1] مشیت اور ارادے کے ایک ہی معنی ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات میں سے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہ جس چیز کا ارادہ کر لے اسے کر ڈالتا ہے۔''[2] دوسرے مقام پر فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔''[3] اللہ تعالیٰ کا ارادہ دو طرح کا ہے: * ارادۂ کونیہ۔ * ارادۂ شرعیہ۔ ارادۂ کونیہ میں مشیت کے معنی ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جس شخص کو اللہ ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کے سینے میں سخت گھٹن پیدا کر دیتا ہے۔''[4] ارادۂ شرعیہ میں محبت کے معنی پائے جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمھاری توبہ قبول کر لے۔''[5] ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادۂ کونیہ لازمی طور پر واقع ہو کر رہتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ ارادہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بھی ہو جبکہ ارادۂ شرعیہ کا واقع ہونا ضروری نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ضرور ہوتا ہے۔ اس کا تعلق اطاعت و معصیت سے ہے۔ کائنات میں جس قدر بھی حوادثات ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے کونی اور قدری ارادے کے تحت ہوتے ہیں حتی کہ کفار کا کفر اور مشرکین کا شرک بھی اس کے تحت ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کفر و شرک کو پسند نہیں کرتا جیسا کہ اس نے خود اس کی وضاحت کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ تم سے بے پروا ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پر راضی نہیں اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اسے تمھارے لیے پسند کرتا ہے۔''[6] امام بخاری رحمہ اللہ نے پیش کردہ آیات میں ارادے کی دونوں قسموں کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ پہلی چار آیات میں ارادۂ کونیہ کا ذکر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت عامہ کارفرما ہے، اس سے کائنات کی کوئی چیز خارج نہیں اور آخری آیت میں ارادۂ شرعیہ کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی محبت پر مشتمل ہے۔

٧٤٦٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا دَعَوْتُمُ اللهَ فَاعْزِمُوا فِي الدُّعَاءِ، وَلَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ: إِنْ شِئْتَ فَأَعْطِنِي، فَإِنَّ اللهَ لَا مُسْتَكْرِهَ لَهُ». [راجع: ٦٣٣٨]

[7464] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم اللہ سے دعا کرو تو عزم کے ساتھ کرو۔ اور تم میں سے کوئی یوں نہ کہے: اگر تو چاہے تو مجھے عطا کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی مجبور نہیں کر سکتا۔''

1 النحل 16: 40. 2 البروج 85: 16. 3 الحج 22: 18. 4 الأنعام 6: 125. 5 النساء 4: 27. 6 الزمر 39: 7.

فائدہ: بندۂ مسلم کو چاہیے کہ وہ دعا پورے وثوق اور یقین سے مانگے۔ اس عقیدے کے ساتھ دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول کرے گا جلدی یا دیر ممکن ہے لیکن اندھیر نہیں، دعا اپنا رنگ ضرور دکھاتی ہے۔ دعا کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے معلق نہ کیا جائے، یعنی یوں نہ کہا جائے کہ اگر تو چاہتا ہے تو قبول کرلے۔ ایسا کرنے سے یہ وہم ہوسکتا ہے کہ مشیت کے بغیر اس کا عطا کرنا ممکن ہے، حالانکہ مشیت کے بغیر تو جبر ہی ہے اور اللہ تعالیٰ پر کوئی جبر نہیں کرسکتا۔ مشیت کا استعمال وہاں ہوتا ہے جسے کسی کام پر مجبور کیا جاسکتا ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دعا کرتے وقت یوں نہ کہا جائے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے معاف کردے اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرمادے۔ انسان کو چاہیے کہ پورے عزم و وثوق کے ساتھ دعا کرے، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے، اسے کوئی بھی کسی کام پر مجبور نہیں کرسکتا۔''[1] حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح کی مشروط دعا اس لیے ناپسند ہے کہ اس میں دعا کرنے والے کی اپنی مطلوبہ چیز بلکہ خود اللہ تعالیٰ سے بے پروائی کی بو آتی ہے۔[2]

٧٤٦٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ؛ ح: وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنَا أَخِي عَبْدُ الْحَمِيدِ عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ: أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ طَرَقَهُ وَفَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَيْلَةً فَقَالَ لَهُمْ: «أَلَا تُصَلُّونَ؟» قَالَ عَلِيٌّ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّمَا أَنْفُسُنَا بِيَدِ اللهِ، فَإِذَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا. فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ قُلْتُ ذٰلِكَ وَلَمْ يَرْجِعْ إِلَيَّ شَيْئًا، ثُمَّ سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُدْبِرٌ يَضْرِبُ فَخِذَهُ وَيَقُولُ: «﴿وَكَانَ ٱلْإِنسَٰنُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ [الكهف: ٥٤]».

[راجع: ١١٢٧]

[7465] حضرت علی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ ان کے اور اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ ؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: ''تم لوگ (تہجد کی) نماز کیوں نہیں پڑھتے؟'' حضرت علی ؓ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا: اللہ کے رسول! ہمارے نفس اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جب ہمیں اٹھانا چاہے گا اٹھا دے گا۔ جب میں نے یہ بات کہی تو رسول اللہ ﷺ واپس چلے گئے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میں نے آپ کو واپس جاتے ہوئے کہتے سنا جبکہ آپ اپنی ران پر ہاتھ مار کر یہ فرما رہے تھے: ''انسان ہمیشہ سے تمام چیزوں سے زیادہ جھگڑالو ہے۔''

فوائد و مسائل: ① انسان کی یہ عادت ہے کہ وہ جس بات کو نہ ماننے کا تہیہ کرلے اس پر طرح طرح کے اعتراض وارد کرتا ہے اور مختلف حیلوں بہانوں سے ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کے طور پر جواب پیش کرتا ہے۔ اس غرض کے لیے سب سے عمدہ بہانہ

1 صحیح مسلم، الذکر والدعاء، حدیث: 6813 (2679)۔ 2 فتح الباري: 557/13۔

مشیت الٰہی کا ہوتا ہے۔ مشیت الٰہی کو اپنے بچاؤ کے لیے ڈھال بنانے والے عموماً یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں بہت فرق ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی رضا اس بات میں ہے کہ سب لوگ اس کے فرمانبردار بن جائیں اور کوئی شخص بھی کفر و شرک اور ظلم و زیادتی کا راستہ اختیار نہ کرے مگر اس کی مشیت یہ ہے کہ اس دنیا میں لوگوں کا امتحان لیا جائے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوت تمیز اور قوت ارادہ عطا فرمائی ہے، پھر جو شخص اپنے اختیار و ارادے سے اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوا اسے اچھا بدلہ دیا جائے گا اور جس نے کفر و شرک کا راستہ اختیار کیا اسے سزا دی جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت کے راستے پر چلنا مشیت الٰہی بھی ہے اور رضائے الٰہی بھی، مگر کفر و شرک کا راستہ اختیار کرنا مشیت الٰہی تو ہے لیکن رضائے الٰہی نہیں۔ مشیت الٰہی کو بہانہ بنانے کی مثال مذکورہ حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ ② حضرت علی ؓ کا جواب حقیقت کے لحاظ سے تو صحیح تھا اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواب نہیں دیا، البتہ آپ ﷺ کو اس بات پر افسوس ہوا کہ عمل کرنے کا اختیار انسان کو دیا گیا ہے اسے کیوں نظرانداز کر دیا گیا۔ ادب کا تقاضا یہ تھا کہ نماز تہجد کی توفیق کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور رسول اللہ ﷺ سے بھی اس دعا کی اپیل کرتے، اس سے رسول اللہ ﷺ خوش خوش واپس ہوتے۔ ③ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ مشیت الٰہی کو بطور بہانہ استعمال کرنا صرف ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں ہی کا کام نہیں بلکہ بعض دفعہ ایک نیکوکار مومن بھی اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے اسے استعمال کر لیتا ہے، حالانکہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق مشرکین نے اپنے شرک کے جواز میں اسی مشیت الٰہی کو بطور بہانہ استعمال کیا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''مشرک کہیں گے: اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کوئی چیز حرام ٹھہراتے۔''[1] بہرحال لوگوں پر شریعت کے احکام کی متابعت لازم ہے، اس متابعت کو مشیت الٰہی کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہیے۔ ④ امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے جبریہ، قدریہ اور معتزلہ کی تردید کی ہے جو مشیت اور ارادے میں فرق کرتے ہیں۔ واللّٰه أعلم.

٧٤٦٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ خَامَةِ الزَّرْعِ يَفِيءُ وَرَقُهُ، مِنْ حَيْثُ أَتَتْهَا الرِّيحُ تُكَفِّئُهَا، فَإِذَا سَكَنَتِ اعْتَدَلَتْ، وَكَذَلِكَ الْمُؤْمِنُ يُكَفَّأُ بِالْبَلَاءِ. وَمَثَلُ الْكَافِرِ كَمَثَلِ الْأَرْزَةِ صَمَّاءُ مُعْتَدِلَةٌ حَتَّى يَقْصِمَهَا اللهُ إِذَا شَاءَ». [راجع: ٥٦٤٤]

[7466] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کی مثال کھیت کے نرم پودے کی سی ہے، جدھر کی ہوا چلتی ہے اس کے پتے ادھر ہی جھک جاتے ہیں۔ جب ہوا رک جاتی ہے تو وہ سیدھا ہو جاتا ہے، یعنی ہوائیں اسے اِدھر اُدھر جھکاتی رہتی ہیں۔ اسی طرح مومن بلاؤں اور مصیبتوں کی وجہ سے اِدھر اُدھر جھکتا رہتا ہے۔ اور کافر کی مثال صنوبر کے درخت جیسی ہے جو ایک حالت پر کھڑا رہتا ہے حتی کہ جب اللہ چاہتا ہے اسے یکبار ہی اکھاڑ پھینکتا ہے۔''

---

[1] الأنعام 148:6.

فوائد و مسائل: ① مومن کبھی مصائب میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے یا اس کے درجات کی بلندی کا باعث ہے، جب آرام پاتا ہے تو خود کو اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں مصروف کر لیتا ہے، جیسے نرم کھیتی کی شاخ ہو جب ہوا چلتی ہے تو وہ کبھی ادھر گرتی ہے، کبھی اُدھر گرتی ہے، جب ہوا ٹھہر جاتی ہے تو وہ سیدھی رہتی ہے۔ اس کے برعکس کافر کی مثال صنوبر کے درخت جیسی ہے وہ ہواؤں کی وجہ سے جھکتا نہیں ہے۔ اسی طرح کافر بھی احکام الٰہی کے سامنے جھکتا نہیں چاہتا یہاں کہ تک اللہ تعالیٰ کا عذاب یا موت اسے یکدم ختم کر دیتی ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور زندگی کے پورے گناہ لے کر پیش ہوتا ہے کیونکہ اس کی دنیوی زندگی نہایت آرام اور سکون سے گزری ہوتی ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کو ثابت کیا ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو ایک ہی بار اس کی ہلاکت ہو جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تمام کام اللہ تعالیٰ کی مشیت سے سرانجام پاتے ہیں۔ اس عالم رنگ و بو میں چھوٹا بڑا کوئی کام بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مشیت کے بغیر پروان نہیں چڑھتا اور اس کی مشیت ہر چیز میں کارفرما ہے اور وہ ہر چیز پر مکمل طور پر قادر ہے۔ واللّٰه أعلم.

٧٤٦٧ - حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ قَائِمٌ عَلَى الْمِنْبَرِ: «إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ أُعْطِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوا بِهَا حَتَّى انْتَصَفَ النَّهَارُ، ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُعْطِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ فَعَمِلُوا بِهِ حَتَّى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُعْطِيتُمُ الْقُرْآنَ فَعَمِلْتُمْ بِهِ حَتَّى غُرُوبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِيتُمْ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، قَالَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ: رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ أَقَلُّ عَمَلًا وَأَكْثَرُ أَجْرًا، قَالَ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ أَجْرِكُمْ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالُوا: لَا، فَقَالَ: فَذٰلِكَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ». [راجع: ٥٥٧]

[7467] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ منبر پر کھڑے فرما رہے تھے: ”تمھارا زمانہ گزشتہ امتوں کے مقابلے میں ایسا ہے جیسا کہ نماز عصر سے غروب آفتاب تک کا وقت ہے۔ اہل تورات کو تورات دی گئی اور انھوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ آدھا دن گزر گیا، پھر وہ عاجز آ گئے۔ انھیں ایک ایک قیراط اجرت دی گئی۔ پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی۔ انھوں نے اس پر عصر کی نماز تک عمل کیا۔ پھر وہ اس پر عمل سے عاجز آ گئے تو انھیں بھی ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ اس کے بعد تمھیں قرآن دیا گیا اور تم نے اس پر غروب آفتاب تک عمل کیا تو تمھیں دو دو قیراط دیے گئے۔ اہل تورات نے کہا: اے ہمارے رب! ان لوگوں نے کام تھوڑا کیا لیکن اجرت زیادہ پائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میں نے تمھاری اجرت میں کوئی کمی کی ہے؟“ انھوں نے کہا: نہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ تو میرا فضل ہے میں جس پر چاہتا ہوں کرتا ہوں۔“

فوائد و مسائل: ① قیراط ایک مقررہ حصے کا نام ہے جو نصف دانق اور موجودہ اعشاری نظام کے مطابق 255.1 ملی گرام کے برابر ہوتا ہے۔ بعض اوقات قیراط سے کثیر مقدار بھی مراد لی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جس نے جنازے میں شرکت کی اسے ایک قیراط اور جو دفن کرنے تک ساتھ رہا اسے دو قیراط ملیں گے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ دو قیراط کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیراط بڑے بڑے دو پہاڑوں کے برابر ہیں۔''[1] اس حدیث کے آخر میں ہے کہ میں جس پر چاہتا ہوں اپنا فضل کرتا ہوں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے اس حصے سے عنوان ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نافذ ہو کر رہتی ہے۔ یہ کسی عرف یا قاعدے کی محتاج نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا لیکن معتزلہ اور ان کے ہم مسلک اللہ تعالیٰ پر اپنے عقلی فیصلے ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ کو چاہیے کہ وہ گناہ گار کو سزا دے اور فرمانبردار کو جزا دے، حالانکہ یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں، وہ چاہے تو ایک نیک اور پارسا عورت کو، بلاوجہ گھر میں بلی باندھنے کی وجہ سے جہنم میں بھیج دے اور اگر چاہے تو ایک بدکار عورت کو محض کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے معاف کر دے اور جنت کا پروانہ عطا کر دے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی مشیت تمام عالم رنگ و بو میں کارفرما ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اسے کوئی روکنے یا عاجز کرنے والا نہیں ہے۔

٧٤٦٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ الْمُسْنَدِيُّ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي رَهْطٍ فَقَالَ: «أُبَايِعُكُمْ عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُونِي فِي مَعْرُوفٍ، فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَأُخِذَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ لَهُ كَفَّارَةٌ وَطَهُورٌ، وَمَنْ سَتَرَهُ اللهُ فَذٰلِكَ إِلَى اللهِ، إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ».

[راجع: ١٨]

[7468] حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ آپ نے بیعت لیتے وقت فرمایا: ''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ کسی پر بہتان ہی باندھو گے جو تم نے خود تیار کیا ہو، نیکی کے کاموں میں میری نافرمانی نہیں کرو گے۔ جس نے یہ عہد پورا کیا اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے اور جس نے لغزش کی اور اسے دنیا ہی میں پکڑ لیا گیا تو یہ (حد) اس کے لیے گناہوں کا کفارہ اور پاکیزگی کا ذریعہ ہوگی اور جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا تو وہ اللہ کے حوالے ہے، وہ اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو بخش دے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا اور

[1] صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1325.

لغزش کے ارتکاب پر دو صورتیں ممکن ہیں: اگر اس کا دنیا میں مؤاخذہ ہوا اور حد جاری ہو گئی تو یہ حد گناہ کا کفارہ اور پاکیزگی کا ذریعہ ہو گی، لیکن یہ کفارہ شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کے ارتکاب پر ہو گا، شرک سے توبہ کرنا ہو گی، وہ تب معاف ہو گا۔ اگر دنیا میں مؤاخذہ نہ ہوا تو معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ ② اس میں اہل سنت کے موقف کی تائید ہے کہ کفر کے علاوہ دیگر گناہوں کے ارتکاب پر جہنم میں جانا یقینی نہیں بلکہ اگر انسان توبہ کے بغیر مر گیا تو معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہو گا، اگر چاہے تو اسے معاف کر دے، چاہے تو سزا دے۔ لیکن خوارج اور معتزلہ نے اس کے برعکس موقف اختیار کیا ہے۔ خوارج کے نزدیک گناہوں کے ارتکاب سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ کافر تو نہیں ہوتا، البتہ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کو ثابت کیا ہے کہ اگر انسان گناہ کے ارتکاب پر توبہ کے بغیر مر گیا تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اس میں معتزلہ وغیرہ کی تردید ہے جو اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں، اور خوارج کو بھی تنبیہ ہے جو عام مسلمانوں کو گناہ کے ارتکاب پر کافر قرار دیتے ہیں۔

٧٤٦٩ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: «أَنَّ نَبِيَّ اللهِ سُلَيْمَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ لَهُ سِتُّونَ امْرَأَةً فَقَالَ: لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى نِسَائِي فَلْتَحْمِلَنَّ كُلُّ امْرَأَةٍ وَلْتَلِدَنَّ فَارِسًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَطَافَ عَلَى نِسَائِهِ فَمَا وَلَدَتْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ، وَلَدَتْ شِقَّ غُلَامٍ». قَالَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ: «لَوْ كَانَ سُلَيْمَانُ اسْتَثْنَى لَحَمَلَتْ كُلُّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ فَوَلَدَتْ فَارِسًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ». [راجع: ٢٨١٩]

[7469] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی ساٹھ بیویاں تھیں۔ انھوں نے کہا: میں آج رات اپنی تمام بیویوں کے پاس ضرور جاؤں گا۔ ہر بیوی حاملہ ہو گی اور ایک ایک شہسوار کو جنم دے گی جو اللہ کے راستے میں جہاد کرے گا۔ پھر وہ اپنی بیویوں کے پاس گئے تو ان میں سے صرف ایک بیوی نے ناقص بچہ جنم دیا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ”اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ دیتے تو ہر بیوی حاملہ ہوتی اور شہسوار کو جنم دیتی جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا۔“

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب اپنے عزم کا اظہار کیا تو ان کے ساتھی نے کہا: ان شاء اللہ کہہ دیں لیکن اس یاددہانی کے باوجود انھوں نے ان شاء اللہ نہ کہا۔[1] دوسری روایت میں ہے کہ فرشتے نے ان شاء اللہ کہنے کی یاددہانی کرائی لیکن انھوں نے یہ کلمہ نہ کہا بلکہ بھول گئے۔[2] دراصل انھیں اپنے آپ پر اس قدر خود اعتمادی تھی اور ظاہری اسباب پر بھروسا تھا کہ یاددہانی کے باوجود اس پر عمل نہ کر سکے، انھیں اپنی مراد میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو جس قدر بھی اسباب مہیا ہوں اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت کا سہارا ضرور لینا چاہیے کیونکہ اس کے بغیر کوئی کام بھی پایۂ

1 صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2819. 2 صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5242.

تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام مشیت الٰہی کا سہارا لیتے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی منشا پوری کرتا مگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا، اس لیے یاددہانی کے باوجود وہ ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔ ② اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ''کسی چیز کے متعلق یہ کبھی نہ کہیں کہ میں یہ ضرور کروں گا الا یہ کہ اللہ چاہے۔''[1] مطلب یہ ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہی ہوتا ہے، لہٰذا اس قاعدے کو ہر وقت ملحوظ رکھنا چاہیے کیونکہ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ وہ فلاں وقت فلاں کام کر سکے گا یا نہیں اور نہ کوئی اپنے افعال میں خود مختار ہی ہے کہ جو چاہے کر سکے، لہٰذا کوئی شخص، خواہ پورے صدق دل اور سچی نیت سے بھی کوئی وعدہ یا مستقبل سے متعلق کوئی بات کرے تو اسے ان شاء اللہ ضرور کہہ لینا چاہیے، مگر افسوس کہ کچھ بدنیت قسم کے لوگوں نے ان شاء اللہ کو اپنی بدنیتی پر پردہ ڈالنے کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے۔ ان کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ اپنا کام چلائیں بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ان لوگوں نے اس بابرکت کلمے کو اس قدر بدنام کر دیا ہے کہ جب کوئی اپنے وعدے کے ساتھ ان شاء اللہ کہتا ہے تو سننے والا فوراً سمجھ جاتا ہے کہ اس کی نیت میں فتور ہے، ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ بدترین قسم کا مذاق ہے جس کا ایمان دار آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

٧٤٧٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ عَلَى أَعْرَابِيٍّ يَعُودُهُ فَقَالَ: «لَا بَأْسَ عَلَيْكَ، طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ»، قَالَ: قَالَ الْأَعْرَابِيُّ: بَلْ هِيَ حُمَّى تَفُورُ عَلَى شَيْخٍ كَبِيرٍ تُزِيرُهُ الْقُبُورَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «فَنَعَمْ إِذًا».

[راجع: ٣٦١٦]

[7470] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دیہاتی کی بیمار پرسی کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے اس سے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں، ان شاء اللہ یہ بیماری تمھارے لیے پاکیزگی کا باعث ہوگی۔'' دیہاتی نے کہا: بلکہ یہ تو وہ بخار ہے جو ایک بوڑھے پر جوش مار رہا ہے اور اسے قبر تک پہنچا کر چھوڑے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہاں تب ایسا ہی ہوگا۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے حوالے سے بتایا کہ یہ بیماری تجھے گناہوں سے پاک کر دے گی لیکن اس دیہاتی نے اسے بعید خیال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تجھے ہماری بات پر یقین نہیں ہے تو ویسے ہی ہوگا جیسا تو خیال کرتا ہے، تیرے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ضرور پورا ہو کر رہے گا۔'' چنانچہ دوسرے دن شام بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ دنیا سے چل بسا۔[2] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا میں مصائب و آلام گناہوں کے لیے کفارہ ہیں، لیکن یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہوتا ہے، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ انتہائی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے فضل و کرم کی دعا کرے۔ تمام معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں وہ اپنی مرضی اور مشیت کے مطابق ان میں تصرف کرتا ہے۔ تمام انسان اس کے محتاج اور غلام ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ واللّٰہ أعلم۔

---

[1] الكهف 18: 23. [2] المعجم الكبير للطبراني: 7 / 306، رقم: 7213، وفتح الباري: 6/ 763.

٧٤٧١ - حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ حِينَ نَامُوا عَنِ الصَّلَاةِ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ اللهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَ، وَرَدَّهَا حِينَ شَاءَ»، فَقَضَوْا حَوَائِجَهُمْ وَتَوَضَّؤُوا إِلَى أَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَضَّتْ، فَقَامَ فَصَلَّى. [راجع: ٥٩٥]

[7471] حضرت ابوقتادہ ؓ سے روایت ہے کہ جب لوگ نماز (فجر) سے سوئے رہ گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جب چاہا تمھاری روحیں روک لیں اور جب چاہا انھیں چھوڑ دیا۔'' صحابۂ کرام نے اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر وضو کیا، آخر جب سورج پوری طرح طلوع ہو گیا اور خوب دن نکل آیا تو آپ کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو یہاں انتہائی اختصار سے بیان کیا ہے، البتہ کتاب مواقیت الصلاۃ میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔[1] یہ واقعہ کس سفر میں پیش آیا، اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ہمارے رجحان کے مطابق غزوۂ خیبر سے واپسی پر یہ واقعہ ہوا۔[2] ② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی مشیت کو بیان کیا ہے کہ تمھاری روحیں اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں، وہ ان کا مالک ہے، جب انھیں قبض کر لیتا ہے تو انسان مردہ شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان بے اختیار ہے کہ جب چاہے سو جائے اور جب چاہے بیدار ہو جائے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ ہی جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور ان کو بھی جو نہیں مریں ان کی نیند میں، پھر اسے روک لیتا ہے جس پر اس نے موت کا فیصلہ کر لیا اور دوسری کو ایک مقررہ مدت تک کے لیے واپس بھیج دیتا ہے۔''[3] امام بخاری ؒ نے مشیت الٰہی کے اثبات کے لیے یہ حدیث پیش کی ہے جو اپنے مقصود میں بالکل واضح ہے۔

٧٤٧٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَالْأَعْرَجِ. وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَرَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ: وَالَّذِي اصْطَفَى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِينَ - فِي قَسَمٍ يُقْسِمُ بِهِ - فَقَالَ الْيَهُودِيُّ: وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى

[7472] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ مسلمان نے قسم کھاتے ہوئے کہا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ کو تمام جہانوں پر بزرگی دی! یہودی نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ ؑ کو تمام اہل جہاں پر منتخب کیا! تب مسلمان نے ہاتھ اٹھایا اور یہودی کو تھپڑ مار دیا۔ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت لے کر آیا اور اس نے اپنا اور مسلمان کا معاملہ پیش کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو کیونکہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے اور میں ہی سب سے پہلے ہوش میں

1 صحيح البخاري، حديث: 595. 2 المصنف لعبدالرزاق: 1/587. 3 الزمر 39: 42.

الْعَالَمِينَ، فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَلَطَمَ الْيَهُودِيَّ، فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِالَّذِي كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسٰى، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ، فَإِذَا مُوسٰى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي؟ أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللهُ؟». [راجع: ٢٤١١]

آؤں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ ؑ عرش کا ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ یہ ان لوگوں سے ہوں گے جو بے ہوش تو ہوئے ہوں لیکن مجھ سے پہلے انھیں ہوش آ گیا ہو، یا اللہ تعالیٰ نے انھیں بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ کر دیا تھا؟"

فوائد و مسائل: ① حضرات انبیاء ؑ کے درجات میں باہمی تفاوت کو خود اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یہ رسول، ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور کچھ وہ ہیں جن کے درجات بلند کیے۔"[1] نیز فرمایا: "ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔"[2] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔"[3] مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے موسیٰ ؑ پر فضیلت نہ دو، یہ آپ ﷺ نے تواضع اور انکسار کے طور پر فرمایا، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ میری اس طرح فضیلت ثابت نہ کرو جس سے حضرت موسیٰ ؑ کی توہین کا پہلو نمایاں ہو۔ ② اس حدیث کے آخر میں ایک استثنا کا ذکر ہے جس کی وضاحت درج ذیل آیت کریمہ میں ہے: "اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو بھی آسمانی اور زمین میں مخلوق ہوگی سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جسے اللہ (بچانا) چاہے گا۔"[4] اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسی مخلوق بھی ہوگی جو بے ہوش نہیں ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت موسیٰ ؑ کو اس بے ہوشی سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، وہ بھی اس صورت میں کہ شاید وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے ہوں یا وہ بے ہوش ہوئے ہی نہ ہوں، اس لیے کہ وہ دنیا میں ایک بار بے ہوش ہو چکے تھے۔ امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے مشیت الٰہی کو ثابت کیا ہے کہ وہ عام ہے اور کائنات کی ہر چیز کو شامل ہے۔

٧٤٧٣ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ أَبِي عِيسٰى: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمَدِينَةُ يَأْتِيهَا الدَّجَّالُ فَيَجِدُ الْمَلَائِكَةَ يَحْرُسُونَهَا، فَلَا يَقْرَبُهَا الدَّجَّالُ، وَلَا الطَّاعُونُ إِنْ شَاءَ اللهُ». [راجع:

[7473] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دجال، مدینہ طیبہ کا رخ کرے گا تو فرشتوں کو اس کی حفاظت کرتے ہوئے پائے گا، اس لیے اگر اللہ نے چاہا تو دجال اس کے قریب نہیں ہو سکے گا اور نہ مرض طاعون ہی اس کا رخ کرے گا۔"

---

1 البقرة 2: 253. 2 بني إسرآئيل 17: 55. 3 صحيح مسلم، الفضائل، حديث: 5940 (2278). 4 الزمر 39: 68.

[١٨٨١]

فوائد و مسائل: ① صحیح بخاری کی ایک روایت میں وضاحت ہے: ''مکے اور مدینے میں دجال داخل نہیں ہو سکے گا، وہاں فرشتے ان کی حفاظت کے لیے پہرہ دیں گے۔''[1] معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مسلمان حکمران کفر اور اہل کفر کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھیں گے، اس لیے اللہ تعالیٰ حرمین شریفین کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کرے گا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے مشیت الٰہی کو ثابت کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو دجال اور طاعون دونوں مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ بعض روایات میں مکہ مکرمہ کا بھی ذکر ہے کہ وہاں بھی طاعون کی بیماری نہیں آ سکے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے معلق کیا ہے کہ حرمین شریفین کی دجال اور طاعون سے حفاظت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے جو اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ واللہ أعلم۔

٧٤٧٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ، فَأُرِيدُ إِنْ شَاءَ اللهُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

[راجع: ٦٣٠٤]

[7474] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کی ایک دعا مقبول ہے، ان شاء اللہ میرا ارادہ ہے کہ اپنی دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھوں۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ دعا صرف اہل توحید کے حق میں قبول ہوگی، مشرکین کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں ہے: ''ان شاء اللہ وہ دعا ان کے لیے قبول ہوگی جنھیں اس حالت میں موت آئی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں گے۔''[2] رسول اللہ ﷺ نے اس دعا کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف رکھا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے خبر دے رکھی ہے کہ وہ ضرور قبول ہوگی۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا جیسا کہ انسان کو اس کی چاہت کے بغیر بھی کوئی کام کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کائنات کا مالک ہے۔ وہ اس کا نظام چلانے میں کسی کا محتاج نہیں۔

٧٤٧٥ - حَدَّثَنَا يَسَرَةُ بْنُ صَفْوَانَ بْنِ جَمِيلٍ اللَّخْمِيُّ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ

[7475] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایک وقت سو رہا تھا کہ خود کو ایک کنویں پر دیکھا۔ میں نے اس سے، جتنا اللہ نے چاہا، پانی نکالا۔ اس کے بعد ابن ابو قحافہ نے ڈول پکڑ

1 صحيح البخاري، فضائل المدينة، حديث: 1881. 2 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 491 (199).

رَأَيْتُنِي عَلَى قَلِيبٍ، فَنَزَعْتُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ أَنْزِعَ، ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ، وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ وَاللهُ يَغْفِرُ لَهُ، ثُمَّ أَخَذَهَا عُمَرُ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا، فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَفْرِي فَرِيَّهُ، حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ حَوْلَهُ بِعَطَنٍ». [راجع: ٣٦٦٤]

لیا اور انھوں نے ایک یا دو ڈول نکالے، البتہ ان کے ڈول کھینچنے میں کمزوری تھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے۔ پھر اسے عمر نے لے لیا تو وہ ان کے ہاتھ میں ایک بڑا ڈول بن گیا۔ میں نے لوگوں میں سے کوئی باکمال و بے مثال نہیں دیکھا جو اس طرح ڈول پر ڈول نکالتا ہو یہاں تک کہ لوگوں نے اس کنویں کے اردگرد گھاٹ بنا لیے۔"

فوائد و مسائل: ① ابن ابی قحافہ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ انھوں نے دو ڈول نکالے۔ ڈول نکالنے کی تعبیر امور خلافت انجام دینے سے ہے۔ حدیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کمزوری سے مراد مال غنیمت کی کمی ہے کیونکہ ان کے دور میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ آپ انھیں دین اسلام کی طرف واپس لانے کے لیے ان کی سرکوبی میں لگے رہے۔ یہ عمل فتوحات اور ان کے نتیجے میں مال غنیمت سے کہیں بڑھ کر درجہ رکھتا ہے۔ چونکہ ارتداد کا عمل ان کے دور حکومت میں ہوا تھا، اس لیے مذکورہ کمزوری کو ان کی طرف منسوب کیا گیا، پھر اسے معاف کر دیا گیا کیونکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں اسلام کی طرف واپس لانے میں پوری توانائیاں صرف کر دیں۔ ② ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس قدر طاقت اور مہارت سے ڈول کھینچے یہ بھی ان کے کامیاب دور حکومت کی طرف اشارہ ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جو پانی کھینچا اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے منسلک کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے کوئی چیز بھی باہر نہیں۔ انسان کی اپنی چاہت بھی ہوتی ہے لیکن وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔"[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی اپنی چاہت ہی سب کچھ نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی چاہت شامل حال نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی چاہت اندھیر نگری نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد اس کی حکمت اور وسیع علم ہے۔

٧٤٧٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَتَاهُ السَّائِلُ، وَرُبَّمَا قَالَ: جَاءَهُ السَّائِلُ أَوْ صَاحِبُ الْحَاجَةِ، قَالَ: «اشْفَعُوا فَلْتُؤْجَرُوا، وَيَقْضِي اللهُ عَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ مَا شَاءَ». [راجع: ١٤٣٢]

[7476] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ کے پاس کوئی سائل یا ضرورت مند آتا تو فرماتے: "اس کے متعلق سفارش کرو تمھیں ثواب دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان سے وہی جاری کرتا ہے جو چاہتا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے انتہائی خیرخواہ اور ہمدرد تھے، ہر موقع پر امت کی فلاح و بہبود آپ ﷺ کے پیش نظر ہوتی حتی کہ بعض کام جنھیں عام انسان معمولی خیال کرتا اس کے متعلق بھی آپ ﷺ رہنمائی فرماتے تاکہ

[1] الدھر 76: 30.

لوگ حصول ثواب میں شریک ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ آپ ﷺ کسی کی حق تلفی کریں گے لیکن اس کے باوجود اپنے صحابۂ کرام ؓ کو سفارش کرنے کی تلقین کرتے تا کہ وہ سفارش کے نتیجے میں ثواب کے حق دار ٹھہریں۔ (2) اس حدیث میں مشیت الٰہی کا واضح اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے میری زبان سے عطیہ دینے کے الفاظ نکلوا دیتا ہے ان الفاظ کے نکلتے ہی سفارش کرنے والے مفت میں ثواب حاصل کر لیتے ہیں اگرچہ ان کی سفارش مشیت الٰہی پر اثر انداز نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ کوئی چیز اس کی مشیت کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی۔ تمام اسباب اس کی مشیت کے تحت ہیں۔ امام بخاری ؒ اسی بات کو ثابت کرنے کے لیے یہ حدیث لائے ہیں۔ واللہ أعلم۔

٧٤٧٧ - حَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ، سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ: اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ، ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ، ارْزُقْنِي إِنْ شِئْتَ. وَلْيَعْزِمْ مَسْأَلَتَهُ، إِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ، لَا مُكْرِهَ لَهُ». [راجع: ٦٣٣٩]

[7477] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی ان الفاظ میں دعا نہ کرے: اے اللہ! اگر تو چاہے تو مجھے معاف کر دے، اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر، اگر تو چاہے تو مجھے رزق عطا فرما، بلکہ انسان کو چاہیے کہ وہ عزم اور پختگی کے ساتھ سوال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے، اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔“

فائدہ: دعا کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف رکھنے سے منع کیا گیا ہے، اس کی دو وجوہات ہیں: * مشیت پر موقوف رکھنے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اسے چاہت کے بغیر مجبور کیا جا سکتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ تصور درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اسے کوئی بھی مجبور نہیں کر سکتا۔ * اس انداز سے دعا کرنا گویا مطلوب اور مطلوب منہ سے بے پروائی ظاہر ہوتی ہے، لہٰذا دعا کرتے وقت مشیت الٰہی پر موقوف رکھنے کی بجائے پورے عزم کے ساتھ دعا کرنی چاہیے۔ سوال میں پختگی کا مطلب یہ ہے کہ طلب میں شدت ہو، اس میں کسی قسم کی لچک کا اظہار نہ ہو اور نہ اپنے سوال کو مشیت پر موقوف رکھا جائے۔[1]

٧٤٧٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرٌو: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ تَمَارٰى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوسٰى: أَهُوَ خَضِرٌ؟ فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ ابْنُ كَعْبٍ الْأَنْصَارِيُّ، فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ

[7478] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، وہ اور حر بن قیس بن حصن فزاری ؓ سیدنا موسیٰ ؑ کے ساتھی کے متعلق اختلاف کر رہے تھے کہ کیا وہ حضرت خضر ؑ ہی تھے؟ اتنے میں حضرت ابی بن کعب ؓ کا ادھر سے گزر ہوا تو حضرت ابن عباس ؓ نے انھیں بلایا اور کہا: میں اور میرا یہ ساتھی شک میں مبتلا ہیں کہ موسیٰ ؑ کے وہ ”صاحب“ کون تھے جن سے ملاقات کے لیے حضرت

[1] شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 291/2.

فَقَالَ: إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هٰذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ، هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَذْكُرُ شَأْنَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «بَيْنَا مُوسَى فِي مَلَإٍ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ؟ فَقَالَ مُوسَى: لَا، فَأُوحِيَ إِلَى مُوسَى: بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ، فَسَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ، فَجَعَلَ اللهُ لَهُ الْحُوتَ آيَةً، وَقِيلَ لَهُ: إِذَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ، فَكَانَ مُوسَى يَتْبَعُ أَثَرَ الْحُوتِ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ فَتَى مُوسَى لِمُوسَى: أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ، وَمَا أَنْسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ. قَالَ مُوسَى: ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي، فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا، فَوَجَدَا خَضِرًا فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا مَا قَصَّ اللهُ». [راجع: ٧٤]

موسیٰ علیہ السلام نے راستہ پوچھا تھا؟ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلے میں کوئی حدیث سنی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک مجمع میں تھے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے پوچھا: کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے زیادہ علم رکھتا ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: نہیں۔ پھر ان پر وحی نازل ہوئی: کیوں نہیں، بلکہ ہمارا بندہ خضر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ملاقات کا راستہ پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک مچھلی کو نشان قرار دیا اور ان سے کہا گیا: جب تم مچھلی کو گم پاؤ تو واپس لوٹ آنا، وہیں ان سے ملاقات ہوگی۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سمندر کے کنارے مچھلی کا نشان تلاش کرتے رہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے خادم نے کہا: بھلا آپ کو معلوم ہے جہاں ہم نے چٹان کے سائے میں آرام کیا تھا، میں مچھلی وہاں بھول گیا ہوں اور اسے یاد کرنے سے مجھے شیطان نے غافل کر دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہی وہ جگہ ہے ہم جس کی تلاش میں ہیں۔ وہ فوراً اپنے پاؤں کے نشانات پر واپس ہو گئے اور انھوں نے وہاں حضرت خضر علیہ السلام کو پالیا۔ ان دونوں کا وہ قصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ کر رہے تھے وہ تقریر اس قدر پرتاثیر تھی کہ حاضرین پر رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ایک شخص نے متاثر ہو کر سوال کر دیا کہ آپ سے زیادہ کوئی علم رکھنے والا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چاہیے تھا کہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے لیکن انھوں نے کہا: یہاں کوئی مجھ سے زیادہ علم والا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ انداز پسند نہ آیا اور انھیں بتایا کہ حضرت خضر علیہ السلام میرے ایسے بندے ہیں جو تجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اس بنا پر موسیٰ علیہ السلام نے سمندری سفر کرنے کی زحمت کی۔ قرآن کریم میں اس واقعے کی تفصیل ہے کہ پہلے کشتی میں سوراخ کیا، پھر ایک معصوم بچے کو مار ڈالا، آخر میں اجرت کے بغیر ایک گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دیا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مقام پر انتہائی اختصار سے یہ حدیث بیان کی ہے اور اس میں محل استشہاد بھی نہیں بیان ہوا۔ آپ نے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں درج ذیل آیت کریمہ مذکور ہے: ''موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ مجھے ان شاء اللہ صابر پائیں گے اور کسی معاملے میں آپ کی نافرمانی نہیں

کروں گا۔"[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر میں اس واقعے کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔[2] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رفاقت کے دوران میں صبر کرنے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف رکھا اور اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پورا عزم کیا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خواہش کے تابع نہ تھی کہ اسے پورا ہونے دیا جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تمام معاملات پر غالب ہوتی ہے کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اسے کوئی عاجز کرنے والا نہیں، اس لیے موسیٰ علیہ السلام بھرپور کوشش کے باوجود اپنے پروگرام کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس پر ان الفاظ میں اظہار افسوس فرمایا: "کاش کہ موسیٰ علیہ السلام صبر سے کام لیتے تاکہ ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات کا مظاہرہ ہوتا۔"[3]

٧٤٧٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ. وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «نَنْزِلُ غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ بِخَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ حَيْثُ تَقَاسَمُوا عَلَى الْكُفْرِ»، يُرِيدُ الْمُحَصَّبَ. [راجع: ١٥٨٩]

[7479] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "ہم ان شاء اللہ کل خیف بنو کنانہ میں قیام کریں گے جہاں (ایک زمانے میں) کفار مکہ نے کفر پر قائم رہنے کے لیے آپس میں قسمیں کھائی تھیں۔" خیف بنو کنانہ سے مراد وادئ محصب ہے۔

فوائد و مسائل: ① وادئ محصب مکہ مکرمہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے۔ وہاں قریش نے بنو ہاشم اور بنو مطلب سے بائیکاٹ کرنے کے متعلق قسمیں اٹھائی تھیں۔ ان کا باہمی معاہدہ ہوا تھا کہ ہم ان سے خرید و فروخت، شادی بیاہ، رہن سہن اور لین دین نہیں کریں گے یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے حوالے کر دیں۔ انھوں نے اس بائیکاٹ کا معاہدہ لکھ کر بیت اللہ میں لٹکا دیا تھا۔ اس کی وضاحت کتاب الحج میں ہے۔[4] ② اس حدیث میں وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحجہ کی بارہ تاریخ کو منیٰ میں قیام کے دوران میں فرمایا تھا۔ ایک روایت میں ہے: فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے مذکورہ عزم کا اظہار کیا تھا۔[5] ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع اور فتح مکہ دونوں موقعوں پر اس کا اظہار کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عزم کو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اسباب و ذرائع مہیا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ممکن اور آسان کام کو غیر ممکن اور مشکل کر دے کیونکہ کائنات کا نظام اس کی مشیت سے وابستہ ہے۔ واللہ أعلم.

٧٤٨٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ، عَنْ

[7480] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا لیکن

1 الكهف 18: 69. 2 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4725. 3 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4727.
4 صحيح البخاري، الحج، حديث: 1590. 5 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3882.

عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: حَاصَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَهْلَ الطَّائِفِ فَلَمْ يَفْتَحْهَا، فَقَالَ: «إِنَّا قَافِلُونَ إِنْ شَاءَ اللهُ»، فَقَالَ الْمُسْلِمُونَ: نَقْفُلُ وَلَمْ نَفْتَحْ؟ قَالَ: «فَاغْدُوا عَلَى الْقِتَالِ»، فَغَدَوْا فَأَصَابَتْهُمْ جِرَاحَاتٌ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ»، فَكَأَنَّ ذٰلِكَ أَعْجَبَهُمْ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ. [راجع: ٤٣٢٥]

ابھی فتح نہیں کیا تھا کہ آپ نے فرمایا: ''ہم ان شاء اللہ کل (مدینہ طیبہ) واپس چلے جائیں گے۔'' مسلمانوں نے کہا: اللہ کے رسول! ہم فتح کیے بغیر ہی لوٹ جائیں؟ آپ نے فرمایا: ''اگر تمھارا یہی عزم ہے تو پھر کل صبح لڑائی شروع کرو۔'' صبح انھوں نے جنگ کی تو بہت زخمی ہو گئے۔ (یہ دیکھ کر) نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہم ان شاء اللہ کل واپس جائیں گے۔'' اس پر مسلمان بہت خوش ہوئے تب (یہ دیکھ کر) رسول اللہ ﷺ مسکرا دیے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا۔ چونکہ وہ بڑے نشانہ باز اور تیر انداز تھے، اس لیے اس قلعے کو فتح کرنا مشکل تھا۔ وہاں لمبا عرصہ ٹھہرنے کی ضرورت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر شفقت فرماتے ہوئے اس عزم کا اظہار کیا کہ ہم کل مدینہ طیبہ لوٹ جائیں گے لیکن مسلمانوں کو یہ پروگرام پسند نہ آیا اور انھوں نے اسے فتح کرنے کا عزم کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمھارا اسے فتح کرنے کا پروگرام ہے تو صبح جنگ کا آغاز کرو۔'' چنانچہ جنگ شروع کر دی گئی۔ مسلمانوں کو کافی نقصان پہنچا اور انھیں کاری زخم لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی تو پھر فرمایا: ''ان شاء اللہ ہم کل واپس لوٹ جائیں گے۔'' اس عزم پر مسلمان بہت خوش ہوئے، تب انھیں پتا چلا کہ خیر و برکت تو رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عمل کرنے میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے عزم کی تبدیلی پر مسکرا دیے کہ ابھی کل کی بات ہے کہ لڑنے پر آمادہ تھے اور آج واپسی کے لیے خوش ہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کو بیان کیا ہے کہ پہلے دن رسول اللہ ﷺ نے واپسی کا عزم کیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف رکھا لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا اور اس کے اسباب مہیا نہ فرمائے۔ اگلے دن پھر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ لوٹ جانے کا عزم کیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف رکھا، اب یہ پروگرام اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اسباب اور ذرائع مہیا کر دیے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی کی محتاج نہیں، وہ تمام جہان میں کارفرما ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے، وہ بے نیاز اور بے پروا ہے، اس سلسلے میں کسی کا محتاج نہیں۔ بہرحال ہم اس بات کے پابند ہیں کہ اپنے آئندہ کے پروگرام اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وابستہ کریں۔ اس میں کامیابی ہوتی ہے یا نہیں ہوتی، اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ کامیابی یا ناکامی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو رب العالمین ہے۔''[1] ③ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کی دو قسمیں ہیں: ○ ارادۂ کونیہ۔ ○ ارادۂ شرعیہ۔ ارادۂ کونیہ جو مشیت کے معنی میں ہو جیسا کہ قرآن میں ہے: ''اگر اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہو کہ تمھیں گمراہ کر دے۔''[2] ارادۂ شرعیہ جو محبت کے معنی میں ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ

---

① التکویر 81:29. ② ھود 11:34.

ہے: "اللہ تو چاہتا ہے کہ تم پر توجہ دے۔"[1] لیکن اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کو پسند فرمانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز وقوع پذیر بھی ہو جائے، البتہ جب ارادۂ کونیہ فرماتا ہے، یعنی کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ چیز فوراً پیدا ہو جاتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "بس اس کا حکم، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے یہ (ہوتا ہے) کہ وہ اسے کہتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔"[2] البتہ شرعی ارادے میں اس کا وقوع پذیر ہونا ضروری نہیں کیونکہ محبوب چیز کبھی وقوع پذیر ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ واللہ أعلم.

(٣٢) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: ﴿وَلَا تَنفَعُ ٱلشَّفَٰعَةُ عِندَهُۥٓ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُۥ ۚ حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا۟ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا۟ ٱلْحَقَّ ۖ وَهُوَ ٱلْعَلِىُّ ٱلْكَبِيرُ﴾ [سبا: ٢٣] وَلَمْ يَقُلْ: مَاذَا خَلَقَ رَبُّكُمْ

باب: 32- ارشاد باری تعالیٰ: "اس کے ہاں صرف اس شخص کو سفارش فائدہ دیتی ہے جس کے لیے وہ خود اجازت دے یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں تمھارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ وہ کہتے ہیں: حق فرمایا ہے اور وہ بہت بلند بہت بڑا ہے۔" یہ نہیں کہا کہ تمھارے رب نے کیا پیدا کیا ہے؟ کا بیان

وَقَالَ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿مَن ذَا ٱلَّذِى يَشْفَعُ عِندَهُۥٓ إِلَّا بِإِذْنِهِۦ﴾ [البقرة: ٢٥٥]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "کون ہے وہ جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں سفارش کر سکے۔"

وَقَالَ مَسْرُوقٌ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ: إِذَا تَكَلَّمَ اللهُ بِالْوَحْيِ سَمِعَ أَهْلُ السَّمَوَاتِ شَيْئًا، فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ وَسَكَنَ الصَّوْتُ عَرَفُوا أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ وَنَادَوْا: مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: الْحَقَّ. وَيُذْكَرُ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُنَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «يَحْشُرُ اللهُ الْعِبَادَ فَيُنَادِيهِمْ بِصَوْتٍ يَسْمَعُهُ مَنْ بَعُدَ كَمَا يَسْمَعُهُ مَنْ قَرُبَ: أَنَا الْمَلِكُ، أَنَا الدَّيَّانُ».

حضرت مسروق نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے سے کلام کرتا ہے تو آسمان والے کچھ سنتے ہیں۔ پھر جب ان کے دلوں سے خوف دور کیا جاتا ہے اور آواز بھی ٹھہر جاتی ہے تو وہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ کلام برحق تھا۔ پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ تمھارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں: حق فرمایا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا جاتا ہے، وہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جمع کرے گا، پھر انھیں ایسی آواز سے پکارے گا جسے دور والے ایسے سنیں

1 النسآء 4:27. 2 یٰسٓ 36:82.

گے جیسے قریب والے سنتے ہیں۔ اللہ فرمائے گا: میں بادشاہ
ہوں، ہر ایک کے اعمال کا بدلہ دینے والا ہوں۔"

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کی اس عنوان سے غرض اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام کی وضاحت کرنا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف سے یہ پہلا عنوان ہے جس کے تحت انھوں نے مسئلہ کلام سے متعلق گفتگو کی ہے اور اس کی بے شمار فروعات ہیں۔[1] مسئلہ کلام کے متعلق چار مذاہب ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت غیر مخلوق ہے اور اس کے شایانِ شان مبنی بر حقیقت اور اصوات و حروف پر مشتمل ہے، لہٰذا اسے بلا تحریف و تعطیل اور بلا تکییف و تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: صفت ذات: اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متکلم ہے اور ہمیشہ متکلم رہے گا، ایسا نہیں کہ وہ پہلے متکلم نہیں تھا اور بعد میں متکلم ہوا۔ صفت فعل: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعض کلام اس کی مشیت کے تابع ہیں، اس نے جب چاہا، جو چاہا اور جیسے چاہا کلام کیا۔ اس قسم کا کائنات کے ساتھ تعلق حادث ہوتا ہے۔ ○ دوسرا مذہب جہمیہ کا ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہوا میں یا جہاں سے سنائی دیتی ہے، پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت، نسبت خلق یا نسبت تشریف ہے جیسا کہ ناقۃ اللہ اور بیت اللہ میں ہے۔ ○ اشعری حضرات کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا اس کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے لیکن اس کی مشیت سے متعلق نہیں ہے اور یہ سنے جانے والے حروف اور آواز میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جو اس نے اپنی صفت کلام کی تعبیر کے لیے پیدا کیے ہیں۔ ○ چوتھا مذہب توقف و تفویض کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفت کلام کے متعلق توقف کیا جائے۔ اس کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کے متعلق بحث نہ کی جائے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کے حوالے کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے پیش کردہ آیات و احادیث سے اہل سنت کا موقف ثابت کیا ہے کہ کلام اللہ غیر مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ حروف اور سنی جانے والی آوازوں کے ساتھ کلام فرماتا ہے، چنانچہ پہلی آیت میں ہے کہ فرشتے جب اللہ کا کلام سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تمھارے رب نے کیا کہا ہے؟ یہ نہیں کہتے کہ تمھارے رب نے کیا پیدا کیا ہے؟ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلی آیت کے آخر میں اس کی وضاحت کی ہے، نیز ان دونوں آیات میں قیامت کے دن سفارش کو اللہ تعالیٰ کے اذن پر موقوف رکھا گیا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کا اذن بھی کلام پر مشتمل ہوگا، کم از کم جسے سفارش کی اجازت دی گئی وہ تو ضرور سنے گا۔ اس سے بھی کلام الٰہی کا ثبوت ملتا ہے اور ان گمراہ لوگوں کی تردید ہے جو کلام الٰہی کے منکر ہیں یا اسے حروف و آواز کے بغیر تسلیم کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں دو معلق روایات بھی پیش کی ہیں، چنانچہ پہلی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً و مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کے حوالے سے متصل سند سے یہ روایت بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "جب اللہ تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے تو آسمان والے زنجیروں کے کھینچے جانے کے وقت نکلنے والی آواز کی طرح آواز سنتے ہیں۔"[2] امام ابوداود رحمہ اللہ نے اسے مرفوع حدیث کے طور پر بیان کیا ہے۔[3] حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی یہ مضمون قدرے مختلف الفاظ سے مروی ہے۔[4] دوسری

---

1 فتح الباري: 561/13. 2 فتح الباري: 565/13. 3 سنن أبي داود، السنة، حديث: 4738. 4 تفسير الطبري: 91/12.

معلق روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بواسطہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے اپنی کتاب "الأدب المفرد" (ص: 337) میں بیان کیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اسے مرفوعاً بیان کیا ہے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے ان روایات سے معتزلہ، خوارج، مرجئہ اور جہمیہ کی تردید کی ہے۔ ان کا موقف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوح محفوظ یا کسی دوسری چیز درخت وغیرہ میں کلام پیدا کرنے والا ہے۔ وہ ایسی گفتگو نہیں کرتا جو براہ راست اس سے سنی جا سکے اور وہ حروف واصوات پر مشتمل نہیں ہوتی جبکہ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کلام، اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور وہ ایسی گفتگو کرتا ہے جسے آسمانوں میں رہنے والے فرشتے سنتے ہیں اور وہ آواز وحروف پر مشتمل ہے جیسا کہ مذکورہ احادیث میں صراحت ہے اور اس کا کلام، مخلوق کے کلام سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا کیونکہ مخلوق کا کلام صرف نزدیک سے سنا جا سکتا ہے جبکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی گفتگو کو ہر نزدیک، دور والا سنے گا۔ یہ صفت کلام، اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر "ندا" کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ندا سے مراد وہ کلام ہے جو آواز وحروف پر مشتمل ہو۔ وھو المقصود. الغرض مسئلۂ کلام باری کے متعلق بہت سے لوگ راہ راست سے بھٹک گئے۔ انھوں نے ایسی تاویلات کا سہارا لیا جو بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو ہر شے پر قادر ہے اور تمام کمالات سے متصف ہے، اس نے اپنی ادنیٰ سی مخلوق انسان کو کلام کی ایسی طاقت دی ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے اپنا اظہار مافی الضمیر کرتا ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ خود کلام نہ کر سکے اور نہ اپنی آواز ہی کسی کو سنا سکے اور اس کی مخلوق سہولت اور فراغت کے ساتھ جب چاہیں جو چاہیں باتیں کریں۔ ہمارے نزدیک بچوں اور بے وقوف لوگوں کا یہ خیال ہو سکتا ہے عقلمند اور صاحب بصیرت انسان اس قسم کے خیالات سے کوسوں دور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر گامزن رکھے۔ قیامت کے دن اپنی رحمت کا معاملہ کرے۔

٧٤٨١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِذَا قَضَى اللهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ، كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلَى صَفْوَانٍ - قَالَ عَلِيٌّ وَقَالَ غَيْرُهُ: صَفَوَانٍ يَنْفُذُهُمْ ذَلِكَ - فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا: مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ».

[7481] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے اس کے فیصلے کے آگے اظہار عاجزی کرنے کے لیے اپنے پر مارتے ہیں، گویا ان کے پروں کی ایسی آواز ہوتی ہے جیسے صاف پتھر پر زنجیر ماری گئی ہو..... شیخ بخاری علی بن مدینی نے کہا: سفیان کے علاوہ دوسرے راویوں نے "صفوان" کو فاء کے فتحہ کے ساتھ بیان کیا ہے (جبکہ سفیان بن عیینہ نے "فا" کو ساکن پڑھا ہے۔)..... اللہ تعالیٰ یہ حکم فرشتوں کو پہنچاتا ہے، ان کے دلوں سے جب خوف دور کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں: تمھارے رب نے کیا فرمایا؟ تو وہ کہتے ہیں: حق فرمایا ہے اور وہ (اللہ)

1 مسند أحمد: 495/3.

بہت بلند بہت بڑا ہے۔“

قَالَ عَلِيٌّ: وَحَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِهٰذَا.

علی بن مدینی نے کہا: ہم سے سفیان نے، ان سے عمرو نے، ان سے عکرمہ نے اور ان سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہی حدیث بیان کی۔

قَالَ سُفْيَانُ: قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ.

اور کبھی سفیان نے یوں بیان کیا کہ عمرو نے کہا: میں نے عکرمہ سے سنا، (انھوں نے کہا:) ہم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔

قَالَ عَلِيٌّ: قُلْتُ لِسُفْيَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ: نَعَمْ.

علی بن مدینی نے کہا: میں نے سفیان بن عیینہ سے پوچھا: (کیا) عمرو بن دینار نے کہا ہے کہ میں نے عکرمہ سے سنا، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا؟ تو سفیان بن عیینہ نے اس امر کی تصدیق کی۔

قُلْتُ لِسُفْيَانَ: إِنَّ إِنْسَانًا رَوٰى عَنْ عَمْرٍو ابْنِ دِينَارٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَرْفَعُهُ أَنَّهُ قَرَأَ: (فُرِّغَ)، قَالَ سُفْيَانُ: هٰكَذَا قَرَأَ عَمْرٌو، فَلَا أَدْرِي سَمِعَهُ هٰكَذَا أَمْ لَا، قَالَ سُفْيَانُ: وَهِيَ قِرَاءَتُنَا. [راجع: ٤٧٠١]

میں نے سفیان بن عیینہ سے کہا: ایک شخص، عمرو بن دینار کے واسطے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ذکر کرتا ہے کہ انھوں نے فُزِّعَ کے بجائے فُرِّغَ پڑھا ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: عمرو بن دینار نے ایسا ہی پڑھا تھا۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ انھوں نے اس طرح سنا ہے یا نہیں۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: ہماری قراءت بھی اسی طرح ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے مراد کسی چیز کے متعلق فرشتوں کو حکم دینا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہما سے مروی گزشتہ احادیث میں وضاحت ہے۔ اور فرشتوں کا اظہار عاجزی کے پیش نظر اپنے پروں کا مارنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور حکم کو سنتے ہیں، نیز حروف و آواز پر مشتمل کلام ہی کو سنا جا سکتا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ بھی اس امر کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام بھی حروف و آواز پر مشتمل ہے اور وہ سنا جا سکتا ہے لیکن وہ مخلوق کے کلام سے مشابہت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ بھی حقیقی کلام کا اظہار کرتا ہے جسے فرشتے سنتے ہیں اور اظہار عاجزی کے لیے اپنے پر مارتے ہیں جن سے ایسی آواز نکلتی ہے جیسا کہ سخت چٹان پر لوہے کی زنجیر کھینچنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے اختتام پر کچھ اسناد ذکر کی ہیں۔ ان سے انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عکرمہ سے تدلیس کے شبے کو دور کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ مذکورہ حدیث متصل سند سے مروی ہے اور اس میں تدلیس کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

٧٤٨٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ ﷺ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ».

وَقَالَ صَاحِبٌ لَهُ: يُرِيدُ: [أَنْ] يَجْهَرَ بِهِ. [راجع: ٥٠٢٣]

[7482] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کسی بات کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جس قدر نبی ﷺ کے قرآن پڑھنے کو متوجہ ہو کر سنتا ہے جبکہ وہ اسے خوش الحانی سے پڑھتے ہیں۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے اس کے معنی یہ کیے ہیں کہ جب آپ اسے بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① شارحین نے لکھا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان کے مطابق نہیں ہے حتی کہ علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث میں مذکور لفظ اذن سے قول مراد لیا ہے، حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ جیسے فقیہ سے یہ بات بہت بعید ہے۔[1] ② ہمارے نزدیک اس لفظ کے معنی ہیں: متوجہ ہو کر سننا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ توجہ سے اسی کلام کو سنا جا سکتا ہے جو حروف و آواز پر مشتمل ہو اور خوش الحانی سے بھی وہی کلام پڑھا جا سکتا ہے جو الفاظ و اصوات پر مشتمل ہو۔ اللہ تعالیٰ کا کلام بھی حروف و آواز پر مشتمل ہے اور وہ حقیقی کلام سے متصف ہے۔ واللہ أعلم.

٧٤٨٣ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَقُولُ اللهُ: يَا آدَمُ! فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، فَيُنَادِي بِصَوْتٍ: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُخْرِجَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ بَعْثًا إِلَى النَّارِ». [راجع: ٣٣٤٨]

[7483] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا: اے آدم! وہ کہیں گے: لبيك و سعديك، پھر وہ بلند آواز سے ندا دے گا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم اپنی اولاد سے جہنم کا لشکر نکال کر باہر کر دو۔"

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں آواز اور حروف ہیں اور اسے سنا جا سکتا ہے اور ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام صرف نفسی کلام ہے جس میں حروف و آواز نہیں کیونکہ جس کلام میں آواز اور حروف ہوتے ہیں وہ حادث ہے اور اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت بھی حادث نہیں۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو مخلوق کے کلام کے مثل قرار دیا، پھر قیاس کا سہارا لیتے ہوئے اس کی تاویلیں کی ہیں، حالانکہ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بآواز بلند حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دے گا کہ تم اپنی اولاد سے جہنم کا لشکر الگ کر دو۔ ② جامع ترمذی کی ایک روایت

1 عمدة القاري: 672/16.

میں اس کی مزید وضاحت ہے، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل دو آیات با آواز بلند تلاوت فرمائیں: ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی (ہولناک) چیز ہے۔ اس دن تم دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اس سے غافل ہو جائے گی جسے اس نے دودھ پلایا اور ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی اور تو لوگوں کو مدہوش دیکھے گا، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی بہت سخت ہوگا۔''[1] پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں معلوم ہے کہ ایسا کب ہوگا؟'' صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اس دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ حضرت آدم کو با آواز بلند فرمائے گا: اے آدم! اپنی اولاد سے دوزخ کا حصہ الگ کر دو۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: اے میرے رب! دوزخ کا حصہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم کے لیے اور ایک شخص جنت کے لیے۔''[2] اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ با آواز بلند حضرت آدم علیہ السلام کو جہنم کا حصہ الگ کرنے کا حکم دے گا۔ اور یہ حکم آواز و حروف پر مشتمل ہوگا۔ وھو المقصود۔

٧٤٨٤ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا غِرْتُ عَلَى امْرَأَةٍ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ، وَلَقَدْ أَمَرَهُ اللهُ أَنْ يُبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ مِنَ الْجَنَّةِ. [راجع: ٣٨١٦]

[7484] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: مجھے جس قدر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر غیرت آتی تھی اور کسی عورت پر نہیں آتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فرمایا تھا کہ وہ انھیں جنت میں ایک گھر کی بشارت دے دیں۔

فوائد و مسائل: ① دوسری روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی غیرت کا سبب بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں اکثر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کرتے رہتے تھے اور بعض اوقات آپ ﷺ بکری ذبح کرتے، پھر ان کی سہیلیوں کے ہاں کافی مقدار میں گوشت بھیجتے تھے۔[3] ② اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی نہیں بلکہ حروف و آواز پر مشتمل ہے اور قدیم ہی نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً وہ جب چاہتا ہے کلام کرتا رہتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بشارت دینے کے لیے کلام فرمایا۔ اس حدیث میں لفظ ''امر'' آیا ہے اور امر کلام سے ہوتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے کلام کی نفی کی اس نے گویا رسالت کی نفی کی ہے کیونکہ رسالت مامورات اور منہیات پر مشتمل ہوتی ہے۔[4]

(٣٣) بَابُ كَلَامِ الرَّبِّ تَعَالَى مَعَ جِبْرِيلَ، وَنِدَاءِ اللهِ الْمَلَائِكَةَ

باب: 33- رب تعالیٰ کا حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ کلام کرنا اور اللہ کا دوسرے فرشتوں کو ندا دینا

وَقَالَ مَعْمَرٌ ﴿وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْءَانَ﴾ [النمل: ٦]

ارشاد باری تعالیٰ: ''اور بلاشبہ آپ کو یہ قرآن کمال

---

1 الحج 22: 1-2. 2 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3169. 3 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3818. 4 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 3/328.

أَيْ: يُلْقِي عَلَيْكَ، وَتَلَقَّاهُ أَنْتَ: أَيْ: تَأْخُذُهُ عَنْهُ، وَمِثْلُهُ ﴿فَتَلَقَّىٰٓ ءَادَمُ مِن رَّبِّهِۦ كَلِمَٰتٍ﴾ [البقرة: ٣٧].

حکمت والے کی طرف سے سکھلایا (عطا کیا) جاتا ہے۔" کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت معمر رحمہ اللہ نے فرمایا: تم پر یہ قرآن القا کیا جاتا ہے اور تم اسے فرشتوں سے لیتے ہو جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: "آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے۔"

وضاحت: لغوی اعتبار سے تلقي کے معنی آگے بڑھ کر ملاقات کرنا ہیں جسے ہم استقبال سے تعبیر کرتے ہیں۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ وحی کے انتظار میں رہتے کہ کس وقت وحی اترتی ہے، گویا جب وحی اترتی تو آپ ﷺ اس کا استقبال کرتے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ کا کلام حروف و آواز پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا مبنی بر حقیقت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے حضرت جبریل علیہ السلام سے ہم کلام ہوتا ہے اور دیگر فرشتوں کو بھی ندا دیتا ہے اور اس کی ندا کلام ہی ہے۔ واللہ أعلم.

٧٤٨٥ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ - هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ ابْنِ دِينَارٍ - عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا نَادَى جِبْرِيلَ: إِنَّ اللهَ قَدْ أَحَبَّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي جِبْرِيلُ فِي السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ قَدْ أَحَبَّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، وَيُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي أَهْلِ الْأَرْضِ». [راجع: ٣٢٠٩]

[7485] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، تو حضرت جبریل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر جبریل علیہ السلام آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر اس کی مقبولیت زمین والوں میں رکھ دی جاتی ہے۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے کلام الٰہی کی حقیقت و ماہیت کو ثابت کرنے کے بعد اب اس کی انواع و اقسام کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے ہم کلام ہونا بھی ایک قسم ہے جسے اس عنوان میں بیان کیا گیا ہے، چنانچہ اس حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام سے کلام کرتا ہے کہ وہ فلاں آدمی سے محبت کرتا ہے۔" ② واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کے کئی ایک اسباب ہیں: ان میں سے ایک توبہ و استغفار ہے، نیز ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاک رہنا بھی اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کا باعث ہے۔ اس کے علاوہ دشمنانِ اسلام کے سامنے سینہ سپر ہونا اور کثرتِ نوافل کا اہتمام کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کے اسباب ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ جب چاہے جسے چاہے اور جس سے چاہے گفتگو کرتا ہے۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا حضرت جبریل علیہ السلام کو ندا دینا ثابت ہے۔ اور ندا یا آواز بلند پکارنے کو کہا جاتا ہے۔ انھی الفاظ سے عنوان ثابت ہوتا ہے۔ واللہ أعلم.

٧٤٨٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ وَصَلَاةِ الْفَجْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ - وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ -: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ». [راجع: ٥٥٥]

[7486] حضرت ابوہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے پاس رات اور دن کے فرشتے یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور عصر و فجر کی نمازوں میں وہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے جو تم میں رات گزارتے ہیں جب اوپر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ بندوں کے احوال سے خوب واقف ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں: ہم نے انھیں اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور جب ان کے پاس گئے تھے تو بھی نماز پڑھ رہے تھے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کے مطابق فرشتے لوگوں کے شب و روز کے عمل لے کر اوپر جاتے ہیں۔ اسی طرح ان کا تانتا لگا رہتا ہے۔ اس حدیث سے امام بخاری ؒ نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبریل ؑ کے علاوہ دوسرے فرشتوں سے بھی کلام کرتا ہے اور اس کا کلام قرآن مجید کے علاوہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام حروف و اصوات پر مشتمل مبنی برحقیقت ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں سے سوال کرنے کا ذکر ہے اور سوال ایسا کلام ہوتا ہے جو دوسروں کو سنائی دے اور وہ کلام حروف و آواز پر مشتمل ہو۔ واللہ أعلم. ② اس حدیث میں رات گزارنے والے فرشتوں کا خاص طور پر اس لیے ذکر ہوا کہ جو لوگ رات کے وقت نیک کام کرنے میں مصروف رہتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رات کو آرام کے لیے بنایا ہے تو وہ دن کے اوقات میں بطریق اولی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف رہتے ہوں گے۔

٧٤٨٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ، عَنِ الْمَعْرُورِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَتَانِي جِبْرِيلُ فَبَشَّرَنِي أَنَّهُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى؟ قَالَ: وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى». [راجع: ١٢٣٧]

[7487] حضرت ابوذر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میرے پاس حضرت جبریل ؑ آئے اور مجھے خوشخبری دی کہ جو شخص اس حالت میں فوت ہو جائے کہ وہ کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو وہ جنت میں جائے گا۔'' میں نے عرض کیا: اگرچہ وہ چوری اور زنا کا مرتکب ہو؟ آپ نے فرمایا: ''گو وہ چوری اور زنا کا مرتکب ہو۔''

فائدہ: فرشتوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتے۔''[1] اس آیت سے

① مريم 19: 64.

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل علیہ السلام اس وقت اترتے تھے جب انھیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا، اس بنا پر حدیث میں مذکورہ بشارت بامر الٰہی تھی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ جاؤ اور میرے پیغمبر کو بشارت دے دو۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے ہم کلام ہو کر یہ پیغام دیا اور پیغام ہمیشہ کلام سے دیا جاتا ہے اور اس میں ندا بھی داخل ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ موحد اگرچہ گناہ گار ہو آخر کار جنت کا حق دار ہوگا، خواہ اللہ تعالیٰ اسے گناہوں کی سزا دے یا معاف کر دے۔

(٣٤) بَابُ قَوْلِهِ: ﴿أَنزَلَهُۥ بِعِلْمِهِۦ ۖ وَٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ﴾ [النساء: ١٦٦]

باب: 34- ارشاد باری تعالیٰ: ”اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کی طرف اتارا ہے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں“ کا بیان

قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿يَتَنَزَّلُ ٱلْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾ [الطلاق: ١٢]: بَيْنَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ وَالْأَرْضِ السَّابِعَةِ.

امام مجاہد بیان کرتے ہیں کہ آیت کریمہ: ”ان کے درمیان حکم نازل ہوتا ہے“ کا مفہوم یہ ہے کہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم اترتے رہتے ہیں۔

وضاحت: اس عنوان سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا کلام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام کو یہ قرآن سناتا تھا اور حضرت جبریل علیہ السلام یہی کلام رسول اللہ ﷺ کو سناتے تھے۔ یہ قرآن الفاظ ومعانی پر مشتمل ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں جیسا کہ جہمیہ اور معتزلہ کہتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت لامحدود ہے اسی طرح اس کے کلام کی گہرائیاں اور حقائق بھی لامحدود ہیں۔ فرشتوں کی گواہی اس لحاظ سے قابل اعتبار ہے کہ کائنات کے تمام امور اللہ تعالیٰ کے اذن سے انھی کے ہاتھوں سرانجام پا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی انھی کے ذریعے سے نازل ہوا ہے۔ دوسری آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اس عالم رنگ و بو کے انتظام و تدبیر کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام تکوینیہ اور شرعیہ ان آسمانوں اور زمینوں میں نازل ہوتے رہتے ہیں۔

٧٤٨٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا فُلَانُ! إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَقُلِ: اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا

[7488] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے فلاں! جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو یہ دعا پڑھا کرو: ”اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا اور اپنا رخ تیری طرف موڑ دیا۔ میں نے اپنا معاملہ تیرے حوالے کر دیا، تجھ سے ڈرتے ہوئے اور تیری طرف رغبت کرتے ہوئے یہ سب کچھ کیا۔ تیرے سوا کوئی پناہ اور جائے نجات نہیں۔ اے اللہ! میں

إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ، فَإِنَّكَ إِنْ مُتَّ فِي لَيْلَتِكَ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ، وَإِنْ أَصْبَحْتَ أَصَبْتَ أَجْرًا». [راجع: ٢٤٧]

تیری کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل کی ہے اور تیرے نبی کو مان لیا جو تو نے بھیجا ہے۔" اگر تو اس رات فوت ہو جائے تو فطرت اسلام پر تمھاری موت ہوگی اور اگر صبح کو زندہ اٹھے تو تجھے اجر وثواب ملے گا۔"

فوائد و مسائل: ① عنوان سابق میں اللہ تعالیٰ کا حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ ہم کلام ہونا بیان ہوا تھا اور اس باب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو اپنے علم کے مطابق نازل کیا ہے اور یہ قرآن کریم حضرت جبریل کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوا جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے گفتگو کی اور انھیں قرآن کریم اتارنے کا حکم دیا۔ اس طرح دونوں عنوانوں میں مناسبت ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اسے اتارا گیا ہے، پیدا نہیں کیا گیا۔ نازل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حادث ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ مخلوق کی صفات سے کسی طرح سے بھی مشابہ نہیں ہے۔ اس حدیث میں اس کتاب پر ایمان لانے کا ذکر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان ثابت کیا ہے۔ بہرحال قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے کلام پر مشتمل ہے اور وہ اس کا نازل کیا ہوا ہے، کسی اعتبار سے بھی مخلوق نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

٧٤٨٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ الْأَحْزَابِ: «اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ! سَرِيعَ الْحِسَابِ! اهْزِمِ الْأَحْزَابَ وَزَلْزِلْهُمْ». [راجع: ٢٩٣٣]

[7489] حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خندق کے دن ان الفاظ میں دعا کی: "اے اللہ! کتاب (قرآن مجید) نازل کرنے والے! جلدی حساب لینے والے! دشمن کے گروہ کو شکست سے دوچار کر اور ان کے پاؤں اکھاڑ دے۔"

زَادَ الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي خَالِدٍ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ.

امام حمیدی نے یہ روایت ان الفاظ میں بیان کی: "ہم سے سفیان بن عیینہ نے بواسطہ ابن ابو خالد بیان کیا ہے، انھوں نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے نبی ﷺ سے سنا۔

فائدہ: اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ ذیل صفت کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی: "قرآن مجید کو نازل کرنے والے۔" امام بخاری رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں بلکہ اس کی نازل کی ہوئی کتاب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس صفتِ الٰہی کے حوالے سے دعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت مبنی بر حقیقت ہے۔ چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کو فتنۂ خلق قرآن سے پالا پڑا تھا، اس لیے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں بلکہ

اس کی نازل کی ہوئی کتاب ہے۔ امام بخاری ؒ کی پیش کردہ حدیث میں عنعنہ تھا، اس لیے انھوں نے امام حمیدی سے نقل کیا کہ حدیث کی سند سماع پر مبنی ہے۔

٧٤٩٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ هُشَيْمٍ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ [الإسراء: ١١٠]، قَالَ: أُنْزِلَتْ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ مُتَوَارٍ بِمَكَّةَ، فَكَانَ إِذَا رَفَعَ صَوْتَهُ سَمِعَ الْمُشْرِكُونَ فَسَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ، وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾: لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ حَتَّى يَسْمَعَ الْمُشْرِكُونَ، وَلَا تُخَافِتْ بِهَا عَنْ أَصْحَابِكَ فَلَا تُسْمِعَهُمْ ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾: أَسْمِعْهُمْ وَلَا تَجْهَرْ حَتَّى يَأْخُذُوا عَنْكَ الْقُرْآنَ. [راجع: ٤٧٢٢]

[7490] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت: ''آپ اپنی نماز نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھیں اور نہ بالکل پست آواز سے'' کے متعلق فرمایا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ جب آپ بلند آواز سے قرآن پڑھتے اور مشرکین مکہ قرآن سنتے تو قرآن، صاحب قرآن اور قرآن لانے والے حضرت جبریل ؑ کو برا بھلا کہتے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا: ''اپنی نماز میں قرآن کریم بآواز بلند اور بالکل پست نہ پڑھیں، یعنی آواز اتنی بلند بھی نہ کریں کہ مشرکین سن لیں اور اس قدر آہستہ بھی نہ پڑھیں کہ آپ کے صحابہ بھی نہ سن سکیں بلکہ اس کے بین بین پڑھیں، یعنی اپنے صحابۂ کرام کو سنائیں، اور زیادہ بلند آواز نہ کریں، تاکہ صحابۂ کرام آپ سے قرآن سیکھ لیں۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ اس امید سے قرآن مجید بآواز بلند پڑھتے تھے تاکہ مشرکین اسے سنیں اور اس پر غور وفکر کریں لیکن انھوں نے ردعمل کے طور پر اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا، اس لیے زیادہ اونچا پڑھنے سے آپ ﷺ کو روک دیا گیا۔ امام بخاری ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ کی اس تفسیر سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں کیونکہ اس کی صفت ''انزال'' بیان ہوئی ہے، اس لیے یہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس کی مخلوق نہیں کیونکہ مخلوق کو پڑھا نہیں جاتا اور نہ بلند و پست آواز سے پڑھا جا سکتا ہے۔ بہرحال قرآن کریم مخلوق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے جیسا کہ قرآن و حدیث کے متعدد دلائل سے ثابت ہے۔

(٣٥) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَـٰمَ اللَّهِ﴾ [الفتح: ١٥]

باب: 35- ارشاد باری تعالیٰ: ''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں'' کا بیان

﴿إِنَّهُۥ لَقَوْلٌ فَصْلٌ﴾: [حَقٌّ] ﴿وَمَا هُوَ بِٱلْهَزْلِ﴾ [الطارق: ١٣، ١٤] بِاللَّعِبِ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک یہ قرآن فیصلہ کن بات ہے۔'' فصل کے معنی ''برحق'' کے ہیں۔ ''یہ کوئی ہنسی

مذاق کی بات نہیں۔'' ھَزْل کے معنی ہیں: کھیل تماشا۔

وضاحت: ابن بطال نے لکھا ہے: ''اس عنوان کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی صفت اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور وہ ہمیشہ سے متکلم ہے'' لیکن حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: امام بخاری ؒ کی اس عنوان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام صرف قرآن کریم کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ وہ ایک ہی قسم پر مشتمل نہیں بلکہ اس کی متعدد قسمیں ہیں جیسا کہ آئندہ احادیث سے معلوم ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق اور اس کی صفت کے ساتھ قائم ہے، تاہم وہ اپنے کلام سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔ بندوں کی حاجات و ضروریات کے پیش نظر ان کے لیے شرعی احکام بھیجتا ہے، یہ احکام اللہ تعالیٰ کا کلام ہی ہیں۔[1] امام بخاری ؒ اس عنوان کے تحت چند ایک احادیث قدسیہ پیش کرتے ہیں جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو قول اور ندا سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے اور اس سلسلے میں چند احادیث بھی آئندہ پیش ہوں گی۔ واللہ أعلم.

٧٤٩١ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «قَالَ اللهُ تَعَالَى: يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ، يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي الْأَمْرُ، أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ». [راجع: ٤٨٢٦]

[7491] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: آدم کا بیٹا مجھے تکلیف دیتا ہے۔ وہ زمانے کو برا بھلا کہتا ہے جبکہ میں خود زمانہ ہوں۔ میرے ہی ہاتھ میں تمام کام ہیں۔ میں جس طرح چاہتا ہوں رات اور دن کو پھیرتا رہتا ہوں۔''

٧٤٩٢ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَقُولُ اللهُ تَعَالَى: اَلصَّوْمُ لِي، وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَأَكْلَهُ وَشُرْبَهُ مِنْ أَجْلِي، وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ، وَلِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ حِينَ يُفْطِرُ، وَفَرْحَةٌ حِينَ يَلْقَى رَبَّهُ، وَلَخَلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ». [راجع: ١٨٩٤]

[7492] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: روزہ میرے ہی لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ وہ (روزے دار) میری خاطر اپنی خواہشات اور کھانا پینا چھوڑتا ہے اور روزہ ایک ڈھال ہے۔ نیز روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی روزہ افطار کرتے وقت اور دوسری خوشی اس وقت جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا۔ روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ اور عمدہ ہے۔''

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ ان دونوں احادیث قدسیہ سے امام بخاری ؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام صرف

[1] فتح الباري: 570/13.

قرآنِ مجید کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے حسب موقع کلام کرتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ احادیث کے مضامین کو اللہ تعالیٰ کا قول قرار دیا ہے، حالانکہ یہ احادیث قرآنِ کریم کے علاوہ ہیں۔ اس سے معتزلہ اور جہمیہ کی تردید بھی مقصود ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ② قبل ازیں عنوان میں ایک آیت کا حوالہ تھا، چنانچہ مسلمان صلح حدیبیہ کے موقع پر بہت رنجیدہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے سے ان سے وعدہ کیا تھا کہ انھیں بلاشرکت غیرے ایک فتح حاصل ہوگی جبکہ منافقین اس وعدے کو تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ یہ وعدہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام تھا جو قرآن مجید کے علاوہ تھا۔ واللہ أعلم۔

٧٤٩٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «بَيْنَمَا أَيُّوبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا خَرَّ عَلَيْهِ رِجْلُ جَرَادٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَجَعَلَ يَحْثِي فِي ثَوْبِهِ، فَنَادَى رَبُّهُ: يَا أَيُّوبُ! أَلَمْ أَكُنْ أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرَى؟ قَالَ: بَلَى يَا رَبِّ! وَلٰكِنْ لَا غِنَى بِي عَنْ بَرَكَتِكَ». [راجع: ٢٧٩]

[7493] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ایک دفعہ حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ حالت میں غسل کر رہے تھے کہ اچانک ان پر سونے کی ٹڈیاں گرنے لگیں۔ وہ انھیں اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے۔ ان کے رب نے آواز دی: اے ایوب! کیا میں نے تجھے مال دے کر ان ٹڈیوں سے بے پروا نہیں کر دیا؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں اے میرے رب! (تو نے مجھے بہت غنی کیا ہے) لیکن میں تیری برکت سے بے پروا نہیں ہو سکتا ہوں۔''

فائدہ: اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ندا دی اور ان سے خطاب فرمایا۔ یہ خطاب با آواز بلند تھا۔ جن لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام آواز اور حروف کے بغیر ہے وہ کس قدر کم عقل اور گمراہ ہیں! آج کل بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں جو جہمیہ اور معتزلہ جیسا عقیدہ رکھتے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علاوہ بھی کلام کیا ہے اور وہ جب چاہے، جیسے چاہے، جس سے چاہے ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ قادر مطلق ہے، اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔ واللہ المستعان۔

٧٤٩٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَتَنَزَّلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ؟ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟». [راجع: ١١٤٥]

[7494] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے جس وقت رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے اور کہتا ہے: کوئی شخص ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا قبول کروں، کوئی شخص ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اسے عطا کر دوں، کوئی شخص ہے جو مجھ سے معافی مانگے تو میں اسے بخش دوں۔''

فوائد و مسائل: ① رات کے آخری تہائی حصے میں کھانا وغیرہ ہضم ہو جانے کے باعث سانس کی آمد و رفت آسان ہو

جاتی ہے۔حواس کا بوجھ بھی ہلکا ہو جاتا ہے، نیز تشویش کن امور اور دنیا کا شور وغل بھی نہیں ہوتا۔ الغرض یہ وقت تنہائی اور یکسوئی کا ہوتا ہے۔ ان پرسکون لحات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پکارتا ہے۔ اس وقت عبادت میں بڑی لذت آتی ہے۔ ② اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کا آسمان دنیا پر اترنا اور کلام کرنا ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام قرآن مجید کے علاوہ اور آواز وحروف پر مشتمل ہے۔ جو لوگ ان حقائق کا انکار کرتے ہیں یا دوراز کار تاویل کا دروازہ کھولتے ہیں انھیں غور وفکر کرنا چاہیے کہ وہ کدھر اپنا رخ کیے ہوئے ہیں۔ کیا اس قدر واضح دلائل کے بعد بھی انکار یا تاویل کی گنجائش باقی رہتی ہے؟

٧٤٩٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ: أَنَّ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». [راجع: ٢٣٨]

[7495] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”ہم (دنیا میں آنے کے اعتبار سے) آخری امت ہیں لیکن آخرت میں سب سے آگے ہوں گے۔“

٧٤٩٦ - وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ «قَالَ اللهُ: أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ». [راجع: ٤٦٨٤]

[7496] اسی سند کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”تم خرچ کرو تو میں تم پر خرچ کروں گا۔“

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی یہ امت گو آخری امت ہے لیکن جنت میں سب امتوں سے پہلے جائے گی۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایک فرمانِ الٰہی بیان کیا ہے جو مبنی برحقیقت اور آواز وحروف پر مشتمل ہے۔ یہ فرمان قرآن کریم کے علاوہ ہے اور غیر مخلوق ہے۔ یقیناً یہ فرمان اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے حدیث قدسی کہا جاتا ہے۔

٧٤٩٧ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ: «هٰذِهِ خَدِيجَةُ أَتَتْكَ بِإِنَاءٍ فِيهِ طَعَامٌ، أَوْ إِنَاءٍ [فِيهِ] شَرَابٌ، فَأَقْرِئْهَا مِنْ رَبِّهَا السَّلَامَ، وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيهِ وَلَا نَصَبَ». [راجع: ٣٨٢٠]

[7497] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: اللہ کے رسول!) ”یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس برتن لے کر آ رہی ہیں جس میں کھانا یا پینے کا پانی ہے۔ انھیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہہ دیں اور انھیں جنت میں ایسے گھر کی بشارت دیں جو موتیوں سے بنا ہوا ہے۔ اس میں کسی قسم کا شور وغل اور تھکاوٹ نہیں ہوگی۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا ایک کلام بحق سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بیان ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل سے مخاطب ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سلام اور بشارت ارسال کی۔ اس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی زوجۂ محترمہ کو سلام بھیجتا ہے۔ ② اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کا ایک کلام بیان ہوا ہے جو اس کی مشیت سے متعلق ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے کلام سے شرف یاب کرتا ہے اور یہ کلام غیر قرآن اور غیر مخلوق ہے۔ وھو المقصود۔

٧٤٩٨ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «قَالَ اللهُ: أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ». [راجع: ٣٢٤٤]

[7498] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: میں نے (جنت میں) اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنھیں نہ تو آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال ہی گزرا۔''

فائدہ: اس حدیث قدسی میں بھی اللہ تعالیٰ کا کلام نقل ہوا ہے جو قرآن کریم کے علاوہ ہے اور یہ کلام مبنی بر حقیقت ہے، نیز یہ کلام غیر مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے جسے چاہے اس قسم کے کلام سے عزت دیتا ہے۔

٧٤٩٩ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ الْأَحْوَلُ: أَنَّ طَاوُسًا أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا تَهَجَّدَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ: «اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، أَنْتَ الْحَقُّ، وَوَعْدُكَ الْحَقُّ، وَقَوْلُكَ الْحَقُّ، وَلِقَاؤُكَ الْحَقُّ، وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ. اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ إِلٰهِي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ». [راجع: ١١٢٠]

[7499] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ جب رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو پڑھتے: ''اے اللہ! حمد تیرے ہی لیے ہے، تو آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے، تعریف تیرے ہی لیے ہے۔ تو آسمانوں اور زمین کو کنٹرول کرنے والا ہے۔ حمد تیرے ہی لیے ہے۔ تو آسمانوں کا، زمین کا، اور جو کچھ ان میں ہے سب کا رب ہے۔ تو برحق ہے۔ تیرا وعدہ سچا ہے۔ تیرا کلام بھی برحق ہے۔ تیری ملاقات مبنی بر حقیقت ہے۔ جنت حق ہے اور دوزخ بھی حق ہے۔ تمام انبیاء سچے ہیں اور قیامت بھی برحق ہے۔ اے اللہ! میں تیرے حضور سرنگوں ہوا، تجھ پر ایمان لایا، میں نے تجھی پر توکل کیا، تیری ہی طرف رجوع کیا۔ میں تیرے ہی سامنے اپنا مقدمہ پیش کرتا ہوں اور تجھی سے اپنا فیصلہ چاہتا ہوں، اس لیے میرے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دے جو میں نے پوشیدہ کیے ہیں اور جو علانیہ کیے ہیں۔ تو ہی میرا معبود ہے اور تیرے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں۔''

فائدہ: اس دعائے مبارکہ میں ہے کہ اے اللہ! تیرا کلام برحق ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کا کلام مبنی بر حقیقت ہے۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں حروف اور آواز کے منکر ہیں کیونکہ اس حدیث میں کلام الٰہی کو ''قول'' سے

تعبیر کیا گیا ہے جو آواز اور حروف پر مشتمل ہوتا ہے، نیز اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے قول کی صفت "حق" بیان ہوئی ہے جس کے معنی ثابت اور لازوال کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہدایت اور عدل ہے جبکہ منافقین اور کفار اس کی حقانیت سے پہلو تہی کر کے اسے تبدیل کرنا چاہتے ہیں، ایسا کردار ادا کرنے سے انھیں خود نقصان ہوگا۔ واللّٰه المستعان.

٧٥٠٠ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ الْأَيْلِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ، وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ، وَعُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ، عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللهُ مِمَّا قَالُوا. وَكُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِنَ الْحَدِيثِ الَّذِي حَدَّثَنِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: وَلٰكِنْ وَاللهِ مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنَّ اللهَ يُنْزِلُ فِي بَرَاءَتِي وَحْيًا يُتْلَى، وَلَشَأْنِي فِي نَفْسِي كَانَ أَحْقَرَ مِنْ أَنْ يَتَكَلَّمَ اللهُ فِيَّ بِأَمْرٍ يُتْلَى، وَلٰكِنِّي كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَرَى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي النَّوْمِ رُؤْيَا يُبَرِّئُنِي اللهُ بِهَا، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ﴾ الْعَشْرَ الْآيَاتِ

[النور: ١١-٢٠]. [راجع: ٢٥٩٣]

[7500] نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے منافقین کی طرف سے لگائے گئے بہتان کے متعلق فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے یہ گمان نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے حق میں وحی نازل فرمائے گا جس کی قیامت تک تلاوت کی جائے گی۔ میرے نزدیک میرا درجہ اس سے بہت کم تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق کوئی ایسا کلام کرے جس کی تلاوت کی جائے، البتہ مجھے یہ امید ضرور تھی کہ رسول اللہ ﷺ بحالت نیند کوئی خواب دیکھ لیں گے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ میری براءت کر دے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل دس آیات نازل فرمائیں: "بے شک جن لوگوں نے بہتان گھڑا......"

فائدہ: غزوۂ بنو مصطلق سے واپسی پر منافقین نے حضرت عائشہ ؓ پر تہمت لگائی جس کی تفصیل کتاب التفسیر میں بیان ہوئی ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ ؓ کو اس بہتان سے بری قرار دیا۔ اس حدیث میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے ذریعے سے اپنے احکام بھیجتا ہے، لیکن اس کا کلام صرف قرآن مجید کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ وہ جب چاہتا ہے اس کلام کے ذریعے سے اپنے بندوں کی اصلاح کرتا ہے۔ اس کا کلام غیر مخلوق ہے اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں میں محصور نہیں ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا ثابت کیا ہے جس کا معتزلہ اور جہمیہ انکار کرتے ہیں۔ واللّٰه المستعان.

٧٥٠١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ

[7501] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: اے فرشتو! جب میرا بندہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو جب تک وہ

قَالَ: «يَقُولُ اللهُ: إِذَا أَرَادَ عَبْدِي أَنْ يَعْمَلَ سَيِّئَةً فَلَا تَكْتُبُوهَا عَلَيْهِ حَتَّى يَعْمَلَهَا، فَإِذَا عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا بِمِثْلِهَا، وَإِنْ تَرَكَهَا مِنْ أَجْلِي فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً. وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْمَلَ حَسَنَةً فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً، فَإِذَا عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةٍ».

[راجع: ٦٤٩١]

اس پر عمل نہ کرے اس کا گناہ نہ لکھو اور اگر وہ اس کے مطابق عمل کرے تو پھر اس کے برابر گناہ لکھو۔ اگر وہ میرے خوف سے اس برائی کو ترک کر دے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھو اور اگر کوئی بندہ نیکی کرنا چاہے تو اس کے لیے ارادے ہی پر ایک نیکی لکھ دو اور اگر اس پر عمل کر لے تو دس گنا سے سات سو گنا تک نیکی لکھو۔"

فائدہ: اس قدسی حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے علاوہ بھی کلام کرتا ہے اور بندوں کی رہنمائی کے لیے ایسے احکام دیتا ہے جس سے اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ وہ احکام قرآن کریم کے علاوہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کلام پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس کلام میں الفاظ اور آواز ہوتی ہے، چنانچہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قول کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی سے امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان بالا کو ثابت کیا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٧٥٠٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي مُزَرِّدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «خَلَقَ اللهُ الْخَلْقَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهُ قَامَتِ الرَّحِمُ فَقَالَ: مَهْ؟ قَالَتْ: هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ، فَقَالَ: أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟ قَالَتْ: بَلٰى يَا رَبِّ، قَالَ: فَذٰلِكِ لَكِ». ثُمَّ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾.

[محمد: ٢٢] [راجع: ٤٨٣٠]

[7502] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، جب وہ اس سے فارغ ہوا تو رحم کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے رحم! ٹھہر جا۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ! یہ قطع رحمی سے تیری پناہ مانگنے کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تجھے ملائے گا میں اسے ملاؤں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑوں گا؟ رحم نے عرض کیا: اے میرے رب! کیوں نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بس یہ تیرے لیے ہے۔" پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی: "پھر یقیناً تم سے توقع ہے کہ اگر تم حاکم بن جاؤ تو تم زمین میں فساد کرو اور اپنے رشتے ناتے توڑ ڈالو۔"

فوائد ومسائل: [1] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تائید کے طور پر یہ آیت کریمہ خود تلاوت فرمائی تاکہ صلہ رحمی کی اہمیت اجاگر ہو۔[1] [2] اس حدیث کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالیٰ خود رحم سے ہم کلام ہوا اور اس سے خطاب کیا، اس کلام کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے مبنی برحقیقت تسلیم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے خطابات اس کی نازل کی ہوئی کتابوں میں محصور نہیں ہیں۔

1 صحیح البخاري، التفسیر، حدیث: 4831.

اس کے خطابات ایسی صفات ہیں جو اس کی مشیت سے متعلق ہیں۔ مخلوق کے ساتھ کسی بھی انداز سے ان کی مشابہت نہیں ہے۔ آیت کریمہ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اکثر لوگ دنیاوی اقتدار اور مال و دولت ملنے پر اپنے رشتے داروں سے فساد اور قطع رحمی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ.

٧٥٠٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ صَالِحٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ: مُطِرَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «قَالَ اللهُ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي كَافِرٌ بِي، وَمُؤْمِنٌ بِي». [راجع: ٨٤٦]

[7503] حضرت زید بن خالد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے عہد مبارک میں بارش ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (اس بارش کی وجہ سے) میرے کچھ بندوں نے میرے ساتھ کفر کیا اور کچھ بندے میرے ساتھ ایمان لانے والے بن گئے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قول کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کی واضح دلیل ہے، نیز اس کا کلام غیر مخلوق ہے۔ ② دوسری حدیث میں تفصیل ہے کہ بارش ہونے پر جو لوگ بارش کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں وہ مومن بن جاتے ہیں اور جو ستاروں کی تاثیر سے بارش آنے کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ اس کے ساتھ کفر کرنے والے ہو جاتے ہیں اور ستاروں پر ایمان لانے والے بن جاتے ہیں۔

٧٥٠٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «قَالَ اللهُ: إِذَا أَحَبَّ عَبْدِي لِقَائِي أَحْبَبْتُ لِقَاءَهُ، وَإِذَا كَرِهَ لِقَائِي كَرِهْتُ لِقَاءَهُ».

[7504] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: جب میرا بندہ مجھ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے تو میں بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہوں اور جب وہ مجھ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو میں بھی اس کی ملاقات کو برا جانتا ہوں۔''

فائدہ: اس حدیث میں ایک ایسا فرمان الٰہی ذکر ہوا ہے جسے ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخری وقت میں یاد رکھنے کی سعادت نصیب کرے۔ یہ حدیث قدسی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حوالے سے اسے بیان کیا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت جب بندۂ مومن اپنا انجام دیکھتا ہے اور جنت میں شراب طہور کی بہتی ہوئی نہروں کا نظارہ کرتا ہے تو اس کا دل اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے بے قرار ہوتا ہے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اس کے برعکس ایک جرم پیشہ انسان موت کے وقت جہنم کی بلاؤں کو دیکھتا ہے جن سے موت کے بعد اس نے دوچار ہونا ہے تو وہ مرنے سے گھبراتا ہے۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر کرے۔ آمین یا رب العالمین۔

٧٥٠٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ:

[7505] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول

حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «قَالَ اللهُ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي». [راجع: ٧٤٠٥]

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① پوری حدیث اس طرح ہے کہ جب بندہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے بھری محفل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں۔[1] حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر بندہ میرے متعلق یہ گمان رکھتا ہے کہ میں اس کے گناہ معاف کر کے اس کے ساتھ اپنے فضل و کرم کا معاملہ کروں گا تو میں اس کے گناہ معاف کر کے اس پر اپنا فضل و کرم کرتے ہوئے رحمت و برکت سے نوازتا ہوں، اگر اس کے برعکس میرے متعلق یہ گمان رکھتا ہے کہ میں اسے سزا دوں تو میں اسے سزا سے دوچار کر دیتا ہوں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن مجید کے علاوہ بھی ہے، چنانچہ تمام احادیث قدسیہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں کیونکہ ان میں رسول اللہ ﷺ نے قول کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی اور اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق اور اس کی صفت ہے جو اس کی مشیت سے متعلق ہے۔ واللہ أعلم۔

٧٥٠٦ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «قَالَ رَجُلٌ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ: فَإِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوهُ وَاذْرُوا نِصْفَهُ فِي الْبَرِّ وَنِصْفَهُ فِي الْبَحْرِ، فَوَاللهِ لَئِنْ قَدَرَ اللهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ، فَأَمَرَ اللهُ الْبَحْرَ لِيَجْمَعَ مَا فِيهِ، وَأَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيهِ ثُمَّ قَالَ: لِمَ فَعَلْتَ؟ قَالَ: مِنْ خَشْيَتِكَ وَأَنْتَ أَعْلَمُ، فَغَفَرَ لَهُ». [راجع: ٣٤٨١]

[7506] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک آدمی نے کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا تھا۔ اس نے وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو اسے جلا دیں، پھر اس کی آدھی راکھ خشکی میں اڑا دیں اور باقی آدھی دریا میں بہا دیں، اللہ کی قسم! اگر اللہ اس پر قادر ہوا تو وہ اسے ایسا عذاب دے گا جو دنیا کے کسی شخص کو بھی وہ نہیں دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا تو اس نے تمام راکھ جمع کر دی جو اس کے اندر تھی، پھر اس نے خشکی کو حکم دیا تو اس نے بھی وہ اپنی تمام راکھ جمع کر دی جو اس کے اندر تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس آدمی سے پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اس نے کہا: تیرے ڈر سے۔ اور تو سب سے زیادہ جاننے والا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔''

فوائد و مسائل: ① وہ شخص بنی اسرائیل میں کفن چور تھا جو قبروں سے مردوں کے کفن اتار لیا کرتا تھا۔ اگر سوال کیا جائے کہ وہ شخص مومن تھا یا کافر؟ اگر مومن تھا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک کیوں کیا؟ اگر کافر تھا تو اس کی مغفرت کس طرح

[1] صحیح البخاري، التوحید، حدیث: 7405.

ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مومن تھا اور دہشت زدہ ہو کر اس نے یہ اقدام کیا۔ اس کے مومن ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس نے کہا: اے اللہ! میں نے تیرے خوف سے ایسا کیا تھا۔[1] بہرحال اہل توحید کے لیے مغفرت کی بڑی امید ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ شرک سے اپنا دامن بچائے رکھے اور توحید پر قائم رہے۔ شرک ایک ایسی بدترین نحوست ہے کہ اگر اس پر موت آ جائے تو بخشش کی بالکل امید نہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا، سمندر اور مرنے والے سے گفتگو کی اور یہ گفتگو بھی آواز وحروف پر مشتمل تھی اور قرآن کریم کے علاوہ تھی۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس کا انکار کرتے ہیں یا دوراز کار تاویلوں کا سہارا لیتے ہیں۔

٧٥٠٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي عَمْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ عَبْدًا أَصَابَ ذَنْبًا، وَرُبَّمَا قَالَ: أَذْنَبَ ذَنْبًا، فَقَالَ: رَبِّ! أَذْنَبْتُ ذَنْبًا - وَرُبَّمَا قَالَ: أَصَبْتُ - فَاغْفِرْ [لِي]، فَقَالَ رَبُّهُ: أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ؟ غَفَرْتُ لِعَبْدِي. ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ أَصَابَ ذَنْبًا، أَوْ أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ: رَبِّ! أَذْنَبْتُ - أَوْ أَصَبْتُ - آخَرَ فَاغْفِرْهُ، فَقَالَ: أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ؟ غَفَرْتُ لِعَبْدِي، ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا - وَرُبَّمَا قَالَ: أَصَابَ ذَنْبًا - فَقَالَ: رَبِّ! أَصَبْتُ - أَوْ قَالَ أَذْنَبْتُ - آخَرَ فَاغْفِرْهُ لِي، فَقَالَ: أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ؟ غَفَرْتُ لِعَبْدِي، - ثَلَاثًا - فَلْيَعْمَلْ مَا شَاءَ».

[7507] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''ایک بندے نے بہت گناہ کیے اور کہا: اے میرے رب! میں نے گناہ کیا ہے تو مجھے معاف کر دے۔ اس کے رب نے فرمایا: کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور گناہ کی وجہ سے پکڑتا بھی ہے؟ اب میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا، پھر جس قدر اللہ نے چاہا وہ گناہ سے رکا رہا، پھر اس نے دوبارہ گناہ کیا تو اللہ کے حضور عرض کرنے لگا: اے میرے رب! میں نے گناہ کیا ہے، اسے بھی معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میرے بندے کو معلوم ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور اس کی وجہ سے سزا بھی دیتا ہے؟ چنانچہ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔ پھر جس قدر اللہ نے چاہا وہ گناہ سے رکا رہا، پھر اس نے دوبارہ گناہ کیا تو اللہ کے حضور عرض کرنے لگا: اے میرے رب! میں نے پھر گناہ کر لیا ہے تو مجھے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میرے بندے کو معلوم ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ کے سبب مؤاخذہ بھی کرتا ہے؟ میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ تین بار فرمایا۔ اب جو چاہے عمل کرے۔''

فوائد ومسائل: ① مذکورہ حدیث پیش کرنے سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا مبنی برحقیقت ہے،

1. عمدة القاري: 684/16.

چنانچہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا ایک گناہ گار کے متعلق گفتگو کرنا مذکور ہے، نیز یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مگر قرآن کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کلام الٰہی کو ذکر کیا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کرتے ہیں وہ گویا رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے منکر ہیں۔ ﴿2﴾ اس حدیث سے استغفار کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے اور استغفار کی تین شرطیں ہیں: گناہ چھوڑنا، اس پر شرمسار ہونا، پھر اس کے نہ کرنے کا عزم بالجزم (پختہ ارادہ) کرنا، اگر اس نیت کے ساتھ، پھر گناہ ہو جائے تو استغفار کرنے سے وہ گناہ ختم ہو جائے گا بشرطیکہ گناہ پر اصرار نہ کرے۔ اصرار کے معنی ہیں: گناہ پر نادم ہونے کے بجائے اس کے ارتکاب کی نیت رکھے۔ صرف زبانی استغفار پر اکتفا نہ کرے۔ ایسا زبانی استغفار جو دل کی گہرائی سے نہ ہو بجائے خود استغفار کے قابل ہے۔

٧٥٠٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ: سَمِعْتُ أَبِي: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَبْدِ الْغَافِرِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا فِيمَنْ سَلَفَ أَوْ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، قَالَ - كَلِمَةً: يَعْنِي - أَعْطَاهُ اللهُ مَالًا وَوَلَدًا، فَلَمَّا حَضَرَتِ الْوَفَاةُ قَالَ لِبَنِيهِ: أَيَّ أَبٍ كُنْتُ لَكُمْ؟ قَالُوا: خَيْرَ أَبٍ، قَالَ: فَإِنَّهُ لَمْ يَبْتَئِرْ - أَوْ لَمْ يَبْتَئِزْ - عِنْدَ اللهِ خَيْرًا وَإِنْ يَقْدِرِ اللهُ عَلَيْهِ يُعَذِّبْهُ، فَانْظُرُوا إِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي حَتَّى إِذَا صِرْتُ فَحْمًا فَاسْحَقُونِي - أَوْ قَالَ: فَاسْحَكُونِي - فَإِذَا كَانَ يَوْمُ رِيحٍ عَاصِفٍ فَأَذْرُونِي فِيهَا». فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ: «فَأَخَذَ مَوَاثِيقَهُمْ عَلَى ذٰلِكَ وَرَبِّي فَفَعَلُوا، ثُمَّ أَذْرَوْهُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ، فَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: كُنْ، فَإِذَا هُوَ رَجُلٌ قَائِمٌ، قَالَ اللهُ: أَيْ عَبْدِي! مَا حَمَلَكَ عَلَى أَنْ فَعَلْتَ مَا فَعَلْتَ؟ قَالَ: مَخَافَتُكَ - أَوْ فَرَقٌ مِنْكَ - قَالَ: فَمَا تَلَافَاهُ أَنْ رَحِمَهُ عِنْدَهَا». وَقَالَ مَرَّةً أُخْرَى: «فَمَا تَلَافَاهُ غَيْرُهَا».

[7508] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے پچھلی امتوں میں سے ایک شخص کا ذکر کیا جسے اللہ تعالیٰ نے مال و اولاد سب کچھ دے رکھا تھا۔ جب اس کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا: میں تمھارے لیے کیسا باپ ہوں؟ انھوں نے کہا: تو اچھا باپ ہے۔ اس نے کہا: لیکن تمھارے باپ نے اللہ کے حضور کوئی نیکی نہیں بھیجی۔ اگر اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہوا تو اسے سخت عذاب دے گا۔ اب تم خیال کرو جب میں مر جاؤں تو مجھے آگ میں جلا دینا حتی کہ جب میں کوئلہ ہو جاؤں تو مجھے خوب پیس کر سخت آندھی کے دن ہوا میں اڑا دینا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میرے رب کی قسم! اس کام کے لیے اس نے اپنے بیٹوں سے پختہ وعدہ لیا، چنانچہ اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ اسے جلا کر راکھ کر ڈالا، پھر اس راکھ کو تیز ہوا کے دن اڑا دیا۔ (اس کارروائی کے بعد) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہو جا، تو وہ فوراً ایک مرد بن کر کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندے! تجھے کس بات نے اس پر آمادہ کیا کہ تو نے یہ کام کر ڈالا۔ اس نے کہا: تیرے خوف نے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی سزا نہ دی بلکہ اس پر رحم فرمایا۔''

قَالَ فَحَدَّثْتُ بِهِ أَبَا عُثْمَانَ فَقَالَ: سَمِعْتُ هٰذَا مِنْ سَلْمَانَ غَيْرَ أَنَّهُ زَادَ فِيهِ: «[أَذْرُونِي] فِي الْبَحْرِ»، أَوْ كَمَا حَدَّثَ.

راوی کہتا ہے: پھر میں نے یہ بات ابوعثمان نہدی سے بیان کی تو انھوں نے کہا: میں نے اسے حضرت سلمان فارسی ؓ سے سنا، البتہ انھوں نے ان الفاظ کا اضافہ کیا: ''میری راکھ کو دریا میں بہا دینا۔'' یا اس جیسا کچھ بیان کیا۔

حَدَّثَنَا مُوسٰى: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ وَقَالَ: لَمْ يَبْتَئِرْ. [راجع: ٣٤٧٨] وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ وَقَالَ: «لَمْ يَبْتَئِزْ»، فَسَّرَهُ قَتَادَةُ لَمْ يَدَّخِرْ.

موسیٰ نے معتمر سے لم یبتئر کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ خلیفہ نے معتمر سے لم یبتئز کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ حضرت قتادہ نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اس نے کوئی نیکی (آخرت کے لیے) ذخیرہ نہ کی۔

فوائد و مسائل: ① اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ ایمان رکھنا ضروری ہے کہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے لیکن حدیث مذکورہ کے مطابق مرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق شک تھا کہ میں اس اقدام سے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ جاؤں گا۔ چونکہ یہ اقدام اس نے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے کیا تھا، اس لیے رحمت الٰہی نے اسے پا لیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔ ② اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس گناہ گار بندے سے فرمایا: ''اے میرے بندے! تو نے یہ اقدام کیوں کیا؟'' امام بخاری ؒ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا برحق ہے اور جو لوگ کلام الٰہی سے انکار کرتے ہیں وہ صریح آیات اور واضح احادیث کے منکر ہیں۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ.

(٣٦) بَابُ كَلَامِ الرَّبِّ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الْأَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهِمْ

باب: 36- رب تعالیٰ کا قیامت کے دن حضرات انبیاء ؑ اور دیگر لوگوں سے کلام کرنا

وضاحت: یہ آٹھواں عنوان ہے کہ امام بخاری ؒ اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کو ثابت کر رہے ہیں۔ قبل ازیں اللہ تعالیٰ کا حضرت جبریل ؑ اور دیگر فرشتوں سے ہم کلام ہونا ثابت کیا تھا اور اس باب میں انبیاء ؑ اور دیگر لوگوں سے ہم کلام ہونا ثابت کیا جائے گا۔

٧٥٠٩ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ رَاشِدٍ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ شُفِّعْتُ فَقُلْتُ: يَا رَبِّ! أَدْخِلِ الْجَنَّةَ

[7509] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: ''قیامت کے دن میری سفارش کروائی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! ان لوگوں کو جنت میں داخل فرما جن کے دلوں میں رائی برابر ایمان ہے، تب وہ جنت میں داخل ہوں

مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ خَرْدَلَةٌ، فَيَدْخُلُونَ ثُمَّ أَقُولُ: أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنٰى شَيْءٍ».

گے۔ میں پھر کہوں گا: اسے بھی جنت میں داخل کر دے جس کے دل میں معمولی سا بھی ایمان ہے۔"

فَقَالَ أَنَسٌ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى أَصَابِعِ رَسُولِ اللهِ ﷺ. [راجع: ٤٤]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گویا میں اس وقت بھی رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کی طرف دیکھ رہا ہوں، یعنی انگلیوں کے اشارے سے ادنیٰ شے کی وضاحت کر رہے تھے۔

فائدہ: یہ حدیث انتہائی مختصر ہے۔ مفصل حدیث اس کے بعد بیان ہوگی۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ اور اللہ رب العزت کا روز محشر ایک مکالمہ نقل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ روز قیامت اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ سے ہم کلام ہوگا۔ اس میں معتزلہ اور جہمیہ کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کا انکار کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی مکالمے سے اپنے قائم کیے ہوئے عنوان کو ثابت کیا ہے۔

٧٥١٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ: حَدَّثَنَا مَعْبَدُ بْنُ هِلَالٍ الْعَنَزِيُّ قَالَ: اجْتَمَعْنَا نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ فَذَهَبْنَا إِلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَذَهَبْنَا مَعَنَا بِثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ إِلَيْهِ، يَسْأَلُهُ لَنَا عَنْ حَدِيثِ الشَّفَاعَةِ، فَإِذَا هُوَ فِي قَصْرِهِ، فَوَافَقْنَاهُ يُصَلِّي الضُّحٰى، فَاسْتَأْذَنَّا فَأَذِنَ لَنَا وَهُوَ قَاعِدٌ عَلَى فِرَاشِهِ، فَقُلْنَا لِثَابِتٍ: لَا تَسْأَلْهُ عَنْ شَيْءٍ أَوَّلَ مِنْ حَدِيثِ الشَّفَاعَةِ، فَقَالَ: يَا أَبَا حَمْزَةَ! هٰؤُلَاءِ إِخْوَانُكَ مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ جَاؤُوكَ يَسْأَلُونَكَ عَنْ حَدِيثِ الشَّفَاعَةِ، فَقَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ ﷺ قَالَ: «إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ، فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِإِبْرَاهِيمَ فَإِنَّهُ خَلِيلُ الرَّحْمٰنِ، فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوسٰى فَإِنَّهُ كَلِيمُ اللهِ، فَيَأْتُونَ مُوسٰى فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيسٰى فَإِنَّهُ رُوحُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ، فَيَأْتُونَ عِيسٰى

[7510] حضرت معبد بن ہلال عنزی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم اہل بصرہ جمع ہوئے اور حضرت ثابت بنانی کو ساتھ لے کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تاکہ وہ ان سے ہمارے لیے حدیث شفاعت کے متعلق پوچھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے محل میں تشریف فرما تھے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو وہ چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم نے ان سے اجازت طلب کی تو انھوں نے اجازت دے دی۔ اس وقت وہ اپنے بستر پر بیٹھے تھے۔ ہم نے حضرت ثابت سے کہہ رکھا تھا کہ ان سے حدیث شفاعت سے پہلے کوئی بات نہ پوچھنا، چنانچہ حضرت ثابت نے کہا: اے ابوحمزہ! یہ آپ کے (دینی) بھائی بصرہ سے آئے ہیں اور آپ سے حدیث شفاعت کے متعلق پوچھنا چاہتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حدیث سنائی، آپ نے فرمایا: "قیامت کے دن لوگ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ظاہر ہوں گے۔ پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور (ان سے) عرض کریں گے: آپ اپنے رب کے پاس ہماری سفارش کریں۔ وہ کہیں گے: میں سفارش کے لائق نہیں ہوں، تم

فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ ﷺ فَيَأْتُونِي فَأَقُولُ: أَنَا لَهَا، فَأَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّي فَيُؤْذَنُ لِي وَيُلْهِمُنِي مَحَامِدَ أَحْمَدُهُ بِهَا لَا تَحْضُرُنِي الْآنَ، فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، وَأَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا، فَيَقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَسَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ.

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے خلیل ہیں۔ چنانچہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے عرض کریں گے تو وہ بھی کہیں گے: میں اس قابل نہیں ہوں، ہاں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، یقیناً وہ اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی پانے والے ہیں۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی کہیں گے: میں اس قابل نہیں، البتہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ کا حکم اور اس کی خاص روح ہیں۔ تب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی کہیں گے: میں اس قابل نہیں ہوں، البتہ تم حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ جب وہ میرے پاس آئیں گے تو میں کہوں گا: ہاں میں اس (شفاعت کرنے) کے لائق ہوں، پھر میں اپنے رب سے اجازت چاہوں گا تو مجھے اجازت دی جائے گی۔ اندریں حالات (اللہ تعالیٰ) اپنے لیے مجھے تعریفی کلمات الہام کرے گا جن کے ذریعے سے میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کروں گا جو اس وقت مجھے یاد نہیں ہیں پھر جب میں اللہ کی تعریفیں بیان کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤں گا تو مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ، بات کرو تمھاری بات سنی جائے گی، جو مانگو وہ دیا جائے گا، سفارش کرو وہ قبول کی جائے گی۔

فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِي أُمَّتِي، فَيُقَالُ: انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ شَعِيرَةٍ مِنْ إِيمَانٍ، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُودُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَسَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَقُولُ: يَا

پھر میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت۔ کہا جائے گا: جاؤ، دوزخ سے ان لوگوں کو نکال لاؤ جن کے دلوں میں ایک جو کے برابر ایمان ہے۔ چنانچہ میں جاؤں گا اور تعمیل حکم کروں گا۔ پھر میں واپس آؤں گا اور انھی تعریفی کلمات سے اللہ کی حمد وثنا کروں گا اور اللہ کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا: اپنا

رَبِّ! أُمَّتِي أُمَّتِي، فَيُقَالُ: انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مِنْهَا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ إِيمَانٍ، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُودُ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ، وَسَلْ تُعْطَ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أُمَّتِي أُمَّتِي، فَيَقُولُ: انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنَى أَدْنَى [أَدْنَى] مِثْقَالِ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ مِنَ النَّارِ مِنَ النَّارِ، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ».

سر اٹھاؤ۔ کہو آپ کی بات سنی جائے گی۔ سوال کرو آپ کا مطلوب دیا جائے گا۔ سفارش کرو تمھاری سفارش قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت میری امت، مجھے کہا جائے گا: جاؤ اور ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لاؤ جن کے دلوں میں ذرہ یا رائی برابر بھی ایمان ہے۔ چنانچہ میں جاؤں گا اور تعمیل حکم کروں گا۔ میں پھر واپس آؤں گا اور تعریفی کلمات سے اللہ کی حمد وثنا کروں گا اور اللہ کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا: اپنا سر اٹھاؤ، کہو، آپ کی بات سنی جائے گی سوال کرو، آپ کا مطلوب دیا جائے گا، سفارش کرو تمھاری سفارش قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت! مجھ سے کہا جائے گا کہ جاؤ اور ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لاؤ جن کے دلوں میں رائی کے دانے سے بھی کم بلکہ کمتر ایمان ہو۔ میں جاؤں گا اور تعمیل حکم کروں گا۔"

فَلَمَّا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ أَنَسٍ قُلْتُ لِبَعْضِ أَصْحَابِنَا: لَوْ مَرَرْنَا بِالْحَسَنِ وَهُوَ مُتَوَارٍ فِي مَنْزِلِ أَبِي خَلِيفَةَ فَحَدَّثْنَاهُ بِمَا حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، فَأَتَيْنَاهُ فَسَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَأَذِنَ لَنَا فَقُلْنَا لَهُ: يَا أَبَا سَعِيدٍ! جِئْنَاكَ مِنْ عِنْدِ أَخِيكَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَلَمْ نَرَ مِثْلَ مَا حَدَّثَنَا فِي الشَّفَاعَةِ، فَقَالَ: هِيهِ، فَحَدَّثْنَاهُ بِالْحَدِيثِ فَانْتَهَى إِلَى هٰذَا الْمَوْضِعِ فَقَالَ: هِيهِ، فَقُلْنَا: لَمْ يَزِدْ لَنَا عَلَى هٰذَا، فَقَالَ: لَقَدْ حَدَّثَنِي وَهُوَ جَمِيعٌ مُنْذُ عِشْرِينَ سَنَةً فَلَا أَدْرِي أَنَسِيَ أَمْ كَرِهَ أَنْ تَتَّكِلُوا. قُلْنَا: يَا أَبَا سَعِيدٍ! فَحَدِّثْنَاهُ فَضَحِكَ وَقَالَ: خُلِقَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا، مَا ذَكَرْتُهُ إِلَّا

پھر جب ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس سے واپس آئے تو میں نے اپنے کچھ ساتھیوں سے کہا: ہمیں امام حسن بصری کے پاس بھی جانا چاہیے وہ اس وقت (حجاج بن یوسف کے ڈر سے) ابوخلیفہ کے مکان میں چھپے ہوئے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ان سے وہ حدیث بیان کریں جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے سنائی ہے، لہٰذا ہم ان کے پاس آئے اور انھیں سلام کیا۔ انھوں نے ہمیں اجازت دی تو ہم نے ان سے کہا: اے ابوسعید! ہم آپ کے پاس آپ کے بھائی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہاں سے آئے ہیں انھوں نے جو حدیث شفاعت بیان کی ہے وہ ہم نے کسی سے نہیں سنی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اسے بیان کرو۔ ہم نے ان سے ساری حدیث بیان کی۔ جب ہم حدیث کے آخر مقام تک پہنچے تو

وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُحَدِّثَكُمْ، حَدَّثَنِي كَمَا حَدَّثَكُمْ بِهِ قَالَ: «ثُمَّ أَعُودُ الرَّابِعَةَ فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ، ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! ارْفَعْ رَأْسَكَ، وَقُلْ يُسْمَعْ، وَسَلْ تُعْطَهْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! ائْذَنْ لِي فِيمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَيَقُولُ: وَعِزَّتِي وَجَلَالِي وَكِبْرِيَائِي وَعَظَمَتِي لَأُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ». [راجع: ٤٤]

انھوں نے کہا: اور بیان کرو۔ ہم نے کہا: اس سے زیادہ انھوں نے بیان نہیں کی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انھوں نے مجھے بیس سال پہلے یہ حدیث بیان کی تھی جبکہ وہ پورے قوی نوجوان تھے۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ وہ باقی ماندہ حدیث بھول گئے ہیں یا انھوں نے تمھارے باتیں کرنے کے پیش نظر اسے بیان نہیں کیا۔ ہم نے عرض کیا: ابوسعید! آپ ہم سے حدیث بیان کریں۔ وہ ہنس کر بولے: انسان بہت جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ میں نے اس کا ذکر ہی اسے بیان کرنے کے لیے کیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہی حدیث بیان کی تھی جو تمھیں بیان کی ہے (اور اس میں یہ الفاظ مزید بڑھائے)، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں چوتھی بار واپس آؤں گا اور انھی تعریفی کلمات سے اللہ کی حمد و ثنا کروں گا، پھر اللہ کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ، جو کہو گے اسے سنا جائے گا، جو مانگو گے دیا جائے گا، جو شفاعت کرو گے قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! مجھے ان لوگوں کو بھی جہنم سے نکالنے کی اجازت دے جنھوں نے صرف ”لا الہ الا اللہ“ ہی کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری عزت، میرے جلال، میری کبریائی اور میری عظمت کی قسم! میں دوزخ سے ان لوگوں کو بھی نکالوں گا جنھوں نے صرف ”لا الہ الا اللہ“ کہا ہے۔“

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث پہلے (7440،7410) بیان ہو چکی ہے۔ ہم نے وہاں اس اعتراض کا جواب دیا تھا کہ اس کی ابتدا اس کی انتہا سے ہم آہنگ نہیں کیونکہ اس کی ابتدا میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس شفاعت طلب کرنے والے عام لوگ ہیں جبکہ سفارش خاص اس امت کے لیے کی جا رہی ہے؟ نیز اس سفارش کا مطالبہ میدان محشر کا خوف و ہراس دور کرنے کے لیے تھا جبکہ اس میں لوگوں کو دوزخ سے نکالنے کا ذکر ہے؟ ہم نے وہاں جواب دیا تھا کہ اس حدیث میں اختصار ہے کہ اس میں صرف امت محمدیہ کی سفارش پر اکتفا کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سفارش کرنے کی اجازت دی جائے گی جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا ہے۔ وہ قیامت کے دن خوف و ہراس کے ازالے کے لیے ہوگی۔ یہی وہ مقام محمود کی خصوصیت ہے جس

میں کوئی اور نبی حضرت محمد ﷺ کا شریک نہیں ہے۔ جہنم سے نکالنے کے متعلق دیگر انبیاء بلکہ صلحائے امت بھی سفارش کریں گے۔ اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ سے فرمائے گا کہ جس کے دل میں جو یا رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اسے دوزخ سے نکال لاؤ۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام سے ہم کلام ہوگا لیکن جہمیہ اور معتزلہ اسے تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ آواز و حروف سے کلام کرنا جسم کا خاصا ہے جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ان کی خوب تردید فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مبنی بر حقیقت ہے اور وہ مخلوق کے کلام سے مشابہت نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن مجید کے علاوہ بھی ہے، نیز وہ غیر مخلوق ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کی سفارش سے ہمکنار کرے اور آپ ﷺ کے جھنڈے تلے ہم سب کو جمع کرے۔ آمین یا رب العالمین.

٧٥١١ – حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ ابْنُ مُوسٰى عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ آخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا الْجَنَّةَ، وَآخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنَ النَّارِ: رَجُلٌ يَخْرُجُ حَبْوًا فَيَقُولُ لَهُ رَبُّهُ: ادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَيَقُولُ: رَبِّ! الْجَنَّةُ مَلْأٰى، فَيَقُولُ لَهُ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَكُلُّ ذٰلِكَ يُعِيدُ عَلَيْهِ: الْجَنَّةُ مَلْأٰى، فَيَقُولُ: إِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا عَشْرَ مِرَارٍ». [راجع: ٦٥٧١]

[7511] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والا اور جہنم سے تمام لوگوں کے بعد نکلنے والا وہ شخص ہوگا جو گھسٹ کر نکلے گا۔ اس سے اس کا رب فرمائے گا: تو جنت میں داخل ہو جا۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! جنت تو بالکل بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تین مرتبہ اس سے فرمائے گا اور وہ ہر مرتبہ یہی جواب دے گا کہ جنت تو بھری پڑی ہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: تیرے لیے دنیا کی مثل دس گنا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ دوسرے بندوں سے بھی ہم کلام ہوگا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے خود ہم کلام ہوگا اور اسے دس گنا نعمت ہائے جنت کی بشارت دے گا۔ ② واضح رہے کہ جنت میں سب کے بعد داخل ہونے والے دو قسم کے آدمی ہوں گے: ایک وہ جو پل صراط سے گرتا پڑتا ہوا تمام لوگوں کے آخر میں جنت میں داخل ہوگا۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے آخر میں جنت کے اندر داخل ہونے والا وہ شخص ہوگا جو پل صراط سے گزرتے وقت کبھی چلے گا، کبھی اوندھے منہ گر پڑے گا اور کبھی جہنم کی لپیٹ اسے جھلسا دے گی اور وہ سیاہ ہو چکا ہوگا، بالآخر جب اسے عبور کرے گا تو جہنم کی طرف منہ کر کے کہے گا: بابرکت ہے وہ ذات جس نے مجھے تیرے عذاب و عتاب سے بچا لیا ہے۔''[1] دوسرا وہ شخص جو جہنم میں جائے گا بالآخر اسے سزا بھگتنے کے بعد سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے

1 صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 463 (187).

گا جس کا مذکورہ حدیث میں ذکر ہے۔

٧٥١٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ: أَخْبَرَنَا عِيسَى ابْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ، لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ، فَيَنْظُرُ أَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرَى إِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِهِ، وَيَنْظُرُ أَشْأَمَ مِنْهُ فَلَا يَرَى إِلَّا مَا قَدَّمَ، وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَا يَرَى إِلَّا النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ». [راجع: ١٤١٣]

[7512] حضرت عدی بن حاتم ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کا رب اس طرح گفتگو کرے گا کہ اس (بندے) اور اس (رب) کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہو گا، وہ شخص اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو اسے اپنے اعمال کے علاوہ کچھ نظر نہیں آئے گا اور اپنی بائیں جانب دیکھے گا تو بھی اسے اپنے اعمال کے علاوہ کچھ نظر نہیں آئے گا۔ پھر جب اپنے سامنے دیکھے گا تو اپنے سامنے جہنم کے سوا اور کوئی چیز نہ دیکھے گا، اس لیے تم جہنم سے بچنے کی فکر کرو، خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کرنے سے کیوں نہ ہو۔''

قَالَ الْأَعْمَشُ: وَحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ عَنْ خَيْثَمَةَ مِثْلَهُ وَزَادَ فِيهِ: «وَلَوْ بِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ».

ایک روایت میں ہے: ''(جہنم سے بچو) خواہ ایک اچھی بات ہی کے ذریعے سے ہو۔''

فائدہ: اس حدیث میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے براہ راست ہم کلام ہوگا، ان کے درمیان کوئی واسطہ یا ترجمان نہیں ہوگا۔ توحید باری تعالیٰ کے بعد قیامت کے دن جو اعمال کام آئیں گے ان میں سے کسی غریب، مسکین اور حاجت مند کی فی سبیل اللہ مدد کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ مدد، خواہ معمولی ہی کیوں نہ ہو اگر اس میں خلوص ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا دے گا۔ اگر اتنی بھی ہمت نہیں تو دوسروں کو بھلی بات کہنا بھی بہت وزن رکھتی ہے۔ زبان سے دوسروں کی خیر خواہی کرنے کو اپنی زندگی کا معمول بنا لیا جائے تو یہ عمل بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت کارآمد اور ثمر آور ہے۔

٧٥١٣ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ حَبْرٌ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ: إِنَّهُ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ جَعَلَ اللهُ السَّمٰوَاتِ عَلٰى إِصْبَعٍ، وَالْأَرَضِينَ عَلٰى إِصْبَعٍ، وَالْمَاءَ وَالثَّرٰى عَلٰى إِصْبَعٍ، وَالْخَلَائِقَ عَلٰى إِصْبَعٍ، ثُمَّ يَهُزُّهُنَّ ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ،

[7513] حضرت عبداللہ (بن مسعود) ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: یہودیوں کا ایک عالم آیا اور (رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر) کہنے لگا: جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک انگلی پر آسمانوں کو، ایک انگلی پر زمین کو، ایک انگلی پر پانی اور کیچڑ کو، ایک انگلی پر دیگر تمام مخلوقات کو اٹھا لے گا، پھر ان تمام کو حرکت دے گا اور کہے گا: میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہ ہوں۔ میں نے نبی ﷺ کو

أَنَا الْمَلِكُ، فَلَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَضْحَكُ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ تَعَجُّبًا وَتَصْدِيقًا لِقَوْلِهِ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿يُشْرِكُونَ﴾» [الزمر: ٦٧]. [راجع: ٤٨١١]

دیکھا کہ آپ ہنسنے لگے یہاں تک آپ کے دندان مبارک کھل گئے، آپ اس کی تصدیق اور ان باتوں پر تعجب کر رہے تھے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی: ”انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے..... شریک ٹھہراتے ہیں۔“

فوائد ومسائل: ① گویا سب معبودان باطلہ بھی اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ہوں گے جنھیں آج یہ مشرک اللہ تعالیٰ کا ہمسر قرار دے رہے ہیں۔ اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا مذکور ہے کہ میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہ ہوں۔ بلاشبہ قیامت کے دن ایک وقت ایسا آئے گا جب ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ سب قیامت کی ہولناکیوں سے دہشت زدہ ہوں گے۔ کسی کو کلام کرنے کی ہمت اور فرصت نہیں ہوگی۔ ہر طرف مکمل سکوت اور سناٹا چھایا ہوگا، ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ سب کو مخاطب کر کے پوچھے گا: ”آج حکومت کس کی ہے؟ آج دنیا کے بادشاہ کہاں ہیں؟ جابر کہاں ہیں؟ متکبر کہاں ہیں؟ ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں دے گا، پھر اللہ تعالیٰ خود ہی فرمائے گا: آج بادشاہی صرف اکیلے اللہ کی ہے جو بہت دبدبے والا ہے۔“ [1] ② رسول اللہ ﷺ کو ہنسی اس بات پر آئی کہ یہودی عالم اللہ تعالیٰ کی شان کس انداز سے بیان کر رہا ہے، حالانکہ یہود وہ قوم ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ومنزلت کو کما حقہ نہیں سمجھا اور حضرت عزیر علیہ السلام کو خواہ مخواہ اللہ کا بیٹا بنا ڈالا۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی صحیح اور سچی باتوں کی تصدیق کرنا معیوب بات نہیں۔

٧٥١٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ: كَيْفَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ فِي النَّجْوَى؟ قَالَ: «يَدْنُو أَحَدُكُمْ مِنْ رَبِّهِ حَتَّى يَضَعَ كَنَفَهُ عَلَيْهِ فَيَقُولُ: أَعَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، وَيَقُولُ: عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، فَيُقَرِّرُهُ ثُمَّ يَقُولُ: إِنِّي سَتَرْتُ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا، وَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ». [راجع: ٢٤٤١]

[7514] صفوان بن محرز سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک آدمی نے سرگوشی کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیسے سنا ہے؟ (انھوں نے کہا کہ) آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص اپنے رب کے قریب ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا پردہ ڈال کر فرمائے گا: تو نے فلاں فلاں عمل کیا تھا؟ وہ کہے گا: جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے یہ یہ عمل بھی کیا تھا؟ بندہ ہاں میں جواب دے کر ان کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تجھ پر پردہ ڈالا تھا اور آج بھی تجھے معاف کرتا ہوں۔“

وَقَالَ آدَمُ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ:

ایک دوسری روایت میں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے

1- المؤمن 40: 16.

حَدَّثَنَا صَفْوَانُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ.

کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

فوائد ومسائل: اس میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے سرگوشی کے انداز میں گفتگو کرے گا۔ اسے اپنے قریب کرنے اور اس پر پردہ ڈالنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ گفتگو کوئی اور نہ سنے تاکہ بندے کو ذلت اور رسوائی سے محفوظ رکھا جائے۔ یہ گفتگو مبنی بر حقیقت اور الفاظ وحروف پر مشتمل ہوگی۔ ② امام بخاری ؒ ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جن کا موقف ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ایک قدیم نفسی صفت ہے جس میں آواز اور حروف نہیں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کا کلام ایسا ہے تو بندہ اس سرگوشی کو کیسے سن سکے گا؟ اللہ تعالیٰ اہل جہنم سے بھی گفتگو کرے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ وہ ایک ایسے کافر سے کہے گا جسے بہت ہلکا سا عذاب دیا جا رہا ہوگا: ”اگر تجھے دنیا اور اس کا ساز وسامان دے دیا جائے تو کیا اسے فدیے کے طور پر دے کر اس عذاب سے نجات حاصل کر لے گا؟“ وہ جواب دے گا: ہاں، میں اس کے لیے تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”جب تو اپنے باپ کی پشت میں تھا تو تجھ سے بہت آسان چیز کا مطالبہ کیا تھا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا لیکن تو نے (ڈھٹائی سے) شرک ہی کیا۔“[1] ③ امام بخاری ؒ نے حدیث کے آخر میں ایک اور سند بیان کی ہے تاکہ راویٔ حدیث صفوان سے قتادہ کے سماع کی تصریح ہو جائے اور انقطاع کا احتمال ختم ہو جائے۔ واللہ أعلم.

(٣٧) بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ [النساء: ١٦٤]

باب: 37- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور اللہ تعالیٰ نے خود حقیقتاً موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا“ کا بیان

وضاحت: اس آیت کریمہ میں مصدر، فعل کی تاکید کے لیے ہے۔ اس انداز سے گفتگو کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے مجاز کا احتمال ہی ختم ہو جاتا ہے۔ آیت کریمہ میں حقیقی کلام مراد ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود کلام نہیں کیا تھا بلکہ اس نے درخت میں کلام کو پیدا کیا تھا اور اسی درخت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام کو سنا تھا۔ یہ آیت اس موقف کی تردید کرتی ہے اور اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ہی متکلم تھا۔ یہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کے ساتھ قائم ہے۔ اس کلام کو تلاوت کرنے والے کی تلاوت اور قاری کی قراءت کے وقت سنا جاتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان سے کسی بھی واسطے کے بغیر باتیں کیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے درخت میں بات کرنے کی قوت پیدا کر دی تو اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کیا ہوئی؟ واللہ أعلم.

٧٥١٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنَا عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ

[7515] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام نے آپس میں بحث کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ وہی آدم

[1] صحيح مسلم، صفات المنافقين، حديث: 7083 (2805).

النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسٰى فَقَالَ مُوسٰى: أَنْتَ آدَمُ الَّذِي أَخْرَجْتَ ذُرِّيَّتَكَ مِنَ الْجَنَّةِ؟ قَالَ [آدَمُ]: أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلَامِهِ ثُمَّ تَلُومُنِي عَلٰى أَمْرٍ قَدْ قُدِّرَ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ؟ فَحَجَّ آدَمُ مُوسٰى». [راجع: ٣٤٠٩]

ہیں نا جنھوں نے اپنی اولاد کو جنت سے نکالا تھا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا: آپ وہی موسیٰ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنی گفتگو سے شرف یاب کیا تھا، پھر بھی آپ مجھے ایک ایسے امر کے سبب ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے پہلے ہی میرے لیے مقدر کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔"

فوائد و مسائل: ① معتزلہ کا خیال ہے کہ کلام، اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں بلکہ وہ اسے ہوا یا درخت میں پیدا کرتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو کلام سنا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے درخت میں پیدا کیا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید کے لیے یہ حدیث پیش کی ہے۔ اس میں رسالت اور کلام کو الگ الگ ذکر کیا ہے۔ رسالت کے لیے کوئی فرشتہ وحی لاتا ہے اور کلام کرنا براہ راست ہوتا ہے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے: "حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: تو ایسا رسول ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے پس پردہ براہ راست گفتگو کی، درمیان میں مخلوق وغیرہ کا کوئی واسطہ نہ تھا۔"[1] ③ بہر حال اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کا صاف صاف اثبات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ بغیر واسطے کے جس سے چاہے جب چاہے کلام کر سکے جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا۔ جو لوگ اس کی تاویلیں کرتے ہیں وہ درحقیقت صفت کلام کے انکار کے لیے راستہ ہموار کرتے ہیں۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ.

٧٥١٦ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «يُجْمَعُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُونَ: لَوِ اسْتَشْفَعْنَا إِلٰى رَبِّنَا فَيُرِيحُنَا مِنْ مَكَانِنَا هٰذَا، فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ لَهُ: أَنْتَ آدَمُ أَبُو الْبَشَرِ، خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهِ، وَأَسْجَدَ لَكَ الْمَلَائِكَةَ، وَعَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ فَاشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّنَا حَتّٰى يُرِيحَنَا، فَيَقُولُ لَهُمْ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَيَذْكُرُ لَهُمْ خَطِيئَتَهُ الَّتِي أَصَابَ». [راجع: ٤٤]

[7516] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن اہل ایمان کو جمع کیا جائے گا تو وہ کہیں گے: اے کاش! کوئی ہمارے رب کے ہاں ہماری سفارش کرے تاکہ ہم اس تکلیف دہ مقام سے راحت حاصل کریں، چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے: آپ ابو البشر آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست مبارک سے پیدا کیا اور آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا، پھر ہر چیز کے نام آپ کو سکھائے، لہذا آپ ہمارے لیے رب کے حضور سفارش کریں تاکہ وہ ہمیں اس مقام سے راحت نصیب کرے۔ وہ ان لوگوں سے کہیں گے: میں اس قابل نہیں ہوں اور وہ ان کے سامنے

[1] سنن أبي داود، السنة، حديث: 4702، وفتح الباري: 618/11.

اپنی اس غلطی کا ذکر کریں گے جو ان سے سرزد ہوئی تھی۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو انتہائی اختصار سے بیان کیا ہے۔ آپ نے ایک دوسری روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جو پہلے گزر چکی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: "لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ انھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے کے متعلق کہیں گے کیونکہ انھیں اللہ نے تورات دی، ان سے ہم کلام ہوا اور سرگوشی کے لیے انھیں اپنے قریب کیا۔"[1] ② اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام ثابت ہوتی ہے۔ اس سے معتزلہ کی تردید مقصود ہے جو کلام الٰہی کی تاویل کرتے ہیں کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف بخشا اور یہ گفتگو کسی واسطے اور ترجمان کے بغیر تھی۔ واللہ أعلم۔

٧٥١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْ مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ: أَنَّهُ جَاءَهُ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ قَبْلَ أَنْ يُوحٰى إِلَيْهِ وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَقَالَ أَوَّلُهُمْ: أَيُّهُمْ هُوَ؟ فَقَالَ أَوْسَطُهُمْ: هُوَ خَيْرُهُمْ، فَقَالَ أَحَدُهُمْ: خُذُوا خَيْرَهُمْ، فَكَانَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَلَمْ يَرَهُمْ حَتّٰى أَتَوْهُ لَيْلَةً أُخْرٰى فِيمَا يَرٰى قَلْبُهُ وَتَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ، وَكَذٰلِكَ الْأَنْبِيَاءُ تَنَامُ أَعْيُنُهُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوبُهُمْ فَلَمْ يُكَلِّمُوهُ حَتّٰى احْتَمَلُوهُ فَوَضَعُوهُ عِنْدَ بِئْرِ زَمْزَمَ، فَتَوَلَّاهُ مِنْهُمْ جِبْرِيلُ، فَشَقَّ جِبْرِيلُ مَا بَيْنَ نَحْرِهِ إِلٰى لَبَّتِهِ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ صَدْرِهِ وَجَوْفِهِ فَغَسَلَهُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ بِيَدِهِ حَتّٰى أَنْقٰى جَوْفَهُ، ثُمَّ أُتِيَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ فِيهِ تَوْرٌ مِنْ ذَهَبٍ مَحْشُوًّا إِيمَانًا وَحِكْمَةً، فَحَشٰى بِهِ صَدْرَهُ وَلَغَادِيدَهُ - يَعْنِي عُرُوقَ حَلْقِهِ - ثُمَّ أَطْبَقَهُ، ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَضَرَبَ

[7517] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے وہ واقعہ بیان کیا جس رات رسول اللہ ﷺ کو مسجد کعبہ سے اسراء کے لیے لے جایا گیا تھا۔ وحی آنے سے پہلے آپ ﷺ کے پاس تین فرشتے آئے جبکہ آپ مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا: ان میں جو سب سے بہتر ہیں۔ تیسرے نے کہا: ان میں جو بہتر ہے اسے لے لو۔ اس رات تو اتنا ہی واقعہ پیش آیا۔ آپ ﷺ نے اس کے بعد انھیں نہیں دیکھا حتی کہ وہ دوسری رات آئے جبکہ آپ کا دل دیکھ رہا تھا اور آپ کی آنکھیں سو رہی تھیں لیکن دل نہیں سو رہا تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار رہتے ہیں، چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ سے کوئی بات نہ کی بلکہ آپ کو اٹھا کر چاہ زمزم کے پاس لے آئے۔ پھر جبریل علیہ السلام نے آپ سے متعلقہ کام سنبھال لیا، اس نے آپ کے گلے سے لے کر دل سے نیچے تک سینہ چاک کیا، پھر اسے آب زم زم کے ساتھ اپنے ہاتھ سے دھویا حتی کہ آپ کا سینہ اور پیٹ خوب صاف کر دیا، چنانچہ آپ کا اندر پاک ہو گیا۔ پھر آپ کے

[1] صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7440.

بَابًا مِنْ أَبْوَابِهَا فَنَادَاهُ أَهْلُ السَّمَاءِ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: جِبْرِيلُ، قَالُوا: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مَعِيَ مُحَمَّدٌ، قَالَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالُوا: فَمَرْحَبًا بِهِ وَأَهْلًا. فَيَسْتَبْشِرُ بِهِ أَهْلُ السَّمَاءِ، لَا يَعْلَمُ أَهْلُ السَّمَاءِ بِمَا يُرِيدُ اللهُ بِهِ فِي الْأَرْضِ حَتّٰى يُعْلِمَهُمْ، فَوَجَدَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا آدَمَ، فَقَالَ لَهُ جِبْرِيلُ: هٰذَا أَبُوكَ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَرَدَّ عَلَيْهِ آدَمُ فَقَالَ: مَرْحَبًا وَأَهْلًا يَا بُنَيَّ! نِعْمَ الْابْنُ أَنْتَ! فَإِذَا هُوَ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِنَهْرَيْنِ يَطَّرِدَانِ فَقَالَ: «مَا هٰذَانِ النَّهْرَانِ يَا جِبْرِيلُ؟» قَالَ: هٰذَانِ النِّيلُ وَالْفُرَاتُ عُنْصُرُهُمَا»، ثُمَّ مَضٰى بِهِ فِي السَّمَاءِ فَإِذَا [هُوَ] بِنَهْرٍ آخَرَ عَلَيْهِ قَصْرٌ مِنْ لُؤْلُؤٍ وَزَبَرْجَدٍ، فَضَرَبَ يَدَهُ فَإِذَا هُوَ مِسْكٌ أَذْفَرُ، قَالَ: «مَا هٰذَا يَا جِبْرِيلُ؟» قَالَ: هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِي خَبَأَ لَكَ رَبُّكَ. ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَتْ لَهُ الْأُولٰى: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قَالُوا: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ ﷺ، قَالُوا: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالُوا: مَرْحَبًا بِهِ وَأَهْلًا، ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ وَقَالُوا لَهُ مِثْلَ مَا قَالَتِ الْأُولٰى وَالثَّانِيَةُ، ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى الرَّابِعَةِ فَقَالُوا لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ فَقَالُوا مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَقَالُوا لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ عَرَجَ بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَقَالُوا لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ، كُلُّ سَمَاءٍ فِيهَا

پاس سونے کا طشت لایا گیا جس میں ایمان و حکمت سے بھرا ہوا سونے کا ایک برتن تھا۔ اس سے آپ کا سینہ مبارک اور حلق کی رگیں بھر دیں، پھر اسے برابر کر دیا۔ اس کے بعد وہ (فرشتے) آپ کو لے کر آسمان دنیا پر چڑھے اور اس کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر دستک دی۔ آسمان والوں نے ان سے پوچھا: کون ہیں؟ جواب دیا: جبریل ہوں۔ انھوں نے پوچھا: تمھارے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا: میرے ساتھ حضرت محمد ﷺ ہیں۔ انھوں نے پوچھا: کیا انھیں بلایا گیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں۔ آسمان والوں نے انھیں خوش آمدید کہا کہ تم اپنے ہی لوگوں میں آئے ہو۔ آسمان والے اس سے بہت خوش ہوئے، ان میں سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ زمین میں کیا کرنا چاہتا ہے جب تک وہ انھیں بتا نہیں دیتا۔ آپ ﷺ نے آسمان دنیا پر حضرت آدم علیہ السلام کو پایا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا: یہ آپ کے والد محترم حضرت آدم ہیں، انھیں سلام کریں۔ آپ نے انھیں سلام کیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کے سلام کا جواب دیا اور کہا: میرے پیارے بیٹے! آپ کا آنا مبارک ہو۔ آپ کیا ہی اچھے بیٹے ہیں۔ پھر آپ نے اچانک آسمان دنیا پر دو نہریں دیکھیں جو جاری تھیں۔ آپ نے پوچھا: ''اے جبریل! یہ نہریں کیسی ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا: یہ نیل اور فرات کا اصل منبع ہیں۔ پھر آپ آسمان پر مزید سیر کرنے لگے تو ایک اور نہر دیکھی جس کے اوپر موتیوں اور زبرجد سے تیار شدہ ایک محل ہے۔ اس پر آپ نے ہاتھ مارا تو پتا چلا کہ وہ تو مشک ہے۔ پوچھا: ''اے جبریل یہ کیا ہے؟'' جواب دیا: یہ کوثر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے محفوظ کر رکھا ہے۔ پھر آپ دوسرے آسمان پر چڑھے تو فرشتوں نے یہاں بھی وہی سوال کیا جو

أَنْبِيَاءُ قَدْ سَمَّاهُم، فَوَعَيْتُ مِنْهُمْ إِدْرِيسَ فِي الثَّانِيَةِ، وَهَارُونَ فِي الرَّابِعَةِ، وَآخَرَ فِي الْخَامِسَةِ لَمْ أَحْفَظْ اسْمَهُ، وَإِبْرَاهِيمَ فِي السَّادِسَةِ، وَمُوسَى فِي السَّابِعَةِ بِفَضْلِ كَلَامِهِ لِلَّهِ.

پہلے آسمان پر کیا تھا، یعنی کون ہیں؟ انھوں نے کہا: میں جبریل ہوں۔ انھوں نے پوچھا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: حضرت محمد ﷺ! پوچھا: کیا انھیں بلایا گیا ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ فرشتے بولے انھیں خوش آمدید اور بشارت ہو۔ پھر وہ آپ کو لے کر تیسرے آسمان پر چڑھے۔ یہاں کے فرشتوں نے بھی وہی سوال کیا جو پہلے اور دوسرے آسمان والوں نے کیا تھا۔ پھر چوتھے آسمان پر لے گئے اور یہاں بھی وہی سوال ہوا۔ پھر پانچویں آسمان پر آپ کو لے چڑھے اور یہاں بھی وہی سوال ہوا۔ پھر چھٹے آسمان پر آپ کو لے گئے اور یہاں بھی وہی سوال ہوا۔ پھر آپ کو لے کر ساتویں آسمان پر چڑھے تو یہاں بھی وہی سوال ہوا۔ ہر آسمان پر انبیاء ﷺ ہیں۔ راوی کہتا ہے: ان کے نام آپ نے لیے، مجھے اتنا یاد ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام دوسرے آسمان پر، حضرت ہارون علیہ السلام چوتھے آسمان پر، پانچویں آسمان پر بھی کسی نبی کا نام لیا لیکن مجھے اب یاد نہیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان پر۔ انھیں اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی کی وجہ سے یہ فضیلت ملی۔

فَقَالَ مُوسَى: رَبِّ لَمْ أَظُنَّ أَنْ تَرْفَعَ عَلَيَّ أَحَدًا. ثُمَّ عَلَا بِهِ فَوْقَ ذٰلِكَ بِمَا لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللهُ حَتّٰى جَاءَ سِدْرَةَ الْمُنْتَهٰى، وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبُّ الْعِزَّةِ فَتَدَلّٰى حَتّٰى كَانَ مِنْهُ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى، فَأَوْحَى اللهُ فِيمَا أَوْحٰى خَمْسِينَ صَلَاةً عَلٰى أُمَّتِكَ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، ثُمَّ هَبَطَ حَتّٰى بَلَغَ مُوسٰى فَاحْتَبَسَهُ مُوسٰى فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! مَاذَا عَهِدَ إِلَيْكَ رَبُّكَ؟ قَالَ: «عَهِدَ إِلَيَّ خَمْسِينَ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! مجھے گمان نہ تھا کہ کوئی مجھ سے زیادہ بلندی پر پہنچے گا۔ پھر (جبریل علیہ السلام) آپ کو لے کر اس سے بھی اوپر گئے جس کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں یہاں تک آپ سدرۃ المنتہیٰ پر آئے اور اللہ رب العزت کے قریب ہوئے اور اتنے قریب جیسا کہ کمان کے دونوں کنارے یا اس سے بھی زیادہ قریب۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جو وحی بھیجی اس میں آپ کی امت پر دن اور رات میں پچاس نمازیں (فرض) تھیں۔ پھر آپ ﷺ نیچے تشریف

صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا
تَسْتَطِيعُ ذٰلِكَ، فَارْجِعْ فَلْيُخَفِّفْ عَنْكَ رَبُّكَ
وَعَنْهُمْ»، فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ ﷺ إِلٰى جِبْرِيلَ كَأَنَّهُ
يَسْتَشِيرُهُ فِي ذٰلِكَ، فَأَشَارَ إِلَيْهِ جِبْرِيلُ: أَنْ نَعَمْ
إِنْ شِئْتَ، فَعَلَا بِهِ إِلَى الْجَبَّارِ فَقَالَ وَهُوَ
مَكَانَهُ: «يَا رَبِّ! خَفِّفْ عَنَّا فَإِنَّ أُمَّتِي لَا
تَسْتَطِيعُ هٰذَا»، فَوَضَعَ عَنْهُ عَشْرَ صَلَوَاتٍ، ثُمَّ
رَجَعَ إِلٰى مُوسٰى فَاحْتَبَسَهُ فَلَمْ يَزَلْ يُرَدِّدُهُ
مُوسٰى إِلٰى رَبِّهِ حَتّٰى صَارَتْ إِلٰى خَمْسِ
صَلَوَاتٍ، ثُمَّ احْتَبَسَهُ مُوسٰى عِنْدَ الْخَمْسِ
فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! وَاللهِ لَقَدْ رَاوَدْتُ بَنِي
إِسْرَائِيلَ قَوْمِي عَلٰى أَدْنٰى مِنْ هٰذِهِ فَضَعُفُوا
فَتَرَكُوهُ، فَأُمَّتُكَ أَضْعَفُ أَجْسَادًا وَقُلُوبًا
وَأَبْدَانًا وَأَبْصَارًا وَأَسْمَاعًا، فَارْجِعْ فَلْيُخَفِّفْ
عَنْكَ رَبُّكَ، كُلَّ ذٰلِكَ يَلْتَفِتُ النَّبِيُّ ﷺ إِلٰى
جِبْرِيلَ لِيُشِيرَ عَلَيْهِ وَلَا يَكْرَهُ ذٰلِكَ جِبْرِيلُ،
فَرَفَعَهُ عِنْدَ الْخَامِسَةِ فَقَالَ: «يَا رَبِّ! إِنَّ أُمَّتِي
ضُعَفَاءُ أَجْسَادُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ وَأَسْمَاعُهُمْ
وَأَبْدَانُهُمْ، فَخَفِّفْ عَنَّا، فَقَالَ الْجَبَّارُ: يَا
مُحَمَّدُ! قَالَ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: إِنَّهُ لَا
يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ كَمَا فَرَضْتُ عَلَيْكَ فِي أُمِّ
الْكِتَابِ، قَالَ: فَكُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا،
فَهِيَ خَمْسُونَ فِي أُمِّ الْكِتَابِ وَهِيَ خَمْسٌ
عَلَيْكَ»، فَرَجَعَ إِلٰى مُوسٰى فَقَالَ: كَيْفَ
فَعَلْتَ؟ فَقَالَ: خَفَّفَ عَنَّا، أَعْطَانَا بِكُلِّ حَسَنَةٍ
عَشْرَ أَمْثَالِهَا، قَالَ مُوسٰى: قَدْ وَاللهِ رَاوَدْتُ

لائے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انھوں نے
آپ کو روک لیا اور پوچھا: اے محمد! تمھارے رب نے تم
سے کیا عہد لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”میرے رب نے مجھ
سے دن رات میں پچاس نمازیں ادا کرنے کا عہد لیا ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یقیناً آپ کی امت میں انھیں ادا
کرنے کی ہمت نہیں، واپس جائیں، اپنی اور اپنی امت کی
طرف سے ان میں کمی کی درخواست کریں۔“ تب نبی ﷺ
حضرت جبریل کی طرف مشورہ لینے کے لیے متوجہ ہوئے تو
انھوں نے اشارہ کیا کہ اگر آپ چاہیں تو بہتر ہے۔ پھر
آپ انھیں لے کر اللہ جبار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور
اپنے مقام پر کھڑے ہو کر عرض کی: ”اے میرے رب! ہم
سے تخفیف کر دے کیونکہ میری امت اس کی طاقت نہیں
رکھتی۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دس نمازوں کی کمی کر دی۔ پھر
آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انھوں نے آپ کو
روکا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کو بار بار اللہ کی طرف بھیجتے رہے
یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ پانچ نمازوں کی ادائیگی
پر بھی انھوں نے آپ ﷺ کو روکا اور کہا: اے محمد! میں اللہ
کی قسم اٹھاتا ہوں کہ میں نے اپنی قوم بنی اسرائیل کا اس
سے کم نماز ادا کرنے کا تجربہ کیا ہے، وہ انتہائی ناتواں ثابت
ہوئے اور انھوں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ کی امت تو جسم،
دل، بدن، نظر اور سماعت کے اعتبار سے بہت کمزور ہے۔
آپ واپس تشریف لے جائیں اور اپنے رب سے مزید
تخفیف کی درخواست کریں۔ نبی ﷺ ہر مرتبہ حضرت جبریل
کی طرف متوجہ ہوتے رہے تاکہ وہ آپ کو اس کے متعلق
مشورہ دیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام بھی اسے ناپسند نہیں کرتے
تھے۔ آخر کار وہ پانچویں بار آپ کو اوپر لے گئے تو آپ نے

بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى أَدْنَى مِنْ ذٰلِكَ فَتَرَكُوهُ، ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَلْيُخَفِّفْ عَنْكَ أَيْضًا، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا مُوسٰى! قَدْ وَاللهِ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي مِمَّا أَخْتَلِفُ إِلَيْهِ، قَالَ: فَاهْبِطْ بِاسْمِ اللهِ».

عرض کی: ''اے میرے رب! میری امت جسم، دل، کان ہر حیثیت سے کمزور ہے، لہٰذا ہم سے مزید تخفیف فرما۔'' اللہ جبار نے فرمایا: اے محمد! آپ نے کہا: ''میں حاضر ہوں، اس حاضری میں میری سعادت ہے۔'' فرمایا: میرے ہاں وہ قول بدلا نہیں جاتا جیسا کہ میں نے تم پر ام الکتاب میں فرض کیا ہے۔ مزید فرمایا: ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے، لہٰذا یہ ام الکتاب میں پچاس ہیں مگر تم پر فرض پانچ ہی ہیں۔ پھر جب آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آئے تو انھوں نے پوچھا: اب کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا: ''اب اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ تخفیف کر دی ہے کہ ہر نیکی کے بدلے دس گنا ثواب ملے گا۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے بنی اسرائیل کا اس سے کم نمازوں کا تجربہ کیا ہے، انھوں نے اسے بھی چھوڑ دیا تھا۔ آپ اپنے رب کی طرف واپس جائیں اور ان میں مزید کمی کی درخواست کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے موسیٰ! اللہ کی قسم! اب مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ بار بار ایک کام کے لیے اس کی طرف جاؤں۔'' انھوں نے کہا: پھر اللہ کا نام لے کر (زمین پر) اتر جائیں۔

قَالَ: وَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي مَسْجِدِ الْحَرَامِ.

[راجع: ٣٥٧٠]

راوی کہتا ہے: اس کے بعد آپ ﷺ بیدار ہو گئے جبکہ آپ مسجد حرام ہی میں تھے۔

فوائد و مسائل: ❶ اس حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں تھے اور انھیں یہ فضیلت اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی کی وجہ سے ملی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس طویل حدیث کے مذکورہ ٹکڑے سے عنوان ثابت کیا ہے۔ دراصل اس فضیلت کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: ''اے میرے رب! مجھے گمان نہ تھا کہ کوئی مجھ سے زیادہ بلندی پر پہنچے گا'' قرآن مجید کی صراحت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ رب العزت جب ہم کلام ہوا تو انھوں نے مطالبہ کیا: ''میرے رب! مجھے اپنا آپ دکھلا دیجیے کہ میں ایک نظر تجھے دیکھ سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا، البتہ اس پہاڑ کی طرف دیکھ اگر یہ اپنی جگہ پر برقرار رہا، تو تو بھی مجھے دیکھ سکے گا، پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام غش کھا

کر گر پڑے، پھر جب انھیں کچھ افاقہ ہوا تو کہنے لگے: تیری ذات پاک ہے۔ میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔''[1] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے موسیٰ! میں نے تجھے اپنی رسالت اور ہم کلامی کے لیے تمام لوگوں پر چن لیا ہے۔''[2] یعنی اگر دیدار نہیں ہو سکا تو اور تھوڑی نعمتیں اور فضیلتیں تمھیں عطا کی ہیں۔ اپنا رسول بنایا، براہ راست ہم کلامی کا شرف بخشا اور تمام جہانوں میں سے تمھیں منتخب کیا، لہٰذا میری طرف سے آنے والے شرعی احکام پر اچھی طرح عمل کرو اور مذکورہ نعمتوں پر میرا شکر ادا کرتے رہو۔ ② بہر حال امام بخاری رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ماضی، حال اور مستقبل بلکہ ہر آن صفت کلام سے متصف ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے، جس سے چاہے، جیسے چاہے ہم کلام ہونے پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حقیقی کلام کیا جو آواز و حروف پر مشتمل تھا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زمین پر تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے بھی اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوا جبکہ رسول اللہ ﷺ آسمانوں پر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح کلام کیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے محمد!'' آپ نے عرض کی: میں حاضر ہوں، اس حاضری میں میری سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے ہاں وہ قول بدلا نہیں جاتا جیسا کہ میں نے تم پر ام الکتاب میں فرض کیا ہے۔'' مزید فرمایا: ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے، لہٰذا یہ ام الکتاب میں پچاس نمازیں ہیں مگر تم پر فرض پانچ ہی ہیں۔'' حدیث کے اس حصے میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے بلا واسطہ گفتگو فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یا محمد کہہ کر خطاب کیا اور رسول اللہ ﷺ نے لبیك و سعدیك کے الفاظ سے جواب دیا، البتہ موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف زمین پر ملا تھا، جبکہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اعزاز آسمانوں پر ملا ہے۔ ③ حضرت شریک سے مروی اس حدیث پر بہت سے اعتراضات کیے گئے ہیں، ان کے جوابات طوالت کا باعث ہیں۔ استاذ محترم شیخ ڈاکٹر عبداللہ بن محمد الغنیمان رحمہ اللہ نے انھیں کتاب التوحید کی شرح میں نقل کیا ہے۔ اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔[3]

(٣٨) بَابُ كَلَامِ الرَّبِّ مَعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ

باب: 38- رب تعالیٰ کا اہل جنت سے گفتگو کرنا

وضاحت: اس عنوان سے مقصود بھی کلام الٰہی کو ثابت کرنا ہے۔ اس سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کا اپنے فرشتوں، انبیائے کرام علیہم السلام اور خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کرنا ثابت کیا تھا، نیز اس کلام کی انواع و اقسام بیان کی تھیں۔ اب کلام کی ایک قسم اہل جنت سے باری تعالیٰ کا ہم کلام ہونا اس عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔

٧٥١٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ اللهَ يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! فَيَقُولُونَ:

[7518] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے جنت والو! وہ عرض کریں گے: لبیک و سعدیک، اے ہمارے رب! تمام تر خیر و برکت تیرے دونوں ہاتھوں میں ہے۔ وہ (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا: کیا تم

1 الأعراف 7:143. 2 الأعراف 7:144. 3 شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 1/443-464.

لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ، فَيَقُولُ: هَلْ رَضِيتُمْ؟ فَيَقُولُونَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰى يَا رَبِّ وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ؟ فَيَقُولُ: أَلَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَيَقُولُونَ: يَا رَبِّ! وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَيَقُولُ: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا». [راجع: ٦٥٤٩]

خوش ہو؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم خوش کیوں نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تمھیں اس سے افضل انعام نہ دوں؟ اہل جنت عرض کریں گے: اے ہمارے رب! اس سے افضل کیا چیز ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں اپنی خوشی و رضامندی تم پر اتارتا ہوں۔ آئندہ کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔“

فوائد و مسائل: ① جنت کی نعمتیں بے شمار، لاتعداد اور لازوال ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی۔ غلام کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا آقا ہمیشہ کے لیے اس پر راضی رہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور اہل ایمان خواتین سے ایسے باغات کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور سدا بہار باغات میں پاکیزہ قیام گاہوں کا بھی (وعدہ کر رکھا ہے) اور اللہ کی طرف سے تھوڑی سی خوشنودی تو ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہوگی۔ یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔“[1] ② اس حدیث میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے گفتگو کرے گا۔ اہل جنت اس سے بابرکت کلام سنیں گے اور سوال و جواب کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہوگا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوں گے۔ یہ گفتگو بار بار ہوگی۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی مشیت سے متعلق ہے۔ وہ جب چاہے، جیسے چاہے اور جس سے چاہے ہم کلام ہو سکتا ہے۔ اس کا کلام آواز و حروف پر مشتمل ہے جسے سنا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کو اس نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔ ③ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی اہل جنت سے مذکورہ گفتگو کسی خاص طبقے سے نہیں بلکہ عام اہل جنت سے ہوگی اور اللہ تعالیٰ کئی مرتبہ اہل جنت کو شرف ہم کلامی سے سرفراز کرے گا۔

٧٥١٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ: حَدَّثَنَا هِلَالٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَوْمًا يُحَدِّثُ وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ: «أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ فِي الزَّرْعِ فَقَالَ: أَوَلَسْتَ فِيمَا شِئْتَ؟ قَالَ: بَلٰى، وَلٰكِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَزْرَعَ، فَأَسْرَعَ وَبَذَرَ فَتَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهُ وَاسْتِوَاؤُهُ وَاسْتِحْصَادُهُ وَتَكْوِيرُهُ أَمْثَالَ

[7519] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک دن گفتگو کر رہے تھے جبکہ اس وقت آپ کے پاس ایک دیہاتی بھی بیٹھا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”اہل جنت میں سے ایک شخص اپنے رب سے کھیتی باڑی کرنے کی اجازت طلب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا وہ سب کچھ تیرے پاس نہیں ہے جو تو چاہتا ہے؟ وہ عرض کرے گا: کیوں نہیں لیکن مجھے کھیتی باڑی سے محبت ہے۔ پھر وہ بہت جلد بیج بوئے گا اور پل جھپکنے ہی میں وہ اُگ آئے

[1] التوبة 9:72.

الْجِبَالِ، فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى : دُونَكَ يَا ابْنَ آدَمَ! فَإِنَّهُ لَا يُشْبِعُكَ شَيْءٌ»، فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ : يَا رَسُولَ اللهِ! لَا تَجِدُ هٰذَا إِلَّا قُرَشِيًّا أَوْ أَنْصَارِيًّا فَإِنَّهُمْ أَصْحَابُ زَرْعٍ، فَأَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِأَصْحَابِ زَرْعٍ، فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ.
[راجع: ٢٣٤٨]

گا، سیدھا ہو جائے گا، کاٹنے کے قابل ہو جائے گا اور پہاڑوں کی طرح غلے کے انبار لگ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! یہ لے لے۔ تیرے پیٹ کو کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔" دیہاتی نے کہا: اللہ کے رسول! یہ خواہش تو قریشی یا انصاری ہی کریں گے کیونکہ وہی کھیتی باڑی والے ہیں، ہم تو کسان نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اس کی یہ بات سن کر ہنس پڑے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان دنیا میں جو کام کرتا ہے وہ اس سے اتنا مانوس ہو جاتا ہے کہ بعض اوقات وہ جنت میں بھی اسے کرنے کی خواہش کرے گا، حالانکہ وہاں اس قسم کی خواہش کی نہ تو کوئی ضرورت ہوگی اور نہ اس کا کوئی فائدہ ہی ہوگا، تاہم اللہ تعالیٰ جنت میں اہل جنت کی خواہش کا احترام کرے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وہاں (جنت میں) تمھارے لیے وہ کچھ ہے جو تمھارے دل چاہیں گے اور تمھارے لیے اس میں وہ کچھ ہے جو تم مانگو گے۔"[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت سے ہم کلام ہوگا اور صفت کلام، علامتِ کمال ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق ہے۔ وہ جب چاہے گا، جس سے چاہے گا کلام کرے گا۔ جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے یا دور از کار تاویل کی ہے وہ راہِ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔

(٣٩) بَابُ ذِكْرِ اللهِ بِالْأَمْرِ، وَذِكْرِ الْعِبَادِ بِالدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ وَالرِّسَالَةِ وَالْبَلَاغِ

باب: 39- اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو حکم دے کر یاد کرنا اور بندوں کا دعا، عاجزی، بے بسی اور لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچا کر تبلیغ کر کے یاد کرنا

لِقَوْلِهِ تَعَالَى : ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ [البقرة: ١٥٢]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا۔"

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَٰقَوْمِ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُم مَّقَامِي وَتَذْكِيرِي بِـَٔايَٰتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوٓا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوٓا إِلَيَّ وَلَا تُنظِرُونِ ۝ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ

"(ارشاد باری تعالیٰ ہے:) آپ انھیں نوح (علیہ السلام) کی خبر پڑھ کر سنائیں، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی آیات کے ساتھ میرا نصیحت کرنا تم پر گراں گزرتا ہے تو میں نے اللہ ہی پر بھروسا کیا ہے۔ تم یوں کرو کہ اپنے شریکوں کو ساتھ ملا کر ایک فیصلے

1 حٰمٓ السجدة 41:31.

وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ﴾ [يونس: ٧١، ٧٢]
﴿غُمَّةً﴾: هَمٌّ وَضِيقٌ

پر متفق ہو جاؤ جس کا کوئی پہلو تم سے پوشیدہ نہ رہے، پھر جو کچھ میرے ساتھ کرنا ہو کر گزرو اور مجھے بالکل مہلت نہ دو، پھر اگر تم منہ موڑ لو تو میں نے تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگی، میری مزدوری تو صرف اللہ کے ذمے ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں۔ غُمّہ کے معنی ہیں: غم اور تنگی۔

قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿ٱقْضُوٓا۟ إِلَيَّ﴾ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ، أُفْرُقْ: إِقْضِ.

امام مجاہد نے کہا: اقضوا الیّ کے معنی ہیں: جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے پورا کر ڈالو، یعنی میرا قصہ تمام کر دو، چنانچہ اُفرق کے معنی ہیں: فیصلہ کر دے، یعنی ہمارے اور نافرمانوں کے درمیان جدائی ڈال دے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ٱسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَـٰمَ ٱللَّهِ﴾ [التوبة: ٦]: إِنْسَانٌ يَأْتِيهِ فَيَسْتَمِعُ مَا يَقُولُ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَهُوَ آمِنٌ حَتَّى يَأْتِيَهُ فَيَسْمَعَ كَلَامَ اللهِ، [وَ] حَتَّى يَبْلُغَ مَأْمَنَهُ حَيْثُ جَاءَهُ. وَ﴿ٱلنَّبَإِ ٱلْعَظِيمِ﴾ [النبا: ٢] الْقُرْآنِ ﴿صَوَابًا﴾ [النبا: ٣٨] حَقًّا فِي الدُّنْيَا، وَعَمِلَ بِهِ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دیجیے یہاں تک کہ وہ (اطمینان سے) اللہ کا کلام سن لے۔'' اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام مجاہد نے فرمایا: اگر کوئی (کافر) آپ ﷺ کے پاس اللہ کا کلام اور جو کچھ آپ پر اترا ہے، اس کو سننے کے لیے آئے تو وہ شخص امن وامان میں ہے تاکہ وہ آئے اور اللہ کا کلام سنے حتیٰ کہ وہ اپنے امن کے مقام پر پہنچ جائے جہاں سے آیا تھا۔ ﴿النَّبَإِ الْعَظِيمِ﴾ سے مراد قرآن کریم ہے اور ﴿صَوَابًا﴾ سے مراد حق بات کہنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں پیش کردہ آیات کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے افعال وصفات اور بندے کے افعال وصفات کے درمیان فرق واضح کیا ہے اور جو لوگ لفظ اور ملفوظ کے درمیان فرق نہیں کرتے ان کی تردید کی ہے۔ جب کوئی قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے تو الفاظ وحروف جو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے یہ بندے کا فعل اور مخلوق ہے اور جس کلام کو اپنے الفاظ سے ادا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے جیسا کہ تلاوت اور متلو میں فرق ہے۔ تلاوت بندے کا فعل ہے اور متلو اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس فرق کو بیان کرنے کے لیے اس طرح تمہید اٹھائی ہے کہ ذکر اللہ اور ذکر العباد کے درمیان فرق واضح کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب بندے کو یاد کرتا ہے تو اس سے مراد اسے شرعی احکام دینا ہے اور بندہ

جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اس سے مراد عاجزی اور بے بسی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ ہے۔ اس فرق کی وضاحت کے لیے آیت کریمہ کا حوالہ دیا ہے کہ تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا، یعنی تم مجھے عجز و انکسار اور میرے احکام کی تبلیغ کے ذریعے سے یاد کرو۔ اس کے نتیجے میں تمھیں بخشش، نصرت اور شرعی احکام دے کر یاد کروں گا، چنانچہ امام بخاری نے حضرت نوح علیہ السلام کی کارکردگی سے متعلقہ آیات کا حوالہ دیا ہے۔ ان میں یہ واضح بیان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تبلیغ اور اس کے احکام کی اشاعت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا ہے۔ اسی طرح مشرکین کو پناہ دینے کا مسئلہ ہے، جب وہ کلام اللہ کو سننے کے لیے آئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام جب پڑھا جاتا ہے تو الفاظ وحروف تو قاری کے ہوتے ہیں جو مخلوق اور بندے کا فعل ہیں اور الفاظ وحروف سے جو کلام ادا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ بعض اوقات وہ کسی حدیث کا حوالہ دیے بغیر صرف آیات پر اکتفا کرتے ہیں جیسا کہ اس عنوان سے پتا چلتا ہے۔ ہمیں ان حضرات کے موقف سے اتفاق نہیں جن کا کہنا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کتاب نامکمل چھوڑ گئے ہیں۔ وہ احادیث ذکر کرنا چاہتے تھے لیکن اس کی تکمیل سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ یہ موقف مبنی برحقیقت نہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

(٤٠) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا﴾ [البقرة: ٢٢]

باب: 40- ارشاد باری تعالیٰ: "اللہ تعالیٰ کے لیے کسی قسم کے شریک نہ بناؤ" کا بیان

وَقَوْلُهُ [جَلَّ ذِكْرُهُ]: ﴿وَتَجْعَلُونَ لَهُۥٓ أَندَادًا ذَٰلِكَ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾ [فصلت: ٩]

فرمان الٰہی ہے: "اور تم (اللہ تعالیٰ) کے لیے شریک ٹھہراتے ہو، حالانکہ وہی تمام دنیا کا مالک ہے۔"

﴿وَلَقَدْ أُوحِىَ إِلَيْكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿بَلِ ٱللَّهَ فَٱعْبُدْ وَكُن مِّنَ ٱلشَّٰكِرِينَ﴾ [الزمر: ٦٥، ٦٦]

نیز فرمایا: "اور بلاشبہ یقیناً آپ کی طرف وحی کی گئی اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف بھی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمھارا عمل برباد ہو جائے گا...... بلکہ آپ صرف اللہ کی عبادت کریں اور شکر کرنے والوں سے ہو جائیں۔"

وَقَوْلُهُ: ﴿وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ﴾ [الفرقان: ٦٨]

فرمان باری تعالیٰ ہے: "اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔"

وَقَالَ عِكْرِمَةُ: ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِٱللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ﴾ [يوسف: ١٠٦]

عکرمہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ارشاد باری تعالیٰ: "اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں مگر اس حال میں کہ وہ مشرک ہی ہوتے ہیں۔"

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ﴾ [الزخرف: ٨٧]

(نیز فرمایا:) "اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انھیں کس نے

وَ﴿مَنْ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ ٱللَّهُ﴾ [لقمان: ٢٥] فَذَٰلِكَ إِيمَانُهُمْ وَهُمْ يَعْبُدُونَ غَيْرَهُ.

پیدا کیا ہے۔'' ''اور آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں۔'' میں مشرکین کا ایمان واقرار بیان ہوا ہے لیکن اس کے باوجود وہ عبادت غیر اللہ کی کرتے ہیں۔

وَمَا ذُكِرَ فِي خَلْقِ أَفْعَالِ الْعِبَادِ وَأَكْسَابِهِمْ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُۥ تَقْدِيرًا﴾ [الفرقان: ٢]

اس عنوان میں یہ بھی بیان ہے کہ بندے کے افعال ان کا کسب ہیں مگر سب مخلوق الٰہی ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اس (اللہ) نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، پھر اس کا صحیح صحیح اندازہ لگایا ہے۔''

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: (مَا تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ إِلَّا بِالْحَقِّ) [الحجر: ٨] يَعْنِي بِالرِّسَالَةِ وَالْعَذَابِ. ﴿لِّيَسْـَٔلَ ٱلصَّٰدِقِينَ عَن صِدْقِهِمْ﴾ الْمُبَلِّغِينَ الْمُؤَدِّينَ مِنَ الرُّسُلِ ﴿وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ﴾ [الحجر: ٩] عِنْدَنَا.

اور امام مجاہد نے فرمان الٰہی: (مَا تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ إِلَّا بِالْحَقِّ) کی تفسیر میں فرمایا: فرشتے رسالت اور عذاب لے کر نازل ہوتے ہیں۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ''تاکہ سچے لوگوں سے ان کی سچائی کے متعلق سوال کرے۔'' اس سے مراد اللہ کے پیغمبر ہیں جو اللہ کے احکام پہنچانے والے اور انھیں ادا کرنے والے ہیں۔ (نیز فرمایا:) ''اور ہم ہی قرآن کریم کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' یعنی اپنے پاس سے حفاظت کرتے ہیں۔

﴿وَٱلَّذِى جَآءَ بِٱلصِّدْقِ﴾: الْقُرْآنُ، ﴿وَصَدَّقَ بِهِۦٓ﴾ [الزمر: ٣٣] الْمُؤْمِنُ، يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: هَذَا الَّذِي أَعْطَيْتَنِي عَمِلْتُ بِمَا فِيهِ.

(ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ''اور جو شخص سچ لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی۔'' صدق سے مراد قرآن ہے اور تصدیق کرنے والا مومن ہے جو قیامت کے دن اپنے رب سے عرض کرے گا: تو نے مجھے یہ (قرآن) دیا تھا، جو اس میں ہے میں نے اس پر عمل کیا تھا۔

٧٥٢٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ: أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ؟ قَالَ: «أَنْ

[7520] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیرا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، حالانکہ اس نے تجھے

تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ»، قُلْتُ: إِنَّ ذٰلِكَ لَعَظِيمٌ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ تَخَافُ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ»، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ». [راجع: ٤٤٧٧]

پیدا کیا ہے۔" میں نے کہا: یہ تو واقعی بہت بڑا گناہ ہے۔ میں نے پھر پوچھا: اس کے بعد کون سا گناہ عظیم تر ہے؟ آپ نے فرمایا: "تیرا اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرنا کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائیں گے۔" میں نے کہا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: "تیرا اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرنا۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کے دور میں کئی ایک فتنوں نے جنم لیا، ان میں سے ایک فتنہ خلق قرآن کا تھا۔ کچھ لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن مخلوق ہے۔ اس کے برعکس ردِّعمل کے طور پر بعض حضرات نے یہ موقف اختیار کیا کہ قرآن ہی غیر مخلوق نہیں بلکہ قرآن کی تلاوت کرتے وقت قاری کی آواز اور حروف بھی غیر مخلوق ہیں حتی کہ اس حد تک مبالغہ کیا گیا کہ کتابت قرآن کے بعد جو سیاہی اور کاغذ استعمال ہوا ہے وہ بھی غیر مخلوق ہے۔ محدثین کرام رحمہم اللہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ قاری کی آواز اور ادا ہونے والے حروف تو مخلوق ہیں، البتہ تلاوت کیا جانے والا کلام غیر مخلوق ہے کیونکہ تلاوت بندے کا فعل اور اس کا کسب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہے، پھر اسی بنیاد پر مسئلہ خلق افعال العباد پیدا ہوا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے متعلق مستقل ایک رسالہ لکھا جس میں دلائل و براہین سے ثابت کیا گیا کہ بندوں کے افعال ان کا کسب ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں، وہ افعال اچھے ہوں یا برے، بہر حال انھیں پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جبکہ معتزلہ اور جہمیہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے، حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تمھیں اور جو تم عمل کرتے ہو۔"[1] لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ہم سر ٹھہرانے کے مترادف ہے۔ یہ شرکیہ عقیدہ ہے۔ اگر انسان کی موت اسی عقیدے پر ہوئی تو ایسے مشرک پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام کیا ہے۔ قرآن مجید میں شرک کی قباحت و شناعت (گندگی) بیان ہوئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی ان آیات کا انتخاب کیا ہے جن میں شرک کی سنگینی کو بیان کیا گیا ہے۔ پیش کردہ حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ بندہ اپنے فعل کا خالق نہیں۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے شرک پر مبنی عقیدہ ہے۔ وہ ایسا ہے گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا اور اس کے متعلق سخت وعید ہے۔ احادیث میں شرک کو اکبر الکبائر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس بنا پر یہ عقیدہ رکھنا حرام ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔

(٤١) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَٰرُكُمْ﴾ الْآيَةَ [فصلت: ٢٢]

باب: 41- ارشاد باری تعالیٰ: "اور گناہ کرتے وقت تم اس (خوف) سے نہیں چھپتے تھے کہ کہیں تمھارے کان، تمھاری آنکھیں (اور تمھاری جلدیں ہی) تمھارے خلاف گواہی نہ دے دیں......" کا بیان

[1] الصّٰفّٰت 37:96.

٧٥٢١ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اجْتَمَعَ عِنْدَ الْبَيْتِ ثَقَفِيَّانِ وَقُرَشِيٌّ - أَوْ قُرَشِيَّانِ وَثَقَفِيٌّ - كَثِيرَةٌ شَحْمُ بُطُونِهِمْ قَلِيلَةٌ فِقْهُ قُلُوبِهِمْ، فَقَالَ أَحَدُهُمْ: أَتَرَوْنَ أَنَّ اللهَ يَسْمَعُ مَا نَقُولُ؟ قَالَ الْآخَرُ: يَسْمَعُ إِنْ جَهَرْنَا وَلَا يَسْمَعُ إِنْ أَخْفَيْنَا، وَقَالَ الْآخَرُ: إِنْ كَانَ يَسْمَعُ إِذَا جَهَرْنَا فَإِنَّهُ يَسْمَعُ إِذَا أَخْفَيْنَا، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ﴾ الْآيَةَ. [راجع: ٤٨١٦]

[7521] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ حرم کعبہ میں دو قریشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی اکٹھے ہوئے۔ یہ تینوں خوب موٹے تازے تھے۔ ان کی توندیں نکلی ہوئی تھیں مگر ان کے دل سمجھ بوجھ سے کورے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا: تمھارا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری باتیں سن سکتا ہے؟ دوسرا بولا: ہاں، اگر ہم اونچی آواز سے باتیں کریں تب تو سن لیتا ہے اور اگر آہستہ آواز سے بات کریں تو پھر نہیں سنتا۔ تیسرا کہنے لگا: اگر وہ اونچی آواز سے سن لیتا ہے تو آہستہ آواز والی بات بھی سن سکتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''تم جو دنیا میں چھپ کر گناہ کرتے تھے تو اس بات سے نہیں ڈرتے تھے کہ تمھارے کان، تمھاری آنکھیں اور تمھاری جلدیں تمھارے خلاف قیامت کے دن گواہی دیں گے۔''

فوائد و مسائل: ① بدعقیدگی اور بدعملی میں مبتلا کفار و مشرکین کے حاشیۂ خیال میں یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ ان کے خلاف گواہی دینے والے ان کے اپنے اعضاء بھی ہو سکتے ہیں، لہٰذا ان گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ یہ سوچ لیتے تو ان سے گناہ اور نافرمانی کا سرزد ہونا ہی ناممکن تھا کیونکہ نہ وہ خود اپنے اعضاء سے چھپ سکتے تھے اور نہ ان سے گناہ کو ہی چھپا سکتے تھے اور نہ ان کے بغیر گناہ کا کام کر سکتے تھے۔ ابن بطال نے لکھا ہے کہ اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض اللہ تعالیٰ کے لیے صفت سمع کا اثبات ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کلام ثابت کرنا ہے کہ وہ جب چاہے کلام کرنے پر قادر ہے۔[1] ② ہمارے رجحان کے مطابق امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ بندوں کے اعمال ان کے اختیار سے واقع ہوتے ہیں اور کلام اسی کی صفت ہوتی ہے جو اسے ادا کرتا ہے۔ انسان کے اعضاء قیامت کے دن جب اس کے خلاف گواہی دیں گے تو ان کی گفتگو اور گواہی کو مبنی برحقیقت قرار دیا جائے گا اور اس وقت ان کا کلام اعضاء کی طرف منسوب ہوگا۔ اسی طرح ہر متکلم کا کلام اس کا فعل اور صفت ہے، اس کے برعکس جو کسی دوسرے کا کلام نقل کرتا ہے وہ اس کا کلام نہیں بلکہ وہ اس کا ناقل ہے، البتہ ہونٹوں اور زبان کی حرکت، نیز اس کی آواز نقل کرنے والے کی شمار ہوگی اور الفاظ و حروف سے جو کلام ادا ہو رہا ہے اس کی نسبت اس غیر کی طرف ہوگی جس کا کلام نقل کیا جا رہا ہے جیسا کہ مشہور مقولہ ہے: آواز تو قاری کی ہوتی ہے، البتہ کلام ذات باری کا شمار کیا جائے گا۔ ③ بعض حضرات کو شبہ لاحق ہوا ہے کہ آیت کریمہ میں ﴿تَعْمَلُونَ﴾ کی نسبت انسانوں کی طرف ہے، لہٰذا وہ اپنے افعال کے خالق ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس شبہے کا ازالہ اس طرح کیا ہے کہ

(1) فتح الباري: 616/13.

آیت کریمہ میں عمل کی نسبت بندوں کی طرف باعتبار کسب اور ارتکاب کے ہے، البتہ بحیثیت تخلیق اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی۔ واللہ أعلم.

(٤٢) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ [الرحمن: ٢٩] ﴿مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ﴾ [الأنبياء: ٢] وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا﴾ [الطلاق: ١]

باب: 42- ارشاد باری تعالیٰ: ''وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے۔'' نیز: ''نہیں آتی ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نئی نصیحت۔'' نیز ارشاد باری تعالیٰ: ''شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد (موافقت کی) کوئی نئی صورت پیدا کردے'' کا بیان

وَأَنَّ حَدَثَهُ لَا يُشْبِهُ حَدَثَ الْمَخْلُوقِينَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [الشورى: ١١]

اللہ تعالیٰ کا کوئی نیا کام کرنا مخلوق کے نئے کام سے مشابہت نہیں رکھتا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔''

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «إِنَّ اللهَ يُحْدِثُ مِنْ أَمْرِهِ مَا يَشَاءُ. وَإِنَّ مِمَّا أَحْدَثَ أَنْ لَا تَكَلَّمُوا فِي الصَّلَاةِ».

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کوئی نیا حکم دیتا ہے اور اس نے نیا حکم یہ دیا ہے کہ نماز میں کلام نہ کرو۔''

٧٥٢٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ ابْنُ وَرْدَانَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ كُتُبِهِمْ وَعِنْدَكُمْ كِتَابُ اللهِ أَقْرَبُ الْكُتُبِ عَهْدًا بِاللهِ تَقْرَؤُونَهُ مَحْضًا لَمْ يُشَبْ؟ [راجع: ٢٦٨٥]

[7522] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: تم اہل کتاب سے ان کی کتابوں کے متعلق کیوں دریافت کرتے ہو، حالانکہ تمھارے پاس تو خود اللہ کی کتاب موجود ہے جو زمانے کے اعتبار سے اللہ کی طرف سے نئی نئی آئی ہے۔ تم اسے پڑھتے ہو۔ وہ خالص ہے۔ اس میں کوئی ملاوٹ نہیں؟

٧٥٢٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! كَيْفَ تَسْأَلُونَ أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ وَكِتَابُكُمُ الَّذِي أَنْزَلَ اللهُ عَلَى نَبِيِّكُمْ ﷺ

[7523] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کسی مسئلہ کے متعلق کیوں پوچھتے ہو؟ حالانکہ تمھاری کتاب جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی پر نازل کی ہے وہ اللہ کے ہاں سے بالکل تازہ آئی ہے۔ وہ خالص ہے۔ اس میں کوئی

أَحْدَثُ الْأَخْبَارِ بِاللهِ مَحْضًا لَمْ يُشَبْ؟ وَقَدْ حَدَّثَكُمُ اللهُ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ بَدَّلُوا مِنْ كُتُبِ اللهِ وَغَيَّرُوا فَكَتَبُوا بِأَيْدِيهِمْ، قَالُوا: هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ لِيَشْتَرُوا بِذٰلِكَ ثَمَنًا قَلِيلًا، أَوَ لَا يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ مَسْأَلَتِهِمْ؟ فَلَا وَاللهِ مَا رَأَيْنَا رَجُلًا مِنْهُمْ يَسْأَلُكُمْ عَنِ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَيْكُمْ. [راجع: ٢٦٨٥]

ملاوٹ نہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے تمھیں خود بتا دیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتابوں کو تبدیل اور متغیر کر دیا ہے، چنانچہ وہ اپنے ہاتھوں سے ایک کتاب لکھتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعے سے تھوڑی سی پونجی حاصل کر لیں۔ کیا تمھارے پاس جو علم آیا ہے وہ تمھیں ان سے سوال کرنے سے منع نہیں کرتا؟ اللہ کی قسم! ہم تو ان کے کسی آدمی کو نہیں دیکھتے جو تم سے اس کے متعلق دریافت کرے جو تم پر نازل ہوا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسموں پر مشتمل ہیں: ○ ذاتیہ۔ ○ فعلیہ۔ صفات ذاتیہ وہ صفات ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا، جیسے: العلم، القدرة، السمع اور البصر وغیرہ۔ صفات فعلیہ: وہ صفات ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت اور چاہت سے ہے، وہ چاہے تو کرے اور چاہے تو نہ کرے، مثلاً: رزق دینا اور آسمان دنیا پر نزول فرمانا وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے دو پہلو ہیں: اصل کے اعتبار سے صفت ذاتیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متکلم ہے اور ہمیشہ متکلم رہے گا لیکن کلام کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے یہ صفت فعلیہ ہے کیونکہ اس کا کلام فرمانا اس کی مشیت کے تابع ہے۔ ② معتزلہ نے صفات فعلیہ کا اس لیے انکار کیا ہے کہ مخلوق سے تعلق کی بنا پر وہ حادث ہیں اور اللہ تعالیٰ حوادث کا محل نہیں ہو سکتا، نیز وہ کہتے ہیں کہ قرآن مُحْدَث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اسے ذِکرِ مُحْدَث کہا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان اور پیش کردہ احادیث میں اسی موقف کی تردید کی ہے کیونکہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازہ تازہ نازل ہونے کے اعتبار سے محدث کہا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے: ''وہ ہر روز ایک نئی شان میں ہے۔'' ہر روز ایک نئی شان میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ کوئی اس سے کھانے کو مانگ رہا ہے، کوئی پینے کو۔ کوئی تندرستی کے لیے دعا کر رہا ہے تو کوئی اولاد کے لیے۔ کوئی گناہوں سے بخشش کی دعا کر رہا ہے تو کوئی اور درجات کی بلندی کے لیے دعا مانگ رہا ہے اور وہ سب مخلوق کی سنتا اور ان کی فریاد رسی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر آن یہ کام کر رہا ہے۔ علاوہ ازیں وہ ہر وقت نئی سے نئی مخلوق وجود میں لا رہا ہے۔ جس طرح انسانوں کی پیدائش بڑھ رہی ہے اسی طرح ہر ذی حیات کی نسل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ الغرض ہر روز اس کی ایک نئی آن اور نئی شان ہوتی ہے۔ ③ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صفات فعلیہ سے بھی متصف ہے، جیسے: کلام کرنا، زندہ کرنا، مارنا، پیدا کرنا اور اترنا وغیرہ۔ اس قسم کے افعال و انتظامات ہر ساعت نئے نئے نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ جن لوگوں نے صفات فعلیہ کا اس بنا پر انکار کیا ہے کہ وہ حادث ہیں اور حوادث ذات باری تعالیٰ کے شایان شان نہیں، بلاشبہ وہ علم سے کورے اور عقل سے فارغ ہیں۔ واللّٰہ أعلم.

(٤٣) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ﴾ [القيامة: ١٦] وَفِعْلِ النَّبِيِّ ﷺ حَيْثُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ

باب: 43- ارشاد باری تعالیٰ: ''اپنی زبان کو حرکت نہ دیجیے'' اور نبی ﷺ کا اس آیت کے نزول سے پہلے ایسا کرنے کا بیان

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «قَالَ اللهُ تَعَالَى: أَنَا مَعَ عَبْدِي إِذَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ بِي شَفَتَاهُ».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے نقل کیا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا رہے اور میری یاد میں اپنے ہونٹ ہلاتا رہے۔''

٧٥٢٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ﴾ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيلِ شِدَّةً وَكَانَ يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ - فَقَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ: أُحَرِّكُهُمَا لَكَ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُحَرِّكُهُمَا. فَقَالَ سَعِيدٌ: أَنَا أُحَرِّكُهُمَا كَمَا كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُحَرِّكُهُمَا - فَحَرَّكَ شَفَتَيْهِ، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ قَالَ: جَمْعَهُ فِي صَدْرِكَ ثُمَّ نَقْرَؤُهُ ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ قَالَ: فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ، ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا أَنْ تَقْرَأَهُ.

[7524] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے ارشاد باری تعالیٰ: لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کیا کہ نبی ﷺ نزول وحی کے وقت شدت محسوس کرتے تھے اور اپنے ہونٹ ہلاتے تھے۔ میں تمھیں ہونٹ ہلا کر دکھاتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ انھیں حرکت دیا کرتے تھے۔ (راویٔ حدیث) حضرت سعید بن جبیر نے کہا: میں اپنے ہونٹ ہلاتا ہوں جیسے میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ہونٹ ہلاتے دیکھا تھا، پھر انھوں نے اپنے دونوں ہونٹ ہلائے۔ (ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اس (وحی) کو یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس (وحی) کو آپ کے دل میں جمع کرنا اور زبان سے پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہے۔'' یعنی تمھارے سینے میں قرآن کا جما دینا اور اس کا پڑھا دینا ہمارا کام ہے۔ ''پھر جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو اس وقت پڑھے ہوئے کی اتباع کریں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جبریل کے پڑھتے وقت کان لگا کر سنتے رہیں اور خاموش رہیں، یہ ہمارا ذمہ ہے کہ آپ قرآن اسی طرح پڑھیں گے۔

قَالَ: فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اسْتَمَعَ، فَإِذَا انْطَلَقَ جِبْرِيلُ قَرَأَهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت کے اترنے کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام آتے تو رسول اللہ ﷺ کان لگا

النَّبِيُّ ﷺ كَمَا أَقْرَأَهُ. [راجع: ٥]

کرتے۔ پھر جب حضرت جبریل چلے جاتے تو نبی ﷺ لوگوں کو اسی طرح پڑھ کر سنا دیتے جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پڑھ کر سنایا تھا۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ قرآنی الفاظ جو ہمارے منہ سے نکلتے ہیں یہ ہمارا فعل ہے جو مخلوق ہے اور قرآن کریم جسے پڑھا جا رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے، یعنی تلاوت اور متلو میں فرق واضح کیا ہے۔ اس سے ان لوگوں کی تردید کرنا مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ قاری کی قراءت بھی قدیم ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے وضاحت فرمائی کہ قرآن کے ساتھ زبان کی حرکت قاری کا فعل ہے جو مخلوق اور حادث ہے اور جو پڑھا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے جیسا کہ اللہ کریم کا ذکر کرتے وقت زبان کا حرکت کرنا بندے کا فعل اور حادث ہے اور جس کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدیم ہے، اسی طرح اس کی صفات بھی قدیم ہیں۔ آئندہ تراجم میں بھی اسی مقصد کو بیان کیا جائے گا۔[1]

(٤٤) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ○ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ [الملك: ١٣، ١٤]

باب: 44- ارشاد باری تعالیٰ: ”اور تم اپنی بات چھپا کر کرو یا اونچی آواز سے، بلاشبہ وہ دلوں کے راز تک جانتا ہے، کیا بھلا وہ نہ جانے گا جس نے (سب کو) پیدا کیا، وہ باریک بین ہے ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے“ کا بیان

﴿يَتَخَافَتُونَ﴾ [طه: ١٠٣]: يَتَسَارُّونَ

﴿يتخافتون﴾ کے معنی ہیں: وہ چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے۔

٧٥٢٥ - حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ عَنْ هُشَيْمٍ: أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ [الإسراء: ١١٠] قَالَ: نَزَلَتْ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ مُخْتَفٍ بِمَكَّةَ، فَكَانَ إِذَا صَلَّى بِأَصْحَابِهِ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْقُرْآنِ، فَإِذَا سَمِعَهُ الْمُشْرِكُونَ سَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ، فَقَالَ اللهُ لِنَبِيِّهِ ﷺ: ﴿وَلَا تَجْهَرْ

[7525] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے متعلق فرمایا: ”اور آپ اپنی نماز نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھیں اور نہ بالکل پست آواز سے۔“ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں کافروں سے چھپے رہتے تھے۔ آپ ﷺ صحابۂ کرام کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز سے قرآن پڑھتے۔ جب مشرکین قرآن سنتے تو قرآن، صاحب قرآن اور قرآن لانے والے (حضرت جبریل علیہ السلام) سب کو برا بھلا کہتے۔

[1] فتح الباري: 523/13.

بِصَلَاتِكَ﴾ أَيْ بِقِرَاءَتِكَ فَيَسْمَعَ الْمُشْرِكُونَ فَيَسُبُّوا الْقُرْآنَ ﴿وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ عَنْ أَصْحَابِكَ فَلَا تُسْمِعُهُمْ ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا﴾. [راجع: ٤٧٢٢]

اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ نماز میں بآواز بلند قرآن نہ پڑھیں کہ مشرکین قرآن کو برا بھلا کہیں اور نہ اس قدر آہستہ پڑھیں کہ آپ کے صحابہ بھی نہ سن سکیں بلکہ ان کے درمیان راستہ اختیار کریں۔

٧٥٢٦ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ فِي الدُّعَاءِ. [راجع: ٤٧٢٣]

[7526] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: درج ذیل آیت: ”اور آپ اپنی نماز نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھیں اور نہ بالکل پست آواز سے۔“ دعا کے متعلق نازل ہوئی، یعنی دعا نہ تو چلا کر مانگی جائے اور نہ بالکل پست آواز میں۔

فوائد ومسائل: ① شارح صحیح بخاری ابن بطال نے لکھا ہے کہ اس عنوان سے مقصود اللہ تعالیٰ کے لیے صفت علم کا ثابت کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آواز کا بلند یا پست ہونا کوئی حیثیت نہیں رکھتا، وہ تو دل کی باتوں کو بھی جانتا ہے لیکن اس مقصد کی نشان دہی پیش کردہ احادیث سے نہیں ہوتی۔ ② حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں قول سے مراد عام ہے۔ اگر اس سے مراد قرآن کریم ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے جیسا کہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے اور اگر اس سے مراد عام گفتگو ہے تو وہ بندے کا فعل ہے جو مخلوق ہے جیسا کہ آیت کے آخری حصے میں ہے: ”کیا وہ اپنی مخلوق کے متعلق معلومات نہیں رکھتا۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے کی گفتگو، خواہ بآواز بلند ہو یا آہستہ وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔[1] ③ ابن منیر نے امام بخاری ؒ کے مقصد کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ بندے کی تلاوت بلند اور آہستہ ہوتی ہے جو بندے کا فعل ہے اور مخلوق ہے، البتہ جو چیز پڑھی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔ چونکہ امام بخاری ؒ مسئلہ خلق قرآن کے متعلق آزمائش میں بھی ڈالے گئے تھے، اس لیے اس مسئلے کو مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں۔[2] ہمارے رجحان کے مطابق آخری موقف ہی مبنی برحقیقت اور امام بخاری ؒ کے فکر کی ترجمانی کرتا ہے اور پیش کردہ احادیث سے بھی اسی کی نشاندہی ہوتی ہے۔ واللہ المستعان۔

٧٥٢٧ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ».

[7527] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص خوبصورت آواز سے قرآن کریم کی تلاوت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔“

1 فتح الباري: 624/13. 2 فتح الباري: 624/13.

وَزَادَ غَيْرُهُ: يَجْهَرُ بِهِ.

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ) کسی اور نے اس حدیث میں یہ اضافہ بیان کیا ہے کہ جو اسے آواز بلند نہ پڑھے۔

فوائد ومسائل: ﴿1﴾ مذکورہ حدیث مختلف الفاظ سے بیان ہوئی ہے۔ روایت کے آخر میں آواز بلند تلاوت کرنے کا اضافہ راوی حدیث محمد بن ابراہیم التیمی کا بیان کردہ ہے۔[1] حدیث میں بیان کی گئی وعید کا مطلب یہ نہیں کہ ایسا انسان دین سے خارج ہے بلکہ قرآن مجید کو خوبصورت آواز سے نہ پڑھنے والا رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ خوش الحانی اور آوازِ بلند قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ﴿2﴾ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ ہمارے منہ سے جو قرآن کے الفاظ نکلتے ہیں وہ غیر مخلوق مگر ہماری زبان کا حرکت کرنا اور ان الفاظ کا ادا کرنا ہمارا فعل ہے اور یہ فعل مخلوق ہے۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے تلاوت اور متلو میں فرق کو واضح کیا ہے کہ قرآنی الفاظ کو خوبصورت انداز سے پڑھنا اور آواز بلند ادا کرنا یہ ہمارا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، ہم اس کے خالق نہیں ہیں۔

(٤٥) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ يَقُولُ: لَوْ أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ هَذَا فَعَلْتُ كَمَا يَفْعَلُ»، فَبَيَّنَ أَنَّ قِيَامَهُ بِالْكِتَابِ هُوَ فِعْلُهُ

باب: 45- نبی ﷺ کے فرمان: "ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم جیسی نعمت عطا کی، وہ دن رات اس میں مشغول رہتا ہے اور دوسرا وہ شخص جو کہتا ہے: اگر مجھے اس جیسا دیا جاتا جو اسے دیا گیا ہے تو میں بھی وہی کرتا جو وہ کرتا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ اس قرآن کے ساتھ "قیام" یہ بندے کا فعل ہے" کا بیان

وَقَالَ: ﴿وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦ خَلْقُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَٰنِكُمْ﴾ [الروم: ٢٢]

فرمان الٰہی ہے: "اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا ہے۔"

وَقَالَ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿وَٱفْعَلُوا۟ ٱلْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [الحج: ٧٧].

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اچھے کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

٧٥٢٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ

[7528] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں

1 فتح الباري: 625/13.

الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَحَاسُدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ فَهُوَ يَقُولُ: لَوْ أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ هٰذَا لَفَعَلْتُ كَمَا يَفْعَلُ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ فِي حَقِّهِ فَيَقُولُ: لَوْ أُوتِيتُ مِثْلَ مَا أُوتِيَ عَمِلْتُ فِيهِ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ». [راجع: ٥٠٢٦]

نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قابل رشک صرف دو آدمی ہیں: ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہو اور وہ اس کی دن رات تلاوت کرتا رہتا ہو تو ایک (دیکھنے والا) کہتا ہے: اے کاش! مجھے بھی اس جیسا (قرآن) دیا جائے تو میں بھی اسی طرح اس کی تلاوت) کروں جس طرح وہ کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اسے کما حقہ خرچ کرتا ہے۔ اسے دیکھ کر ایک شخص کہتا ہے: اے کاش! مجھے بھی اللہ تعالیٰ اتنا مال دیتا تو میں بھی اسی طرح خرچ کرتا جیسے یہ کرتا ہے۔''

٧٥٢٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ». [راجع: ٥٠٢٥]

[7529] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''رشک کے قابل تو دو ہی آدمی ہیں: ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا اور وہ دن رات اس کی تلاوت کرتا رہتا ہے اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اسے دن رات خرچ کرتا ہے۔''

سَمِعْتُ مِنْ سُفْيَانَ مِرَارًا، لَمْ أَسْمَعْهُ يَذْكُرُ الْخَبَرَ، وَهُوَ مِنْ صَحِيحِ حَدِيثِهِ.

(علی بن مدینی نے کہا:) میں نے یہ حدیث سفیان بن عیینہ سے کئی مرتبہ سنی ہے لیکن حدیث صحیح اور متصل ہونے کے باوجود وہ اسے أخبرنا کے الفاظ سے بیان نہیں کرتے۔

فوائد و مسائل: ① عنوان میں ذکر کی گئی پہلی آیت کے مطابق زبانوں کا مختلف ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے، مختلف زبانوں میں ہر قسم کا کلام آجاتا ہے۔ ان میں قرآن کریم کی تلاوت بھی ہے جو بندے کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں اچھے کام کرنے کی تلقین ہے۔ ان میں قراءت، ذکر الٰہی اور دعا کرنا بھی ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قراءت کرنا قاری کا فعل ہے، جو اس کا کسب اور اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ ② ذکر کی گئی احادیث میں قاری کی قراءت اور اس کے قیام کو اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو اس کا فعل ہے۔ امام بخاری ؒ کا محل استدلال یہی ہے کہ قاری کی زبان کا حرکت کرنا، اس کے ہونٹوں کا ہلنا، پھر اس کا قراءت کرنا سب اس کا فعل اور کسب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، البتہ جو کچھ پڑھا جا رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ دوسرے الفاظ میں اسے یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے: [اَلصَّوْتُ صَوْتُ الْقَارِئِ وَالْكَلَامُ كَلَامُ الْبَارِئِ] یعنی آواز تو قاری کی ہے اور اس کے ذریعے سے پڑھا جانے والا کلام اللہ رب العزت کا کلام ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

(٤٦) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: (يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَاتِهِ)

باب: 46- ارشاد باری تعالیٰ: "اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیجیے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو پیغام الٰہی پہنچانے کا حق ادا نہ کیا" کا بیان

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ الرِّسَالَةُ، وَعَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا التَّسْلِيمُ.

امام زہری نے فرمایا: اللہ کی طرف سے رسالت ہے، رسول اللہ ﷺ کے ذمے اس پیغام کا آگے پہنچانا اور ہم پر اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔

وَقَالَ: ﴿لِيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ﴾ [الجن: ٢٨]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "تاکہ وہ (رسول) جان لے کہ فرشتوں نے اپنے رب کے پیغامات صحیح صحیح پہنچا دیے ہیں۔"

وَقَالَ تَعَالَى: ﴿أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي﴾ [الأعراف: ٦٢].

نیز فرمایا: "میں تمھیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں۔"

وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ - حِينَ تَخَلَّفَ - عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: ﴿وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ﴾ [التوبة: ٩٤].

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: جب وہ (جنگ تبوک میں) نبی ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے: "اور عنقریب اللہ تمھارا عمل دیکھے گا اور اس کا رسول بھی۔"

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: إِذَا أَعْجَبَكَ حُسْنُ عَمَلِ امْرِئٍ فَقُلْ: ﴿اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ [التوبة: ١٠٥] وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ أَحَدٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب تجھے کسی کا کام اچھا لگے تو یوں کہو: "عمل کیے جاؤ، عنقریب اللہ تمھارا عمل دیکھے گا اور اس کا رسول اور اہل ایمان بھی۔" کسی کا نیک عمل تجھے دھوکے میں نہ ڈالے۔

وَقَالَ مَعْمَرٌ: ﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ﴾ هٰذَا الْقُرْآنُ

حضرت معمر نے کہا: ارشاد باری تعالیٰ: "یہ کتاب (اس میں کوئی شک نہیں)" میں کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ [البقرة: ٢] بَيَانٌ وَدِلَالَةٌ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ﴾ [الممتحنة: ١٠] هٰذَا حُكْمُ اللهِ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "متقین کے لیے سراسر ہدایت ہے۔" یعنی بیان اور دلالت کے ذریعے سے ہدایت کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یہ اللہ کا حکم ہے۔" ذلکم

سے مراد هذا ہے۔

﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ [البقرة: ٢] لَا شَكَّ.

﴿لاریب فیہ﴾ اس کے معنی ہیں: اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔

﴿تِلْكَ ءَايَٰتُ ٱللَّهِ﴾ [لقمان: ٢] يَعْنِي هَذِهِ أَعْلَامُ الْقُرْآنِ. وَمِثْلُهُ ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى ٱلْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم﴾ [يونس: ٢٢] يَعْنِي بِكُمْ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔'' اس آیت میں تلك سے مراد هذا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''حتی کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور کشتیاں بادموافق سے انھیں لے کر چلتی ہیں۔'' اس آیت کریمہ میں بِهِمْ سے مراد بِكُمْ ہے، یعنی تمھیں لے کر چلتی ہیں۔

وَقَالَ أَنَسٌ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَالَهُ حَرَامًا إِلَى قَوْمٍ وَقَالَ: أَتُؤْمِنُونِي أُبَلِّغْ رِسَالَةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ فَجَعَلَ يُحَدِّثُهُمْ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے ان کے ماموں حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو ایک قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے کہا: کیا تم مجھے امن دیتے ہو کہ میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچاؤں؟ اس کے بعد انھوں نے پیغام پہنچانا شروع کر دیا اور ان سے باتیں کرنے لگے۔

وضاحت: مذکورہ عنوان سے مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانا، یہ ان کا فعل اور عمل ہے جس پر انھیں رب تعالیٰ کی طرف سے جزا اور ثواب دیا جائے گا اور جو پیغام پہنچانا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اور وہ غیر مخلوق ہے، یعنی رسالت اور ابلاغ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ رسالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو اس کے پیغامات اور اوامر ونواہی پر مشتمل ہے اور ابلاغ رسول کی ذمہ داری ہے جو اس کا فعل اور عمل ہے۔ حضرت معمر کے حوالے سے جو بیان ہوا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ دلالت کی مختلف قسمیں ہیں۔ بعض اوقات کسی فنی نکتے کی وجہ سے اشارۂ قریب کے مقام پر اشارۂ بعید استعمال ہوتا ہے اور ضمیر خطاب کی جگہ پر ضمیر غائب استعمال ہوتی ہے۔ اس کی متعدد مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ واضح رہے کہ رسالت میں چار چیزیں ہوتی ہیں: ایک مرسل (بھیجنے والا) دوسرا مرسل الیہ، یعنی جس کی طرف بھیجا گیا، تیسرا رسول (پیغام لانے والا) اور چوتھا نفس رسالت (وہ پیغام جو بھیجا گیا ہے۔) ان میں سے ہر ایک کے لیے امر ہے۔ مرسل کے لیے ارسال ہے۔ رسول کے لیے ابلاغ اور مرسل الیہ کے لیے قبول وتسلیم ہے۔ رسالت سے مراد وہ احکام و اوامر ہیں جنھیں دوسروں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے بھی اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا جو اللہ رب العزت کی طرف سے رسول کریم ﷺ کو بھیجا گیا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ ہے کہ رسالت اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے جو اس کے کلام پر مشتمل ہوتا ہے وہ غیر مخلوق ہے اور ابلاغ، یعنی اس پیغام کا آگے قوم کو پہنچانا یہ رسول کریم ﷺ کا عمل اور فعل ہے۔ ان دونوں میں فرق واضح ہے۔ اسی طرح تلاوت

قاری کا عمل ہے اور متلو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ واللہ أعلم.

٧٥٣٠ - حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ يَعْقُوبَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ: حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ الثَّقَفِيُّ: حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيُّ، وَزِيَادُ بْنُ جُبَيْرِ ابْنِ حَيَّةَ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ، قَالَ الْمُغِيرَةُ: أَخْبَرَنَا نَبِيُّنَا ﷺ عَنْ رِسَالَةِ رَبِّنَا أَنَّهُ مَنْ قُتِلَ مِنَّا صَارَ إِلَى الْجَنَّةِ. [راجع: ٣١٥٩]

[7530] حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''ہمارے نبیٔ اکرم ﷺ نے ہمیں اپنے رب کے پیغامات میں سے یہ پیغام پہنچایا کہ ہم میں سے جو کوئی (اللہ کے راستے میں) قتل کیا جائے گا وہ جنت میں جائے گا۔''

فائدہ: یہ حدیث ایک طویل حدیث کا حصہ ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایرانی فوج کے سامنے پر جوش تقریر کی تھی۔ جب ایرانی کمانڈر نے پوچھا تھا کہ تم کون ہو اور تمھارا کیا مقصد ہے؟ مذکورہ اقتباس اس تقریر سے ہے جو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کی تھی۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو امر، نہی، وعدہ، وعید اور گزشتہ اقوام کے حالات و واقعات آئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے وہ کما حقہ ہم تک پہنچا دیے۔ پیغامات کا پہنچانا یہ رسول کریم ﷺ کا فعل اور عمل ہے اور یہ رسالت کے علاوہ ہے اور ابلاغ مخلوق ہے جبکہ رسالت اللہ تعالیٰ کے امر و نہی پر مشتمل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔

٧٥٣١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ كَتَمَ شَيْئًا؟ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَتَمَ شَيْئًا مِنَ الْوَحْيِ فَلَا تُصَدِّقْهُ، إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ﴾ [المائدة: ٦٧]. [راجع: ٣٢٣٤]

[7531] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اگر کوئی تم سے یہ بیان کرے کہ نبیٔ اکرم حضرت محمد ﷺ نے وحی الٰہی سے کچھ چھپا لیا ہے تو اس کی تصدیق مت کرنا (کیونکہ وہ جھوٹا ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: ''اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے جو پیغام آپ کی طرف اتارا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیجیے۔ اگر آپ نے یہ کام نہ کیا تو گویا آپ نے اس (اپنے رب) کا پیغام نہیں پہنچایا۔''

---

[1] صحيح البخاري، الجزية و الموادعة، حديث: 3159.

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ تبلیغ رسالت حضرات انبیاء ؑ کی ذمہ داری تھی اور انھوں نے اس سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، پھر قرآن کی تلاوت اور اس کی وضاحت کے ساتھ تبلیغ کرنا ان کا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، البتہ جو پیغام انھوں نے پہنچایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔ ﴿2﴾ امام بخاری ؒ کے ہاں اس سلسلے میں جتنے بھی دلائل ہیں ان پر الگ الگ عنوان قائم کیا ہے جیسا کہ آئندہ تراجم سے معلوم ہوتا ہے۔ دراصل امام بخاری ؒ ان مسائل کی وجہ سے بہت آزمائش میں ڈالے گئے تھے، اس لیے انھوں نے اپنے موقف کی تائید میں دلائل کے انبار لگا دیے ہیں۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ.

٧٥٣٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُّ الذَّنْبِ أَكْبَرُ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى؟ قَالَ: «أَنْ تَدْعُوَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ»، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ»، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ»، فَأَنْزَلَ اللهُ تَصْدِيقَهَا: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ﴾ الْآيَةَ [الفرقان: ٦٨، ٦٩]. [راجع: ٤٤٧٧]

[7532] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، ایک آدمی نے پوچھا: اللہ کے رسول! کون سا جرم اللہ کے ہاں سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔“ اس نے پوچھا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: ”یہ کہ تو اپنے بچوں کو اس ڈر سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائیں گے۔“ اس نے کہا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: ”یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے زنا کرے۔“ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق (ان الفاظ میں) نازل فرمائی: ”(اللہ کے بندے وہ ہیں) جو اللہ کے ساتھ کسی اور اِلٰہ کو نہیں پکارتے اور نہ اللہ کی حرام کردہ کسی جان کو ناحق قتل ہی کرتے ہیں اور نہ زنا ہی کرتے ہیں اور جو شخص ایسے کام کرے گا وہ ان کی سزا پاکے رہے گا۔ اس کو دوگنا عذاب دیا جائے گا۔“

فوائد و مسائل: ﴿1﴾ اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ابلاغ دو قسم کا تھا: ایک تو خاص جو قرآنی آیات نازل ہوتیں وہ آپ ﷺ لوگوں کو سناتے اور ان پر عمل کرنے کی تلقین کرتے۔ دوسری قسم یہ تھی کہ وہ باتیں جن کا استنباط آپ ﷺ قرآن سے کرتے اور اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے، بعض اوقات اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی باتوں کی تصدیق اپنی کتاب میں اتارتا تاکہ کوئی انسان ان کی صداقت میں شک و شبہ نہ کرے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔ ﴿2﴾ امام بخاری ؒ کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام یا رسول کریم ﷺ کے ابلاغ میں ہمیں اس عقیدے کا سراغ نہیں ملتا کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ قرآن و حدیث کے مطابق یہ عقیدہ شرک پر مبنی ہے کیونکہ خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور صفت خلق میں کسی کو شریک کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا جرم ہے جسے شریعت نے اکبر الکبائر قرار دیا ہے۔ اگر اس عقیدے سے توبہ کے بغیر موت آ گئی تو ایسے انسان کا ٹھکانا جہنم ہے جس میں ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے عقائد سے محفوظ رکھے۔ آمین یا رب العالمین۔

(٤٧) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَىٰةِ فَاتْلُوهَآ﴾ [آل عمران: ٩٣]

باب: 47- اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''کہہ دیجیے! اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ'' کا بیان

وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «أُعْطِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوا بِهَا، وَأُعْطِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ فَعَمِلُوا بِهِ، وَأُعْطِيتُمُ الْقُرْآنَ فَعَمِلْتُمْ بِهِ».

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''اہل تورات کو تورات دی گئی تو انھوں نے اس پر عمل کیا اور اہل انجیل کو انجیل دی گئی تو انھوں نے بھی اس پر عمل کیا اور تمھیں قرآن کریم دیا گیا تم نے بھی اس پر عمل کیا۔''

وَقَالَ أَبُو رَزِينٍ ﴿يَتْلُونَهُۥ حَقَّ تِلَاوَتِهِۦٓ﴾ [البقرة: ١٢١] [يَتَّبِعُونَهُ وَ] يَعْمَلُونَ بِهِ حَقَّ عَمَلِهِ، يُقَالُ: ﴿يُتْلَىٰ﴾ [النساء: ١٢٧]: يُقْرَأُ، حَسَنُ التِّلَاوَةِ: حَسَنُ الْقِرَاءَةِ لِلْقُرْآنِ.

ابو رزین نے ﴿يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: وہ اس کی اتباع کرتے ہیں اور اس پر جیسا عمل کرنا چاہیے ایسا ہی عمل کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: یتلی، یعنی پڑھا جاتا ہے۔ حَسَنُ التِّلَاوَةِ اسے کہا جاتا ہے جس کا قرآن کریم پڑھنا عمدہ ہو۔

﴿لَا يَمَسُّهُۥٓ﴾ [الواقعة: ٧٩]: لَا يَجِدُ طَعْمَهُ وَنَفْعَهُ إِلَّا مَنْ آمَنَ بِالْقُرْآنِ، وَلَا يَحْمِلُهُ بِحَقِّهِ إِلَّا الْمُوقِنُ؛ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿مَثَلُ ٱلَّذِينَ حُمِّلُوا۟ ٱلتَّوْرَىٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ ٱلْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًۢا ۚ بِئْسَ مَثَلُ ٱلْقَوْمِ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَـٰتِ ٱللَّهِ ۚ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّـٰلِمِينَ﴾ [الجمعة: ٥]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لا يمسه﴾ قرآن کریم کا مزہ وہی پائے گا اور اس سے فائدہ وہی اٹھائے گا جو کفر کی آلائش سے پاک ہو، یعنی وہ قرآن پر ایمان لائے۔ اس قرآن کو حق کے ساتھ وہی اٹھاتا ہے جو اس پر یقین رکھتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا، پھر انھوں نے یہ بار نہ اٹھایا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو۔ بری مثال ہے ان لوگوں کی جنھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا۔ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔''

وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ الْإِسْلَامَ وَالْإِيمَانَ وَالصَّلَاةَ عَمَلًا، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِبِلَالٍ: «أَخْبِرْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ؟» قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجَى عِنْدِي

نبی ﷺ نے اسلام ایمان اور نماز کو عمل کہا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے حضرت بلال سے فرمایا: ''مجھے اس پر امید عمل کی خبر دو جو تم نے اسلام لانے کے بعد کیا ہو؟'' انھوں نے کہا: میرا پر امید عمل یہ ہے کہ میں نے

أَنِّي لَمْ أَتَطَهَّرْ إِلَّا صَلَّيْتُ. وَسُئِلَ: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «إِيمَانٌ بِاللهِ وَرَسُولِهِ، ثُمَّ الْجِهَادُ، ثُمَّ حَجٌّ مَبْرُورٌ».

جب بھی وضو کیا، اس کے بعد دو رکعتیں ضرور پڑھیں۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، پھر وہ حج جس کے بعد کوئی گناہ باقی نہ رہے۔''

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ تلاوت تورات سے مراد اس کی قراءت کرنا ہے اور پیش کی گئی معلق روایت میں تلاوت کی تفسیر عمل سے کی گئی ہے کیونکہ اس میں تورات و انجیل پر عمل کرنے کا ذکر ہے اور عمل کا عموم تلاوت کو بھی شامل ہے۔ اور عمل، عامل کا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، اس کے علاوہ جس کلام کو پڑھا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو قاری کی آواز و حروف سے سنا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس معلق روایت کو شاید آیت میں تلاوت تورات کی تفسیر کے لیے پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ ابو رزین کے اثر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت سے مراد اس کے مطابق عمل کرنا ہے جس کی نسبت بندوں کی طرف ہے اور بندوں کے اعمال تو اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے درج ذیل آیت کریمہ کی بھی وضاحت کی ہے: ﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ﴾ ''کیا انھیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔''[1] اس آیت کریمہ میں لفظ [يُتْلَىٰ] سے مراد قراءت ہے اور قراءت کو بہترین اور اچھے نہ ہونے سے موصوف کیا جا سکتا ہے جبکہ متلو، یعنی قرآن کو اچھے نہ ہونے سے متصف نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت اور متلو میں نمایاں فرق ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اسے پاکیزہ لوگ ہی چھوتے ہیں۔''[2] اس سے مراد بھی یہ ہے کہ ایماندار ہی اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اور اس کا ذائقہ چکھ سکتا ہے اور اس پر یقین رکھنے والا اس کا متحمل ہو سکتا ہے جیسا کہ آیت جمعہ میں اس کی وضاحت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ کسی چیز کا ذائقہ پانا یا اس کا متحمل ہونا مختلف ہوتا ہے، اس سے مراد عمل اور قراءت دونوں ہیں۔ معلوم ہوا کہ عمل اور قراءت بندے کا کسب ہے کیونکہ یہ دونوں بندے کی طرف منسوب ہیں۔ پیش کی گئی معلق احادیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام اور ایمان ایک عمل ہے اور نماز بھی ایک عمل ہے جو قراءتِ قرآن پر مشتمل ہوتی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کو عمل قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسے برقرار رکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قراءتِ قرآن بھی ایک عمل ہے جو بندے کا فعل اور مخلوق ہے اور قرآن جسے پڑھا جاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔

٧٥٣٣ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي سَالِمٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَنْ سَلَفَ مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ

[7533] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گزشتہ امتوں کے مقابلے میں تمھاری بقا صرف اس قدر ہے جتنا عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت۔ اہل تورات کو تورات دی گئی تو انھوں نے اس پر عمل کیا یہاں

1 العنکبوت 29:51. 2 الواقعۃ 56:79.

الْعَصْرِ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ، أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوا بِهَا حَتَّى انْتَصَفَ النَّهَارُ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ فَعَمِلُوا بِهِ حَتَّى صُلِّيَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِيتُمُ الْقُرْآنَ فَعَمِلْتُمْ بِهِ حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَأُعْطِيتُمْ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ. فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابِ: هٰؤُلَاءِ أَقَلُّ مِنَّا عَمَلًا وَأَكْثَرُ أَجْرًا، قَالَ اللهُ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ».

[راجع: ٥٥٧]

تک کہ دن آدھا ہو گیا اور وہ عاجز ہو گئے۔ انھیں اجرت کے طور پر ایک ایک قیراط دیا گیا۔ پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی تو انھوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ پھر وہ عاجز ہو گئے تو انھیں بھی ایک ایک قیراط دیا گیا۔ پھر تمھیں قرآن دیا گیا تو تم نے اس پر عمل کیا تا آنکہ مغرب کا وقت ہو گیا۔ تمھیں دو قیراط اجرت دی گئی۔ اہل کتاب نے کہا: ان لوگوں نے تھوڑا وقت کام کیا ہے لیکن انھیں اجرت زیادہ دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تمھارے حق سے کچھ کم تو نہیں کیا؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہوں دوں۔"

فائدہ: تورات وانجیل پر عمل کرنے میں ان دونوں کتابوں کی قراءت بھی شامل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قراءت ایک عمل ہے جو بندے کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کا تخلیق کردہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہی ثابت کیا ہے کہ تلاوت، بندے کا فعل ہے اور متلو، یعنی جسے پڑھا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٤٨) بَابٌ: وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ الصَّلَاةَ عَمَلًا وَقَالَ: «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»

باب: 48- نبی ﷺ نے نماز کو عمل کا نام دیا ہے اور آپ نے فرمایا: "جو شخص (نماز میں) سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔"

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز کو عمل کہا ہے اور نماز سورۂ فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی اور قراءت فاتحہ گویا نماز کا جزو اعظم ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ قراءت بھی عمل ہے جو بندے کا فعل اور اللہ تعالیٰ کا تخلیق کیا ہوا ہے۔

٧٥٣٤ - حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْوَلِيدِ. وَحَدَّثَنِي عَبَّادُ بْنُ يَعْقُوبَ الْأَسَدِيُّ: أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ الْعَيْزَارِ، عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُ]: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ:

[7534] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے پوچھا: کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: "بروقت نماز پڑھنا، والدین سے حسن سلوک کرنا، پھر اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔"

«اَلصَّلَاةُ لِوَقْتِهَا، وَبِرُّ الْوَالِدَيْنِ، ثُمَّ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ». [راجع: ٥٢٧]

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے نماز کو افضل عمل قرار دیا ہے اور نماز میں قراءت بھی ہوتی ہے بلکہ اسے نماز کا جزو اعظم کہنا چاہیے اور یہ قراءت، نمازی کا عمل ہے اور اس کا کسب ہے جبکہ قرآن جس کی قراءت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر اتارا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے یہی ثابت کیا ہے کہ تلاوت و قراءت اور متلو و مقروء میں نمایاں فرق ہے۔ واللہ أعلم.

(٤٩) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ ٱلشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ ٱلْخَيْرُ مَنُوعًا﴾ [المعارج: ١٩-٢١]

باب: 49- ارشاد باری تعالیٰ: ”انسان تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو بہت زیادہ گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے مال ملتا ہے تو بخیل بن جاتا ہے“ کا بیان

[هَلُوعًا: ضَجُورًا]

هلوعا کے معنی ہیں: بہت زیادہ بے صبری کا اظہار کرنے والا۔

٧٥٣٥ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنِ الْحَسَنِ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ قَالَ: «أَتَى النَّبِيَّ ﷺ مَالٌ فَأَعْطَى قَوْمًا وَمَنَعَ آخَرِينَ، فَبَلَغَهُ أَنَّهُمْ عَتَبُوا فَقَالَ: «إِنِّي أُعْطِي الرَّجُلَ وَأَدَعُ الرَّجُلَ، وَالَّذِي أَدَعُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الَّذِي أُعْطِي، أُعْطِي أَقْوَامًا لِمَا فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ، وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلَى مَا جَعَلَ اللهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْغِنَى وَالْخَيْرِ، مِنْهُمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ». فَقَالَ عَمْرٌو: مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ. [راجع: ٩٢٣]

[7535] حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے پاس مال آیا تو آپ نے اس میں سے کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ کو نہ دیا۔ اس کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ اس تقسیم پر کچھ لوگ ناراض ہوئے ہیں تو آپ نے فرمایا: ”میں ایک شخص کو دیتا ہوں اور دوسرے کو چھوڑ دیتا ہوں اور جسے میں نہیں دیتا وہ مجھے اس سے زیادہ پیارا ہوتا ہے جسے دیتا ہوں۔ جن لوگوں کو دیتا ہوں وہ اس لیے کہ ان کے دلوں میں گھبراہٹ اور بے چینی ہوتی ہے، جبکہ دوسرے لوگوں پر اعتماد کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو بے نیازی اور بھلائی عطا فرمائی ہے۔ ان میں عمرو بن تغلب بھی ہیں۔“ (یہ سن کر) حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے کلمۂ تحسین کے مقابلے میں مجھے

سرخ اونٹ بھی ملتے تو میں انھیں ہرگز پسند نہ کرتا۔

فوائد و مسائل: ① اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کا خالق ہے، اس کی صفات و اخلاق اور کردار کا بھی پیدا کرنے والا ہے۔ جب وہ صفات و اخلاق کا خالق ہے تو اس کے افعال و اعمال کا بھی وہی خالق ہوگا۔ قراءت جو قاری کا عمل ہے وہ اللہ تعالیٰ کا تخلیق کیا ہوا ہے جبکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے اعمال کا خود خالق ہے۔ اس اعتبار سے یہ حضرات اللہ وحدہٗ لا شریک لہ کے ساتھ شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ② پیش کی گئی آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مال کی کثرت سے انسان کی طبیعت میں فیاضی پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کے بخل میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی بے ثباتی، بے قراری اور گھبراہٹ کو ختم کرنے کا فطری طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے، چنانچہ اگلی آٹھ آیات میں ایسے اعمال کا ذکر ہے جن سے اس کی اصلاح ہو جاتی ہے اور اہل ایمان کی طبیعت میں اطمینان و سکون اور ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ واللّٰه المستعان.

(٥٠) بَابُ ذِكْرِ النَّبِيِّ ﷺ وَرِوَايَتِهِ عَنْ رَبِّهِ

باب: 50- نبیٔ اکرم ﷺ کا بیان اور آپ کا اپنے رب سے روایت کرنا

وضاحت: اس عنوان کے تحت چند ایک احادیث قدسیہ کا بیان ہوگا تاکہ روایت اور مروی کے درمیان فرق ہو جائے۔

٧٥٣٦ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: حَدَّثَنَا أَبُو زَيْدٍ سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ الْهَرَوِيُّ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: «إِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِذَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا، وَإِذَا أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً».

[7536] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جب بندہ مجھ سے ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور جب بندہ ایک ہاتھ میرے قریب ہوتا ہے تو میں اس کے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جب وہ میرے پاس پیدل چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔“

٧٥٣٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى، عَنِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ، رُبَّمَا ذَكَرَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ مِنِّي شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا، وَإِذَا تَقَرَّبَ مِنِّي ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا - أَوْ بُوعًا -».

[راجع: ٧٤٠٥]

[7537] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کئی بار نبی ﷺ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: ”(اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:) جب بندہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور جب وہ ایک ہاتھ میرے قریب آتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔“

وَقَالَ مُعْتَمِرٌ: سَمِعْتُ أَبِي: سَمِعْتُ أَنَسًا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ [عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيهِ] عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ.

(راویٔ حدیث) معتمر نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، (انھوں نے کہا:) میں نے حضرت انس ؓ سے سنا، وہ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے بیان کرتے ہیں، وہ نبی ﷺ سے، آپ اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① بندہ جب اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ اپنے بدن کی حرکت سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہو بلکہ وہ انابت، رجوع الی اللہ، دل کی توجہ اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”بندہ بحالت سجدہ اپنے رب کے بہت قریب ہوتا ہے۔“[1] اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بندے کے قریب ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش سے نیچے اتر کر بندے کے قریب ہوتا ہے بلکہ وہ عرش پر مستوی رہتے ہوئے اپنے بندے کے قریب ہوتا ہے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ. ② امام بخاری ؒ کا مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کا کلام بیان کیا ہے، خواہ وہ کلام حضرت جبریل ؑ کے واسطے سے تھا یا براہ راست رسول اللہ ﷺ پر اس کا القا ہوا۔ صحابۂ کرام ؓ نے اس کلام کو رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے سماعت کیا اور اس امر کی تصدیق کی کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے رسول اللہ ﷺ بیان کر رہے ہیں۔ اس وضاحت سے روایت اور مروی، نیز تلاوت اور متلو میں فرق واضح ہوا۔ وھو المقصود.

٧٥٣٨ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّكُمْ، قَالَ: «لِكُلِّ عَمَلٍ كَفَّارَةٌ، وَالصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ». [راجع: ١٨٩٤]

[7538] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ تمھارے رب سے روایت کرتے ہیں کہ اس (رب) نے فرمایا: ”ہر عمل کا کفارہ ہے اور روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا اور بلاشبہ روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بڑھ کر ہے۔“

فائدہ: گناہ کے کفارے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ پر پردہ ڈال دیتا ہے اور اسے معاف کر دیتا ہے۔ اگرچہ ہر عمل کی جزا اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے، تاہم اکثر طور پر اعمال کی جزا فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے لیکن روزے کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی جزا فرشتوں کے حوالے کرنے کے بجائے وہ خود دیتا ہے کیونکہ روزہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے نہیں رکھا جاتا اور نہ اس میں کوئی ریا اور نمود و نمائش کا پہلو ہی ہوتا ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ روایت اور مروی میں فرق ہے۔ واللہ أعلم۔

٧٥٣٩ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ. وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ

[7539] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے اپنے رب سے روایت

[1] صحیح مسلم، الذکر والدعاء، حدیث: 1083 (482).

زُرَيْعٍ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ، قَالَ: «لَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ إِنَّهُ خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى»، وَنَسَبَهُ إِلَى أَبِيهِ. [راجع: ٣٣٩٥]

کرتے ہوئے فرمایا: ''کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ یوں کہے: آپ حضرت یونس بن متی سے بہتر ہیں۔'' اور آپ نے یونس ؑ کو ان کے باپ کی طرف منسوب کیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت یونس ؑ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی تواضع اور انکسار پر محمول ہے۔ آپ ﷺ نے یہ وضاحت اس لیے کی کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اپنے رب کے حکم کی بنا پر صبر کریں اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں۔''[1] تاکہ اس آیت کے نزول کی وجہ سے حضرت یونس ؑ میں کسی قسم کی ذلت اور کمزوری کا وہم نہ کیا جائے۔ ② امام بخاری ؒ کا مقصود واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا کلام بیان کیا، اس لیے آپ ﷺ کے بیان اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں فرق ثابت ہوا جیسا کہ تلاوت اور متلو میں فرق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا بیان مخلوق اور اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے اور روایت، رسول اللہ ﷺ کا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٧٥٤٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي سُرَيْجٍ: أَخْبَرَنَا شَبَابَةُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ الْمُزَنِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُغَفَّلِ الْمُزَنِيِّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَوْمَ الْفَتْحِ عَلَى نَاقَةٍ لَهُ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفَتْحِ - أَوْ مِنْ سُورَةِ الْفَتْحِ - قَالَ: فَرَجَّعَ فِيهَا، قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ مُعَاوِيَةُ يَحْكِي قِرَاءَةَ ابْنِ مُغَفَّلٍ وَقَالَ: لَوْلَا أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ عَلَيْكُمْ لَرَجَّعْتُ كَمَا رَجَّعَ ابْنُ مُغَفَّلٍ يَحْكِي النَّبِيَّ ﷺ. فَقُلْتُ لِمُعَاوِيَةَ كَيْفَ كَانَ تَرْجِيعُهُ؟ قَالَ: آآآ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. [راجع: ٤٢٨١]

[7540] حضرت عبداللہ بن مغفل ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو اونٹنی پر سوار دیکھا جبکہ آپ سورت ''الفتح'' یا اس کی کچھ آیات پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے فرمایا: آپ ﷺ نے تلاوت کرتے وقت ترجیع فرمائی۔ (راوئ حدیث) معاویہ بن قرہ نے حضرت عبداللہ بن مغفل ؓ کی قراءت کی حکایت کرتے ہوئے کہا: اگر لوگ تم پر ہجوم نہ کریں تو میں ترجیع کروں جیسے ابن مغفل ؓ نے ترجیع کی تھی۔ وہ اس سلسلے میں نبی ﷺ کی نقل کرتے تھے۔ (شعبہ نے کہا:) میں نے معاویہ سے پوچھا کہ ابن مغفل ؓ کیسے ترجیع کرتے تھے؟ تو انھوں نے کہا: آآآ تین بار مد کے ساتھ آواز دہراتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① آواز کو بار بار دہرا کر پہلے پست، پھر بلند آواز سے پڑھنا ترجیع کہلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اس انداز سے قرآن مجید کی تلاوت کرنا اونٹنی پر بیٹھنے کی وجہ سے اضطراری نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ نے ارادے اور اختیار سے خوش الحانی

1 القلم 68:48.

کے طور پر یہ انداز اپنایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کے علاوہ بھی قرآن مجید کی تلاوت اس انداز سے فرمائی ہے، چنانچہ حضرت ام ہانی ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے انداز قرآن خوانی کو ملاحظہ کیا۔ میں اپنے بستر پر سوئی ہوئی تھی اور آپ ﷺ ترجیع کے ساتھ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔[1] ② امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت ترجیع کو اختیار کرنا رسول اللہ ﷺ کا اختیار کیا ہوا اپنا انداز اور فعل تھا۔ آپ ﷺ اپنی زبان اور ہونٹوں کو حرکت دے کر اپنی آواز کو گلے میں بار بار پھیرتے اور کلام باری تعالیٰ کو دہراتے۔ اس انداز سے آپ ﷺ نے اپنی امت کو اپنے رب کا کلام پہنچایا۔ آواز تو رسول اللہ ﷺ کی تھی جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور کلام اللہ تعالیٰ کا تھا جو غیر مخلوق ہے۔

(٥١) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنْ تَفْسِيرِ التَّوْرَاةِ وَ [غَيْرِهَا مِنْ] كُتُبِ اللهِ بِالْعَرَبِيَّةِ وَغَيْرِهَا

باب: 51- کتب الٰہیہ تورات وغیرہ کی عربی اور دیگر زبانوں میں تفسیر کرنے کا جواز

لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿فَأْتُوا بِالتَّوْرَىٰةِ فَاتْلُوهَآ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ﴾ [آل عمران: ٩٣]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "(آپ کہہ دیں کہ) اگر تم سچے ہو تو لاؤ تورات پھر اسے پڑھو۔"

٧٥٤١ - وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَخْبَرَنِي أَبُو سُفْيَانَ ابْنُ حَرْبٍ: أَنَّ هِرَقْلَ دَعَا تَرْجُمَانَهُ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَرَأَهُ: «بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ، وَ﴿يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ اَلْآيَةَ [آل عمران: ٦٤]». [راجع: ٧]

[7541] حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: مجھے حضرت ابوسفیان بن حرب ؓ نے بتایا کہ شاہ روم ہرقل نے اپنے ترجمان کو بلایا، پھر نبی ﷺ کا نامۂ مبارک منگوایا اور اسے پڑھا: "شروع اللہ کے نام سے جو بہت رحم کرنے والا انتہائی مہربان ہے۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے ہرقل کے نام۔ اس میں یہ آیت لکھی تھی: "اے اہل کتاب! ایسے کلمے کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے۔"

فائدہ: آیت کریمہ میں تورات لانے اور اسے پڑھ کر سنانے کا حکم ہے، حالانکہ تورات عبرانی زبان میں تھی اور جنھیں پڑھ کر سنانا تھا وہ عربی تھے اور عبرانی زبان نہیں جانتے تھے، اس سے خود بخود تورات کا عربی زبان میں ترجمہ کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ امام بخاری ؒ کا مقصود یہ ہے کہ تورات اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اسے عربی میں ترجمہ کرنا یہ مترجم کا فعل ہے اور بندے کا یہ فعل اختیاری لیکن اللہ تعالیٰ کا تخلیق کیا ہوا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے شاہ روم ہرقل کو عربی زبان میں خط لکھا اور اس نے ترجمان کے ذریعے سے اپنی زبان میں سنا۔ یہ خط ایک آیت کریمہ پر مشتمل تھا، اس کا بھی ترجمہ کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تفسیر و توضیح اور اس کا ترجمہ مفسر اور مترجم کا اپنا فعل تھا اور مکتوب آیت کریمہ

1 أصل صفة الصلاة للألباني: 568/2، و شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 581/2.

اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی مقصد کے پیش نظر مذکورہ عنوان قائم کیا ہے اور احادیث ذکر کی ہیں۔

٧٥٤٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ: أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَؤُونَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ، وَقُولُوا: ﴿ءَامَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ﴾ اَلْآيَةَ [آل عمران: ٨٤]». [راجع: ٤٤٨٥]

[7542] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور اہل اسلام کے لیے اس کی تفسیر عربی میں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اہل کتاب کی تصدیق وتکذیب نہ کرو بلکہ یوں کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو ہم پر نازل کیا گیا۔“

فوائد ومسائل: ① اہل کتاب سے مراد یہودی ہیں اور ان کی مذہبی کتاب تورات عبرانی زبان میں تھی۔ انھوں نے اپنی خواہشات اور مفادات کے پیش نظر اس میں ردوبدل کر دیا تھا۔ ایسے حالات میں ان کے ترجمہ اور تفسیر کا کیسے اعتبار کیا جاتا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے جو اہل اسلام پر تعلیمات قرآن اور اپنے رسول ﷺ کے فرمان کی صورت میں اتاری تھیں ان کی موجودگی میں اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس حقیقت کا اظہار ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے کلام کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کیا جائے تو اس ترجمے کو اللہ کا کلام نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ تو مترجم کی کوشش وکاوش اور اس کا فعل ہے اور بندے کا فعل مخلوق ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ اس سے اشاعرہ کی تردید مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام جس زبان میں بھی ترجمہ کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہی رہتا ہے، حالانکہ دلائل کے اعتبار سے یہ موقف محل نظر ہے۔ واللہ أعلم.

٧٥٤٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ وَامْرَأَةٍ مِنَ الْيَهُودِ قَدْ زَنَيَا، فَقَالَ لِلْيَهُودِ: «مَا تَصْنَعُونَ بِهِمَا؟»، قَالُوا: نُسَخِّمُ وُجُوهَهُمَا وَنُخْزِيهِمَا، قَالَ: «فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ»، فَجَاؤُوا فَقَالُوا لِرَجُلٍ مِمَّنْ يَرْضَوْنَ [يَا] أَعْوَرُ: اقْرَأْ، فَقَرَأَ حَتَّى انْتَهَى إِلَى مَوْضِعٍ مِنْهَا فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ، قَالَ: ارْفَعْ يَدَكَ، فَرَفَعَ يَدَهُ فَإِذَا فِيهِ آيَةُ الرَّجْمِ تَلُوحُ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ!

[7543] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کو لایا گیا جنھوں نے زنا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے یہودیوں سے پوچھا: تم ایسے دونوں (مجرموں) کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو؟“ انھوں نے کہا: ہم ان کا منہ کالا کر کے انھیں ذلیل ورسوا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ”اگر تم اس بات میں سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھ کر سناؤ۔“ چنانچہ وہ تورات لائے اور ایک آدمی سے جس پر وہ مطمئن تھے کہا: اے اعور! اسے پڑھ۔ چنانچہ اس نے پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک مقام پر پہنچ کر اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ عبداللہ

إِنَّ عَلَيْهِمَا الرَّجْمَ وَلٰكِنَّا نَتَكَاتَمُهُ بَيْنَنَا، فَأَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا، فَرَأَيْتُهُ يُجَانِئُ عَلَيْهَا الْحِجَارَةَ.
[راجع: ١٣٢٩]

بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ جب اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم چمک رہی تھی۔ اس نے کہا: اے محمد! ان دونوں کے لیے رجم کا حکم تو واقعی ہے لیکن ہم اس حکم کو آپس میں چھپایا کرتے ہیں۔ پھر آپ کے حکم سے ان دونوں کو رجم کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: میں نے دیکھا کہ زانی مرد اپنی داشتہ کو پتھروں سے بچانے کے لیے اس پر جھکا پڑتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ عبرانی زبان نہیں جانتے تھے جبکہ آپ ﷺ نے انھیں تورات لانے کا حکم دیا اور وہ عبرانی زبان میں تھی گویا آپ ﷺ نے انھیں کلام اللہ کا عربی زبان میں ترجمہ کرنے کی اجازت دی۔ اب دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ تورات پڑھنے والا عبرانی زبان میں پڑھتا، پھر اس کا عربی زبان میں ترجمہ کرتا۔ اس صورت میں آیت رجم پر ہاتھ رکھنے کا مطلب یہ تھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو عبرانی زبان جانتے تھے انھیں اس امر کا پتا نہ چل سکے کہ تورات میں رجم کرنے کا حکم موجود ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ اسے عربی زبان میں پڑھتا۔ اس صورت میں آیت رجم پر اس لیے ہاتھ رکھا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس حکم کو چھپایا جائے۔ بالآخر یہ چوری پکڑی گئی اور بدکاری کے مرتکب مرد، عورت دونوں کو رجم کر دیا گیا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ ترجمہ اور اصل میں فرق واضح ہے کہ اصل اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ترجمہ انسانی کوشش و کاوش اور بندے کا فعل ہے۔ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں جبکہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔

(٥٢) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ سَفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ»، وَ«زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ»

باب: 52- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: ”قرآن کریم کی مہارت رکھنے والا قیامت کے دن کراماً کاتبین کے ساتھ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے انتہائی فرمانبردار ہیں“ نیز ”قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے مزین کرو“ کا بیان

وضاحت: قرآن مجید کو فصاحت و بلاغت کے ساتھ جاننے، الفاظ کے ساتھ اس کے معانی سمجھنے اور اچھی طرح رقت آمیز آواز سے اس کی تلاوت کرنے والا قرآن کا ماہر کہلاتا ہے۔ اسی طرح اپنی آوازوں سے قرآن کو مزین کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کو مد اور ترتیل سے اس طرح پڑھا جائے کہ حد غنا کو نہ پہنچے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ ہے کہ تلاوت اور حفظ کئی طرح سے ہوتا ہے۔ کوئی جید، کوئی غیر جید، کوئی خوش آواز اور کوئی اس کے برعکس۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت اور حفظ قاری کی صفت ہے اور یہ مخلوق ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا کلام جید ہی ہے اور اسے خوش الحانی سے پڑھنے کا حکم ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔

٧٥٤٤ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنِي

[7544] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں

ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ يَزِيدَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ [أَنَّهُ] سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ». [راجع: ٥٠٢٣]

نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جس قدر خوش الحانی سے پڑھنے کی بنا پر نبی ﷺ کے قرآن پڑھنے کو سنتا ہے جب وہ اسے بلند آواز سے پڑھتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اللہ تعالیٰ ہر قسم کی آواز سنتا ہے لیکن اس کی کتاب پڑھنے والے خوش الحان کو پسند کرتا ہے۔ اسے توجہ سے سنتا ہے۔ اس حدیث میں خوش الحانی کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ یہ آپ ﷺ کا فعل اور عمل ہے اور یہ خوش الحانی اللہ تعالیٰ کو مطلوب اور اسے انتہائی پسند ہے۔ ② اس سے واضح ہوا کہ تلاوت اور آواز کا اچھا ہونا، اسے آواز بلند پڑھنا یا آہستہ تلاوت کرنا یہ سب بندے کے افعال ہیں اور بندہ اپنے اعمال وافعال سمیت اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ واللہ أعلم.

٧٥٤٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا، وَكُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِنَ الْحَدِيثِ، قَالَتْ: فَاضْطَجَعْتُ عَلَى فِرَاشِي وَأَنَا حِينَئِذٍ أَعْلَمُ أَنِّي بَرِيئَةٌ، وَأَنَّ اللهَ يُبَرِّئُنِي، وَلٰكِنْ وَاللهِ مَا كُنْتُ أَظُنُّ أَنَّ اللهَ يُنْزِلُ فِي شَأْنِي وَحْيًا يُتْلَى وَلَشَأْنِي فِي نَفْسِي كَانَ أَحْقَرَ مِنْ أَنْ يَتَكَلَّمَ اللهُ فِيَّ بِأَمْرٍ يُتْلَى، وَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُو بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ﴾ الْعَشْرَ الْآيَاتِ كُلَّهَا [النور: ١١-٢٠]. [راجع: ٢٥٩٣]

[7545] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، ان پر جب بہتان لگا تو انھوں نے فرمایا: میں اپنے بستر پر لیٹ گئی اور مجھے یقین تھا کہ میں اس تہمت سے بری ہوں اور اللہ تعالیٰ میری براءت ضرور کرے گا، لیکن اللہ کی قسم! مجھے یہ گمان نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق قرآنی آیات نازل فرمائے گا جن کی ہمیشہ تلاوت کی جاتی رہے گی۔ میرے نزدیک میری حیثیت اس سے کمتر تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق ایسا کلام نازل فرمائے جس کی تلاوت ہو۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے میرے متعلق یہ پوری دس آیات نازل فرمائیں: ''بلاشبہ وہ لوگ جنھوں نے بہتان لگایا، وہ تمھی میں سے ایک گروہ ہے.....'' آخر تک۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے درج ذیل الفاظ سے عنوان ثابت کیا ہے: ''میرے بارے میں ایسی وحی نازل ہو گی جس کی تلاوت ہوتی رہے گی۔'' علامہ عینی ؒ نے لکھا ہے: ''مجالس ومحاریب میں خوش الحانی سے تلاوت ہوتی رہے گی۔'' یعنی تلاوت بندوں کا فعل ہے۔[1] ② اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت اور متلو میں واضح فرق ہے کیونکہ تلاوت، قاری کا فعل ہے جبکہ

[1] عمدة القاري: 725/16.

انزال و ایحاء (وحی کرنا) اور تکلّم اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے خود لکھا ہے کہ انزال وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور لوگ اس کی تلاوت کرتے ہیں۔[1]

٧٥٤٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ - أُرَاهُ - عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾، فَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا - أَوْ قِرَاءَةً - مِنْهُ. [راجع: ٧٦٧]

[7546] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نماز عشاء میں ﴿والتین والزیتون﴾ پڑھ رہے تھے۔ میں نے آپ سے زیادہ خوبصورت آواز میں قرآن پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں سنا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں دوران جماعت میں امام کو چاہیے کہ وہ خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت کرے اور تجوید کے قواعد کے مطابق اسے پڑھے۔ ہمارے علمائے کرام کو اس طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ بلند آواز اور خوش الحانی سے قرآن پڑھتے تھے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ آواز اور تلاوت بندے کا اپنا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کیا ہوا ہے، جبکہ جسے پڑھا جا رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کو خلق قرآن کے حوالے سے سخت آزمائش سے گزرنا پڑا تھا، اس لیے اس مسئلے کو دلائل و براہین سے بیان کیا ہے اور ہر دلیل پر عنوان بندی بھی کی ہے جیسا کہ آئندہ ابواب سے ظاہر ہے۔

٧٥٤٧ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ مُتَوَارِيًا بِمَكَّةَ، وَكَانَ يَرْفَعُ صَوْتَهُ، فَإِذَا سَمِعَ الْمُشْرِكُونَ سَبُّوا الْقُرْآنَ وَمَنْ جَاءَ بِهِ، فَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِنَبِيِّهِ ﷺ: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ [الإسراء: ١١٠]. [راجع: ٤٧٢٢]

[7547] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ مکہ مکرمہ میں چھپ کر تبلیغ کرتے تو قرآن کریم با آواز بلند پڑھتے تھے۔ اسے جب مشرکین سنتے تو قرآن اور اس کے لانے والے کو برا بھلا کہتے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: ”اپنی نماز میں نہ آواز بلند کرو اور نہ بالکل پست ہی رکھو۔“

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث پہلے کئی مرتبہ گزر چکی ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ با آواز بلند قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ آواز کی نسبت قاری کی طرف ہوگی جیسا کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی طرف بلند آواز کی نسبت کی گئی ہے کیونکہ یہ آپ کا فعل ہے۔ قاری قرآن پڑھتے وقت اپنی آواز کو اونچا یا پست کر سکتا ہے کیونکہ یہ اس کے اختیار میں ہے، البتہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ لیکن وہ قرآن جسے بلند یا پست آواز سے پڑھا جاتا ہے یہ اللہ رب

[1] خلق أفعال العباد، ص: 86.

العزت کا کلام اور اس کی صفت ہے۔ واللہ المستعان۔

٧٥٤٨ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا سَعِيدِ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَهُ : إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ، فَإِذَا كُنْتَ فِي غَنَمِكَ أَوْ بَادِيَتِكَ فَأَذَّنْتَ لِلصَّلَاةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ، فَإِنَّهُ «لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

[راجع: ٦٠٩]

[7548] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے کہا: میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ تم بکریاں اور جنگل بہت پسند کرتے ہو، لہذا جب تم اپنی بکریوں یا جنگل میں رہو تو بلند آواز سے اذان کہو کیونکہ مؤذن کی اذان جہاں تک پہنچے گی اور اسے جن وانس اور دوسری جو چیزیں بھی سنیں گی وہ قیامت کے دن اس کی گواہی دیں گی۔

حضرت ابوسعید خدری ؓ نے کہا: میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں بلند آواز سے اذان دینے کا بیان ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ قراءت اور چیز ہے اور قرآن اور چیز ہے کیونکہ قراءت ہی بلند اور پست جیسی صفات سے متصف ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ قاری کی صفت اور مخلوق ہے جبکہ قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت اور غیر مخلوق ہے۔ بہرحال بندوں کی آواز ان کا فعل ہے جس پر انھیں جزا یا سزا دی جائے گی۔ قراءت وتلاوت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ وہ قاری اور پڑھنے والے کا فعل ہے جس پر اسے ثواب کا حق دار ٹھہرایا جائے گا جبکہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ واللہ أعلم۔

٧٥٤٩ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أُمِّهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَرَأْسُهُ فِي حَجْرِي وَأَنَا حَائِضٌ. [راجع: ٢٩٧]

[7549] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ قرآن پڑھا کرتے جبکہ آپ کا سر مبارک میری گود میں ہوتا اور میں حالت حیض سے ہوتی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قراءت، قرآن کے علاوہ ہے کیونکہ اگر قراءت سے مراد قرآن ہوتا تو اسے عورت کی گود میں نہ رکھا جاتا جبکہ وہ حیض کی حالت میں ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ قراءت، قاری کا فعل ہے اور یہ مکانی اور زمانی ظروف سے متعلق ہے۔ ② بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اس سے امام بخاری ؒ نے خوش الحانی سے قرآن پڑھنا ثابت کیا ہے، حالانکہ امام بخاری ؒ کا قطعاً یہ مدعا نہیں اور نہ اس مقام پر اس کا کوئی محل ہی ہے۔ واللہ أعلم۔

(٥٣) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ [المزمل: ٢٠]

باب: 53- ارشاد باری تعالیٰ: ”جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لیا کرو“ کا بیان

٧٥٥٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ: أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَبْدٍ الْقَارِيَّ حَدَّثَاهُ: أَنَّهُمَا سَمِعَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهِ فَإِذَا هُوَ يَقْرَأُ عَلَى حُرُوفٍ كَثِيرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ، فَتَصَبَّرْتُ حَتَّى سَلَّمَ فَلَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ فَقُلْتُ: مَنْ أَقْرَأَكَ هٰذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَأُ؟ قَالَ: أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَقُلْتُ: كَذَبْتَ، أَقْرَأَنِيهَا عَلَى غَيْرِ مَا قَرَأْتَ، فَانْطَلَقْتُ بِهِ أَقُودُهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ: إِنِّي سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ عَلَى حُرُوفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيهَا، فَقَالَ: «أَرْسِلْهُ، اقْرَأْ يَا هِشَامُ!»، فَقَرَأَ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ»، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اقْرَأْ يَا عُمَرُ!»، فَقَرَأْتُ فَقَالَ: «كَذٰلِكَ أُنْزِلَتْ، إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ». [راجع: ٢٤١٩]

[7550] حضرت عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ہشام بن حکیم ؓ کو رسول اللہ ﷺ کی زندگی مبارک میں سورۃ الفرقان پڑھتے سنا۔ میں نے ان کی قراءت کی طرف کان لگایا تو وہ قرآن مجید بہت سے ایسے طریقوں سے پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر حملہ کر دیتا لیکن میں نے صبر سے کام لیا اور جب انھوں نے سلام پھیرا تو میں نے ان کی گردن میں چادر کا پھندا ڈال دیا اور کہا: تمھیں یہ سورت اس طرح کس نے پڑھائی ہے جو میں نے ابھی تم سے سنی ہے؟ انھوں نے کہا: مجھے اس طرح رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے۔ میں نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو مجھے تو خود رسول اللہ ﷺ نے یہ سورت اس طرح (تمھاری قراءت) کے علاوہ طریقے پر پڑھائی ہے۔ پھر میں انھیں کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گیا اور کہا: اللہ کے رسول! میں نے اس شخص کو سورۂ فرقان ان حروف پر پڑھتے سنا ہے جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے چھوڑ دو۔ ہشام! تم پڑھ کر سناؤ۔“ انھوں نے وہی قراءت پڑھی جو میں نے ان سے سنی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”(یہ سورت) اسی طرح نازل کی گئی ہے۔“ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے عمر! اب تم پڑھو۔“ میں نے اس قراءت کے مطابق پڑھا جو آپ نے مجھے سکھائی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس طرح بھی نازل کی گئی ہے۔ یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے، اس لیے تمھیں جس قراءت میں سہولت ہو اس کے مطابق پڑھو۔“

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے آخری حصے سے عنوان ثابت کیا ہے کہ جس قراءت میں سہولت ہو اس کے مطابق پڑھو۔ رسول اللہ ﷺ نے ''پڑھنے'' کو صحابہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن پڑھنا ان کا فعل ہے کیونکہ اس میں سہولت کا وصف پایا جاتا ہے۔ لوگ اس میں مختلف ہوتے ہیں۔ قراءت میں اختلاف ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہوا مگر قرآن کریم اختلاف کا محل نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور قرآن مجید سہولت کے مطابق پڑھنا بندوں کا فعل ہے جو مخلوق ہے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جہاں سے قرآن یاد ہو وہاں سے قراءت کر سکتے ہیں اور جس قدر آسانی سے پڑھا جائے اتنا ہی پڑھنا چاہیے، البتہ امام کو ہدایت ہے کہ وہ قراءت کرتے وقت اپنے مقتدیوں کا ضرور خیال رکھے۔

⇐ انتہائی ضروری نوٹ: حروف سبعہ کی تعیین میں بہت اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے سات لغات مراد لی ہیں لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما دونوں قریشی تھے۔ ان کی لغت ایک تھی، اس کے باوجود ان کا اختلاف ہوا۔ یہ کوئی معقول بات نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک ہی آدمی کو قرآن مجید ایسی لغت میں سکھائیں جو اس کی لغت نہ ہو۔ بعض نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس سے مراد ایک معنی کو مختلف مرادف (ہم معنی) الفاظ سے ادا کرنا ہے اگرچہ ایک ہی لغت سے ہو، کیونکہ حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما کی ایک ہی لغت تھی لیکن اس کے باوجود ان کی قراءت میں اختلاف ہوا۔ اس سلسلے میں دو باتوں پر اتفاق ہے: ○ قرآن کریم کو سبعہ حروف سے پڑھنے کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کریم کے ہر لفظ کو سات طریقوں سے پڑھنا جائز ہے کیونکہ چند ایک کلمات کے علاوہ بیشتر کلمات اس اصول کے تحت نہیں آتے۔ ○ سبعہ احرف سے مراد ان سات ائمہ کی قراءت ہرگز نہیں جو اس سلسلے میں مشہور ہوئے ہیں کیونکہ پہلا شخص جس نے ان سات قراءات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا وہ ابن مجاہد ہیں جن کا تعلق چوتھی صدی سے ہے۔ امام جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو بہت مشکل خیال کرتا تھا حتی کہ میں نے تیس سے زیادہ سال اس پر غور و فکر کیا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قراءت کا اختلاف سات وجوہ سے باہر نہیں ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں: * معنی اور صورت خطی میں تبدیلی کے بغیر صرف حرکات میں اختلاف ہوگا جیسا کہ بخل کو چار طرح سے پڑھا گیا ہے: بُخْلٌ بروزن قُفْلٌ، بَخَلٌ بروزن كَرَمٌ، بَخْلٌ بروزن فَقْرٌ اور بُخُلٌ۔ اور کلمہ يَحْسَبُ کو ''س'' کے زبر اور زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ * صورت خطی میں اختلاف کے بجائے صرف معنی میں اختلاف ہوگا جیسا کہ ﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ﴾ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے: ○ آدم کی رفعی اور کلمات کی نصبی حالت۔ ○ آدم کی نصبی اور کلمات کی رفعی حالت۔ * صورت خطی کے بجائے حروف میں تبدیلی ہوگی جس سے معنی بھی بدل جائے گا جیسا کہ تَبْلُوا کو تَتْلُوا پڑھا گیا ہے۔ * صورت خطی کے بجائے حروف میں تبدیلی ہوگی لیکن اس سے معنی تبدیل نہیں ہوگا جیسا کہ بَصْطَةً کو بَسْطَةً اور الصِّرَاطِ کو السِّرَاطِ پڑھا گیا ہے۔
* صورت خطی اور حروف دونوں کی تبدیلی ہوگی جس سے معنی بھی تبدیل ہو جائے گا أَشَدَّ مِنْكُمْ کو أَشَدَّ مِنْهُمْ پڑھا گیا ہے۔
* تقدیم و تاخیر کا اختلاف ہوگا جیسا کہ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ میں ہے۔ اس میں پہلا معروف اور دوسرا مجہول ہے۔ اسے یوں پڑھا گیا ہے: وَيُقْتَلُونَ فَيَقْتُلُونَ. * حروف کی کمی وبیشی میں اختلاف ہوگا جیسا کہ وَأَوْصَى کو وَوَصَّى پڑھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اظہار و ادغام، روم و اشمام، تفخیم و ترقیق، مد و قصر، امالہ و فتح، تخفیف و تسہیل اور ابدال و نقل وغیرہ جسے فن قراءت میں اصول

کا نام دیا جاتا ہے یہ ایسا اختلاف نہیں ہے جس سے معنی یا لفظ میں تبدیلی آتی ہو۔[1] دور حاضر میں بعض اہل علم کی طرف سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم کی ایک ہی قراءت ہے جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے، اس کے علاوہ جو قراءات مدارس میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں یا بعض علاقوں میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں وہ سب فتنہ عجم کی باقیات ہیں۔ ہمارے رجحان کے مطابق مذکورہ دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ یہ قراءات صحابہ وتابعین سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں اور رسم عثمانی کی حدود کے اندر اور اس کے مطابق ہیں، نیز یہ اجماع امت سے ثابت ہیں۔ جس طرح ہمارے ہاں روایت حفص کے مطابق مصاحف لکھے اور تلاوت کیے جاتے ہیں، اسی طرح شمالی افریقہ اور بعض دوسرے ممالک میں روایت ورش کے مطابق مصاحف لکھے اور تلاوت کیے جاتے ہیں اور وہاں کی حکومتیں بھی سرکاری اہتمام کے ساتھ انھیں شائع کرتی ہیں۔ میری ذاتی لائبریری میں روایت ورش کے مصحف موجود ہیں۔ حال ہی میں سعودی عرب کے مجمع الملک فہد (مدینہ طیبہ) نے بھی لاکھوں کی تعداد میں روایت ورش، روایت دوری اور روایت قالون کے مطابق مصاحف ان مسلم ممالک کے لیے طبع کیے ہیں جن میں ان کے مطابق قراءت کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے متن میں تمام قراءات متواترہ کی گنجائش موجود ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ موجودہ مصاحف کے قرآنی الفاظ رسم عثمانی کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ اس رسم الخط کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تمام قراءات متواترہ کے پڑھنے کا امکان موجود ہے اور یہ ساری قراءات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اطراف عالم میں بھیجے ہوئے نسخوں کے رسم الخط میں سما جاتی ہیں۔ واضح رہے کہ قرآن کریم میں کسی بھی قراءت کے مستند ہونے کے لیے درج ذیل قاعدہ ہے: ''جو قراءت قواعد عربیہ کے مطابق ہو اگرچہ یہ موافقت کسی ایک جہت سے ہو، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق ہو، خواہ یہ مطابقت احتمالاً ہو، نیز وہ صحیح متواتر سند سے ثابت ہو۔'' اس اصول کے مطابق جو بھی قراءت ہوگی وہ قراءت صحیحہ اور ان احرف سبعہ میں سے ہے جن پر قرآن کریم نازل ہوا۔ مسلمانوں کو اس کا قبول کرنا واجب ہے اور اگر تینوں شرائط میں سے کسی شرط میں خلل آجائے تو وہ قراءت شاذہ، ضعیف یا باطل ہوگی۔[2] یہ بات کہ تمام قراءات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف میں سما جاتی ہیں ہم اس کی وضاحت ایک مثال سے کرتے ہیں: سورۂ فاتحہ کی آیت ﴿مَالِكِ يوم الدين﴾ کو لیجیے۔ اسے رسم عثمانی میں اعراب اور نقطوں کے بغیر یوں لکھا گیا ہے ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اس آیت میں ﴿ملك﴾ کو ﴿مٰلِكِ﴾ اور ﴿مَلِكِ﴾ دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے اور یہ دونوں قراءات متواترہ ہیں۔ روایت حفص میں اسے ﴿مٰلِكِ﴾ میم پر کھڑا زبر اور روایت ورش میں اسے ﴿مَلِكِ﴾ میم پر زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ حجاز میں یہ دونوں الفاظ ایک ہی مفہوم کے لیے استعمال ہوتے ہیں، یعنی روزِ جزا کا مالک یا روز جزا کا بادشاہ۔ جو کسی علاقے کا بادشاہ ہوتا ہے وہ اس کا مالک ہی ہوتا ہے، لیکن جس مقام پر اختلاف قراءات کے متعلق متواتر سند نہ ہو وہاں رسم الخط میں گنجائش کے باوجود دوسری قراءت پڑھنا ناجائز اور حرام ہے، مثلاً: سورۃ الناس کی دوسری آیت رسم عثمانی کے مطابق اس طرح ہے: ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ اسے تمام قراء ﴿مَلِكِ الناس﴾ ہی پڑھتے ہیں۔ اسے کوئی بھی ﴿مٰلك الناس﴾ کھڑے زبر کے ساتھ نہیں پڑھتا کیونکہ یہاں اختلاف قراءات منقول نہیں ہے۔ دراصل قراءات متواترہ کے اختلاف سے قرآن کریم میں کوئی ایسا رد و بدل نہیں ہوتا جس سے اس کے مفہوم اور معنی تبدیل ہو جائیں یا حلال حرام ہو جائے بلکہ اختلاف قراءات کے باوجود بھی قرآن، قرآن ہی

---

1 النشر، ص: 26/1. 2 النشر، ص: 9/1.

رہتا ہے اور اس کے نفس مضمون میں کسی قسم کا کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ بہرحال قراءات متواترہ جنھیں احادیث میں احرف سبعہ سے تعبیر کیا گیا ہے وہ آج بھی موجود ہیں اور اس کے انکار کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

(٥٤) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر: ١٧]

باب: 54- ارشاد باری تعالیٰ: ''ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے، کیا پھر ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا'' کا بیان

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ»، يُقَالُ مُيَسَّرٌ: مُهَيَّأٌ.

نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس عمل کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لیے آسان کر دیا گیا ہے۔ مُیسر کے معنی ہیں: تیار کیا گیا، یعنی آسان کیا گیا ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ بِلِسَانِكَ: هَوَّنَّاهُ عَلَيْكَ.

مجاہد نے کہا: يسرنا القرآن بلسانك کے معنی ہیں: ہم نے آپ پر اس کی قراءت آسان کر دی ہے۔

وَقَالَ مَطَرٌ الْوَرَّاقُ: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ قَالَ: هَلْ مِنْ طَالِبِ عِلْمٍ فَيُعَانَ عَلَيْهِ؟.

مطروراق نے کہا: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ کا مطلب ہے: کوئی علم قرآن کا طالب ہے جس کی اس کے متعلق مدد کی جائے؟

وضاحت: علامہ عینی ؒ نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کے معنی لکھے ہیں کہ ہم نے قرآن کو یاد کرنے اور نصیحت کے لیے آسان بنا دیا ہے۔[1] امام بخاری ؒ کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا حفظ کرنا، اس کا سمجھنا اور اس سے نصیحت حاصل کرنا، نیز اس کی تلاوت اور قراءت یہ سب بندے کے افعال ہیں، وہ اپنے رب سے ان کے لیے مدد طلب کرتا ہے کہ وہ اس کے لیے آسان کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کا اس آیت کریمہ میں وعدہ کیا ہے، البتہ جسے سمجھا جائے یا یاد کیا جائے یا پڑھا جائے وہ بندے کا فعل نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے۔[2]

٧٥٥١ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: قَالَ يَزِيدُ: حَدَّثَنِي مُطَرِّفُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عِمْرَانَ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! فِيمَا يَعْمَلُ الْعَامِلُونَ؟ قَالَ: «كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ». [راجع: ٦٥٩٦]

[7551] حضرت عمران ؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! پھر لوگ عمل کس لیے کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ہر شخص کے لیے اس عمل میں آسانی پیدا کر دی گئی ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔''

---

[1] عمدة القاري: 727/18. [2] شرح كتاب التوحيد للغنيمان: 625/2.

٧٥٥٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ وَالْأَعْمَشِ: سَمِعَا سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَلِيٍّ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُ] عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ كَانَ فِي جِنَازَةٍ فَأَخَذَ عُودًا فَجَعَلَ يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ فَقَالَ: «مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ أَوْ مِنَ النَّارِ»، قَالُوا: أَلَا نَتَّكِلُ؟ قَالَ: «اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى﴾ اَلْآيَةَ» [الليل:٥]. [راجع: ١٣٦٢]

[7552] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک جنازے میں شریک تھے کہ آپ نے وہاں ایک لکڑی پکڑ لی اور اس سے زمین کریدنے لگے، پھر آپ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کی جگہ دوزخ یا جنت میں لکھ دی گئی ہے۔'' صحابہ نے کہا: کیا ہم اسی پر بھروسا نہ کرلیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم عمل کرتے رہو، ہر عمل آسان کردیا گیا ہے (جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے)۔'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''جس شخص نے اللہ کی راہ میں دیا اور تقویٰ اختیار کیا......''

فوائد ومسائل: ① ہمارے اکثر لوگ نوشتۂ تقدیر (تقدیر کے لکھے ہوئے) کو بہانہ بنا کر بدعملی کا شکار ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو قدرت کے ہاتھ محض کھلونے کی حیثیت رکھتے ہیں مشیت تو اللہ تعالیٰ کی پوری ہوتی ہے، پھر ہمیں سزا کیوں ملے؟ مشرکین مکہ بھی اپنے اختیاری شرک کے لیے اللہ تعالیٰ کی مشیت کو پیش کرتے تھے، چنانچہ قرآن میں ہے: ''یہ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس (اللہ) کے سوا کسی بھی چیز کی عبادت نہ کرتے۔''[1] آج کج فہم قسم کے مجرم اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے اکثر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی کا بہانہ پیش کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کے نتیجے کے متعلق پیشگی علم ہونا یا اس کا علم غیب کسی انسان کو اس بات پر مجبور نہیں کرتا کہ وہ وہی کچھ کرے جو اللہ تعالیٰ کے علم یا اس کی مشیت یا تقدیر میں لکھا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ انسان اپنے پورے ارادے اور اختیار سے کرنے والا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا پہلے سے علم ہوتا ہے۔ قیامت کے دن انسان کو اپنے ارادے واختیار کے استعمال پر جزا یا سزا ملے گی۔ یہ لوگ فراخیٔ رزق یا طلب اولاد یا بیماری سے شفایابی کے لیے کبھی تقدیر کا سہارا نہیں لیتے کہ جو کچھ ہمارے مقدر میں ہے وہ مل کر رہے گا بلکہ وہ حصول رزق کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔ طلب اولاد کے لیے شادی رچاتے ہیں اور حصول شفا کے لیے حکیم یا ڈاکٹر کے پاس بھی جاتے ہیں لیکن نماز، روزے کے اہتمام سے پہلوتہی کرنے کے لیے تقدیر کو بہانہ بنا لیتے ہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ انسان کو اس کے اختیاری عمل پر جزا وسزا دی جائے گی جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔ بندہ درحقیقت اپنے اعمال کا فاعل ہے، وہ اسی بنا پر مومن یا کافر ہے۔ اسی طرح قاری جب اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتا ہے تو قراءت اس کا فعل اور کسب ہے اور جسے پڑھا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی صفت ہے جسے اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا ہے۔ جب قاری اسے پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس عمل کی نسبت انسان کی طرف ہوگی اور اس کے مطابق اسے جزا دی جائے گی۔ واللہ المستعان.

---

1 النحل 16: 35.

(٥٥) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿بَلْ هُوَ قُرْءَانٌ مَّجِيدٌ ۝ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ﴾ [البروج: ٢١، ٢٢]

باب: 55- ارشاد باری تعالیٰ: "بلکہ وہ قرآن بڑی شان والا ہے جو لوح محفوظ میں (درج) ہے" کا بیان

﴿وَالطُّورِ ۝ وَكِتَٰبٍ مَّسْطُورٍ﴾ [الطور: ١، ٢]، قَالَ قَتَادَةُ: مَكْتُوبٌ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "کوہ طور کی قسم! اور لکھی ہوئی کتاب کی قسم!" قتادہ نے کہا: ﴿مسطور﴾ کے معنی مکتوب، یعنی لکھی ہوئی ہے۔

﴿يَسْطُرُونَ﴾ [القلم: ١]: يَخُطُّونَ. ﴿فِيٓ أُمِّ ٱلْكِتَٰبِ﴾ [الزخرف: ٤]: جُمْلَةِ الْكِتَابِ وَأَصْلِهِ. ﴿مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ﴾ [ق: ١٨]: مَا يَتَكَلَّمُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا كُتِبَ عَلَيْهِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يُكْتَبُ الْخَيْرُ وَالشَّرُّ.

﴿يسطرون﴾: وہ لکھتے ہیں۔ ﴿فِيٓ أُمِّ الْكِتَٰبِ﴾ کے معنی ہیں: مجموعی اور اصلی کتاب میں۔ ﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ﴾ یعنی جو کچھ کلام کرے گا وہ لکھ لیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: خیر اور شر لکھا جاتا ہے۔

﴿يُحَرِّفُونَ﴾ [النساء: ٤٦]: يُزِيلُونَ، وَلَيْسَ أَحَدٌ يُزِيلُ لَفْظَ كِتَابٍ مِنْ كُتُبِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَكِنَّهُمْ يُحَرِّفُونَهُ: يَتَأَوَّلُونَهُ عَنْ غَيْرِ تَأْوِيلِهِ.

﴿يُحَرِّفُونَ﴾ اس کا مطلب ہے: وہ زائل کرتے ہیں۔ اللہ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کا لفظ کوئی بھی زائل نہیں کر سکتا لیکن وہ اس کی خلاف واقعہ تاویلیں کرتے ہیں۔

﴿دِرَاسَتِهِمْ﴾ [الأنعام: ١٥٦]: تِلَاوَتِهِمْ. ﴿وَٰعِيَةٌ﴾ [الحاقة: ١٢]: حَافِظَةٌ. ﴿وَتَعِيَهَآ﴾ [الحاقة: ١٢]: تَحْفَظُهَا.

﴿دِرَاسَتِهِمْ﴾ کے معنی ہیں: ان کا تلاوت کرنا۔ ﴿وَاعِيَةٌ﴾ کے معنی ہیں: یاد رکھنے والے۔ اسی طرح ﴿تَعِيَهَا﴾ اس کی حفاظت کرتی ہے۔

﴿وَأُوحِىَ إِلَىَّ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانُ لِأُنذِرَكُم بِهِۦ﴾ [الأنعام: ١٩]: يَعْنِي أَهْلَ مَكَّةَ، ﴿وَمَنۢ بَلَغَ﴾ هٰذَا الْقُرْآنُ فَهُوَ لَهُ نَذِيرٌ.

﴿وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ﴾ "اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا تاکہ میں اس کے ذریعے سے اہل مکہ کو خبردار کروں۔" ﴿وَمَنْ بَلَغَ﴾ سے مراد دوسرے تمام جہان کے لوگ ہیں۔ ان سب کو یہ قرآن ڈرانے والا ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کے دور میں فتنۂ خلق قرآن نے سر اٹھایا اور بہت سے علمائے راسخین اس سے دوچار ہوئے۔ خود امام بخاری رحمہ اللہ کو بھی اس آزمائش سے گزرنا پڑا۔ انھوں نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے دلائل و براہین کے انبار لگا دیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کیے ہوئے عنوان جو خاموش لیکن بہت ٹھوس ہوتے ہیں، انھیں سمجھنے کے لیے بھی دقت فہم اور باریک بینی

کی ضرورت ہے، چنانچہ مذکورہ بالا عنوان میں متعدد دلائل اس امر کے اثبات میں دیے ہیں کہ تلاوت یا قراءت اسی طرح جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو قلم، سیاہی اور کاغذ وغیرہ مخلوق ہیں، البتہ جو چیز پڑھی یا لکھی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ اس عنوان میں کتب سابقہ میں تحریف کا بھی ذکر ہے، چنانچہ ہمارے ہاں تحریف کے متعلق چار موقف حسب ذیل ہیں: ○ تمام کتب سابقہ کو یکسر بدل دیا گیا ہے لیکن اس اطلاق کو اکثر پر محمول کرنا چاہیے کیونکہ ان کی متعدد آیات ایسی ہیں جن میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ ○ اکثر طور پر تحریف و تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اس کے متعلق متعدد دلائل ہیں۔ پہلا قول بھی اسی پر محمول کرنا چاہیے۔ ○ ان کتابوں میں بہت کم تحریف ہوئی ہے اور اکثر حصہ اپنی اصلیت پر باقی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ ؒ نے اپنی کتاب ''الجواب الصحیح'' میں اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔ ○ تحریف الفاظ میں نہیں بلکہ معانی میں ہوئی ہے۔ الفاظ اپنی جگہ پر ہیں، البتہ ان کی غلط تاویلات کی گئی ہیں۔ اس آخری موقف کو امام بخاری ؒ نے اختیار کیا ہے جس کی صراحت انھوں نے مذکورہ عنوان میں کی ہے۔ ہمارے نزدیک تورات و انجیل میں تحریف صرف معانی کی صورت ہی میں نہیں بلکہ اہل کتاب نے ان کے الفاظ بھی بدل ڈالے ہیں۔ واللہ اعلم۔ آخر میں امام بخاری ؒ نے ایک آیت کا حوالہ دیا ہے جس میں قرآن اور اس کے ذریعے سے لوگوں کو ڈرانے کا ذکر ہے۔ انھوں نے اس سے ثابت کیا ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے جبکہ انذار (ڈرانا) رسول ﷺ کا فعل مخلوق ہے۔ وہ انذار، یعنی ڈرانا قراءت سے ہے اور قراءت آپ ﷺ کا فعل ہے۔ اسی طرح قرآن کو دوسروں تک پہنچانے کا ذکر بھی ہے، اس سے بھی یہی ثابت کیا ہے کہ جو بندہ اسے دوسروں تک پہنچاتا ہے اس کا ابلاغ (پہنچانا) اور آواز و قراءت، مبلغ (پہنچانے والے) کا فعل ہے جو مخلوق ہے اور جو چیز انھیں پہنچائی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ یہ آیت جہم اور اس کے پیروکاروں پر بہت سخت ہے۔ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔[1]

٧٥٥٣ - وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ بْنُ خَيَّاطٍ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ: سَمِعْتُ أَبِي عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَمَّا قَضَى اللهُ الْخَلْقَ كَتَبَ كِتَابًا عِنْدَهُ: غَلَبَتْ - أَوْ قَالَ: سَبَقَتْ - رَحْمَتِي غَضَبِي، فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ». [راجع: ٣١٩٤]

[7553] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا تو اس نے اپنے پاس، عرش کے اوپر ایک کتاب لکھ کر رکھی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے یا میرے غصے سے آگے بڑھ چکی ہے۔''

٧٥٥٤ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي غَالِبٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: أَنَّ أَبَا رَافِعٍ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ:

[7554] حضرت ابوہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کرنے سے پہلے ایک نوشتہ تحریر کیا کہ میری رحمت میرے غضب سے بڑھ کر ہے، اور وہ نوشتہ

1 شرح کتاب التوحید للغنیمان: 650/2.

سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ اللهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ الْخَلْقَ: إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي، فَهُوَ مَكْتُوبٌ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ». [راجع: ٣١٩٤]

عرش کے اوپر اس کے پاس لکھا ہوا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① ان دونوں روایات میں بظاہر تضاد ہے۔ ایک میں ہے کہ مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد نوشتہ لکھا اور دوسری میں ہے کہ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اسے تحریر کیا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قضی الخلق کا مطلب ہے کہ اس نے پہلے خلقت کا پیدا کرنا ٹھان لیا۔ اگر اس سے مراد یہ ہو کہ وہ پیدا کر چکا تھا تو موافقت کی صورت یہ ہوگی کہ خلقت کی تخلیق سے پہلے تحریر لکھنے سے مراد کتاب لکھنے کا ارادہ کرنا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ازل میں کر چکا تھا اور خلقت کی تخلیق سے پہلے وہ ارادہ موجود تھا۔ واللہ أعلم۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا نام مصاحف میں لکھا ہوتا ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کلام متکلم کی ایسی صفت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے، اس سے الگ نہیں ہوتی۔ کلام کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ وہ ذات سے الگ ہو کر کسی دوسری چیز میں حلول کر گئی ہے۔ مخلوق میں سے جب کوئی کلام کرتا ہے تو وہ بھی ذات سے الگ نہیں ہوتی اور کسی دوسری چیز میں حلول نہیں کرتی چہ جائیکہ کلام الٰہی کے متعلق یہ تصور کیا جائے کہ وہ ذات باری تعالیٰ سے الگ ہو کر کسی دوسری چیز میں حلول ہوئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وہ بہت خطرناک بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے، جو کچھ وہ کہتے ہیں سراسر جھوٹ ہے۔"[1] اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ خطرناک بات ان کے منہ سے نکلتی ہے لیکن اس کے باوجود ان کی ذات سے الگ نہیں ہوتی۔ ③ پیش کردہ احادیث سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کچھ ایسی فعلی صفات بھی ہیں جو اصل کے اعتبار سے قدیم ہوتی ہے لیکن مخلوق سے تعلق حادث ہوتا ہے جیسا کہ غضب اور رحمت ہے۔ حدیث میں سبقت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تعلق اس کے غضب کے تعلق سے مقدم ہے۔ اگر یہ معنی نہ کیے جائیں تو رحمت کا غضب سے سبقت لے جانا متصور نہیں ہوتا کیونکہ غضب صفت قدیمہ ہے اور قدیم وہ ہوتا ہے جو مسبوق بالعدم نہ ہو اور نہ کوئی اس کے آگے ہی ہو۔ اسی طرح کلام الٰہی قدیم ہے لیکن اس کا لوح محفوظ سے تعلق حادث ہے۔ واللہ أعلم۔

(٥٦) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ [الصافات: ٩٦] ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَهُ بِقَدَرٍ﴾ [القمر: ٤٩]

باب: 56- ارشاد باری تعالیٰ: "حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمھیں پیدا کیا اور اسے بھی جو تم کرتے ہو۔" نیز: "بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے۔" کا بیان

وَيُقَالُ لِلْمُصَوِّرِينَ: «أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ»

قیامت کے دن تصویر بنانے والوں سے کہا جائے گا کہ

[1] الكهف 18: 5.

جو تم نے پیدا کیا ہے اس میں جان ڈالو۔

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ إِلَى: ﴿تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ [الأعراف: ٥٤]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”یقیناً تمھارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو (چھ دن میں) پیدا کیا...... رب العالمین بہت برکت والا ہے۔“

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: بَيَّنَ اللهُ الْخَلْقَ مِنَ الْأَمْرِ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾

سفیان بن عیینہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے خلق اور امر کو الگ الگ بیان کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”آگاہ رہو! اسی کے لیے تخلیق ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے۔“

وَسَمَّى النَّبِيُّ ﷺ الْإِيمَانَ عَمَلًا. قَالَ أَبُو ذَرٍّ وَأَبُو هُرَيْرَةَ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «إِيمَانٌ بِاللهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ». وَقَالَ: ﴿جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [السجدة: ١٧]. وَقَالَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ لِلنَّبِيِّ ﷺ: مُرْنَا بِجُمَلٍ مِنَ الْأَمْرِ إِنْ عَمِلْنَا بِهَا دَخَلْنَا الْجَنَّةَ، فَأَمَرَهُمْ بِالْإِيمَانِ وَالشَّهَادَةِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ. فَجَعَلَ ذَلِكَ كُلَّهُ عَمَلًا.

نبی ﷺ نے ایمان کو عمل کا نام دیا ہے جیسا کہ حضرت ابو ذر اور حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا: کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”اللہ پر ایمان لانا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا۔“ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”یہ بدلہ ہے اس کا جو وہ کرتے تھے۔“ وفد عبدالقیس نے نبی ﷺ سے عرض کی: آپ ہمیں چند ایسے جامع اعمال بتا دیں جن پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے انھیں ایمان، شہادت، نماز قائم کرنے اور زکاۃ دینے کا حکم دیا۔ اس طرح آپ نے ان تمام چیزوں کو عمل قرار دیا۔

وضاحت: بندوں کے افعال کے سلسلے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے انھیں خارج خیال کرتے ہیں۔ اس کے برعکس کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بندے اپنے عمل میں مجبور محض ہیں، انھیں اس سلسلے میں کوئی اختیار یا قدرت نہیں ہے، لیکن اہل سنت کا موقف ان کے بین بین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے اور ان میں اعمال کرنے کی قدرت بھی اسی نے پیدا کی ہے، پھر انھیں اختیار دیا ہے اور وہ اپنے ارادے اور مشیت سے انھیں کرتے ہیں اور جن کے ترک کا ارادہ کرتے ہیں انھیں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس مقام پر امام بخاری ؒ نے بھی اہل سنت (محدثین) کے موقف کی تائید کی ہے اور بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں اور ان کے افعال کا خود خالق ہے۔ اس موقف کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے ”خلق أفعال العباد“ کے نام سے ایک کتاب بھی تالیف کی ہے۔ دراصل لوگوں کی گمراہی کا سبب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت خلق اور مخلوق کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ خلق اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کے ذریعے سے وہ مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور مخلوق اس صفت خلق کا نتیجہ ہے۔ بہر حال امام بخاری ؒ نے اہل سنت کا موقف ثابت کیا ہے کہ بندہ اور اس کے افعال

دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں کیونکہ خالق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کیا اللہ کے سوا کوئی (اور) خالق ہے......؟''[1] آپ نے اس عنوان میں معتزلہ اور قدریہ کا رد کیا ہے جو بندے کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں۔

٧٥٥٥ – حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ عَنْ زَهْدَمٍ، قَالَ: كَانَ بَيْنَ هٰذَا الْحَيِّ مِنْ جَرْمٍ وَبَيْنَ الْأَشْعَرِيِّينَ وُدٌّ وَإِخَاءٌ، فَكُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ الطَّعَامُ فِيهِ لَحْمُ دَجَاجٍ، وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ اللهِ - كَأَنَّهُ مِنَ الْمَوَالِي - فَدَعَاهُ إِلَيْهِ فَقَالَ الرَّجُلُ: إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ [شَيْئًا] فَقَذِرْتُهُ، فَحَلَفْتُ لَا آكُلُهُ، فَقَالَ: هَلُمَّ فَلْأُحَدِّثْكَ عَنْ ذَاكَ، إِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ نَسْتَحْمِلُهُ، قَالَ: «وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ، وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ»، فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِنَهْبِ إِبِلٍ فَسَأَلَ عَنَّا فَقَالَ: «أَيْنَ النَّفَرُ الْأَشْعَرِيُّونَ؟» فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى، ثُمَّ انْطَلَقْنَا، قُلْنَا: مَا صَنَعْنَا؟ حَلَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَحْمِلُنَا وَمَا عِنْدَهُ مَا يَحْمِلُنَا، ثُمَّ حَمَلَنَا؟ تَغَفَّلْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمِينَهُ، وَاللهِ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا، فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ فَقُلْنَا لَهُ، فَقَالَ: «لَسْتُ أَنَا أَحْمِلُكُمْ، وَلٰكِنَّ اللهَ حَمَلَكُمْ، إِنِّي وَاللهِ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ [مِنْهُ] وَتَحَلَّلْتُهَا».

[راجع: ٣١٣٣]

[7555] حضرت زہدم سے روایت ہے، انھوں نے کہا: قبیلۂ جرم اور اشعری قبیلے کے درمیان محبت اور بھائی چارے کا معاملہ تھا۔ ایک مرتبہ ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور ان کے ہاں بنوتیم اللہ کا ایک شخص بھی تھا۔ غالباً وہ عرب کے غلام لوگوں میں سے تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی تو اس نے کہا: میں نے مرغی کو گندگی کھاتے دیکھا تو اسی وقت سے قسم اٹھائی کہ اس کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: آؤ! میں تمھیں اس کے متعلق ایک حدیث بیان کرتا ہوں۔ میں نبی ﷺ کے پاس اشعری قبیلے کے چند افراد لے کر حاضر ہوا اور ہم نے آپ سے سواری مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تمھارے لیے سواری کا بندوبست نہیں کر سکتا اور نہ میرے پاس کوئی چیز ہے جسے میں تمھیں سواری کے لیے دوں۔'' پھر نبی ﷺ کے پاس مال غنیمت میں سے کچھ اونٹ آئے تو آپ ﷺ نے ہمارے متعلق دریافت کیا: ''اشعری کہاں ہیں؟'' پھر آپ ﷺ نے ہمیں پانچ عمدہ اونٹ دینے کا حکم دیا۔ جب ہم انھیں لے کر چلے تو ہم نے کہا: یہ ہم نے کیا کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ ہمیں سواری کے لیے کوئی جانور نہیں دیں گے اور نہ آپ کے پاس کوئی ایسا جانور ہے جو ہمیں سواری کے لیے دیں، اس کے باوجود آپ نے ہمیں سواریاں دی ہیں۔ ہم نے تو رسول اللہ ﷺ کو آپ کی قسم سے غافل کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم! ایسے حالات میں تو

[1] فاطر 35:3.

ہم کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ پھر ہم آپ کی طرف لوٹے اور آپ سے بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تمھیں سواریاں نہیں دیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے دی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں جب کوئی قسم اٹھاتا ہوں، پھر اس کا غیر اس سے بہتر دیکھتا ہوں تو وہ کرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے اور قسم کا کفارہ دے کر اس سے خلاصی حاصل کر لیتا ہوں۔“

فوائد و مسائل: ❶ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا کسب کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرتا ہے کیونکہ اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے انھیں سواریاں فراہم کیں اور فرمایا: یہ سواریاں میں نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے دی ہیں جیسا کہ روزے دار بھول کر کھا لے تو فرمایا: اللہ تعالیٰ اسے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت عطا کیا تھا تو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی نے انھیں اونٹ دیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے افعال کا خالق ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے فعلِ عطا کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ اسباب کا مہیا کرنے والا اور انھیں پیدا کرنے والا وہ خود ہے۔ ❷ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: اس حدیث میں سواریاں دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ وہ تو رسول اللہ ﷺ نے فراہم کی تھیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسباب مہیا کیے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے اس فعل کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جیسا کہ ارشاد باری ہے: ”اور جب آپ نے مٹھی پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔“ [1]

٧٥٥٦ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ: حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو جَمْرَةَ الضُّبَعِيُّ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالُوا: إِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ الْمُشْرِكِينَ مِنْ مُضَرَ، وَإِنَّا لَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي أَشْهُرٍ حُرُمٍ، فَمُرْنَا بِجُمَلٍ مِنَ الْأَمْرِ إِنْ عَمِلْنَا بِهِ دَخَلْنَا الْجَنَّةَ وَنَدْعُو إِلَيْهَا مَنْ وَرَاءَنَا. قَالَ: «آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ، وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ. آمُرُكُمْ بِالْإِيمَانِ بِاللهِ، وَهَلْ تَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللهِ؟ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَتُعْطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ

[7556] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا قبیلۂ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور انھوں نے کہا: ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلۂ مضر کے مشرکین حائل ہیں، اس لیے ہم آپ کے پاس صرف حرمت والے مہینوں میں آ سکتے ہیں۔ آپ ہمیں کچھ جامع احکام بتا دیں، ہم جن پر عمل پیرا ہو کر جنت میں چلے جائیں، نیز ان احکام کی طرف ان لوگوں کو دعوت دیں جو ہمارے پیچھے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”میں تمھیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں: میں تمھیں ایمان باللہ کا حکم دیتا ہوں۔ تمھیں معلوم ہے کہ ایمان باللہ کیا ہے؟ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود

1 الأنفال 17:8، وفتح الباري: 663/13.

الْخُمُسَ. وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ: لَا تَشْرَبُوا فِي الدُّبَّاءِ وَالنَّقِيرِ وَالظُّرُوفِ الْمُزَفَّتَةِ وَالْحَنْتَمَةِ». [راجع: ٥٣]

برحق نہیں، نیز نماز قائم کرنے، زکاۃ دینے اور غنیمت میں سے پانچواں حصہ دینے کا حکم دیتا ہوں۔ اور تمھیں چار کاموں سے روکتا ہوں: کدو کے برتن، لکڑی کے برتن، تارکول کیے ہوئے برتن اور سبز مٹکوں میں نبیذ بنا کر اسے مت نوش کرو۔"

فائدہ: اس حدیث میں ہے کہ وفد عبدالقیس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ آپ ہمیں ایسے جامع احکام سے آگاہ کریں جن پر ہم ایمان لا کر جنت کے حق دار بن جائیں۔ یہ اعمال جن کی وجہ سے وہ جنت میں جائیں گے، وہ ان کے افعال ہیں۔ ان کی طرف ہی درحقیقت ان کی نسبت ہوگی کیونکہ وہ انھیں اپنے ارادے اور اختیار سے کرنے والے ہیں، حالانکہ ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی انھیں اور ان کے اعمال کو پیدا کرنے والا ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ "خلق أفعال العباد" میں ایک حدیث لائے ہیں: "اللہ ہی ہر کاریگر اور اس کی کاری گری کو پیدا کرنے والا ہے۔"[1] بندوں کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مشیت کے تحت رونما ہوتے ہیں۔ واللہ أعلم.

٧٥٥٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ». [راجع: ٢١٠٥]

[7557] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ ان تصویریں بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: "جو تم نے پیدا کیا تھا ان کو زندہ کرو۔"

٧٥٥٨ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ أَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ». [راجع: ٥٩٥١]

[7558] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "ان تصویریں بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: جو تم نے پیدا کیا تھا انھیں زندہ کرو۔"

فائدہ: ان احادیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ جن لوگوں کا دعویٰ ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں اگر ان کا دعویٰ صحیح ہوتا تو تصاویر بنانے والوں کو اس قدر شرمسار اور ذلیل نہ کیا جاتا۔ ان کی طرف پیدا کرنے کی نسبت بطور استہزا ہے، دراصل ان کا کسب اور فعل تھا یا ان کے زعم فاسد کی بنیاد پر خلق کا اطلاق کیا گیا ہے۔ بہرحال تصویر بنانا ان کا فعل اور عمل ہے جس کی بنیاد پر انھیں عذاب کا حق دار ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ انھوں نے اسے اپنے ارادے اور اختیار سے بنایا تھا اور یہ ان کا حقیقی فعل

[1] خلق أفعال العباد، ص: 41.

تھا جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا کیونکہ اس نے ہی اس عمل کا راستہ ان کے لیے آسان کیا تھا۔ چونکہ انھوں نے اپنے ارادے کو استعمال کرتے ہوئے اسے اختیار کیا، اس لیے عذاب کے مستحق ہوئے۔

⇦ انتہائی ضروری نوٹ: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تین قسم کی تصاویر تھیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہیں: * لکڑی اور پتھروں کے بت تھے جنھیں تمثال کہا جاتا تھا۔ ان کا جسم ہوتا تھا۔ ان کی عبادت کے لیے انھیں تراشا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس قسم کی مورتیوں کو توڑ دیا جائے۔ * کپڑوں پر تصاویر کے نقش ہوتے تھے۔ ان کا الگ کوئی وجود نہ تھا۔ ان کے متعلق حکم دیا کہ ایسے کپڑوں کو پھاڑ دیا جائے یا انھیں نیچے بچھا کر ان کی توہین کی جائے یا ان کے سر کاٹ کر درختوں کی طرح بنا لیا جائے۔ بہرحال اس قسم کی تصاویر کے متعلق بھی سخت ممانعت ہے۔ * شیشے پر کسی چیز کا عکس آتا، اسے بھی تصویر کا نام دیا جاتا۔ جب انسان شیشے کے سامنے ہوتا وہ تصویر برقرار رہتی۔ جب اس کے سامنے سے ہٹ جاتا تو تصویر بھی غائب ہو جاتی۔ اس کے متعلق کوئی وعید نہیں ہے بلکہ اسے دیکھ کر ایک دعا پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ دور حاضر میں دو تصاویر مزید ہمارے سامنے آئی ہیں، ان کا حکم بھی درج بالا تصاویر کے حکم سے ملتا جلتا ہے۔ وہ تصاویر یہ ہیں: ◯ کاغذ پر چھپی ہوئی تصویر جیسا کہ اخبارات میں فوٹو شائع ہوتے ہیں۔ اس کا وہی حکم ہے جو رسول اللہ ﷺ کے دور میں کپڑے پر نقش تصویر کا ہے۔ ◯ ویڈیو کی تصویر جسے لہروں کے ذریعے سے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق علماء کی مختلف آراء ہیں: بعض اسے شیشے کی تصویر سے ملحق کر کے اس کے جواز کو ثابت کرتے ہیں اور بعض اسے دوسری تصاویر کے ساتھ ملا کر اس کے متعلق حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ہمارے رجحان کے مطابق اسے کپڑے پر نقش تصویر کی طرح قرار دینا مناسب ہے کیونکہ اسے محفوظ کر لیا جاتا ہے، جب بھی ضرورت پڑے اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ فتنے کے سد باب کے لیے اسے ناجائز قرار دینا ہی مناسب ہے، ہاں اگر کوئی ضرورت ہو تو اس کے متعلق نرم گوشہ رکھا جا سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

٧٥٥٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ: سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ كَخَلْقِي، فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْ شَعِيرَةً». [راجع: ٥٩٥٣]

[7559] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو میرے پیدا کرنے کی مانند پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اگر ان میں ہمت ہے تو وہ چھوٹی سی چیونٹی پیدا کر کے دکھائیں یا اس کے علاوہ دانہ یا جو پیدا کریں۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں اشارہ ہے کہ حیوان بنانا تو بہت مشکل ہے، نباتات کی قسم سے کوئی دانہ یا جو پیدا کر دیں۔ جب وہ نباتات نہیں بنا سکتے تو حیوانات کیا بنائیں گے۔ اس سے مقصد انھیں کبھی تو حیوان پیدا کرنے کے ساتھ عاجز کرنا ہے کہ وہ چیونٹی پیدا کریں اور کبھی جامد چیز کی پیدائش سے انھیں عاجز کرنا ہے کہ وہ ایک جو ہی پیدا کر کے دکھائیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ ان کی طرف خلق کی نسبت کرنا انھیں عاجز کرنے کے لیے ہے، حالانکہ وہ تو خود مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ

انھیں پیدا کرنے والا ہے بلکہ ان کے افعال و کردار کا بھی وہی خالق ہے۔ چونکہ وہ اپنے افعال اپنے اختیار سے بجالاتے ہیں اس بنا پر وہ جزا وسزا کے حق دار ہیں۔ واللہ اعلم۔

(٥٧) بَابُ قِرَاءَةِ الْفَاجِرِ وَالْمُنَافِقِ، وَأَصْوَاتُهُمْ وَتِلَاوَتُهُمْ لَا تُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ

باب: 57- فاسق اور منافق کی تلاوت کا بیان اور یہ کہ ان کی آواز اور تلاوت ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتی

وضاحت: اس عنوان میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حسب سابق واضح کیا ہے کہ تلاوت قرآن، قرآن کریم کے علاوہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تلاوت تلاوت میں فرق ہے۔ مومن کی تلاوت سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جبکہ منافق کی تلاوت اس کے حلق سے نیچے نہیں اترتی، اس لیے کہ تلاوت بندے کا فعل اور مخلوق ہے جبکہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔

٧٥٦٠ - حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ، وَالَّذِي لَا يَقْرَأُ كَالتَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا، وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ، رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ، طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا». [راجع: ٥٠٢٠]

[7560] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''مومن کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اترنج کی طرح ہے جس کا ذائقہ بھی اچھا اور خوشبو بھی عمدہ ہے۔ اور جو قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور جیسی ہے کہ اس کا ذائقہ تو اچھا ہے لیکن اس کی خوشبو نہیں ہوتی۔ اور فاجر کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے گل بونہ کی طرح ہے جس کی خوشبو تو اچھی ہے لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہے اور وہ فاجر جو قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال اندرائن (تمے) کی سی ہے کہ اس کا مزہ بھی کڑوا ہے اور اس میں کوئی خوشبو بھی نہیں ہوتی۔''

فائدہ: اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ قرآن اور تلاوت میں فرق واضح کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور تلاوت بندے کا فعل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بندے کے فعل کی وجہ سے تلاوت، تلاوت میں فرق ہے۔ ایک عامل مومن کا تلاوت کرنا سنگترے کی طرح ہے جو بے شمار فوائد کا حامل ہے اور بدکردار کی تلاوت سے ماحول معطر نہیں ہوتا اور اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس بنا پر قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق، اور مومن و منافق کا تلاوت کرنا ان کا ذاتی فعل ہے اور فعل ہونے کے اعتبار سے وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ بہر حال بندوں کے افعال سب مخلوق ہیں، جن کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

٧٥٦١ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: أَخْبَرَنَا

[7561] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے

مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ؛ ح: وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ: أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ يَقُولُ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: سَأَلَ أُنَاسٌ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْكُهَّانِ فَقَالَ: «إِنَّهُمْ لَيْسُوا بِشَيْءٍ»، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! فَإِنَّهُمْ يُحَدِّثُونَ بِالشَّيْءِ يَكُونُ حَقًّا، قَالَ: [فَقَالَ] النَّبِيُّ ﷺ: «تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّيُّ فَيُقَرْقِرُهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ كَقَرْقَرَةِ الدَّجَاجَةِ، فَيَخْلِطُونَ فِيهِ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كَذْبَةٍ». [راجع: ٣٢١٠]

کہا: کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے کاہنوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''ان کی کسی بات کا اعتبار نہیں ہے۔'' انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! یہ لوگ بعض اوقات ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جو صحیح ثابت ہوتی ہیں۔ نبی ﷺ نے (وضاحت کرتے ہوئے) فرمایا: ''ان کی صحیح بات وہ ہوتی ہے جو شیطان، (فرشتوں سے سن کر) یاد کر لیتا ہے۔ پھر وہ مرغی کے کٹ کٹ کرنے کی طرح اپنے دوست (کاہن) کے کان میں ڈال دیتا ہے اور وہ اس میں سو سے زیادہ جھوٹ بھی ملا دیتے ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① کاہن، زمانۂ مستقبل کی خبریں دینے کا دعویٰ کرتے ہیں اور غیب جاننے کے مدعی ہوتے ہیں، حدیث میں اس کی نفی مقصود ہے۔ اس حدیث کی عنوان سے مناسبت اس طرح ہے کہ کاہن کبھی شیطان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا کلام اڑا لیتا ہے لیکن اس کا بیان کرنا، یعنی اسے تلاوت کرنا منافق کی طرح بہت برا ہے، اسی طرح شیاطین جب اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر کاہن کے کان میں ڈالتے ہیں تو ان کا کردار انتہائی گھناؤنا ہوتا ہے جبکہ فرشتوں کی تلاوت بہت اچھی اور قابل تعریف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت، بندوں کا فعل ہے اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور تلاوت، قرآن سے مختلف ہے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ منافق کی تلاوت بھی مومن کی تلاوت کی طرح ہے لیکن نتائج کے اعتبار سے دونوں میں بہت فرق ہے، حالانکہ متلو، یعنی قرآن کریم تو ایک ہے، اگر تلاوت اور متلو، یعنی قرآن ایک ہوتا تو اس قدر فرق نہ ہوتا۔ اسی طرح کاہن کا معاملہ ہے کہ شیاطین، فرشتے سے اللہ تعالیٰ کا کلام چھین کر اسے سناتے ہیں، اب فرشتے کے پڑھنے اور شیطان کے پڑھنے میں بہت فرق ہے، اس اعتبار سے بھی تلاوت اور قرآن، دو مختلف حقیقتیں ہیں۔[1] ہم اس بات کو ذرا آگے بڑھاتے ہیں کہ مذکورہ فرق اس امر کی دلیل ہے کہ تلاوت کرنا ان کا ایک عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

٧٥٦٢ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ ابْنُ مَيْمُونٍ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ سِيرِينَ يُحَدِّثُ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ،

[7562] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''کچھ لوگ مشرق کی طرف سے رونما ہوں گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے

[1] فتح الباري: 13/668، 669.

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَخْرُجُ نَاسٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَيَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، ثُمَّ لَا يَعُودُونَ فِيهِ حَتَّى يَعُودَ السَّهْمُ إِلَى فُوقِهِ»، قِيلَ: مَا سِيمَاهُمْ؟ قَالَ: «سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ»، أَوْ قَالَ: «التَّسْبِيدُ».

لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ پھر وہ واپس دین میں نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ تیر اپنی جگہ پر واپس آ جائے۔" پوچھا گیا: ان کی علامت کیا ہو گی؟ آپ نے فرمایا: "ان کی علامت سر منڈوانا ہے، یا فرمایا: بالوں کو جڑ سے تیست ونابود کرنا ہے۔"

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے مشرق کی طرف اشارہ کیا، اس سے مراد سرزمین عراق ہے جو تاریخی طور پر زمانۂ ماضی اور حال میں فتنوں کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ حضرت ابراہیم ؑ کو بھی اس سرزمین میں آزمائش و امتحان سے دوچار کیا گیا تھا۔ موجودہ دور میں بھی عراق کی فتنہ انگیزی ڈھکی چھپی نہیں۔ حدیث اور اہل حدیث کے خلاف اہل رائے کا فتنہ بھی اسی پرفتن سرزمین سے ابھرا تھا۔ ② امام بخاری ؒ کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ مشرق سے خروج کرنے والے فتنہ گروں کی تلاوت ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی، یعنی قرآن ان کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہوگا باوجودیکہ وہ قرآن کو یاد کرنے والے اور اس کی باقاعدہ تلاوت کرنے والے ہوں گے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کا معاملہ جداگانہ ہے۔ وہ جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ امام بخاری ؒ کا مقصود یہ ہے کہ تلاوت کا یہ فرق ان کے اعمال کا نتیجہ ہے، اس میں قرآن جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کا کوئی قصور نہیں۔ واللہ المستعان.

(٥٨) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَٰزِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَٰمَةِ﴾ [الأنبياء: ٤٧] وَأَنَّ أَعْمَالَ بَنِي آدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوزَنُ

باب: 58- ارشاد باری تعالیٰ: "اور ہم قیامت کے دن عدل و انصاف پر مبنی ترازو قائم کریں گے" اور لوگوں کے اعمال واقوال تولے جائیں گے کا بیان

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: اَلْقِسْطَاسُ: اَلْعَدْلُ بِالرُّومِيَّةِ، وَيُقَالُ: الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَهُوَ الْعَادِلُ، وَأَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ.

امام مجاہد نے کہا: قِسطَاس رومی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: عدل وانصاف۔ مُقْسِط کا مصدر قِسْط ہے جس کے معنی عادل اور منصف۔ اور قَاسِط کے معنی ہیں: ظالم اور گناہ گار۔

٧٥٦٣ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِشْكَابٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى

[7563] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: "دو کلمے ایسے ہیں جو رحمان کو بہت پسند ہیں، زبان پر بڑے ہلکے پھلکے (لیکن قیامت کے دن) ترازو میں بہت بھاری ہوں گے۔ وہ یہ ہیں: [سُبْحَانَ

الرَّحْمٰنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ» . [راجع: ٦٤٠٦]

اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ] "پاک ہے اللہ اپنی حمد کے ساتھ، پاک ہے اللہ جو بہت عظمت والا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے اصل مقصد یہ ہے کہ اولاد آدم کے اعمال و اقوال اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور انھی اقوال و اعمال کو قیامت کے دن میزان عدل میں رکھا جائے گا، پھر اس پر جزا و سزا مرتب ہوگی۔ اسی طرح قرآن کریم کی قراءت بھی انسان کا ذاتی عمل ہے۔ اگرچہ قرآن جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے وہ غیر مخلوق ہے، تاہم انسانی نطق اور تلفظ غیر مخلوق نہیں بلکہ یہ بندے کا کسب اور اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اسی طرح تسبیح و تحمید اور دیگر اذکار و اوراد بھی جب انسان کی زبان سے ادا ہوں گے تو انھیں ترازو میں تولا جائے گا تاکہ مقدار کے بجائے معیار کی اہمیت اجاگر کی جائے۔ چونکہ حدیث میں ہے کہ مجالس کو تسبیح سے ختم کیا جائے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی مجلس علم کو اللہ تعالیٰ کی تسبیح سے ختم کیا ہے۔ ② واضح رہے کہ دو گروہوں کے اعمال و اقوال کا وزن نہیں کیا جائے گا: ایک وہ کفار جن کی سرے سے کوئی نیکی نہ ہوگی۔ قرآن کریم میں ہے: "یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، لہٰذا ان کے اعمال برباد ہوگئے، قیامت کے دن ہم ان کے لیے میزان ہی نہیں رکھیں گے۔"[1] دوسرے وہ اہل ایمان جن کی برائیاں نہیں ہوں گی اور بے شمار نیکیاں لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے، انھیں بھی حساب کتاب کے بغیر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔[2] ③ چونکہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا محور توحید باری تعالیٰ ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی کتاب التوحید پر اپنی "الجامع الصحیح" کو ختم کیا ہے اور دنیا میں اخلاص نیت کے ساتھ اعمال کا اعتبار کیا جاتا ہے، اس لیے آپ نے حدیث [إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ] سے اس کتاب کا آغاز فرمایا اور آخرت میں اعمال کا وزن کیا جائے گا اور اس پر کامیابی کا دارومدار ہوگا، اس لیے حدیث میزان کو آخر کتاب میں بیان فرمایا، نیز تنبیہ فرمائی کہ قیامت کے دن ایسے اعمال کا وزن ہوگا جو سنت کے مطابق اور اخلاص نیت پر مبنی ہوں گے اور ان کی بنیاد "حق" پر ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے اور قیامت کے دن ہماری نیکیوں کا پلڑا بھاری کر دے۔ جس دن نہ مال کوئی فائدہ دے گا اور نہ اولاد کام آئے گی۔ الا یہ کہ قلب سلیم لے کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہو۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ،
وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَتْبَاعِهِ وَإِخْوَانِهِ أَجْمَعِينَ.

1 الكهف 18: 105. 2 صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6541.

فہرست
اطراف الحدیث
شعبہ تحقیق و تصنیف دارالسلام

أ

ب

خ

د

ز

س

ش

ص

غ

ق

ل

م

ن

هـ

و

ي